فاران

کراچی

پاکستان

ماہرالقادری

جلد ۵ ——— نمبر ۱

——— ماہنامہ ———

فاران

اپریل ۱۹۵۳ء

ایڈیٹر

ماہر القادری

چندہ سالانہ

۶ روپیہ (پاکستانی) ——— فی پرچہ ۸ آنے
۸ روپیہ (ہندستانی) ——— فی پرچہ ۱۱ آنے

مقام اشاعت

دفتر فاران

کیمبل اسٹریٹ کراچی نمبر ۱

نظم و ترتیب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ اوّل

"فاران" کا ایک ایک صفحہ اس کا گواہ ہے کہ ہم نے اربابِ اقتدار پر جب بھی تنقید کی ہے، تو شائستگی، متانت، سنجیدگی اور تہذیب کی حد سے بال برابر تجاوز نہیں کیا، ہم نے اس سلسلہ میں جو کچھ کہا ہے پوری خیر خواہی، دل سوزی اور دردمندی کے ساتھ کہا ہے، مقصد ہمیشہ اصلاحِ حال رہا ہے، پاکستان ایک اسلامی حکومت ہے جس کے ایک ایک چپہ کو ہم مسجد کی طرح مقدس سمجھتے ہیں، اور کوئی مسلمان بھی مسجد میں انتشار، فتنہ وفساد اور جنگ وجدل دیکھنا پسند نہیں کرسکتا۔

پاکستان سے ہماری محبت، وابستگی اور تعلق کی بنیاد کرسیاں، عہدے، مناصب اور دوسری مادی منفعتیں نہیں ہیں، پاکستان سے ہمارا رشتہ اسلام اور دین کا رشتہ ہے، جو تمام رشتوں سے زیادہ مضبوط ہے، یہاں تک کہ نسل، رنگ، قومیت اور وطنیت کے رشتے بھی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتے، اگر دل دکھلانے کی چیز ہوتی تو ہم دکھاتے کہ پاکستان کی ہر ابتری ایک مستقل زخم بن کر رہ گئی ہے، نظم ونسقِ مملکت کی خرابیوں اور اربابِ اختیار کی بے تدبیریوں کی خبریں سُن کر ہمارا دل جتنی اذیت محسوس کرتا ہے اُس کا حال یا ہم جانتے ہیں یا ہمارا خدا جانتا ہے۔

پہلو بشگافید و ببینید دلم را
تا چند بگویم کہ چنان است چناں نیست

ہم نے بار بار کہا ہے اور آج پھر کہتے ہیں کہ پاکستان میں اصلاحِ حال کی جو کوشش بھی کی جائے، اُسے آئینی ہونا چاہیے۔ توڑ پھوڑ، مار پیٹ اور دنگا فساد یہ سب غیر اسلامی حرکتیں ہیں، ایسی باتوں کے قریب بھی پھٹکنا نہ چاہیے، جہاں کہیں بھی ایسی شرارتیں، ہوئی ہیں ہم اُن سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں —— لوگ شاید عجلت پسند اور بے صبرے واقع ہوئے ہیں،

کاش! انھیں معلوم ہوتا کہ عوام کے متفقہ اور متحدہ آئینی احتجاج میں کس قدر طاقت ہوتی ہے اور کوئی طاقتور سے طاقتور حکومت بھی عوام کے احتجاج اور مطالبہ کے آگے ٹھیر نہیں سکتی۔

یہ باتیں ہم نے جان کر کہی ہیں، غرض یہ ہے کہ جو کچھ ہم آگے چل کر کہنا چاہتے ہیں اُس کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا نہ ہوں اور ذہن صاف ہو جائیں، مقصد گتھیوں کو اُلجھانا نہیں سلجھانا ہے۔

"**ختم نبوت**" کا مسئلہ کوئی فروعی یا فرقہ وارانہ مسئلہ نہیں ہے بلکہ ایمان اور اسلام کا بنیادی مسئلہ ہے جو کوئی اسے "فرقہ واری مسئلہ" سمجھتا ہے وہ نہ تو اسلام سے واقف ہے اور نہ وحدت و اجتماعیت اور فرقہ واریت کے فرق اور تفاضوں کی خبر رکھتا ہے، یوں طاقت کے نشہ میں سرشار ہو کر کوئی جو چاہے کہہ دے مگر کسی کے صرف کہہ دینے اور تہمتیں جوڑ دینے سے حقیقت تو نہیں بدل سکتی، کمیونسٹ، دہریے اور منکرین خدا تو اسلام جیسی عالمگیر سچائی پر "فرقہ واریت" کی تہمت دھرتے ہیں، مگر حقایق کی دُنیا میں یہ پھبتیاں اور طنزیں کیا وزن رکھتی ہیں؟؟ گھانس کے تنکوں سے بھی زیادہ کم وزن، جن کو چھوٹے سے بچہ کی ایک پھونک اُڑا سکتی ہے۔

پورے چودہ سو سال سے آج تک مسلمانوں کے تمام فرقے اپنے تمام اختلافات کے باوجود "ختم نبوت" کے مسئلہ میں متفق، متحد اور یک زبان رہے ہیں، اس بارے میں دو رائیں کبھی نہیں ہوئیں، "ختم نبوت" کا عقیدہ تمام اسلامی فرقوں کے درمیان "قدر مشترک" رہا ہے۔

مسیلمہ اور اُس کے ماننے والوں نے قبلہ سے روگردانی نہیں کی تھی، وہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ بھی پڑھتے تھے اور حضورؐ کی نبوت کے بھی قائل تھے مگر "دعویٰ نبوت" نے مسیلمہ اور اُس کے امتیوں کی اُن تمام نسبتوں کو جو وہ اسلام سے رکھتے تھے یک لخت ختم کر دیا، اہل قبلہ اور کلمہ گو ہونے کے باوجود اُن کو خارج از اسلام اور مُرتد قرار دیا گیا، اور تاریخ مسیلمہ کو "کذاب" کے نام سے یاد کرتی ہے۔

"دعویٰ نبوت" کوئی فلسفہ اور علم کلام کا مسئلہ نہیں ہے کہ جس کی بہت سی توجیہیں کی جا سکتی ہیں اور جس کی کوئی تاویل تراش کر اُسے گوارا یا نظر انداز کیا جا سکتا ہے، یہ کفر و اسلام کا مسئلہ ہے، عبد اللہ کے بیٹے، فاطمہ کے باپ، خدیجہ اور عائشہ کے شوہر، علی اور عثمان کے خسر، عبد المطلب کے پوتے، طائف و مکہ کے مظلوم اور بدر و احد کے فاتح، حضرت سیدنا محمد عربی (ہماری جانیں حضور اقدس پر فدا ہوں) پر نبوت ختم کر دی گئی، اب قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا، رسالت و نبوت کے عہدے ہی کو توڑ دیا گیا، یہ شرف آخری بار محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو عطا کیا گیا اور پھر اس منشور پر اختتامی مُہر لگا دی گئی —— پس جو کوئی نبوت کا دعویٰ کرتا ہے وہ منشور رسالت کی اس آخری مُہر کو توڑتا ہے، وہ اللہ اور رسول اللہ کو جھٹلاتا ہے اور حضرت محمد رسول اللہ ختمی مرتبت کی نبوت کو چیلنج دیتا ہے!

نبوت کا دعویٰ صریحی کفر اور کھلا ہوا ارتداد ہے، اس خصوص میں مسلمانوں کی نہ کبھی دو رائیں ہوئی ہیں اور نہ ہو سکتی ہیں، دعویٰ نبوت اسلام سے تمام نسبتوں اور وابستگیوں کو توڑ دیتا ہے، یہ ایک ایسی مسلّمہ حقیقت ہے جس میں کسی قسم کا شبہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اب سے پچاس سال قبل مرزا غلام احمد نام کے ایک شخص نے جو پہلے مسلمان ہی تھا اور اُس نے دین کی اصلاح و تبلیغ کے لئے بہت سی کتابیں بھی لکھی تھیں، نبوت کا دعویٰ کیا تھا، اور اُسی وقت تمام مسلمانوں نے اُس کے کفر و ارتداد کی تصدیق کی تھی —— یہ انگریز کا دور تھا اور اُس کے مستبد اور کافرانہ دور میں بھی قادیانیت کی تکذیب اور تردید میں قلم اور زبان کے ذریعہ مسلسل جد و جہد کی جاتی رہی، یہاں تک کہ ۱۹۴۷ء میں ہندستان تقسیم ہو گیا اور پاکستان وجود میں آگیا۔

پاکستان اسلام کے لئے بنا تھا اور اسلام کے نام پر بنا تھا " قرار داد مقاصد" نے اس کی مزید توثیق کردی، جب پاکستان کے لئے دستور بننے لگا تو اُس وقت مسلمانوں نے انتہائی سنجیدگی اور آئین و ضوابط کی تمام پابندیوں کے ساتھ مطالبہ کیا کہ غلام احمد قادیانی کے ماننے والوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

کہا جا سکتا ہے کہ حکومتِ پاکستان کوئی مفتی، فقیہ اور قاضی نہیں ہے جو ایسے معاملات کا فیصلہ کرے؟ اس کے جواب میں عرض ہے کہ پاکستان کا دستور چونکہ کتاب و سنت کی بنیاد پر بن رہا ہے اور کتاب و سنت ہی کی رُو سے غلام احمد قادیانی کے اُمتی مسلمان نہیں ہیں لہذا یہ مطالبہ سراسر آئینی اور معقول ہے۔

عوام مسلمانوں نے یہ نہیں کہا تھا کہ تمام قادیانیوں کو دیس نکالا دیدو، یا اُنہیں کالے پانی بھجوا دو، اُن کا مطالبہ یہ تھا، اور ہے اور ہمیشہ رہے گا کہ حضرت سیدنا محمد رسول اللہ خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اُمت، اور مرزا غلام احمد قادیانی (علیہ ما علیہ) کی اُمت ایک نہیں ہیں، الگ الگ ہیں، غلام احمد کو نبی ماننے کے بعد یہ لوگ "احمدی" "مرزائی" یا اور جو کچھ بھی ہوگئے ہوں مگر مسلمان نہیں رہے، اس لئے ان کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے!

عوام مسلمانوں کے مطالبہ اور اُن کے جذبات سے اربابِ اختیار اچھی طرح واقف تھے، اگر عوام کا مطالبہ اُن کی نگاہ میں واجبی اور معقول نہ تھا تو اُس کیلئے دلیلیں پیش کرنی چاہیئے تھیں، جس طرح دوسرے مسائل کیلئے پریس کانفرنسیں کی جاتی ہیں اور بیانات دیئے جاتے ہیں، اس کیلئے بھی یہی طریق کار اختیار کرنا تھا، مگر ایسا نہیں کیا گیا؟ کیوں؟ اس کا جواب ہم کیا دیں!

۵　رموزِ مملکتِ خویش خسرواں دانند

علماء کرام کے وفود نے اربابِ اقتدار سے ملاقاتیں بھی کیں، مطالبہ کی نوعیت کو سمجھایا بھی — پھر کراچی میں اس مطالبہ کی "مجلسِ عمل" کے بعض ارکان نے کئی دن مسلسل تقریریں کرکے، الٹی میٹم دیا کہ فلاں تاریخ تک یہ مطالبہ منظور نہ ہوا تو جلوس کی شکل میں احتجاج کیا جائے گا، جلوس نہیں نکل سکا، نکلتا کیسے؟ اُس کے لیڈر اور اس قافلہ کے حُدی خواں ہی گرفتار ہوگئے، اور اس کے بعد پنجاب میں جو المناک حادثات پیش آئے، وہ سب کے سامنے ہیں، ہم اُنہیں سیاہی سے کیا لکھیں، اُن کے لئے تو دل کا خون درکار ہے — غالب نے شاید اسی دن کے لئے کہا تھا:-

ہے سامنے اک موجۂ خوں کاش! یہی ہو　　　آتا ہے ابھی دیکھئے کیا کیا مرے آگے

۹ ۹ ....

دستوری سفارشات پر علماء کرام نے جو ترمیمیں شائع کی تھیں، اُن میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مسئلہ بھی شامل تھا، دور اندیشی کا تقاضا یہ تھا کہ تمام دستوری ترمیموں کے منوانے کیلئے متحدہ اور منفقہ طور پر جدوجہد کی جاتی اور اس کیلئے عجلت کی ضرورت نہ تھی! اس جدوجہد کا آغاز کرنے سے پہلے عوام کو تربیت دینی چاہیئے تھی، جذبہ ایثار و قربانی کے ساتھ نظم و ضبط اور اخلاق و شائستگی کی بھی! افسوس ہے کہ ایسا نہیں ہوا، "مجلس عمل" کے تمام ارکان کے مشورے کے بغیر ہی پبلک کے سامنے اعلان کردیا گیا، اور پبلک کے پاس "زندہ باد" کے نعروں کی کیا کمی تھی جلسے ان نعروں سے گونج اُٹھے۔

راست اقدام (DIRECT ACTION) کا یہ فیصلہ اس قدر عجلت میں کیوں کیا گیا؟ اور وہ بھی اس طرح کہ دوسرے دن کا پروگرام بھی فیصلہ کرنے والوں کے پاس نہ تھا" — اس سلسلہ میں بعض باتیں ہمارے کانوں تک پہونچی ہیں جن کو سُن کر بہت تکلیف ہوتی، خدا کرے یہ افواہیں غلط ثابت ہوں اور ہمارے "حُسن ظن" کی جراحتوں کا اندمال ہو جائے۔

اب سے چند مہینے پہلے جماعتِ اسلامی کی قیادت میں دستوری مطالبات کی جدوجہد شروع ہوئی تھی، چھوٹے چھوٹے قصبوں میں بڑے بڑے جلوس نکلے اور عظیم الشان مظاہرے ہوئے، کراچی کا جلوس ایک میل لانبا تھا مگر کسی ایک مقام پر بھی ذرا سی ناخوشگواری کی نوبت نہیں آئی! — بہت سے شورش پسند اس تاک میں رہتے ہیں کہ کوئی بے اعتدالی کی صورت پیدا ہو اور اُن کو دراز دستی کا موقعہ ملے! عوام کے احتجاج میں ان تمام نزاکتوں کا لحاظ رکھنا پڑتا ہے اور رکھنا چاہیئے!

کسی کی بے تدبیری سے گلہ اور طریق کار سے اختلاف ہو سکتا ہے، لیکن جہاں تک قادیانیوں کے غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا تعلق ہے، اس میں تمام مسلمان متفق اور متحد ہیں، یہ سب کے دل کی آواز ہے، اور اب جبکہ نوبت قید و بند سے لیکر قتل و خون تک پہونچ چکی ہے اس مسئلہ کی اہمیت اور فرضیت اور زیادہ محکم ہوگئی ہے۔

الزام...! بعض عوام تو افواہوں اور اِدھر اُدھر کی سُنی سُنائی باتوں پر اعتبار کر لیا کرتے ہیں مگر سنجیدہ اور باوقار شخصیتوں اور ذمہ دار اصحاب کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ افواہوں کو حقیقت کا رنگ دیدیں، یا ایسی باتیں مُنہ سے نکالیں جس کی تردید بڑی آسانی سے کی جا سکتی ہے، جس کا عہدہ اور منصب جتنا بڑا ہے اُسے اتنی ہی وزنی اور پختہ بات کہنی چاہیئے ورنہ پھر "بازار" اور "دربار" "چوپال" اور "قصر دایوان" میں فرق ہی کیا باقی رہ جاتا ہے۔

"قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے مطالبہ" کو صرف "احراریوں" سے منسوب کر دینا واقعہ کے خلاف ہے، یہ تو پاکستان کے عوام مسلمانوں کا متفقہ اور متحدہ مطالبہ ہے! اگر کوئی اس کی تصدیق چاہے تو پاکستان کے کسی ایک صوبہ، ایک کمشنری، ایک ضلع، ایک تحصیل، ایک شہر، ایک قصبہ، ایک گاؤں یہاں تک کہ کسی ایک گلی کوچے کے مسلمانوں اور کسی ایک دفتر کے کلرکوں سے اس مسئلہ کے بارے میں استصواب رائے کرکے دیکھ لے، حقیقتِ حال واضح ہو جائے گی،

ہاں! یہ بات ضرور صحیح ہے کہ انگریز کے زمانہ میں بھی مجلس احرار نے ردِّ قادیانیت میں سب سے زیادہ حصّہ لیا تھا، اور فتنہ قادیانیت کی روک تھام اُن کی جدوجہد کا موضوع اور عنوان رہا ہے، اور پاکستان میں بھی اُن کی وہی اگلی جدوجہد جاری ہے — تو "قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے مطالبہ" کو "پاکستان دشمنی" قرار دینا، سراسر غلط اور قطعاً بے سرو پا بات ہے یہ بالکل ایسی ہی انمل بے جوڑ بات اور اُسی طرح کی تہمت اور الزام تراشی ہے جس طرح مُسلم لیگ کے مطالبہ پاکستان کو کانگریسی حلقے "انگریز پرستی" اور "ملک کی غداری" سے تعبیر کیا کرتے تھے!

علامہ اقبالؒ کے بارے میں ہمارے "اکابر" (؟) کی کیا رائے ہے؟ کیا وہ بھی احراری تھے، یا مسلمانوں کی وحدت اور قومی سالمیت کے دشمن تھے؟ آج سے بیس سال قبل یہی بات علامہ مرحوم نے کہی تھی، اور اُن کی اس ایمانی فراست اور دینی غیرت پر ہم درود و سلام بھیجتے ہیں! — علامہ اقبالؒ نے یہ بھی کہا تھا کہ "قادیانیت" اپنے مزاج کے اعتبار سے "یہودیت" سے ملتی جلتی ہے، اور حضرت سیدنا مسیح علیہ السلام نے یہودیوں کو "سانپ کے بچے" فرمایا تھا!

مسلمانانِ ہند کی تاریخ میں سب سے زیادہ منحوس دن وہ تھا جس دن مرزا غلام احمد نے اپنی "نبوت" کا اعلان کیا تھا (اللہ کی اور اُس کے فرشتوں کی ابد تک لعنت ہو اس جھوٹے نبی پر) یہ اعلان اُمت مسلمہ کی وحدت، سالمیت، اجتماعیت اور یک جہتی (UNITY AND SOLIDARITY) کے خلاف سب سے بڑی سازش تھی، تو مسلمانوں میں افتراق پیدا کرنے اور اُمت کے شیرازے کو بکھیرنے کے مجرم یہ قادیانی ہیں اور مسلمان چاہتے ہیں کہ یہ سازش مسلمانوں کے معاشرے سے نکال کر علیحدہ کر دی جائے!

اس سلسلہ میں سب سے زیادہ عجیب غریب روش پنجاب کے وزیر اعلیٰ میاں ممتاز دولتانہ کی رہی ہے، متضاد بیانات ؟ کبھی کچھ، کبھی کچھ ؟ اس کو اگر "تلون" کہا جائے گا تو یہ ایک طرح کی منقبت سرائی ہوگی، جب صوبہ کی سب سے زیادہ ذمہ دار اور با اختیار شخصیت کے کردار کا یہ عالم ہو، تو پھر وہاں کے نظم ونسق اور دفتری کاروبار کی کیا حالت ہوگی ؟ یہ مصرعہ :-

"وزیرے چنیں، شہریارے چناں" ——— بارہا پڑھا تھا مگر اس کی حقیقت اب سمجھ میں آئی -

گزارش! ارباب حکومت کی خدمت میں ہم پورے احترام و محبت کے ساتھ گزارش کرتے ہیں کہ وہ اس مسئلہ کو کسی ایک جماعت یا پارٹی کا مسئلہ نہ سمجھیں اور اس خیال کو بھی دل سے نکال دینا چاہیئے کہ اس مطالبہ کو تسلیم کرنے سے اُن کا وقار متاثر ہو جائے گا ——— یہ اپنی بات کی پچ اور ضد م ضدا کی پالیسی گنجفہ اور چوسر کھیلنے والوں اور سٹہ لگانے والوں میں شاید چل جاتی ہو تو چل جاتی ہو مگر حکومتوں اور مملکتوں کیلئے تو پیغامِ موت ہے، ٹھنڈے دل سے اس پر غور کرنا چاہیئے عوام کا یہ مطالبہ واجب اور منصفانہ ہے یا نہیں ہے ؟ ——— اگر اربابِ اقتدار نے فی الواقعی اس مسئلہ کی نوعیت کو اچھی طرح نہیں سمجھا ہے تو ہم اُن کی عقل و دانش پر کسی قسم کی طنز کئے بغیر عرض کرتے ہیں کہ :— (۱) مرزا غلام احمد قادیانی نے نہ صرف ظلی اور بروزی نبی بلکہ اپنے تشریعی نبی ہونے کا دعویٰ کیا تھا

(۲) اُمت "عقیدہ توحید" سے نہیں "نبوت" سے بنتی ہے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اور غلام احمد کی اُمت ایک نہیں ہیں، یہ الگ الگ دو اُمتیں ہیں

(۳) قادیانی (احمدی) تمام غیر احمدیوں کو خارج از اسلام اور کافر سمجھتے ہیں، یہاں تک کہ وہ وفات پائے ہوئے مسلمانوں کے لئے دعائے مغفرت بھی نہیں کرتے -

(۴) اب یا تو یہ قادیانی (احمدی) کافر ہیں، یا پھر ہم تمام مسلمان (غیر احمدی) کافر ہیں

یہ چند اشارے، اجمال ہے اُس تفصیل کا، جس سے خود غلام احمد قادیانی اور اُس کے جانشینوں اور حواریوں کی کتابیں بھری پڑی ہیں، کوئی ثبوت چاہے تو ہم اس کے لئے تیار ہیں عدالت کے سامنے، کسی کمیشن کے روبرو، پنچوں کے مجمع میں، بند کمرے میں ——— غرض جس طرح سہولت ہو اور مصلحت اجازت دے ہم قادیانیوں کی کتابوں کے حوالے سے یہ تمام باتیں ثابت کرنے کے لئے ہر وقت آمادہ ہیں -

اور یہ جو "قادیانی" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے "خاتم النبیین" ہونے کا اعلان کرتے ہیں یہ اُن کی مکاری، چالبازی اور مغالطہ آمیزی ہے ——— اس کی حقیقت بھی سمجھ لینی چاہیئے ——— مرزا غلام احمد پہلے مسلمان ہی تھا اور عام مسلمانوں کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو "خاتم النبیین" ہی سمجھتا تھا اور حضورؐ کے بعد کسی دوسرے مدعی نبوت و رسالت کو کاذب بلکہ کافر جانتا تھا اور اس کا یہ اعتقاد اور یقین تھا کہ حضورؐ پر وحی رسالت ختم ہو گئی، مگر پھر اُس نے خود نبوت کا دعویٰ کر کے اور یہ کہہ کر کہ مجھ پر وحی آتی ہے، اپنی باتوں کی تکذیب اور تردید کر دی ——— تو یہ قادیانی "ختم نبوت" کے سلسلہ میں اپنے پیشوا غلام احمد کی اُن کتابوں کے حوالے پیش کر دیتے ہیں جب وہ مسلمان تھا مگر اُس کے دورِ کفر و ارتداد کے اقوال اور دعوؤں کا مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لئے ذکر نہیں کرتے حالانکہ میاں محمود خلیفہ قادیان نے کھلم کھلا اعلان کیا تھا :-

"۱۹۰۱ء کے پہلے کے وہ حوالے جن میں آپ نے نبی ہونے سے انکار کیا اب منسوخ ہیں اُن سے حجت پکڑنی غلط ہے ... ..." (حقیقۃ النبوۃ صفحہ ۱۲۱)

ایک شخص کہتا ہے کہ میں خدا کو مانتا ہوں مگر "میں خود بھی خدا ہوں" یا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا قائل ہوں اور حضورؐ کا انتہائی احترام کرتا ہوں مگر میں خود بھی "نبی" ہوں —— تو کیا توحید و رسالت کا یہ اقرار قبول کر لیا جائے گا یہ تو صریحی انکار اور کھلی ہوئی بغاوت ہے!

اب رہا "نبوت" کے بروزی اور ظلّی ہونے کا معاملہ، تو اس کے لئے ہم ایک مثال پیش کرتے ہیں:-

ایک شخص کہتا ہے کہ میں حکومتِ پاکستان کی انتہائی وفادار رعایا ہوں، گورنر جنرل اور وزیر اعظم کو اسی طرح صاحبِ اختیار اور لائقِ احترام مانتا ہوں، جس طرح دوسرے پاکستانی مانتے ہیں —— مگر میں خود پاکستان کا "ظلّی گورنر جنرل" (shadow of the Governor General) بھی ہوں" —— پھر وہ آدمی صرف یہی اعلان کر کے نہیں رُک جاتا، وہ پاکستانی حکومت کے متوازی ایک "ظلّی حکومت" اور "بروزی مملکت" بھی قائم کرتا ہے جس میں وزراء ہیں، قانونی مشیر ہیں، جن کے ناموں کے ساتھ "ہز ایکسلنسی[۱]" اور "آنریبل[۱]" لکھا جاتا ہے، پھر اُسی "ظلّی اور بروزی گورنر جنرل" کے یہاں سے باقاعدہ احکام اور سرکلر بھی جاری ہوتے ہیں، بعض باتیں اس بروزی حکومت میں پاکستان کی اصلی حکومت کی قانونی طور پر تسلیم کی جاتی ہیں اور بعض احکام کے بارے میں یہ بروزی گورنر جنرل" کہتا ہے کہ میں نے ان کو اپنے حکم سے[۲] منسوخ کر دیا۔

ہم اربابِ اختیار سے پوچھتے ہیں

کہ کیا وہ اس انداز کے "ظلّی گورنر جنرل" اور اُس کی "بروزی حکومت" کو ایک لمحہ کے لئے بھی گوارا کر لیں گے؟ کیا اس قسم کے اعلانات کے بعد، وہ "بروزی گورنر جنرل" اور اُس کے ماننے والے پاکستان کے باغی قرار نہیں دیئے جائیں گے اور یہ اعلان اور دعویٰ اُن کے پاکستان کے رعایا ہونے کے حق کو کیا ساقط نہ کر دے گا؟

بس اسی مثال پر اس مسئلہ کا قیاس کر لیا جائے، پھر ذرا سی بھی اُلجھن باقی نہ رہے گی، مرزا غلام احمد قادیانی "دعویٰ نبوت" کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت ہی سے خارج ہو گیا، اور اُس کے ماننے والے بھی! بس قانون، انصاف، دیانت، اور عقل و بصیرت کا یہی تقاضا ہے کہ قادیانی جس "نبی" کی اُمت ہیں اُسی اُمت میں شامل سمجھے جائیں اور محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اُمت سے اُن کو علیحدہ کر دیا جائے۔

یہ ہیں وہ معقول دلائل جن کی بنا پر پاکستان کے عوام مسلمان یہ مطالبہ کر رہے ہیں، —— اس دلیل میں ذرا سا بھی وزن نہیں ہے کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیتے ہی، پاکستان کی سالمیت اور وحدت خطرے میں پڑ جائے گی، اور بس پاکستان کی ساری شیرازہ بندی ان مٹھی بھر قادیانیوں کے مسلمانوں میں ملے رہنے ہی سے وابستہ ہے کروڑوں مسلمانوں کو ناراض کر کے اور غیر مطمئن بنا کر ڈیڑھ دو لاکھ آدمیوں کو خوش رکھنا، کہاں کی عقلمندی، دور اندیشی اور سیاست دانی ہے۔

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ لاہور کے ایجی ٹیشن میں بعض غیر ذمہ دار، ناسمجھ اور فاقہ مستوں نے ناشائستہ حرکتیں بھی کی ہیں، ہم اُن پر اظہارِ ملامت کرتے ہیں، لیکن اس میں ہم سب کے آقا و مولا حضور خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی "ختمِ نبوت" کا کیا قصور ہے، وہ حقیقت تو اپنی جگہ بدستور ثابت اور مُسلّم ہے، اگر کوئی شخص قرآن بغل میں دبائے ہوئے چوری کرتا ہوا پکڑا جائے تو اس سے "قرآن" پر تو کوئی الزام نہیں آسکتا۔ مگر جو لوگ فساد اور لوٹ مار سے دور رہ کر صرف

---

[۱] مرزا کے ساتھیوں کو قادیانی "صحابہ" کہتے ہیں [۲] غلام احمد قادیانی نے "جہاد" کو منسوخ کرنے کا اعلان کیا تھا۔

"ختم نبوت" کا مسئلہ کھیتوں کے لگان، مکانوں کے کرایہ اور چیزوں کے نرخ کا نہیں "مسلمانوں کے ایمان و دین" کا بنیادی مسئلہ ہے، اور مسلمانوں کی یہ روایت رہی ہے کہ انہوں نے جانیں دے دی ہیں مگر ایمان و دین کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔

ایمان کے کسی مطالبہ کو مشین گنوں اور سنگینوں کے زور سے نہیں دبایا جاسکتا، اور نہ کوئی حکومت عوام کا اعتماد کھو کر محض پولس اور فوج کے بل پر قائم رہ سکتی ہے، حکومت کی سب سے بڑی قوت عوام کا اعتماد ہے، تاریخ نے اُن فرماں رواؤں اور حاکموں کو دانشمند کہا ہے اور دنیا میں وہ نامور رہے ہیں، جنھوں نے عوام کے اعتماد کو ہر قیمت پر حاصل کیا ہے، چاہے اُنھیں اپنی بلندیوں سے کچھ نیچے ہی آنا پڑا ہو۔

عوام سے!

ہم اُن لوگوں میں سے نہیں ہیں جو دوسروں کی غلطیوں کو تو طشت از بام کرتے رہتے ہیں مگر اپنی کوتاہیوں کو چھپا جاتے ہیں، اس لئے جہاں ہم نے اربابِ اقتدار کی روش پر احتساب کیا ہے، وہاں عوام کو بھی اُن کا فرض یاد دلانا چاہتے ہیں، حکومت اور عوام ان میں سے چاہے کوئی حق گوئی پر ناراض ہو جائے مگر کسی کی دل دہی کے لئے ہم حق بات کو چھپا تو نہیں سکتے۔

عوام کو بے شک اپنے جائز مطالبات کو پیش کرنے اور اُس کے لئے احتجاج اور مظاہرہ کرنے کا حق حاصل ہے مگر اس سلسلہ میں اُن کو آئین، ضبط و نظم، تہذیب و شائستگی اور اسلامی اخلاق کا خیال رکھنا چاہیئے —— پاکستان کی زمام کار جن لوگوں کے ہاتھوں میں ہے، اُن میں بیشک کمزوریاں پائی جاتی ہیں مگر وہ بہرحال اپنی قوم ہی کے افراد ہیں اُن کے سامنے مطالبات رکھنے اور احتجاج کرنے کا یہ طریقہ اور انداز نہ ہونا چاہیئے کہ یہ احتجاج کا ہے کو ہے بلکہ کافروں سے جنگ کی جا رہی ہے۔

گالیاں بکنا، تصویروں پر تھوکنا، جنازے نکالنا —— اور پھر لوٹ مار، توڑ پھوڑ، دنگا فساد یہ سب غیر اسلامی حرکتیں ہیں، ان سے خدا اور رسولؐ راضی نہیں ہو سکتے، ایسی حرکتیں لینن اور اسٹالن کے نیازمندوں کو تو زیب دے سکتی ہیں مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کو کسی عنوان زیب نہیں دیتیں۔

پاکستان کی ریلیں، تار گھر، ڈاکخانے، پولس کی لاریاں، بجلی کے کھمبے —— یہ نہ تو خواجہ ناظم الدین کی ملکیت ہیں اور نہ صوبوں کے وزراء ان کے مالک ہیں، یہ تو عوام ہی کی چیزیں ہیں، اور جو کوئی ان کو توڑ پھوڑ کر غصہ کا اظہار کرتا ہے، وہ اپنی ہی چیزوں کو برباد کرتا اور اپنے ہی گھر میں آگ لگاتا ہے، یہ بہت بڑی بے دانشی اور غلط اندیشی ہے۔

جو لوگ جذبات سے مغلوب ہو کر اخلاقی حدود کا خیال نہیں رکھ سکتے اور دینی تحریکوں کے مزاج سے ناواقف ہیں، وہ اپنی شمولیت سے دینی تحریکوں کو بدنام کرتے ہیں، قیامت کے دن حاکم اور محکوم دونوں کے اعمال پر محاسبہ ہوگا، یہ نہیں ہو سکتا کہ حکام تو اُن کی زیادتیوں کے سبب دھر لئے جائیں اور محکوموں اور زیردستوں کو صرف اس بنا پر چھوڑ دیا جائے کہ یہ تو "عوام" تھے، عوام اور خواص میں جو بھی زیادتی کرے گا اللہ تعالیٰ کے یہاں مواخذہ سے نہیں بچ سکتا —— "ختم نبوت" کی تحریک کے علمبرداروں کو تو خاص طور سے اخلاق محمدیؐ کا قدم قدم پر خیال کرنا چاہیئے کہ یہ تحریک "صاحبِ خلقِ عظیمؐ" کے نامِ نامی اور ذاتِ گرامی سے نسبت رکھتی ہے! صرف یہی ایک مسئلہ نہیں ہے پاکستان کو تو ہمیں کتاب و سنت کا مظہر بنانا ہے، اور یہ اسلامی انقلاب اُس وقت تک نہیں آسکتا جب تک اس کے جلو میں اسلامی اخلاق، پاکیزہ کردار اور دینی بصیرت رکھنے والوں کے جیوش نہ ہوں! —— اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق پر چلنے اور حق کے لئے جد و جہد کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور قیامت کے دن خدا کی رحمت اور حضور خاتم النبیین کی شفاعت ہمیں نصیب ہو کہ اصل زندگی آخرت ہی کی زندگی ہے!

ماہر القادری ۲۵ مارچ ۱۹۵۳ء

عبد الحکیم بی۔ اے بی ٹی!

تخلیقِ کائنات کا ایک جدید نظریہ

"ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ"

(حم سجدہ آیت ۱۱)

ترجمہ:- (پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ کہر کی طرح تھا تو اس کو اور زمین کو حکم دیا کہ تم دونوں آؤ خوشی سے آؤ یا زبردستی آؤ تو (جو حکم ہم دیتے ہیں اس پر کاربند ہو جاؤ) دونوں نے عرض کی ہم خوشی سے حکم بجالانے کو حاضر ہیں)

"ذیل میں فلکیات کے مشہور پروفیسر فرڈینینڈ وھپل FERDINAND WHIPPLE) کے ایک مضمون کا ملخص پیش کیا جارہا ہے جو سائنٹفک امریکن میں شائع ہوا تھا۔ اس میں تخلیق کائنات کے بارے میں ایک جدید نظریہ پیش کیا گیا ہے جو معلومہ حقائق کی توجیہ تمام قدیم نظریوں کے مقابلے میں بہتر طور پر کرتا ہے مترجم کے لئے اس نظریہ میں دل کشی اس پہلو سے ہے کہ کلام پاک تخلیق ارض وسماء کی طرف جو اشارے کرتا ہے یہ نظریہ بڑی حد تک اس سے مطابقت رکھتا ہے!

اگر زمین کسی دن فضائی غبار کے بادلوں میں کھو ئی جائے۔۔۔ اور ایسا ہونا اس دور انتشار کا کم از کم ایک نیم سنجیدہ امکان تو بہر حال تسلیم کیا جاچکا ہے۔۔۔ تو ساکنان ارض پر جو بیتے گی سو بیتے گی لیکن دوسرے سیاروں کے حکما اور فلاسفر زمین کی پیدائش اور موت کے واقعے میں ایک لطیف اور شاعرانہ ہم آہنگی محسوس کریں گے۔ فلکیات کے حالیہ مطالعہ نے ایسے دلائل فراہم کردیئے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ زمین کی پیدائش فضائی غبارات کے بادلوں سے ہوئی ہے یہ غباراتی سحاب کا نظریہ (DUST CLOUD THEORY) بتاتا ہے کہ سیارے اور ستارے ابتدا میں خوردبینی ذرات سے کہیں زیادہ دقیق تر ذرات کے زبردست ذخائر سے جو فضا میں تیرتے ہیں، وجود پذیر ہوئے ہیں۔ یہ نظریہ ہنوز تشنۂ تکمیل ہے تاہم تمام دوسرے نظریوں کے مقابلہ میں زیادہ قابل قبول ہے۔ تخلیق کائنات کا معاملہ بیشمار صدیوں اور قرنوں کے انبار میں دبا ہوا ہے۔ کون سے عوامل ہیں جو ستاروں اور سیاروں کی تخلیق کے ذمہ دار ہیں؟ کیا نئے ستارے اور سیارے اب بھی بن رہے ہیں یا پوری کائنات کل کی کل بیک وقت وجود میں آگئی تھی۔ کیا آغاز آفرینش کے زمانے کا پتہ لگایا جاسکتا ہے۔ سائنسداں ان نہایت دلچسپ سوالوں کے حل تلاش کرنے میں لگے ہیں لیکن وہ ابھی تک اعتماد کے ساتھ کوئی جواب نہیں دے سکے۔

فطری طور پر بات زمین کے مطالعہ سے شروع ہوتی ہے۔ زمین کی موجودہ ساخت سے قطعاً یہ پتہ نہیں چلتا کہ وہ کیوں کر عدم سے وجود میں آگئی۔ البتہ طبقات ارض کے مطالعہ سے زمین کی عمر کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ زمین کی قدیم ترین پرتوں میں ریڈیائی تحلیل (RADIO ACTIVE DISINTEGRATION) کے نتیجہ میں بعض اجزا اُبلتے ہیں مثلاً زمانہ دراز کی ریڈیائی تحلیل کے بعد ریڈیم اور تھوریم دوسرے عناصر میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ پانچ ارب سال میں یورنیم کی ایک معلوم مقدار میں نصف ایٹم تحلیل ہو کر ہیلیم اور سیسہ بن جاتے ہیں اور یہ دونوں عناصر یورنیم والی چٹانوں میں مقید ہو کر رہ جاتے ہیں۔ ہیلیم اور سیسہ کے اس طرح کے اجزا کے محتاط تحقیقی مطالعہ کے بعد چٹانوں کی عمریں متعین کی جا سکتی ہیں چنانچہ انگریز سائنسداں (F. A. PANETH) الیف۔ اے۔ پانیتھ نے ثابت کیا ہے کہ کرۂ ارض کی قدیم ترین چٹانیں دو ارب سال قبل بھی ٹھیک ویسی ہی تھیں جیسی کہ آج ہیں اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ زمین کی پرتیں دو ارب سال پہلے منجمد ہو کر ٹھوس ہو چکی تھیں۔ لیکن ہمیں یہ نہیں معلوم کہ ٹھوس ہونے سے پہلے کرۂ ارض کو وجود میں آئے ہوئے کتنا عرصہ گزر چکا تھا البتہ اس حقیقت کے ثبوت میں محکم فلکی شہادتیں موجود ہیں کہ کائنات جیسی کہ آج ہے دو ارب سال سے زیادہ عمر کی نہیں ہے۔

ہمارے کہکشانی نظام کے باہر جملہ نظامات کہکشانی جن میں سے ہر ایک اربوں ستاروں پر مشتمل ہے ہم سے اور ایک دوسرے سے مسلسل دور تر ہوتے جا رہے ہیں اور ان کی رفتار فاصلے کی نسبت سے بڑھتی جاتی ہے اگر ابتدا ہی سے یہ اسی اصول کے تحت دور ہوتے جا رہے ہیں تو دو ارب سال پہلے سارے اجزائے کائنات کو کسی ایک نقطے پر مرتکز ماننا پڑے گا (DUST CLOUD THEORY) غباراتی سحاب کے نظریہ کے حق میں یہ ایک تازہ ثبوت ہے۔ تاہم اس کا امکان ہے کہ کائناتی لبسط و کشاد کا یہ تصور بنیادی طور پر غلط ہو، جب ہم اپنے نظریوں کو محض موجودہ شاہدات کی بنیاد پر اربوں سال کی مدت دراز پر پھیلاتے ہیں تو یہ بالکل ممکن ہے کہ ہمارے حساب میں کہیں سے کوئی غلطی راہ پا جاتی ہو۔ ہمارا یہ نظریہ کہ اجزائے کائنات پھیلتے اور چھٹکتے جا رہے ہیں ممکن ہے کہ ایک فریب تصور کے سوا کچھ نہ ہو، ممکن ہے کہ ہم کروڑوں سال سے سفر کرنے والی ستاروں کی شعاعوں پر زمانہ اور جگہ کے کسی مخصوص اثر کا شاہدہ کر رہے ہوں۔ بہر حال ہمارے پیش نظر صرف اس مسئلہ کی تحقیق ہے کہ ہمارا یہ رقاص کرہ اب سے تقریباً دو ارب سال قبل کیونکر وجود میں آیا۔ امکانات متعدد ہیں لیکن تمام قدیم نظریوں میں کوئی نہ کوئی کمزوری ایسی پائی جاتی ہے جس کی موجودگی میں ایک بھی قابل قبول نہیں ٹھہرتا۔ غباراتی سحاب کا نظریہ بھی ممکن ہے کہ غلط ہو لیکن معلومہ حقائق کی یہی سب سے بہتر توجیہ پیش کرتا ہے۔

یہ حقیقت کہ ستاروں کے درمیان کی خالی جگہیں فی الواقع خالی نہیں ہیں بلکہ گیس اور غبار کے عظیم الشان بادلوں سے پُر ہیں غباراتی سحاب کے نظریہ کا نقطۂ آغاز ہے ماہرین فلکیات کے گزشتہ بیس سال کے شاہدات نے گیس اور غبار کے ان بادلوں کو ایک مسلمہ حقیقت ثابت کر دیا ہے۔ بین النجومی فاصلے جو پہلے خالی خیال کئے جاتے تھے، خورد بینی ذرات کی حیرت انگیز مقدار سے معمور ہیں۔ جان آورٹ (JAN OORT) بین الاقوامی انجمن فلکیات کے صدر کی دریافت کے مطابق فضائی گیس اور غبار کی مقدار مادہ کائنات کے تمام ستاروں اور سیاروں کی مجموعی مقدار مادہ کے برابر ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہر ہر ستارے اور سیارے کی مقدار مادہ کے برابر گیس اور غبار کے ذخائر فضا میں منتشر حالت میں موجود ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کی پرواز تخیل فضا کے ذخائر غبار و گیس کی صحیح مقدار تک پہونچنے سے عاجز ہے صرف کہکشاں میں ۳۰۰،۰۰۰۰۰۰،۰۰۰۰۰۰

زمینوں کی مقدار مادہ کے برابر ذرات غبار موجود ہیں، تاہم بین النجومی فاصلے اتنے زیادہ ہیں کہ فضا کے کسی مخصوص حصے میں غبار کی مقدار اتنی بھی نہیں ہوتی جتنی زمین پر کسی لطیف سے لطیف خلا میں ہو سکتی ہے اس سحابی بین النجومی غبار کے بارے میں ہمارے پاس کافی معلومات ہیں۔ تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ گیسوں کے اندر معمولی عناصر ہائڈروجن، ہیلیم، آکسیجن، نائٹروجن اور کاربن وغیرہ موجود ہیں۔ ڈچ ماہرین فلکیات نے ثابت کیا ہے کہ گیس کے یہ ایٹم کیمیاوی طور پر باہم مل کر ذرات غبار میں تبدیل ہو جاتے ہیں اگرچہ ان ذرات کی ساخت یقینی طور پر نہیں معلوم ہو سکی ہے لیکن اس قدر معلوم ہے کہ یہ نہایت لطیف ہوتے ہیں اور ان کے قطر ایک انچ کے پچاس ہزارویں حصے سے زیادہ نہیں ہوتے۔ بعید ترین ستاروں سے آنے والی روشنی کو جس طور پر یہ ذرات منتشر کرتے رہتے ہیں وہ واضح شہادت ان کی جسامت کے بارے میں فراہم کرتے ہیں نیز یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ فی الواقع ذرات غبار ہی ہیں۔ فوٹوگرافی کی پلیٹ پر روشنی کے اس انتشار کے سبب کالے دھبے پڑ جاتے ہیں۔ قلیل روشنی جو ان ذرات غبار سے چھن کر آتی ہے سرخی مائل ہوتی ہے بالکل اسی طرح جس طرح سورج گرد و غبار کے طوفان میں سرخ نظر آتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ سرخ روشنی کی لمبی لہریں دوسرے رنگوں کی چھوٹی لہروں کے مقابلے میں کم منتشر ہوتی ہیں۔

سوال یہ ہے کہ ان ذرات غبار کو کون سی چیز بادل کی صورت میں مجتمع کر دیتی ہے لیمان اسپٹزر Lyman Spitzer) کا خیال ہے کہ روشنی کا دباؤ اس کا اصلی سبب ہے۔ روشنی کا دباؤ اگرچہ عام حالات میں مشاہدہ میں نہیں آ سکتا لیکن دمدار ستاروں کی دموں کی ساخت میں نمایاں طور پر دکھائی دیتا ہے یہ دباؤ لطیف ترین ذرات کو دمدار ستارے کے سرے سے ہٹا کر دم کی طرف ڈھکیل دیتا ہے۔ اسپٹزر کے سلسلہ تحقیق کو آگے بڑھانے سے معلوم ہوا کہ غیر معمولی لیکن اکثر ممکن حالات میں ایسا ہوتا ہے کہ ستاروں کی روشنی بین النجومی غبارات اور گیس کے لیسے بادلوں کی شکل میں تبدیل کرتی رہتی ہے جو حجم کے اعتبار سے برابر بڑھتے رہتے ہیں۔ فضا میں ہر ذرہ غبار کا سایہ پڑتا ہے یہ سایہ بہت ہی ناقابل لحاظ ہوتا ہے تاہم اس ذرے کی طرف سے آنے والی روشنی کی شعاع کا راستہ رکتا ہے اور مقابل کے ذرات پر سایہ پڑنے لگتا ہے اسی طرح مقابل کے ذرات کا سایہ اول الذکر ذرات پر پڑتا ہے اب منتشر کرنے والی قوت کی موجودگی میں ان ذرات کی قوت کشش کو کام کرنے کا موقع ملتا ہے۔ یہ قوت کشش ان کے باہمی فاصلے کے مربعے کے ساتھ معکوس نسبت رکھتی ہے یہاں نیوٹن کا اصول کشش پوری صحت کے ساتھ کارفرما نظر آتا ہے۔ جب ذرات کی ایک معتد بہ مقدار بادل کی صورت اختیار کر چکتی ہے تو اس کا سایہ قریب کے ذرات پر نسبتاً بڑا ہو جاتا ہے اور یہ ذرات کھچ کر بادل کے اجزا بن جاتے ہیں اس طرح بادل کا حجم برابر بڑھتا جاتا ہے اور اگر کوئی روشن ستارہ اس میں سے ہو کر نہ گزرے اور اس کے اجزا کو دوبارہ منتشر نہ کر دے تو برابر جسامت کے لحاظ یہ بادل بڑھتا جائے گا اور بالآخر مقدار مادہ اور ثقل اس قدر ہو جائے گا کہ روشنی کا دباؤ اسے منتشر نہ کر سکے گا یہ بادل اب زیادہ کثیف ہونے لگتا ہے تحقیق سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ بادل کا قطر جب چھ ہزار ارب میل ہو جاتا ہے تو روشنی کا دباؤ اور بادل کی اندرونی قوت کشش ایک دوسرے کے مساوی ہو جاتے ہیں دوسرے لفظوں میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب بادل کا قطر زمین اور سورج کے درمیانی فاصلے کا ساٹھ ہزار گنا ہو جاتا ہے تو کسی ستارے کی روشنی کا دباؤ اس کے اجزا کو الگ نہیں کر سکتا اور تحقیق کے ساتھ اب یہ بات بھی معلوم ہو چکی ہے کہ اس طرح کا بادل سمٹتے سمٹتے ایک ارب سال سے کم ہی عرصہ میں روشن ستارہ بن جا سکتا ہے۔ یہ بات خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے یہ حسابات اس وقت لگائے جا چکے تھے جبکہ گیس اور غبار کے کسی بادل کا

مشاہدہ فضائے آسمانی میں نہیں کیا جا سکتا تھا۔ دوران جنگ میں رصد گاہ ہارورڈ کے فاضل فلکیات Bart J. Bok
ایک روز کہکشاں کے فوٹو گراف کا مطالعہ کر رہے تھے کہ ان کی نظر بعض مختصر گول اور سیاہ دھبوں پر پڑی جو اس سے پہلے
چنداں اہم نہیں سمجھے گئے تھے انھوں نے کہکشاں کے مختلف دوسرے فوٹو کا مزید مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ وہی گول سیاہ
دھبے ہر جگہ موجود ہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ فوٹو گراف کے کسی نقص کا نتیجہ نہیں ہیں بلکہ فی الواقع کثیف سیاہ بادل ہیں جو دور
فضا میں موجود ہیں جب باک (Bok) نے ان کے فاصلے اور قطر دریافت کئے تو معلوم ہوا کہ ان میں چھوٹے سے
چھوٹا بادل جسامت کے اعتبار سے اتنے ہی بڑے تھے جتنے کہ مشاہدہ سے پہلے خالص نظریاتی بنیادوں پر معلوم کئے گئے
تھے یعنی ان کے قطر فی الواقع چھ ہزار ارب میل کے تھے بکثرت اس سے بھی بڑے تھے بعض چھوٹے بھی تھے مگر سب
کے سب حجم کے لحاظ سے ایسے تھے جن میں کہ اندرونی قوت کشش اور خارجی روشنی کا دباؤ مساوی تھے۔ باک کی تحقیق
نے اس دل کش امکان کی طرف رہبری کی کہ یہ مختصر کالے بادل آئندہ بننے والے ستارے ہیں یہ بات کہ نئے ستارے
فضائی غبار سے بنتے رہتے ہیں بہت ہی قرین قیاس ہے۔ بعض نہایت درجہ روشن ستاروں کی موجودگی کی ہم اس کے
سوا اور کوئی توجیہ نہیں کر سکتے۔ ستاروں کی شعاعوں کی چمک اور تیزی جو مرکزی ردعمل کے نتیجہ میں انرجی (ENERGY)
کے اخراج سے پیدا ہوتی ہے ستارے کی عمر کی واضح طور پر نشاندہی کرتی ہے بعض ستارے اتنے روشن ہیں کہ یہ ممکن
نہیں کہ وہ اسی موجودہ مقدار میں انرجی کا اخراج اب سے دو ارب سال پہلے سے کرتے چلے آرہے ہوں۔ دو ارب سال
کی تخصیص اس لئے ہے کہ آغاز آفرینش پر کم از کم اتنی مدت ضرور گزر چکی ہے اس لئے نظام شمسی کے مقابلہ میں
بہت سے ستارے یقیناً کم عمر ہیں۔

اگر ہم کہکشاں میں پائی جانے والی گیس اور غبار کی صحیح مقدار معلوم کر لیں تو غباراتی سحابیے کے نظریہ
کو جانچنے کا اچھا پیمانہ ہمیں مل جائے گا اور ہم یہ معلوم کر سکیں گے کہ کب اور کہاں نئے ستارے
وجود پذیر ہوتے ہیں لیکن یہ پیمانہ ہمیں آئندہ مشاہدات کے نتیجہ ہی میں دستیاب ہو سکتا ہے ممکن ہے دو
سو انچ قطر کی ماؤنٹ پیلومر (MOUNT PALOMAR) کی دوربین اس سلسلہ میں
مفید ثابت ہو سکے۔ گیس اور غبار کے ان بادلوں کی موجودگی کی بناء پر نہ صرف نئے ستاروں کی تخلیق بلکہ
جدید سیاروں کے پورے پورے نظامات کی پیدائش کا نہایت روشن امکان پیدا ہو چلا ہے!

مشاہیر کے خطوط

مولانا سیّد سلیمان ندوی کے نام

علامہ سید سلیمان ندوی کے نام مشاہیر کے خطوط کا ایک مجموعہ ترتیب دیا جا رہا ہے، انھی میں سے چند خطوط میں نے "فاران" میں چھاپنے کے لئے چُن لئے اور علامہ موصوف نے اپنی مہربانی سے اُن کی اشاعت کی اجازت بھی دے دی، ان خطوط میں تنوع اور رنگا رنگی ہونی ہی چاہیے کہ ان کے لکھنے والے مختلف اور متعدد ہیں، دین، سیاست، تاریخ اور علم و ادب، سبھی کی جھلکیاں ان میں ملتی ہیں۔

مکتوب نگاروں میں سے کچھ بقید حیات ہیں اور کچھ اس دنیا سے رختِ سفر کبھی کا باندھ چکے، بعض شخصیتیں اتنی مشہور اور ممتاز ہیں کہ اُن کا تعارف ضروری نہیں سمجھا گیا اور جن کے تعارف کی ضرورت محسوس ہوئی، اُن پر نوٹ دیدیئے گئے

ان مکاتیب میں سے بعض خطوط ایک تاریخی دستاویز اور ادبی منشور کی حیثیت رکھتے ہیں، جو پہلی بار منظرِ عام پر آ رہے ہیں!

گاندھی جی، پنڈت موتی لال نہرو اور ڈاکٹر راجندر پرشاد کے جو خطوط ہیں وہ اُردو رسم الخط ہی میں لکھے گئے تھے، ایک وہ زمانہ تھا اور ایک یہ زمانہ ہے کہ بھارت کی سیکولر اسٹیٹ میں بیچاری اُردو زبان ظلم و تعصب کا شکار ہے اور خود حکومت اسلامیہ پاکستان میں وہ "یتیمی" کے دَور سے گزر رہی ہے! اُردو کی یہ مظلومیت حقیقت میں علم و ادب کی بہت بڑی ٹریجڈی ہے نہ جانے لکھے پڑھے لوگوں کو شائستگی کب آئے گی اور "حقیقت سے گریز" کی پالیسی کب تک جاری رہے گی!

(م - ق)

(۱) پروفیسر براؤن

یکشنبہ　　۲۹ر اگست ۱۹۲۰ء

آقائے فاضل ادیب عالم مکرما!

دیروز بزیارت رقیمہ کریمۂ آں جناب مشرف و ممنون گردیدم و لے خیلے افسوس می خورم کہ بدیں زودی تشریف می برید در حینیکہ مخلص در جائے دور از لندن می باشم حقیقۃً جائے تاسف ست کہ دریں مدت کہ در انگلستان تشریف داشتید، بیشتر فرصت نداشتم از فضائل و کمالات آں جناب مستفیض شوم، کتابے کہ تازہ مرحمت فرمودہ آید ہنوز نرسید، و لے شکے ندارم کہ چوں بکیمبرج برگردم آں را آنجا خواہم یافت، اُمید وارم کہ در آیندہ ہر گاہ مخلص بتوانم در راہ علم خدمتے بآں جناب نمایم مطلعم بفرمائید، تا انشاء اللہ کوتاہی نکنم، باز می گویم کہ ہر گاہ بتوانید کتاب مولوی شبلی نعمانی مرحوم را یعنی شعر العجم یا بفارسی یا بانگلیسی ترجمہ و چاپ بکنند، چہ قدر از برائے عموم فارسی خوانان خوب و بجا می شدہ چہ قدر افسوس می خورم کہ نصیبم نشد آں بزرگوار را ملاقات کنم قبل از آنکہ ازیں دار الفناء بدار البقاء انتقال فرمائید۔

سلام خالص ایں مخلص را بآقائے محمد علی[1] و سائر رفقائے خود برسانید، انشاء اللہ ایں سفر[2] شما بے ثمر نبودہ است و لے دریغ ایں روزگار بے سامان و ایں وقائع ناگوار کہ نہ فقط ہر مسلمان بلکہ ہر کہ قدر تمدن اسلام را می شناسد از انہا مستغرق بحر غم و حزن است!

باقی اسلام و ایام عزت و جلالت مستدام و بکام باد

مخلص حقیقی

ایڈورڈ جی براؤن[3]

(۲) مہاتما گاندھی

جناب ندوی صاحب!

آپ کا مورخہ ۷ر فروری کا خط گاندھی جی کو ملا ہے، آپ ہندوستانی پرچار کانفرنس میں شرکت فرمائیں گے۔ یہ جان کر وہ بہت خوش ہوئے ہیں، ہندوستانی کانفرنس کے اجلاس کی تاریخ ۲۴ر ۲۵ر فروری کے بجائے ۲۶ر ۲۷ر فروری رکھی گئی ہے، یہ تبدیلی اس لئے کی گئی تھی کہ مولوی عبد الحق بھی کانفرنس میں شریک ہو سکیں۔ اُمید ہے کہ تاریخ کی تبدیلی سے آپ کو دقت نہیں لگے گی!

سیواگرام - وردھا　　۱۸ر فروری ۱۹۴۵ء

آپ کا پیارے لال

(پرائیویٹ سکریٹری مہاتما گاندھی)

---

[1] مولانا محمد علی جوہر (ایڈیٹر کامریڈ)　[2] وفد خلافت یورپ　[3] مشہور مستشرق اور "تاریخ ادبیات ایران" کا مصنف

(۳) بھائی صاحب! ۲۷ / ۲۶ / فروری کو ہندوستانی پرچار سبھا کی کانفرنس ہوگی میں چاہتا ہوں کہ آپ بھی اس میں شریک ہوں اور اس سوال کے سلجھانے میں حصہ لیں مجھے آشا ہے کہ آپ ضرور آئیں گے۔ آنے کی تاریخ اور وقت سے خبر دیں گے۔

سیواگرام وردھا۔ آپکا موہن گاندھی

۱۳ / فروری ۳۵ء

(۴)

ڈاکٹر شفاعت احمد خاں

مکرمی بندہ تسلیم

یہاں سب کی خواہش ہے کہ اس نازک موقع پر آں جناب جمعیۃ العلماء کی صدارت منظور فرماکر پٹنہ ضرور تشریف لائیں یہ نہایت نازک موقع ہے اور اس وقت جناب کی صدارت کی اس قدر ضرورت ہے کہ میں بیان نہیں کرسکتا آپ کا نام صدارت کے واسطے تجویز ہوا ہے مجھے بد قسمتی سے کچھ معاملات میں جن کی وجہ سے کچھ شبہات ہوگئے ہیں وہ سب معلوم ہیں مگر مجھے کافی یقین ہے کہ ایسے موقع پر آپ مسلمانان ہند کی رہنمائی کریں گے اور صدارت قبول فرمائیں گے۔ اس کو خفیہ رکھئے۔

۱۲ / ستمبر ۳۳ء حقیر ناچیز شفاعت احمد خاں، الہ آباد

(۵)

علامہ اقبال

جاوید منزل لاہور ۱۶ / مئی ۳۷ء

مخدوم و مکرم جناب مولانا صاحب

السلام علیکم۔ اُمید کہ آپ کی صحت بالکل اچھی ہوگی۔

معارف کے اس مہینہ کے پرچے میں آپ نے شذرات میں چند عربی کتابوں کا ذکر کیا ہے جو حال میں چھپی ہیں ان میں سے ایک کتاب خراج پر ہے ایک اموال پر اور تیسری کسی اور مضمون پر جو اس وقت ذہن سے اُتر گیا ہے مجھ کو ان تینوں کتابوں کی ضرورت ہے کیا یہ ممکن ہے کہ آپ مجھے یہ کتابیں مصر سے یا جس جگہ شائع ہوئی ہیں ندوہ کی معرفت منگوادیں قیمت ادا کردی جائے گی قاضی ابو یوسف کی کتاب خراج مجھکو لاہور سے لائبریری میں مل جائے گی باقی تین کتابیں یہاں نہیں ملتیں مہربانی فرماکر اس خط کا جواب جلد مرحمت فرمائیں۔

شاہ ولی اللہ کی کتاب تفہیمات الٰہیہ میں نے ڈابھیل سے منگوائی ہے اس کتاب سے مجھے بہت مایوسی ہوئی آپ کی رائے اس کی نسبت کیا ہے؟

والسلام

محمد اقبال

(٦)

پنڈت موتی لال نہرو

مکرمی جناب سید صاحب تسلیم! جو طوفان بے تمیزی اس وقت[1] برپا ہے اس کے انسداد کیلئے آپ کی امداد کی سخت ضرورت ہے مولوی مسعود علی صاحب کو اس لئے تکلیف دی گئی تھی کہ بعد مشورہ تدابیر مناسب اختیار کی جاویں چنانچہ جیسی توقع تھی مولوی صاحب نے اپنے کام کو بخوشی منظور فرمایا اور اب پورے پورے کمربستہ ہیں آپ کی امداد کے جو مواقع جلد پیش آنے والے ہیں ایک تو کانفرنس دسنہ جو ۲۷ر اکتوبر کو منعقد ہوگی اور دوسری اس کے بعد ۳ر نومبر سے ۶ر نومبر تک ایک مرتبہ دہلی کا سفر اختیار کرنا پہلے موقع پر سنا جاتا ہے کہ مجمع کثیر ہوگا اور ہر خیال کے اصحاب موجود ہوں گے۔ وہاں اگر اچھی فضا قایم ہوگئی تو نہایت مفید ہوگا۔

دہلی میں آل انڈیا کمیٹی کی میٹنگ ہے اور اس کے ساتھ ہی کانفرنس کمیٹی کی بھی میٹنگ ہوگی وہاں جماعت علماء سے ضرور گفتگو کی نوبت آوے گی۔ اُن اصحاب کا جواب ہمارے پاس سوائے آپ کے اور مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کے اور نہیں ہے مولانا ابوالکلام آزاد صاحب۔ ضرور موجود ہوں گے لیکن آپ کی موجودگی بھی لازمی ہے تکلیف تو ہوگی مگر بالفعل اس معاملہ سے زیادہ اہم کوئی قومی معاملہ نہیں ہے اور میں اُمید کرتا ہوں کہ آپ اس تکلیف کو ضرور برداشت فرماویں گے اُردو رپورٹ ۲۳ر کو شائع ہوگی فوراً ابلاغ خدمت ہوگی۔

١٦ر اکتوبر ١٩٢٨ء مخلص موتی لال نہرو آنند بھون

الہ آباد

(٧)

ڈاکٹر مختار احمد انصاری

مکرمی جناب مولانا صاحب! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ

والا نامہ پہونچا جناب کے بروقت انتباہ کا میں بہت مشکور ہوں۔ یہ خیال جناب کا نہایت درست ہے کہ رسالہ جامعہ ہو کہ جامعہ ملیہ اس کو فرقہ بندی سے دُور ہی رکھنا چاہیئے، ورنہ اس کے لئے ہزاروں ہزار اسباب ناکامی میں کچھ اور اضافہ ہو رہے گا۔

میں نے آپ کے تنبیہ کے حوالہ سے ڈاکٹر ذاکر حسین خاں کو تہدید کر دیا ہے اور اُمید ہے کہ اس کا اثر آپ کے حسب خیال ضرور ہوگا اور اس قسم کے مختلف فیہ مضامین جامعہ میں انشاء اللہ اب شائع نہ ہوں گے۔

ایک طویل عرصہ کے بعد آپ کے خط سے مشرف اور مسرت حاصل کرنے کا موقع ہوا دل چاہا کہ تجدید محبت کے لئے کچھ گلہ شکوہ کرتا مگر آپ نے اپنی معذوری کا ایسا برمحل اقرار کر لیا کہ ہمارے واسطے اب شکایت کی گنجائش

---

[1] نہرو رپورٹ کے خلاف مسلمانوں میں جو بیداری اور بیزاری پیدا ہوئی تھی، اُس کی طرف اشارہ ہے۔

[2] مکتوب الیہ نے اس میں شرکت نہیں کی۔

[3] رسالہ جامعہ میں جناب اسلم جیراجپوری کے بعض مضامین "انکار حدیث" پر چھپے تھے، مکتوب الیہ نے ڈاکٹر صاحب کو اس کی طرف متوجہ کیا تھا!

ہی باقی نہیں رہی۔

اُمید کہ مزاج سامی بخیر ہوگا! نیاز مند مختار احمد انصاری یکم دسمبر ۱۹۳۱ء

(۸) ڈاکٹر راجندر پرشاد (حال صدر جمہوریہ ہند)

جناب مولانا صاحب۔ آداب

آپ کا نوازش نامہ ملا کل ہی میں نے ایک دوسرے شخص مولوی غلام محمد بدرالدین۔ ایم۔ اے کے بارے میں چھپرہ کالج کے سکریٹری بابو ہری ہرسرن کو خط لکھدیا تھا وہ مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب کا خط لے کر آئے تھے اور اس میں مولانا شاہ محی الدین صاحب امیر شریعت کی بھی سفارش تھی خیر تو بھی میں نے ایک خط فارسی کی پروفیسری کے لئے دیا ہے اور یہ لکھدیا ہے کہ اردو کی جگہ کے لئے بھی آپ کی درخواست پر خیال کریں۔ اگر کسی وجہ سے مولوی غلام بدرالدین کو وہ جگہ نہ دی جاسکے۔

میری صحت پھر خراب ہوگئی تھی مگر شکر ہے اب اچھا ہو رہا ہوں اُمید کہ آپ بخیریت ہوں گے!

نیاز مند راجندر پرشاد

(۹) نواب محمد اسماعیل خاں

مکرمی جناب مولانا۔ السلام علیکم اُمید کہ آپ بفضلہ بہمہ جہت بخیریت تمام ہوں گے۔ گرامی نامہ مورخہ ۲۰ مئی پہونچا میں آپ کا ممنونِ احسان ہوں کہ آپ نے مجوزہ تعلیمی کمیٹی کی رکنیت قبول فرمالی میرا یہ خیال ہے کہ اس کمیٹی میں سائنس آرٹ اور انجینیرنگ کے ماہرینِ تعلیم کے علاوہ دو عالمِ دین ہوں ایک اہلِ سنت اور ایک شیعہ

نصابِ تعلیم کی تنفیذ اور عملی اجرا کے متعلق بہت سے پہلو تو خود آپ حضرات کے باہمی مشورہ سے طے پائیں گے سر دست یہ خیال ہے کہ اکثریت کے صوبوں میں ابتدائی ثانوی اور اعلیٰ تعلیم میں اپنے نصابِ تعلیم کو مسلم لیگ کی وزارتوں کے ذریعہ سرکاری اور امدادی مدارس میں جس حد تک ممکن ہوگا داخل کرانے کی کوشش کی جائے گی اور اُن صوبہ جات میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں دوسری راہیں اختیار کی جائیں گی اور ان ہی اعتبارات سے نصابِ تعلیم کو مرتب کیا جائے۔ میرا یہ خیال ہے کہ اراکین کے اپنی اپنی یادداشتیں مرتب کرلینے کے بعد پہلے اجتماع میں ان ہی تمام پہلوؤں پر گفتگو ہوکر کوئی مناسب طریقہ کار اور راہِ عمل طے ہوگا۔

عربی مدارس کے طالب علموں کے میلانِ طبع اور نہ صرف سوشلزم بلکہ اس کے ساتھ الحاد کے اور بے دینی کے ہمہ گیر اثرات کو میں خود محسوس کر رہا ہوں اور واقعی تعجب اور افسوس ہے کہ عربی مدارس کے طالب علم سرکاری اور انگریزی مدرسوں کے طالب علموں سے زیادہ اس میں پیش پیش ہیں۔

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

بہرکیف یہ خود ہماری غفلتوں کا نتیجہ ہے اور علمائے کرام کا اپنے اصلی منصب سے درگزر کرکے سیاسیات میں شغف پیدا کرنا بڑی حد تک اس کا ذمہ دار ہے۔

ندوۃ العلماء کے متعلق آپ کی جو تجویز ہے اس سے مجھے اتفاق ہے۔
اسلامی سیاسیات کے متعلق آپ کی جو تجویز ہے اُس سے مجھے بڑی حد تک اتفاق ہے۔
ان تصنیفات کے اہم ترین حصوں کی اگر نقول مرتب ہو سکیں تو ان کو اس نظر سے دیکھا جائے کہ کیا کسی اور ذریعہ سے ان کی اشاعت مفید اور ممکن ہے یا نہیں کرم فرما کر مطلع فرمایئے کہ ان کی نقول مرتب کرانے میں آپ کو کس قسم کی اور کس قدر مدد کی ضرورت ہے۔
ماہرینِ تعلیم کے بہت سے حضرات سے ابھی مجھے رکنیت قبول کرنے کے متعلق جوابات نہیں ملے ہیں اور اس ابتدائی مرحلے کے طے ہو جانے کے بعد میں عنقریب آیندہ انشاء اللہ آپ کو پھر لکھوں گا اور اس اثنا میں مجھے اُمید ہے کہ آپ اپنے خیالات کو قلم بند فرمالیں گے اور مختصر یادداشت مرتب فرمالیں گے تاکہ پہلے اجتماع میں تمام ضروریات پیشِ نگاہ آجائیں۔
گو بہت عرصہ سے آپ سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا مگر قریب قریب ہر صحبت میں جہاں پرانے کام کرنے والے جمع ہوتے تھے آپ کا ذکرِ خیر آنا ضرور تھا اور اس تعلیمی کمیٹی کے تصور کے ساتھ آپ کو اس کی رکنیت قبول فرمانے کی دعوت دیتے وقت میں نے یہ دُعا کی تھی کہ ؎ اُن پہ بن جائے کچھ ایسی کہ بِن آئے نہ بنے۔
اور آپ کے جواب سے میری اُس دُعا کے مقبول ہونے کی تصدیق ہو گئی اور میں مکرر شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے میری استدعا پر اس کمیٹی کی رکنیت قبول فرمائی۔

والسلام نیاز مند محمد اسماعیل خاں
۲۶ مئی ۴۲ء

(۹) نواب صدر یار جنگ مولنا حبیب الرحمن خاں شروانی

مکرمی! السلام علیکم! جوبلی[1] مبارک کے موقع پر دار المصنفین کی طرف سے سپاس نامہ و مبارکباد پیش ہونے کا انتظام ہوا ہوگا، نہ ہوا ہو تو اب ہو، نواب کاظم[2] یار جنگ بہادر چیف سکریٹری کی خدمت میں بھیجدیا جائے۔
میں اس وقت مسلم یونیورسٹی کے وفد میں حیدرآباد روانہ ہو رہا ہوں۔

حبیب گنج ۱۱ر فروری حبیب الرحمن

---

(۱۰)

حبیب گنج ۱۸ر رجب المرجب ۱۳۵۶ھ

مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ
کل ایک خط بھیجا ہے، نامہ سامی ۱۳ر رجب کا پیش نظر ہے، اس سے دلی مسرت ہے کہ آپ مع الخیر اپنے کاموں میں مشغول ہیں بارک اللہ فیہا۔

---

[1] نواب میر عثمان علیخاں نظام دکن کی پچیس سالہ جوبلی [2] جو بعد میں نواب میر عثمان علیخاں کی پیشی کے صدر المہام ہوگئے، اور حال ہی میں انتقال ہوگیا۔

سیرت کا اخلاقی حصّہ دو ثلث چھپ چکا، یہ دوسرا مژدہ مبارک!

تاریخ ہند کے متعلق خدا کرے دکن میں کامیابی ہو، اگر تمدن نگار یہاں آسکتے تو غالباً بہت سی چیزیں اون کے ڈھب کی یہاں بھی نظر آجائیں، شال وغیرہ لکھنؤ میں منشی[1] احتشام علی صاحب کے یہاں بھی ہے، عظیم الشان ذخیرہ سالار جنگ کے یہاں حیدرآباد میں ہے، وہاں ہے اور جگہ بھی مگر سالار جنگ دیکھنے کی اجازت دیدیں گے۔

سندھ کی تاریخ کی تکمیل ایک تاریخی کارنامہ ہے، جامعہ عثمانیہ نے بھی اس میں کاوش کی تھی!

مثنوی سنائی کابل[2] پہونچ گئی، اس سے اطمینان ہوا، منشآتِ سنائی حاضر ہیں، سوال لائق کاتب کا ہے، تجویز کیجئے، یہاں نہیں ہے، پٹنہ[3] کی کارروائی ایک تازہ ثبوت ہے اس کا کہ دماغ واقعات سے نہ آشنا ہیں، نہ آشنا ہونا چاہتے ہیں، ملک کی ساری بہبودی تنگ نظری کے سامنے بھینٹ کی جاتی ہے، "شمالی ہند میں ہندوستانی بولی جاتی ہے اور حصّوں میں سمجھی جاتی ہے" میرا بارہ برس کا تجربہ دکن کا ہے کہ وہاں بھی مثل اُتر کے بولی جاتی ہے، صرف لہجہ یا بعض الفاظ اور محاورات کا فرق ہے، بہرحال فائدہ اُٹھانا چاہئے، یقین کیجئے میرا دل بہار کی حاضری کو بہت چاہتا تھا مگر اسباب مانع رہے، اب تک افسوس ہے۔

مدرسے بیشک ہیں مگر یہ مدرسے تو آدمیوں کو بلکہ آدمیت کو مٹا رہے ہیں اس لئے کہ اون میں آدمی نہیں!

مولوی مسعود[4] علی محوی کا دیوان فارسی میں چھپا ہے، ایم اے او کالج کے بی۔ اے ہیں، علامہ شبلی مرحوم کی تربیت و فیضِ صحبت نے ان کو شاعر بنادیا جن کے کلام میں ذوق و لطفِ فارسی ہے حالانکہ کالج میں شاعری کا کورس نہ تھا، اب شبلی کہاں! علیہ الرحمہ

آج کل اخبار طلبہ کی جس تہذیب و شائستگی کی خبریں شائع کر رہے ہیں اون سے بدن پر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔

والسلام ختم الکلام — نیاز کیش

حبیب الرحمٰن — ۲۰ جنوری ۴۳ء

(۱۰)

۸ صفر المظفر ۱۳۵۹ھ

مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مسودۂ حیات شبلی ابھی ختم کیا، یہاں قیام رکھا تاکہ فرصت سے پڑھ لوں، حبیب گنج میں وقت کم ملتا تھا سب پڑھ لیا جن بیانات سے میرا تعلق تھا اون کو پورے غور سے ذرّہ ذرّہ پڑھا، جن سے تعلق نہ تھا مثلاً سیاسیات اُون کو پڑھا

---

[1] کاکوری کے مشہور مخیر رئیس اور ندوۃ العلماء کے معتمد مال! ان کے انتقال کو تقریباً پانچ چھ سال ہوئے۔

[2] کابل کے ایک علم دوست فاضل کی طلب پر بھیجی گئی تھی [3] پٹنہ میں مولوی عبدالحق صاحب اور موجودہ صدر مملکت ہند ڈاکٹر راجندر پرشاد کے درمیان گاندھی جی کے حکم سے اُردو ہندی کا ایک سمجھوتہ ہوا تھا جس میں ہندوستانی کی تعریف یہ کی گئی تھی کہ وہ زبان جو شمالی ہند میں عام طور سے بولی جاتی ہے اور جو اُردو اور ہندی حرفوں میں لکھی جاتی ہے! [4] مسعود علی نام محوی تخلص ضلع بارہ بنکی (یو۔پی) کے رہنے والے! حیدرآباد دکن میں سشن جج کے عہدے سے پنشن حاصل کی، پھر برسوں دارالترجمہ کے رُکن رہے، فارسی کے اتنے اچھے شاعر تھے کہ ان کے زمانہ میں ہندستان و پاکستان میں دو چار شاعر ہی مشکل سے اُن کے ہم پلہ ہوں گے! نوّے سال سے بھی زیادہ عمر پائی۔

لیکن ذمہ دارانہ نہیں، جہاں ترک دیگر (کے) کوئی لفظ بڑھایا ہے ادن[۱] کا اضافہ منظور ہے، بشرطیکہ پسند ہو آپ کو!
جو عبارتیں خطوط کے اندر ہیں وہ یا اپنے شوق سے لکھی ہیں یا آپ کی آہی کے لئے کہ پسند ہو تو اون سے مواد لے لیا جائے۔
آپ کی تحریر کی تعریف یہ کافی ہوگی کہ اوس[۲] کو پڑھ کر وہی لطف کی محویت حاصل ہوئی جو مرحوم مولانا کی صحبت میں تھی جزاک اللہ! حق تالیف ادا کیا، دلی تمنا ہے کہ لوگ پڑھیں اور سبق حاصل کریں، ایک مرد کے واقعات سامنے ہیں جو ہر میدان میں مردانہ کھڑا ہے بعض دفعہ ۱۰۰ صفحے پڑھے، شوق مزید پکارتا رہا، مسودہ واپس بھیجتا ہوں، افسوس ہے کہ انگریزی سیاہی نے پھیل کر صفحات کو بدنما کردیا ہے، مجبوری تھی۔
مسودہ کے پڑھنے میں کبھی لب متبسم ہوئے، کبھی آنکھیں پرنم، وفات کے حالات پڑھ کر قریب تھا کہ چیخ نکل جائے، نفیس[۳] دلہن پاس نہیں، معاً خیال آیا کہ پریشان ہوجائیں گی ضبط سے اور کھانسی سے کام لیا۔

حبیب الرحمٰن　　علی گڑھ　　۱۰ر ستمبر ۱۹۴۱ء

---

(۱۱)
۸ر صفر المظفر ۱۳۵۹ھ　　　۱۹ر مارچ سنہ ء

مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مارچ کے معارف میں یک ماہہ سفر کے حالات پڑھے، لطفِ مشاہدہ قلبِ مشتاق نے بھی محسوس کیا انشاءاللہ مع الخیر لطفِ لقا بھی حاصل ہوا ہوگا، مولوی مسعود علی صاحب سے نظام العمل سنگِ بنیاد[۴] کے جلسہ کا دریافت کرتا ہوں۔
افسوس ہے کہ اس دوران میں آسمانِ علم کے جو نیرِ رخشاں غروب ہوئے، مولانا فضلِ حق[۵] رام پوری، مولانا معین الدین[۶] اجمیری نور اللہ مرقدھما، معارف میں مرحومین کی وفات پر نوٹ ہے، اس سلسلہ میں یہ اطلاع مفید ہوگی کہ مولوی معین الدین صاحب اول شاگرد مولانا محمد لطف اللہ[۷] صاحب مرحوم کے تھے، خود موصوف نے بھی مجھ سے اس کے متعلق ایک واقعہ بیان کیا تھا، مولانا کے آخر زمانہ میں جب مصائبِ مرض کا ہجوم تھا، مولوی صاحب مزاج پرسی کے لئے حاضر ہوئے تھے، اس موقعہ پر میر زاہد رسالہ کے ایک مقام کی بابت سمجھ میں نہ آنے کا ذکر کرکے حل فرمانے کی استدعا کی، فرمایا "معین الدین! اب ہجومِ امراض سے دل و دماغ لائقِ حلِ اشکال کہاں رہے" اس کے بعد فرمایا کہ "اس مسئلہ کی بابت فلاں مقدمہ میں خلطِ مبحث ہوگیا ہے، اسی لئے اشکال

[۱، ۲] انیسویں صدی عیسوی کے بزرگ عام طور پر "اُن"، "کو اون اور اُس"، کو اُوس لکھا کرتے تھے! [۳] نواب صدر یار جنگ مولانا شیروانی مرحوم کی اہلیہ! [۴] سنگِ بنیاد دارالعلوم ندوہ لکھنؤ۔ [۵] معقول و منقول کے مشہور مدرس اور مولانا عبدالحق خیر آبادی کے ارشد تلامذہ میں تھے [۶] مولانا برکات احمد ٹونکی کے قابلِ فخر شاگرد، تمام علوم متداولہ میں مجتہدانہ بصیرت کے حامل، جمعیۃ العلماء ہند کے معرکہ آراء اجلاس امروہہ کے صدر! رحمہما اللہ
[۷] ضلع علی گڑھ کے ایک چھوٹے سے گاؤں پلکھنہ میں پیدا ہوئے اور اللہ کے فضل اور اپنی سعی واکتساب سے آسمانِ شہرت پر آفتاب بن کر چمکے، ریاضیات میں امامت کا منصب حاصل تھا، معقولات میں بھی اپنی آپ نظیر تھے، مولانا مفتی عنایت احمد صاحب کاکوروی کے جو غدر میں قید ہوکر انڈمان بھیجے گئے تھے، شاگرد رشید تھے، تلامذہ کی تعداد کا احاطہ بھی مشکل ہے، آخر زمانہ میں حکومت حیدرآباد دکن کی عدالتِ عالیہ کے مفتی ہوگئے تھے!

عارض ہے" فرماتے تھے" حضرت کے اس قدر ارشاد سے مسئلہ صاف ہوگیا، سمجھ میں آگیا"
مولانا فضلِ حق صاحب مرحوم نے بھی اوّل درس مولانا لطف اللہ صاحب سے ختم کیا تھا، اس کے بعد معقولات مولانا عبدالحق خیر آبادی مرحوم سے پڑھی تھیں، یہ بھی مجھ سے خود مولوی فضلِ حق صاحب نے فرمایا تھا۔

نیاز کیش　　حبیب الرحمٰن

(۱۲)　مولانا ابوالکلام آزاد

صدیقی العزیز! خط پہونچا۔　　اے وقت تو خوش کہ وقتِ ما خوش کردی!

آپ نے میرے دل کا بڑا بوجھ ہلکا کردیا، مجھے اندیشہ تھا کہ اعظم گڑھ میں بھی جلسہ اور وعظ کی مصیبت آلگے گی، یہ معاملہ میرے لئے ایک قطعاً ناقابلِ علاج مرض ہوگیا ہے، میری کوئی سعی، کوئی فصاحت و بلاغت، کوئی بحث اس بارے میں سود مند نہیں ہوتی، میں اگر لوگوں سے کہوں کہ تقریر کرنا میرے لئے مہلک ہے اور آدھ گھنٹے کے بعد مرجاؤں گا، جب بھی لوگ بخوشی آمادہ ہوجائیں گے کہ کم ازکم آدھ گھنٹہ تک بکواس کرالیں، پھر ہجوم مصافحہ کی جگہ تجہیز و تکفین ہی کا اہتمام کیوں نہ کرنا پڑے، کوئی مضائقہ نہیں بلکہ اصل مقصد جس طرح میری زندہ لاش سے حاصل ہوسکتا ہے، مُردہ لاش سے بھی حاصل کرلیا جاسکتا ہے، شاید بعض اعتبار سے دوسری حالت زیادہ نافع اور نتیجہ خیز سمجھی جاتی ہو۔

آپ پہلے شخص ہیں جس نے میرے ان احساسات کے سمجھنے سے انکار نہیں کیا، یقین کیجئے آپ کا خط پڑھ کر بیحد شکر گزار ہوا ہوں۔

میں خود چاہتا ہوں دارالمصنفین میں ٹھہروں اور بجز وہاں کے حلقے کے اور کوئی دعوتِ التفات نہ دے، جب آپ نے اس طرف سے مطمئن کردیا تو کوئی وجہ نہیں کہ میں مستعجل رہوں تین دن تو نہیں دو دن ضرور وہاں صرف کردوں گا۔

مولوی رشید الدین صاحب[۵۱] کہتے ہیں کہ جمعہ سرائے میر میں بسر ہو، پس یہ پروگرام سمجھئے کہ پہلے سرائے میر اور پھر دارالمصنفین میں ایک دن پہونچنا اور دوسرے دن روانہ ہوجانا ہے، میں سمجھتا ہوں، دونوں جگہ کا درمیانی فاصلہ بہت ہی کم ہے۔

مولوی مسعود علی صاحب[۵۲] کی مسرت میری دلی مسرت کا انعکاس ہے، معلوم نہیں مولوی عبدالسلام صاحب[۵۳] بھی وہاں تشریف رکھتے ہیں یا نہیں، ان سے ملنے کو بھی بہت جی چاہتا ہے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ　　ابوالکلام

۲۵/ اکتوبر سنہ ۱۹۳۶ء

---

۵۱ برادر مولانا حمیدالدین فراہی
۵۲ منیجر دارالمصنفین
۵۳ رفیق، المصنفین ــــ مصنف "شعرالہند" "اقبال کامل" وغیرہ!

(۱۳)

ڈاکٹر سیّد محمود[1]

۱۹ اگست ۱۹۳۷ء　　　　مجبی! تسلیم

آپ کا عنایت نامہ ابھی ملا، اور فوراً ہی جواب لکھوا رہا ہوں، اگر آپ کی کتاب[2] کا ترجمہ اچھا کیا گیا ہے تو اس کے چھپوانے کا انتظام ضرور کر دیا جائے گا، مسودہ کی ایک کاپی یا ایک (carbon copy) میرے پاس بھیجدیں، تو میں اِدھر اُدھر سے دیکھ لوں گا، سعید الحق صاحب سے کہئے کہ مجھ سے آخر ستمبر میں پٹنہ میں ملیں، اب تو نوبت یہ آگئی ہے کہ آپ پٹنہ آتے ہیں اور بغیر مجھ سے ملے ہوئے چلے جاتے ہیں۔

آپ کو یہ سنکر افسوس ہوگا کہ ابھی چند روز ہوئے کہ میرے داہنے آنکھ کی روشنی جاتی رہی لکھنے پڑھنے سے معذور ہوگیا ہوں، علاج ہو رہا ہے خدا کرے یہ عارضی ہو۔

مدرسہ[3] کے کورس کے متعلق آپ نے اب تک کچھ نہ کیا، مہربانی کر کے اسے جلد ختم کیجئے۔ مجبی مولوی مسعود علی صاحب کی خدمت میں سلام و نیاز۔ زیادہ سلام!

خاکسار　　سیّد محمود

(۱۴)

محب مکرم!　　السلام علیکم۔

مہربانی فرما کر چند روز کے اندر اپنی مفصل رائے دربارہ دینے تعلیم بذریعہ ہندوستانی زبان کے تحریر فرمائیے۔ مجھے آپ کی رائے سے پوری طور پر واقفیت ہے مگر پھر بھی دلائل و براہین کے ساتھ آپ کی رائے چاہتا ہوں، دوسری بات جو مجھے درکار ہے وہ یہ ہے کہ اگر یہ طے کر دیا جائے کہ تعلیم بذریعہ ہندوستانی زبان کے بجائے ہو تو اُردو داں حضرات کو اس سے جو خدشات پیدا ہوتے ہیں اس کا کیا علاج ہے، میری رائے میں اس کا تدارک سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ ایک مضبوط با اثر کمیٹی بنا دی جائے، جو نصاب کی کتابوں پر غور کرے، ہاں اس کمیٹی کے لئے کچھ اصول مقرر کرنے ہوں گے، ان۔ کے متعلق مجھ سے اور آپ سے گفتگو ہو چکی ہے اور میں نے آپ کے مشورہ سے ایک نوٹ بنایا تھا، تیسری چیز جو میں چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ایک ایسی کمیٹی[4] بنا دی جائے جو ٹکنیکل (technical) الفاظ کا تصفیہ کر دے اور نئے الفاظ کے متعلق بھی برابر تصفیہ کرتی رہے۔ یہ ایک مستقل کمیٹی ہوگی، اپنی رائے سے جلد از جلد مطلع فرمائیے۔

میں اچھا نہیں ہوں، مولوی مسعود علی صاحب کو سلام نیاز

خاکسار　سیّد محمود پٹنہ

---

[1] ڈاکٹر سید محمود (بیرسٹر) بہار حکومت کے سابق وزیر تعلیم　[2] "کتاب عرب و ہند" کے انگریزی ترجمہ کی اشاعت کے متعلق　[3] مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ　[4] علامہ سید سلیمان ندوی، ڈاکٹر عبدالحق اور ڈاکٹر تاراچند اس کمیٹی کے ارکان تھے اور وضع اصطلاحات کا کام اس سے متعلق تھا مگر انقلاب حال کے سیلاب میں ہندی کی سرکاری تجویز کے بعد یہ اسکیم ہی غرقاب ہوگئی!

(۱۵)

نواب مہدی یار جنگ

یکم اکتوبر ۱۹۳۵ء

معظمی و مکرمی مولانا سید سلیمان صاحب ندوی

تسلیم! آپ کے خط مورخہ ۰ر ستمبر پر میں نے بہت غور کیا، اس بات کی کوئی اُمید نظر نہیں آتی کہ اعلیٰ حضرت حضور نظام اپنی سلور جوبلی کے موقع پر کسی ایسے وفد سے ملاقات کرنے اور ایڈریس سننے پر رضامند ہوں گے جس کا آپ نے اپنے خط میں ذکر کیا ہے، لہٰذا اس وفد کو آنے کی تکلیف نہ دی جائے تو بہتر ہے۔

سیرۃ نبوی[۱] کے کام کو غالباً آپ نے شروع کر دیا ہوگا، تیار ہونے پر اس کا مسودہ میرے دیکھنے کے لئے بھیجا جائے تو بہتر ہے، یہ کتاب اس ملک کے بچّوں کے لئے بڑی نعمت ہوگی۔

دار المصنفین کی امداد کا مسئلہ ہنوز یہاں زیر گشت اور زیر تصفیہ ہے نتیجہ عنقریب بر آمد ہوگا۔

سید[۲] ہاشم صاحب ندوی کی بی بی کا انتقال ہوگیا ہے اور اس کی وجہ سے رخصت پر ہیں۔ رخصت ختم ہونے پر رامپور جائیں گے۔ اُمید کہ مزاج گرامی بخیر و عافیت ہوگا۔ فقط

مہدی[۳] یار جنگ

(۱۶)

مولانا حسین احمد مدنی

سیدنا المحترم زادت معالیکم،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج مبارک! عرصہ سے نعمتِ ملاقات سے محروم ہوں اس وقت کتابی ملاقات کا ایک بہانہ مل گیا ہے اس لئے حاضر ہوتا ہوں۔

گورکھپور کے نوجوان اور سچے جذبات والے طلبہ کا عریضہ منسلک ہے۔ اصرار یہ ہے کہ غازی مصطفےٰ کمال پاشا کے متعلق ایک مفصل بیان لکھا جائے، میں دنیائے تاریخ اور تحریر و تقریر میں جس قدر لنگ اور عاجز ہوں آپ کے سامنے بیان کی حاجت نہیں پھر اس پر طرہ یہ ہے کہ انتہائی مصروفیت کی بنا پر بالکل ہی فراغت نہیں، غازی مصطفےٰ کمال پاشا ترکی میں جنگ عمومی سے پہلے کوئی امتیازی شان نہیں رکھتے تھے جب تک جنگ رہی جب تک بھی یہ زوایائے خمول ہی میں روپوش رہے ان کی شہرت جنگ کے بعد ہوئی اس لئے میں ان کی تاریخ قدیم سے بالکل ناواقف ہوں، اس جنگ کے بعد مجھکو ان دیار میں جانے کی نوبت ہی نہیں آئی حجاز میں دو مرتبہ جانا ہوا تو

---

[۱] مہدی یار جنگ مرحوم نے اپنی وزارت تعلیم کے عہد میں اسکول کے بچوں کے لئے مکتوب الیہ سے سیرۃ نبوی پر ایک آسان اور مختصر کتاب کی تالیف کی فرمائش کی تھی یہی کتاب رحمت عالم کے نام سے لکھی گئی اور چھپی اور حیدر آباد کے اسکولوں اور دوسرے مدرسوں میں شامل نصاب ہوئی [۲] دائرۃ المعارف (حیدر آباد دکن) کے سابق مہتمم۔

[۳] نواب عماد الملک بلگرامی کے چھوٹے صاحبزادے، جو حیدر آباد دکن میں صدر المہام سیاسیات تھے!

اولاً تو نہایت سرسری طور پر تھا، ثانیاً علائق منقطع ہو چکے تھے اس لئے کوئی صورت مجھکو بجز ہندوستان کے اخبارات کے ذرائع کے حاصل نہیں ہو سکتی، ان اخبارات کے دیکھنے کی مجھکو نہ فرصت ملتی ہے نہ اسفار اور مشاغل ان تک پہونچنے دیتے ہیں بنا بریں مجھکو پختہ یقین ہے کہ اس مسئلہ میں بھی معلومات کا ذخیرہ جناب کے پاس میری معلومات سے ہزاروں درجہ زائد ہوگا۔

ان طلبہ کا حُسنِ ظن یہ ہے کہ اگر میں آں جناب سے درخواست کروں گا تو درخواست ٹھکرائی نہیں جائے گی (خدا کرے یہ حُسنِ ظن صحیح ہو اور واقعیت کا جامہ رکھتا ہو) بناء علیہ میں ان کی اس درخواست کو پیش کرتا ہوں اور اُمیدوار ہوں کہ اس کو شرف قبولیت سے نوازا جائے گا۔

متحدہ[1] قومیت کے متعلق اوسی زمانہ میں کچھ قلم بند کیا تھا اور کچھ بعد میں مگر طباعت کی مشکلات وغیرہ سے بہت دیر میں تیار ہو کر شائع ہو سکا ملاحظہ کے لئے ارسال کرتا ہوں اگر بوقت فرصت ملاحظہ فرما کر کچھ اصلاحات سے مطلع فرما سکیں تو عین بندہ نوازی ہوگی۔ والسلام!

مولانا مسعود علی صاحب اور مسٹر عُزیر صاحب اور دیگر حضرات سے سلام مسنون عرضِ فرمادیں!

ننگ اسلاف

حسین احمد غفرلہٗ

وارد حال سلہٹ نئی سڑک

۲۸ رمضان المبارک ۵۷ھ

(۱۷)

مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی

حضرۃ الاستاذ المحترم　متعنا اللہ بطول بقائہٖ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ　　گرامی نامہ نے شرف بخشا "تبصرہ للناس" میں نے خود مولانا منظور صاحب کو ان کے ہاتھ میں دہلی میں دیا، اُنھوں نے فرمایا کہ میں تقاضے کا خط لکھ چکا ہوں، اور وعدہ فرمایا کہ اس کی وصولیابی کی اطلاع کر دیں گے سفر و مشاغل میں غالباً بھول گئے اب خط آتا ہوگا جناب اطمینان رکھیں میں نے لکھنو سے اس لئے نہیں بھیجا تھا کہ مجھے معلوم تھا کہ مولانا آجکل بریلی میں نہیں ہیں، آخر شوال میں سہارنپور اور دہلی آئیں گے اور وہیں مجھ سے ملاقات ہوگی۔

جناب نے اس گرامی نامہ میں جو کچھ فرمایا ہے اس سے مجھے حرف بحرف اتفاق ہے، اس سے پہلے بھی جناب اس مضمون کی طرف وقتاً فوقتاً متوجہ فرماتے رہے ہیں اور یہ ارشادات بے اثر نہیں رہے میں نے بھی اپنی تمام حقیر

---

[1] مولانا حسین احمد صاحب نے دہلی کی ایک تقریر میں اس عہد میں اوطان سے قومیت بننے کا جو نظریہ پیش کیا تھا، ڈاکٹر اقبال مرحوم نے چند شعروں میں اس پر تنقید کی تھی، اس پر اخبارات میں قومیت کی بحث چھڑ گئی تھی، مکتوب الیہ نے ان دونوں کے درمیان محاکمہ لکھا تھا جو مدینہ بجنور میں چھپ کر مقبول ہوا (س)

کوششوں اور دلچسپیوں کو دارالعلوم میں مرکوز کرنے کی کوشش کی ہے۔
شہری تبلیغ کا بھی اسی کو مرکز بنا رہا ہوں جس کی تفصیل انشاء اللہ آپ اپنی آئندہ آمد میں ملاحظہ فرمائیں گے۔
مجھے جناب کے ان ارشادات و تنبیہات کی بہت ضرورت ہے تاکہ بے راہ روی اور بے اعتدالی نہ پیدا ہونے پائے، اور وقت و قوت ناتجربہ کاری سے بے محل ضائع نہ ہوں۔
ایک چھوٹی کتاب اس لئے بھیجوں گا کہ جناب اس کو اوّل سے آخر تک ملاحظہ فرمالیں، اور اس کی اصلاح و تصحیح فرمادیں تاکہ کسی غلط چیز سے نقصان نہ پہونچے، والسلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ
خاکسار ابوالحسن علی ۳۱ر اکتوبر ۴۴ء

(۱۸) مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

مخدومی و محترمی السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ !
پرسوں ایک خط لکھ چکا ہوں۔ جس میں آپ کو دارالاسلام کی اسکیم اور دستور العمل کے متعلق اظہار رائے کی تکلیف دی تھی۔ اگرچہ ابتداءً میرا خیال یہ تھا کہ آپ کو یہاں تشریف لانے کی زحمت دوں اور آپ ہی کے مبارک ہاتھوں سے اس ادارہ کی تاسیس ہو۔ لیکن محض اس خیال سے استصواب و استشارہ ہی پر اکتفا کیا کہ آپ کی صحت اور مشاغل کی کثرت شاید یہاں آنے کی اجازت نہ دے اب مولانا عبدالماجد صاحب کے تازہ عنایت نامہ سے معلوم ہوا کہ آپ کا تشریف لانا ممکن ہے اور انھوں نے آپ کو دعوت دے دی ہے اس سے غایت درجہ مسرت ہوئی اور موصوف کا ہم آواز ہو کر میں بھی درخواست کرتا ہوں کہ یہاں ضرور تشریف لائیے اور ہماری رہنمائی کیجئے، علامہ اقبال مرحوم افسوس ہے کہ زندہ نہیں ہیں ورنہ یہ دعوت ان کی طرف سے ہوتی تاہم اب بھی آپ اس دعوت کو انھی کی روح کی طرف سے سمجھیں اور یہ سمجھیں کہ جس کام کو وہ اپنی زندگی کا حاصل سمجھتے تھے اسے اُٹھانا اور بڑھانا اب مجھ سے زیادہ آپ کا کام ہے!
خاکسار ابوالاعلیٰ ۹ر شعبان ۵۷ھ

(۱۹) مولانا احمد سعید دہلوی

سیدنا المطاع زادکم اللہ مجداً و شرفاً
السلام علیکم گرامی نامہ کا شکریہ ! یہ صحیح ہے کہ تکثیر روایت پیش نظر رہی بعض احادیث کے ضعف کی تصریح کر دی گئی ہے۔ غالباً تین مقامات پر اس قسم کی تصریح موجود ہے، جناب کو معلوم ہے الاتحافات السنیہ[1] پر میری توجہ زیادہ مرکوز رہی مگر اعتماد سب سے زیادہ حظیرۃ القدس پر رہا، حظیرۃ القدس کو پورا کرنے کے بعد میں نے دوسری جانب توجہ کی بہرحال آپ حضرات کی توجہ اور دعاؤں سے جو کچھ ہونا تھا وہ ہوا۔ نواب سید علی حسن[2] صاحب کا نام چونکہ معلوم نہ تھا اس لئے نہیں لکھا جاسکا، اگرچہ میں جانتا تھا کہ ابوالنصر علی حسن ان کے

---

[1] احادیث قدسی کا مجموعہ [2] نواب صدیق حسن خاں مرحوم کے چھوٹے صاحبزادے!

صاحبزادے ہیں مگر یہ کوتاہی کی گئی اگر میری زندگی میں دوسرے ایڈیشن کی نوبت آئی تو انشاء اللہ اس کی تلافی کردی جائیگی۔
مسٹر عاصم[1] کا عرصہ سے خط نہیں آیا، نہ ان کے امتحان کا نتیجہ معلوم ہوا، ایم۔ اے میں پاس ہوگئے؟ کس درجہ میں پاس ہوئے۔ بہر حال آپ کا انتخاب قابل ستایش ہے خدا تعالیٰ انجام بخیر کرے، مسٹر عاصم خدا کے فضل سے بہت شریف الطبع نوجوان ہیں، کیا چھوٹی صاحبزادی کی بھی شادی ہو رہی ہے۔
میاں سلیمان[2] کے ندوہ میں داخل ہونے پر مبارکباد قبول کیجئے، اللہ تعالیٰ ان کے علم وفہم میں ترقی عطا فرمائے اور میاں سلیمان کو آپ کی جانشینی کا فخر حاصل ہو!
رفقائے دار المصنفین کی خدمت میں سلام مسنون، بالخصوص مولانا مسعود علی صاحب ندوی، امام صاحب، مولوی عبد السلام صاحب، شاہ صاحب، پروفیسر صاحب سے میرا سلام کہدیجئے، خدا جانے پی ایچ[3] ڈی کہاں ہیں؟　　۲۴ر اگست ۱۹۴۱ء　　من خویدکم الانقر احمد سعید کان اللہ لہٗ

کوچہ ناہر خاں بیت السعید دہلی

(۲۰)　## ڈاکٹر ذاکر حسین

مخدوم ومحترم مدظلہٗ　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

شرف نیاز حاصل کئے مدتیں گزر گئیں نادم ہوں کہ اسزمانہ میں نہ کبھی اپنا حال لکھنے کی توفیق ہوئی، نہ آپ کی خیریت دریافت کر سکا آج حامد[4] صاحب نے کہا کہ آپ نے میری خیریت دریافت فرمائی ہے میں یوں ہی کیا کم نادم تھا اس توجہ نے اور پانی پانی کر دیا اچھا ہوں اور آپ کی دعا کا طالب، یورپ کے سفر سے صحت کو بہت فائدہ ہوا اگر بے احتیاطی نہ کروں تو شاید کچھ دن اور چل سکتا ہوں لیکن اگر!!
جرمنی میں پھنستے پھنستے بچا میں وہیں تھا کہ جنگ شروع ہوگئی بڑی شکل سے ہوستان پہنچا بہرحال بخیر گزشت!
یہ سنکر بہت خوشی ہوئی کہ آپ اب ندوہ کو زیادہ وقت دے رہے ہیں یہ ادارہ مسلمانانِ ہند کا بڑا سرمایہ ہے آپ کی توجہ ہے، اسے چار چاند لگ جائیں گے!
سہیل[5] کیسے ہیں؟ ثمیمہ[6] کا کیا حال ہے۔ مولوی مسعود علی صاحب کی خدمت میں آداب!
امید کہ مزاجِ گرامی بخیر ہوگا۔　　والسلام

خادم　ذاکر حسین

۱؎ علامہ سید سلیمان ندوی کے بھتیجے اور داماد مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے ایم۔ اے، ایل، ایل بی — کراچی میں ان دنوں ایڈوکیٹ اور قانون تجارت کے پروفیسر ہیں ۲؎ سید صاحب موصوف کے چھوٹے صاحبزادے ۳؎ ڈاکٹر محمد اسحٰق پروفیسر اسلامیات ڈھاکہ یونیورسٹی، جو اس زمانہ میں یونیورسٹی کی طرف سے اپنے مقالہ (ہندستان میں علم حدیث) کی تیاری کیلئے دار المصنفین اعظم گڈھ بھیجے گئے تھے ۴؎ منیجر جامعہ بکڈپو ۵؎ سید صاحب کے بڑے صاحبزادے ۶؎ سید صاحب کی بڑی صاحبزادی (اہلیہ سید ابو عاصم صاحب ایڈوکیٹ)

(۲۱)　# مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی

۱۹ر دسمبر ۱۹۴۴ء

مخدوم و مکرم　مدظلہٗ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ! گرامی نامہ صادر ہوکر باعث عزت ہوا، میرے عریضہ کے بعد اب حضرت مفتی صاحب کا مکتوب گرامی موصول ہوا ہوگا، ارکان کمیٹی کے جمع ہونے سے قبل اصلاح نصاب کے سلسلہ میں ابتدائی سوالات مرتب کرکے آراء حاصل کرنا بے شک مفید تجویز ہے، چنانچہ میں بمشورہ حضرت مفتی صاحب سوالات مرتب کرکے عنقریب حضرات علماء کرام کی خدمت میں روانہ کروں گا لیکن میری خواہش یہ ہے کہ اگر آپ بھی مناسب اور ضروری سوالات مرتب کرکے دفتر میں روانہ فرمادیں تو بہت اچھا ہوتا کہ ان کو بھی ارکان کی خدمت میں روانہ کردیا جائے، اگرچہ میں اس کام کے لئے زحمت گوارا کرنا زائد سی بات ہوگی، تاہم اس اہم خدمت کے لئے یہ زحمت ضرور گوارا فرماکر ممنون فرمائیں!

مجھ کو قوی اُمید ہے کہ اگر آپ جیسے بزرگوں نے پوری توجہ فرماکر اس اصلاحی خدمت کو عملی جامہ پہنا دیا تو مشہور مدارس عربیہ ضرور منظور کریں گے اور اگر سب نہیں تو ان کی اکثریت ضرور منظور کرے گی، اُمید ہے کہ جواب باصواب سے معزز فرمائیں گے!

آپ کا مخلص

محمد حفظ الرحمٰن کان اللہ لہٗ

(۲۲)　# مولانا ابوبکر محمد شیث فاروقی[1]

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

محبی زید حبکم　السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ! آپ کے خط کا جواب لائبریری سے مدد لینے پر موقوف تھا اور کئی دن سے لائبریری بند تھی، اس لئے آج لکھتا ہوں، تفہیمات الٰہیہ کا ایک مکمل نسخہ اور ایک ناقص نسخہ لائبریری میں ہے، ناقص نسخہ اتنا کم ہے کہ اس کو صرف چند اجزاء کہنا چاہئے لیکن یہ اجزا مولانا شاہ عبدالعزیز مرحوم کے کتب خانہ کے ہیں اور پہلے صفحہ کی چوتھی سطر میں تین سو آٹھویں تفہیم شروع ہوئی ہے، یعنی تین سو سات تفہیمیں غایب ہیں، خط نہایت پاکیزہ ہے اگرچہ پورا نسخ ہے نہ پورا نستعلیق ہے کاتب کا نام حضور اللہ کشمیری ہے ۱۱۹۹ھ لکھا ہوا ہے، لٹن لائبریری کی فہرست قلمی میں عربیہ مذہب نمبر کتاب ۳ ہے نایاب ٹکڑا ہے افسوس ہے کہ اول سے غائب ہوگیا۔

دوسرا نسخہ فہرست قلمی عربیہ مذہب نمبر ۲ پر ہے

نہ کاتب کا نام ہے نہ سنہ کتابت ہے، لیکن پچاس سال کے اندر کا معلوم ہوتا ہے، فل اسکیپ سائز، ۶۸ صفحات میں یہ خط نستعلیق میں لکھا ہوا ہے، لیکن خوش خط نہیں ہے اکثر مغلوط ہے، اس میں تین سو چونتیس تفہیمات ہیں،

---

[1] سابق پروفیسر دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (رحمۃ اللہ تعالیٰ)

جلد الگ الگ نہیں، ہر ہر تفہیم خاص خاص مسئلہ پر ایک ایک رسالہ ہے، خطبۂ کتاب کی عبارت ابتدائی حسب ذیل ہے:- اللہم ربنا لا مانع لما اعطیت ولا راد لما قضیت المہدی من ہدیت تبارکت و تعالیت الخ
پہلی تفہیم کی ابتداء یہ ہے:-

عشق معشوقاں نہانست و ستیر　　عشق عاشق باصد طبل و نصیر

دل من دو دخانہ دارد، یک خانہ معشوقی، دیگر خانہ عاشقی تفصیل این اجمال این کہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

آخری تفہیم تین سو ۴۴ ہے اور خطبات کے متعلق ہے اس کی ابتدا یوں ہے، الحمد للہ الذی تقدس عن مشارکۃ المخلوقین نہام الاوہام دون الاصابہ عن حقیقۃ ساقطہ — دونوں نسخوں کا آخر مطابق ہے اور تفہیمات کے نمبر شمار بھی برابر ہیں۔

تفہیمات کا ایک بہت عمدہ نسخہ پاکیزہ خط میں، میں نے آپ کے ضلع میں قصبہ گھوسی میں دیکھا ہے، مولوی عبدالقادر مرحوم کے کتب خانہ میں تھا پھر وہ مولوی نصیر صاحب مرحوم کے پاس تھا اور انہی نے مجھ کو دکھایا تھا، اب ان کے بیٹے مولوی عبدالغفار صاحب کے پاس ہوگا آپ کوشش کریں گے تو رعایت مل جائے گی، اسی جلد میں آخر میں خیر کثیر بھی بخط نسخ لکھا ہوا مکمل ہے اور ایک مختصر رسالہ لیکن دقیق اور عسیر الفہم ہے اس کتاب کو حاصل کرنے کی ضرور کوشش کیجئے۔ والسلام مولانا مسعود علی صاحب کی خدمت میں السلام علیکم فرمائیے!

والسلام　　ابوبکر محمد شیث فاروقی

(۲۳) عبدالمجید قرشی مرحوم بانی سیرت کمیٹی

مخترمی و معظمی زاد لطفہ

السلام علیکم! اس وقت سیرۃ کمیٹی کی طرف سے جمعہ کے لئے جو اردو وعظ شائع کئے جارہے ہیں وہ ہر جمعہ کے دن پانچ ہزار مسجدوں میں سنائے جاتے ہیں، میرا خیال یہ ہے کہ اس سلسلہ کو اور زیادہ وسعت دے کر دس ہزار مسجدوں پر حاوی کرنے کی کوشش کی جائے، یہ خطبات وعظ ایک ایسا ذریعہ ہیں جس سے سری نگر سے راس کماری تک کے مسلمانوں میں ایک آواز کی گونج پیدا کی جاسکتی ہے اور انہیں ایک مرکز اور ایک پروگرام پر جمع کیا جاسکتا ہے، سیرۃ کمیٹی چاہتی ہے کہ مسلمانوں کو جنگِ عظیم کے حالات اور مسائل سے باخبر رکھنے کیلئے خطبات جمعہ کا ایک خاص کورس شائع کیا جائے، اس میں آپ کی رہنمائی کی ضرورت ہے، آپ کی رائے میں ایسے بنیادی اصول کونسے ہیں، جن کو پیش نظر رکھ یہ خطبات لکھے جائیں، مسلم لیگ نے اپنے گزشتہ اجلاس میں فلسطین اور حقوق کے متعلق جن شکایتوں کو دہرایا تھا، کیا ان خطبات میں ان کا اعادہ کرنا چاہیئے، یا نہیں؟ موجودہ جنگ کے متعلق مسلمانوں کے لئے کس پالیسی پر عمل کرنا بہتر ہو سکتا ہے، چونکہ یہ مسئلہ نازک تھا اس لئے آپ سے استصواب کرنا ضروری سمجھا گیا، امید کہ آپ واضح جواب سے ضرور مشکور فرمائیں گے!

والسلام　　خاکسار　　عبدالمجید قرشی

۱۲ر ستمبر ۱۹۳۹ء

(۲۴)
مولانا عبید اللہ سندھی

مکرمی المحترم زید مجدہٗ وسلم!

سلام مسنون! نوازش نامہ پہونچا، نہایت مسرت حاصل ہوئی، میں آپ کی علمی زندگی اور اُس کے ارتقاء کا مسلسل مطالعہ کرتا رہا ہوں، میرا ہمیشہ سے یقین مستحکم قایم رہا ہے کہ ہمارے نوجوانوں میں جب صحیح سیاسی احساس پیدا ہوگا تو ان کو اسلام کی صحیح تعلیم دینے والے نوجوان اہلِ علم میں آپ کا درجہ بہت بلند رہے گا۔

میرے دماغ پر غبار چھاگیا تھا جب مجھے محسوس ہوا کہ شاید میرا مطالعہ صحیح نہیں، الحمد للہ آج میں اولاً اور آخراً محض اپنے ربِ حمید کا شکر کرتا ہوں کہ اس کی رحمت سے یہ غبار دُھل گیا، زادکم اللہ بسطۃ فی العلم والجسم ولازلتم للمتقین اماماً!

میری طبیعت قدرے اچھی ہورہی ہے، سندھ کی سیاسی جماعتوں کو امام ولی اللہ کی حکمت اور ان کی سیاست سے آشنا کرنے کے لئے ایک مستقل مرکز دار الرشاد کے متصل بنارہے ہیں، کسی قدر کام شروع ہوگیا، ایک قطعہ زمین سندھ ساگر یونیورسٹی کے لئے تجویز کرلیا گیا ہے، اس میں (۱) بیت الحکمہ (۲) سندھ ساگر ماڈل اسکول (۳) ج، ن سندھ ساگر پارٹی کا ہیڈ کوارٹر ہوگا ـــــ

دُعاء فرمائیں　　　والسلام　　　عبید اللہ سندھی　　　۲۲ر فروری ۱۹۴۳ء

(۲۵)
مولانا عبد الماجد الحریری

بحضرت مخدوم مکرم ومحترم حضرت سید صاحب متعنا اللہ بطول بقائکم!

سلام اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! مکرمت نامہ شرف صدور لایا، شکرگزار ہوا، آپ کی ہمت عالی اور توجہ کی برکت ہے نصف راہ تو طے ہوگئی انشاء اللہ! میں نے آج ہی حضرت علامہ موسیٰ جار اللہ[1][2] کو خط لکھا ہے، جن لفظوں کی آپ نے توضیح مناسب تصور فرمائی ہے، علامہ موصوف کی توجہ ان کی جانب خاص طور پر منعطف کرائی گئی ہے جوں ہی جواب آیا میں خود لیکر حاضر ہوں گا، یا اگر کوئی سبب مانع آیا آپ کو مفصّل خط لکھوں گا، انشاء اللہ!

---

[1] بنارس کے محلہ مدنپورہ کے رہنے والے مشہور عالم ادیب (ایم اے ال ال بی (علیگ) علامہ موسیٰ جار اللہ سے ترکی پڑھی اور اُن کے فیض سے مستفید ہوئے۔ چند سال پہلے بھارت کی طرف سے جدّہ میں کونسل مقرر ہوئے تھے۔

[2] موسیٰ جار اللہ روس کے مشہور عالم تھے، جو پہلے انقلاب روس میں لینن کے ساتھ تھے، لیکن بعد کو اسٹالن کی پالیسی کے مخالف ہوکر روس سے باہر ہندوستان، مصر، ترکی وغیرہ میں دورے کرتے رہے۔ اخیر جنگ میں انگریزوں نے ہندوستان میں اُن کو نظربند کردیا تھا۔ لڑائی کے بعد ہندوستان سے نکل کر ترکی جارہے تھے کہ وہاں ایک نئی درس گاہ جاری کریں۔ لیکن راہ میں مصر ہوکر انتقال ہوگیا، اُس درس گاہ میں وہ تمام اسلامی زبانوں کی تصنیفات جمع کرنا چاہتے تھے اس سلسلہ میں ہندستان کا ذمہ میرے لئے رکھا تھا (س)

(۲) میں آپ سے متفق ہوں، بہتر ہی ہوگا کہ اس کام کو اس وقت ہاتھ لگایا جائے جب علامہ موصوف ترکی قلمرو میں اپنے لئے کوئی جگہ قیام کی منتخب فرمالیں، مجھکو معلوم ہے کہ عصمت پاشا اور مارشل فوزی پاشا اس باب میں حضرت علامہ کے پورے طور پر ہم نوا ہیں اور وہ ان کے لئے کوئی اچھی سی جگہ جلد ہی عنایت فرمائیں گے مگر میں چاہتا ہوں کہ خود حضرت موسیٰ جار اللہ صاحب سے بھی مشورہ کر لیا جائے!

(۳) کتابیں سردست تو وہ عربی ہی چاہتے ہیں، مگر ظاہر ہے کہ ہندی مسلمانوں نے اُردو زبان میں ادبی، دینی، تاریخی اور دوسرے علمی مسائل پر جو سرمایہ بہم پہنچایا ہے، وہ بھی خاصی اہمیت رکھتا ہے اور عالم اسلام ان سے اغماض نہیں کر سکتا، بہر حال حضرت علامہ کے جواب کا مجھ کو انتظار ہے۔

(۴) مصر و شام اور دوسرے بلاد اسلامیہ کی مطبوعات کا ایک بڑا ذخیرہ تو خود حضرت علامہ کے اپنے کتاب خانے میں موجود ہے۔ جو اس وقت ماسکو، برلن، فنلینڈ اور مصر میں محفوظ ہے۔ حضرت علامہ کو اُمید ہے کہ کہیں رخت سفر کھلے تو یہ پراگندہ صنادیق بہم ہو جائیں گے۔ انشاء اللہ پھر خود مصر کی موجودہ وزارت اوقاف اور وزارت معارف سے اس مشروع کی تکمیل میں پوری مدد ملنے کا یقین ہے۔ حضرت علامہ مصطفیٰ عبدالرزاق آج کل وزیر اوقاف ہیں اور وہ حضرت علامہ کے گہرے دوستوں میں ہیں، ان سے بھی پوری مساعدت و اعانت کی واثق اُمید ہے۔

میں اتنا لکھ پایا تھا کہ حضرت عبدالمجید صاحب خواجہ محترم کا مکتوب دعوت شرف صدور لایا، اور مجھکو دفعتہً آباد جانا پڑا۔ حضرت خواجہ صاحب نے جامعہ ملیہ کی مطبوعات ضروریہ اپنی جیب سے خرید کر عطا فرمانا منظور فرمایا، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی بعض مطبوعات کے فراہم فرما دینے کا وعدہ بھی فرمالیا۔

اب تیسرا مرحلہ مطبوعات دارالمصنفین کے حاصل کرنے کا ہے، کیا یہ ممکن ہے کہ حضرت رفقائے دارالمصنفین کے کسی رفیق عزیز سے اپنے ادارے کی ایسی مطبوعات کی ایک فہرست تیار کرا دیں جن کو حضرت اس مجوزہ مدرسہ کے لئے ضروری یا مفید خیال فرماتے ہوں ان مطبوعات کی قیمت کا اندازہ ہو جائے تو روپے بہم کئے جائیں۔

حضرت علامہ موسیٰ جار اللہ کا جو مکتوب پرسوں آیا اس میں وہ میرے استفسار کے جواب میں لکھتے ہیں:۔

نطلوبی کل کتاب علمی او دینی طبع فی الهند فی ای لغة کانت، عربیة، فارسیة او هندیة فان کانت من غیر طبع الهند من کتب علمیة فیها فائدة لا هل العلم و لطلبة فان ذلک یکون فضلاً کبیراً من اهل الهند یشکر، وان لم اکلف اهل الهند کتبا طبعت فی غیر الهند ولم اغفل ان اهل الهند اذا تبرعوا علیّ بکتب الهند فانها ستکون صنادیق عدیدة ترسل الی استانبول فیکون من تمام الاحسان ارسالها علی حساب المحسن والذی عندی هو الرغبة لا القدرة ولو تمکنت لما توسلت ولقد تعلمون ان ما اتمناه من احیاء مدرسة دینیة فی عالم الاتراک واجب وجوباً ادلیا علی عالم الاسلام کوجوبه علیّ واخلاصی لدیکم ظاهر وعذری باهر درائیت ان اهل الهند اکثر اهتماماً بمثل هذه الفرائض من سائر الامم الاسلامیة فقدمت الیهم الیوم لهذا ۔ ۔ ۔ ۔

اس سے ظاہر ہے کہ وہ اس تحریک کو اپنے انگورہ پہونچ لینے پر اُٹھا رکھنا نہیں چاہتے کتابیں البتہ ان کے وہاں پہونچ لینے پر بھیجی جا سکتی ہیں اب میرا بھی یہی خیال ہے، کام کو ہاتھ لگایا جائے، مکاتیب لکھے جائیں۔ اور کتابیں

دار المصنفین یا جامعہ ملیہ میں جمع ہونی شروع ہو جائیں پھر حضرت شیخ کے استانبول پہونچکر مدرسہ کا افتتاح فرمالینے پر وہاں بھیجدی جائیں۔

میں نے اس باب میں دوسرے بزرگوں کو بھی لکھا ہے جو کچھ جواب آئے گا آپ کی خدمت میں بھیجدیا جائیگا۔ انشاء اللہ!

اس سلسلہ میں ایک کام اور ہے رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کی بھی بعض مطبوعات ہوں گی اور ظاہر ہے کہ وہ بہت گراں ہوں گی، میرے ذہن میں ایک بات آتی ہے آپ ایک خط خود مسٹر فضل حق کو لکھیں اور ایک خط خواجہ ناظم الدین کو، میں یہ خطوط لیکر خود کلکتہ جاؤں، ان بزرگوں سے ملوں، اور دیکھوں کیا ہو سکتا ہے۔ نواب صاحب چھتاری بھی ان صاحبوں کو خط لکھیں۔ تو خوب ہو، آپ اس تجویز کو پسند فرمائیں تو میں کلکتہ جانے کو حاضر ہوں!

حضرت نواب صاحب چھتاری محترم کی دعوت پر ندوہ میں جو صحبت برپا ہوئی اس کا تھوڑا بہت حال سُن چکا ہوں، اس کی کہانی کسی قدر تفصیل کے ساتھ سُننے کو جی چاہتا ہے۔ حاضر خدمت ہو کر اس باب میں بھی حضرت کے افادات کریمہ سے مستفید ہوں گا۔ انشاء اللہ!

جواب کا منتظر رہوں گا۔ رفقائے دار المصنفین میں عموماً اور حضرت مولانا مسعود علی صاحب اور مولانا عبدالسلام صاحب کی خدمت میں خصوصاً سلام شوق عرض ہے! والسّلام

مخلصکم عبد المجید الحمایری

دریابادی — ۲۵ر جنوری سنہ ۱۹۴۱ء

۱۲ر فروری سنہ ۱۹۴۱ء — دی بنارس ٹیکسٹائل

ظہیر احمد صدیقی

فانیؔ بدایونی کا تصوّف

محبت کی وہ منزل جہاں سے شاعر اپنے وجود کو فراموش کر دیتا ہے۔ اور اپنی ہستی کو محبوب کے اندر جذب کر دیتا ہے۔ وہاں سے شاعری کا گریز تصوف کی طرف ہوتا ہے۔ اور انہی مجاز کی پگ ڈنڈیوں کو طے کرتا ہوا فانی بھی تصوف کے راستہ پر گامزن نظر آتا ہے۔ پروفیسر ضیاء احمد صاحب بدایونی کی رائے ہے کہ فانی کے یہاں تصوف غمِ دنیا سے پناہ کی راہ سے آیا ہے۔ مگر میرا خیال ہے کہ اگر فانی پناہ کی خاطر تصوف کی آڑ لیتا تو اس کی شاعری میں خلوص نہ ہوتا جس نے اس کے کلام میں اس قدر خلوص اور سوز پیدا کر دیا ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ پروفیسر موصوف اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ فانی کا تصوّف اصلی تھا۔ اس سلسلہ میں وہ فرماتے ہیں۔ "تصوف کا عنصر ان کے (فانی) یہاں واقعی اور اصلی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ عملی تصوف سے ان کی زندگی نا آشنا رہی تاہم نظری تصوف ان کے یہاں محض رسماً یا برائے گفتن نہیں ہے۔" تصوف کے متعلق ایک غلط نظریہ قائم ہو گیا ہے کہ وہ انسان میں بے حسی اور بے عملی پیدا کر دیتا ہے۔ دراصل یہ خیال ان غلط نظریوں کی بنا پر ہے جو ہم نے بعض شعراء کی شاعری کو دیکھ کر قائم کر لئے ہیں۔ شوپنہاور ہم کو قربتِ الٰہی کا صرف یہی ذریعہ بتاتا ہے کہ ترکِ دنیا کر دیں۔ اگر ہم کو پناہ مل سکتی ہے تو عزلت نشینی میں۔ میر اور شوپنہاور کا نظریہ ایک ہی ہے کہ

کیا سیر اس خرابہ کا بہت اب چل کے سو رہئے ۔۔۔ کسی دیوار کے سایہ میں منھ پر لیکے داماں کو

مگر فانی دنیا میں رہ کر دنیا سے گزر جانے کا درس دیتا ہے اور کشتی کو موت کے مترادف خیال کرتا ہے۔

کشتی کا سہارا ہی تو گرداب ہے فانی ۔۔۔ دریا ہی میں تو ڈوب کے دریا سے گزر جا

یا ایک اور جگہ اپنے مخصوص فلسفیانہ انداز میں اس حقیقت کا اعادہ کرتا ہے۔

کر قطع نظر، وسوسۂ قلب و نظر سے ۔۔۔ ہر جلوۂ پوشیدہ و پیدا سے گزر جا

فانی ترکِ دنیا کے قائل نہ تھے بلکہ اس کے مصائب سے مقابلہ کرنے کا ولولہ پیدا کرتے۔ یا دنیا میں رہ کر دنیا سے گزر جانے کا مشورہ دیتے تھے۔ شوپنہار خدائے تعالیٰ کے وجود کو اور اس کی مشیت کو (معاذ اللہ) ایک اندھی اسکیم سے تعبیر کرتا ہے۔ اس کے برخلاف ہیگل شاعری کو حقیقتِ مطلق (ABSOLUTE TRUTH) کے اظہار کا ذریعہ بتاتا ہے۔ اور اس نظریہ سے فانی قریب تر ہیں۔ ممکن ہے کہ کوئی مادہ پرست ایک ایسے وجود کے اعتقاد کو اور اس کی تلاش کو لا حاصل قرار دے مگر یہ ایک امر بدیہی ہے کہ اس کے بغیر انسان کے اعلیٰ مقاصد ہمیشہ اس کی نظر سے روپوش رہتے ہیں۔

۵ؔ علامہ اقبال نے اسی قسم کے "خانقاہی تصوف" پر طنز کی ہے اور بجا طنز کی ہے (مدیر)

فانی کے یہاں یہ تصوف کس راہ سے آیا اس سے ہم بحث نہیں۔ تاہم دل میں محبت کی کسک تھی طبیعت میں فلسفہ کا مذاق تھا اس سے تصوف کا وجود ہوا۔ فانی کے یہاں تصوف کے جو اہم مباحث ملتے ہیں اُن کے چند عنوانات یہ ہیں:۔

الوہیت اور وحدت:۔ جگر جگر ان کے اشعار میں خدا کے یقین کے ساتھ اللہ کی وحدانیت کا منطقی استدلال ملتا ہے۔ مگر یہ صرف منطقی استدلال ہی نہیں بلکہ الفاظ بتا رہے ہیں کہ خلوص و محبت اور یقین کی رُوح ان میں رواں دواں ہے۔

کوئی چٹکی سی کلیجہ میں لئے جاتا ہے   ہم تری یاد سے غافل نہیں ہونے پاتے

وہ یہیں ہیں جو وہ کہیں بھی نہیں   آئیے دل میں جستجو تو کریں

میری ہستی گواہ ہے کہ مجھے   تو کسی وقت بھولتا ہی نہیں

وحدت الٰہی کے ساتھ ہمارے صوفی شعراء میں "ہمہ اوست" کا عقیدہ بھی عام رہا ہے۔ فانی کا بھی عقیدہ ہے کہ عالم، خالقِ عالم سے الگ شے نہیں ہے۔ کائنات میں جو کچھ ہے وہ در اصل اسی معشوق حقیقی کا پرتو ہے۔ سوال کرنے والا سوال کرتا ہے۔

جبکہ تجھ بن نہیں کوئی موجود   پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے؟

اس کا جواب فانی کی زبان سے سنئے!

عرض ناز راز ہے کثرت مجاز کا   آئینے سے لگ گئے پرتوِ جمال میں

ہر کثرت میں وحدت پوشیدہ ہے۔

کثرت میں دیکھتا جا تکرار حسن جاناں   مجبور یک نظر آ۔ مختار صد نظر جا

عطار کا مشہور شعر ہے اور حقیقت میں بے پناہ ہے۔

مشکل حکایتے ست کہ ہر ذرہ عین اوست   لیکن نمی تواں کہ اشارت بہ او کنند

اس کے ساتھ فانی کے شعر بھی ملاحظہ کیجئے:۔

ماورائے حد منزل ہی ہے شاید کوئے دوست   ہم نے جو چھانی رہ ہو ایسی کوئی منزل نہیں

بزم الست، دار فنا، جلوہ گاہ حشر   پہونچی ہے لیکے تیری تمنا کہاں کہاں

عام شعراء کا خیال ہے کہ "عالم شہود" غیب کی تجلی کا دوسرا نام ہے۔ مگر فانی اس کو کچھ اور ہی سمجھتے ہیں:۔

گو جلوۂ غیب شہود ہے پھر بھی غیب کے جلوے غیب میں ہیں
نظارہ نظر میں شامل ہے نظارہ میں شامل کوئی نہیں

شوپنہار بھی وحدت الوجود کی حمایت میں آواز بلند کرتا ہے۔ اسپنوزا کا "خدا" اور شوپنہار کی "مشیت" دونوں ایک ہی ہستی کے دو جُدا جُدا نام ہیں۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ شوپنہار کی "مشیت" اندھی ہے اس کے برخلاف اسپنوزا کا خدا بصیر بھی ہے اور حکیم بھی۔ اس کے نزدیک کائنات کا وجود ہی اس کی سب سے بڑی حکمت ہے جو اس نے بصیر کی حیثیت سے پیدا کی ہے۔ مگر اس محفل میں فانی کی شخصیت کچھ دونوں سے مختلف ہے۔ فانی کے یہاں خدا کا تصور ایک غمگسار دوست اور ایک ڈاکٹر کا سا ہے جو خیر خواہی میں نشتر لگاتا ہے اور ہم کو خوشی سے

ان نشتروں کو برداشت کرنا چاہیئے۔

بنا کے ہجر کی راتوں کو بے نیاز سحر تعینات کے پردے اُٹھا دیئے تو نے

کائنات اور انسان :— خالق کے ذکر کے ساتھ خلق کا ذکر بھی لازمی ہے، یہ کیسے ممکن ہے کہ صانع کا ذکر آئے اور مصنوعات پر ایک لفظ بھی نہ کہا جائے، فانی کی نگاہ میں "موج و گرداب" فریب نظر ہیں :—

قطرہ کیا، موج کسے کہتے ہیں، کیسا گرداب ڈوب کر دیکھ نہ دریا ہے نہ طغیانی ہے

انسان دنیا میں آتا ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے گویا یہاں کی ہر شے پہلے کبھی دیکھ چکا ہے۔ اس کو کتنے دل کش انداز میں بیان کرتے ہیں :—

اِک عالم دل ہے، یہی دُنیا یہی فردوس ہر شے نظر آتی ہے نظر آئی ہوئی سی

قطرہ جب تک دریا سے جُدا تھا اس کی بساط محدود تھی مگر جب اپنے آپ کو دریا میں جذب کر دیتا ہے تو اس کی وسعت کا کیا اندازہ!

ہے اتصالِ قطرہ و دریا پہ منحصر وہ آبروئے قطرہ کہ دریا کہیں جسے

اسی بات کو دوسرے انداز میں کہتے ہیں۔

صحرا کا اجتہاد ہے، ذرّے کی ہر نمود ذرّے کا اعتبار ہے، صحرا کہیں جسے

اس کائنات میں انسان کی کیا حیثیت ہے۔

تم سے نسبت ہے اعتبار اپنا ہم تمہارے ہیں ورنہ پھر ہم کیا

عشق ہے پرتوِ حُسن محبوب آپ اپنی ہی تمنا کیا خوب

شوپنہار کا عقیدہ ہے کہ اس دنیائے حوادث کی نہ ابتدا ہے اور نہ انتہا۔ ایک لامتناہی سلسلہ ہے جس کا کوئی سرا نہیں۔ فانی اسی چیز کو اپنے انداز میں اس طرح پیش کرتے ہیں :—

نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم رہا یہ وہم کہ ہم ہیں سو وہ بھی کیا معلوم

وہ نشانِ ذرہ بھی معلوم کرتے ہیں تو آفتاب سے رُجوع کرتے ہیں :—

دل کیا ہے پوچھ اپنے رُخِ بے نقاب سے شاید نشانِ ذرہ ملے آفتاب سے

ورڈسورتھ کا فلسفہ حیاتِ انسانی کے متعلق یہی ہے کہ "انسان اور مظاہر قدرت میں ایک مشترک رُوح ہے جس کا سرچشمہ ایک ہی ہے۔ اور دراصل یہ ایک دوسرے سے وابستہ ہیں :

جبر و قدر :— یہ مسئلہ آج سے نہیں بلکہ ہزاروں برس سے معرضِ بحث میں ہے کہ انسان مجبور ہے یا مختار۔ یہ مسئلہ ایک مذہبی حیثیت سے جتنا اہم ہے اتنا ہی فلسفیانہ نقطۂ نظر سے بھی اسپنوزا کہتا ہے کہ نہ ہم مجبور محض ہیں اور نہ ہم اخلاقی قدروں سے گریز کر سکتے ہیں۔ اس لئے گناہ و ثواب کے ہم ذمہ دار ہیں۔ مگر شوپنہار کا نظریہ یہ ہے کہ انسان مجبور محض ہے نہ اس کا کوئی ارادہ ہے اور نہ اختیار۔ اس کی حیثیت ایک کٹھ پتلی کی سی ہے جو اپنے مالک کے اشارے پر حرکت کر رہی ہے۔ جب ہم مجبور محض ہیں تو پھر جزا و سزا کے ہم ذمہ دار نہیں ہیں۔ یہی خیالات میں جو اکثر میر کے ذہن میں بھی ہیجان برپا کر دیتے ہیں۔

ناحق ہم مجبوروں پہ یہ تہمت ہے مختاری کی چاہے ہیں سو آپ کریں ہیں ہم کو عبث بدنام کیا

یاں کے سفید و سیہ میں ہم کو دخل جو ہے سو اتنا ہے		رات کو رو رو صبح کیا، صبح کو جوں توں شام کیا

فانی کا دماغ بھی انھی خیالات کی آماجگاہ نظر آتا ہے، اُنھوں نے گناہ کی مجبوری اور انسان کی بے اختیاری کے مضامین بکثرت باندھے ہیں۔ مگر اندازِ بیان بتا رہا ہے کہ جو کچھ کہا جا رہا ہے اس میں خلوص ہے بدنیتی نہیں ہے، فلسفیانہ مسائل میں بھی انداز میں ندرت کے ساتھ شگفتگی ہے۔ فانی ان مجبوریوں ہی میں اپنے لئے آزادی کی راہ تلاش کرتے ہیں:۔

اسیر بند دل ہو کر غم دنیا سے فارغ ہوں		مری آزادیوں کا راز ہے مجبور ہو جانا

ان کے یہاں جبر بھی "جبر دوست" ہے۔ اس لئے اس میں تلخی نہیں نرمی ہے۔ کرختگی نہیں بلکہ لوچ ہے۔

اگرچہ تلخ ملا جام عمر فانی کا		مگر محل نہیں ساقی سے بدگمانی کا (داکبر)

چند شعر سنئے اور دیکھئے کہ اس نازک مقام پر شاعر کس خوش اسلوبی کے ساتھ اپنا دامن بچا جاتا ہے۔

محشر میں جبر دوست سے طالب ہوں داد کا		آیا ہوں اختیار کی تہمت لئے ہوئے

جسم آزادی میں پھونکی تو نے مجبوری کی روح		خیر جو چاہا کیا۔ اب یہ بتا ہم کیا کریں

لگے ہاتھوں ذرا اس شعر کے تیور دیکھئے:۔

وہ ہے مختار سزا دے کہ جزا دے فانی		دو گھڑی ہوش میں آنے کے گنہ گار ہیں ہم

بارگاہ رب العزت میں فرشتوں کا مجمع ہے۔ ارشاد خداوندی ہوتا ہے کہ ہم دنیا میں اپنا ایک نائب بنا کر بھیجنا چاہتے ہیں۔ فرشتوں پر سکوت طاری ہو جاتا ہے۔ تہلیل و تسبیح کی آواز فضا میں غائب ہو جاتی ہے۔ فرشتے حیرت سے ایک دوسرے کا منہ دیکھتے ہیں۔ آخر دبی زبان سے عرض کرتے ہیں "خداوندا کیا تو ایسے شخص کو دنیا میں اپنا نائب بنا کر بھیجنا چاہتا ہے جو وہاں قتل و خونریزی۔ فتنہ و فساد پھیلائے گا"۔ ارشاد ہوتا ہے۔" میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے"۔ فانی کہتے ہیں کہ کرم کی ابتدا تو یہ تھی کہ یہ جانتے ہوئے کہ میرا وجود گناہ کا سرچشمہ ہے اس دنیا میں مجھے بھیجا۔ جب ایسا ہے تو معلوم نہیں کہ اس کرم بے حساب کی انتہا کیا ہو گی۔ مطلب صاف ظاہر ہے کہ مغفرت ہی اس کی انتہا ہو سکتی ہے:۔

کیا ہے خلق مجھے باوجود علم گناہ		یہ ابتدا ہے کرم کی تو انتہا کیا ہے

عقیدہ جبر کے باوجود طبیعت میں سرکشی نہیں نہ وہ اپنی بے گناہی جتا کر مغفرت کے طلبگار ہوتے ہیں اور میر کی طرح یہ نہیں کہتے۔

ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی		چاہے ہیں سو آپ کریں ہیں ہم کو عبث بدنام کیا

فانی کے یہاں عاجزی ہے ندامت ہے جس کو دیکھ کر رحمت کو بھی پیار آ جائے ان کے یہاں گستاخی نہیں بلکہ "نازِ بندگی" ہے۔

پاتے ہی نمی، رحم کا دریا اُمڈ آیا		پردہ مری آنکھوں کا ابھی نم نہ ہوا تھا

گریۂ جوشِ ندامت بس تھمنے کا تو نام نہ لے		جب تک رحمت کا ہر پہلو دل کا دامن تھام نہ لے

خبر اپنی مغفرت کی تو نہیں یہ جانتا ہوں		مری توبہ چاہتی ہے در توبہ باز ہوتا

کیا ہوئیں داورِ محشر وہ خطائیں میری		کچھ نہیں فرد عمل میں تری رحمت کے سوا

تیری قدرت کا نظارہ ہے مرا عجز گناہ		تیری رحمت کا اشارہ ہے ندامت میری

تقدیر و تدبیر:۔ عقیدہ جبر کے ساتھ ہی تقدیر و تدبیر کا مسئلہ بھی عجب پر پیچ ہے۔ جب انسان

مجبور ہے اور مشیت کے سامنے اس کی حیثیت ایک کٹھ پتلی سے زیادہ کچھ نہیں تو وہی ہوگا جو تقدیر میں لکھا ہے۔ اس عقیدہ سے یہ نقصان ہوا کہ انسان اپاہج ہو کر بیٹھ گیا۔ اور اس نے بشارت غیبی کے انتظار میں زندگی گزار دی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہر تقدیر کے سامنے تدبیر کو شکست ہوئی۔

دیکھ فانی وہ تری تدبیر کی میت نہ ہو
اک جنازہ جا رہا ہے دوش پر تقدیر کے

مگر اس "ہمہ تن جبر" اور تدبیر کی مسلسل ناکامیوں کے ساتھ ساتھ اسی عالم شکست و ناکامی میں بے اختیار ان عزائم کے پیدا کرنے اور توڑنے والے کی یاد آتی ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا ہے "میں نے اپنے رب کو اپنے ارادہ کے فسخ ہو جانے سے پہچانا"۔ حقیقت بھی یہ ہے کہ انسان بڑی بڑی تدبیریں سوچتا اور ارادوں کے محل بناتا ہے مگر کوئی غیبی طاقت جب چاہتی ہے ان کو تارِ عنکبوت کی طرح توڑ دیتی ہے۔ دیکھئے اس چیز کو فانی کتنے دل کش پیرایہ میں بیان کرتے ہیں:-

جاہل ہی نے پایا ہے نہ عالم نے تجھے
مخفی رکھا ضمیر محرم نے تجھے
لیکن یہ حجاب قدر آخر کب تک
پہچان لیا فسخ عزائم نے تجھے

تدبیر کی انہی ناکامیوں پر آنسو بہاتے ہوئے فرماتے ہیں

بس ان پہ نہ ان کی یاد پہ ہے تقدیر کے کیا کیا پہلو ہیں
تدبیر سے حاصل کچھ بھی نہیں تدبیر سے غافل کوئی نہیں
حسن تدبیر نہ رسوا ہو جائے
راز تقدیر الٰہی کو نہ پوچھ

نظریۂ فنا:- جب کائنات اور انسان کی حیثیت "واہمہ" ہے۔ انسان مختار نہیں بلکہ مجبور ہے۔ ہر تدبیر کے جنازے کو تقدیر کاندھا دیتی ہوئی نظر آتی ہے تو انسان کو فنا کا عرفان ہوتا ہے۔ اس وقت اس کی آنکھوں سے پردے اٹھ جاتے ہیں۔ ہر شے اس کو فنا کی راہ پر گامزن نظر آتی ہے۔ وہ "موت" اور "فنا" پر متصوفانہ اور فلسفیانہ نظر ڈالتا ہے۔ چونکہ وہ ہر جگہ فنا کی کارفرمائی دیکھتا ہے۔ کائنات کی حقیقت اس پر آشکارا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اسی عقیدے کے تحت کسی نے زندگی کو "وہم و گمان" سے تعبیر کیا۔ کسی نے "دیوانے کا خواب" بتایا۔ کبھی ایسی زندگی کو "طلسم خیال" کہا گیا اور کبھی وہ "موج سراب" سے تعبیر کی گئی۔ کسی نے رجائیت پسندی کا بہت بڑا ثبوت دیا تو یہ کہ اس کے وجود سے تو انکار نہیں کیا البتہ اس کو بے ثبات مانا۔ اس افسانے کو ہر شاعر اور ہر فلسفی نے دہرایا ہے۔ غالب فرماتے ہیں۔

ہاں کھائیو مت فریب ہستی
ہر چند کہیں کہ ہے، نہیں ہے

فانی کی قنوطیت پسند طبیعت بھی دنیا کو "عالم اعتبار" کے نام سے پکارتی ہے۔

عالم جز اعتبار نہاں و عیاں نہ تھا
یعنی کہ تو عیاں نہ ہوا اور نہاں نہ تھا

لہ شاعروں اور فلسفیوں کے بہت سے نظریوں پر تنقید کی جا سکتی ہے، سو فی صدی بات تو بس انبیائے کرام ہی کی ٹھیک ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحی قدم قدم پر ان کی رہنمائی کرتی ہے (م-ق)

فانی دنیا کے وجود کو "ظہور فنا" سے تعبیر کرتے ہیں:۔

کیفیتِ ظہور فنا کے سوا نہیں — ہستی کی اصطلاح میں دنیا کہیں جسے

دو شعر سنئے اور شاعر کے وجدان کی داد دیجئے:۔

ہے موت ہی اک زندگیٔ دل کا سہارا — جینے کی جو ایسی ہی تمنا ہے تو مر جا

اب زندگی ہے نام اس اُمید دور کا — ٹوٹے ہوئے دلوں کا سہارا کہیں جسے

فانی کے تصوف میں مستی بہت کم اور سوز زیادہ ہے اس لئے وہ بہکنے نہیں پاتا، دنیا کی فنا آمادگی، اور بے ثباتی کا وہ مشاہدہ کرتا ہے اور اس کے جذبات پر ایک ایسا عالم بھی طاری ہو جاتا ہے جب وہ خود اپنی ویرانی اور تباہی کے لئے دعائیں مانگتا ہے:۔

اپنے دیوانہ پہ اتمامِ کرم کر یا رب
در و دیوار دیئے اب انہیں ویرانی دے

لیکن ناکامی، حیرانی اور سرگشتگی اُسے "انکار" پر آمادہ نہیں کرتی، فانی ہر عالم میں اللہ تعالیٰ کے وجود کا اقرار کرتا ہے اور اس کی رحمت سے مغفرت کا طلب گار ہے، فانی کے یہاں "تسلیم و رضا" کی جھلک جگہ جگہ ملتی ہے، اور فکر و نظر کے اس مشاہدے اور تخیل کی ان بلند پروازیوں کے بعد اُسے ایک ایسا عالم بھی نظر آتا ہے ——— جہاں:۔

خود تجلّی کو نہیں اذنِ حضوریٔ فانی
آئینے اُن کے مقابل نہیں ہونے پاتے

از کشاف

اشارے!

عشق کا پیغام جو سُن لے اُسی کے نام ہے!

شام کو چہل قدمی سے واپس آتے ہوئے سڑک پر اسکول کے دو طالب علموں کو آپس میں گفتگو کرتے سُنا۔ موضوع گفتگو یہ تھا کہ کسی کی پنسل یا قلم اُس کی جیب سے نکال کر واپس دینا چاہیئے یا نہیں۔ طے پایا کہ نہیں دینا چاہیئے۔۔۔ یہ بے فکر اور نادان بچے!

ابھی کچھ ان کو خبر نہیں ہے، ابھی انھیں تجربے نہیں ہیں ۔۔۔ خبر نہیں ہے کہ آگے چل کر ہے کیسی منزل ہیں کیسے جادے

(اکبر الہ آبادی)

جیتے جی انسان ایک گھر، ایک شہر، ایک ملک، ایک سلطنت میں نہیں سماتا یہ مرنے کے بعد سمٹ کر ایک تنگ گوشہ میں آسودہ ہو جاتا ہے۔۔۔

زندگی نام ہے اضطراب، انقلاب و کشمکش کا، جسے سکون کی تلاش ہو اسے قبر کا کونہ بسانا چاہیئے!

آج دنیا اس اصول پر عمل کر رہی ہے، دوسروں پر الزام لگاؤ تاکہ وہ تم پر الزام نہ لگا سکیں، کیونکہ ان میں اپنی صفائی ہی سے فرصت نہ ملے گی، اسی کو "خطرناک بن کر رہو"[1] کی اصطلاح میں بھی ظاہر کیا گیا ہے۔

عین اس وقت جب میرے دل سے لہو کی دھار جاری ہوتی ہے ہمسایہ میں قہقہوں کا آبشار رواں ہوتا ہے۔۔۔

کیا عجب بات ہے کہ ساری دنیا کے ممالک آپس میں مل بیٹھ کر جنگ کا خاتمہ نہیں کر سکتے۔ ہاں جنگ کے زخمیوں کے مرہم پٹی کرنے کے بارے میں بالاتفاق ہم خیال اور ہم زبان ہیں، حتیٰ کہ بین الاقوامی قواعد کی رو سے محاربی قومیں ریڈ کراس کے عملہ اور اسٹور وغیرہ پر حملہ نہیں کر سکتیں۔۔۔ اگر یہ نئی تہذیب کا محض تکلف اور فیشن نہیں ہے اور رحم انسانی کا جذبہ اتنا شدید اور بلند ہو سکتا ہے تو ایک ملک دوسرے ملک پر حملہ ہی کیوں کرے۔ اس کی سعی نہیں، اس سعی کو کامیابی نہیں۔ یہ عجیب بات ہے، عجیب و مضحکہ خیز، کتنی شرمناک بھی!

---

[1] Live dangerously

کیا محاورہ میں تصرف ہو سکتا ہے؟ جواب ہاں بھی ہے اور نہیں بھی، یہ اس پر منحصر ہے کہ تصرف کرنے والا خوش مذاق ہے یا نہیں اور خوش مذاقی کی جانچ کے لئے کوئی دو ٹوک اصول اب تک وضع نہیں ہوا۔ مثال سے ثابت کرتا ہوں:-

ہماری زبان میں محاورہ ہے "دال روٹی" اور اسے یوں استعمال کرتے ہیں "خدا کا شکر ہے دال روٹی مل جاتی ہے" مجھے اس میں ہمیشہ "بوئے بجوری" محسوس ہوئی۔ اور میں نے مسلمان کے لئے اس محاورہ کو "گوشت روٹی" میں تبدیل کر دیا۔ میں ہمیشہ کہتا ہوں "خدا کا شکر ہے گوشت روٹی مل جاتی ہے" میرے خیال میں یہ تصرف جائز ہے کم از کم اس وقت تک جب تک واقعی گوشت روٹی مل جاتی ہے!

دوسرے قسم کے تصرف کی مثال سنئے جسے ناجائز سمجھتا ہوں اور سنکر سناٹا میں آگیا ایک دوست نے میری طولانی رخصت پر سے واپس آنے کے بعد ملاقات ہونے پر مجھ سے کہا "کہئے، چھٹی کاٹ آئے؟" میں نے "جیل کاٹنا" "رات کاٹنا" "پہاڑ کاٹنا" سنا تھا، چھٹی ختم کر آئے۔ گزار آئے یا رخصت پر سے واپس آگئے بھی کہا جاتا ہے مگر "چھٹی کاٹ آئے" سنتے ہی میرے پیروں کے نیچے سے زمین کھسکتی معلوم ہونے لگی۔

"اسلامی سیاست کی تاریخ میں ایسی مثالیں پائی جاتی ہے کہ یہود و نصاریٰ اور بعض عجمی گروہوں نے اسلام سے مغلوب ہونے اور ظاہر میں اسلام کو قبول کرنے کے بعد اس کی بیخ کنی کے لئے نہایت پوشیدہ اور لطیف ذرائع اختیار کئے۔ بعض تصورات فلسفہ اور تصوف کے انداز میں پیش کئے گئے اور بعض تصورات موضوع احادیث نبوی کے پردے میں۔ محققین حدیث نے ان مخترعات اور موضوعات کو بہت کچھ چھانٹا لیکن اس کے باوجود ایسی چیزیں مروجہ طور پر مسلم احادیث میں ملتی ہیں جن پر شبہ ہوتا ہے کہ یہ غیر اسلامی تصورات کو اسلام میں داخل کرنیکی سازش کا نتیجہ ہیں۔" (خلیفہ عبدالحکیم)

جی! اور محرمان اسرار نے ایک اور سازش بھی پکڑی ہے جو مستشرقین یورپ نے مسلمانوں کی عالمگیر حکمرانی کے دور کے علوم و فنون کو "اسلامی" بنانے کے سلسلہ میں کر رکھی ہے۔ یہ جادو مسلمانوں کے سر پر اب تک چڑھا ہوا ہے اور ہم اپنے فن تعمیر، مصوری، موسیقی، شاعری، حتیٰ کہ رقاصی پر نازاں ہیں جن کے ذریعہ ہمارے اسلاف نے "اسلام" کی طرف سے دنیا کی دوسری تہذیبوں کو "ادنیٰ" نذرانہ پیش کیا!

میں نے اپنا بار بڑی خوبصورتی سے اُٹھایا مگر اب میں خود بار ہوتا جا رہا ہوں۔۔۔

درست کر لیجئے

ماہ مارچ کے "فاران" میں ماہر القادری کا شعر ذرا سی کتابت کی غلطی سے کچھ کا کچھ ہو گیا، اصل شعر یہ ہے:-

تجھے اپنے غم سے مطلب، مجھے غم ہے دوسروں کا
ترے سامنے نشیمن، مرے سامنے چمن ہے

ماہر القادری

داعیانِ حق قید و بند میں!

وہ جس کا امتحاں لیں اور جو ہو کامیاب اس میں
ہمارا آپ کا جینا نہیں جینا اُسی کا ہے

"فاران" کی کاپیاں ۲۵ مارچ کو مکمل ہو چکی تھیں اور اب تک رسالہ کو چھپ چھپا کر پوسٹ ہو جانا چاہیئے تھا مگر نیوز پرنٹ مارکیٹ میں کمیاب ہی نہیں بلکہ نایاب ہے، کاغذ کے بغیر رسالہ کس طرح چھپ سکتا ہے، نہ جانے اس مہینہ کا رسالہ کتنی تاخیر سے شائع ہو گا؟ ——— مگر اس تاخیر میں بھی اللہ تعالےٰ کی مصلحت پوشیدہ تھی، اگر رسالہ ۲۸ مارچ سے پہلے چھپ جاتا تو، ہم جماعتِ اسلامی کے اکابر کی گرفتاری پر اظہارِ خیال نہ کر سکتے!

چاک مت کر جیب بے ایام گل
کچھ اُدھر کا بھی اشارہ چاہیئے

روزنامہ "جنگ" اور اخبار "مسلمان" کے ذریعہ یہ افسوسناک اطلاع ملی کہ جماعتِ اسلامی کے امیر مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی، مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا مسعود عالم ندوی، مولانا عبد الجبار غازی، ملک نصر اللہ خاں عزیز، جناب نعیم صدیقی اور میاں طفیل محمد کو گرفتار کر لیا گیا، پولیس نے مرکزی جماعتِ اسلامی کے دفتر (اچھرہ، لاہور) پر چھاپا مار کر کاغذات اور نقد رقم اپنے قبضہ میں لے لی، پنجاب کے دوسرے شہروں میں بھی جماعتِ اسلامی کے ارکان کی گرفتاریاں عمل میں آئی ہیں۔

جماعتِ اسلامی کا پروگرام اور اُس کے مقاصد و عزائم پوشیدہ نہیں ہیں، وہ کیا چاہتی ہے؟ اس کی تفصیل کیلئے اُس کا ہزاروں صفحہ کا لٹریچر موجود ہے، پاکستان تو پاکستان مصر، حجاز، عراق، شام اور انڈونیشیا تک کے اربابِ فکر جماعتِ اسلامی کے پروگرام کو جانتے ہیں!

جماعتِ اسلامی کے اکابر اور اُس کے کارکنوں کی زندگیاں بھی سب کے سامنے ہیں، اُن کے یہاں نہ کوئی راز اور پردہ داری ہے اور نہ کسی قسم کا خفیہ پروگرام ہے، جو دل میں وہی زبان پر، اور جو زبان پر ہے اُس کا اپنے عمل اور کردار سے اظہار بھی! یہ نیک لوگ جو کہتے ہیں وہ کرتے بھی ہیں، اُن کے قول و فعل میں مطابقت اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے!

"اسلام" کسی خاص خطہ اور مخصوص نسل یا قوم تک محدود نہیں ہے، یہی اور صرف یہی وہ دین ہے جو اللہ کے نزدیک معتبر اور پسندیدہ ہے (کما قال اللہ تعالیٰ :— ان الدین عند اللہ الاسلام)! جماعتِ اسلامی، اسی آفاق گیر دین کو لیکر اُٹھی ہے، اور نہ صرف پاکستان میں بلکہ تمام دُنیا میں اسلامی انقلاب چاہتی ہے۔ مسجد سے میدانِ جنگ تک اور بازار سے ایوانِ حکومت تک۔۔ ۔۔ اسلام اور صرف اسلام! اللہ کے بندوں پر اللہ کی حکومت! زندگی کے ہر شعبہ میں پہنچائی،

دیانت، شرافت، راستبازی اور صلح و امن کا چلن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوۂ حسنہ انسانیت کے لئے معیار! ——
یہ ہے اسلامی جماعت کے پروگرام کا خلاصہ!

پاکستان چونکہ اسلام کے لئے اور اسلام کے نام پر بنا ہے اور اللہ کے فضل سے یہاں مسلمانوں کی غالب اکثریت بھی ہے اس لئے جماعتِ اسلامی حکومتِ پاکستان کو "مثالی اسلامی حکومت" بنانے کا پروگرام رکھتی ہے —— یعنی یہ کہ اسلامی احکام و قوانین جو بہت دن سے معطل پڑے ہیں اُن کو ہم پاکستان میں عمل کر کے اور برت کر دکھا دیں تاکہ یہاں سے دوسری حکومتوں اور ملکوں کو روشنی ملے، اور اللہ کا دین پورے کا پورا قائم ہو جائے۔

پاکستان کے اربابِ اقتدار کی طبعِ نازک پر جماعتِ اسلامی کی دینی سرگرمیاں شروع ہی سے گراں رہی ہیں، اُن کے اکابر سیفٹی ایکٹ کا نشانہ بن چکے ہیں اور جیل کی چار دیواریاں اُن کے مصائب قید و بند کی شاہد ہیں، جماعتِ اسلامی کے اخباروں پر حکومت دار کر چکی ہے، اور جماعت کے نہ جانے کتنے کارکن سرکاری ملازمتوں سے برطرف کئے جا چکے ہیں یہاں تک کہ دفتروں اور سرکاری اداروں میں جماعتِ اسلامی کے لٹریچر تک پر قدغن ہے!

حکومت کی اس سخت روش اور مخالفانہ طرزِ عمل کے باوجود جماعتِ اسلامی نے آئینی حدود سے آج تک سرِ مو تجاوز نہیں کیا، نظم و ضبط کا اس قدر احترام دُنیا میں کسی جماعت نے شاید ہی کیا ہو، جماعت کے ارکان اور متاثرین نے حکومت کی سختی کے جواب میں ذرا سی بھی انتقامی کارروائی نہیں کی، دستور سازی کے مطالبہ کے سلسلہ میں انھوں نے کتنے بڑے بڑے جلوس نکالے ہیں مگر عوام کی ہر دلعزیزی اور تائید کے نشہ سے سرشار ہو کر اُن کی طرف سے بال برابر بے اعتدالی ظہور میں نہیں آئی، خود ارکانِ جماعت ان جلوسوں اور مظاہروں میں پولس کے فرائض انجام دے رہے تھے! ان مظاہروں میں جماعت کے لیڈروں کے لئے نہ تو کوئی "زندہ باد" کا نعرہ سُنا گیا اور نہ مخالفین کے لئے "مردہ باد" کا نعرہ بلند کیا گیا۔

جماعتِ اسلامی نے اس احساس کو مسلمانوں میں بیدار کیا کہ اللہ کا دین مغلوب ہونے کے لئے نہیں بلکہ غالب ہونے کے لئے ہے اور دنیا کی سیادت اور قیادت صالحین کا حق ہے!

کراچی میں طلباء کے مطالبات کے سلسلہ میں جو شدید ہنگامہ ہوا تھا، جماعتِ اسلامی کے کارکن اگر چاہتے اور حکومت کے ارکان سے انتقام لینا مقصود ہوتا، تو وہ اس آگ کو بھڑکا سکتے تھے، لیکن حکومت کی خفیہ پولس کی اطلاعات اس کی گواہی دیں گی کہ جماعت کے کارکنوں نے اس ہنگامہ آرائی کو شہ نہیں دی!

"مسئلہ قادیانیت" کے "ڈائرکٹ ایکشن" کے بعد پنجاب میں جو کچھ ہوا اُس کے قریب قریب تمام پہلو قوم اور حکومت کے سامنے آ گئے ہیں جہاں تک نفسِ مطالبہ اور اصل مسئلہ کا تعلق ہے جماعتِ اسلامی اس کی موید اور حامی ہے مگر اس کے باوجود اس مطالبہ کے منوانے کے لئے جو طریق کار اختیار کیا گیا ہے، جماعتِ اسلامی اُس سے الگ تھلگ رہی —— ہاں! اس نے یہ ضرور کیا کہ گولیاں برستے میں زخمیوں کو اُٹھا اُٹھا کر اُن کی مرہم پٹی کی اور شہیدوں مرنے والوں اور زخمیوں کے گھروں پر جا جا کر بیواؤں یتیموں اور بے سہاروں کی خبر گیری کی!

جماعتِ اسلامی کے سامنے اگر فتنہ و فساد کے ذریعہ حکومت کے طبقہ کو اُلٹنے کا پروگرام ہوتا تو پنجاب کے خونیں ہنگاموں سے زیادہ بہتر موقعہ اور کونسا ہو سکتا تھا، لیکن خود حکومت جانتی ہے کہ جماعت کس قدر پُر امن رہی ہے اور فتنہ و فساد کرنے والوں کو اُس کی طرف سے ذرا سی بھی شہ نہیں ملی، جماعتِ اسلامی نے اس سلسلہ میں عوام کی ناراضگی کی بھی پروا نہیں کی اور اپنی ہر دلعزیزی کے نقصان کو بھی گوارا کر لیا، اور ایسی روش وہی جماعت اختیار کر سکتی ہے جس کے ترک و اختیار کا معیار رضائے الٰہی کے سوا اور کچھ نہ ہو!

خدمات!

جماعتِ اسلامی کی دینی خدمات پر ایک مفصل کتاب لکھی جا سکتی ہے اُس کے کارنامے دو چار صفحوں میں نہیں سما سکتے، ہم اس سلسلہ میں صرف اشاروں سے کام لیں گے، جماعت نے کیا کیا؟ اس کی تفصیل نہیں چند جھلکیاں ہم پیش کر رہے ہیں۔

اس دور میں جبکہ گندہ اور فحش لٹریچر کی بازار میں مانگ ہے اور ادب کے ذریعے بے دینی اور الحاد کا پروپیگنڈا ہو رہا ہے، جماعتِ اسلامی نے معیاری قسم کا دینی اور اخلاقی لٹریچر پیش کیا، اس لٹریچر میں محض "عقیدت" ہی شامل نہیں ہے، اس کا طرزِ استدلال انتہائی سائنٹفک اور زمانہ حاضر کی نفسیات کے عین مطابق ہے، جماعتِ اسلامی کی بعض کتابیں عربی اور انگریزی میں بھی ترجمہ ہوئی ہیں اور اہلِ علم اور اربابِ فکر نے اُن کے علمی وقار اور اسلوبِ بیان کو تسلیم کیا ہے بلکہ قدر و استحسان کی نگاہ سے دیکھا ہے!

جماعتِ اسلامی نے کمیونزم کے جواب میں اسلام کا نظامِ معاشی پیش کر کے عقل و استدلال کی رو سے ثابت کیا کہ کمیونزم کے مقابلہ میں اسلامی معاشی نظام فطرت سے کس قدر قریب تر ہے، جس میں نہ افراط پائی جاتی ہے اور نہ تفریط!

جماعتِ اسلامی کی کوششوں کی بدولت بے شمار مسلمانوں کی زندگیوں میں تبدیلی پیدا ہوئی ہے، خاص طور سے وہ نوجوان جو کمیونزم اور الحاد کی گود میں جا رہے تھے یا جانے والے تھے، اُن میں جماعت نے دینی اخلاق اور اسلامی اسپرٹ پیدا کی ہے اسلامی انداز پر سیرت سازی اور تعمیرِ کردار کی کامیاب جدوجہد، جماعتِ اسلامی کا طغرائے امتیاز ہے، کوئی اس حقیقت کا مشاہدہ کرنا چاہے تو ہزاروں زندگیاں اس کی گواہی دینے کے موجود ہیں!

اس مادی دور میں جبکہ عام طور پر زندگیاں نفسانی خواہشوں کی پرستار بن کر رہ گئی ہیں، جماعتِ اسلامی کے لٹریچر اور اُس کے اکابر کی تربیت کی بدولت اللہ کے فضل سے ایسے لوگ پیدا ہوئے ہیں، جو اللہ کی خوشنودی اور رضا پر بڑے سے بڑے مادی نفع کو بے دریغ قربان کر سکتے ہیں اور جن کی زندگیاں معاشرت اور معاملت میں بہت پاک و صاف ہیں اور جن کا وجود اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ بُرائیوں اور گمراہیوں کے ماحول میں بھی کوئی چاہے تو عزت و وقار اور نیکی و تقویٰ کے ساتھ زندگی بسر کر سکتا ہے۔

جن دفتروں، کمپنیوں اور اداروں میں جماعتِ اسلامی کے ارکان ملازم ہیں، اُن سے ان لوگوں کی دیانت، خوش معاملگی اور فرض شناسی کے بارے میں دریافت کیا جا سکتا ہے کہ یہ لوگ کس کیریکٹر کے ہیں۔

اسمبلیوں کا انتخاب ایک مستقل لعنت بن کر رہ گیا ہے، کیا کیا بے ایمانیاں اور جعل سازیاں ہوا کرتی ہیں اور کس قدر دھونس، دھوکے اور دھاندلی کو کام میں لایا جاتا ہے، جماعتِ اسلامی نے شکست و فتح کے تصور سے بے نیاز ہو کر انتخابات کو پاکیزہ بنا کر دکھا دیا کہ ایک انصاف پسند اصولی جماعت کو اس طرح انتخابات کے لئے جدوجہد کرنی چاہئے، انتخابات کی تطہیر جماعتِ اسلامی کا بہت بڑا کارنامہ ہے، پنجاب اور بہاولپور کے پولنگ اسٹیشن اس کے گواہ ہیں!

جماعتِ اسلامی نے اپنی چھوٹی سی بساط اور محدود وسائل کے باوجود گشتی شفاخانوں کے ذریعہ خلقِ خدا کی جو بے لوث خدمت انجام دی ہے وہ بھلا کہیں بھلائی جا سکتی ہے!

آخر جرم کیا ہے؟

آخر ان میں سے وہ کون سی بات ہے، جس کی بنا پر جماعتِ اسلامی کے خلاف اس قدر سخت قدم اُٹھایا گیا؟ اب رہا پاکستان میں نظامِ اسلامی کا قیام، تو اس میں اگر کسی کو اپنے اقتدار کی موت نظر آتی ہو، تو جماعتِ اسلامی کسی کے اقتدار کے بقا کی خاطر اپنے دین و ایمان کو تو فروخت نہیں کر سکتی، مزاجِ شاہانہ برہم ہو جائے تو ہو جائے لیکن جو لوگ اللہ تعالیٰ کو اپنا معبود اور رازق سمجھتے ہیں اور جن کو آخرت کی باز پرس کا ڈر ہے، وہ کسی خوف اور لالچ سے مرعوب ہو کر اپنے ضمیروں کا سودا تو نہیں کر سکتے۔

ہاں! جماعتِ اسلامی کا ایک جرم ضرور ہے کہ اُس نے اربابِ اقتدار کی روش پر تنقیدیں کی ہیں مگر اس جرم سے پاکستان کی کونسی

(بقیہ صفحہ ۶۳ پر)

ترجمہ:- جیلانی (بی۔اے)

جہاں محبّت ہے وہیں خدا ہے

کسی شہر میں مارٹن الفڈیچ نامی ایک موچی رہتا تھا۔ وہ جس کمرے میں رہتا تھا وہ نچلی منزل میں تھا اور اس کی ایک چھوٹی سی کھڑکی تھی جہاں سے گلی سے گزرنے والوں کے صرف پاؤں ہی دکھائی دیتے تھے۔ لیکن مارٹن بوٹ دیکھ کر لوگوں کو پہچان لیا کرتا تھا۔ وہ مدت سے اسی مکان میں بس رہا تھا اور گرد و نواح میں اس کی کافی جان پہچان تھی۔ قرب و جوار میں شاذ ہی کوئی بوٹ ہوگا جس نے اس کی مرمت نہ کی ہو اس لئے وہ اکثر اپنی دستکاری کو کھڑکی میں سے دیکھ لیا کرتا۔ بعض کے تلے اس نے لگائے تھے۔ کسی کے تھگلی اور کسی کے صرف ٹانکے ہی۔ کئی ایسے بوٹ بھی دکھائی دیتے جن کی ہر چیز اسے از سرِ نو بنانی پڑی تھی۔ اس کے پاس کام کی بھرمار رہتی اس لئے کہ وہ اچھا کام کرتا۔ عمدہ چمڑہ لگاتا، دام کم لیتا اور با اعتبار تھا۔ اگر وہ وعدہ نبھا سکتا تو کام لیتا ورنہ صاف کہہ دیتا کہ اتنے دنوں میں جوتا نہیں مل سکتا۔ اسی لئے وہ مشہور تھا اور اس کے پاس کام کی کمی نہ تھی۔

مارٹن بہت نیک آدمی تھا لیکن بڑھاپے میں بالخصوص اس نے اپنی روح کے متعلق سوچنا شروع کر دیا اور یہ کہ وہ کس طرح خدا کا قرب حاصل کرے۔ ابھی اس نے اپنی الگ دکان نہیں چلائی تھی اور وہ کسی کاریگر کے ہاں کام کرتا تھا کہ اس کی بیوی ایک تین سالہ بچہ چھوڑ کر مر گئی۔ اس سے پہلے اس کے بڑے بچے ایک ایک کر کے مر گئے تھے۔ پہلے تو مارٹن نے سوچا کہ وہ اس بچہ کو اپنی بہن کے پاس گاؤں میں بھیج دے لیکن پھر اس نے یہ سوچتے ہوئے ارادہ بدل دیا کہ میرے ننھے کاپٹن کا غیر خاندان میں پلنا مشکل ہوگا۔ میں اسے اپنے پاس ہی رکھوں گا۔ مارٹن کاریگر کے یہاں سے علیحدہ ہو گیا اور اپنے بچے سمیت مکان میں آ گیا۔ لیکن اس کی قسمت میں بچے نہ تھے۔ جب لڑکا اس عمر کو پہونچا کہ اپنے باپ کا سہارا اور آنکھوں کی ٹھنڈک بنتا اور اس کی مدد کرتا وہ اچانک بیمار پڑ گیا۔ ایک ہفتہ شدید بخار میں مبتلا رہنے کے بعد وہ بھی چل بسا۔ مارٹن نے بچے کو سپردِ خاک کر دیا لیکن مایوسی اس پر اس قدر غالب آگئی کہ وہ اکثر خدا کے خلاف بڑبڑاتا رہتا۔ اسی یاس کے عالم میں وہ اپنی موت کے لئے بھی دعائیں مانگتا اور خدا کو بھی کوستا کہ اس نے اس کا پیارا بچہ چھین لیا اور اس بڈھے کھوسٹ کو یہ دکھ دیکھنے کے لئے جیتا چھوڑ دیا۔ اس کے بعد مارٹن نے گرجا جانا بھی ترک کر دیا۔

ایک دن ایک بوڑھا مارٹن کے آبائی گاؤں سے آیا۔ وہ آٹھ برس سے مجاور بن چکا تھا۔ اور اب اپنی خانقاہ سے آتے ہوئے راستہ میں مارٹن سے ملنے چلا آیا تھا۔ مارٹن نے اس کے سامنے اپنا دکھڑا بیان کرتے ہوئے اپنے دل کی بات بھی کہہ دی۔ "بزرگ آدمی۔ میرے اندر اب جینے کی کوئی خواہش باقی نہیں رہی ہے۔ میں خدا سے صرف اتنی دعا کرتا ہوں کہ وہ میرے لئے جلدی موت بھیج دے میرے لئے اس دنیا میں اب کوئی امید باقی نہیں رہی ہے۔"

بوڑھے آدمی نے جواب دیا۔ "مارٹن، تمھیں ایسی بات کہنے کا کوئی حق نہیں۔ خدا کی مشیت نرالی ہے۔ خدا کے کام ہماری عقل سے نہیں اس کی اپنی رضا سے طے پاتے ہیں۔ اگر خدا نے یہ چاہا کہ تمھارا لڑکا مر جائے اور تم زندہ رہو تو اسی میں بہتری ہے۔ اور جہاں تک تمھاری نا امیدی کا تعلق ہے یہ اس لئے ہے کہ تم اپنی خوشنودی کے لئے جینا چاہتے ہو۔"

مارٹن نے پوچھا۔ "تو پھر آدمی کس لئے جئے؟"

"خدا کے لئے" بوڑھے نے جواب دیا۔ "اسی نے تمہیں زندگی بخشی ہے اس لئے تم اسی کے لئے جیو۔ جب تم نے اس کے لئے جینا سیکھ لیا تو پھر رنج تمہارے پاس بھی نہ پھٹکے گا۔ اور ہر مشکل تمہارے لئے آسان ہو جائے گی۔"

مارٹن نے توقف کیا پھر پوچھا۔ "لیکن خدا کے لئے کیسے جیا جائے؟"

بوڑھے نے جواب دیا۔ "آدمی خدا کے لئے کیسے جئے اس کا نمونہ حضرت مسیحؑ نے اپنی زندگی میں دکھا دیا ہے۔ تم پڑھنا جانتے ہو؟ تب تم انجیل خرید دو اور اسے پڑھو۔ اس کے اندر تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ خدا ہماری زندگیوں کو کس ڈھنگ پر بسر ہوتے دیکھنا چاہتا ہے۔ تمہیں اس کے اندر سب کچھ مل جائے گا۔"

یہ الفاظ مارٹن کے دل میں اُتر گئے۔ وہ اسی روز گیا اور بڑی تقطیع پر چھپا ہوا انجیل کا ایک نسخہ خرید لایا اور اُسے پڑھنا شروع کر دیا۔ پہلے پہل وہ اسے ناغہ کے دن ہی پڑھنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ لیکن ایک بار جب اس نے اسے پڑھنا شروع کر دیا تو اس نے محسوس کیا کہ انجیل پڑھنے سے اس کا دل ہلکا ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس نے اُسے ہر روز پڑھنا شروع کر دیا۔ بعض اوقات وہ اس کے مطالعہ میں ایسا غرق ہو جاتا کہ اسے یہ بھی معلوم نہ ہوتا کہ چراغ میں تیل ختم ہو چکا ہے اور وہ بُجھ رہا ہے۔ اس کے باوجود اس کا جی اس کتاب کے چھوڑنے کو نہ چاہتا۔ وہ اسے ہر روز رات کو پڑھتا اور جوں جوں وہ اسے پڑھتا گیا اسے واضح طور پر معلوم ہوتا گیا کہ خدا اس سے کیا چاہتا ہے۔ اور وہ خدا کے لئے کس طرح جئیے۔ اس سے اس کا دل بھی ہلکا ہوتا گیا۔ اس سے پہلے جب وہ سونے کے لئے بستر پر لیٹتا تو اس کا دل بوجھل ہوتا اور وہ اپنے بچے کاپٹن کو یاد کر کے رونے لگتا۔ لیکن اب وہ یہ دُعا پڑھتا۔ "سب حمد و تعریف تیرے ہی لئے ہے، اے خداوند، وہی ہوگا جو تو چاہتا ہے۔"

اس وقت سے مارٹن کی پوری زندگی بدل گئی۔ اس سے قبل ناغہ کے دن کے وہ کسی قہوہ خانے میں جا کر چائے پیتا۔ اور اگر اس کو وہاں وڈکا (تاڑی) کا ایک آدھ گلاس مل جاتا تو وہ اس سے بھی انکار نہ کرتا۔ بعض اوقات کسی دوست کے ساتھ ایک آدھ گھونٹ پی لینے کے بعد وہ قہوہ خانہ سے نکلتا تو اگرچہ وہ مدہوش نہ ہوتا تاہم وہ مسرور ضرور ہوتا۔ پھر وہ بکنے لگتا۔ کسی کو گالی دے دیتا۔ کسی پر آوازے کس دیتا۔ اب اس کی کیفیت ہی بدل چکی تھی۔ اس کی زندگی پُرسکون و پُرسرور ہو گئی تھی۔ وہ صبح سویرے اپنے کام پر بیٹھتا۔ جب شام ہوتی تو وہ لمپ روشن کر کے میز پر رکھ لیتا اور الماری سے کتاب نکال کر پڑھنا شروع کر دیتا۔ جوں جوں وہ زیادہ پڑھتا جاتا اس کو زیادہ سمجھ آتی جاتی اور اس کا دل مسرور ہوتا جاتا ——— ایک دن وہ مطالعہ میں ایسا منہمک ہوا کہ وہ دیر تک پڑھتا رہا۔ وہ لوقا پڑھ رہا تھا۔ چھٹے باب میں وہ ان آیات پر پہونچا۔ "جو کوئی تیرے ایک گال پر تھپیڑ مارے تو اس کو اپنا دوسرا گال پیش کر دے۔ اور جو کوئی تیرا فرغل چھین لے جائے تو اس سے اپنا لبادہ نہ چھپا۔ ہر اس شخص کو دے جو تجھ سے مانگتا ہے۔ اور جو کوئی تیرا اسباب لے جاتا ہے تو اس سے اسے دوبارہ مت طلب کر۔ اور جس طرح تو یہ چاہتا ہے کہ آدمی تجھ سے سلوک کریں ویسا تو بھی ان سے کر۔"

اس نے یہ آیات بھی پڑھیں۔ جہاں ہمارا خداوند کہتا ہے۔ "اور تو مجھے کیوں پکارتا ہے۔ اے خداوند۔ اے خداوند۔ جبکہ تو وہ نہیں کرتا جو میں کہتا ہوں۔ جو کوئی میرے پاس آتا ہے اور میری پکار سنتا ہے پھر اس پر عمل کرتا ہے۔ میں تمہیں بتاتا ہوں اس کی مثال کیسی ہے۔ وہ اس شخص کی مانند ہے جس نے ایک مکان بنایا۔ اس کے لئے گہری کھدائی کی اور اس کی نیو ایک چٹان پر رکھی۔ جب سیلاب آیا اور ندی کے تھپیڑے مکان سے ٹکرانے لگے تو وہ اسے ذرہ برابر بھی ہلا نہ سکے۔

کیونکہ اس کی بنیاد چٹان پر تھی۔ لیکن وہ جو سنتا ہے لیکن کرتا نہیں اس شخص کی مانند ہے جس نے اپنا مکان بغیر بنیاد کے مٹی پر بنا لیا۔ جب ندی کے تھپیڑے اس سے ٹکرائے تو وہ اچانک گر گیا۔ اور اس مکان کی تباہی بہت بڑی تباہی ہے۔"

جب مارٹن نے یہ الفاظ پڑھے تو اس کی روح خوشی سے جھومنے لگی۔ اس نے اپنی عینک اتار دی اور کتاب رکھ دی اور اپنی کہنیوں پر جھک کر جو کچھ پڑھا تھا اس پر سوچنے لگا۔ اس نے ان الفاظ کے معیار پر اپنی زندگی پرکھتے ہوئے اپنے آپ سے پوچھا: "میرا گھر چٹان پر ہے یا ریت پر؟ اگر یہ چٹان پر ہے تو بہت اچھا ہے۔ یہاں تنہائی میں بیٹھے ہوئے سوچنا بڑا آسان ہے کہ میں نے خدا کے سب احکام پورے کر دیئے ہیں۔ لیکن جونہی میں ذرا غافل ہو جاتا ہوں میں پھر گناہ کر لیتا ہوں۔۔ اس کے باوجود میں اپنی کوشش جاری رکھوں گا۔ اس سے بڑی خوشی حاصل ہوتی ہے۔ خداوندا میری مدد کر۔"

اس نے یہ سب کچھ سوچا اور لیٹنا چاہتا تھا لیکن کتاب چھوڑنے کو جی نہ چاہتا تھا۔ اس پر اس نے پھر پڑھنا شروع کر دیا اور ساتویں باب پر پہونچ گیا جہاں رومی سپہ سالار، اور بیوہ کے لڑکے کا قصہ اور یوحنا کے اپنے شاگردوں کو جواب دیئے ہیں۔ پھر وہ اس مقام تک پہونچ گیا جہاں ایک فریسی خداوند مسیح کو اپنے گھر بلاتا ہے۔ اور اس نے پڑھا کیسے ایک گنہ گار عورت خداوند کے پاؤں پر مرہم لگاتی ہے اور انہیں اپنے آنسوؤں سے تر کرتی ہے اور کس طرح اس نے اس کا حق ثابت کیا۔ چوالیسویں آیت پر پہونچ کر اس نے پڑھا۔ "اور عورت کی جانب رُخ پھیرتے ہوئے اس نے سائمن سے کہا۔ تو اس عورت کو دیکھ رہا ہے؟ میں تیرے گھر میں داخل ہوا لیکن تو نے مجھے پاؤں دھونے کیلئے پانی نہ دیا۔ لیکن اس نے میرے پاؤں آنسوؤں سے دھوئے اور اپنے بالوں سے پونچھے ہیں۔ تو نے مجھ کو بوسہ نہ دیا۔ لیکن جب سے میں یہاں آیا ہوں یہ میرے پاؤں چوم رہی ہے۔ تو میں نے بالوں میں تیل نہ ڈالا۔ لیکن اس نے میرے پاؤں پر مرہم مل دیا ہے۔"

یہ آیات پڑھ کر اس نے سوچا: "اس نے اس کو پاؤں دھونے کے لئے پانی نہ دیا۔ اس کو بوسہ نہ دیا۔ اور اس کے سر پر تیل نہ ملا۔۔۔۔۔۔" مارٹن نے اپنی عینک پھر اتار دی اور کتاب الگ رکھ دی اور سوچنے لگا۔ "وہ فریسی بھی میری طرح ہوگا وہ بھی صرف اپنے ہی نفس کا خیال رکھتا تھا۔ یہ کہ چائے کی ایک پیالی کیونکر حاصل کی جائے اور اپنے کو کس طرح گرم اور آسائش سے رکھنا چاہیئے وہ اپنا تو بڑا خیال رکھتا تھا لیکن اپنے مہمان کی پروا نہ کی۔ پھر وہ مہمان کون تھا؟ خداوند بنفس نفیس۔ اگر وہ میرے پاس آتا تو کیا میں بھی اس سے ایسا ہی سلوک کرتا؟" پھر مارٹن نے اپنا سر دونوں بازوؤں پر رکھ دیا اور وہیں سو گیا۔

"مارٹن!" اس نے اچانک کسی کی پکار سُنی گویا کسی نے یہ لفظ اس کے کانوں میں پھونکا تھا۔ وہ نیند سے ہڑبڑا کر جاگ پڑا۔ "کون؟" اس نے پوچھا۔ مڑ کر دروازے کی طرف دیکھا۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ پکارنے والے نے پھر پکارا اور اس نے صاف طور سے سُنا۔ "مارٹن! مارٹن! کل تم گلی میں دیکھتے رہنا میں آؤں گا۔"

مارٹن نے اپنے آپ کو جھنجھوڑا اور کرسی سے اُٹھ کر اپنی آنکھیں ملیں لیکن معلوم نہ کر سکا کہ یہ الفاظ اس نے سوتے میں سُنے یا جاگتے میں۔ اس نے دیا بجھا دیا اور بستر پر لیٹ گیا۔

دوسری صبح وہ نور کے تڑکے ہی جاگ اٹھا۔ اور دُعا سے فارغ ہو کر آگ جلائی اور اپنے لئے شلغم کا شوربہ اور تھوڑا سا دلیا تیار کر لیا۔ پھر اس نے سماوار جلا کر اپنا پیش بند پہن لیا اور کھڑکی کے قریب بیٹھ کر کام کرنے لگا۔ وہ کام کر رہا تھا اور رات کے واقعہ پر غور کر رہا تھا۔ کبھی اسے یہ محض اک خواب معلوم ہوتا لیکن کبھی اسے خیال آتا کہ نہیں وہ آواز اصلی آواز تھی۔ "ایسے واقعات اکثر رونما ہوئے ہیں" اس نے دل ہی دل میں کہا۔

وہ کھڑکی کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور کام کرتے میں کھڑکی سے باہر جھانک رہا تھا۔ جب کبھی کوئی اجنبی بوٹوں والا گزرتا تو وہ کھڑکی میں سے جھک کر دیکھتا تاکہ اسے صرف بوٹ ہی نہیں بلکہ راہ گیر کا چہرہ بھی نظر آجائے۔ ایک قلی ادھوڑی کے نئے بوٹ پہنے گزرا۔ پھر ایک سقہ گزرا۔ نکولس کے عہد کا ایک بوڑھا فوجی کھڑکی کے نزدیک آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک بیلچہ تھا۔ مارٹن اس کو بوٹوں کے ذریعہ پہچان گیا جو سخت بوسیدہ ہو چکے تھے اور ان پر الٹا چمڑا لگا ہوا تھا۔ بوڑھے کا نام سٹیپانچ تھا۔ اس کے ہمسایہ میں بسنے والے ایک تاجر نے اسے اپنے گھر میں ترس کھا کر جگہ دے رکھی تھی۔ اور اس کا کام صرف اتنا تھا کہ وہ اس کے قلی کی مدد کرے۔ وہ مارٹن کی کھڑکی کے سامنے سے برف ہٹا رہا تھا۔ مارٹن نے اس کی طرف دیکھا اور پھر اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔

"میں تو سٹھیا گیا ہوں۔" مارٹن نے اپنے ہی تصور پر ہنستے ہوئے کہا۔ "سٹیپانچ برف ہٹانے آیا ہے اور میں خیال کر رہا ہوں کہ یسوعؑ میرے پاس آرہا ہے۔ میں بھی عجیب بڈھا کھوسٹ ہوں۔"

ابھی اس نے بمشکل دس بارہ ٹانکے لگائے ہوں گے کہ اس کا دل پھر کھڑکی سے جھانکنے کو چاہا۔ اس نے دیکھا کہ سٹیپانچ نے اپنا بیلچہ دیوار کے ساتھ کھڑا کر دیا ہے اور وہ یا تو سستا رہا ہے یا اپنے آپ کو گرم کر رہا ہے۔ وہ بوڑھا اور کمزور تھا اور اس میں اتنی طاقت نہ تھی کہ وہ برف کو صاف کر سکے۔

اس نے سوچا۔ "کیا حرج ہے اگر میں اسے بلا کر چائے کی ایک پیالی پلا دوں۔ سماوار کھول رہا ہے۔" اس نے اپنی آر چمڑے میں گاڑ دی اور اٹھ کر سماوار میں چائے تیار کی۔ پھر اس نے انگلیوں سے کھڑکی کھٹکھٹائی۔ سٹیپانچ کھنکاسن کر کھڑکی کے قریب آیا مارٹن نے اسے اندر آجانے کا اشارہ کیا اور خود اس کے لئے دروازہ کھول دیا۔ اس نے کہا۔ "اندر آجاؤ اور ذرا گرم ہو لو۔ تمہیں تو بڑی ٹھنڈ لگ رہی ہوگی۔"

سٹیپانچ نے جواب دیا۔ "اللہ تمہارا بھلا کرے۔ ٹھنڈک سے میری ہڈیاں دکھ رہی تھیں۔ وہ اپنے کپڑوں سے برف جھاڑتے ہوئے اندر آگیا۔ لیکن داخل ہونے سے پہلے وہ اپنے پاؤں پونچھنے لگا مبادا گیلے پاؤں سے فرش پر داغ نہ لگ جائیں۔ جونہی وہ پیر پونچھنے کے لئے جھکا وہ نقاہت سے گر پڑا۔

"پاؤں پونچھنے کی کیا ضرورت ہے۔" مارٹن نے کہا۔ "میں فرش صاف کر لوں گا۔ میرا دن بھر یہی کام ہے۔ آؤ بیٹھو اور چائے پیو۔" اس نے دو گلاس چائے کے بھرے اور ایک اس کو دیدیا۔ مارٹن نے خود چائے پرچ میں انڈیل کر پھونکیں مارنا شروع کر دیں۔ سٹیپانچ نے اپنا گلاس خالی کر کے اوندھا کر دیا۔ اور شکر کے باقی ماندہ ٹکڑے اس کے پیندے پر رکھ دیئے۔ اس نے شکریہ ادا کرنا چاہا لیکن یہ صاف ظاہر تھا کہ وہ دوسرے گلاس پر بھی انکار نہ کرے گا۔

مارٹن نے اپنا اور اس کا گلاس، چائے سے بھرتے ہوئے کہا۔ "اور پیو" چائے پیتے ہوئے مارٹن بدستور گلی کی طرف دیکھتا رہا۔

"کیا تم کسی کی راہ دیکھ رہے ہو" بوڑھے نے پوچھا۔

"میں کسی کی راہ دیکھ رہا ہوں؟ مجھ کو بات بتاتے ہوئے شرم آتی ہے۔ درحقیقت میں کسی کی بھی راہ نہیں دیکھ رہا ہوں۔ لیکن رات میں نے ایک آواز سنی جس کو میں ابھی تک اپنے دل سے نہیں نکال سکا ہوں۔ یہ خواب تھا یا میرا اپنا وہم میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ رات میں انجیل پڑھ رہا تھا۔ اس میں ہمارے خداوند یسوع مسیحؑ کا بیان تھا کہ اس نے کیسے کیسے دکھ اٹھائے

اور کس طرح اس نے زمین پر سفر کیا۔ تم نے یہ سب باتیں ضرور سُنی ہوں گی؟"

سٹیپانچ نے جواب دیا: "میں نے یہ باتیں سُنی ہیں لیکن میں تو اَن پڑھ اور جاہل ہوں۔"

"اچھا تو میں تمھیں بتاتا ہوں۔ میں پڑھ رہا تھا کہ ہمارے یسوع مسیح نے دنیا میں کیسے سفر کیا جب میں اس مقام پر۔۔۔

۴۴ استقبال نہ کرے۔ میں نے سوچا اگر یہ واقعہ میرے جیسے آدمی کے ساتھ پیش آتا تو وہ اس کے لئے کیا کچھ نہ کرتا! لیکن اس نے اس کا استقبال تک نہ کیا۔ تو دوست جونہی میں یہ سوچ رہا تھا کہ مجھے اونگھ آ گئی۔ معاً میں نے کسی کو اپنا نام پکارتے سُنا۔ میں اُٹھ کھڑا ہوا اور خیال کیا کہ کسی نے میرے کان میں سرگوشی کی ہے۔ "میں کل آؤں گا انتظار کرنا۔" میں نے یہ دو دفعہ سُنا۔ اور سچ بات یہ ہے کہ یہ بات میرے دل میں ایسی اُتر گئی ہے کہ اگرچہ میں اپنے آپ پر شرمسار ہوں تاہم میں ہر آن اپنے خداوند کی توقع کر رہا ہوں۔"

سٹیپانچ نے خاموشی سے اپنا سر ہلایا اور اپنا گلاس خالی کر کے اوندھا کر دیا۔ لیکن مارٹن نے سیدھا کر کے پھر بھر دیا۔ "لو بھائی، ایک اور گلاس پیو۔ اور میں یہ بھی سوچ رہا تھا کہ ہمارے خداوند نے کس طرح زمین پر سفر کیا اور کسی سے نفرت نہ کی۔ بلکہ اس کا میل جول زیادہ تر غریبوں ہی سے تھا۔ وہ سادہ لوگوں سے ملتا تھا اور ہم جیسے لوگوں میں سے اپنے حواری چن لئے۔ جو ہماری طرح مزدور پیشہ اور ہماری طرح گنہگار تھے۔ خداوند نے کہا۔ "جو اپنی بلندی چاہتا ہے وہ پست کیا جائے گا اور جو اپنے آپ کو پست رکھتا ہے اسے بلند کیا جائے گا۔" اس نے یہ بھی کہا۔ "تم مجھے خداوند پکارتے ہو اور میں تمھارے پیر دھوؤں گا۔" اس نے کہا۔ "جو سب سے پہلے آنا چاہے اسے سب کا خادم بننے دو کیونکہ خدا کی رحمت غریبوں، عاجزوں، مسکینوں اور رحم کرنے والوں پر ہے۔"

سٹیپانچ اپنی چائے بھول گیا۔ وہ بوڑھا آدمی تھا اور نرم دل۔ جونہی اس نے یہ باتیں سُنیں اس کی آنکھوں سے آنسو ڈھلک ڈھلک کر اس کے رخساروں پر بہنے لگے۔

مارٹن نے کہا۔ "لو اور پیو۔" لیکن سٹیپانچ نے اپنے سینے پر صلیب کا نشان بنایا اور شکریہ ادا کر کے گلاس رکھ دیا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔ "مارٹن، تمھارا بہت بہت شکریہ۔ تم نے صرف میرے جسم ہی کو کھانا اور آرام نہیں دیا بلکہ میری رُوح کو بھی دیا ہے۔"

مارٹن نے کہا۔ "تم ہر وقت بخوشی آسکتے ہو۔ پھر ضرور آنا۔ جب کوئی مہمان میرے ہاں آتا ہے تو مجھ کو بڑی خوشی ہوتی ہے۔"

سٹیپانچ چلا گیا۔ اور مارٹن نے سماوار سے آخری گلاس چائے کا بھرا اور پی لیا۔ پھر اس نے چائے کا سامان الگ رکھ دیا اور اپنا کام کرنے بیٹھ گیا۔ وہ جوتے کے تلے میں ٹانکے لگا رہا تھا۔ وہ ٹانکے لگاتا اور کبھی کبھی کھڑکی سے باہر جھانک لیتا۔ وہ یسوع مسیح کے انتظار میں اسی کے متعلق سوچ رہا تھا۔ اور اس کے ذہن میں یسوع کے اقوال بار بار اُبھر رہے تھے۔

اتنے میں دو فوجی گزرے۔ ایک سرکاری بوٹ پہنے ہوئے تھا اور دوسرا خود اپنے۔ پھر اس کا ہمسایہ چمکدار بوٹ پہنے ہوئے گزرا۔ پھر ایک نان بائی ٹوکری اُٹھائے گزرا۔ یہ سب گزرتے چلے گئے۔ پھر ایک عورت گرم جرابوں اور دیہاتی جوتوں میں آئی۔ وہ کھڑکی کے پاس سے گزری لیکن دیوار کے پاس رُک گئی۔ مارٹن نے اس کو کھڑکی میں سے دیکھا۔ وہ ایک اجنبی تھی۔ وہ غریبانہ لباس پہنے ہوئے اور گود میں بچہ اٹھائے ہوئے تھی۔ وہ دیوار کے ساتھ ہوا کی جانب پشت کئے کھڑی تھی اور بچے کو کپڑوں میں لپیٹنے کی کوشش کر رہی تھی اگرچہ اس کے پاس لپیٹنے کو کوئی کپڑا نہ تھا۔ عورت کا لباس موسم گرما کا تھا اور وہ بھی پھٹا پرانا۔ مارٹن نے کھڑکی میں سے بچے کے رونے کی آواز سُنی۔ عورت اسے چپ کرانے کی کوشش کرتی لیکن وہ چپ نہ ہوتا تھا۔ مارٹن اٹھا اور اس نے دروازے سے باہر نکل کر عورت کو پکارا۔

"بہن، بہن"
عورت نے آواز سنی اور اس کی طرف پلٹی
"تم بچے کو لئے وہاں سردی میں کیوں کھڑی ہو؟ اندر آجاؤ - یہاں تم اسے اچھی طرح سے پلیٹ لینا - ادھر سے آجاؤ"
عورت بوڑھے آدمی کو دیکھ کر متعجب سی ہوئی جو پیش بند باندھے، ناک پر عینک لگائے اسے بلا رہا تھا - لیکن وہ اس کے پیچھے اندر آگئی - دونوں سیڑھیوں سے اُتر کر چھوٹے سے کمرے میں آگئے - بوڑھے نے اس کو چارپائی پر بٹھا دیا - "یہاں چولھے کے قریب بیٹھ جاؤ - ذرا آگ پر تاپ لو اور بچے کو بھی دودھ پلا لو"
عورت نے کہا - "میرا دودھ خشک ہو چکا ہے - میں نے صبح سے کچھ نہیں کھایا" اس کے باوجود اس نے بچے کو چھاتی سے لگا دیا -
مارٹن نے اپنا سر ہلایا اور اس کے لئے ایک کٹورا اور تھوڑی سی روٹی لے آیا - پھر اس نے توشہ دان کھولا اور کچھ شوربہ کٹورے میں ڈال دیا - اس نے دلیہ بھی چولھے سے اٹھا کر دیکھا مگر وہ ابھی تیار نہ تھا - اس پر اس نے میز پر کپڑا بچھا دیا اور روٹی اور شوربا رکھ دیا - "میری بہن، ادھر آؤ اور بیٹھ کر کچھ کھا لو میں بچے کا خیال رکھوں گا - میرے بھی کبھی بچے تھے - میں انہیں کھلانا جانتا ہوں"
عورت نے صلیب کا نشان بنایا اور میز پر بیٹھ کر کھانے لگی جبکہ مارٹن نے بچے کو چارپائی پر لٹا دیا اور خود اس کے پاس بیٹھ گیا - وہ اسے بہلاتا رہا کیونکہ اس کے دانت نہیں تھے اس لئے آواز ٹھیک نہ نکلتی تھی اور بچہ رونے لگا - پھر مارٹن نے اس کو انگلیوں سے گدگدانے کی کوشش کی - وہ بچے کے منہ کے قریب انگلیاں لے جاتا اور پھر ہٹا لیتا - وہ ایسا بار بار کرتا رہا - وہ بچہ کو انگلیاں منہ میں نہ ڈالنے دیتا کہ وہ مٹی سے گندی ہو چکی تھیں - بچہ پہلے چپ چاپ انگلیوں کو دیکھتا رہا پھر کھلکھلا کر ہنسنے لگا - اس سے مارٹن بہت خوش ہوا -
عورت کھانا کھاتی جاتی اور ساتھ ہی ساتھ باتیں بھی کرتی جاتی - اس نے مارٹن کو بتایا کہ وہ کون ہے اور کہاں رہتی ہے - اس نے بتایا - "میں ایک فوجی کی بیوی ہوں! اس کو گئے ہوئے آج آٹھ مہینے ہوتے ہیں، اور اس کا کوئی اتا پتا نہیں - میں ایک جگہ کھانا پکایا کرتی تھی جب میرے بچہ پیدا ہوا تو انہوں نے جواب دے دیا کہ وہ مجھ کو بچے سمیت نہیں رکھ سکتے - پورے تین ماہ سے میں کوئی جگہ حاصل کرنے کی کوشش کر رہی ہوں لیکن ناکام رہی ہوں - اس عرصہ میں میں نے اپنا سب اثاثہ بیچ کھایا ہے - میں نے دائی بننے کی کوشش بھی کی لیکن کسی نے مجھے قبول نہ کیا - سب نے کہا کہ میں فاقوں کی ماری ہوں - ابھی ابھی میں ایک تاجر کی بیوی کے پاس سے آرہی ہوں - ہمارے گاؤں کی ایک عورت اس کے پاس ملازم تھی - اسی نے میری سفارش کی اور تاجر کی بیوی نے وعدہ کیا ہے کہ وہ مجھے رکھ لے گی - میں نے خیال کیا کہ دلدر دور ہو گئے مگر تاجر کی بیوی نے کہا کہ میں ایک ہفتہ سے پہلے اس کے پاس نہ آؤں - اس کا مکان بہت دور ہے - آتے آتے میرا چورا ہو گیا، بچاری ننھی سی جان فاقہ سے ہے - خوش قسمتی سے میرے مکان کی مالکہ رحم دل ہے اور وہ مجھ سے کرایہ نہیں لیتی - ورنہ خدا جانے میرا کیا حال ہوتا"
مارٹن نے آہ بھری - "تمہارے پاس گرم کپڑے نہیں؟"
عورت نے کہا - "میں گرم کپڑے کہاں سے لاتی؟ میں نے اپنی شال کل چھ آنہ میں گروی رکھ دی ہے"
پھر عورت نے بچے کو گود میں لے لیا اور مارٹن اٹھ بیٹھا - اس نے کھونٹی کے ساتھ لٹکے ہوئے کپڑوں کو دیکھا اور ایک

پُرانا لبادہ لے آیا۔ اس نے کہا۔ "یہ لو، اگرچہ یہ پُرانا اور پھٹا ہوا ہے تاہم اس سے بچّہ کی تن پوشی تو ہو جائے گی۔"

عورت نے لبادے کی طرف دیکھا پھر بوڑھے کی طرف اور اسے لیتے ہوئے رو پڑی۔ مارٹن پلٹا اور چارپائی کے نیچے سے ایک چھوٹا سا ٹرنک نکال لایا۔ اس میں ہاتھ ڈال کر ٹٹولا پھر عورت کے بالمقابل بیٹھ گیا۔ عورت نے کہا۔ "اللہ تمہیں خوش رکھے۔ مجھ کو ایسا گمان پڑتا ہے گویا یسوعؑ نے مجھ کو تمہاری کھڑکی کے پاس بھیجا ہے ورنہ میرا بچہ سردی سے ٹھٹھر گیا تھا۔ جب میں چلی تھی تو ہوا نرم تھی لیکن اب تو یہ ہڈیوں میں اُتر رہی ہے۔ یقیناً یہ یسوعؑ ہی تھا جس نے تمہیں کھڑکی سے باہر دیکھنے کو اور مجھ ابھاگن پر ترس کھانے کو کہا۔"

مارٹن مسکرایا اور بولا۔ "یہ سچ ہے۔ یہ اُسی کا فیض کرامت اور اعجاز ہے میں نے محض اتفاق سے باہر نہیں جھانکا تھا۔" اور اس نے عورت کو اپنا خواب سُنایا کہ کس طرح خداوند کی آواز نے وعدہ کیا کہ وہ آج مجھ سے ملنے آئے گا۔

"کون جانتا ہے؟ ہر چیز ممکن ہے۔" عورت نے کہا اور لبادہ اپنے کندھوں پر ڈال کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے اپنے آپ کو اور بچے کو لبادے میں خوب اچھی طرح سے لپیٹ لیا۔ پھر وہ جھکی اور مارٹن کا دوبارہ شکریہ ادا کیا۔ "یہ لو" مارٹن نے اس کو چوانی دیتے ہوئے کہا کہ وہ اپنی گروی رکھی ہوئی شال چھڑا لے۔ عورت نے صلیب کا نشان بنایا۔ مارٹن نے بھی ایسا کیا اور اسے دروازے سے باہر چھوڑ آیا۔

جب عورت جا چکی تو مارٹن نے شلغم کا تھوڑا سا شوربہ پیا اور میز سے برتن اُٹھائے اور پھر کام کرنے بیٹھ گیا۔ وہ کام کرتا جاتا اور کھڑکی سے باہر جھانکتا جاتا۔ جونہی کوئی سایہ کھڑکی کے قریب آتا وہ فوراً جھک کر دیکھتا کہ وہ کون ہے۔ اس کی جان پہچان کے لوگ اور اجنبی گزرتے گئے لیکن کوئی خاص شخص نہ آیا۔

تھوڑی دیر کے بعد مارٹن نے ایک سیب بیچنے والی عورت کو کھڑکی کے سامنے کھڑا دیکھا۔ اس کے پاس ایک بڑی سی ٹوکری تھی مگر اس میں زیادہ سیب نہ تھے۔ معلوم ایسا ہوتا تھا گویا وہ اپنے بہت سے سیب بیچ آئی ہے۔ اس کی پُشت پر بُرادے کی ایک بوری تھی جو وہ اپنے گھر لئے جا رہی تھی۔ غالباً اس نے اسے کسی ایسی جگہ سے چنا تھا جہاں کوئی عمارت بن رہی تھی۔ بوری اُس کے چُبھ رہی تھی اور وہ اُسے ایک کندھے سے دوسرے کندھے پر لادنا چاہتی تھی۔ اس نے بوری کو زمین پر رکھ دیا اور ٹوکری کو ایک چبوترے پر۔ پھر اس نے بوری کو اپنی پیٹھ سے اُتارا، وہ بوری اُتار ہی رہی تھی کہ ایک پھٹی ٹوپی والا لڑکا دوڑتا آیا اور ایک سیب ٹوکری سے اُڑا کر کھسک جانا چاہتا تھا۔ لیکن بڑھیا نے دیکھ لیا اور جھپٹ کر اس کی آستین پکڑ لی۔ وہ اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کرتا تھا لیکن بڑھیا نے اس کو مضبوطی سے دونوں ہاتھوں سے تھام کر اس کی ٹوپی اُتاری اور اس کے بال پکڑ لئے۔ لڑکا چیختا تھا اور بڑھیا کوستی تھی۔ مارٹن نے آر کو چمڑے میں چبھوئے بغیر پھینک دیا اور وہ جلدی سے سیڑھیاں پھلانگتا اور اسی بدحواسی میں اپنی عینک بھی پھینکتا ہوا گلی میں آ گیا۔ بڑھیا لڑکے کے بال کھینچ رہی اور اسے کوس رہی تھی۔ وہ اسے تھانے تک کی دھمکیاں دے رہی تھی۔ لڑکا ہاتھ پاؤں مار رہا تھا اور چلا رہا تھا۔ "میں نے سیب نہیں لیا تم مجھے کھٹے لئے مار رہی ہو۔ مجھ کو جانے دو۔"

مارٹن نے ان کو الگ کیا۔ اس نے لڑکے کو ہاتھ سے پکڑتے ہوئے کہا۔ "میّا اسے جانے دے۔ اُسے یسوعؑ کے واسطے معاف کر دے۔"

مگر بڑھیا نے کہا۔ "نہیں، ذرا مجھے اس کو مزہ چکھا لینے دو۔ یہ اس کا مزہ سال بھر نہ بھول سکے گا۔ میں تو اس بدمعاش

کو تھانے پہنچا کر چھوڑوں گی۔"

مارٹن نے بڑھیا کی پھر منت سماجت کی۔" میا جانے دے۔ وہ پھر ایسا ہرگز نہیں کرے گا، تجھے یسوع مسیح کا واسطہ اسے جانے دے۔"

عورت نے اسے چھوڑ دیا تو لڑکے نے بھاگ جانا چاہا، مگر مارٹن نے اسے روک لیا۔" میا سے معافی مانگو۔ اور پھر کبھی ایسی حرکت نہ کرنا۔ میں نے خود تمہیں سیب اُٹھاتے دیکھا ہے۔"

" لڑکے نے روتے ہوئے معافی مانگ لی۔

" اب ٹھیک ہے، یہ لو ایک سیب" مارٹن نے ٹوکری سے ایک سیب اٹھا کر لڑکے کو دیا۔ اور بڑھیا سے کہا۔" میا، اس کی قیمت میں دوں گا۔"

بڑھیا نے کہا۔" تم ان اچکوں کو بگاڑ دو گے۔ اسے کوڑے لگنے چاہئیں، کہ وہ کم از کم ہفتہ بھر تو یہ سبق یاد رکھے۔"

مارٹن نے کہا:" میا، میا ـــــ یہ ہمارا طریقہ ہے۔ خدا کا طریقہ نہیں۔ اگر صرف ایک سیب چرانے کی یہ سزا ہے تو ہمارے گناہوں کی کیا سزا ہونی چاہیئے۔"

اس پر بڑھیا چپ ہو گئی۔

مارٹن نے بڑھیا کو اس امیر آدمی کی مثال سنائی جس نے اپنے نوکر کو قرض کی بہت بڑی رقم معاف کر دی لیکن نوکر نے باہر نکل کر اپنے قرض دار کی گردن داب لی۔ بڑھیا بھی اسے سن رہی تھی اور لڑکا بھی پاس کھڑا سن رہا تھا۔ مارٹن نے کہا۔" خدا ہمیں معاف کر دینے کا حکم دیتا ہے۔ ورنہ ہم بھی معاف نہیں کئے جائیں گے۔ ہر کسی کو معاف کر دو اور ناسمجھ لونڈا اس معافی کا سب سے زیادہ حقدار ہے۔"

بڑھیا نے اپنا سر پھیرا اور آہ بھری۔ اس نے کہا۔" یہ سچ ہے لیکن ان کی عادتیں بری طرح بگڑ رہی ہیں۔"

مارٹن نے جواب دیا۔" پھر تو ہم بڑوں کو چاہیئے کہ انہیں اچھے راستہ پر لگائیں۔"

" یہی تو میں کہتی ہوں۔" بڑھیا نے فوراً کہا۔" میرے اپنے سات لڑکے تھے۔ اب صرف ایک لڑکی رہ گئی ہے۔" اور بڑھیا بتانے لگی کہ کس طرح اور کہاں وہ اپنی لڑکی کے ساتھ رہتی ہے اور اس کے کئی پوتے اور پوتیاں ہیں، پھر بڑھیا نے کہا " اب میری طاقت جواب دے چکی ہے اس کے باوجود میں اپنے پوتوں کے لئے محنت مزدوری کرتی ہوں۔ اور وہ بچے ہیں بھی بڑے اچھے۔ جب میں گھر جاتی ہوں تو ان کے سوا میرا استقبال کرنے کو کوئی نہیں باہر نکلتا۔ ننھی اینی تو میرا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ بس پکارتی رہتی ہے۔ نانی اماں۔ اچھی نانی اماں۔" اس خیال کے ساتھ ہی بڑھیا کا دل بالکل موم ہو گیا۔

پھر بڑھیا خود ہی بولی۔" خدا اس پر رحم کرے۔ یہ اس لڑکے کی حماقت تھی۔"

جونہی بڑھیا اپنی بوری کمر پر لادنے لگی لڑکا لپک کر آگے بڑھا اور کہنے لگا۔" دادی اماں، لاؤ میں اٹھالوں۔ میں اُدھر ہی جا رہا ہوں۔"

بڑھیا نے اپنا سر ہلایا اور بوری لڑکے کی پیٹھ پر لاد دی اور وہ دونوں چلے گئے اور بڑھیا مارٹن سے سیب کی قیمت بھی لینا بھول گئی۔ مارٹن انہیں پیچھے سے جاتے دیکھتا رہا۔ وہ دونوں آپس میں باتیں کر رہے تھے۔

جب وہ جا چکے تو مارٹن پھر اپنے کمرے میں لوٹ آیا۔ اس کی عینک سیڑھیوں پر پڑی تھی۔ اُس نے اپنی سُتالی

اُٹھائی اور کام میں مشغول ہو گیا۔ اس نے ابھی تھوڑا ہی کام کیا تھا کہ اس کی نظر دھندلانے لگی۔ اس نے سر اٹھا کر باہر نگاہ ڈالی تو دیکھا کہ لیمپ جلانے والا گلی کے لیمپ روشن کر رہا تھا۔

مارٹن نے دل ہی دل میں کہا۔ "گویا بتی روشن کرنے کا وقت ہو گیا ہے۔" اس نے اپنا لیمپ صاف کیا اور اسے دیوار سے لٹکا کر پھر کام کرنے بیٹھ گیا۔ اس نے ایک بوٹ مرمت کر کے اسے اِدھر اُدھر سے دیکھا کہ وہ ٹھیک بنا ہے یا نہیں۔ پھر اُس نے چمڑے کی کترنیں جمع کیں، دھاگے کو پیچک میں لپیٹا اور کام کرنے کے اوزار اکٹھا کر کے رکھے۔ اس سے فارغ ہو کر اس نے لیمپ میز پر رکھ لیا اور انجیل نکال لی۔ وہ اسے اس جگہ سے کھولنا چاہتا تھا جہاں اس نے کل پڑھتے پڑھتے چھوڑ کر ایک چمڑے کا ٹکڑا ورقوں میں دبا دیا تھا۔ لیکن کتاب کسی اور جگہ سے کھل گئی۔ جونہی مارٹن نے اسے کھولا اسے کل کا خواب فوراً یاد آ گیا۔ اور جونہی وہ یاد آیا اسے ایسا معلوم ہوا گویا اس نے قدموں کی آہٹ سُنی ہے گویا کوئی اس کے پیچھے چل پھر رہا تھا۔ مارٹن نے مڑ کر دیکھا اور اسے ایسا معلوم ہوا گویا تاریک گوشے میں کچھ لوگ کھڑے ہیں۔ لیکن وہ انھیں صاف طور پر پہچان نہ سکا۔ ایک آواز نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔ "مارٹن مارٹن، تم مجھ کو نہیں پہچانتے ہو؟"

مارٹن نے زیرِ لب کہا۔ "یہ کون ہے؟"

آواز نے جواب دیا۔ "یہ میں ہوں" اور تاریک گوشے سے سٹیپانچ نکل آیا جو مسکراتے ہوئے ایک بادل کی طرح غائب ہو گیا۔

آواز نے کہا۔ "یہ میں ہوں" اور تاریکی سے عورت بچہ اُٹھائے نکل آئی۔ عورت مسکرائی اور بچہ کھلکھلا کر ہنس پڑا۔ اور دونوں نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔

آواز نے پھر کہا: "یہ میں ہوں" اور بڑھیا اور لڑکا نمودار ہو گئے۔ وہ دونوں مسکرا رہے تھے۔ پھر وہ بھی غائب ہو گئے۔

مارٹن کی روح خوشی سے جھوم اٹھی۔ اس نے صلیب کا نشان بنایا اور عینک پہن کر ٹھیک اسی جگہ سے کتاب کو پڑھنا شروع کر دیا جہاں سے یہ کھلی تھی۔ صفحے کے اوپر ہی لکھا تھا۔

"میں ایک بھوکا تھا اور تو نے مجھے گوشت دیا۔ میں پیاسا تھا اور تو نے مجھے پانی دیا۔ میں ایک اجنبی تھا اور تو نے مجھے پناہ دی۔"

صفحے کے آخر میں درج تھا۔

"میرے ان بھائیوں میں سے جس کسی کے ساتھ تو نے کچھ بھی سلوک کیا وہ گویا میرے ساتھ کیا۔"

اور مارٹن سمجھ گیا کہ اس کا خواب سچا نکلا، اور یہ کہ یسوعؑ واقعی اس کے پاس آیا تھا اور اس نے اس کا استقبال کیا تھا!

(ٹالسٹائی)

رُوحِ انتخاب

فتحِ مکہ

لشکرِ اسلام جب مکہ کی طرف بڑھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضؓ سے ارشاد فرمایا کہ ابوسفیان کو پہاڑ کی چوٹی پر لے جاکر کھڑا کردو کہ افواجِ الٰہی کا جلال آنکھوں سے دیکھیں، کچھ دیر کے بعد دریائے اسلام میں تلاطم شروع ہوا، قبائلِ عرب کی فوجیں جوش مارتی ہوئی بڑھیں، سب سے پہلے غفار کا پرچم نظر آیا، جہینیہ (سعد بن ہذیم، سلیم ہتھیاروں میں ڈوبے ہوئے تکبیر کے نعرے مارتے ہوئے نکل گئے، ابوسفیان ہر دفعہ مرعوب ہو ہو جاتے تھے، سب کے بعد انصار کا قبیلہ اس سروسامان سے آیا کہ آنکھیں خیرہ ہوگئیں، ابوسفیان نے متحیر ہوکر پوچھا یہ کون لشکر ہے؟ حضرت عباسؓ نے نام بتایا دفعۃً سردارِ فوج حضرت سعد بن عبادہؓ ہاتھ میں علم لئے ہوئے برابر سے گزرے اور ابوسفیان کو دیکھ کر پکار اُٹھے۔

اليوم يوم الملحمة اليوم تستحل الكعبة — آج گھمسان کا دن ہے، آج کعبہ حلال کردیا جائے گا!

سب سے اخیر کوکبۂ نبوی نمایاں ہوا، جس کے پرتو سے سطحِ خاک پر نور کا فرش بچھتا جاتا تھا۔ حضرت زبیرؓ بن العوام علمبردار تھے، ابوسفیان کی نظر جمالِ مبارک پر پڑی تو پکار اُٹھے کہ حضورؐ نے سُنا! عبادہ کیا کہتے ہوئے گئے ہیں" ارشاد ہوا کہ" عبادہ نے غلط کہا آج کعبہ کی عظمت کا دن ہے" یہ کہہ کر حکم دیا کہ فوج کا علم عبادہ سے لے کر اُن کے بیٹے کو دے دیا جائے!

···· اور انھوں نے قیصر و کسریٰ کے تخت اُلٹ دیئے!

یہ لوگ قریش کے مناصبِ اعظم میں سے کوئی منصب نہیں رکھتے تھے، بلکہ اکثر ایسے تھے، مثلاً عمارؓ، خبابؓ، ابوفکیہہؓ، صہیبؓ وغیرہ جن کو دولت وجاہ کے دربار میں جگہ بھی نہیں مل سکتی تھی، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کو لیکر حرم میں جاتے تو رؤسائے قریش ہنس کر کہتے:-

اهؤلاء من الله عليهم من بيننا — یہی وہ لوگ ہیں جن پر خدا نے ہم لوگوں کو چھوڑ کر احسان کیا ہے۔

کفار کے نزدیک اُن کا افلاس اُن کی تحقیر کا سبب تھا، لیکن یہی چیز تھی جس کی وجہ سے ایمان کی دولت سب سے پہلے اُنھی کے ہاتھ آسکتی تھی، دولت و مال اُن کے دلوں کو سیاہ نہیں کرچکا تھا، فخر و غرور اُن کو انقیادِ حق سے روک نہیں سکتا تھا، اُن کو یہ ڈر نہ تھا کہ اگر بُت پرستی چھوڑدیں گے تو کعبہ کا کوئی منصبِ عظیم ہاتھ سے جاتا رہے گا، غرض ان کے دل ہر قسم کے زنگ سے پاک تھے، اور حق کی شعاعیں اُن پر دفعۃً پرتو فگن ہوسکتی تھیں، یہی سبب ہے کہ انبیاءؑ کے ابتدائی پیرو ہمیشہ نادار اور مفلس لوگ ہوتے ہیں، عیسائیت کے ارکانِ اولین ماہی گیر تھے، حضرت نوح علیہ السلام کے مقربین خاص کی نسبت کفار کو علانیہ کہنا پڑا:-

جیساکہ سورۂ ھود میں ہے —"اور ہم تو بظاہر یہ دیکھتے ہیں کہ تیری پیروی انھی لوگوں نے کی جو رذیل ہیں اور ہم تو تم میں کوئی برتری نہیں پاتے بلکہ ہمارا تو خیال ہے کہ تم سب جھوٹے ہو" —— یہ سابقین اسلام جس قسم کا راسخ ایمان لائے تھے، اُس کی تفصیل آگے آتی ہے جس سے ظاہر ہوگا کہ قریش کی سخت خونخواریاں جور و ظلم کے شدائد اور زر و مال کی انتہائی ترغیبیں، کوئی چیز اُن کو متزلزل نہ کرسکی اور آخر انھی کمزوروں نے ہاتھوں نے قیصر و کسریٰ کا تخت الٹ دیا! —— (سیرۃ النبی حصہ اول —— علامہ شبلی نعمانی)

ہماری نظر میں

مسلمانانِ ہند کا لائحہ عمل!

"مسلمانانِ ہند کا لائحہ عمل" از:- مولانا ابو اللیث اصلاحی ضخامت ۲۵۶ صفحات، مجلد رنگین گردپوش کے ساتھ، قیمت تین روپے آٹھ آنہ، ملنے کا پتہ:- مکتبہ جماعت اسلامی ہند رام پور!

تقسیم ہند کے بعد ہندوستان کے مسلمانوں کو جن مصائب سے دوچار ہونا پڑا ہے اُن کے دُہرانے کی ضرورت نہیں کہ ہر کوئی اُن کو جانتا ہے، مصیبت کا وہ کونسا پہاڑ ہے جو اُن پر نہیں ٹوٹا، اور کونسی ذلت اور عقوبت ہے جن کا وہ نشانہ نہیں بنے، یہ داستان انتہائی جگر گداز اور رُوح فرسا ہے۔

اس انقلاب کے بعد ہندستانی مسلمانوں میں فکر وخیال کی شدید ابتری پیدا ہو گئی ہے، کچھ مایوسی میں مُبتلا ہیں بعض سوشلزم اور کیمونزم کی پناہ لیکر جان بچانا چاہتے ہیں اور بعض کانگریس اور وہاں کی سیکولر گورنمنٹ کے سایہ عاطفت ہی میں اپنی خیر سمجھ رہے ہیں! اس نقطہ نگاہ سے بہت کم سوچا جا رہا ہے کہ اسلام کے تقاضے ان حالات میں کیا ہیں! اور اُنہیں خالص "مسلمان" بن کر کس طرح رہنا چاہئیے!

سب سے زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ جن علماء کرام نے انگریز کے دورِ استبداد میں بڑی عزیمت اور جُرأت کا ثبوت دیا تھا، ہندو کے دورِ حکومت میں اُن کی عزیمت کچھ نرم پڑ گئی ہے، اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے کہ جماعتِ اسلامی ہند وہاں کے اس قدر پُر آشوب ماحول میں "شہادتِ حق" کا فریضہ انجام دے رہی ہے، اور چند مٹھی بھر خدا پرست ان طوفانوں میں چٹانوں کی طرح کھڑے ہوئے ہیں اور کوئی طاقت، لالچ، دھمکی اور خوف اُنہیں جھکا نہیں سکتا۔

مولانا ابو اللیث اصلاحی ندوی امیر جماعتِ اسلامی ہند نے پُورے حالات کا جائزہ لیکر وہاں کے مسلمانوں کے لئے "لائحہ عمل" تجویز فرمایا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ حق گوئی، عزیمت وجُرأت، ایمانی فراست اور دینی بصیرت کا حق ادا کر دیا ہے ——— حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہ کا یہ قول:-

"نصرتِ باطل سے تو بچے رہے، لیکن حق کے لئے کھڑے نہیں ہوئے"

نقل کرکے، فاضل مصنف نے، ہندستانی اور پاکستانی مسلمانوں کے نہ جانے کتنے چہروں کو آئینہ دکھا دیا ہے۔

ہندستان کے مسلمانوں کے مرض کی نباضی کتنی ٹھیک کی ہے:-

"ہندستان کے مسلمانوں کا حال اس وقت بعینہٖ اس مریض کا سا ہے، جو پہلے سے امراض مزمنہ کا شکار رہا ہو لیکن اس کے ساتھ ہی اس پر ناگہانی طور پر کچھ نئے امراض کا حملہ ہو گیا ہو، جن سے مریض کی جان کو فوری طور سے خطرہ پیش آگیا ہو ——— جب کسی مریض کو ایسی حالت درپیش ہو تو اطباء کا فیصلہ یہ ہے کہ پہلے اس کے فوری امراض کا علاج ضروری ہوتا ہے ۔۔۔"

اس کتاب کے چند گرانقدر اقتباسات:-

——— "ہمارے لئے اس وقت اصل مسئلہ یہ نہیں ہے کہ مُسلمان نامی قوم یا اس کے افراد ہندستان میں زندہ

کس طرح رہ سکتے ہیں بلکہ یہ ہے کہ مُسلمان رہتے ہوئے زندہ رہنے کی کیا تدبیر ہو سکتی ہے، جو لوگ اس نقطۂ نظر سے متفق نہیں ہیں ان کو حق حاصل ہے کہ وہ مصلحت کے لئے اپنا نام اور کام سب کچھ بدل ڈالیں، لیکن جو لوگ مسلمانوں کی زندگی کے ساتھ اسلام کی زندگی بھی چاہتے ہیں یا زیادہ صحیح لفظوں میں جو لوگ اسلام کو زندہ دیکھنا چاہتے ہیں جس کے بغیر مُسلمانوں کی زندگی کوئی زندگی ہی نہیں ہوتی، اچھی طرح غور کر لینا چاہئیے کہ آج انھیں جس ترک و اختیار کا مشورہ دیا جا رہا ہے وہ اُن کے مقاصد سے کہاں تک مطابقت رکھتا ہے.. .. "

—— "دُنیا میں اسلام اپنی صحیح شکل میں اس وقت تک نمایاں نہیں ہو سکتا، جب تک اجتماعی شہادت کا بندوبست نہ کیا جائے ——

—— یہ بے خدا تعلیم جسم اور دماغ کے ارتقار اور نشو و نما پر تو بے انتہا زور دیتی ہے، لیکن رُوح کو اس نے بالکل نظر انداز کر دیا ہے —— !

یہ گرانقدر کتاب ہندستانی مسلمانوں کے تو پڑھنے اور عمل کرنے کے لئے لکھی ہی گئی ہے مگر پاکستان کے مُسلمان بھی اُس کے بعض اجزار سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں، اس لئے کہ "شہادتِ حق" کے فریضہ کے انجام دینے کا جہاں تک تعلق ہے، اس منزل میں وہ بہت پیچھے ہیں !

کتاب کی زبان[1] سلیس اور طرزِ انشا رواں ہے، پھر خلوص اور درد مندی کی اس قدر فراوانی ہے کہ پوری کتاب صحیفہ اخلاص معلوم ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو توفیقِ عمل عطا فرمائے !

نصرۃ القرآن

"نصرۃ القرآن" از :- مولانا عبدالحمید خاں ارشد ۲۳۶ صفحات، سفید چکنا کاغذ، کتابت و طباعت دیدہ زیب، مجلد، قیمت پانچروپیہ —— اعلیٰ قسم - چھ روپے (مع محصول ڈاک) ملنے کا پتہ:- یونائیٹڈ مجید موٹر کمپنی، بندر روڈ، کراچی ۲

اس عالمِ کون و فساد میں اسلام و جاہلیت، خیر و شر، اصلاح و فساد اور حق و باطل کی سدا سے کشمکش ہوتی چلی آئی ہے، چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی کی ستیزہ کاری ایک مسلّم حقیقت ہے، مفسدین نے صلح و امن ہی کے نام پر فتنے اُٹھائے ہیں اور بھیڑیوں نے بکریوں کی کھالیں اوڑھ کر شانتی کا پرچار کیا ہے، تاریخ کا شاید کوئی دور بھی اس کشمکش سے خالی نہیں رہا —— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو مانعینِ زکوٰۃ اور ارتداد کے فتنہ سے دو چار ہونا پڑا، حضرت علی کرم اللہ وجہ کا "خارجیت" سے تصادم ہوا اور ذوالفقار کو اس فتنہ کے استیصال کے لئے نیام سے باہر آنا پڑا۔

اُمتِ مُسلمہ آج بھی ایک نہایت ہی خطرناک فتنہ سے دو چار ہے اور فتنہ "انکارِ حدیث" کا ہے مسلمانوں ہی میں کچھ اہلِ قلم پیدا ہو گئے ہیں جنھوں نے "قرآن" کی حمایت کے نام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی "احادیث" کے خلاف ایک محاذ کھڑا کر دیا ہے، یہ لوگ احادیث" کے خلاف طرح طرح سے مسلمانوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے رہتے ہیں اور ان کا

---

[1] "زندگی بھر با اقتدار رہنے کا ٹھیکہ لکھوا چکے ہیں" (صفحہ ۲۳) —— "ٹھیکہ لے چکے ہیں" یا "پٹہ لکھوا چکے ہیں" لکھنا چاہئیے تھا —— مظلوموں و بیکسوں" (صفحہ ۲۷) اور "چیخ و پکار" (صفحہ ۴۶) میں "اور" کی جگہ "واو" دیکھ کر حیرت ہوئی !

مشن یہ ہے کہ انسانِ کامل کے جس "اسوۂ حسنہ" کو اللہ تعالیٰ نے انسانیت کے لئے معیار قرار دیا ہے، وہ لوگوں کی نگاہ میں مشتبہ، مشکوک اور بے اعتبار ہو جائے (اعاذنا اللہ منہا)

رسالہ "طلوعِ اسلام" آج کل اس فتنہ کو ہوا دے رہا ہے، اور پرویز بٹالوی اس فتنہ کی زمام قیادت اپنے ہاتھوں میں لئے ہوئے ہیں، وہ "قرآن فہمی" کے بہت بڑے مدعی ہیں حالانکہ قرآن کے ساتھ وہ انتہائی دردناک سلوک کر رہے ہیں اور اپنے خود ساختہ نظریوں اور خواہشوں کی ترجمانی کو وہ "معارفِ قرآنی" سے تعبیر کرتے ہیں اور اللہ کی کتاب کی تفسیر کو ناولوں اور افسانوں کا رنگ دیدیا ہے۔

جناب مولانا عبدالحمید خاں صاحب ارشد مستحقِ تبریک اور لائقِ تحسین ہیں کہ انھوں نے اس فتنہ کے خلاف باقاعدہ مضامین کا سلسلہ شروع فرمایا اور اب اُن کی کتاب "نصرۃ القرآن" ہمارے ہاتھ میں ہے، جس میں مولانا موصوف نے قرآن اور احادیث کے ربط کو واضح کیا ہے اور پرویزی معتقدات اور چکڑالوی نظریوں کی پُرزور دلائل کے ساتھ تردید کی ہے!

فاضل مصنف نے بتایا ہے کہ صحیح حدیث قرآن کے خلاف نہیں ہو سکتی اور ایسی حدیث یقیناً دین میں حجت ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے بغیر احکامِ الٰہی کی تعمیل ممکن ہی نہیں کہ حضورؐ اوامر و نواہی کے سب سے بڑے جاننے والے تھے، اور قرآنی تعلیمات کو آپ نے برت کر دکھا دیا، اسی لئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خُلق سراپا قرآن تھا۔

کتاب کا آخری حصہ "قربانی" سے متعلق ہے اور لائق مصنف نے بڑی تفصیل کے ساتھ پرویزی انکار کا جائزہ لیکر ٹھیک ٹھیک بات بیان کر دی ہے۔

تحقیقاتی کمیٹی بٹھلانے کی ضرورت نہیں (صفحہ ۴۴) "انسان اپنی معیشت میں کئی چیزوں کا حاجت مند ہے (صفحہ ۱۷۸) ـــــ دو چار مقامات پر قلم سے زبان و بیان کا تسامح ہو گیا ہے اور "نہ ہی" کا استعمال بھی اس میں شامل ہے ـــــ ایک دو نظمیں بھی زائد از ضرورت معلوم ہوتی ہیں!

"نصرۃ القرآن"، اپنے موضوع پر نہایت مفید تصنیف ہے، یہ بڑے کام کی کتاب ہے جو بروقت شائع ہوئی ہے، جناب عبدالمجید صاحب صدیقی کی دینی غیرت کو ہزار آفریں کہ اُنھوں نے اس قدر اہتمام کے ساتھ اس کتاب کو اپنے مصارف سے چھپوایا، اللہ تعالیٰ مصنف اور ناشر دونوں کی خدمات کو قبول فرمائے، اور مسلمانوں کو اس سے استفادہ کی توفیق دے!

اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ

"اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ"[1] مترجم:- مولانا صدرالدین اصلاحی، ضخامت ۱۶۸ صفحات (رنگین گرد پوش کے ساتھ) ملنے کا پتہ:- مکتبہ جماعتِ اسلامی ہند رام پور (ہندستان)

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فقہی مسائل کے اختلافات پر ایک رسالہ تحریر فرمایا تھا جس کا نام "الانصاف فی بیان سبب الاختلاف" ہے، اسی رسالہ کا ترجمہ عام فہم شستہ اور رواں زبان میں مولانا صدرالدین صاحب اصلاحی نے کیا ہے، جو ہمارے پیش نظر ہے۔

---

[1] اس کتاب کے ریویو میں ہم جناب مولانا محمد عبدالرشید نعمانی کی مشورت کے شکر گزار ہیں۔　(م - ق)

حضرت شاہ صاحب کی وسعتِ معلومات، تبحر علمی، اخلاص، پاکیزہ باطنی، روشن ضمیری اور دینی بصیرت سے کس کو انکار ہو سکتا ہے، اُن کے دینی کارنامے نہ صرف یہ کہ مجتہدانہ بلکہ مجددانہ ہیں، اور اس فکر و بصیرت کے چند ہی لوگ اُمت میں پیدا ہوئے ہیں ـــــ رحمہم اللہ تعالیٰ

مگر شاہ صاحب قدس سرہٗ بہرحال انسان ہیں اور تھوڑی بہت بھول چوک سے تو کوئی انسان بھی محفوظ نہیں رہ سکتا، تنزیہ، تقدیس اور عصمتِ کامل تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہی کو سزاوار ہے۔

صفحہ (۲۴) پر حضرت شاہ صاحب نے مدونین فقہ میں مدینہ، مکہ، کوفہ اور بصرہ کے ائمہ فقہا کا جہاں ذکر کیا ہے، وہاں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر نہیں فرمایا ـــــ "مشہور عام فقہی مذاہب" جس باب کا عنوان ہے اس میں امام ابوحنیفہ رح کا ذکر امام مالکؒ کے بعد میں کیا ہے، حالانکہ امام ابوحنیفہ رح، امام مالکؒ سے "طبقہ میں بڑھے ہوئے ہیں اور پھر اس ذکر کا یہ انداز ہے کہ امام اعظم رح "مجتہد مطلق" ہونے کے بجائے "مخرج فی المذہب" معلوم ہوتے ہیں ـــــ

"مذاہب چہارگانہ کی تاریخ اجتہاد" کے عنوان سے جو تحریر فرمایا گیا ہے اُس کی "تاریخ طبقات علماء" سے پوری مطابقت شاید مشکل ہی سے ہو سکے گی، شاہ صاحب لکھتے ہیں:-

"تیسری صدی ہجری کے بعد امام ابوحنیفہؒ کے مذہب میں "مجتہدین مطلق منتسب" کے ظہور کا سلسلہ ختم ہو گیا، جس کی وجہ یہ تھی کہ علماء احناف ہمیشہ سے علمِ حدیث سے کم وابستگی رکھتے ہیں اور کوئی شخص مجتہد مطلق منتسب ہو نہیں سکتا تاوقتیکہ وہ ایک متبحر عالم حدیث بھی نہ ہو ـــــ" حالانکہ صفحہ ۱۹ پر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رح نے ابن الصباغ، امام الحرمین اور امام غزالی کو "مجتہد مطلق" لکھا ہے ـــــ یہ بزرگ فنِ حدیث میں کس پایہ اور درجہ کے تھے اہلِ علم سے پوشیدہ نہیں ہے!

فاضل مترجم سے بھی ترجمہ میں ایک دو جگہ چوک ہو گئی ہے (صفحہ ۱۴۶) "فہم منفردون لمذہب الشافعی یناصلون دونہ" کا یہ ترجمہ:- "تو یہ سب لوگ اپنا جداگانہ مسلک رکھتے ہیں اور شافعیت سے آزاد راہ رکھنے والے ہیں، جن کے اپنے مستقل فقہی اصول ہیں ـــــ درست نہیں ہے، صحیح ترجمہ یہ ہے ـــــ "یہ لوگ مذہب شافعی ہی کے ہو رہے اور اسی کے اصول پر چلتے ہیں ـــ" اور واقعہ بھی یہ ہے کہ ابوالعباس اصم، نسائی، دارقطنی، بیہقی اور بغوی (رحمہم اللہ تعالیٰ) سب کے سب شافعی تھے اور شافعیت سے آزاد اور اس سے الگ مسلک نہ رکھتے تھے۔

"اتھموا انفسہم" کا ترجمہ (اس بارے میں انھوں نے وہ طریقہ اختیار کیا جس سے اتہامات کا ہدف بن گئے) غلط ہے، صحیح ترجمہ یہ ہے:- "اُنھوں نے اپنے بارے میں کسر نفسی سے کام لیا ـــ صفحہ ۱۰۸ پر "امام ابن ہمام" کو "امام ابن حمام" لکھا ہے یہ کتابت کی غلطی ہے۔

یہ کتاب بہرحال حضرت شاہ ولی اللہ رح کی لکھی ہوئی ہے اور شاہ صاحب کا نام ہی اُس کے بلند اور کارآمد ہونے کی ضمانت ہے، حضرت شاہ صاحب نے چند صفحوں میں تاریخ فقہ کا عطر کھینچ کر رکھدیا ہے،

شرقِ اوسط میں کیا دیکھا؟

"شرقِ اوسط میں کیا دیکھا"؟ از:- سید ابوالحسن علی ندوی، ضخامت ۹۴ صفحات مجلد رنگین گردپوش کے ساتھ، قیمت ایک روپیہ چار آنہ ملنے کا پتہ:-
مکتبہ تعلیمات اسلام ۳۹ امین آباد پارک لکھنؤ (بھارت)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی کا نام خود اپنا تعارف ہے، پاکستان اور ہندستان ہی نہیں اُن کا شمار عالمِ اسلام کے صلحا اور اکابر عُلما میں ہوتا ہے، وہ دل سے نگاہ تک اخلاص ہی اخلاص ہیں اور علامہ اقبال کے "مردِ قلندر" کی تعریف اُن پر صادق آتی ہے (متعنا اللہ بطول حیاتہ)! مشکل سے ڈیڑھ سال ہوا ہوگا جب مولانا موصوف نے عرب ممالک کا سفر کیا تھا، اور اپنے تاثرات کو آل انڈیا ریڈیو دہلی سے نشر فرمایا تھا، یہ کتاب انھی تقریروں کا مجموعہ ہے —— صرف دو مضامین ("دمشق سے حلب تک" اور" ارض مقدس میں) کا اضافہ کیا گیا ہے جو ریڈیائی تقریروں کے علاوہ ہیں۔

پیش لفظ میں مولانا علی میاں نے لکھا ہے —— "ان تقریروں اور تبصروں میں مقرر کا قلبی تاثر، مسرت، تعجب، عقیدت اور محبت، صاف جھلکتی ہے اس نے سامعین کو متاثر کرنے اور محکمہ کو مطمئن کرنے کے لئے اپنے قلب، ضمیر سے کوئی بے وفائی نہیں کی اس لئے کہ سامعین اور محکمہ کی رفاقت بہت عارضی تھی اور قلب وضمیر کے ساتھ زندگی بھر رہنا ہے" —— اور کوئی شک نہیں کتاب پڑھنے کے بعد مولانا کو اُن کے اس دعوے میں ہم نے سچا پایا۔

اسلوبِ نگارش، مناظر کی عکاسی، واقعات کی ترجمانی اور معلومات کی فراوانی —— غرض ہر اعتبار سے یہ کتاب قابلِ قدر ہے اور ان سب سے بڑھ کر لکھنے والے کی دینی حمیت اور اسلامی دردمندی! اک آگ ہے کہ لفظوں سے جسکی چنگاریاں نکل رہی ہیں!

منظر نگاری کا یہ عالم ہے:۔

"عمان دو پہاڑوں کے درمیان ایک وادی میں واقع ہے، پہاڑی کے ڈھلوان پر دونوں طرف مکانات ہیں، رات کو بجلی کی روشنی عجب بہار دیتی ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک انار ہے جو دو ٹکڑے کردیا گیا ہے"

شخصیتوں کے تعارف کا یہ انداز ہے:۔

"ان (سید قطب — مصر کے نوجوان ادیب) میں نومسلم کا سا جوش، مبلغ و داعی کا جذبہ اور مفکر کی سنجیدگی اور متانت جمع ہے۔ ۔۔"

غزوۂ اُحد کے بارے میں مورخوں اور سیرت نگاروں نے بہت کچھ لکھا ہے مگر علی میاں کے راہوارِ قلم نے سب کو منزلوں پیچھے چھوڑ دیا:۔

"اسی میدان (اُحد) میں انسانی تاریخ نے ایمان ویقین کو جیتے جاگتے کرداروں کی شکل میں دیکھا ہے[۱] یہیں سے **بہادری اور شجاعت کے الفاظ لغت کو میسر ہوئے**، اسی خطے نے پاک اور نادر دوستی کا نمونہ دنیا کو دکھایا، یہاں پہونچکر ایسا محسوس ہوا جیسے میں انس بن نضر رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سُن رہا ہوں —— "میں اُحد کے اس پار سے جنت کی خوشبو سونگھ رہا ہوں" —— مجھے کچھ ایسا محسوس ہوا جیسے سعد بن معاذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبرِ شہادت سُن کر کہہ رہے ہوں —— "اب آپ کے بعد جنگ وجہاد کا کیا لطف ۔۔" اور انس رض بول اُٹھے ہوں —— "لیکن آپ کے بعد زندگی کا بھی کیا مزہ ——!

---

[۱] یہ جملہ اُردو ادب میں ایک اضافہ ہے! (م ۔ ق)

اس کتاب کے طفیل میں مصر و شام کی متعدد مشہور علمی شخصیتوں سے تعارف بھی ہو جاتا ہے، یہ بات اسی کتاب کے ذریعہ ہمیں معلوم ہوئی کہ ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی گمراہ کن کتاب[1] الادب الجاہلی کا عالمانہ جواب ڈاکٹر محمد احمد الغمراوی نے لکھا تھا۔
(صفحہ ۳۲) "مقالات و خطبوں کی فرمائش کرتے ہیں" ——— "اور" لکھنا چاہیئے تھا ——— (صفحہ ۸۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو "قریش کا سردار" لکھا ہے جس پر شروع میں کسی "شیخ قریش" کا دھوکا ہوتا ہے، آگے چل کر بات صاف ہوتی ہے کہ اس سے حضورؐ کی ذاتِ اقدس مُراد ہے، دوسرے ایڈیشن میں اس کو بدل دیا جائے تو یہ ذرا سی کھٹک بھی جاتی رہے گی!

اصل تقریریں عربی زبان میں تھیں جن کا ترجمہ جناب مشیر الحق بحری آبادی نے کیا ہے، جس کے لئے موصوف تبریک و تحسین کے مستحق ہیں، جس کی اُردو اتنی پُرجوش اور اثر انگیز ہے اُس کی عربی نہ جانے کیا ہوگی! اس لئے کہ اصل اپنے ظل سے اور حقیقت اپنے مجاز سے بلند اور حسین تر ہی ہوا کرتی ہے!

---

[1] اس کتاب کا اُردو ترجمہ ہماری نظر سے گزر چکا ہے۔ (م۔ ق)

جماعت بری ہے، یہاں تک کہ وہ مسلم لیگیوں نے پاکستانی حکومت کو ہدفِ طنز و تنقید بنایا ہے اور یہ معاملہ جماعتوں تک ہی محدود نہیں ہے حکومت سینما ہاؤسوں، پارکوں، ہوٹلوں، دکانوں اور عام مکانوں میں ایسے آلے نصب کرا دے جو بات کرنے والوں کو نظر نہ آئیں اور آواز کو ریکارڈ کریں ——— تو ہمارے اربابِ اقتدار کو معلوم ہو جائے گا کہ خلقِ خدا "غائبانہ" انھیں کیا کہتی ہے؟

جماعتِ اسلامی کا نام ہی بتاتا ہے کہ وہ کیا چاہتی ہے اور اس کا کیا پروگرام ہے؟ تو جو جماعت اسلام کی بنیادوں پر حکومت اور معاشرے کی تشکیل چاہتی ہو وہ اس کو کیسے برداشت کر سکتی ہے کہ مسلمان خواتین سینے تان تان کر شاہِ ایران کو سلامیاں دیں، مسز روز ویلٹ کے استقبال کے لئے مسلمان لڑکیاں بے پردہ اوپن گاڑیوں پر بٹھا کر شہر کی گلیوں میں پھرائی جائیں، اپوا کی نگرانی میں مینا بازار لگیں اور رقص و سرود کے ذریعہ قومی چندہ جمع کرایا جائے! ——— جماعتِ اسلامی کو بیشک سخت ناگوار ہے اور اس ناگواری کا اس کے رہنماؤں نے تقریر و تحریر کے ذریعہ اظہار بھی کیا ہے کہ پاکستان میں شراب، سود، گھوڑ دوڑ اور کلب گھروں کی قماربازی اور بعض دوسرے فواحش و نواہی قانون و احتساب کی گرفت سے آزاد ہیں، ان لغویتوں کو بند ہو جانا چاہیئے! اور پھر یہ رشوتیں، اقربا نوازیاں، صوبہ پرستیاں، داخلی اور خارجی معاملات میں اربابِ کار کی بے تدبیریاں کیا قصیدہ خوانی کی مستحق ہیں؟ ——— "ڈائرکٹ ایکشن" میں جماعتِ اسلامی نے اس لئے حصہ نہیں لیا کہ وہ قید و بند سے ڈرتی ہے، یا آرام و عافیت کی زندگی اُسے پسند ہے، جماعتِ اسلامی نے اس اقدام کو درست نہیں سمجھا اس لئے وہ اس سے الگ رہی، مگر چونکہ قادیانیوں کے غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ جائز اور معقول ہے اس لئے جماعت نے حکومت کے عتاب و خفگی کے چڑھتے ہوئے پارے کے باوجود، ضبط و نظم کا پورا احترام کرتے ہوئے آئینی اور اصولی جدوجہد کو جاری رکھا اور اس نے عوام اور اربابِ اختیار کو دلائل کے ساتھ بتایا کہ اس مطالبہ کی اصل نوعیت کیا ہے؟ یہ دلیل ہے جماعتِ اسلامی کی عزیمت اور استقامت کی!

حکومت کے پاس اگر کوئی ثبوت ہے تو پیش کرے کہ جماعتِ اسلامی کا طرزِ عمل کہیں ذرا سا بھی جارحانہ اور فساد انگیز رہا؟ اور کیا پاکستان میں آئینی طور پر کسی مطالبہ کے لئے جدوجہد کرنا جرم ہے؟ ——— حکومتِ پاکستان کے یہاں نفسیات اور تاریخ کے ماہرین موجود ہیں وہ اُن سے دریافت کر سکتی ہے کہ جب کسی ملک کی رعایا پر آئینی جدوجہد کے تمام دروازے جبراً بند کر دیئے جاتے ہیں، تو اُس کا ردِ عمل کیا ہوتا ہے؟ اور لوگ کس طرز پر سوچنے اور غور کرنے لگتے ہیں؟ ——— "ملاؤں" کو گرا کر اور جماعتِ اسلامی جیسی اصولی اور آئینی جماعت کو قانونی شکنجہ میں کس کر، حکومت کیا "کمیونسٹوں" کے لئے میدان خالی کرانا چاہتی ہے، اربابِ حکومت جن پر "ملاؤں" کی پھبتیاں کستے رہتے ہیں، وہی پاکستان میں "کمیونزم" کو روکے ہوئے ہیں ——— یہاں کے حالات بہرحال انقلاب کے متقاضی ہیں، اربابِ اقتدار خود ہی فیصلہ فرما لیں کہ وہ اشتراکی انقلاب چاہتے ہیں یا اسلامی انقلاب! اور ان میں کونسا انقلاب پاکستان کے لئے مفید ہے؟

پاکستان کی حکومت میں کچھ ایسے عناصر موجود ہیں جو اسلام سے کوئی خاص دلچسپی نہیں رکھتے اور اُن کا طرزِ فکر مغربی اور غیر اسلامی ہے، غالباً یہ سب کچھ انہی کے مشورے سے ہوا ہے، لاہور میں مارشل لا کے ذریعہ امن قائم کرانے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ طاقت کا نشہ ذرا تیز ہو گیا اور اسی تیزی میں لگے ہاتھوں جماعتِ اسلامی پر بھی وار کر دیا گیا ——— روزنامہ "ڈان" کی خدمت میں ہدیہ تبریک کہ "Hal sased" بھی حکومت کے عتاب سے محفوظ نہ رہ سکے! ——— مغرب پسند عنصر اپنا کام کر رہا ہے! وہ حضرات جو اسلام پسند ہیں اور حکومت کی ذمہ داریوں میں شریک ہیں، اُن کا فرض ہے کہ وہ اپنے اثرات سے کام لیکر حالات کو بہتر بنا دیں، بُرائی کو صرف دل میں بُرا سمجھنے سے کام نہ چلے گا، انہیں پوری جرأت کیساتھ کام کرنا ہوگا!

عوام کو چاہیئے کہ وہ حکومت کی سخت گیر پالیسی سے مشتعل ہو کر کوئی غلط قدم نہ اُٹھائیں، نظم و ضبط بہرحال قائم رہنا چاہیئے، آزمائش کی بڑی سخت گھڑی آ گئی ہے، شدید استقامت کی ضرورت ہے، وہ ہر سختی کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کریں یہ سمجھ کر کہ اس سختی کا انہیں اللہ تعالیٰ کے یہاں اجر ملیگا، مصیبتوں اور سختیوں کے یہ دن بھی بہرحال گزر ہی جائیں گے ——— یہاں تک کہ "خونِ صد ہزار انجم سے سحر نمود ہوگی" اور دینِ حق کے علمبرداروں اور حضور خاتم النبیینؐ کے جاں نثاروں کے نام آسمانوں سے سلام آئیں گے۔

محمد عربی کابروئے ہر دو سرا است　　　　کسے کہ خاکِ درش نیست خاک بر سر او

فاران

کراچی

پاکستان

ماہر القادری

جلد ۵ ——— نمبر ۲

ماہنامہ

فاران

مئی ۱۹۵۳ء

ایڈیٹر:-

ماہر القادری

چندہ سالانہ

۶ روپیہ (پاکستانی) ——— فی پرچہ آٹھ آنے

۸ روپیہ (ہندستانی) ——— فی پرچہ گیارہ آنے

مقام اشاعت

دفتر:- فاران

کیمبل اسٹریٹ

کراچی نمبر ۱

نظم و ترتیب!

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نقشِ اوّل

جب کوئی بات غیر متوقع طور پر اچانک ظہور میں آتی ہے تو سننے اور دیکھنے والوں کو اچنبھا ہوتا ہے کہ ہیں! یہ کیا ہوا؟ اور کیوں ہوا؟ اور بعض لوگ تو شدّتِ حیرت کے سبب گھبرا اُٹھتے ہیں! یہی صورتِ حال پاکستان میں پیش آئی، ۱۷ اپریل کو مغرب سے قبل لوگوں کو معلوم ہوا کہ پاکستان کے گورنر جنرل مسٹر غلام محمد نے خواجہ ناظم الدین کی وزارت کو برطرف کر دیا، یہ خبر بڑی تیزی کے ساتھ پھیلنے لگی، کسی کسی کو تو یقین بھی نہ آیا کہ ایسا ہو بھی سکتا ہے! یہاں تک کہ رات کے نو بجے خود نئے وزیر اعظم نے تقریر کی اور اپنی کابینہ کے وزراء کے ناموں کا اعلان فرما دیا۔

کسی ملک کی بنی بنائی وزارت کی ایکا ایکی برطرفی، کوئی معمولی انقلاب نہیں ہے، ایسے انقلاب کبھی کبھار آتے بھی ہیں تو بہت پہلے سے اُس کے آثار نمایاں ہونے لگتے ہیں، مگر یہ انقلاب انتہائی رازدارانہ طور پر ظہور میں آیا، ۱۷ اپریل کی شام سے قبل کسی کو خبر تک نہ تھی کہ پاکستان کی سیاسیات کس رُخ پر کروٹ بدلنے والی ہے، یہاں تک کہ خود نئے وزیر اعظم تک کو اس کا علم نہ تھا کہ اُنھیں سات سمندر پار سے کس لئے طلب کیا گیا ہے، خان عبد القیوم خاں اور مسٹر فیروز خاں نون بھی اپنی لاعلمی اور بے خبری کا اظہار کرتے ہیں، اگر یہ بیانات سو فی صدی صحیح ہیں اور ان کو غلط اور مشتبہ سمجھنے کے وجوہ بھی ہمارے پاس نہیں ہیں —— تو پھر رازداری کی شدتِ احتیاط کے اعتبار سے یہ انقلاب اپنی جگہ بے مثال ہے!

کوئی شک نہیں کہ یہ تبدیلی بظاہر فوری طور پر واقع ہوئی مگر یہ انقلاب فی البدیہ شعر کی طرح بھی نہیں ہے، جو شاعر کے ذہن و فکر پر اُس کی اپنی کوشش اور ارادے کے بغیر ارتجالاً وارد ہو جاتا ہے، سیاسی انقلابات اور ملکی تبدیلیوں کا "پس منظر" بھی ہوا کرتا ہے، اور یہ انقلاب بھی بہر حال اپنے ظہور کے کچھ اسباب اور داعیات رکھتا ہے۔

مسٹر لیاقت علی خاں مرحوم کی وزارتِ عظمیٰ کے دور میں یہ خبر کافی شہرت پا چکی تھی کہ مرحوم پاکستان کی داخلی اور خارجی پالیسی میں تبدیلی چاہتے ہیں اور راولپنڈی میں وہ کوئی غیر معمولی اور اہم تقریر بھی کرنے والے تھے کہ اتنے میں ایک بے ضمیر اور بے رحم شخص نے اُن کو گولی کا نشانہ بنا دیا اور انقلاب کا خاکہ اور تبدیلیوں کی اسکیم مرحوم کے ذہن ہی میں رہ گئی۔

قائدِ ملّت مرحوم کے بعد پاکستان کی وزارتِ عظمیٰ کا بارِ گراں خواجہ ناظم الدین صاحب نے اپنے کاندھوں پر اُٹھالیا، اخبارات نے لکھا کہ خواجہ صاحب نے ملک و ملّت کی خاطر گورنر جنرلی چھوڑ کر اور وزارتِ عظمیٰ قبول فرما کر بڑے ایثار اور قربانی کا ثبوت دیا ہے مگر جن دور بین اہلِ فکر کے سامنے "قحط بنگال" تھا، انھوں نے خواجہ صاحب کے اس انتخاب پر بڑی تشویش محسوس کی، لیکن اُن کی اس تشویش اور فکر و اضطراب کا سُننے والا کون تھا، جس کے ہاتھ میں اقتدار ہوتا ہے، لوگ اُسی کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں، دُنیا میں قدر، خوشامد، تصنع اور چاپلوسی کی ہے اخلاص و دردمندی کو کون پوچھتا ہے۔

خواجہ ناظم الدین کی طبیعت، مزاج، پالیسی اور بنگال میں اُن کی وزارت کے کارنامے عوام سے زیادہ خواص جانتے تھے، مگر اُس وقت اُن کو وزیر اعظم بنانے ہی میں مصلحت سمجھی گئی اور وہ جو عہدوں کے لئے صوبوں کا کوٹا مقرر کر دیا گیا ہے، اُس کی بنا پر یہ تقسیم اس طرح عمل میں آئی کہ مسٹر غلام محمد کو گورنر جنرلی ملی اور خواجہ ناظم الدین کو وزارتِ عظمیٰ!

خواجہ صاحب کے وزارتِ عظمیٰ پر تقرر کا سارا الزام پاکستان کے اُن اہل الرائے اور اربابِ اختیار کے سر آتا ہے جن کے مشورے سے یہ سب کچھ ظہور میں آیا، اگر یہ لوگ اپنے ساتھیوں کو بھی نہیں سمجھ سکتے، تو پھر دوسرے نازک مسائل کو کیا سمجھ سکتے ہیں اور اگر سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے ایسا کیا گیا اور اس میں کچھ مصلحتیں اور پارٹی بازیاں شریک تھیں، تو یہ صورتِ حال اور بھی زیادہ افسوس ناک ہے۔

خواجہ صاحب فطرتاً نیک واقع ہوئے ہیں، سیاسی توڑ جوڑ بھی وہ نہیں جانتے، وہ ایک شریف اور بامروت قسم کے نواب ہیں جو فکر و عمل کی دُنیا میں دوسروں کی رائے کے محتاج رہتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خواجہ صاحب کے عہدِ حکومت میں چند ماہ کے بعد ہی انتشار شروع ہو گیا، اُن کے مشیروں کا فرض تھا کہ وہ ان بے تدبیریوں کا ازالہ کرتے، مگر ایسا نہیں ہوا بدنامی بڑھتی اور نیک نامی مجروح ہوتی چلی گئی، ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے حکومت کی مشنری کے بعض کل پُرزے شاید قصداً ڈھیل دے رہے ہیں اور خواجہ صاحب کی بدنامی گوارا کیا جارہا ہے

خواجہ ناظم الدین کو مذہبی رجحانات کے سبب اسلامی دستور سازی سے دلچسپی تھی اور اُن کی یہ دلچسپی مغرب زدہ اشخاص کو پسند نہ تھی، یہ تھوڑی بہت "روشنیٔ طبع" بھی اُن کے لئے "بلا" ثابت ہوئی، ایسے بد اقبال حکمراں کم دیکھنے میں آئے ہیں!

مسٹر ممتاز دولتانہ کی وزارتِ عظمیٰ کے دور میں جب خواجہ صاحب لاہور گئے ہیں اور وہاں تاریخی ہڑتال ہوئی ہے، وہ بتا رہی تھی کہ ہوا کا رُخ کدھر ہے! پھر اُس کے بعد مسئلہ قادیانیت کے سلسلہ میں "ڈائریکٹ ایکشن" شروع ہو گیا اور اُن علماء نے شروع کیا جو سب کے سب لاہور میں مشورہ کر کے کراچی تشریف لائے تھے، پھر اس سلسلہ میں مسٹر دولتانہ کے متضاد بیانات ہماری نگاہ سے گزرے جس نے اُن کی پوزیشن کو بہت کچھ مشتبہ بنا دیا۔

پنجاب کے حالات خراب سے خراب تر ہوتے جا رہے تھے کہ اتنے میں خواجہ صاحب لاہور پہونچے اور اُنہوں نے اپنے

عہدِ حکومت میں سب سے زیادہ جُرات کا یہ کام کیا کہ ممتاز دولتانہ کو اپنی وزارت سمیت ہٹ جانا پڑا۔

جس دن خواجہ ناظم الدین کی برطرفی عمل میں آتی ہے اُس دن مسٹر ممتاز دولتانہ جن کے بارے میں نظر بندی تک کی خبر عوام میں مشہور تھی، کراچی میں موجود پائے جاتے ہیں اور مسٹر کھوڑو کے مہمان ہوتے ہیں، اور یہ کھوڑو صاحب وہ بزرگ ہیں جن کو خواجہ صاحب نے تازہ تازہ صوبہ سندھ کی مسلم لیگ کی صدارت سے ہٹایا تھا۔

بہرحال جو کچھ ہوا اور جن حالات میں بھی ہوا، وہ ہو چکا، گورنر جنرل کے اختیارات اور وزارتِ عظمیٰ کے منصب پر آئینی گفتگو اور قانونی مباحث کا چھیڑنا ایک بے فائدہ سی بات ہے، ہم تو یہ دُعا کرتے ہیں کہ پاکستان اور اسلام کو خدا کرے یہ انقلاب راس آئے' اب تک جو بُرائیاں ہوتی آئی ہیں وہ ایک ایک کرکے مٹائی جائیں اور پاکستان کا نظام اسلام اور حق و انصاف کی بے لاگ بنیادوں پر قایم اور استوار ہو!

خواجہ ناظم الدین کی وزارت کی برطرفی میں عبرتیں اور نصیحتیں ہیں اہلِ اقتدار کے لئے! —— یہ کہ جو کوئی حاکم عوام کا اعتماد کھو بیٹھتا ہے اُس کو آج یا کل، دیر سویر یہی روزِ بد دیکھنا نصیب ہوتا ہے، حکومت کی اصل قوت فوج اور پولس نہیں عوام کا اعتماد ہے، خدمت کرنے سے آدمی مخدوم بنتا ہے۔

ع سروری در دینِ ما خدمت گری است

جس نے اپنی طاقت کے زعم میں خدمتِ خلق سے گریز کیا اور عوام کا دل ہاتھ میں لینے کی کوشش نہ کی، اُس کی "سروری" اور "اقتدار" کو ایک نہ ایک دن نیچا دیکھنا پڑے گا ——

جو اربابِ اقتدار عوام کے مزاج داں اور نبض شناس نہیں ہوتے اُن کی کرسیاں ہمیشہ خطرے میں رہتی ہیں، عوام اور حکومت کے مابین کوئی خلیج ہی حائل نہ ہونی چاہیئے، اور جہاں کہیں ایسا ہو گا وہاں اندر سے یا باہر انقلاب آکر رہے گا۔

دوسری عبرت یہ کہ اخباروں کی تعریفیں، سپاسنامے، جلسے، پارٹیاں، فوجوں کی سلامیاں، پولس کا سیلوٹ، لوگوں کا اظہارِ عقیدتمندی، بس یہ ساری بہار عہدے اور کرسی کے ساتھ وابستہ ہے یہ سب غرض پرستیوں کے مظاہرے ہیں، ان میں خلوص کچھ یوں ہی سا ہوتا ہے اور شاید نہ بھی ہوتا ہو، تو ان "جی حضوریوں" کی باتوں پر کبھی اعتماد نہ کرنا چاہیئے، یہ لوگ تو ہوا کے ساتھی ہوتے ہیں اور ایسے غرض پرست لوگوں کی تائید اور پشت پناہی سب سے زیادہ کمزور سہارا ہوتا ہے۔

تیسری عبرت یہ کہ دنیا کے کارخانہ کا سررشتہ اللہ تعالیٰ کے یدِ قدرت میں ہے، ذلتیں اور عزتیں اُسی کے دربار سے ملتی ہیں، پس اُس کے غضب سے ہر وقت ڈرتے رہنا چاہیئے! اللہ تعالےٰ کی پکڑ بہت سخت ہوتی ہے، اُس سے مفر ممکن نہیں، جن کے پاس حکومت کی ذمہ داریاں ہیں، اُن کو عوام کے مقابلہ میں اور زیادہ خدا کے آگے عجز و تذلل پیش کرنے کی ضرورت ہے کہ اُن کے لئے قدم قدم پر لغزشوں کے امکانات ہیں، اللہ تعالیٰ کی دستگیری کے بغیر ان ٹھوکروں سے بچنا ناممکن ہے!

نئی وزارت | خواجہ ناظم الدین کی وزارت کی برطرفی کا اعلان جب لوگوں نے سُنا تھا تو یہ توقع تھی کہ قدیم وزارت کی

تطہیر، جدید وزارت کا سنگِ بنیاد ہوگی، کوئی شک نہیں کہ کسی حد تک تطہیر کی کوشش بھی کی گئی، لیکن ہوا یہ کہ بعض ایسے وزراء نئی وزارت میں شامل نہیں کئے گئے جن کے بارے میں کوئی شکایت سننے میں نہیں آئی اور عوام اُن کو پسند کرتے تھے یا کم سے کم اُن سے ناخوش نہ تھے، دوسری طرف "ناظم الدین وزارت" کے بعض ایسے وزراء کو نئی وزارت میں شامل کر لیا گیا، جو پبلک میں مقبول نہیں ہیں! خواجہ ناظم الدین کی وزارت کی سب سے بڑی بدنامی سر ظفر اللہ خاں کے دم سے تھی، حیرت ہے کہ ہمارے نئے وزیر اعظم نے اس بدنامی کو اپنی وزارت میں کس طرح باقی رکھا! یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ ظفر اللہ خاں لندن اور واشنگٹن میں مقبول ہوں تو ہوں مگر پاکستان میں نہ صرف یہ کہ نامقبول ہیں بلکہ عوام اُن سے سخت بیزار ہیں۔

مسٹر بروہی وہ صاحب ہیں جنھوں نے قرآن سے اسلامی دستور اخذ کرنے والے کے لئے پانچ ہزار روپیہ کا انعام مقرر فرمایا تھا اور اُن کے اس چیلنج پر بڑی لے دے ہوئی تھی، توقع ہے کہ اب جب کہ وہ پاکستان کے وزیر ہوگئے ہیں اپنے گزشتہ خیالات سے رجوع فرمالیں گے اس لئے کہ پاکستان کی حکومت میں کسی عہدیدار، افسر یا وزیر کا کتاب وسنت کے خلاف عمل کرنا سب سے بڑی "نااہلیت" "DIS-QUALIFICATION" ہے!

پاکستان کے پچھلے دونوں وزراءِ اعظموں کے مقابلہ میں مسٹر محمد علی بہت کم مشہور ہیں، ہم اُن کے بارے میں بہت کم جانتے ہیں، ہاں! یہ سننے میں ضرور آیا ہے کہ موصوف کے تعلقات مسٹر شہید سہروردی سے بہت خوشگوار ہیں، اور وہ خود مستعد اور اصولی آدمی ہیں! چند دنوں میں اُنہوں نے اپنی نقل وحرکت سے مستعدی اور فرض شناسی کا ثبوت بھی دیا ہے اور عوام سے قریب تر رہنے کی کوشش بھی کی ہے!

خواجہ ناظم الدین کے دورِ وزارت میں پنجاب پولس کے انسپکٹر جنرل کو جب بلوچستان کا ایجنٹ جنرل بنایا گیا تھا تو لوگوں میں خاصی چہ میگوئیاں ہوئی تھیں، حیرت ہے کہ مسٹر محمد علی کے عہد میں بھی اُسی روایت کو دہرایا گیا کہ سرحد کی وزارتِ عظمیٰ وہاں کی پولس کے افسرِ اعلیٰ کے سپرد کردی گئی، تو اب پاکستان کے حالات کیا پولس اور فوج ہی کے ذریعہ سنبھالے جایا کریں گے!

مسٹر محمد علی کو ابھی آئے کے دن ہوئے ہیں جو ہم اُن کے بارے میں کچھ کہہ سکیں، ہم اُن سے اچھی توقعات ہی رکھیں گے کہ مسلمانوں کے ساتھ "حسنِ ظن" رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، ہمیں صاحب موصوف سے، دوسرے وزراء اور عہدیداروں سے اور عوام سے البتہ کچھ عرض کرنا ہے، اسے دعوت سمجھئے یا گزارش! بہرحال یہ ایک دردمند دل کی آواز ہے، جو ہر سننے والے تک پہونچائی جارہی ہے!

پاکستان کو خوش حال بنانا، یہاں کی صنعت، حرفت اور تجارت کو ترقی دینا، بھوک اور بے روزگاری کو مٹانا اور نظامِ سلطنت میں ہم آہنگی پیدا کرنا، یقیناً قابلِ تعریف کارنامہ ہے، ہر اچھی حکومت کو یہی کرنا چاہیئے مگر پاکستان صرف ان ترقیوں اور خوش حالیوں کے لئے وجود میں نہیں آیا، اگر یہی چیزیں مقصود بالذات ہوتیں تو پھر متحدہ ہندوستان کیا بُرا تھا، وہاں مسلمانوں کو مرکزی وزارت میں نصف کے قریب نشستیں مل سکتی تھیں، فوج اور پولس میں مسلمانوں کا تناسب اُن کی مردم شماری

کے لحاظ سے زیادہ تھا، عام معاشرت میں بھی وہ ہندوؤں سے کسی طرح گھٹ کر نہیں تھے بلکہ بعض اُن صوبوں میں جہاں وہ اقلیت میں تھے، نہ جانے کتنے مقامات پر مسلمانوں کو معاشرتی سربلندی اور غلبہ حاصل تھا، مگر ان تمام فوائد کو انھوں نے صرف اس تصور پر قربان کر دیا کہ پاکستان میں اسلامی اصولوں کے مطابق حکومت ہوگی، وہاں اللہ اور رسولؐ کا حکم چلے گا اور وہاں کی معاشرت کو خالص اسلامی بنیادوں پر قائم کیا جائے گا! اگر معاشی اور صنعتی ترقی اور حکومت کے عہدوں پر انگریزوں اور ہندوؤں کی جگہ مسلمانوں کا تقرر پیشِ نظر ہوتا، تو اس مقصد کے لئے ہندوستان کے مسلمان اتنی عظیم الشان قربانیاں کبھی نہ دیتے، یہ اسلام اور صرف "اسلام" کا نعرہ تھا جس کی بنیاد پر پاکستان وجود میں آیا اور اسی نعرے کو سُن کر تمام مسلمان قائدِ اعظم مرحوم کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔

روس میں، انگلستان میں، امریکہ اور چین میں، ترکستان اور سوئٹزرلینڈ میں، صنعت و تجارت کی ترقیوں کی کیا کمی ہے، وہاں کے رہنے والے کس لُطف سے محروم ہیں؟ سینماؤں اور تھیٹر ہالوں سے لیکر شراب خانوں اور ہوس کاری کے اڈوں تک کونسی چیز ہے جو اُنہیں حاصل نہیں ہے ———— مگر ہم اُن کی مسرتوں کو للچائی ہوئی نگاہوں سے نہیں دیکھتے اور نہ ہم غیر اسلامی اور جاہلانہ نظام حکومت کے تحت صرف خوش حالیوں پر قناعت کر سکتے ہیں۔

ہم خوش حالیوں، مسرتوں اور مادی ترقیوں کے دشمن اور مخالف نہیں ہیں اور کوئی عقلمند آدمی ایسی احمقانہ باتیں کر بھی نہیں سکتا، ہم ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے یہ چاہتے ہیں کہ یہ خوشحالیاں، مسرتیں، لُطف سامانیاں اور مادی ترقیاں سب کی سب اسلامی اصولوں کے تحت ہوں، ہمارے رد و قبول، ترک و اختیار اور غم و مسرت کا معیار "رضائے الٰہی" ہے، اور یہی وہ نقطہ ہے جہاں سے ایک مسلمان اور کافر کا طرزِ فکر اور طرزِ عمل بدل جاتا ہے۔

آج کی دُنیا ترقیوں کے سہارے اُس مقام پر پہونچ گئی ہے جہاں حلال اور حرام میں کوئی امتیاز باقی نہیں رہا، انسان خود اپنے نفس کی خواہشوں کا غلام بن کر رہ گیا ہے، یورپ کا سارا ماحول گندگی کے طوفان میں ڈبکیاں کھا رہا ہے، شراب، قمار بازی، مرد و عورت کا بیباکانہ اختلاط ———— یہ وہاں کی ترقی، جمہوریت اور آزاد خیالی کے آثار و مظاہر ہیں، ہم پاکستان میں ان جرائم اور معاصی کو ایک لمحہ کے لئے گوارا نہیں کر سکتے اور جب تک یہ بُرائیاں مٹ نہ جائیں گی ہم اطمینان کا سانس نہیں لے سکتے۔

اسلام دوسرے مذہبوں کی طرح پوجاپاٹ کی چند رسموں کا نام نہیں ہے، بلکہ وہ ایک مکمل ترین ضابطہ حیات اور نظامِ زندگی ہے، تجارت گاہوں سے لیکر اسمبلیوں تک اور محراب و منبر سے لیکر دفتروں، دانش کدوں کارخانوں، فیکٹریوں اور فوجی چھاؤنیوں تک اسلام محیط ہے، اس کے دائرے سے نہ انفرادی زندگی باہر ہے اور نہ اجتماعی زندگی!

دُنیا کے بہت سے ملکوں میں صنعتی اور معاشی ترقیاں بھی ہو رہی ہیں، وہاں کے اربابِ اختیار اپنی ملک کی بھلائی کیلئے اسکیمیں بھی بناتے ہیں اور اُن پر عمل بھی ہوتا ہے، چرچل، آئزن ہوور، مالنخوف، ماؤزی تنگ، پنڈت نہرو یہ سب اپنے ملک،

عوام، حکومت اور اپنے قومی اور سیاسی نظریوں کے ساتھ انتہائی مخلص ہیں، اُن کے اخلاص میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے ـــــ مگر ایک اسلامی حکومت اور اُس کے کارکنوں اور ارباب اختیار کیلئے نہ یہ زندگیاں نمونہ بن سکتی ہیں اور نہ ان حکومتوں کا طرزِ عمل اسلامی حکومت کیلئے دلیلِ راہ ہو سکتا ہے! ـــــ ہم مسلمانوں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی بہترین نمونہ ہے، انسانی شرافت، شہری زندگی اور تمدنی اقدار کیلئے حضورؐ کا اسوۂ حسنہ ہی آخری معیار ہے اور حضورؐ کے اسوۂ حسنہ کا ایک اجتماعی مظہر یہ بھی ہے کہ حضورؐ نے عرب میں ایک ایسی حکومت قائم فرمائی تھی، جہاں اللہ اور رسولؐ کا حکم چلتا تھا، جن چیزوں کو اللہ اور رسولؐ نے "معروف" فرمایا ہے ان کو قائم کیا جاتا تھا، اور جن کو "نواہی" کہا گیا ہے اُن پر احتساب کیا جاتا تھا، اس اسلامی حکومت کے عمال اور کارپرداز انتہائی پاکباز، راست گو، بلند کردار اور نیک سیرت ہوتے تھے۔

پاکستان کو اسی انداز اور اسی نہج پر اسلامی حکومت بننا ہے اور اس کے لئے اکابر و اصاغر، حاکم و محکوم اور امیر و غریب سب کو مل جل کر شانہ بہ شانہ جدوجہد کرنی ہے، یہ کام صرف "ملاؤں" اور ڈاڑھی والوں سے متعلق نہیں ہے یہ سب کا کام ہے، ہر مسلمان کا یہ سب سے زیادہ اہم فریضہ ہے، اس کام میں جو کوئی تساہل اور غفلت برتے گا قیامت کے دن اُس کی بازپرس ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں "اُمت وسط" بنا کر بھیجا ہے اور شہادتِ حق ادا کرنے کا فریضہ ہم پر لازم فرما دیا گیا ہے، ہمیں جب اللہ تعالیٰ نے حکومت عطا فرمائی ہے تو ہمارا اوّلین فرض ہے کہ حکومت کی زبان سے حق کی گواہی دیں، اور دُنیا کے ظلمت کدہ میں صداقت کے فانوس اور حق و راستبازی کی مشعلیں روشن کر دیں، جس دن پاکستان اسلامی بنیادوں پر مثالی حکومت بن جائے گا اُس دن آسمانوں سے ہمارے نام مُبارکباد کے پیام آئیں گے، اور تمام دُنیا اس حکومت کے اثرات قبول کرے گی۔

یہ باتیں تو کافروں اور جاہلوں کو زیب دیتی ہیں کہ اُن کے تجارتی کاروبار کی ترقی "سُود" کے ذریعہ ہوتی ہے، اُن کی فوجیں شراب پی پی کر لڑتی ہیں، اور اُن کی عورتیں ناچ کر، گا بجا کر اور مردوں کا دل لُبھا کر قومی چندے جمع کرتی ہیں، ہم مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی ترقی کیلئے یہ تمام غیر اسلامی حرکتیں پیغامِ موت ہیں، رسول ہاشمی اور نبی عربی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی اُمت کا مزاج ہی دُنیا کی تمام قوموں سے جُدا گانہ ہے، اُن کے اور ہمارے سود و زیاں اور نفع و ضرر کے پیمانے ہی ایک دوسرے سے مختلف ہیں!

انگریز نے ہندوستان میں ریلیں جاری کی تھیں، کارخانے قائم کئے تھے، نہریں، بجلی گھر، ٹیوب ویل اور بڑے بڑے پُل اور بند بنائے تھے، آج ہزاروں شفاخانے اور بیشمار اسکول، کالج اور مکتب نظر آ رہے ہیں یہ سب انگریز ہی کے قائم کئے ہوئے ہیں، قحط اور پریشانی کے زمانہ میں انگریز اپنی کاشتکار رعایا کو تقاوی بھی دیا کرتا تھا، اور آخر میں وہ عوام سے اتنا قریب ہو گیا تھا کہ مسٹر لنلتھگو وائسرائے ہند گاؤں میں جا کر کسانوں سے بے تکلفی کے ساتھ شیک ہینڈ کرتے تھے اور بیلوں، بھینسوں اور بچھڑوں کی پیٹھوں کو تھپکتے تھے، لیکن ہندستانیوں نے ان ظاہری ترقیوں پر قناعت نہیں کی، بلکہ انھوں نے اپنے اصول (آزادی) کے لئے جدوجہد کی ـــــ اصل چیز اصول اور نظریہ ہے، وہ جب تک کامیاب نہ ہوگا اور بروئے کار نہ آئے گا، کوئی ترقی کسی قوم اور ملک کے وقار کو قائم نہیں رکھ سکتی۔

جناب سید حسن ریاض ایڈیٹر "مقاصد" نے کتنی سچی بات کہی ہے کہ پاکستان میں چاہے کوئی ہُن برسا دے اور دُودھ اور شہد کی

نہریں بہادے، جب تک یہاں "اسلام" قائم نہ ہوگا یہ تمام خوشحالیاں اور ترقیاں بیکار ہیں!

ڈاکوؤں اور لیٹروں کے نظام میں کتنا سخت ڈسپلن ہوتا ہے، طوائفوں کے مکانوں میں کتنی صفائی اور سلیقہ اور اُن کی زندگیوں میں کیسی چمک دمک اور دلکشی پائی جاتی ہے، اُٹھائی گیرے اور گرہ کٹ اپنے فن میں کس قدر چابکدستی دکھلاتے ہیں اور اُن کا آرٹ کس قدر ترقی یافتہ ہوتا ہے، کلب گھروں، ریس کورسوں، قمار خانوں اور ڈانسنگ ہالوں میں ضابطہ کی کتنی پابندی کی جاتی ہے ——— مگر اسلامی نقطہ نگاہ سے یہ تمام ترقیاں معصیت اور جرائم میں داخل ہیں کہ ان کی بنیاد خیر کی بجائے شر پر قائم ہے!

اسلام تمدن، معاشرت، سائنس اور صنعت، تجارت کی کسی ترقی میں مزاحم نہیں بنتا مگر وہ تمام ترقیاں پاکبازی، خداترسی، بےنفسی اور بندے اور خدا کے حقوق کی حدود میں دیکھنا پسند کرتا ہے۔

ہمارے نئے وزیر اعظم کو چاہیئے کہ وہ پاکستان کی حکومت، دستور اور معاشرت کو اسلامی بنیادوں پر قائم کرنے کے پروگرام مرتب فرمائیں، اصل کام ہی یہ کرنے کا ہے، لیاقت علی خاں مرحوم کے حصہ میں "قرارداد مقاصد" پیش کرنے کی سعادت آئی، خواجہ ناظم الدین نے دستوری سفارشات کی رپورٹ میں کتاب و سنت کے خطوط کھینچے، عزت مآب مسٹر محمد علی اس کام کو آگے بڑھائیں اور اسلامی دستور کی تشکیل و ترتیب اور تنفیذ کی سعادت حاصل فرمائیں، اس طرح وہ دنیا میں بھی نیک نام رہیں گے اور آخرت میں بھی بہت بڑا اجر پائیں گے۔

نہ جانے یہ اسلام دشمن اور مخالفِ پاکستان ایجنسی کہاں واقع ہوئی ہے، جہاں سے اس قسم کی خبریں پھیلائی جارہی ہیں ——— کہ "اسلامی دستور سازی سے بس ہاتھ دھو لو ——— "قرارداد مقاصد" تو تقویم پارینہ ہوگئی"... ہم اس قسم کی خبروں پر ہرگز یقین نہیں لاسکتے، نئے وزیر اعظم ہوشمند اور فرض شناس ہیں، پاکستانی عوام کے عزائم سے وہ بے خبر نہیں ہوسکتے، اُن کو یہ بھی معلوم ہے کہ پاکستان اسلام کے نام پر اور اسلام کیلئے بنا ہے پس ہم اُن سے حسن ظن ہی رکھتے ہیں اور دُعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُن کے ہاتھوں اس کارِ نیک اور مقصدِ عظیم کو تکمیل تک پہونچا دے! ——— عوام میں یا خواص میں جو کوئی بھی پاکستان کی حکومت کو غیر اسلامی خطوط پر چلانا چاہتا ہے وہ پاکستان اور اسلام دونوں کا دشمن ہے، اس قسم کی ناپاک کوششوں کو ہرگز چلنے نہ دیا جائے گا، یہ عزائم ناکام بنا دیئے جائیں گے، اس طرز پر لوگ سوچنا ہی چھوڑ دیں، یہاں کسی غیر اسلامی نظریئے کافرانہ یا نیم کافرانہ فکر کا چلن، غلبہ اور تسلط کسی قیمت پر گوارا ہی نہیں کیا جاسکتا، یہ نہیں ہوسکتا، ہرگز نہیں ہوسکتا۔ ——— عوام مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ اپنی زندگیوں کو زیادہ سے زیادہ اسلام سے قریب لانے کی کوشش کریں، معاشرے کو صالح بنائیں، کتاب و سنت کے تقاضوں کو پورا کریں، اللہ کے دین کو قائم کرنے کی خاطر کسی مشقت، مصیبت، زحمت، لالچ اور خوف سے مرعوب نہ ہوں! حکومت غیروں کی نہیں اپنوں ہی کی ہے اور اُس کے حکام بھی اپنے ہی آدمی ہیں، عوام کو یقیناً مطالبہ اور احتجاج کا حق حاصل ہے مگر یہ سب آئینی حدود میں رہ کر ہونا چاہیئے کوئی طاقتور سے طاقتور حکومت بھی عوام کے مطالبہ کو کچھ دن کیلئے ٹال تو سکتی ہے مگر نظرانداز نہیں کرسکتی!

اسلامی نظام پاکستان کے لئے مقدر ہوچکا ہے، یہاں کتاب و سنت کے علاوہ کسی دوسرے طرزِ فکر کو قبول ہی نہیں کیا جاسکتا، پاکستان کی غالب اکثریت کا یہ وہ مطالبہ ہے جس کے ساتھ ان کی جانیں وابستہ ہیں!

ماہر القادری ۲۶ اپریل ۵۳ء

ابوتمکین افتخار احمد

"السیاسۃ الاسلامیہ" پر

تبصرہ اور محاکمہ!

مسجد کے نمازی کو اخلاق و معاملات میں بھی اللہ اور رسولؐ کے احکام کا پابند ہونا چاہیئے!

جُدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

مولانا تمنا عمادی مجیبی کی ایک تالیف ــــ السیاستہ الاسلامیہ ــــ کے نام سے رسالہ البیان لاہور میں باقساط شائع ہوئی، جس کی قسط اول جماعتِ اسلامی اور مولانا مودودی پر اعتراضات، طنز اور طعن و تشنیع پر مشتمل تھی، اور جس تالیف کو مؤلف نے ــــ "حکومتِ الٰہیہ کا شور مچانے والوں کے لئے تازیانۂ عبرت" ــــ قرار دیا ہے، میں نے اس پر تنقید کر کے اس کی قسط اول البیان لاہور کو بھیجی، جواب آیا کہ البیان کی اشاعت عارضی طور پر چند ناگزیر مجبوریوں کے سبب ملتوی کرنی پڑی ہے، جیسے ہی اس کی اشاعت شروع ہوگی، موصولہ تنقید شائع کر دی جائے گی، چنانچہ اس عارضی التوا، کے بعد البیان کی اشاعت ثانیہ کا جب دور شروع ہوا، تو میں منتظر رہا کہ میری مرسلہ تنقید کی قسط اول شائع ہو، تو قسط دوم ارسال کروں، مگر "قرآنی تحریک کے علمبردار صحیفہ" کے ایفائے وعدہ کا دن جب طویل سے طویل تر مدت کے بعد بھی نہ آیا تو میں نے یاد دہانی کی، جواب میں خاموشی رہی، پھر میں نے اپنا مضمون واپس طلب کیا، صدائے بازگشت کے سوا مجھے آجتک اور کچھ نہ مل سکا،

تنقید کی وہ قسط اول تالیف مذکورہ کی قسط اول ہی پر تھی، اور اس لحاظ سے ایک مستقل حیثیت رکھتی تھی اس پر یہ قسط دوم موقوف نہیں ہے، اور یوں اس کی بھی ایک مستقل حیثیت ہے، قسط اول کی نقل میرے پاس محفوظ نہ رہ سکی، اس لئے قسطِ دوم ہی ہدیۂ ناظرین ہے۔ (افتخار احمد)

رسالہ "السیاستہ الاسلامیہ" یوں تو ایک قابل قدر سعی ہے، اور بہت سی بحثیں مفید بھی ہیں، مگر متعدد مقامات میں پریشاں فکریوں اور متضاد بیانیوں کی ایسی خامیاں ہیں، جن کا صدور صاحب تصنیف جیسی فاضل شخصیت سے غیر متوقع تھا، نیز بعض خیالات ــــ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ــــ اُن کے دور رس نتائج سے بے پروا

ہو کر سپرد قلم کر دیئے گئے ہیں، ان کے علاوہ متعدد مواقع پر طعن و تشنیع اور ملامتوں حتیٰ کہ بعض مقامات پر حد اعتدال سے تجاوز کر کے اتہامات تک کی نوبت آگئی ہے، جو جناب مؤلف کے کسی طور سے شایان شان نہیں، اور جن سے صرف نظر ہی مناسب ہے، ہر انسان اپنے افعال و اعمال اور اقوال و ادعار کا جوابدہ ہے، بالخصوص جو شخص وما من قول الا لدیہ رقیب عتید ـــــ اور ـــــ ان السمع والبصر والفواد کل اولئک کان عنہ مسئولا پر ایمان و اذعان رکھتا ہو، اس نے تو یقیناً جو کہا اور لکھا ہو گا، نہایت ذمہ داری سے، اور احساس جوابدہی کے ساتھ اور دوسروں کے ارادہ و نیت تک سے یقینی طور پر خبردار ہو کر اقدام عمل کیا ہو گا، اس لئے زبان کی ایسی کاشت کا فیصلہ اس دنیا میں تو ہونا ممکن نہیں ـــــ مجھے جو کچھ عرض کرنا ہے وہ چند ایسی حیرت انگیز باتیں ہیں جن کا تعلق تسامح سے ہے یا تضاد بیانی اور اُلجھاؤ سے۔

تسامح

ارشاد ہوتا ہے کہ ـــــ "عورت بھی زمام حکومت سنبھال سکتی ہے" ـــــ دلیل میں سورۂ نمل کی آیت انی وجدت امرأۃ تملکھم و اوتیت من کل شئی ولھا عرش عظیم ـــــ ذکر کر کے فرمایا گیا ہے کہ:-

ـــــ "یہ اگرچہ ایک واقعہ بتایا گیا ہے مگر قرآن مبین میں کسی واقعہ کا ذکر بغیر کسی نکیر کے اس کے حکم کا نہیں تو اس کی اجازت واباحت کا پتہ تو ضرور دیتا ہے، جس طرح قصاص میں جان کے بدلے جان ـــــ (وغیرہ) ـــــ کا قانون جو اسلام میں ہے وہ کوئی حکم نہیں بلکہ بیان واقعہ ہے کہ تورات شریف کا ذکر کر کے ارشاد کیا گیا ہے کہ وکتبنا علیھم فیھا ان النفس بالنفس الآیہ ـــــ تو جب فقط اس تذکرہ سے حکم سمجھا جا سکتا ہے تو وہاں صرف تذکرے سے کیا اجازت واباحت بھی نہیں نکل سکتی"ـــــ

ظاہر ہے کہ بعنوانِ "السیاستہ الاسلامیہ" جو کچھ تحریر کیا جائے گا، اس کا تعلق اسلامی سیاست و حکومت سے ہو گا، لہٰذا لامحالہ اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اسلامی حکومت کی زمام عورت بھی سنبھال سکتی ہے، غیر اسلامی حکومت اور اس کی امارت خارج از بحث ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ ملکۂ سبا کی مملکت ـــــ جس وقت ہدہد نے مذکورہ اطلاع دی ہے ـــــ کیا اسلامی تھی؟ تو میرے خیال میں جناب مصنف کو بھی اس سے انکار ہو گا، معلوم نہیں نکیر سے فاضل مصنف کی کیا مراد ہے، جبکہ سورۂ نمل والی آیت محوّلہ ہی کے بعد متصلاً یہ جملہ ہے کہ "وجدتھا وقومھا یسجدون للشمس من دون اللہ ....." کیا اس میں نکیر کی معنویت مضمر نہیں؟ اگر یہ نکیر نہیں ہے تو پھر یہ کیوں نہ کہا جائے کہ اسلامی حکومت کی امارت ایک سکھ اور ایک برہمن کو بھی مل سکتی ہے، ایک فرعون اور ایک نمرود بھی اسلامی حکومت کا امیر المومنین بن سکتا ہے، کیونکہ قرآن میں نمرود و فرعون کی حکومتوں کا بھی تذکرہ ہے، اور غیر اللہ کو معبود بنانے میں سب مشترک ہیں، نمرود اور اس کی قوم بھی آفتاب پرست تھی اور ملکۂ سبا بھی، اور قادیانیت بھی اسلامی مزاج کے منافی نہیں، کیونکہ اس کا بھی قرآن میں ذکر ہے، اور بغیر نکیر کے، کیونکہ اس کے بارے میں جو کچھ ہے وہ زیادہ سے زیادہ اسی قبیل کا، جس قبیل کا جملہ "وجدتھا وقومھا"

پایا جاتا ہے اور اگر کہا جائے کہ مراد یہ ہے کہ اسلامی حکومت میں عورت کی امارت ہوسکتی ہے اگر وہ مسلمان ہو اور اسلامی احکام کی پابند، تو پھر ملکۂ سبا کے تذکرہ سے استشہاد غیر موزوں ہے، اس کے لئے قرآن کی کوئی اور تصریح ہونی چاہیئے، یا رسولؐ کا ایسا ارشاد جو قرآن کی کسی مجمل یا مبہم آیت کی تفصیل و تشریح میں ہو، کیونکہ ملکۂ سبا کا یہاں پر تذکرہ ایک عورت کے امیرۃ المشرکین ہونے کی خبر پر مشتمل ہے، اور ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ایک عورت غیر اسلامی حکومت کی زمام سنبھال سکتی ہے، اور آج دنیا میں اس کی نظیریں بھی مل سکتی ہیں، غرض اس تذکرہ سے زیادہ سے زیادہ عورت کے امیرۃ الکافرین ہونے کی ـــــ "اجازت و اباحت" ـــــ پر البتہ دلیل قایم کی جاسکتی ہے، مگر عورت کے امیرۃ المؤمنین ہوسکنے کی دلیل یہ نہیں۔

دوسری بات یہ کہ جب توامیت تک مرد ہی کے حصہ میں ہے (الرجال قوامون علی النساء) تو پورے ملک کی نہ صرف توامیت بلکہ امارت عورت کے سپرد کس طرح کی جاسکتی ہے، ـــــ

تیسری بات یہ غور فرمانے کی ہے کہ امیر المؤمنین کے فرائض میں جس طرح انتظام مملکت ہے، اسی طرح نماز میں امامت بھی ہے، امیر وقت کی مفوضہ ذمہ داریوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کم از کم جمعہ اور عیدین کی امامت وہی کرے، اور مناسکِ حج کی ادائیگی اسی کی قیادت میں ہو ـــــ اگر وہ خود شریک قافلہ ہے ـــــ یا اس امامت و قیادت کے فرائض اس کا وہ نائب انجام دیتا ہے جسے وہ مقرر کرے، اور ظاہر ہے کہ عورت جب "امیرۃ المومنین" ہوگی تو نہ وہ نماز کی امامت کرسکتی ہے اور نہ حج کی قیادت، اور اگر کہا جائے کہ اس کا مقرر کردہ نائب (مرد) یہ فرائض انجام دے گا، تو یہ امر اظہر من الشمس ہے اور بطور اصول مسلمہ کے ایک ثابت شدہ حقیقت کہ نیابت اسی امر کی ہوا کرتی ہے، جس کا وجود مناب میں ہو اور مناب میں خود اس فعل کی صلاحیت ہو، اگر وہ بذاتِ خود اس کام کو کرنا چاہے تو کوئی امر مانع نہ ہو، اور کرسکے، اس لئے عورت جو "امیرۃ المؤمنین" ہوگی، اس کی جانب سے کسی نائب مرد کی امامت وغیرہ نہ درست ہوگی اور نہ معتبر، جس امر کی فطرتاً صلاحیت ہی مناب میں سرے سے موجود نہ ہو، اس کی نیابت چہ معنی دارد؟ ممکن ہے کسی کو یہ خیال گزرے کہ نیابت یوں ہوجائے گی کہ اگر وہ مرد ہوتی تو یہ فرائض انجام دے سکتی، تو یہ خیال انتہائی مضحکہ خیز ہوگا، کیونکہ اس ـــــ اگر ـــــ کے مفروضہ پر تو کسی مرد کا نکاح کسی دوسرے مرد سے کردیا جاسکتا ہے، کہ اگر وہ مرد عورت ہوتا تو کسی مرد کے زیر نکاح آتا ـــــ نیز حقیقت شناس نگاہوں اور صاحبانِ بصیرت پر یہ مخفی نہیں کہ حکومت (اسلامی) کی امارت اور نماز کی امامت ایک ہی تصویر کے دو رُخ ہیں، دونوں کے درجات اپنی حیثیت و اہمیت اور اپنی حقیقت و ماہیت کے لحاظ سے ایک ہیں، احاطۂ مسجد میں انسانوں کے افعال و حرکات کی نگران ذمہ دار اور مطاع شخصیت کو امام کے نام سے موسوم کیا گیا، اور مسجد سے باہر انسانوں کے اعمال اور ان کی سرگرمیوں پر کنٹرول کرنے والی مطاع ہستی کو امیر کہا گیا، تو جب عورت امام حیثیت میں مطاع بننے کی اہلیت نہیں رکھتی تو وہ امیر کی حیثیت اختیار کرکے مطاع کس طرح بن جائے گی؟ چوتھی بات یہ کہ جہاد (قتال فی سبیل اللہ) خلافت اسلامیہ کے لوازم و مخصوصات میں سے ہے، اور خلیفۂ وقت کے عَلم جہاد کے ماتحت مجاہدین صف آرا ہوتے ہیں، اور ہم سب جانتے ہیں کہ عورت پر جہاد

(قتال فی سبیل اللہ) فرض نہیں، اور نہ اس کا پرچم لوائے جہاد و امارت شمار ہو سکتا ہے۔

اصل یہ ہے کہ قرآن میں صرف کسی واقعہ کے ذکر، اور محض کوئی تذکرہ کسی حکم کے جواز اور عدم جواز کا سبب نہیں بن جاتا بلکہ حکایتاً کسی حکم خداوندی کا تذکرہ جو اُمم سابقہ کو دیا گیا اور اس کی تنسیخ شریعت محمدی میں نہ کی گئی ہو تو وہ حکم علیٰ حالہ باقی رہتا ہے، جیساکہ تورات والا بیان قصاص ہے اور وہ حکم بھی ویسا ہی اسلامی ہوتا ہے جیساکہ قرآن کا کوئی اور منصوص حکم، فرق صرف طریقۂ اظہار حکم کا ہوتا ہے، ایک مقام پر حکایتاً حکم کا اظہار کیا گیا اور دوسری جگہ بذریعہ امر و نہی، اسلوب بیان کے اس فرق سے اس حکم کی اسلامیت مشکوک نہ ہوگی، کیونکہ دین حضرت آدمؑ سے ایک ہی رہا ہے یعنی اسلام۔ —— شرائع اور منہاج البتہ بدلتے رہے ہیں، جیساکہ اہلِ بصیرت سے مخفی نہیں، اسی طرح کسی اسلامی معاشرہ کے کسی مظاہرے اور نمونے کا ذکر ہو جو گزشتہ انبیاء کے تیار کردہ معاشرے کا جزو رہا ہو اور اس کی ممانعت کی جانب سے کتاب و سنت خاموش ہوں، تو اس کی اجازت و اباحت میں کلام نہیں، کیونکہ وہ نظیر بھی اسلامی معاشرہ ہی کی ہوگی، علیٰ ہذا القیاس سارے انبیائے سابقین کے اُسوہ ہائے حسنہ جن کا ثبوت قرآن سے ہو جائے، ان کی اتباع بھی اسی طرح سنتِ نبوی کی اتباع ہے جس طرح اُسوۂ محمدی کی اتباع —— اور —— واضح رہے کہ ملکۂ سبا کے اسلام لانے کے بعد اس کی حکومت حضرت سلیمانؑ کی سلطنت میں ضم ہو چکی اور ان کی مملکت کا ایک حصہ بن چکی تھی، لہٰذا بعد اسلام ملکۂ سبا کی امارت و خلافت کا تحقق ہی ثابت نہیں ہوتا۔

تضاد

صاحب تالیف ایک مقام پر رقمطراز ہیں کہ:-

"حضرت یوسفؑ کو پہلے ایک غیر مسلم حکومت کی وزارت مال ملی، جس میں ان کو کچھ مدت تک غیر مسلم ہی قوانین کا اتباع اور اجراء کرنا پڑا، پھر جب حکومت پر قابو پا لیا تو خلافت الٰہیہ چلانے لگے" ——

پھر دوسرے مقام پر تحریر فرماتے ہیں کہ:-

"وہ (حضرت یوسفؑ) حکومت کی باگ اپنے ہاتھ میں لیکر مروّجہ قانون ہی کو چلانے لگے اور خود بھی اس کی پابندی کی" ——

یہ اسلوب بیان اور انداز کلام دونوں ارشادات کے درمیان تضاد کی خبر دے رہا ہے، کہ اوّل الذکر موقع پر پہلے وزارت مال کے ملنے بعدہٗ حکومت پر قابو پانے کا اظہار ہے اور دوسرے مقام پر اس کا پتہ چلتا ہے اور فحوائے کلام اس بات کی جانب مُشعر ہے کہ حکومت مصر کی باگ اور اس کا قبضہ ابتداءً ہی مل گیا تھا —— اس کے علاوہ جناب مصنف کے اس فیصلہ اور اس فتویٰ کو بھی پیش نظر رکھا جائے کہ:-

"جو صاحب حکومت ایسا یقین نہیں کرے گا (یعنی لہٗ الملک پر ایمان نہ رکھے گا بلکہ اپنی حاکمیت کا

سکہ چلائے گا) وہ اللہ کا نافرمان اور سرکش ہوگا، اور اُس کی اطاعت برضا و رغبت کرنے والا بھی مشرک ہوگا۔"

اب ان سارے بیانات کو ملا کر دیکھا جائے، تو نتیجہ کچھ اتنا مکروہ نکلتا ہے کہ عیاذاً باللہ ـــــــ صورت واقعہ تین حال سے خالی نہیں

(۱) یا تو ـــــ حضرت یوسف ؑ کو ابتدا ہی سے زمام حکومت مل گئی تھی، اور وہ مختار کل ہو کر منصب حکومت پر فائز ہوئے، ایسی صورت میں یقیناً فوری اور یکبارگی انتظام مملکت میں تغیر سے نظام مملکت درہم و برہم ہو جانے کا خطرہ تھا، اس لئے بتدریج تغیرات ہوئے اور جیسے جیسے معاشرہ درست ہوتا گیا، اسی حساب سے اسلامی قوانین کو جگہ ملتی گئی، تا آنکہ کچھ دنوں کے بعد جاہلی حکومت مکمل اسلامی حکومت بن گئی ـــــ اور حضرت یوسف ؑ کے مختار کل ہو کر منصب حکومت پر جلوہ افروز ہوتے ہی نظری طور پر حاکمیت غیر اللہ ختم ہو چکی تھی اور لہ الملک اور لہ الامر کی اساس کا قیام عمل میں آچکا تھا، اس اساس پر معاشرت کی عمارت اور قوانین اسلامیہ کا اجرا و نفاذ بتدریج ہوا۔

(۲) یا ـــــ حضرت یوسف ؑ کو زمام حکومت سنبھالنے کا کبھی موقع ہی نہیں پیش آیا، اور صرف وزارت مال ملی، جو ایک ملازمت ہے کسی حکومت کی، اصل صاحب حکومت اور مالک اقتدار دوسری شخصیت ہوتی ہے، وزارت بہر حال ایک ملازمت ہی ہے، چاہے یہ کتنا ہی عظیم الشان اور اہم عہدہ ہی کیوں نہ ہو،

(۳) یا ـــــ حضرت یوسف ؑ کو پہلے تو وزارتِ مال ملی، اور کچھ دنوں اس عہدہ پر فائز رہنے کے بعد پھر زمام حکومت و اقتدار ان کی طرف منتقل ہوئی،

اول الذکر صورت سے ـــــ کہ وہی نفس الامری حقیقت ہے ـــــ جناب مصنف کو انکار ہے، کیوں کہ بالتصریح فرمایا ہے کہ "پہلے وزارت مال ملی، پھر حکومت پر قابو پایا" ـــــ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تیسری صورت کو صاحب تصنیف تسلیم کرتے ہیں، لیکن اول الذکر شکل کے علاوہ جو بھی شکل تسلیم کی جائے، اس الزام سے مفر نہیں کہ وہ (حضرت یوسف ؑ) غیر مسلم صاحبِ حکومت کی ملازمت اور اطاعت بہ رضا و رغبت کرتے رہے، باطل دین کے مشین کا ایک پرزہ بن کر غیر الٰہی حاکمیت کو فروغ دینے میں اپنی زندگی کے لمحات گزارے، حالانکہ ہر نبی اقامتِ دین کے لئے مبعوث کیا گیا، مگر حضرت یوسف علیہ السلام نے بجائے اقامتِ دین الٰہی کے اقامتِ دین طاغوتی کی جد و جہد فرمائی (نعوذ باللہ) ثانی الذکر صورت میں تو یہ صاف ظاہر ہے، اور شکل سوم میں بھی اس مکروہ ترین الزام سے مفر نہیں، کیونکہ وزارت مال کی ملازمت اور زمام حکومت سنبھالنے تک کے درمیانی عرصہ میں طاغوتی حکومت کے آلۂ کار بن کر برضا و رغبت غیر الٰہی حاکمیت کی اطاعت ضروری ٹھہرتی ہے، اس درمیانی عرصہ میں غیر اللہ کے احکام کے اجرا و نفاذ کا ارتکاب یقیناً ثابت ہوتا ہے اگرچہ اس درمیانی عرصہ کی مدت کتنی ہی مختصر کیوں نہ ہو۔

اس سلسلہ میں مہاجرین حبشہ وغیرہ کی نظیر سودمند نہیں، کیونکہ کسی غیر مسلم حکومت کے اندر رہ کر اس حکومت کے اعضائے کار بنے بغیر اُس کے قوانین کی پابندی، ضروری نہیں کہ بہ رضا و رغبت ہی ہو، بحالت مجبوری، بلغیر رضا و رغبت

اور بہ کراہت قوانین غیر الٰہیہ کی پابندی شرک نہیں، جب کہ انقلابِ حکومت و قیادت کی طاقت نہ ہو، تو ایسی صورت میں اضطراری حد تک اس کو گوارا کیا جائے گا، کیوں کہ کسی غیر الٰہی نظام کا محض درہم برہم کر دینا اسلامی نقطۂ نظر سے درست نہیں تاوقتیکہ اس کی صلاحیت و طاقت نہ ہو کہ نظامِ صالح کا قیام عمل میں آ جائے گا، ورنہ یہ فساد فی الارض ہوگا اور جب تک اتنی طاقت فراہم نہ ہو جائے، جاہلی نظام سے بیزاری، اور اقامت دین کی تڑپ اور اس کے لئے پُر امن جد و جہد فرض ہے، صحیح اور اسلامی اصول سے ماخوذ طریقۂ کار کے ساتھ یہ مساعی ہونی ضروری ہیں تاکہ غیر الٰہی حاکمیت کا قلادہ اُتار کر الٰہی حاکیمت کے ماتحت پُوری زندگی دیدی جائے، اور چونکہ قدرت و طاقت کے فقدان کے وقت غیر الٰہی قوانین کی پابندی اضطراری نوعیت رکھتی ہے، اس لئے اس کی پابندی اسی حد تک ہوگی جس حد تک مجبوری و اضطرار ہے، اور وہیں تک جہاں تک یہ اضطرار اجازت دے، اور جن گوشوں میں اجتناب کیا جا سکے، اجتناب لابدی اور فرض ہے، نہ یہ کہ اس کے لئے تنافس اور تگ و دو شروع ہو، اور ضرورت اور بلا ضرورت کی تحدید اُٹھا دی جائے ——— مگر ظاہر ہے کہ کسی غیر مسلم حکومت کی ملازمت بہ رضا و رغبت ہی قبول کی جاتی ہے، مہاجرین حبشہ نے ملازمت قبول نہ کی تھی، اور یہاں حضرت یوسف علیہ السلام وزارت مال کے لئے (بہ خیال صاحب تصنیف) فرعونِ وقت سے کہتے ہیں، ظاہر ہے کہ دونوں میں آسمان و زمین کا فرق ہے، اور جب ملازمت بہ رضا و رغبت ہی ہوئی تو لازمی طور پر اطاعت بھی بہ رضا و رغبت ہوگی۔ ورنہ ——— شعر گفتن چہ ضرور ؟ ——— ایسا نہیں ہو سکتا کہ دل میں تو کراہت ہو اور ضمیر ملامت کر رہا ہو، مگر کسی مصلحت سے ملازمت کرنے کا اقدام کیا جائے، ورنہ ایسا ہوتا ہے اور اس میں حرج ہی کیا ہوگا کہ قشقہ اور زنار لگا کر مندر میں بھجن گانا شروع کر دیا جائے، باوجود اس کے کہ قلب متنفر ہو، اور خود فریبی پر مبنی مصلحت یہ رکھی جائے کہ اس اقدامِ عمل سے مندر کے پُجاری مسلمان بن جائیں گے، اور دیر حرم کی صورت اختیار کرلے گا۔ اور پھر یہ کام ایسی ہستی کرے جو مہبطِ وحی ہو اور نبوت پر فائز ؟ ——— ایں چہ بو العجبی است ——— ؟ ———

ان تین صورتوں میں سے صرف شق الف ہی اسلامی مزاج، اسلامی اصول اور قرآنی ہدایات کے لحاظ سے نفس الامری حقیقت ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے، تفصیل کا یہ موقع نہیں، اور نہ مدنظر اس بحث کا دروازہ کھولنا ہے، مدعائے اصلی رسالہ پر تنقید اور اس کا جائزہ لینا ہے، اس حد تک جتنی ضرورت تھی، زیر تحریر لایا گیا، رہی تحقیقی بحث، تو اس سلسلہ میں محققین کے دلائل کی جانب رجوع کافی ہے۔

کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

رسالہ میں ایک جگہ دین سے متعلق ایک طویل بحث ہے، متعلقہ بیانات میں تعقیدات اور اُلجھاؤ اتنے ہیں کہ صاف اور منقح بات سامنے نہ آ سکی، یا بلند پروازی اتنی ہے کہ مجھ جیسے بے مایہ انسان کا ذہن نارسا وہاں تک پہونچنے سے قاصر ہے اور اس رفیع المنزلت اطناب کو سمیٹنے کی اہلیت سے عاجز۔

پہلے تو دین کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ اس کے چار اجزاء ہیں۔ عقائد۔ عبادات۔ اخلاق۔ اور معاملات ——— اصل دین عقائد و عبادات کو بنایا گیا ہے اور بقیہ دونوں کو تبعاً دین کہ:۔

"انھیں (اخلاق و معاملات کو) دینی عقائد کے ماتحت برتئے تو دین ہیں ورنہ دین نہیں، محض دنیاوی کاروبار ہیں"

اسی اثنا میں ارشاد ہوا ہے کہ:۔

"حقوق و معاملات کی تعلیم کے لئے خصوصیت کے ساتھ انبیاء و رسل نہیں آئے اور نہ کتابیں اُتریں"

مقصد یہ ہے کہ عقائد و عبادات ہی کی تعلیم کے لئے انبیاء مبعوث ہوئے اور کتب نازل ہوئیں، رہے اخلاق و معاملات؟ تو:۔

"اس کی (یعنی حقوق و معاملات کی) تعلیم عقل انسانی خود کرے گی"

بہت خوب! عقائد و عبادات کی تعلیم کے لئے انبیاء مبعوث ہوئے، اور حقوق و معاملات کی تعلیم عقل انسانی کے ذمہ۔ چوتھا جزء (اخلاق) رہ گیا، معلوم نہیں اسکی تعلیم کس کی ذمہ داری ہے؟ صاحب رسالہ اسے چھوڑ گئے ہیں ——— آگے ملاحظہ ہو، ارشاد ہوا ہے کہ:۔

"بدمعاملگیوں پر وعیدیں بھی کی گئی ہیں"

یہ کیوں؟ جبکہ معاملات کے متعلق عقلِ انسانی خود رہبر ہے، اور جس موقع پر جو صورت معاملہ سامنے آئی، وہ عقلِ انسانی کی تعلیم ہی کا نتیجہ ہے، جب عقلِ انسانی یہ تعلیم ہی دے کہ یہ معاملہ اس نوعیت کا ہونا چاہئے، تو پھر اسے "بدمعاملگی" سے تعبیر کرنے کا آپ کو کیا حق حاصل ہے؟ عقول انسانیہ کے پیمانے مختلف زمانہ میں مختلف ہو سکتے ہیں، ایک زمانہ میں معاملات کی جو شکلیں عقل انسانی نے متعین کیں، ضروری نہیں کہ دوسرے زمانہ میں وہی شکلیں برقرار رہیں عقلِ انسانی اس دوسرے زمانہ میں ان معاملات کے لئے کوئی اور سانچہ تیار کرتی ہے، ان دونوں میں سے کسی کو "بدمعاملگی" کا مصداق بنانے کے لئے آپ کے پاس کونسا پیمانہ ہے؟ عقلِ انسانی کے اقدار بدل چکے ہیں، طرز فکر بدل چکا ہے، اور بدلے ہوئے حالات کے مطابق عقلِ انسانی اسی میں افادیت دیکھتی ہے، جسے آپ "بدمعاملگی" فرماتے ہیں، ——— اور پھر نہ جانے یہ وعیدیں کس لئے؟ جبکہ اتنی آزادی ہے کہ اسے دینی عقائد کے ماتحت برتیں یا نہ برتیں۔ اور لُطف یہ کہ دس بارہ سال سے سلمانوں کو یہ سبق دیا جاتا رہا ہے کہ دین (یا شاید مذہب) اور سیاست ایک ہیں۔ جب ایک ہیں تو ——— برتئے یا نہ برتئے ——— کی تقسیم کے کیا معنی؟ ——— "حکومتِ الٰہیہ" کا شور مچانے والوں نے تو دین کو مسجد تک محدود کر کے اور حقوق و معاملات کو ضمنی شئی بنا کر باز دعوئی دخل نہیں کیا ہے ——— گر عبرت انگیز ہے "السیاستہ الاسلامیہ" کی مذہب و سیاست کے درمیان یہ تعلیم تقسیم کہ:۔

از صحن خانہ تا بہ لب بام اذان من　　　　از بام خانہ تا بہ ثریا اذان تو

اثنائے بحث میں یہ ارشاد بھی ہے کہ :-

" عقائد و عبادات میں قیاس و اجتہاد کا حق نہیں دیا گیا ہے (بلکہ) قیاس و اجتہاد کا جو کچھ تعلق ہے وہ صرف اخلاق و معاملات کے فروع سے ہے اور بس "

یہاں قیاس و اجتہاد کے حق کی تحدید اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے کہ " صرف اخلاق و معاملات کے فروع سے ہے اور بس " ---- اب آگے پڑھئے ، ارشاد ہوتا ہے کہ :-

" قیاس و اجتہاد کا میدان صرف معاملات ہیں اور بس "

یہاں کے " صرف " اور " بس " کو ملاحظہ فرمائیے اور گزشتہ " صرف " اور " بس " ---- کو ---- اور یہ سوال نہ کیجئے کہ یہاں اخلاق کے استثناء کی علت کیا ہے ، کیونکہ سبب بیان کر دیا گیا ہے کہ :-

" اس لئے کہ اخلاق کے اصول تو بدل نہیں سکتے "

رہا یہ سوال کہ جب یہ ---- " اس لئے " ---- لکھنا ہی تھا ، تو پہلے اخلاق کا لفظ کیوں لایا گیا ؟ تو حقیقت یہ ہے کہ اس کا جواب خود مجھے نہیں معلوم ، ممکن ہے یہ مجبوری پیش آ گئی ہو کہ ابتدا میں یہ فرمایا گیا تھا کہ اصل دین عقائد و عبادات ہیں اور اخلاق و معاملات تبعاً دین ہیں - اور اصل دین میں قیاس و اجتہاد کی گنجائش تو ہوتی نہیں ، بلکہ تابع دین میں ہوتی ہے ، اور تابع دین اخلاق و معاملات ہیں ، لہٰذا یہ دونوں قیاس و اجتہاد کے آماجگاہ بن سکتے ہیں -

پھر اس عقدہ کا حل نہ جانے کیا ہے کہ پہلے تو اخلاق و معاملات کے صرف فروع میں قیاس و اجتہاد کو دخیل بنایا گیا ، مطلب یہ ہوا کہ اخلاق و معاملات دونوں کے اصول میں قیاس و اجتہاد کی گنجائش نہیں - اس کے بعد قیاس کے میدان عمل میں معاملات کو عام رکھا گیا ، یعنی فروع کے ساتھ مقید نہ کیا گیا ، اور جو دلیل ذکر کی گئی وہ یہ کہ ---- اس لئے کہ اخلاق کے اصول تو بدل نہیں سکتے ---- اس کا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ معاملات کے اصول بدل سکتے ہیں - اور کیوں نہیں بدل سکتے ، جبکہ اس کا معلّم عقل انسانی ہے ، اور عقل انسانی مختلف ادوار میں مختلف ہوتی رہی ہے اور ہوتی رہتی ہے ، اب یہاں پر ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے ، وہ یہ کہ معاملات کے اصول قرآن میں مذکور ہیں یا نہیں ؟ جواب نفی میں نہیں دیا جا سکتا کیونکہ صاحب رسالہ نے خود تصریح فرما دی ہے کہ :-

" اخلاق و معاملات کے اصول قرآن میں بتا دیئے گئے ہیں "

پس جب معاملات کے اصول بدل سکتے ہیں ، تو یہ تبدیلی قرآنی نص میں ہو گی یا نہیں ؟ اس کا جواب ناظرین پر چھوڑا جاتا ہے - اور اگر معاملات کے اصول بھی نہیں بدل سکتے اخلاق کے اصول کی طرح تو پھر یہ عقیدہ لاینحل رہ جاتا ہے کہ اصول کے بدل نہ سکنے کے سلسلہ میں صرف اخلاق کے اصول کا تذکرہ کیوں فرمایا گیا ؟

ساتھ ہی اس دلچسپ مظاہرے کی بھی سیر کر لی جائے کہ حسب ارشاد ---- " اخلاق کے مظاہرے کو معاملہ

کہتے ہیں ـــــ اور آپ ابھی معلوم کر چکے ہیں کہ معاملات میں قیاس و اجتہاد جاری ہو سکتے ہیں ـــــ" یا مظاہرے ہیں تو قیاس چل جائے گا، مگر اس کا اثر اخلاق پر نہیں پڑے گا، جس کے مظاہرہ کا ہمنام معاملہ ہیں۔ حالانکہ یہ امر بدیہی ہے کہ جس طرح آئینہ کے عکس میں حرکت ہو نہیں سکتی، تاوقتیکہ وہ چیز متحرک نہ ہو، جس کا وہ عکس ہے۔ اُسی طرح معاملہ اگر اخلاق کے مظاہرہ کا نام ہے، تو یہ درحقیقت اخلاق کا پرتو ہے۔ لہٰذا معاملات میں جب بھی کسی امر کا نفوذ اور کسی قسم کا تغیر و تبدل ہو گا، تو وہ اسی وقت ہو گا جبکہ اخلاق اس سے پیشتر متاثر ہو جائے۔

ارشاد ہوا ہے کہ ـــــ" عقائد و عبادات میں قیاس و اجتہاد کا حق نہیں" ـــــ عبادات میں قیاس و اجتہاد کا حق نہ ہونے کی دلیل یہ دی گئی ہے کہ :-

"جس عبادت کا ذکر قرآن میں ہے اور اس کا جو طریقہ سنت نبویہ و تعامل صحابہ سے ثابت ہے، وہی عبادت اور صرف اسی طریقے سے عبادت کرنی چاہیئے، عبادات کا عملی طریقہ تعامل صحابہ اور روایات صحیحہ سے معلوم ہو سکتا ہے، کوئی نئی عبادت یا نیا طریقہ کسی عبادت کا جو بعد والوں نے نکالا ہرگز جائز نہیں ہو سکتا" (لہٰذا قیاس و اجتہاد کو اس میں دخل نہیں)

اور یہی بات تھوڑے سے الفاظ بدل کر اخلاق و معاملات کے بارے میں بھی ارشاد فرمائی گئی ہے :-

"قرآن نے حُسن اخلاق و معاملات کی تعلیم کافی حد تک کی ہے اور رسول اللہ صلعم نے اعلیٰ سے اعلیٰ نمونہ اور آپ کے بعد صحابہ نے بھی بہترین عملی نمونہ حسن اخلاق کا دکھایا اور دوسروں کو قرآنی آیات اور اپنی تنبیہات کے ذریعہ بھی سمجھایا" ـــــ

مگر معلوم نہیں اس بیان سے قیاس و اجتہاد کو اخلاق و معاملات سے بھی بے دخل کیوں نہ کیا گیا، حالانکہ قرآن میں جس طرح عبادت کا ذکر ہے، اسی طرح اخلاق و معاملات کا بھی ہے، جس کا اعتراف حضرت مؤلف نے خود فرمایا ہے، جس کا حوالہ گزر چکا ہے ـــ طریقۂ عبادت کا علم جس طرح روایات صحیحہ اور تعامل صحابہ سے حاصل ہو سکتا ہے اُسی طرح حُسن اخلاق اور اخلاق کے عملی نمونے (معاملات) بھی سنتِ نبویہ اور تعامل صحابہ سے ثابت ہیں۔ پھر یہاں بھی یہ کیوں نہ کہا جائے کہ کوئی نیا حُسن اخلاق اور نیا مظاہرۂ اخلاق (معاملات) جو بعد والوں نے نکالا ہرگز جائز نہیں ہو سکتا، لہٰذا جس دلیل سے عقائد و عبادات میں قیاس و اجتہاد کا حق نہیں، اسی دلیل کی روشنی میں اخلاق و معاملات کے اندر بھی قیاس و اجتہاد کا حق نہیں پہونچتا ـــــ

اچھا اب ملاحظہ فرمائیے، مگر آگے بڑھنے سے پیشتر پھر ایک بار اپنے ذہن میں تازہ کر لیجئے کہ عبادات میں (عقائد کی طرح) قیاس و اجتہاد کا حق نہیں ـــــ ارشاد ہوتا ہے کہ :-

"بچوں کی پرورش، زن و شو کے باہمی حقوق کی نگہداشت، اقران و احباب سے ملنا جلنا (وغیرہ وغیرہ) اللہ کی عبادات میں داخل ہو سکتے ہیں، اگر یہ سب باتیں مسلم بن کر کی جائیں" ـــــ

معلوم نہیں، یہ" بچوں کی پرورش" حقوق کی نگہداشت" تعلقات باہمی" وغیرہ معاملات ہیں یا نہیں ؟ اگر معاملات ہیں تو ان میں قیاس واجتہاد کو یقیناً دخل ہوگا، مگر بن گئے عبادات اور عبادات میں قیاس واجتہاد ناجائز ——— اور یہ شرط، کہ ——— "اگر یہ سب باتیں مُسلم بنکر کی جائیں" سمجھ میں نہیں آ آکر" اسلامی سیاست" کے سلسلہ میں اس طرح کی شرط اپنے اندر کیا معقولیت رکھتی ہے۔ کیا اس کا تصور بھی کیا جاسکتا ہے، اور کیا یہ جائز ہوگا ؟ اور کیا عنداللہ اس کی جواب دہی سے برات ہوگی کہ زن وشو کے باہمی حقوق کی نگہداشت مسلم بن کر نہ کی جائے، بلکہ غیر مسلم بنکر کی جائے، بچوں کی پرورش میں اسلام کو تو مدنظر نہ رکھا جائے، مگر مسجد میں جب جائیں تو مُسلم بن کر جائیں، اقران واحباب سے جب ملیں تو السلام علیکم ضروری نہ ہو، بلکہ" نمسکار" اور" پرنام" بھی کیا جاسکتا ہے، لیکن مصلے پر جب کھڑے ہوں تو اللہ اکبر ہی ضروری ہو۔ ——————— مگر ———————

جواباً کہا جاسکتا ہے کہ جس عبادت میں قیاس واجتہاد کا حق نہ ہونے کا قول کیا گیا ہے، اُس عبادت سے عبادت کا مخصوص تصور اور مروجہ اصطلاح مراد ہے یعنی صوم وصلوٰۃ اور حج ——— معلوم نہیں زکوٰۃ کا شمار جناب مصنف کے نزدیک اس عبادت (بمعنی مخصوص) میں ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو ایک زکوٰۃ بھی سمجھ لیجئے ——— تو آیئے دیکھیں، اس دعوےٰ میں کہاں تک حقیقت ہے ؟۔ لیکن اس کے پہلے بہ طور جملہ معترضہ کے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ دین کے چار اجزاء بیان کرتے ہوئے اُن میں سے ایک عبادات تحریر فرمایا گیا ہے، اگر واقعی عبادات سے یہی اصطلاح وتصور مخصوص مراد ہے، اور اس سے اجتہاد وقیاس کو بے دخل کیا گیا ہے، تو اسی سلسلۂ کلام میں عبادات لکھنے کے بعد ارشاد ہوا ہے کہ ——— " انھیں کے لئے انسان پیدا کیا گیا ہے" ——— کیا واقعی اسی اصطلاح وتصور مخصوص کے لحاظ سے وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون کی آیت ہے ؟ اگر عبادت کے اسی مفہوم مخصوص میں یہ آیت ہے، تو چاہیئے کہ انسان شب وروز رکوع وسجود ہی کرتا رہے، حالانکہ انبیا بھی شب وروز بس نماز ہی میں مشغول نہیں رہا کرتے تھے، اور ہر دن صائم ہی نہ رہتے درانحالیکہ اُن کی پُوری زندگی عبادت ہی تھی ——— پس معلوم ہوا کہ عبادت کا جو مفہوم مخصوص لیکر اس سے قیاس واجتہاد کو بے دخل کیا گیا ہے، اس کے لئے یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ ——— " انھیں کے لئے انسان پیدا کیا گیا ہے" ——— اور جس مفہومِ عبادت کے لحاظ سے یہ جملہ درست ہے، اس کے لئے یہ کہنا درست نہیں کہ قیاس واجتہاد کا اس میں حق نہیں ——— جس کی وضاحت اوپر کی جاچکی ہے۔ بہر حال! اب دیکھیے کہ عبادت کا جو مخصوص مفہوم لیکر اس سے قیاس واجتہاد کو بے دخل کیا گیا ہے، اس کی صحت کا کیا حال ہے ؟

قیاس واجتہاد کا تعلق ——— حسب ارشاد مصنف ——— صرف اخلاق ومعاملات سے ہے اور بس ——— اور وہ بھی اُن کے ان گوشوں سے جن کے بارے میں کسی طرح کی نص موجود نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ اخلاق ومعاملات کے صرف فروع میں مولانا قیاس واجتہاد کو جائز تصور کرتے ہیں، اور ان کے اصول، تو چونکہ وہ قرآن میں بتادیئے گئے ہیں، جیسا کہ مولانا نے تصریح بھی فرمائی ہے، اس لئے وہ قیاس واجتہاد کی دسترس سے باہر ہوں گے ——— سوال یہ ہے کہ کیا عبادات (اصطلاح ومفہوم مخصوص کے لحاظ سے) کے سارے گوشے اور ان سے متعلق سارے ایسے مسائل جو آئے دن سامنے آتے رہتے ہیں، یا مستقبل میں آتے

رہیں، سب کے سب منصوص ہیں؟ اور کیا عملی حیثیت سے خود مولانا عبادات (بمعنی مخصوص) کے کسی پہلو میں قیاس و اجتہاد نہیں فرماتے؟ میرا خیال یہ ہے کہ نہ یہ واقعہ ہے اور نہ اس کا دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ ہر پیش آمدہ نئی صورتِ حال کے متعلق نص موجود ہے۔ سلسلۂ کلام طویل سے طویل تر ہو جائے گا، ورنہ میں اس موقع پر مولانا ہی کی ایک تصنیف " اقام الصلوٰۃ " سے حضرت ممدوح کے بہتیرے ایسے قیاس کردہ مسائل کے حوالے دیتا، جنھیں مولانا نے اپنی اس کتاب میں ذکر کئے ہیں، اور ان کے لئے نہ قرآنی نص پیش فرمائی ہے اور نہ کوئی سنت صحیحہ اور نہ تعامل صحابہ —— بلکہ ان کی حیثیت قیاس و اجتہاد کے محض نتائج ہی کی ہے، یہی نہیں بلکہ مولانا اپنی مذکورہ کتاب (اقام الصلوٰۃ) میں عبادات کے اندر اجرائے قیاس کا خود فتویٰ دیتے ہیں، اور اس کے جواز و افادیت پر بحث کرنے کے لئے ایک مستقل عنوان قائم کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ :-

" عبادات میں قیاس بے ضرورت حرام ہے "

پس عبادات میں قیاس بہ ضرورت کا جواز خود صاحب السیاستہ الاسلامیہ کے نزدیک مسلّم ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ضرورت وہیں ہوگی جہاں نص یا اسوۂ رسولؐ و تعامل صحابہ نہ ہو، اور یہ بھی کھلی ہوئی بات ہے کہ عبادات میں جہاں جہاں قیاس کی ضرورت ہوگی وہ عبادات کے فروع ہی ہوں گے۔ تو پھر اس معاملہ میں عبادات اور اخلاق و معاملات کے درمیان فرق کیا رہا؟ عندالضرورت عبادات کے فروع میں قیاس کیا گیا، اسی طرح اخلاق و معاملات کے فروع میں بھی جو قیاس و اجتہاد کو کام میں لایا گیا تو تفنن طبع اور تفریحِ ذہنی مقصود نہ تھی بلکہ عندالضرورت ہی قیاس کیا گیا۔ غرض، عبادات ہوں، یا اخلاق معاملات، اُن کے منصوص اُصول میں قیاس و اجتہاد کا دروازہ بند رہا، اور غیر منصوص فروع میں عندالضرورت قیاس و اجتہاد کی گنجائش رہی۔

یہ بالکل درست ہے کہ کوئی نئی عبادت اور کوئی نیا طریقۂ عبادت جائز نہیں، مگر کوئی ایسا نیا پیمانۂ اخلاق و معاملہ اور نیا طریقۂ اخلاق و حقوق و معاملہ (جو کتاب و سنت اور تعامل صحابہ کی ثابت شدہ تعلیم و سند اور اصول کے خلاف ہو) کب جائز ہے؟ دراصل یہی وہ اندازِ فکر ہے جس نے اس قول پر مجبور کیا کہ عبادات میں قیاس و اجتہاد کا حق نہیں، حالانکہ اگر ادنیٰ تامل کو راہ پانے کا موقع مل جاتا تو قیاس و اجتہاد کی بے دخلی کی دلیل میں یہ عبارت تحریر نہیں کی جا سکتی تھی، کیونکہ جدت طرازی اور نئے طریقہ کی ایجاد کا نام قیاس و اجتہاد کب ہے؟ ایسی حرکت تو بدعت ہوگی، قیاس و اجتہاد تو نام ہی اس کا ہے کہ ثابت شدہ اصلیت اور منصوص اصول و کلیات سو علیٰ حالہا باقی رہیں، ان کی روشنی میں فروع اور نئے پیش آمدہ مسائل کے حل نکالے جائیں، حدود منصوصہ اور اسلام کی روح و مزاج اور اس کی اسپرٹ کو برقرار رکھتے ہوئے —— تو جس طرح عبادات کے باب میں یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ :-

" کوئی نئی عبادت یا نیا طریقہ کسی عبادت کا جو بعد والوں نے نکالا ہرگز جائز نہیں ہو سکتا "

اسی طرح اخلاق و معاملات کے متعلق بھی یہ کہا جا سکتا ہے اور کہا جائے گا کہ کوئی نیا معیارِ اخلاق اور نیا حق و معاملہ یا نیا طریقۂ حسن اخلاق اور نیا طریقہ حقوق و معاملات برتنے کا جو بعد والوں نے نکالا ہرگز جائز نہیں ہو سکتا" —— جیسا کہ آجکل مغربیت دگی نکال رہی ہے اور اخلاق کی وہ قدریں جنھیں اسلام نے بتائی ہیں، مسخ کر کے اخلاق اور حقوق و معاملات کے نئے سانچے ڈھالے

جارہے ہیں، جن پر اسلام کا لیبل لگا کر بازار میں لایا جارہا ہے ــــ اخلاق کے وہی محاسن و مکارم اسلامی ہیں جو کتاب و سنت سے ثابت ہیں، اور حقوق و معاملات کے وہی طریقے رضائے الٰہی کے موجب ہیں، جن کو قرآن اور اسوۂ نبویؐ کی سند حاصل ہو اور جس طرح عبادات میں بلا ضرورت قیاس حرام ہے، اسی طرح اخلاق و معاملات میں بلا ضرورت قیاس ممنوع ہوگا، اور جس طرح عبادات میں (اس کے فروع کے اندر) عند الضرورت قیاس و اجتہاد جائز ہوگا اسی طرح اخلاق و معاملات (کے فروع) میں عند الضرورت قیاس و اجتہاد کا حق ہوگا۔ لہٰذا عبادات میں قیاس و اجتہاد کے عدم گنجائش کی علت و حجت میں جو عبارت سپرد قلم فرمائی گئی ہے، وہی عبارت اخلاق و معاملات کے اندر بھی قیاس و اجتہاد کی دلیل ممنوعیت کا کام دے سکتی ہے، صرف اتنا تغیر کرنا ہوگا کہ عبادات کی جگہ اخلاق و معاملات رکھ دیئے جائیں۔

صرف عقیدہ اور عبادت

دین کے چار اجزاء پیدا کرنے، جن میں عبادات کو اخلاق و معاملات سے الگ کر کے ایک مستقل جزء بنانا، عبادت کی حقیقت پیش نظر نہ رکھنے کے باعث ہے، دراصل عبادت کا حقیقی مفہوم ہے، بندگی رب میں اپنے آپکو دے دینا، ہر قدم احکام الٰہی کے ماتحت، رضائے الٰہی کی خاطر اٹھانا، جس طرح اوقاتِ نماز میں قیام و رکوع اور سجود میں مصروف ہو جانا، عبادت ہے، اسی طرح عہد و پیماں کر کے اس کا ایفاء بھی عبادت ہے، کہ ایفائے عہد حکم الٰہی ہے، جس کی تعمیل فرض ہے، جس طرح روزہ عبادت ہے، کہ حکم الٰہی کی بجاآوری مد نظر ہے، اسی طرح سود (جو معاملات میں سے ہے) سے اجتناب عبادت ہے، کیونکہ اللہ کے حکم امتناع کی تعمیل میں اس سے اجتناب کیا جارہا ہے، اور عبادت کی اسی حقیقت اور اسی مفہوم کے لحاظ سے آیت مذکورہ بالا میں انسان کی تخلیق کی غایت بیان کی گئی ہے، اور عبادت کی اس حقیقت پر جب صاحب تصنیف کو تنبیہ ہو تو خود تحریر فرما گئے کہ:۔

"بچوں کی پرورش ۔ ۔ ۔ حقوق کی نگہداشت ۔ ۔ ۔ ۔ تعلقات (وغیرہ وغیرہ) (یہ سب کے سب حقوق و معاملات ہی ہیں) اللہ کی عبادات میں داخل ہو سکتی ہیں، اگر یہ سب باتیں مُسلم بنکر کی جائیں۔"

پس اگر دین کے اجزاء نکالنے ہی ضروری ہیں تو صرف دو اجزاء پیدا ہوتے ہیں، عقائد اور عبادات عبادات کے مختلف شعبے ہیں، صوم و صلوٰۃ اپنے اپنے اوقات و زمانہ میں، زکوٰۃ و حج اپنے ایام و شرائط کی صورت میں، تقسیم وراثت اور معاملات صلح و جنگ اپنے مواقع پر۔ غرض زندگی کے ہر لمحہ اور ہر ساعت میں ایک مسلمان جو کام کر رہا ہے، سب کے سب عبادات ہی ہیں، اگر ہدایاتِ ربانی کے ماتحت اس کی ہر حرکت جاری ہے، چند مخصوص اوقات میں قیام و رکوع اور سجود کا حکم اللہ نے دیا، ان اوقات میں اس کی تعمیل عبادت ہے، منزلی زندگی کے جو احکام الٰہی ہیں، اُن کی تعمیل بھی عبادت ہے، ایک شخص تجارت کر رہا ہے، بیع و شراء کے معاملات میں حرام اشیاء کی خرید و فروخت سے اجتناب کر رہا ہے، اور حلال چیزوں کا لین دین پورے حدود شرعی کو ملحوظ رکھکر کر رہا ہے، یہ بھی عبادت ہے، نیز یہ چیز پیش نظر رہے کہ توحید و خدا پرستی بھی اسی دنیا میں اسی دنیوی زندگی کے لئے تعلیم و ہدایت ربانی ہے، صوم و صلوٰۃ اور زکوٰۃ و حج بھی دنیا کی اسی زندگی کے فرائض ہیں، ان میں سے کوئی چیز جس طرح دین سے الگ محض

کاروباری نوعیت اور زندگی کی دلچسپی کی حیثیت نہیں رکھتی، اسی طرح حقوق و معاملات کے حدود بھی دنیوی زندگی ہی کے لئے ہیں، اور دین سے الگ محض کاروبار نہیں، سب کی سب دینی ہیں، اور سب کی سب دنیوی، ان میں سے کوئی چیز آخرت میں کرنے کی نہیں ہے، اور جس طرح صوم وصلوٰۃ کے ترک پر وعیدیں ہیں، اسی طرح (خود حسب ارشاد) بدمعاملگیوں پر بھی وعیدیں ہیں، جو آخرت میں ظہور پذیر ہوں گی۔

اصل دین اور تابع دین

اگر یہ حقیقت ہے کہ قرآن میں جو کچھ ہے وہ اصل دین ہی ہے، ——— اور یہی حقیقت ہے ——— تو یہ بھی حقیقت ہے کہ "اصلیت" اور "تبعیت" کی تفریق ایک مسلمان کی حیثیت سے نادرست، ناروا اور ناقابل قبول ہے، قرآن میں جس طرح اقیموا الصلوٰۃ ہے، اسی طرح یوصیکم اللہ فی اولادکم الآیہ بھی ہے، قرآن جس طرح کتب علیکم الصیام کہتا ہے، اسی طرح اوفوا بالعقود بھی کہتا ہے، قرآن میں جس طرح فویل للمصلین الذین ہم عن صلوٰتہم ساہون ہے اسی طرح ویل للمطففین الآیہ بھی ہے، قرآن جس طرح آتوا الزکوٰۃ کا مطالبہ کرتا ہے، اسی طرح تؤدوا الامانات الیٰ اھلھا کا بھی امر دیتا ہے، رسول اکرم کی بعثت جس طرح انسانوں تک ... ... ولا تشرکوا بہ شیئاً کی نہی خداوندی پہونچانے کے لئے ہوئی اسی طرح لا تاکلوا الربا کے ذریعہ لوگوں کو سود سے روکنے کے لئے بھی ہوئی، بایں سبب "اصلاً دین" اور "تبعاً دین" بذات خود ایک ایسا قیاس و اجتہاد ہے جو قرآنی منشاء سے ٹکرا رہا ہے۔ پس اگر "عبادات" "اصل دین" ہے تو عقیدۂ توحید و خداپرستی کے تقاضے میں صالح اور تقویٰ پر استوار اخلاق و معاملات کے مظاہر بھی اصلِ دین ہیں، انسانی زندگی کے دو ہی نظام العمل ہو سکتے ہیں، اسلام یا غیر اسلام، زندگی کی ہر حرکت اور انسانی کردار کا ہر مظاہرہ اگر خداپرستی پر مبنی ہے، تو وہ اسلام ہے، اور سارے کا سارا اصل دین۔ اور اگر خدا کے تصور سے بے نیاز ہو کر کوئی لائحہ عمل بنایا گیا ہے، تو وہ غیر اسلام ہے، اور کُل کا کُل غیر دین۔ لہٰذا یہ بالکل غلط ہے کہ :-

"اخلاق و معاملات کو دینی عقائد کے ماتحت برتے تو یہ دین ہیں، ورنہ دین نہیں، محض دنیاوی کاروبار ہیں"

"اگر ——— اور ——— مگر ——— اور ——— ورنہ" وغیرہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اللہ اور اس کے رسول اور اس کی کتاب پر اگر ایمان ہے، تو اس کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ اسلام کے بتلائے ہوئے تصورِ حیات کو قبول کیا گیا ہے، لہذا عبادات (یعنی صوم وصلوٰۃ وغیرہ) کی طرح اخلاق و معاملات بھی لامحالہ اس کے ماتحت برتے جائیں گے اور برتنے پڑیں گے، ورنہ دینی عقائد کے ماتحت صوم وصلوٰۃ پر عمل اور اخلاق و معاملات کے وقت ان عقائد سے بے نیازی، افتؤمنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض، کا مصداق ہوگا، لہذا یہ کس طرح ممکن ہے کہ عقائد تو دینی ہوں، مگر اخلاق و معاملات کا اس کے ماتحت نہ برتنا بھی جائز اور معقول ہو سکے۔ یہ کیسے ممکن ہے دینِ اسلام تو اسی جامعیت کا نام ہے جس میں عقائد اور اخلاق و معاملات شامل ہیں!

سید حسام الدین راشدی

قاہرہ کے کُتب خانہ میں

مصر حقیقت میں ایک ایسا ملک ہے جس میں ہر طبیعت اور ہر مزاج کا آدمی جب داخل ہوگا تو اپنے آپ کو مطمئن اور پُرسکون پائے گا، اگر کسی کو سیر و تفریح سے دلچسپی ہے تو، اس کے لئے، دریائے نیل، موسیٰ اور فرعون، کلیوپٹرہ اور سیزر والا نیل، اپنے سرسبز اور شاداب کنارے پھیلائے ہوئے موجود ہے، قاہرہ کی کھلی ہوئی سڑکیں، خوشنما اور دلفریب عمارتیں، لوکاندے، اور فندق، ہر قسم کی شاندار دکانیں مختلف چیزوں سے بھری ہوئی، باغ اور بستان، سینما اور کیبرے، موجود ہیں، دن اور رات کے چوبیں گھنٹے ہر قسم کی تفریح کا سامان میسر ہے!

اور اگر کسی کو آثار قدیمہ اور تاریخ کا ذوق ہے، تو اس کے لئے، بھی مصر کا گوشہ گوشہ، عبرت اور سبق آموزی کے مناظر اپنی آغوش میں لئے ہوئے ہے، قاہرہ میں میوزیم موجود ہیں، جن میں پانچ ہزار سال قبل مسیح سے لیکر اسلامی عہد تک کی چیزیں آپ کو ملیں گی۔ فسطاط کے ویران علاقے میں حضرت عمرو بن العاصؓ کی مسجد، وہ تاریخ اسلام کی قدیم ترین مسجد، فاتح مصر کا بنایا ہوا وہ خدا کا گھر، اب بھی آپ کو دکھائی دے گا، رفاعی مسجد، ابن طولون کی مسجد، سلطان حسین کی مسجد، محمد علی پاشا کی مسجد، الغرض ان گنت مسجدیں آپ کو ایسی ملیں گی کہ جن کے دیکھنے کے بعد ہی اس دور کا آدمی اسلامی تاریخ کی عظمت اور شکوہ کو محسوس کر سکتا ہے، امام شافعیؒ کا مزار، حضرت سیدنا حسینؓ کے سر مبارک کا عظیم الشان مقبرہ، حضرت بی بی زینبؓ کا روضہ، اور اس طرح کے متعدد مقابر اور مزار آپ دیکھیں گے اور ان میں جاکر اتنی راحت اور سکون پائیں گے، کہ نکلنے کو جی نہیں چاہے گا۔ قاہرہ سے ذرا باہر نکلئے تو آپ کو اہرام مصر ملیں گے، اور پھر ان کے ساتھ ہی تھوڑی دور پر ابوالہول اس طرح دکھائی دیگا کہ جیسے پورے شہر پر پہرہ دے رہا ہو، اس طرح اس پر سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں سال بیت گئے، لیکن اُس کی آنکھوں میں وہی چمک دمک اور ایک قسم کی تیزی، اب تک موجود ہے، تھکن، غنودگی، اور پژمردگی کا کوئی اثر نہیں، نہ جانے ان ہزار ہا برسوں میں اس نے تاریخ کے کیا کیا مناظر دیکھے ہوں گے، کتنے ورق تاریخ کے اس کی آنکھوں کے سامنے اُلٹے ہوں گے، انقلاب کے کتنے قافلے اس نے آتے جاتے دیکھے ہوں گے، فراعنہ کو بھی دیکھا رومنوں کو بھی دیکھا، پھر اسلام کے قافلہ کے نقش قدم بھی مشاہدہ کئے، اور پھر تمام دنیا کے سیاحوں کو بھی اس نے اپنے سایہ میں بیٹھے ہوئے مبہوت اور حیران پایا، وہ ابھی تک جوان معلوم ہوتا ہے، نہ جانے ابھی کیا کیا مناظر اس کو دیکھنے باقی ہیں، پھر آپ قاہرہ سے نکلئے، اسکندریہ اور مکادا جائیے، اسوان دیکھئے، لکسر دیکھئے، وادی الملوک دیکھئے، اور توتن آخمون کی لاش

کو قیمتی تابوت میں رکھی ہوئی دیکھئے! الغرض پورا ملک آپ کو تاریخی آثار سے معمور نظر آئے گا۔

اگر کسی کو پڑھنے پڑھانے سے دلچسپی ہے تو، قاہرہ میں آپ کو اسلامی دنیا کی قدیم ترین درس گاہ جامع ازہر اور موجودہ دور کی فواد الاول یونیورسٹی ملے گی، قدیم اور جدید، ہر طریقۂ تعلیم کو آپ وہاں پائیں گے، پھٹے پرانے عربی لباس میں میلے اور گندے چہرے بھی نظر آئیں گے اور مغربی وضع قطع میں صاف ستھرے اور دلکش چہرے بھی آپ دیکھ سکیں گے، مسجد کے فرش پر حدیث اور قرآن کا حلقۂ درس بھی دیکھیں گے اور کشن دار کرسیوں پر بیٹھے ہوئے لڑکوں کے سامنے پروفیسر کو کھڑے ہو کر ملٹن اور گوئٹے کی کتابوں پر لکچر دیتے ہوئے بھی سنیں گے!

اور اگر آپ کتابوں کے شوقین ہیں تو، اس کا بھی سامان وہاں موجود ہے، آپ کو متعدد ذاتی اور قومی کتب خانے ملیں گے، کہ جن میں دنیا بھر کے ادبی نوادر موجود ہیں، جامع ازہر کا کتب خانہ، فواد الاول یونیورسٹی کی لائبریری اور دار الکتب المصریہ آپ کی علمی پیاس بجھانے کو ہر وقت تیار ہیں، اور اگر آپ کتابیں خریدنا چاہیں تو اس کے لئے بھی ایک دکان نہیں، دو نہیں بلکہ بازار کے بازار موجود ہیں، آپ جائیے، دیکھئے اور شوق سے خریدیئے، دام مناسب ہوں گے، یہاں کی طرح، علم کی "بلیک مارکیٹ" وہاں نہیں ہوتی کہ ابن قتیبہ کی کتاب الشعر والشعراء وہاں تو ملے ۶ روپیہ میں اور یہاں آپ کو تیس روپیہ سے کم میں نہ ملے، ابن خلکان کی وفیات الاعیان وہاں ملے ۳۰ میں تو یہاں ڈیڑھ سو روپیہ دیکر حاصل کیجئے، وہاں کے پبلشر اور کتب فروش بازاری قسم کے لوگ نہیں ہوتے، بلکہ حقیقی معنوں میں علم کے خدمت گزار ہوتے ہیں، کئی ایک ادارہ آپ کو ایسے ملیں گے جو رات دن علم کی اشاعت میں مصروف رہتے ہیں، مثلاً لجنۃ التالیف والتصنیف مکتبۃ الکبریٰ، دار المعارف، الهلال، النهضہ، دار الکتب المصریہ، وغیرہ وغیرہ، ان میں سے کئی ایک سرکاری نگرانی اور خرچ سے چلتے ہیں اور بعض ذاتی ملکیت ہیں۔

الغرض کیبرے ڈانس سے لیکر فراعنہ مصر کے تابوت اور ممیوں تک ہر قسم کی چیزیں، ہر رنگ کا ماحول، اور ہر مذاق کی مجلس آپ کو قاہرہ میں میسر آئے گی، آپ جہینوں رہیئے بلکہ اس میں ذرا سا بھی مبالغہ نہیں کہ اگر آپ برسوں تک قیام کریں گے تو مصر اور اس کا دل قاہرہ ہر روز نئے نئے جلوؤں[1] میں آپ کے سامنے آئے گا، اور آپ کبھی نہ اکتائیں گے۔

میں تو آثار قدیمہ اور کتب خانوں کا دیوانہ ہوں، اس لئے، ڈیڑھ ماہ کا قیام تو آنکھ جھپکتے ہی گزر گیا، اور جب کوچ کا نقارہ بجا تو میں نے محسوس کیا کہ بہت کچھ دیکھا، لیکن ابھی تک کچھ بھی نہیں دیکھ سکا، اس لئے ۱۹۵۰ء کی وہ صبح، ابھی تک

---

[1] مگر تہذیب جدید کی ان جلوہ سامانیوں اور رنگا رنگ دلچسپیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے بڑے مضبوط کیریکٹر کی ضرورت ہے، مغرب زدگی اپنے شباب پر ہے، مصر کے راجہ اندر شاہ فاروق کے فسق و فجور اور نفس پرستیوں نے قاہرہ کی معاشرت کو اور زیادہ خراب کر دیا، خدا کرے کہ نجیب پاشا کے دور میں اس کی تلافی ہو جائے، اور یہ انقلاب صحیح معنیٰ میں اخلاقی اور اسلامی انقلاب ثابت ہو (ایڈیٹر)

یاد ہے، کہ جب میں شیپرڈس ہوٹل کے برآمدہ میں ہوائی جہاز کے موٹر کا منتظر تھا، اور قاہرہ ابھی کچھ جاگا تھا اور ابھی کچھ غنودگی میں تھا، ٹھنڈی ہوائیں میدانوں سے اٹھکر دریائے نیل کے پانی سے صبوحی غسل کرتی ہوئی، "شیپرڈ" کے پائیں باغ کے پھولوں کو چوم رہی تھیں، ہلکی ہلکی خنکی، رات کی پڑی ہوئی اوس، اور اس پر مختلف سمتوں سے پھولوں کی عبیر آمیز خوشبوئیں محسوس ہوتا تھا کہ آج ہی میں اس سرزمین میں پہنچا ہوں، بالکل نووارد ہوں، ابھی سورج کی شعاعیں نمودار نہیں ہوئی تھیں، صبح بالخیر اور اھلاً و سھلاً، کی ہلکی ہلکی صداؤں کا ابھی ابھی آغاز ہوا تھا کہ موٹر آکر دروازہ پر رکی اور میں بصد حسرت و یاس دلگرفتگی کے عالم میں، جاکر اس میں سوار ہوگیا،

میں نے مصر میں کیا دیکھا اور کیا نہ دیکھا یہ ایک طویل داستان ہے، اور شاید کبھی سنانے کی نوبت نہ آئے، سردست ان چند لمحوں کی کہانی سناتا ہوں کہ جو میں نے دار الکتب المصریہ میں گزارے،

دار الکتب المصریہ قاہرہ کا قومی کتب خانہ ہے، پہلے اس کا نام کتب خانہ خدیویہ تھا، لیکن اب نسلی نام کو بدل کر قومی اور ملکی نام دیا گیا ہے، کتب خانہ کی دو منزلی، خوبصورت اور دلکش عمارت، باب الخلق کے پاس، میدان احمد ماہر پاشا کے سامنے واقع ہے، یہ کتب خانہ حقیقت میں کئی ایک سرکاری اور غیر سرکاری کتب خانوں کا مجموعہ ہے، جب سے اس کو قومی ملک قرار دیا گیا ہے، اس وقت سے اس میں آئے دن علم دوست اصحاب کے ذاتی مجموعے شامل ہوتے رہتے ہیں، مثلاً تیمور پاشا کا عدیم المثال اور بے نظیر نوادرات کا کلیکشن (COLLECTION) بھی اسی کتب خانہ کو نصیب ہوا اور اس طرح کئی اور بھی مجموعے اس میں وقف کئے گئے ہیں،

کتابوں کے کئی کیٹلاگ (CATALOGUE) شائع ہو چکے ہیں، اور کئی ابھی تک زیر ترتیب ہیں، صحیح تعداد تو معلوم نہ ہو سکی لیکن اندازاً دو لاکھ سے کتابیں کیا کم ہوں گی،

کتب خانہ کی کمیٹی کا یہ بھی کام ہے کہ نادر مخطوطے، جدید طرز پر ایڈٹ کرائے اور انھیں شائع کرے، چنانچہ آج تک متعدد نوادر شائع ہو چکے ہیں، اور اسی عمارت میں ان کے فروخت کے لئے بھی انتظام ہے، چند کتابوں کے نام یہ ہیں،

الاصنام للکلبی۔ انساب الخیل للکلبی۔ الجامع الاحکام القرآن للقرطبی (۲۰ جلد) صبح الاعشیٰ للقلقشندی (۱۴ جلد) عیون الاخبار لابن قتیبہ (۴ جلد) المعجم المفہرس لالفاظ القرآن، کتاب الاغانی (۱۱ جلدیں شائع ہوئی ہیں باقی زیر اشاعت ہیں) انباہ الرواۃ علی انباہ النحاۃ للقفطی، مسالک الابصار للعمری، النجوم الزاہرہ فی ملوک المصر والقاہرہ لابن ۔۔۔۔۔ بردی (۱۰ جلد)۔ نہایت الارب للنویری (۱۵ جلد)

عمارت کے دونوں منزلوں میں کتب خانہ ہے، اور ابھی تک کئی کمرے مخطوطات سے بھرے ہوئے ہیں جن کی تحقیق ہو رہی ہے اور ان کی ترتیب کی نوبت نہیں آئی، بالائی منزل کے ایک حصہ میں دفاتر ہیں، اسی منزل پر وسط کے ۵-۶ کمرے مخطوطات کی میوزیم کے لئے مخصوص ہیں، جہاں شیشے کی الماریوں میں نادر روزگار مخطوطے کھلے ہوئے رکھے ہیں،

میں چند روز پیشتر بھی اس میوزیم کو دیکھ چکا تھا، لیکن اس موقع پر میرے ساتھ پاکستان کا صحافتی وفد بھی ساتھ تھا، یہ قوم تو جانی پہچانی ہے، لکھنے لکھانے تو یہ لوگ رات دن ہیں، لیکن کتاب جس چیز کا نام ہوتا ہے وہ نہ کبھی پڑھتے ہیں، اور شاید نہ وہ اس لذت سے آشنا ہیں، چنانچہ جب ہم پندرہ بیس آدمی سب ایک ساتھ ان کمروں میں پہونچے تو ایک ٹھلڑ مچ گیا، اچھی طرح دیکھنا اور ان میں دلچسپی لینا تو خیر دور کی بات تھی، ان کے منہ میں فقط کتابوں کی میناکاری اور ان پر سونے چاندی کا کیا ہوا کام دیکھ کر پانی بھر آیا، یہ دیکھا، وہ دیکھا، اِدھر بھاگے اُدھر بھاگے، الغرض ایک ڈیڑھ گھنٹہ یوں ہی ضائع کر کے چلے آئے، بعض حضرات نے غیر معمولی دلچسپی دکھانے اور اپنا شغف ظاہر کرنے کے لئے ساتھ میں کاغذ اور پنسل بھی لیا تھا، کہ کچھ نوٹ کریں اور اُن کی تاریخی اہمیت لکھیں، لیکن جب کتابوں کے نام اور اُن کے ہجے دیکھے، تو غالباً نوٹ کرنے کا خیال ترک کر دیا، اور پھر کسی نے کچھ نہ لکھا،

میں چند دن کے بعد تنہا گیا تاکہ ایک دفعہ اچھی طرح اس بیش بہا ذخیرہ کو دیکھ لوں، چنانچہ دروازہ پر رکھی ہوئی کتاب میں اپنا نام اور پتہ درج کیا، سیڑھیاں طے کرتے ہوئے پہلے تو جاکر دارالکتب کی شائع کردہ کتابیں خریدیں، اس کے بعد اطمینان کے ساتھ میوزیم میں پہنچکر ایک ایک کتاب دیکھنی شروع کی، شیشہ کی بہت سی الماریاں قرینہ سے رکھی ہوئی تھیں، دیواروں پر خطاطی کے نمونے اور وصلیاں آویزاں تھیں، تصاویر بھی دیواروں پر لٹکی ہوئی تھیں،

میرے سامنے سیکڑوں نوادر کھلے ہوئے رکھے تھے، بعض کتابوں کے نوٹ لئے، اور پہلے تو بہ نگاہ غائر دیکھنا شروع کیا لیکن جب دیکھا کہ شاید وقت گزر جائے اور میں ایک بھی کمرہ ختم نہ کر سکوں گا، تو پھر میں نے سرسری جائزہ لینا شروع کیا، اور ساتھ ہی ساتھ خاص خاص کتابوں کی فہرست بھی مرتب کرتا گیا، اس سرسری مطالعہ میں بھی میرے پانچ گھنٹہ صرف ہوئے، اور جب میں نیچے اُترا تو اس وقت شام ہو چکی تھی، کتب خانہ بند ہو رہا تھا، اور کلرک، کارندے اور افسر اپنا اپنا کام سمیٹ کر تھکے ھارے نیچے اُتر رہے تھے،

اس وقت جو میں نے فہرست مرتب کی تھی، اس کو یہاں پیش کر رہا ہوں، تاکہ پڑھنے والوں کو بھی اس میوزیم کے نوادرات کا تھوڑا بہت اندازہ ہو جائے۔

مصحف:-

(۱) بخط ابی سعید الحسن البصری　　کتابت　　۷۷ھ

(۲) فوٹوگراف کاپی مصحف سیدنا عثمان رضہ (یہ بہت چھوٹی تقطیع کی حمائل کے دو صفحے تھے)

(۳) بخط احمد بن الاسکاف الوراق　　کتابت رمضان　　۳۶۰ھ

(۴) بخط امام جعفر صادق المتوفی ۱۴۸ھ

(۵) بخط علاء الدین محمد الحسینی　　کتابت　　۱۱۴۰ھ

(۶) بخط قاری، نسخہ فارسی		کتابت سنہ ۱۲۶۷ھ

(۷) بخط محمد بن محمد بن جعفر، نسخہ فارسی، سلطان فتح علی شاہ (قاچار کی فرمائش پر لکھا) " " ۱۲۲۲ھ

بعض کلام مجید مطلا، اور مذہب، کلاں اور خورد تقطیع کے نہایت ہی خوش خط بڑے کمرے میں رکھے ہوئے ہیں جنکی کتابت کے ل یہ ہیں، ۷۰۴ - ۸۴۱ - ۸۸۵ - ایک کلام پاک ارغون شاہ کی ملکیت کا بے انتہا دیدہ زیب رکھا ہوا تھا، ارغون شاہ کا کا انتقال ۷۵۰ھ میں ہوا ہے۔ بعض کی کتابت حسب ذیل سنین میں ہوئی تھی۔ ۷۱۳ - ۸۷۳ - ۵۶۰ - ۹۱۲ - ۹۴۴ - ۹۵۷ - ۹۶۹ - ۸۸۵ - ۹۶۴ - ۸۷۶ھ!

لاہور کے ایک مشہور خطاط حافظ روح اللہ کے لکھے ہوئے دو تین کلام مجید بھی موجود تھے۔ بعض کی تقطیع بڑے سائز اور ایک کی جیبی تقطیع تھی، حافظ کا پورا نام یوں لکھا ہوا تھا، حافظ روح اللہ بن حافظ محمد حسین الاہوری!

بعض کا خط موٹا اور بعض کا باریک لیکن اتنا دلکش اور دیدہ زیب تھا کہ دیکھنے سے آنکھیں روشن ہوتی تھیں۔
کتابت کے سال یہ تھے۔ ۱۱۰۷ - ۱۱۰۹ - ۱۱۰۸ھ۔

ایک کلام مجید بخط قطب الدین ۱۱۹۷ھ بھی اسی شوکیس میں رکھا ہوا ہے جس میں حافظ روح اللہ کے کتابت شدہ کلام مجید رکھے ہوئے ہیں۔

یہ تمام کلام مجید مختلف سائز اور مختلف قسم کے کاغذوں پر لکھے ہوئے تھے۔ خط کا حسن اور طلا کاری اور نقش سازی کی تعریف کرنے کے لئے الفاظ کہاں سے لاؤں، بس یہ دیکھنے سے ہی تعلق رکھتا ہے۔

ترکی سلاطین کے کتب خانوں کے یا خاص ان کے مطالعہ کے کلام مجید بھی بڑی تعداد میں رکھے ہوئے ہیں جن میں بعض کے نام یہ ہیں:۔

(۱) مصحف بخط یاقوت		سنہ ۶۹۰ھ
(۲) " " " ۶۸۹ھ
(۳) " " " لکھا ہوا نہیں
(۴) " " الیاس محمد بن الیاس " ۷۲۰ھ
(۵) " " عبدالرحمن بن ابی الفتح فرغ " ۵۹۹ھ سلطان سلیم کے لئے لکھا گیا تھا۔
(۶) " " نسخہ فارسی۔ بقلم محمد بن احمد التبریزی " ۹۸۸ھ
(۷) سورۃ الفتح " - - " شاہ محمود النیساپوری " ۹۶۵ھ
(۸) مصحف " بہاؤ الدین محمد بن ابی الفضل لاصفہانی کتابت " ۱۰۹۷ھ

عربی کی کتابیں:۔ اسی بڑے کمرہ میں، جس میں کلام مجید رکھے ہوئے ہیں۔ بعض شوکیس ایسے بھی ہیں جن کے اندر

عربی زبان کی ایسی کتابیں رکھی ہوئی ہیں جو یا تو مصنف کے اپنے خط میں ہیں یا پھر کسی باکمال کاتب یا مصنف کے کسی ہمعصر کی کتابت شدہ ہیں، ہر صدی کے لئے جُدا جُدا الماری مخصوص کی گئی ہے، اس ترتیب سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ خط اور کتابت کے فن نے کس طرح ارتقائی منزلیں طے کی ہیں، چند کتابوں کی فہرست پیش کرتا ہوں جس سے اندازہ ہو سکتا ہے۔

(۱) المجالسۃ وجواہر العلم - لشیخ ابی بکر احمد بن مروان الدینوری، بخط علی بن محمد لمعروف بسجادی بتاریخ ۴۳۶ھ

(۲) تاریخ بغداد للخطیب، بخط عبدالقادر بن ابی صالح الجبلی بتاریخ ۵۳۱

(۳) مقامات حریری، ابی محمد القاسم الحریری البصری بخط مصنف بتاریخ ۵۰۴

(۴) مختارات اشعار العرب، لابن الشجری المتوفی ۵۴۲- بخط مصنف

(۵) مختصر المسند الجامع الصحیح للامام مسلم - کتابت ۶۴۷ھ

(۶) التحریر فی شرح الجامع الکبیر الجزء السابع ، جمال الدین محمود بن احمد بن عبدالسید الحصیری البخاری المتوفی ۶۳۶- بخط مصنف بتاریخ ۶۱۶

(۷) الجامع البہی لدعوات النبی صلعم، شیخ ابی الکریم عبدالسلام بن حمد الاندرسانی بخط مصنف بسال ۵۶۴

(۸) المختصر المحتاج الیہ من تاریخ بغداد، للذہبی المتوفیٰ ۷۴۸ھ بخط مصنف ۷۰۴

(۹) مصباح المجتہد وکفایۃ المنفرد- محمد بن الحسین التنونی بخط مصنف سال ۵۶۹

(۱۰) شرح الکافیہ لابن الحاجب، تالیف رضی الدین محمد بن الحسن الاسترابادی المتوفی ۶۸۶ بخط عماد الدین یحییٰ ابن القاسم الصنعانی شارح الکشاف سال ۷۳۲

(۱۱) نسیم الریاض فی شرح شفا، القاضی عیاض، شہاب الدین احمد بن محمد الخفاجی المصری المتوفیٰ ۱۰۶۹ھ بخط مصنف سال ۱۰۵۸ھ

(۱۲) طبقات الکبریٰ لابن السبکی، بخط مصنف۔

(۱۳) المواہب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ، شہاب الدین ابی العباس احمد بن محمد القسطلانی المتوفیٰ ۹۲۳- بخط مصنف سال ۹۰۴ھ

(۱۴) المنن والاطلاق فی بیان وجوب التحدث بنعمۃ اللہ علی الاطلاق، شیخ عبدالوہاب بن احمد بن علی المعروف بالشعرانی، المتوفیٰ ۹۷۳ بخط مصنف سال ۹۶۰ھ

(۱۵) الالقاب، لابن حجر عسقلانی المتوفیٰ ۸۰۲ھ بخط مصنف

(۱۶) طالع انوار من مطالع الانظار للبیضاوی المتوفی ۶۸۵- بخط ابی عبداللہ محمد المعروف بابن جماعت سال ۸۰۹-

(۱۷) مغفر اللبیب عن کتب الاعاریب، جمال الدین عبداللہ بن ہشام الانصاری المتوفیٰ ۷۶۱ بخط حافظ ابن ہشام، شہاب الدین احمد بن عبدالرحمن بن عبداللہ۔ سال ۸۳۵ھ

(۱۸) مشکل القرآن، ابی محمد عبداللہ بن مسلم المعروف با ابن قتیبہ الدینوری المتوفی ۲۷۶، بخط محمد بن احمد بن یحییٰ کتابت ۲۷۶

(۱۹) درر الحکم للثعالبی النیسابوری المتوفی ۴۲۹، بخط یاقوت مستعصمی کتابت ۶۸۱

(۲۰) کتاب الاغانی الجزء الرابع - ابوالفرج الاصفہانی المتوفی ۳۵۶ بخط محمد ابی طالب البدری کتبہ ۶۱۴ھ

(۲۱) المدونۃ الکبریٰ، مالک بن انس رض المتوفی ۱۷۹- دو صفحات کے فوٹو گراف رکھے ہوئے ہیں، یہ اس نسخہ سے لئے گئے ہیں جو سلطان مراکش کی ملک تھا اور جس کی کتابت ۲۳۸ھ میں ہوئی تھی، یہ سب سے قدیم ترین نسخہ اس کتاب کا ہے۔

(۲۲) الجامع الصحیح للامام بخاری المتوفی ۲۵۶ بخط بن احمد بن عبداللہ القزوینی کتابت ۳۳۱،

(۲۳) " " " " اس نسخہ پر سال ۴۲۴ھ کے نوٹ حاشیوں پر ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی کتابت اس سے بھی قبل ہوئی ہے۔

فارسی ادب :-

فارسی ادب اور زبان کی بھی بہت سے نادر مخطوطے الماریوں کی زینت بنے ہوئے ہیں، نقش و نگار اور طلا کاری اور خط کی گلکاری دور سے دیکھنے والوں کو اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کرتی ہیں، ایک خاص کمرہ ان چیزوں کے لئے مخصوص ہے، جس میں ۱۰-۱۲ شوکیس مخطوطوں سے بھرے ہوئے ہیں، دیواروں پر مختلف خطاطوں کی وصلیاں اور مصوری کے نمونے آویزاں ہیں۔ شاہنامہ۔ خمسہ نظامی۔ جامی۔ حافظ اور مثنوی مولانا روم کے بیشمار خطوط اور طلائی نسخے کھلے ہوئے رکھے ہیں۔ بعض نسخوں کی فہرست یہ ہے۔ یہ تمام نسخے ہر لحاظ سے نادر روزگار تھے، آنکھیں خیرہ ہو جاتی تھیں!

(۱) دیوان حافظ مصور مذہب، منقش۔ ۹۷۳ھ و ۱۰۹۱ھ

(۲) خمسہ نظامی کے مصور نسخے گیارہویں صدی اور اس سے پیشتر کی صدیوں کے،

(۳) دیوان قاسم الانوار۔

(۴) دیوان جامی۔

(۵) جواہر التفسیر التحفۃ الامیر ملا کاشفی۔

(۶) بوستاں سعدی۔ بخط میر علی الحسین الکاتب السلطانی۔

(۷) دیوان محمد اصفہانی ۱۲۴۱ھ

(۸) انتخاب شعرائے فارسی:- دیوار پر لگے ہوئے شوکیس میں رکھا ہوا تھا بجد حسین اور منقش۔ یہ ہندوستان میں لکھا گیا ہے۔ ایک صفحہ پر ایک تصویر ہے جس میں چند مشہور شعرا بیٹھے ہوئے شعر و سخن ایک دوسرے کو سُنا رہے ہیں۔ اس مرقع میں یہ شعرا ہیں حسن۔ جامی۔ متین۔ سید۔ نوید۔ نظمی۔ حیا۔ ملا عطاء اللہ ہما۔ موبد۔ جامی سفید ریش خوبصورت اور وجیہ ہے۔ اسی طرح ہر شاعر کی صورت کو حسین اور جمیل بنایا گیا ہے۔ جامی کے سوا باقی شعرا جوان ہیں، سب کے چہرہ پر ڈاڑھیاں ہیں اور سر پر پگڑیاں۔ یہ نسخہ ۹۲۱ھ میں لکھا گیا ہے۔ دوسرے صفحہ پر سید اور شائق کی غزلیں ہیں ہم وزن اور ہم قافیہ غالباً تمام کتاب میں انتخاب کا طریقہ یہی ہوگا۔

سید کی غزل کا مطلع یہ ہے:-

ہر آنکس خانۂ از بہر بودن مختصر گیرد
چو زنبور عسل از شہد راحت کام بر گیرد

مقطع:-

مہاراجہ چو خورشیدِ جہان تابست اے سید
چہ کم گردد ازو گر ذرہ را از خاک بر گیرد

شائق کی غزل کا مطلع یہ ہے:-

عطا کن نالۂ یارب کہ رنگِ از اثر گیرد
دگر دستِ دعائے دہ کہ دامانِ سحر گیرد

(۹) بوستان سعدی المتوفی ۶۹۱ھ بخط سلطان علی الکاتب سال ۸۹۳۔ اس نسخہ کی تصاویر بہزاد کی موقلم کی رہین منت ہیں۔

(۱۰) سلسلۃ الذہب جامی المتوفی ۸۹۸۔ کتابت ۹۵۸ھ

(۱۱) دیوان عرفی المتوفی ۹۹۸۔ کتابت ۱۰۷۳ھ

(۱۲) " خسرو دہلوی المتوفی ۷۲۰ھ بخط منعم الدین الاوحدی الحسینی سنہ ۹۲۱ھ

(۱۳) کلیات سعدی المتوفی ۶۹۱ھ بہ جمع کی ہوئی ہیں علی بن احمد بن ابی بکر المتوفی ۷۳۶ کتابت ۹۴۹ھ

(۱۴) تحفۃ الاحرار۔ جامی۔ بخط علی سنہ ۹۱۱ھ

(۱۵) المواہب العلیۃ حسین واعظ کاشفی المتوفی ۹۰۶ بخط علی بن محمود الکرمانی سنہ ۹۰۴ھ

(۱۶) تحفۃ الاحرار جامی - کتابت ۹۸۹

(۱۷) ہفت اورنگ جامی - کتابت تورک باقر سنہ ۹۷۸

(۱۸) خمسہ - نظامی المتوفی ۵۹۶ - کتابت ۹۸۳ھ مصور

(۱۹) " خسرو دہلوی " ۱۱۰۲ھ

(۲۰) دیوان حافظ المتوفی ۷۹۲ھ - بخط علاء الدین رزہ کتابت ۹۷۶ - مصور

(۲۱) دیوان گلشنی - شیخ ابراہیم بن محمد بن ابراہیم المعروف بگلشنی المتوفی ۹۴۰ھ

(۲۲) کلیل ددمنہ - مصور

(۲۳) مثنوی مہر و مشتری - احمد عصار - کتابت ۸۹۸

(۲۴) شاہنامہ فردوسی المتوفی ۴۱۶ھ بخط صفی قلی بن الفرہاد کتابت ۱۰۶۶ھ

(۲۵) " " " نامعلوم " ۹۰۵

(۲۶) " " " السمرقندی معینی " ۸۴۴

(۲۷) " " " لطف بن عیسیٰ شیرازی کتابت ۷۹۶

شاہنامہ کے یہ چاروں نسخے مصور - مطلا اور دلفریب خط میں ہیں۔

(۲۸) مانی اور بہزاد کے تصاویر کے البم بھی دیواروں کے شو کیسوں میں رکھے ہوئے ہیں - اور کئی خوبصورت اور خوش خط وصلیاں دیوار پر آویزاں ہیں، جن میں کاتبوں نے مختلف خط کے نمونے دکھلائے ہیں - بعض وصلیاں آیات کی ہیں اور بعض پر اشعار لکھے ہوئے ہیں۔

(۲۹) انتخاب شعراءِ فارس :- یہ انتخاب سلطان علی کے خط میں ہے اور سنہ کتابت ۹۰۱ھ ہے - اور یہ سلطان ابوالنصر بایزید کے لئے لکھا گیا تھا - انتخاب ان شعرا کا ہے - حافظ - امیر خسرو - خواجہ خسرو - شیخ کمال - خواجہ سلمان - جامی - ثنائی - عصمت بخاری - ناصر بخاری۔

(۳۰) منتخب کلام شاہی :- پہلے صفحہ کی لوح پر فتح علی شاہ قاچار کی سنہری مہر لگی ہے - کاتب معزالدین محمد الحسین ہے اور سن کتابت ۹۸۷ھ

صفحہ اوّل پر یہ اشعار ہیں :-

اے نقش بستہ نام خطت با سرشت ما

ایں حرف شد زروز ازل سرنوشت ما

کارم سینہ تخم وفائے تو کشتن است

خود عقل خندہ می زند از کار زشت ما

ما شرمسار ماندہ ز تقصیر ہائے خویش

لطفِ تو خود نمی نگرد خوب و زشت ما

صفحہ دوم:-

اے شیخ شہر اگر بہ خرابات بگذری

رشک آیدت بکلبۂ ہمچوں بہشت ما

بگذر بسوئے تربت شاہی کہ بشنوی

بوئے وفا ز طینت عنبر سرشت ما

بتقصیر وفا عیبم مکن کز آب چشم من

ہنوز اندر دہم تخم وفا میروید از گل ہا

گر از گردون بلائے باشدت بر عشق املا کن

کہ عشق آمد دریں مشکل مدد در حل مشکل ہا

اسی کمرہ کے بغل میں ایک چھوٹا سا کمرہ ہے جس کے دروازہ کا عنوان یہ ہے:- "کمرہ الاوراق البردیہ" اس میں PAPYRUS پر لکھے ہوئے قدیم ترین خط اور مکاتیب شیشوں کے شو کیسوں میں رکھے ہوئے ہیں۔ بعض خط ثابت ہیں بعض بالکل بوسیدہ ہو چکے ہیں۔ روشنائی پھیکی پڑ چکی ہے۔ ان خطوط کے سنین یہ ہیں:- ۱۴۲ھ ۱۶۸ھ - ۱۸۶ھ - ۲۳۶ھ - ۲۴۱ھ ۲۶۴ھ - ۲۸۵ھ - ۲۷۲ھ - ۲۹۹ھ - ۳۴۷ھ . ۳۴۸ھ - ۴۵۰ھ - ۴۵۹ھ - ھ

ایک کتاب یہاں اور بھی نظر آئی:-

الجامع الحدیث تالیف ابی محمد عبد اللہ بن وہب الفہری القریشی اس مصنف کی پیدائش سال ۱۲۴-۱۲۵ھ میں ہوئی ہے۔ یہ تیسری صدی کی ابتدا میں کتابت کیا گیا ہے۔

ایک خط ولید بن عبد الملک (۸۶-۹۶ھ) کے زمانہ کا اسی کاغذ پر یونانی اور عربی زبان دو خط میں لکھا ہوا رکھا تھا۔ ایک دوسرا خط بھی ولید کا اس کے بھائی عبد اللہ بن عبد الملک کے نام ہے جو اس وقت مصر کا گورنر تھا۔ ان خطوط کے متعلق دار الکتب المصریہ نے انگریزی زبان میں تین جلدوں کی ایک کتاب شائع کی ہے اور عربی زبان میں ایک جلد کی کتاب۔

بڑے کمرے میں جہاں کلام مجید کے قدیم نمونے اور مصنفوں کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتابیں موجود ہیں وہاں چند

شوکیس ایسے بھی ہیں جو ترک سلاطین کے کلام مجید دکھلاتے ہیں اور ان میں ترکی زبان کے مخطوطے ہیں۔ میر علی شیر نوائی کے ترکی دیوان کے چند بہترین نسخے بھی انھی شوکیسوں میں کھلے ہوئے اپنے حسن اور زینت کی بہار دکھا رہے ہیں۔

اسی کمرہ کے ایک حصہ میں چند شوکیس رکھے ہوئے ہیں جن میں علامہ المرحوم تیمور پاشا کی ذاتی استعمال کی چیزیں ہیں مثلاً۔ قلمدان۔ فاؤنٹین پین۔ پیپر ویٹ۔ خوردبین۔ دوات۔ ہاتھ کی لکڑیاں۔ چائے کے پیالے۔ کھانے کی پلیٹیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ غالباً یہی قلم اور دوات ہوں گے جن کے ذریعہ اس عالم بے مثل نے عربی ادب اور تاریخ پر بیش بہا مضامین سپرد قرطاس کئے۔

علامہ تیمور پاشا کا کتب خانہ بھی دار الکتب کے سپرد کیا گیا ہے جس کی فہرست چھاپی جارہی ہے۔ اور خزانۂ تیموریہ کے نام سے چار جلدیں اب تک چھپ بھی چکی ہیں!

● ——— ہر شخص کو کسی نہ کسی چیز سے دلچسپی اور غیر معمولی شغف ہوتا ہے، کسی کو شکار کا شوق ہے، کوئی کھیلنے کودنے میں دلچسپی لیتا ہے، کوئی گانے بجانے کا رسیا ہے، کسی کی دلچسپیوں کا مرکز مصوری ہے، غرض ہر آدمی کے ساتھ کوئی نہ کوئی شوق لگا ہوا ہے۔ ہمارے مخلص اور کرم فرما دوست جناب پیر حسام الدین راشدی کے شوق ودلچسپی کی چیز (HOBBY) "کتابیں" ہیں! کراچی میں اُن کا ذاتی کتب خانہ خود اس قابل ہے کہ اس پر ایک مضمون لکھا جائے!

یورپ کے سفر میں صاحب موصوف یہاں بھی گئے، وہاں یہ شوق اُن کے ہم رکاب رہا، دوسرے لوگ کلب گھروں اور رقص خانوں کا طواف کرتے تھے اور پیر صاحب کتب خانوں علمی اداروں اور کتب فروشوں کی دوکانوں کے چکر کاٹتے تھے، اپنے اپنے ذوق، ظرف اور دلچسپی کی بات ہے، سچ کہا ہے کسی نے:-

سوزِ دل پروانہ مگس را نہ دہند

اس مضمون میں قاہرہ کے کتب خانہ کی ایک جھلک دکھائی گئی ہے اور وہاں کے تاریخی آثار کا بھی سرسری ذکر آگیا ہے، جہاں تک علم اور کتابوں کا تعلق ہے، تو اُس کے بارے میں ہمارا یہ نظریہ ہے:-

خیال و فکر کی شیشہ گری میں کچھ بھی نہیں
یقیں نہ ہو تو فقط آگہی میں کچھ بھی نہیں

اور تاریخی آثار سیر و تماشا کے لئے نہیں عبرت حاصل کرنے کے لئے ہیں:-

کم کُن زکبر و ناز کہ دید است روزگار
چینِ قبائے قیصر و طرفِ کلاہ کے

ہر تاریخی اثر اپنے دیکھنے والے سے خطاب کرکے کہتا ہے کہ یہ دُنیا گزشتنی اور گزاشتنی ہے، دوام اور ہمیشگی بس اللہ کے نام اور کام کو ہے، وہ کہ جن کے قبضہ میں خزانے، فوجیں، تخت و تاج اور بادشاہتیں تھیں، موت آئی تو ایک سانس کی مہلت انھیں نہ مل سکی، پس جس نے اس دنیائے فانی کے لئے سب کچھ کیا اور آخرت کے لئے کچھ نہ کیا وہ خسارے میں رہا اور دُنیا کے تمام ٹھاٹ باٹ، طمطراق اور عیش سامانیوں کے باوجود وہ ناکام اور نامراد ہی رہا۔

کتابوں کو پڑھ کر یقین و تقویٰ اور عجائب خانوں اور تاریخی آثار کو دیکھ کر اگر دل میں خوفِ خدا اور تصویرِ آخرت پیدا نہ ہو تو پھر یہ مطالعہ اور مشاہدہ کھیل تفریح اور سیر سپاٹے سے زیادہ وزن نہیں رکھتا ——— (م-ق)

عماد الحق صدیقی

اسلامی ادب کی فلسفیانہ بنیادیں

دُنیا کے بعض ذہین مگر خود پرست انسانوں نے جب انسانی حاکمیت پر زندگی کا نظام قایم کیا اور اسلامی نظریہ حیات "انسانی خلافت" کا خاتمہ کردیا تو تمام زندگی کا نظام شہنشاہیت پر قایم ہوگیا اس کے بعد آہستہ آہستہ زندگی کا ہر شعبہ اسلام کی گرفت سے نکلتا چلا گیا مسجد دن اور شادی بیاہ سے متعلق یا اسی قسم کے انفرادی مسائل کیلئے بادشاہوں اور فرمانرداؤں نے مذہب کے نام پر جو آزادیاں دی تھیں صرف ان پر اسلام کا لیبل باقی رہ گیا اور جو چیز عوام نے کبھی بکراہت گوارا کی تھی وہ زندگی کا عزیز ترین جزو بن کر رہ گئی اور غیر مسلم تو غیر مسلم ہیں، یہ تصور عام طور پر مسلمانوں کے ذہن تک سے نکل گیا کہ اسلام زندگی کے ہر شعبہ میں اپنا ایک مستقل بالذات نظریہ رکھتا ہے، لہذا جب ایک عرصہ کے بعد یہ آواز بلند ہوئی کہ انسانی زندگی کا مسئلہ صرف اسی صورت میں حل ہوسکتا ہے کہ انسان اپنی سیاست، معیشت اور علوم و فنون کو اسلام کے مطابق ڈھال لے تو ایک کثیر تعداد حیران ہوگئی کہ اسلام کو سیاست، معیشت، اور علوم و فنون وغیرہ سے کیا تعلق ہے انہیں تو آزاد ہونا چاہیئے - یہ بات فنون لطیفہ کے معاملہ میں بالخصوص ہی گئی جن کو حیوانیت اور انسانیت سوز محرکات کے پھیلانے کا ذریعہ بنا لیا گیا تھا ادب اور آرٹ کے متعلق جب اسلام کا نام لیا اور اسلامی ادب کی تحریک شروع ہوئی تو منزل ادب کے مسافروں کے کان کھڑے ہوئے کہ ادب کے ساتھ اسلام کا کیا واسطہ؟ ادیبوں کے ہر گروہ میں اس نام سے دہشت پیدا ہونے لگی ادب برائے ادب اور ادب برائے زندگی کے حامی بھی اس سے گھبرانے لگے اور اپنی اس گھبراہٹ میں اُنہوں نے اپنی ذہنی بلندی کے مطابق طرح طرح کی آوازیں بلند کرنا شروع کیں کسی نے کہا اسلامی ادب کا مقصد "ادب برائے خدا" ہے "ادب برائے ادب" کے حامی گروہ کو جن کے نزدیک ادب کا مقصد کیف و سرور مسرت و انبساط ہی ہے انہیں اسلامی ادب کے تصور سے شاید اس لئے خوف معلوم ہوتا ہے کہ ادب سے یہ تمام عناصر نکال دئیے جائیں گے جو اس کی جان ہیں اور مذہبی پابندیاں ــــــــ ذہن پر مسلط کی جائیں گی جس کے نتیجے میں ادب کی موت واقع ہوجائیگی اس طرح ادب برائے زندگی کے حامی گروہ غالباً اس لئے پریشان معلوم ہوتے ہیں کہ ان کے خیال میں اس کی زندگی کی صحت مند قدروں کا نقصان ہوگا - کیونکہ اسلام میں صرف چند انفرادی مسائل کی رہنمائی نظر آتی ہے اور وہ بھی صرف عبادت جیسے خشک مسئلے میں! ان تمام باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں سے اکثر حضرات غلط فہمیوں میں مبتلا ہیں ان کیلئے سب سے مناسب طریقہ یہ ہی ہے کہ وہ اسلامی ادب کی بنیادوں کو پوری طرح سمجھ لیں اور اس کے بعد اس

پر پوری طرح اظہار رائے فرمائیں۔

اسلامی ادب کو سمجھنے کے لئے سب سے بنیادی اور ضروری بات یہ ہے کہ پہلے خود ادب کو متعین کر لیا جائے کہ یہ فن کیا ہے تاکہ اس کے بعد صاف کھل کر یہ بات سامنے آ سکے کہ اسلام ادب کے معاملہ میں کیا رہنمائی دیتا ہے اور اسلامی ادب کسے کہا جا سکتا ہے؟ ادب درحقیقت فنون لطیفہ میں ایک فن شمار ہوتا ہے ان فنون کی تخلیق میں انسان کے دل کی کیفیات و واردات کو سب سے زیادہ دخل ہے انسان صرف سوچنے سمجھنے والی ایک مشین ہی نہیں بلکہ احساسات و تاثرات جیسی لطیف کیفیات کی رنگینیاں بھی اس میں موجود ہیں جو اس کے اعمال پر بہت گہرا اثر ڈالتی ہیں اگر یہ اس میں نہ ہوں تو اس کی زندگی پھیکی پھیکی اور بے کیف ہو کر رہ جائے یہی اس کی قوتوں کو تر و تازگی بخشتی ہیں اور انہیں سے اس میں زندگی کی ایک نئی حرکت محسوس ہوتی ہے یہ کیسے ممکن تھا کہ انسان ان کو اپنی ذات کے اندر ہی محدود رکھتا اور اسکو دوسروں تک پیش کرنے کی کوشش نہ کرتا اس نے ان کا اظہار مصوری[1] سنگ تراشی اور ادب جیسے ذرائع سے کیا پھر ان کے باقاعدہ فنون مدون کئے گئے اور ان فنون کو فنون لطیفہ سے تعبیر کیا گیا ادب کے فن نے زبان کو اپنا ذریعہ بنایا اور اس فن نے زبان (Language) سے خدمت لینے کے لئے اصول و ضوابط منضبط کئے تاکہ زیادہ سے زیادہ صحیح اور اپنی پوری پوری قوت کے ساتھ دلی کیفیات الفاظ کے شکل میں دوسروں تک پہونچ سکیں۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ سوال بھی اپنی جگہ نہایت اہم ہے کہ ان کیفیات و تاثرات کا سرچشمہ کیا ہے جن سے ادب عالیہ جنم لیتا ہے یہ بات تمام تر انسانی ذہن سے متعلق ہے اس پر غور و فکر سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان میں مستقل طور سے جمالیات کا ایک ذوق (Aesthetic Sense) موجود ہے جو اسے قوت تمیز عطا کرتا ہے وہ ہر شے کو دیکھ کر بتا تاہے کہ یہ خوبصورت ہے اور وہ بد صورت ہے وہ اسی ذوق کے ذریعہ پھولوں چاند ستاروں آبشاروں، سبزہ زاروں اور قدرت کے دوسرے حسین نظاروں اور شاہکاروں سے محظوظ ہوتا ہے اور یہی ذوق اسے انسانی زندگی میں حق و صداقت کا امتیاز عطا کرتا ہے اور اس سے انسان اپنے تمام تر ہیجانات و خواہشات میں نقطۂ اعتدال کو سمجھ کر زندگی سے پوری طرح لطف اندوز ہوتا ہے اس حس کو ہم بالعموم قلب سے متعلق قرار دیتے ہیں یہیں سے یہ تاثرات ابھرتے ہیں جن سے ادب کی تخلیق ہوتی ہے اس کو اس طرح بھی ہم سمجھ سکتے ہیں کہ کائنات میں جہاں بھی کوئی خوبی و کمال حسن و جمال عظمت اور بڑائی ہوتی ہے انسان کا جمالیاتی ذوق جتنا تیز ہوتا ہے اتنا ہی شدت سے وہ ان سے متاثر ہوتا ہے جہاں اس کے برعکس کوئی کمی ہوتی ہے یا کہیں اس کی ضد ہو وہاں وہ ایک خلا محسوس کرتا ہے اور اس کی کمی یا اس کی تکمیل کے لئے ایک زبردست تشنگی محسوس کرتا ہے۔ لیکن بارہا ایسا ہوتا ہے کہ نفس کا ہیجان خواہشات کا زور اس ذوق پر غالب آجاتا ہے اور یہ ہیجانات اپنے اثرات تو ضرور چھوڑتے ہیں لیکن وہ حسن و لطافت کو ختم کر دیتے

---

[1] چونکہ مضمون نگار اسلام پسند ادیب ہیں اس لئے مصوری میں وہ جاندار اشیاء کی تصاویر کو داخل نہیں کر سکتے!

ہیں جو ادب کی جان ہیں اسی طرح بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان اس دنیا کی جدو جہد و کشمکش میں شکست کھاتا ہے تو دنیا کی حسین سے حسین شے بھی تکلیف دہ بن کر رہ جاتی ہے ہر طرف اسے تاریکی ہی تاریکی نظر آتی ہے انسان کا ذہنی توازن بگڑ جاتا ہے اور صحیح ذوق دب کر رہ جاتا ہے ایسی حالت کی ترجمانی اور عکاسی کو "ادب عالیہ" میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ادب میں تاثرات و کیفیات کو ہمیشہ جانچا گیا ہے اور ان کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے وہ تمام جذبات جن کو ہمیشہ مکروہ سمجھا جاتا رہا ہے جس ادیب نے بھی ان کو اپنے اعلیٰ جذبات کی حیثیت سے پیش کیا ہے انہیں کبھی کوئی بلند جگہ حاصل نہیں ہوئی ہے اسی سبب سے کوک شاستر کے مضامین کو کبھی ادب میں کوئی اونچا مقام حاصل نہیں ہوا ہے حالانکہ وہ اپنے پڑھنے والوں میں ایک زبردست ہیجان پیدا کر سکتے ہیں اسی طرح وہ محبت جو جسم کے لمس سے تسکین پاتی ہے کسی زمانہ میں اعلیٰ ادب کا موضوع نہیں بن سکی ہے اس کے برعکس ایثار۔ قربانی، صبر، جیسے پاکیزہ جذبات والی محبت نے ادب میں ہمیشہ چار چاند لگائے ہیں اس لئے محض انبساط و کیفیت و سرور پیدا کر دینا ہی ادب کا مقصد قرار نہیں دیا جا سکتا جب تک وہ کیف حقیقی کیف نہ ہو۔ شراب، افیون، بھنگ یا اور دوسری چیزیں بھی آدمی میں نشہ پیدا کر کے ایک سرور پیدا کرتی ہیں لیکن ہر سمجھدار اچھی طرح جانتا ہے کہ یہ اثر کسی صورت میں بھی پسندیدہ و اعلیٰ نہیں ہے اسلئے جو شخص خواہشات و ہیجانات کے دباؤ سے مجبور ہو جاتا ہے وہ کائنات کے حقیقی حسن و کمال کو دیکھنے سے معذور رہتا ہے اور یہی غیر متوازن کیفیات سے مجبور ہو کر ان کے متعلق کائنات کا مطالعہ کرتا ہے پھر اسے اسفل ترین باتوں ہی میں لطف محسوس ہونے لگتا ہے جس طرح میراجی ایک جگہ پتوں پر ایک عورت کے پیشاب کرنے کی آواز سے ہی لطف حاصل کرتا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ذہن میں توازن قایم رکھنے کی پوری صلاحیت و پختگی موجود نہ ہو تو وہ بے اعتدالی سے ہرگز بچ نہیں سکتا یہی وجہ ہے کہ ایک شاعر کبھی اونچی قسم کی بات کہتا ہے تو کبھی نہایت گھٹیا اور ذلیل خیال بیان کرتا ہے اپنے ہی کلام میں جگہ جگہ متضاد باتیں بیان کرتا ہے۔ کیونکہ اس کی مراد تو کچھ نہ کچھ کہدینا اور نفس میں ایک ہلچل پیدا کر دینا ہوتی ہے خواہ وہ کسی صورت ہی میں کیوں نہ ہو۔

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو
ایک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیئے

چنانچہ اس قسم کا ادب وہی بے عمل اور زندگی کی حقیقتوں سے گھبرانے والے لوگ ہی پسند کرتے ہیں جن کے قول و عمل میں تضاد موجود ہوتا ہے جو زندگی کی پاکیزگیوں اور صداقتوں سے گریز کرنے میں جن کا ایمان و یقین زندگی کی پرفریب و باطل قدروں پر ہوتا ہے اس لئے انسان جتنا زیادہ دنیا کو حقیقت سے قریب ہو کر دیکھنے کی کوشش کرتا ہے وہ اتنا ہی صداقتوں اور یہاں کی حسن و خوبی کو اپنی تخلیقات میں پیش کر سکیگا اور اتنا ہی اس کا

ادب پسند کیا جائے گا کیونکہ وہ کسی صورت سے محدود و تنگ نہ ہو گا بلکہ ہر انسان کی اس کی اصل فطرت سے قریب ہو گا اور اس کا ہر پڑھنے والا یہ کہنے پر مجبور ہو گا۔

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

ادب میں اس کمی کو اسلام پورا کرتا ہے کیونکہ وہ زندگی کی ایسی صحیح قدریں عطا کرتا ہے جو اس کو انسانی فطرت سے ہم آہنگ کر دیتی ہیں اس لئے اسلامی ادب اسی کو کہا جا سکتا ہے جس کی اساس ان ہی صحیح اقدار پر ہو۔

اس کے بعد جو بات ابھر کر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ اسلامی ادب وہ کونسی اساسی اقدار فراہم کرتا ہے جو انسان کی جمالیاتی حس (Aesthetic sensibility) کو کند نہ ہونے دیں اور حقیقی حسن و خوبی کے ادراک سے محروم نہ کر دیں؟ اور وہ کیا بنیادیں ہیں جن سے جمالیاتی حس اپنی پوری شدت سے ابھرتی ہے اور واضح مضبوط ہو کر اپنا کام انجام دیتی ہے؟ کیونکہ جس ادب کے پاس یہ بنیادیں ہوں گی وہی عظیم ادب کہلانے کا مستحق قرار پائے گا سب سے پہلی بنیاد خدا کے وجود کی صداقت پر یقین ہے کیونکہ یہ اسی کی قدرت ہے جو اس تمام کائنات میں نظم و ضبط قایم کئے ہوئے ہے اور جس نے مادے جیسی بے حس شے کو شعور عطا کیا اور اسے ایک ہیولانی کیفیت کی ادنیٰ منزل سے اٹھا کر موجودہ صورت و شان اور حسن و رنگینی کے اعلیٰ مقام تک پہنچا دیا۔ کائنات کی ہر شے خود بخود یہ پکار پکار کر گواہی دے رہی ہے کہ یہ بات خود مادے کے قابو سے بالکل باہر تھی کہ اپنے اندر خود ہی شعور بھی پیدا کرلے یہ نشانات صاف بتاتے ہیں کہ اس پردۂ زنگاری میں کوئی ہے ضرور؟

اس لئے سب سے پہلے اسلامی ادب اس منبع حسن کو سامنے لاتا ہے جس کو نظر انداز کر دینے سے انسان اصل حقیقت کو گم کر دیتا ہے جس کے نتیجے میں اس کے تمام حسی تجربات اسے غلط نتائج پر لے جاتے ہیں حقیقت غائب ہو کر اپنے نشانات کے طور پر صرف ایک عکس یا ایک جزو ضرور چھوڑ دیتی ہے لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے ادب کی تمام تخلیقات سطحی و محدود ہو کر رہ جاتی ہیں اور جمالیاتی حس جس کی اصل زندگی یہی حقیقت ہے مردہ ہو جاتی ہے اس کا ثبوت تمام انسانوں کے قلوب پیش کرتے ہیں کوئی ایسا دل نہیں ہے جو کائنات کا نظم اور اس کا حسن دیکھتا ہو اور پکار نہ اٹھتا ہو کہ اس کائنات کے پیچھے کوئی حکیم و مدبر ضرور ہے لیکن جو شخص اپنے اس تجربے اور بے عقلی نتیجے پر پردے ڈال لیتا ہے یا اس کے وجود کو تسلیم کرنے کے بعد اس کی ذات کو اس دنیا سے بے تعلق سمجھتا ہے تو اس کے نتیجے میں اس کی ہر بات حقیقت سے دور ہو جاتی ہے کیونکہ اس کائنات میں زندگی کو سمجھنے کے لئے دو ہی صورتیں پیش آتی ہیں یا تو خود اس میں خدائی کا جذبہ ابھرے اور خود کو ہی آخری معیاری قرار دے یا یہاں کی وسعتِ حکمت کو دیکھ کر دوسرے مادی سہاروں کے آگے اپنے آپ کو جھکا دے ان دونوں نتائج سے اس کے احساسات و تاثرات کا توازن بگڑ جاتا ہے پہلی صورت میں

اسے دوسرے انسانوں، طبقوں، قوموں، گروہوں کو محکوم بنانے کا خیال پیدا ہوتا ہے کہ اس کے خواہشات اور ہیجانات پوری طرح آزاد ہو کر اس کو اپنا محکوم بنالیتے ہیں ان احساسات و تاثرات سے کسی طرح ایک عظیم ادب تخلیق کیا جاسکتا ہے اس کی مثالیں ہمیں دنیائے ادب میں بے شمار موقعوں پر ملتی ہیں وہ تمام ادب اس شمار میں آجاتا ہے جس نے کسی خاص طبقے کی حمایت کر کے انسانوں کے درمیان نفرت و عداوت پیدا کی ہے اس میں خواہ قوموں اور نسلوں کی فضیلت و برتری کے قصیدے ہوں یا طاقتوروں کو کمزوروں پر مُسلط کرنے کے لئے اُبھارنے اور دماغوں پر مُسلط کرنے والی تحریریں ہوں یا خود کمزوروں کو ظلم و ستم کی تلقین ہو اور ان کے اندر نفرت و عداوت کی تخم ریزی ہو۔ اس گروہ کے ادیبوں میں یہ بات نمایاں نظر آئے گی کہ یہ خواہشات کے غلام ہوں گے ان کے ادب میں شکم پرستی لذتیت شہوت پرستی لازمی جزو کی حیثیت سے شامل ہوگی کیونکہ یہ طبقہ اپنی محکومیت کو خواہشات کے سپرد کردیتا ہے شہوت و خواہشات کو اپنا آلہ بنالیتا ہے اور اس کی پوری زندگی اسی محور کے گرد گھومنے لگتی ہے۔

دوسری صورت میں انسان دوسری مادی طاقتوں کے سامنے خود کو کمزور و نحیف سمجھ کر اپنے آپ کو ان کے سامنے جھکا دیتا ہے اور انہیں "آلہ" بنالیتا ہے یہی وہ محرکات ہیں جن کے واسطہ سے جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کی پشت پناہی ہوتی ہے کہیں حکمرانوں کی مدح سرائی قصیدہ خوانی ہوتی ہے ایسے افراد زندگی کی کشمکش سے فرار اختیار کرتے ہیں دنیا کے مسائل سے بھاگ کر کونوں اور گوشوں میں چھپنا چاہتے ہیں اور ظالموں اور جابروں کیلئے دنیا کو کھلا چھوڑ دیتے ہیں ان کی دنیا بھی فوری و وقتی مسائل میں محدود ہو جاتی ہے اس طرح ان کا نقطۂ نگاہ تنگ و محدود ہو کر رہ جاتا ہے وہ گروہ بھی انہیں میں شامل ہوتا ہے جو خدا کو تسلیم کرتے ہوئے اس زندگی کو محض فریب اور کھیل کے طور پر سمجھتا ہے یہ گروہ بھی یہاں کے مفسدوں، ظالموں اور جابروں کا آلہ کار بن جاتا ہے ان سچائیوں کو روزمرہ کی زندگی اور انسانیت کی پوری تاریخ میں مطالعہ کیا جاسکتا ہے اس نے خدا کے علاوہ جب بھی اپنی زندگی کی اساس کسی دوسرے پہلو پر رکھی ہے انسانیت ہمیشہ طبقوں اور گروہوں میں تقسیم ہوئی ہے اگر اس نے اپنی خواہشات کو اپنا رہنما بنایا تو وہ اکثر کسی ایک خواہش پر تمام تر جھک گیا ہے اس کی ساری زندگی اسی محور کے گرد گھومنے لگی ہے۔ فرائڈ نے اس لئے ساری زندگی کی اساس جنسی جذبہ کو قرار دیا اور اس کے نزدیک تمام تر زندگی جنسیات میں سمٹ کر رہ گئی۔ تمام رجحانات جذبات اور خواہشات اسی کا نتیجہ قرار پائے اسی طرح مارکس نے بھوک کے جذبے کو زندگی کی اساس قرار دیا اور ساری زندگی کے ساتھ اس نے یہی سلوک کیا۔ اس لئے جن ادیبوں کے مشاہدے اور نگاہ کی یہ بنیادیں ہوں ان سے کیسے توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ انسانیت کے سامنے اعلیٰ تاثرات کی تخلیق پیش کرسکیں گے۔

اس کے برخلاف اسلام پسند ادب کی نگاہ کائنات کی اس اصل حقیقت پر ہوتی ہے جو منبع حُسن و کمال ہے اور جس کے امر سے ساری کائنات میں ایک ربط نظر آرہا ہے وہ اپنے آپ کو صرف اسی ذات کے

سامنے ذمہ دار سمجھتا ہے جو ہر خود غرضی سے بلند و بالا ہے اس کے یقین میں اس وقت اور قوت پیدا ہو جاتی ہے جب وہ دیکھتا ہے کہ یہاں ایک دو نہیں ہزاروں انسانوں نے پیغمبروں کی حیثیت میں اس حقیقت کی گواہی دی ہے اور انسانی زندگی کے اس امر کی اور اس قانون فطرت کی وضاحت کی جو انسانی زندگی کی وصحت کے لئے ناگزیر ہے اس صورت میں اس کا فطری ذوق۔ ہر قسم کے بیرونی و داخلی محرکات کے سبب، بگڑنے سے محفوظ ہو جاتا ہے ہیجانات وخواہشات کی بے اعتدالی۔ دنیا کے کسی گروہ یا شخصیت وغیرہ کی جانبداری۔ یا کسی اور قسم کا دباؤ اس کی جمالیاتی حس کو متاثر نہیں کر سکتا کیونکہ ادیب کی نگاہ میں ہر شے کا وہی مقام ہوتا ہے جو اس کا ہونا چاہئے یہی وجہ ہے کہ اس کا خوب و ناخوب اصل حقیقت کے مطابق رہتا ہے۔

وحدت نسل آدم کی حقیقت بھی ادب پر اپنے بنیادی اثرات رکھتی ہے اس کی رو سے انسان کی تخلیق آدم سے شروع ہوتی ہے اور وہ تمام قیاسات جو آدمی کو امیبا اور جانور کی حیثیت سے ترقی یافتہ قرار دیتے ہیں جن کے لئے کوئی یقینی ثبوت نہیں ہے رد ہو کر رہ جاتے ہیں اس کی رو سے انسانی زندگی کے مطالعہ میں ور اس سے پیدا شدہ اثرات میں بنیادی فرق واقع ہو جاتا ہے جو ادیب اسے حیوان کی ترقی یافتہ صورت قرار دیتے ہیں وہ اس کی ساری زندگی کو ان ہی مطالبات کی روشنی میں پڑھنے کی کوشش کرتے ہیں، جو ایک جانور اپنے اندر رکھتا ہے اور انہیں پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے البتہ یہ صرف اتنا فرق ضرور قرار دیتے ہیں کہ ان کے نزدیک چونکہ یہ ترقی یافتہ جانور ہے اس لئے انہیں زیادہ وسیع پیمانے پر اور زیادہ آرام دہ صورت میں پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے ان کے نزدیک ان باتوں کو وہ طبعی و اخلاقی ضابطہ کی وجہ سے نہیں کرتا اور نہ اس کے نزدیک اعلیٰ و بلند اخلاق کی کوئی خاص اہمیت ہی ہوتی ہے اس کے سارے معاملات افادیت پرستی (utilatarism) ابن الوقتی (opportunism) پر قایم ہوتے ہیں (survival of the fittest) بقائے اصلح کے نقطۂ نگاہ سے دوسرے انسانوں، طبقوں، قوموں کو غلام و محکوم بنانے کی کشمکش ہوتی ہے اور طاقت کی بنیاد پر انسان ٹکڑیوں میں بٹ جاتا ہے دشمنی و نفرت پر طبقات قایم ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کو کچل دینے اور ختم کر دینے کی کوشش جاری رہتی ہے خونریزی و تباہی میں اس سبب سے سکون حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن انسانیت کی یہ کتنی بھیانک تصویر ہے جس کو بعض ادیب انسانیت کے اصل مقام کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں اسی میں انہیں حقیقت کی روشنی نظر آتی ہے اور فخر یہ کہتے ہیں کہ وہ انسانی زندگی پیش کرتے ہیں آسمانوں سے انہیں تعلق نہیں ہے اسی بنیاد پر اپنے ادب کو ادب عالیہ شمار کرانے کی توقع کرتے ہیں لیکن جو ادب انسان کو آدم کی اولاد قرار دیتا ہے وہ اسے اس حقیقت کی روشنی میں مطالعہ کرتا ہے وہ اس کی اصل فطرت اس کے داعیات و مطالبات کو حیوان کے بجائے انسان ابن انسان کی حیثیت سے

دیکھتا ہے جو اپنے اعمال کو صرف اپنی خواہشات کے تابع نہیں کر دیتا بلکہ اپنے بلند اخلاق کے مطابق ان خواہشات کو پورا کرتا ہے اس کے خوب و ناخوب کا فیصلہ خواہشات کے ماتحت نہیں ہوتا ہے اس کے علاوہ اس بنیاد کی رو سے تمام انسان بھائی بھائی قرار پاتے ہیں انسانی ہمدردی واخوت اُبھرتی ہے انسان اس صورت میں صرف اپنی خوبیوں اور اپنے اعمال سے ہی ناپا جاتا ہے جو لوگ انسانیت کی سطح سے گرتے بھی ہیں ان سے کشمکش صرف اس بنا پر ہوتی ہے کہ دوسرے ان کے نقصانات سے محفوظ رہیں نیز وہ خود اپنی تباہ کن روش کے اثرات سے بچ جائیں اس میں ان کی ذات سے کوئی بغض و عداوت پیدا نہیں ہوتی -

جو ادیب وحدت نسل آدم کے نظریہ کی روشنی میں انسانی زندگی کا مطالعہ کرتا ہے اس کے سامنے ان تمام انسانوں کی زندگی جو حیوانیت کی بنیاد پر اُسے اُبھار رہے ہیں شدت سے متاثر کرتی ہے اور وہ اس شدت تاثر کو اس طرح سامنے لاتا ہے کہ قاری محسوس کرنے لگتا ہے کہ یہ نقشہ حقیقتاً ایک جانور کا ہے جو غلط بنیادوں نے اس کی زندگی میں پیدا کر دیا ہے ادیب اس کے پہلو بہ پہلو پڑھنے والے کو یہ محسوس کرا دیتا ہے کہ انسانیت اس سے بلند تر ہے ان تاثرات کو وہ اپنی دل کی گہرائیوں سے ہم آہنگ پاتا ہے اور ان میں ایک عظمت محسوس کرتا ہے۔

تیسری بنیادی حقیقت جو اسلامی ادیب زندگی کو سمجھانے کے لئے پیش کرتا ہے وہ یہ ہے کہ انسان کائنات کی دوسری مخلوقات کی مانند بالکل مجبور نہیں ہے بلکہ اس کو کچھ ارادہ و اختیار بھی حاصل ہے اس لئے جہاں بناؤ سنوار میں اس کو یہاں دخل ہے اسی طرح بگاڑ اور تباہی میں بھی اس کی کوششیں شامل ہوتی ہیں قدرتی مصائب و آلام اگر انسان کی اچھی کوششوں اور خوبیوں کے درمیان بظاہر حائل ہوتے بھی ہیں تو وہ حقیقتاً اس کو پختہ بنانے اور اس کے امتحان کے لئے ہوتے ہیں اگر انسان اپنے ارادے اور عمل میں مخلص ہو تو کائنات کی ہر چیز اس کا ساتھ دیتی ہے لیکن جو لوگ اس حقیقت کو نظرانداز کر دیتے ہیں وہ اپنے آپ کو مجبور و بےبس سمجھتے ہیں ان پر مایوسی و قنوطیت غالب ہو جاتی ہے اس صورت میں یہاں کی دوسری بہت سی چیزیں انسان کی زندگی کو اپنا پابند بنا لیتی ہیں کسی کے نزدیک کوئی خواہش ہے جو اُس کی ساری زندگی میں کارفرما ہے کسی کے نزدیک اصل فیصلہ کی محرکات ذرائع پیداوار ہیں یہ لوگ انسان کو واقعات زمانہ کا پابند بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حالات و واقعات زندگی کی راہیں متعین کرتے ہیں اور یہ کہ انسانی شعور و ارادہ و واقعات میں تبدیلی پیدا کرانے والا اصل محرک نہیں ہے کیونکہ وہ خود خارجی حالات سے بنتا ہے اس طرح وہ تمام لوگ جو انسانی شعور و ارادہ کو ثانوی مقام دیتے ہیں اور اس کی اہمیت کو کم کر کے دکھلاتے ہیں درحقیقت انسانیت کو پست مقام پر پہونچا دیتے ہیں اور انسان کے احساس و شعور کو بھی پست ترین بنا دیتے ہیں اس کی اپنی اصل قوت ختم ہو جاتی ہے انسان ہمیشہ دوسرے مادی چیزوں اور اپنی خواہشات ہی کا غلام بنا رہتا ہے حالانکہ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔

کہ انسان ان مادی اسباب سے متاثر ضرور ہوتا ہے لیکن اس کی اصل فطرت ان کا محکوم ہو جاتا نہیں ہے اس کی یہ حیثیت ثانوی ہے۔ اگر یہ باطل اثرات اس کے سامنے واضح ہو جائیں تو انسانی کوششیں اُسے تبدیل بھی کر سکتی ہیں۔

جن ادیبوں کی نگاہ ان حقائق پر نہیں ہوتی ہے وہ ہمیشہ انسان کے ان پہلوؤں کو اس کی اصل فطرت کی حیثیت سے گرا کر ہی پیش کرتے رہتے ہیں وہ اس کی بھوک کو اس طرح دکھاتے ہیں جیسے ایک کتا بھوکا ہوتا ہے اسے اگر پتھر بھی مارا جائے تو وہ اسے بھی ہڈی سمجھ کر سونگھنے لگتا ہے اس طرح انسان کی شہوت کو بھی جانوروں کی شہوت کی طرح بیان کرتے ہیں گویا کہ انسان کی عین طبیعت ہی یہ ہے یہی ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ اس کا اصل مقام ہے اور وہ اس سے بچ نہیں سکتا، اس کے نمونے ہمیں "ادب برائے ادب" اور "ترقی پسند ادب" دونوں میں نمایاں نظر آتے ہیں یہ ظاہر بات ہے کہ کس قسم کے لوگ ایسے ادب کو پسندیدہ نگاہ سے دیکھتے ہوں گے ایسا ادب پیش کرنے والے سوائے اس کے کہ پڑھنے والوں کے ذوق کو اتنا ہی بگاڑ دیں اور انہیں اپنی ہی سطح پر لے آئیں اس کے برخلاف اسلامی ادب خداداد اختیار ماننے کے نظریہ کی رو سے اس کی حقیقی فطرت کو اُجاگر کرتا ہے اور ان تمام عناصر کو جو اس کی فطرت کو دبانے اور کچلنے میں مصروف رہتے ہیں انہیں ان کے سامنے لے آتا ہے اسی طرح اس کا اصل شعور خوب و ناخوب کا ذوق عزم و یقین سے پوری قوت حاصل کرتا ہے یاس و قنوطیت اس سے دور بھاگتی ہے ان تاثرات کی تخلیقات کا ہر پڑھنے والا اس میں حقیقت ہی کو بدلتا ہوا محسوس کرتا ہے اس کا دل ان تاثرات میں ایک بلندی

چوتھی بنیادی حقیقت آخرت ہے یہ بھی ادب پر اپنے گہرے اثرات چھوڑتی ہے آج جب ہم دیکھتے ہیں کہ انسان اگر طبعی قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے تو فوراً اس کو اس کی سزا ملتی ہے لیکن اخلاقی معاملات میں اس کو آزادی حاصل ہے یہاں ایسے معاملات پر قدرت کی طرف سے کوئی گرفت نہیں رکھی گئی ہے اگر ایک ریاست عدل پر قائم بھی ہو جو انسان کے غلط عمل پر سزا دیتی اور اس کے مستحسن اقدام پر جزا دیتی ہو تب بھی اس کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ یہاں پوری پوری طرح جزا و سزا دے سکے مثلاً ہٹلر جیسے شخص کو گرفتار کرنے کے بعد اس کو جو زیادہ سے زیادہ سزا دی جا سکتی ہے وہ اس کی ہلاکت ہے لیکن کیا یہ اس کی واقعی سزا ہے جس نے ہزاروں نہیں لاکھوں انسانوں کو تباہ کرا دیا اس تباہی سے کس قدر تعداد متاثر ہوئی ہے ایسی صورت میں اُس کی ہلاکت اس کی قرار واقعی اور مکمل سزا نہیں ہو سکتی اسی طرح وہ شخص جس نے ہزاروں لاکھوں کی زندگی کو تباہ حالی سے بچایا ہو اس کا انعام بھی اس کائنات میں ممکن نہیں ہے عقل تقاضا کرتی ہے کہ ایک ایسی جگہ لازماً ہونی چاہئے جہاں انسان کے اعمال پر پوری جزا و سزا ہو یہ عین فطرتِ انسانی کا مطالبہ و تقاضا ہے کہ اچھے اور بُرے کردار پر جزا و سزا کا ایک عالم طاری ہو، یہی وجہ ہے کہ تقریباً ہر دور میں ادیبوں اور مفکروں نے ایک ایسے آنے والے وقت کی طرف بے شمار اشارات کئے ہیں جب انسان کو پورا عدل و انصاف حاصل ہوگا بلکہ ادب میں تو باقاعدہ اسے مستقل پسندی کا نام دیا گیا ہے اور تو اور مارکس ایچ۔ جی۔ ویلز، دوسرے بہت سے فلسفی ایک مثالی وقت کی نشاندہی کرتے رہے ہیں۔

لیکن یہ خواہش ادیبوں کی زیادہ سے زیادہ بس ایک خواہش رہی ہے اور اب اس زمانہ کے فلسفی قسم کے ادیبوں نے چونکہ گزشتہ دور کے لوگوں کو تقریباً اس میں سے نظر انداز کر دیا اور جزا و سزا کے تصور کو بھی اس میں نہیں اُبھارا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ حقیقت صرف ایک خواہش ہی کی منزل میں رہ گئی اس نے انسانی عمل پر کوئی اثر نہ ڈالا لیکن اسلامی ادب جس حیثیت سے زندگی میں اس قدر کو اجاگر کرتا ہے اس سے انسانی زندگی پر بہت گہرے اثرات پیدا ہوتے ہیں اس کا یقین و ایمان احساسات میں ایک زبردست انقلاب پیدا کر دیتا ہے انسان کو ظلم و ناانصافی سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے اس میں احساس ذمہ داری اُبھرنے لگتا ہے زندگی میں جب یہ قدر اُجاگر کی جاتی ہے تو خوب و ناخوب کا احساس زیادہ واضح

قلب و نگاہ کو کائنات کی ان حقیقتوں سے روشناس و ہم آہنگ کر دینے کے بعد اسلامی ادب انسان کو جدوجہد کا ایک پیغام دیتا ہے اور فرار کی ہر راہ کو اس پر بند کر دیتا ہے وہ یہاں کی زندگی کو پاکیزہ بارونق اور خوش حال بنانے کے لئے اکساتا ہے اور یہ ہے خلافت فی الارض کا وہ مقام جس کا احساس اسلام پسند ادیب اپنے قلم کے ذریعہ اپنی تخلیقات میں سمو کر ہر انسان کے سینے میں پیدا کر دیتا ہے پھر ایک ایسی ریاست کو وجود میں لانے کے لئے انسان کو آمادہ کرتا ہے جہاں کوئی انسان کسی انسان کا غلام نہ ہو اور ہر شخص پوری آزادی کے ساتھ اپنی ہر صلاحیت کو نشوو ارتقا دے سکے جہاں کوئی شخص دوسرے شخص کی آزادی پر حملہ آور نہ ہو سکے اور اس کے آگے بڑھنے کو نہ روک سکے اس ریاست کے وجود کا مقصد انسانی حقوق کے اس چارٹر کی حفاظت ہوتی ہے جس کو انبیاء نے کائنات کے اس خالق کی جانب سے پیش کیا جو انسان کی ہر ضرورت سے واقف ہے اور وہ ہی چارٹر قرآن کی صورت میں موجود ہے۔

اس یقین و ایمان کے بعد ذہن میں رچ جانے کے بعد جب کوئی ادیب زندگی پر نگاہ ڈالتا ہے اس کی تخلیقات اتنی بلند پایہ ہوتی ہیں کہ کوئی انسانی ذہن ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا ایسی ادبی تخلیقات ادیب کے تاثرات کے ساتھ ساتھ اپنے اظہار کے لئے خود مختلف ذرائع اختیار کرتی ہیں کیونکہ زندگی اس صورت میں کسی خاص پہلو پر سمٹ کر نہیں رہ جاتی بلکہ وسیع سے وسیع تر ہو جاتی ہے اس لئے الفاظ و تراکیب میں بھی وسعت پیدا ہونے لگتی ہے ان تخلیقات میں سطحیت کے بجائے گہرائی ہوتی ہے، اسی حقیقت کا ثبوت تمام آسمانی کتابیں پیش کرتی ہیں، لیکن جن میں سے محفوظ ترین کتاب قرآن مجید ہے اسلئے وہی مثالی شاہکار قرار دیا جاسکتا ہے۔

مندرجہ بالا دلائل کی روشنی میں پورے یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ تجربے اور مشاہدے کے لئے یہ وہ مضبوط بنیادیں ہیں جن پر ادیب کا جمالیاتی ذوق پوری قوت کے ساتھ اور صحیح سمت میں پروان چڑھ سکتا ہے ویسے آج تک انھی ادیبوں کی تخلیقات کو غیر فانی ادب میں شمار کیا ہے جو جمالیاتی حس کے فطری پہلو سے زیادہ سے زیادہ قریب رہے ہیں بعض افراد کا مذاق بگڑ سکتا ہے لیکن پوری کی پوری انسانیت ہمیشہ خرابی پسند نہیں ہو سکتی وہ اگر پوری کی پوری اپنے جمالیاتی حس کے معیار پر کامل نہیں اترتی تو کم سے کم وہ اس کے قریب قریب ضرور رہتی ہے۔

جو "ادب" آج کل رائج ہے وہ بہت سطحی اور گھٹیا درجہ کا ہے کیونکہ کائنات کا مشاہدہ صحیح بنیادوں پر نہیں ہو رہا ہے، اور غلط مشاہدے کی ترجمانی اور عکاسی ہی دورِ حاضر کے لٹریچر میں نظر آتی ہے، ذہن حقیقتوں سے فرار کے عادی ہو گئے ہیں اس لئے جب کوئی حقیقت اُن کے سامنے آتی ہے یا لائی جاتی ہے تو وہ "نامانوس" سی معلوم ہوتی ہے ـــــ یہی صورت "اسلامی ادب" کے ساتھ پیش آرہی ہے، مگر بہت دن تک یہ حالت نہ رہ سکے گی، مشاہدہ واحساس کی صحیح ترجمانی کی قدر و قیمت جیسے جیسے آشکارا ہوتی جائے گی، "اسلامی ادب" کو فروغ حاصل ہوتا جائے گا، مانا کہ دنیا بہت کچھ بگڑ چکی ہے مگر بناؤ اور سنوار کی کوششوں سے غافل اور مایوس نہ ہونا چاہیئے، جب تخریب اپنا کام کر سکتی ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ "تعمیر" اپنے فریضہ کو انجام نہ دے۔

اسلامی ادب یہ کہتا ہوا رزمگاہِ حیات میں آتا ہے :-

اگرچہ بُت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکمِ اذاں لا الٰہ الّا اللہ

عبدالمجید حیرت

واردات!

ہر مخالف سے بڑھی ہمتِ دل　　ہر عدو قوتِ بازو نکلا
اے غمِ ہجر میں رونے والو　　کام کا بھی کوئی آنسو نکلا
خاک، اور اس میں کرامت ایسی　　پھول دیتا ہوا خوشبو نکلا
وہ تو کیا جبر کسی پر کرتے　　دل ہی کم بخت جفا جو نکلا
اے دلِ زار بتا کیا ہوگا　　قیدِ اُلفت سے اگر تو نکلا؟
وضعداری یہ ہماری ہی تھی　　فرق جس میں نہ سرِ مو نکلا

اُن کی تقریر کا حاصل حیرتؔ
صرف الفاظ کا جادو نکلا

قابل اجمیری

جذبات

عام فیضانِ غم نہیں ہوتا　　ہر نفس محترم نہیں ہوتا
یا محبت میں غم نہیں ہوتا　　یا مرا شوق کم نہیں ہوتا
عشق کی بیکسی کو حسرت ہے　　کیا ستم ہے ستم نہیں ہوتا
یاد کرتے ہی یاد آتے ہو　　یہ تعلق بھی کم نہیں ہوتا
نامرادی نے کر دیا خوددار　　اب سرِ شوق خم نہیں ہوتا
زندگی اب گزر تو جاتی ہے　　اور اگر ان کا غم نہیں ہوتا
وقت کرتا ہے پرورش برسوں　　حادثہ ایک دم نہیں ہوتا
شوق ہی بدگمان ہوتا ہے　　اس طرف سے ستم نہیں ہوتا

اب مرا ذوقِ بندگی قابلؔ
صرفِ دیر و حرم نہیں ہوتا

درد سعیدی

نغمہ و ساز

کون آتش نفس ہے نغمہ طراز؟ — بجلیاں کوندتی ہیں ساز بہ ساز
دل نے چھیڑا تھا موت کا بھی ساز — یہ بھی لَے بن گئی تری آواز!
جب اُلٹ دی بساطِ نغمہ و ساز — دے رہا ہے مجھے کوئی آواز
دل کی تسکین کیا بنے غمِ دل — روح نا آشنائے سوز و گداز
ہے وہی نغمۂ حیات، مگر — کتنی بدلی ہوئی ہے یہ آواز
برقِ نغمہ نہ دل پہ ٹوٹ پڑے — دل نہ پہچان لے تری آواز
ایک محسوسِ جاں صدا کے لئے — مدّتوں سے ہوں گوش بر آواز
دامِ صیّاد سے رہا ہو کر — ہیں اسیرِ حوادثِ پرواز
ہو گئے ساز بے صدا لیکن — گونجتی ہے دلوں میں اک آواز

نغمۂ روح تھی جو دردؔ کبھی
بن گئی آج دُور کی آواز

رُباعی

جھکتی ہے فقط پیشِ خدا اپنی جبیں — ٹھوکر میں ہے بتخانۂ افلاک و زمیں
آزادیٔ اسلام سے آگے اے دردؔ — آزادیٔ انساں کا تصوّر ہی نہیں

ماہر القادری

کیا کروں؟

تیرے بغیر کنجِ گلستاں کو کیا کروں
اس اہتمامِ فصلِ بہاراں کو کیا کروں

نسرین و نسترن سے نظر مطمئن نہیں
لالہ کے اس چراغِ فروزاں کو کیا کروں

گلہائے رنگ رنگ نگاہوں پہ بار ہیں
میں یاسمین و سنبل و ریحاں کو کیا کروں

تیرے بغیر عشرتِ نظارگی کہاں!
برگِ سمن پہ شبنمِ لرزاں کو کیا کروں

طوفانِ رنگ و بو میں بھی دل ہے اداس اداس
رقصِ بہار و ابرِ خراماں کو کیا کروں

بجلی کی تاک جھانک مجھے ناگوار ہے
کالی گھٹا کی زلفِ پریشاں کو کیا کروں

جب تو نہیں تو لطف و مسرت کا ذکر کیا
میں عیش و انبساط کے ساماں کو کیا کروں

میرے جنوں کی کون اڑائے گا اب ہنسی
اے دوست! اپنے چاکِ گریباں کو کیا کروں

تیرے عتابِ خاص کا مارا ہوا ہوں میں
اوروں کے التفاتِ فراواں کو کیا کروں

غزل

دم خم بڑھے ہوئے ہیں غمِ روزگار کے
لا نا دہ میرے شیشہ و ساغر اُتار کے

صبر آزما تھے لمحے شبِ انتظار کے
پھر بھی الٹ دیئے ہیں ورق روزگار کے

کچھ اور ہی تھے اب کے تقاضے بہار کے
ہم رہ گئے ہیں پھر بھی طبیعت کو مار کے

جھونکے کچھ آ گئے تھے نسیمِ بہار کے
چلتے بنے دبی ہوئی چوٹیں ابھار کے

اُن غمزدوں کی بیکسیٔ غم نہ پوچھئے
جو انتظار ہی میں رہے غمگسار کے

اے دوست! تیری وعدہ خلافی کی خیر ہو
اب ڈگمگا رہے ہیں قدم اعتبار کے

ماہرالقادری

آخر فنا

مگر ــــــــ؟؟

مس گرین ایک خوبصورت اور خوش اندام لڑکی تھی، ہنس مکھ اور تھوڑی سی آشفتہ مزاج بھی! بہت سے لڑکوں سے اُس کا دوستانہ رہا، مگر جانسن سے جو یارانہ بڑھا اور دلچسپی پیدا ہوئی تو وہ عشق و عاشقی تک ۔ پہونچ گئی، دونوں ایک دوسرے کو چاہتے تھے، پسند کرتے تھے، غیر معمولی دلچسپی رکھتے تھے! محبت کی پینگیں بڑھتی جارہی تھیں ــــــ شب ماہ تھی، چودھویں رات کا چاند، دریا، کشتی رانی وہ دونوں بجرے کو کھے رہے تھے، شراب کا نشہ بھی تھا، کشتی ساحل سے بہت دور نکل گئی، ہوا تیز ہونے لگی، پتواریں چلانے والے ہاتھوں کی سکت جواب دے رہی تھی، پانی کی ایک زوردار لہر آئی اور کشتی اُلٹ گئی، دریا اس جگہ ہاتھوں نہیں بلیوں گہرا تھا، تھوڑی دیر بعد اُن کی لاشیں دریا کی سطح پر تیر رہی تھیں!

کریم سیٹھ کئی کمپنیوں کا ڈائرکٹر تھا، اُس کی ساکھ کاروباری دنیا میں ایسی تھی کہ پیسہ کوڑی دیئے بغیر لاکھ دو لاکھ کا سودا زبانی چکا لیتا، آدمی حوصلہ اور ہمت کا بھی تھا، اور اُس کا یہ حوصلہ سب سے زیادہ گھوڑ دوڑ کے میدان میں اپنے کرشمے دکھاتا، ایک ایک دن میں پچاس پچاس ہزار کے داؤں لگاتا، کبھی جیت گیا، کبھی ہار گیا، بہت دن تک یہی لوٹ پلٹ اور اُلٹ پھیر ہوتی رہی ــــ پھر وہ ایک مہینہ میں بیس لاکھ ہار گیا، اس میں پانچ لاکھ روپیہ امانت کا تھا! گھبرا گیا، بدحواس ہوگیا، اور اسی عالم میں اُس نے زہر کھالیا، چند منٹ میں تشنجی کیفیت پیدا ہوئی، چہرہ کانچ کی مانند ایک دم نیلا ہوگیا، یہاں تک کہ وہ مرگیا!

شریف سینما دیکھ رہا تھا، سینما ہاؤس میں تماشائیوں کی اس قدر کثرت تھی کہ ایک کرسی بھی خالی نہ تھی، نیچے کی صف میں بہت سے لوگ کھڑے ہوئے تھے انٹرول ہونے سے کچھ دیر پہلے زنانہ درجہ کی چھت کے تختے ٹوٹ گئے، شریف چھت کے نیچے بیٹھا تھا، ایک تختہ اُس کے سر میں آکر لگا اور بیہوش ہوکر گر پڑا، سر سے بے تحاشہ خون نکلنے لگا، موٹر کار میں ڈال کر اُسے ہسپتال پہونچا دیا گیا مگر خون جسم سے اس قدر نکل چکا تھا کہ کوئی دوا دارو اور مرہم پٹی کام نہ کرسکی، ڈاکٹر کی انگلیاں اس کی نبض پر تھیں اور اُس کی رُوح پرواز کر رہی تھی ــــ!

سیمو ئیل ہٹا کٹا جوان آدمی تھا، عمر پچیس سال کے لگ بھگ تھی طاقتور اتنا کہ زمین پر پاؤں مار دے تو پانی نکل آئے، دوپہر

کا کھانا کھا کر وہ اپنے بیڈ روم میں لیٹا ہوا ریڈیو سن رہا تھا کہ اتنے میں گردے میں شدید درد اٹھا اور چوبیس گھنٹے کے اندر اندر دُنیا سے چل بسا!

ساجد نے شہر کے سب سے زیادہ پُر فضا مقام پر بنگلہ تیار کرایا تھا، بنگلہ کا ہے کو تھا ایک خوشنما کھلونا تھا، ساجد کے پاس ایک چھوڑ دو دو موٹریں تھیں، نوکر چاکر تھے، عیش و آرام اور عزت و شہرت تھی، مگر وہ مطمئن نہ تھا، ایک بنگلہ بنا تو دوسری کوٹھی کے لئے پلان تیار ہونے لگا —— بیٹے کو حکومت میں کوئی ممتاز عہدہ مل جائے، تین لاکھ بینک بیلنس میں دو لاکھ کا اور اضافہ ہو جائے، بنگلہ کے ڈرائنگ روم کا قالین ایران سے بن کر آنا چاہیئے، یورپ کی فلاں سگریٹ کمپنی کی سول ایجنسی مل جائے —— یہ کرلوں، وہ کرلوں —— حالانکہ

؎ کارِ دنیا کسے تمام نہ کرد!

ایک دن دوپہر کو کھانے کے بعد دہی کی لسّی پی اور گکڑی کھائی۔ سو کر اُٹھا تو طبیعت بھاری تھی، سر میں درد اور نزلہ کا آغاز! —— تیسرے دن بخار آگیا، تین تین چار چار ڈاکٹر اُس کے آس پاس کھڑے رہتے، علاج میں پیسہ کنکری کی طرح اُٹھایا —— مگر ہر تدبیر اُلٹی آکر پڑی، یہاں تک کہ سرسام کی حالت میں مسہری پر تین چار بار زور سے ایڑیاں رگڑیں اور دم توڑ دیا!

قاضی جی ایک مقدمہ میں گواہی دینے کے لئے سٹی کورٹ جا رہے تھے، سر پر چوگوشیہ ٹوپی، ململ کا انگرکھا، ڈھیلا پاجامہ سچے کام کی جوتیاں، ہاتھ میں خوبصورت سی چھڑی! آنکھوں میں سُرمہ، ہونٹوں پر پان کا لاکھا! شہر میں بڑے بڑے بانکے اور سجیلے جوان تھے، مگر قاضی جی کی سج دھج سب سے نرالی تھی!

قاضی جی نماز روزے کے پابند تھے، زمرد کی تسبیح تو ہر وقت ہاتھ میں رہتی تھی —— لیکن ذرا رنگین مزاج اور طبیعت کے شوقین بھی واقع ہوئے تھے، ایک طوائف سے آشنائی تھی، چوری چھپے آنا جانا رہتا تھا، آج کی اسکیم یہ تھی کہ کچہری میں گواہی دینے کے بعد شہر سے باہر ڈاک بنگلہ میں پک نک کیلئے جائیں گے اور طوائف وہاں موجود رہے گی —— مگر تقدیر اُن کی اس تدبیر پر ہنس رہی تھی —— ہوا یہ کہ ریل کے پُل پر جا کر بگھی کا گھوڑا الف ہو گیا، اور بگھی اُلٹ گئی، قاضی جی کا سر پہیے میں پھنس گیا اور دماغ پر اتنی چوٹ آئی کہ وہیں دم دے دیا ——

ایک صاحب غسل خانہ میں نہا رہے ہیں، ملازم نے دُھلے ہوئے کپڑے سلیقہ کے ساتھ نکال کر رکھ دیئے ہیں، میز پر قیمتی تیل کی شیشیاں اور عطر دان رکھا ہوا ہے، باورچی کافی بنا رہا ہے، حکم دیا جا چکا ہے کہ نہانے کے بعد گرم کافی پی جائے گی،

بلور کی فنجانوں کو عرقِ گلاب سے دھویا جارہا ہے، اتنے میں غسل خانہ سے کراہنے کی ایک آواز آئی، ملازم دوڑ کر پہونچے، صاحب کا نہاتے میں پیر پھسل گیا، دھڑام سے زمین پر گرے اور پتھر کی ایک نوک دماغ میں گھس گئی ——— مغفرت کیلئے دعا کیجئے!

چوبے جی اپنے ضلع کے سب سے بڑے رئیس تھے، گاؤں گراؤں، حویلی، ہالی موالی، دھن دولت، عزت! کیا چیز تھی جو ان کو میسر نہ تھی اکلوتی بیٹی کی شادی اس شان اور اہتمام سے کی کہ سارے علاقہ میں دھوم مچ گئی، نوکروں اور کمینوں تک کو چاندی سونے کے کڑے انعام میں دیئے! جوتشیوں نے چوبے جی کی عُمر سو سال کے لگ بھگ بتائی تھی ———

چوبے جی کو حاکموں اور افسروں سے ملنے جلنے کا بڑا شوق تھا، اسی شوق، خدمت اور جی حضوری کی بدولت وہ پہلے تو "رائے بہادر" ہوئے اور پھر "سی، آئی، ای" (C. I. E) ہوگئے ——— لاٹ صاحب کا اُس ضلع میں دورہ ہوا تو اُنھوں نے چوبے جی کے یہاں چائے پینا منظور کرلیا، یہ بہت بڑا اعزاز تھا، چوبے جی خوشی اور غرور کے مارے زمین پر پاؤں نہ رکھتے تھے،

لاٹ صاحب کی دعوت سے دو دن پہلے کھانے کے بعد خربوزہ کھایا اور ہیضہ ہوگیا، بہت کچھ علاج معالجہ ہوا، مگر قسمت کے لکھے کو کون مٹا سکتا ہے، چوبیس گھنٹے کے اندر اندر دنیا سے چل بسے!

شیخ نور الٰہی کا ایک ہی لڑکا تھا، نیک بخت، خوبصورت، فرض شناس، اور پاکباز بھی ——— لکھنے پڑھنے کا اتنا شوقین کہ چوبیس گھنٹوں میں بس سونے کے چند گھنٹے کتاب ہاتھ سے چھوٹتی ہو تو چھوٹتی ہو، ورنہ جب دیکھو کتابیں ہیں، قلم دوات ہے اور وہ ہے! میٹرک کیا، گریجویٹ ہوا، ولایت گیا اور وہاں سے کامیاب واپس بھی آگیا۔

شیخ صاحب نے بیٹے کی ولایت سے کامیاب واپسی پر ایک شاندار ڈنر دیا، شہر کے تمام عمائد جمع تھے، کیا سلیقہ اور اہتمام تھا، بیٹا دوستوں سے باتیں کرتے ہوئے کھانا کھاتا جاتا تھا، وہی اس بارات کا دولھا تھا، پلاؤ کے دو چمچے کھائے ہوں گے کہ کلیجہ پکڑ کر بیٹھ گیا، ڈاکٹر بلائے گئے، پھر ہسپتال جانا پڑا، ایکس رے ہوا، جس میں پتہ چلا کہ شیشہ کا ایک ٹکڑا جس کی نوک کافی تیز اور لمبی تھی پلاؤ کے ساتھ حلق میں چلا گیا ——— بہت کچھ تدبیریں کی گئیں دنیا جہان کے علاج ہوئے مگر شیشہ کے ٹکڑے کی نوک دل و جگر کو چھید چکی تھی، یہاں تک کہ بیٹے کی جواں مرگی کا صدمہ باپ کو دیکھنا پڑا، گھر والے کیا در و دیوار تک رو رہے تھے، کڑیل جوان کی موت پر!

وہ ایک دفتر میں ملازم تھا، ڈپارٹمنٹ کے ایک استفسار کے جواب میں اس نے لکھا:۔

"میں نے اس جماعت میں شرکت خوب سوچ سمجھ کر اور اچھی طرح جانچ کر اور پرکھ کر کی ہے، یہ میرے ضمیر، ایمان اور آخرت کا معاملہ ہے چاہے میری دنیا بگڑ جائے مگر اپنی آخرت کی بربادی میں گوارا نہیں کر سکتا، رزق کی کنجیوں کا مالک میں اللہ تعالےٰ کے سوا اور کسی کو نہیں سمجھتا، مجھے ملازمت سے علیحدگی منظور ہے لیکن اس جماعتِ حق کو نہیں چھوڑ سکتا، اللہ تعالےٰ مجھے اس آزمائش میں ثابت قدم رکھے ——"

اور اُسے ملازمت سے علیحدہ ہو جانا پڑا، وہ سرکاری دفتر میں پونے تین سو روپیہ کا ملازم تھا، ایک کمپنی میں بڑی دوڑ دھوپ کے بعد ڈیڑھ سو کی نوکری ملی مگر اُسے بھی ترک کرنا پڑا کیونکہ بعد میں چل کر معلوم ہوا کہ وہ کمپنی شراب کی درآمد کا کام بھی کرتی ہے —— پھر اُس نے تھوڑے سے سرمایہ سے اسٹیشنری کی چھوٹی سی دکان لگالی، اُس نے اپنے مصارف کو بہت کچھ کم کر دیا، جس گھر میں دونوں وقت قورمہ قلیہ پکتا تھا، وہاں دال اور چٹنی کھا کر زندگی گزرتی تھی، مگر کیا مجال ہے جو گھر کے کسی آدمی کے لب پر ایک حرفِ شکوہ و شکایت کا آجائے!

حق شناسی اور حق پرستی کا جذبہ ہر مصیبت کے بعد اور تیز ہوتا گیا، خشیتِ الٰہی سے اُس کا دل لبریز تھا اس لئے وہ کسی طاقت سے ڈرتا نہ تھا، دنیا کے بڑے بڑے با اختیار مستبد حاکم اور بڑے لوگ اُسے چھوٹے اور بے اختیار نظر آتے تھے! خدا کے خوف نے ہر خوف کو اس کے دل سے نکال دیا تھا۔

حق پرستی اور حق گوئی کو جھوٹا اقتدار کہاں برداشت کر سکتا ہے، چنانچہ اسے جیل خانہ بھیجدیا گیا، بڑی بڑی مشقتیں اُس سے لی گئیں، لیکن اُس کا عالم یہ تھا:-

؎ آسیا گرداں و لب قرآں سرا

ان مشقتوں اور سختیوں کی بدولت منہ سے خون آنے لگا، کمزوری بڑھتی ہی چلی گئی یہاں تک کہ ایک دن صبح کی نماز کے لئے وہ جب اُٹھا تو بدن کانپ رہا تھا، اور ہاتھ پاؤں کی سکت جواب دے رہی تھی، اُس نے بیٹھ کر نماز پڑھی اور سر سجدے میں تھا کہ روح جسم سے پرواز کر گئی!

"اس دُنیا میں موت ہر جان کے ساتھ لگی ہوئی ہے اس سے مفر نہیں —— مگر یہ وہ "موت" ہے جس پر رشک کیا جا سکتا ہے —— خدا کی راہ میں جان دینے والے مجاہد تجھ پر سلام! ——"

یہ تھا ایک اخبار کے تبصرے کا اقتباس!

؎ خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

روحِ انتخاب

نوجوانانِ عزیز! تم اپنے اُن پیش رووں سے کمزور نہیں ہو جن کے ہاتھوں اللہ تعالےٰ نے راہِ حق کو واضح کرنے کا کام لیا، پس تم کمزوری اور ضعف نہ دکھاؤ، پریشان نہ ہو، گھبراؤ مت! اور ہر دم اللہ تعالےٰ کے اس فرمان کو پیشِ نظر رکھو:-

الذین قال لھم الناس ان الناس قد جمعوا لکم فاخشوھم فزادھم ایمانا وقالوا حسبنا اللہ ونعم الوکیل - یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان سے کہنے والوں نے کہا کہ لوگوں نے تمہارے خلاف بڑا سامان اکٹھا کیا ہے ان سے ڈرو، لیکن اس نے ان کا جوش (ایمان) اور بڑھادیا اور یہ لوگ بولے کہ ہمارے لئے اللہ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے!

ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنے نفسوں کی تربیت اس نہج پر کریں کہ صحیح معنوں میں مسلمان کہلا سکیں! ہمیں اپنے گھروں کا نظام تربیت اس طرح درست کرنا چاہیئے کہ وہ مسلم گھرانا کہلا سکے، اور ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنے معاشرے اور اپنی اجتماعی معاملات کی اس نہج پر اصلاح اور تربیت کریں کہ وہ حقیقی مسلم معاشرہ کہلا سکے! اور ہم بھی اسی مسلم جماعت وگروہ کا ایک فرد ہوں گے!

اور پھر ہم انشاءاللہ ثابت قدمی کے ساتھ اپنی منزلِ مقصود کی جانب بڑھیں گے، اور سود و بہبود کے ان مقاصد کی طرف پیش قدمی کریں گے جو اللہ تعالےٰ نے ہمارے لئے مقرر فرما دیئے ہیں! نہ کہ ان مقاصد کی طرف جن کو ہماری خواہشات نے تراش لیا ہے!

اور اللہ کی امداد، اور اس کے بھروسے پر ہم یقیناً اپنی منزل تک پہونچیں گے!

.... الا ان یتم نورہ ولو کرہ الکافرون- اللہ تعالےٰ اپنے نور کو حد کمال تک پہونچائے بغیر نہیں رہے گا اگرچہ کافروں کو یہ ناگوار ہی کیوں نہ ہو!

اس منزلِ مقصود تک پہونچنے کے لئے ہمارے پاس وہ ایمان ہے جو غیر متزلزل ہے! پیہم جدو جہد، اور مسلسل عمل ہے، اور اللہ پر ایسا بھروسہ ہے جو کمزور نہیں ہو سکتا، اور ایسی پاکباز روحیں ہیں جو اللہ کی راہ میں سر دیکر اس سے ملنے والے دن کو اپنی زندگی کا بہترین دن سمجھتی ہیں،

پس کوئی بھی معاملہ ہو ــــــ داخلی سیاست ہو یا خارجی، ہر موقع پر یہی جذبات، یہی احساسات کار فرما ہونے چاہئیں کیونکہ ہم ان جذبات کی آبیاری، چشمۂ اسلام سے کرتے ہیں، اور ہمیں اسلام میں دین و سیاست کی یہ تفریق کہیں نہیں ملتی، نہ [illegible] اسلام کی یہ تعلیم ہے، اور نہ وہ سچے اور پکے مسلمان جو اسلام کی رُوح اور اس کی تعلیمات سے واقف ہیں، اس تفریق کو درست سمجھتے ہیں

پس وہ حضرات جو ہم کو حق کی اس سیدھی اور صاف راہ سے منحرف کرنا چاہتے ہیں ہم پر کرم فرمائیں، اور ہمارا دامن چھوڑدیں، ہماری راہ میں رُکاوٹ نہ بنیں، ان کے متعلق ہمارا دو ٹوک فیصلہ ہے کہ وہ یا اسلام کے دشمن ہیں، یا اسلام سے جاہل اور ناواقف ہیں،

ان دو باتوں کے علاوہ کوئی اور بات ہو ــــــ! اس کو ہم ماننے کے لئے تیار نہیں!

(حسن البنا شہیدؒ)

(مترجمہ:- خلیل الرحمٰن نعمانی)

ہماری نظر میں

قادیانی قول وفعل

"قادیانی قول وفعل" مولفہ:- سلاح الدین محمد الیاس برنی ایم - اے، ایل، ایل، بی (علیگ)
ضخامت ۹۲ صفحات قیمت صرف بارہ آنے، ملنے کا پتہ:- کمال احمد فاروقی بیت السلام —
حیدرآباد دکن (پاکستان میں غالباً تاج کمپنی بلدر روڈ کراچی سے بھی یہ کتاب مل سکتی ہے)

فتنہ قادیانیت کے رد میں پروفیسر محمد الیاس برنی کے خامۂ حقیقت رقم نے جو گراں بہا خدمات انجام دی ہیں اُن کی جتنی بھی تعریف کی جائے تھوڑی ہے، جناب الیاس برنی اپنی طرف سے بہت ہی کم لکھتے ہیں، بلکہ خود قادیانیوں کی کتابوں کے حوالے اور اقتباسات درج کرتے چلے جاتے ہیں۔ بحث وتنقید کا یہ وہ محکم انداز ہے جسے ہزاروں جھوٹوں اور لپاڑیوں کی سخن سازیاں بھی ہلا نہیں سکتیں —— کسے خبر تھی کہ یہ بازاری ضرب المثل "جس کی جوتی اُسی کے سر" فتنہ قادیانیت اور الیاس برنی کی تالیفات پر ٹھیک آکر اُترے گی!

"قادیانی قول وفعل" بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، مرزائے قادیان اور اس نابکار اُمت کے علماء کے خرافات پڑھ کر طبیعت کس قدر تکلیف اور گھٹن محسوس کرتی ہے —— ان واہی تباہی باتوں کے چند نمونے ملاحظہ کیجئے:-

—— "اے عزیزو! تم نے وہ وقت پایا ہے جس کی بشارت تمام نبیوں نے دی ہے اور اس شخص (یعنی مرزا غلام احمد) کو تم نے دیکھ لیا، جس کے دیکھنے کے لئے بہت سے پیغمبروں نے بھی خواہش کی تھی" . .

(اربعین ۴ صفحہ ۱۴، مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

—— "کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے خواہ انھوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہیں سُنا وہ کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہیں" . . (آئینہ صداقت صفحہ ۳۵ مصنفہ میاں محمود احمد خلیفہ قادیان)

سب سے زیادہ مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ غلام احمد حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ختم نبوت کے توڑ پر اپنی نبوت کو پیش کرتا ہے مگر اپنی خود ساختہ نبوت کے بارے میں یہ رائے رکھتا ہے:-

"ہلاک ہوگئے وہ جنھوں نے ایک برگزیدہ رسول کو قبول نہ کیا، مبارک وہ جس نے مجھ کو پہچانا، میں خدا کی سب راہوں میں سے آخری راہ ہوں، اور اس کے سب نوروں میں سے آخری نور ہوں، بدقسمت وہ ہے جو مجھے چھوڑتا ہے کیونکہ میرے بغیر سب تاریکی ہے" . .

(کشتی نوح صفحہ ۵۶ مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

"رنگیلا رسول" کے دریدہ دہن مصنف کو ایک غیرت مند مسلمان نے قتل کر دیا تھا، اس پر خلیفہ قادیان میاں محمود احمد نے خطبہ دیا جو اخبار الفضل (قادیان) جلد ۱۶ نمبر ۸۲ مورخہ ۱۹ اپریل ۱۹۲۹ء میں درج ہے، اس کا اقتباس یہ ہے:۔

"انبیاء کی عزت کی حفاظت قانون شکنی کے ذریعہ نہیں ہو سکتی، وہ نبی کیا نبی ہے جس کی عزت بچانے کے لئے خون سے ہاتھ رنگنے پڑیں، جس کے بچانے کے لئے دین تباہ کرنا پڑے، یہ سمجھنا کہ محمد رسول اللہ کی عزت کے لئے قتل کرنا جائز ہے سخت نادانی ہے ۔ ۔ ۔ ۔"

مگر ـــــ: "جماعتِ احمدیہ کو اس کے مخالفین خواہ کتنا ہی غلط خوردہ سمجھیں اور گمراہ بے دین قرار دیں، لیکن اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ یہ جماعت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا تعالیٰ کا سچا رسول اور نبی یقین کرتی ہے اور اُس کا ہر ایک فرد سب سے اوّل دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا اعلان کرتا ہوا جہاں یہ اقرار کرتا ہے کہ آپ کے احکام کے مقابلے میں وہ ساری دُنیا کی پرواہ نہیں کرے گا، وہاں یہ بھی عہد کرتا ہے کہ آپ کی حرمت اور آپ کی تقدیس کے لئے اگر اپنی جان بھی دینا پڑے گی تو دریغ نہیں کرے گا۔ ۔ ۔"

(اخبار الفضل قادیان جلد ۱۷ نمبر ۸۰ مورخہ ۱۵ اپریل ۱۹۳۰ء)

ـــ "سب سے پہلی مقدم اور آخری چیز جس کے لئے ہر احمدی کو اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دینے میں دریغ نہیں کرنا چاہیئے وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور سلسلہ (قادیانی) کی ہتک ہے ۔ ۔ ۔ ۔"

(میاں محمود احمد خلیفہ قادیان کی تقریر مندرجہ اخبار الفضل مورخہ ۲۰ اگست ۱۹۳۵ء)

دیکھا آپ نے، حضور سید الاولین والآخرین نبی عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ناموس و تقدیس کی توہین ہو رہی ہو تو صبر و ضبط کی تلقین اور مرزا غلام احمد اور اُس کے سلسلہ کی ہتک ہوتی ہو تو اُس کی حفاظت اور مدافعت کے لئے خون کا آخری قطرہ بہا دینے کا فتویٰ! صرف یہی ایک عقیدہ مسلمانوں کا خون کھولا دینے کے لئے کافی ہے!

مرزا غلام احمد کی مختصر سوانح عمری، لائق مؤلف کے قلم سے:۔

"مرزا غلام احمد قادیانی کی مذہبی زندگی کے دور خود قادیانی فرقہ کو تسلیم ہیں، ۱۸۳۹ء میں ولادت ہوئی سن ۶۴-۱۸۶۸ء سیالکوٹ کی کچہری میں محرر رہے، مختاری کا امتحان دیا، فیل ہو گئے، ملازمت بھی ترک ہو گئی، عیسائیوں اور آریوں سے مناظرے شروع ہوئے، براہین احمدیہ کے حصہ اوّل و دوم شائع ہوئے، حتیٰ کہ ۱۸۸۲ء میں مرزا صاحب نے اپنے مجدد ہونے کا اشتہار شائع کر دیا، ۱۸۸۸ء میں بیعت لینے کا بھی اعلان شائع کر دیا، ۱۸۹۱ء میں مہدی معہود اور مسیح موعود ہونے کا اشتہار شائع کر دیا، ۱۹۰۱ء میں نبی ہونے کا اعلان شائع کر دیا، ۱۹۰۵ء میں کرشن اوتار ہونے کا اعلان شائع کر دیا، ۱۹۰۵ء میں قادیان میں بہشتی مقبرہ قائم کرنے کا اعلان شائع کر دیا، ۱۹۰۸ء میں بعارضہ ہیضہ وفات پائی۔"

مرزائے قادیان کی سوانح عمری سے پتہ چلتا ہے کہ اس کذاب کا تدریجاً دماغ خراب ہوا ہے، اور گندگی اور خباثت

درجہ بدرجہ بڑھتی اور زیادہ ہوتی چلی گئی ہے!

حکومتِ برطانیہ انتہائی جابر اور مستبد حکومت تھی اور مسلمانوں کی ہر اعتبار سے دشمن! مگر قادیانی نبی کہتا ہے:-

"میری عمر کا اکثر حصہ اس سلطنت انگریزی کی تائید اور حمایت میں گزرا ہے اور میں نے ممانعت جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں اور اشتہار شائع کئے ہیں کہ اگر وہ رسائل اور کتابیں اکٹھی کیجائیں تو پچاس الماریاں اُن سے بھر سکتی ہیں، میں نے ایسی کتابوں کو تمام ممالکِ عرب اور مصر اور شام اور کابل اور روم تک پہونچا دیا ہے ـــــ" (تریاق القلوب صفحہ ۱۵)

مرزائے قادیان نے حکومتِ برطانیہ کو اپنی "تلوار" بھی کہا ہے اور ٹھیک کہا ہے کہ یہ تلوار مسلمانوں کی گردنوں پر برسوں چلتی رہی ہے! ـــــ اور سنئے:ـــــ

یہ بات روزِ روشن کی طرح ظاہر ہوتی جاتی ہے کہ فی الواقع گورنمنٹ برطانیہ ایک ڈھال ہے جس کے نیچے احمدی جماعت آگے ہی بڑھتی جاتی ہے، اس ڈھال کو ایک طرف کر دو اور دیکھو کہ زہریلے تیروں کی کیسی خطرناک بارش تمہارے سروں پر ہوتی ہے پس کیوں ہم اس گورنمنٹ کے شکر گزار نہ ہوں، ہمارے فوائد اس گورنمنٹ سے متحد ہو گئے ہیں اور جہاں جہاں اس گورنمنٹ کی حکومت پھیلتی جاتی ہے، ہمارے لئے تبلیغ کا ایک اور میدان نکل آتا ہے۔

(اخبار الفضل قادیان جلد ۲ نمبر ۱۵- مورخہ ۱۹ر اکتوبر ۱۹۱۵ء)

مرزا غلام احمد اور اُس کے اُمتیوں کی عقیدت اور وابستگی کا یہ عالم ہے انگریزی حکومت سے! ان عقاید کے ساتھ اس بات کو سوچیے کہ پاکستان کا وزیر خارجہ (سر ظفر اللہ خاں قادیانی) خارجی معاملات میں پاکستان کے لئے کس حد تک مفید اور مخلص ثابت ہو سکتا ہے؟ اور مسلمان قوم اُس پر آخر کس طرح بھروسا کر سکتی ہے!

اس کتاب کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا غلام احمد کی کتنی پیشین گوئیاں سراسر غلط اور جھوٹ ثابت ہوئیں ـــــ مرزا (علیہ ما علیہ) کی تحریروں کے وہ اقتباسات بھی ہم نے کلیجہ پر پتھر رکھ کر پڑھے ہے جن میں حضرت عیسیٰ روح اللہ کی والدہ محترمہ حضرت مریم سلام اللہ علیہا کی شان میں گستاخیاں کی گئی ہیں ـــــ نبی تو بڑی چیز ہے کوئی گھٹیا درجہ کا بازاری آدمی بھی ایسی چھوٹی اور ذلیل باتیں نہیں کر سکتا۔

کاش! حکومتِ پاکستان کے اربابِ اقتدار کی نگاہ سے یہ کتاب (قادیانی قول وفعل) گزر جائے تو اُنھیں معلوم ہو کہ مسلمانوں سے ان قادیانیوں کا دین اور مذہب کا کوئی تعلق ہی نہیں ہے بلکہ قادیانیت اور اسلام اک دوسرے کے حریف ہیں!

اسلام اور جنسیات

"اسلام اور جنسیات" تالیف:- بدر شکیب، حجم ۳۶۴ صفحات، کتابت، طباعت، کاغذ، جلد اور گردپوش ـــــ ہر چیز دیدہ زیب، قیمت پانچ روپیہ ملنے کا پتہ:ـــــ

پاک لٹریچر کمپنی پوسٹ بکس ۱۶۴ کراچی ۱ ـــــ!

جناب بدر شکیب دکن کے مشہور اور ممتاز انشا پرداز ہیں مگر اس انقلاب کے بعد کراچی میں گمنام سے ہو کر رہ گئے ہیں اور غربت کی زندگی بسر کر رہے ہیں! یہاں پاکستان میں اُن کی پہلی کتاب منظرِ عام پر آئی ہے اور اللہ کا فضل ہے کہ موصوف نے اپنی فکر، تحقیق اور محنت ایک اچھے نیک اور مفید کام میں صرف کی ہے۔

فاضل مولف نے بہت سی مُستند اور معرکہ آرا کتابوں کی مدد سے یہ کتاب مُرتب کی ہے اور کوئی شک نہیں کہ اپنے موضوع پر یہ ایک معلومات آفریں تالیف ہے، زبان، بیان، معلومات، استدلال اور طرزِ ادا، غرض ہر چیز خوب ہے!

"جنسیات" کس قدر رنگین موضوع ہے کہ اس حمام میں پہونچکر اچھے اچھے برہنہ ہو جاتے ہیں، لیکن وقار و سنجیدگی کا دامن بدر شکیب کے ہاتھ سے کہیں چھوٹنے نہیں پایا، اُن کا راہوارِ قلم پیچ پیچ جذبات کے نازک آبگینوں کے جُھرمٹ سے گزرا ہے مگر مجال ہے جو کسی آبگینہ کو ذرا سی ٹھیس بھی لگ جائے!

"اسلام اور جنسیات" میں صاحبِ تالیف نے دلائل و براہین سے ثابت کیا ہے کہ جنسی مسائل میں اسلام کا قانون عین فطرت کے مطابق ہے اور اسلام کے علاوہ جتنی راہیں اور جس قدر طریقے اور نظریے ہیں وہ سب کے سب غلط اور فطرت کی ضد ہیں۔

یورپ "جنسیات" کی منزل میں جس وحشیانہ دوڑ سے گزر رہا ہے، اُس پر لائق مولف نے خود یورپ کے علماء اور اہلِ فکر کے بیانات کو شہادت میں پیش کیا ہے، ان شہادتوں اور اقتباسات میں عبرتیں اور نصیحتیں ہیں اُن دماغوں کے لئے جو مغربیت سے مرعوب ہو چکے ہیں یا ہو رہے ہیں۔

یہ کتاب بتاتی ہے کہ عورت نے مرد سے معاشی مساوات حاصل کرنے کے بعد، خاندان کے نظم و ضبط کو پارہ پارہ کر دیا، اور گھریلو ماحول، ہوٹلوں اور کلب گھروں کا ماحول بن کر رہ گیا ——— چند جھلکیاں :-

"جنسی آزادی نے دوشیزگی اور عفت مآبی کا قلع قمع کر دیا، شادی سے قبل کسی لڑکی کا باکرہ رہنا اب ممکن ہی نہیں ——— آج کل نوجوان لڑکیاں اُس وقت تک شادی کا خیال نہیں کرتیں جب تک گلچھرے اُڑا کر تھک نہیں جاتیں ——— آج کل بالعموم متوسط اور محنت کش طبقہ کی نوجوان لڑکیاں جنسی کشش کی خاطر اپنے لباس اور آرائشِ حُسن کے ذریعہ پیشہ ور عورتوں سے بھی بازی لے جا رہی ہیں، اس کا مظاہرہ انتہائی جاسوز لباس کے نمونوں رُخسار اور لبوں کے غازہ و سُرخی اور ناخنوں کے حنائی رنگ سے کیا جاسکتا ہے، یہی وہ چیزیں تھیں جو ربع صدی قبل کسی عورت کو سوسائٹی میں بیسوا اور بدچلن قرار دینے کے لئے کافی تھیں، لیکن آج ان کے بغیر عورت سوسائٹی میں داخل نہیں ہو سکتی، بہر کیف معزز خاندانوں کی لڑکیاں جنسی کشش کے معاملہ میں پیشہ ور عورتوں کو شکست دے چکی ہیں ——— (" از پروفیسر سارسن)

ایک یہ تہذیب ہے اور ایک وہ تہذیب تھی :-

"رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد پہلی صدی میں دنیائے اسلام کے اندر عصمت فروشی

بالکل مفقود تھی"[۵۱]

جناب اکبر وفاقانی کی "تقریظ" کا یہ جملہ:- " بدر شکیب پہلی مرتبہ اپنی فطرت کی تجلی زار میں اس کتاب کے مصنف کی شکل میں میرے سامنے ظاہر ہوئے ہیں" ــــــ "اُکھڑا اُکھڑا سا ہے ــــــ (صفحہ ۶۷) "قید و پابندیاں" ــــــ واؤ عطف کی جگہ " اور" لکھنا چاہیئے تھا ــــــ (صفحہ ۴۲) " جنس کے مسائل " کی جگہ " جنسی مسائل " لکھتے تو زیادہ اچھا تھا ــــــ (صفحہ ۷۸) " موجودہ باب کی غرض کے لئے صرف اتنا بتلا دینا کافی ہے ۔۔ " یہ جملہ ایک مشاق قلم سے نہ نکلنا چاہیئے تھا ــــــ (صفحہ ۱۰۸) " وہ جنس کو اب بھی اسلامی طریقوں پر ڈھلنے ۔۔ تیار نہیں ہیں ــــــ " کے لئے " رہ گیا، اس کے بغیر یہ جملہ زبان و روزمرہ کے اعتبار سے درست نہیں ــــــ (صفحہ ۱۶۲) " ایک ناقابل یحل " ــــــ " ناقابلِ حل " یا " لاینحل " لکھنا تھا ــــــ

(صفحہ ۵۳) " مسیح کی تعلیم ناقابلِ عمل تھی ــــــ " یہ بالکل غلط ہے، اللہ تعالےٰ نے کسی نبی[۵۲] کو ایسی ہدایت اور تعلیم دے کر نہیں بھیجا، جو اُس دور کے انسانوں کے لئے ناقابلِ عمل ہو ــــــ صفحہ ۴۸ پر قرآن پاک کی جو آیت (قل للمومنین ۔۔۔۔۔۔۔۔ علیٰ جیو بہن) درج ہے اُس میں " املاء " کی غلطیاں رہ گئی ہیں، قرآن کی آیتوں کی کتابت اور صحت میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ مولف سے ایک بڑی فاحش غلطی ہو گئی ہے، صفحہ ۳۰۹ اور ۳۱۰ پر بہ عنوان " خلع " جو احادیث درج کی ہیں (ان اللہ لا یحب الذواقین والذواقات ــــــ تین حدیثیں اور ہیں) ان کو قرآن کی آیات لکھا گیا ہے ــــــ کتاب حال ہی میں چھپی ہے، ابھی اُس کی بہت سی جلدیں مولف کے پاس ہوں گی، لہذا قلم سے ہر نسخہ میں اس غلطی کی تصحیح کر دی جانی ضروری ہے ــــــ

اس میں کوئی شک نہیں کہ " اسلام اور جنسیات " اپنے موضوع پر ایک گرانقدر تالیف ہے اور مولف کی محنت لائقِ داد و تبریک ہے!

۵۱ PSYCHOLOGY OF SEX

۵۲ اور ہمارے حضورؐ چونکہ آخری نبی ہیں اس لئے آپ کی تعلیم ہر دور اور ہر زمانہ کے لئے مکمل ترین ضابطۂ حیات ہے۔

فاران

کراچی

پاکستان

ماہر القادری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ اوّل

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی امیر جماعتِ اسلامی (پاکستان) کو اُن کے رفقاء کے ساتھ لاہور میں اُس زمانہ میں گرفتار کیا گیا جب وہاں مارشل لا نافذ تھا، یہ گرفتاریاں کیوں عمل میں آئیں؟ اس سلسلہ میں کوئی سرکاری بیان کم از کم ہماری نظر سے نہیں گزرا۔

مارشل لا کے زمانہ میں پنجاب اور خاص طور سے لاہور کی خبروں پر سخت سنسر تھا، مولانا موصوف کے خلاف مقدمہ کی سماعت کی خبر بھی کراچی کے اخباروں کو جماعتِ اسلامی کے ذریعہ ملی، لاہور اور پنجاب کے دوسرے شہروں کے بارے میں اخبارات اتنی مختصر اور کم خبریں دیتے تھے کہ کچھ پتا ہی نہ چلتا تھا کہ وہاں کے حالات کیا ہیں؟ ہاں! اعلیٰ عہدیداروں کے پنجاب آنے جانے کی خبریں نیوز ایجنسیاں دیتی رہتی تھیں دوسری خبروں اور اطلاعوں کا بڑی حد تک بلیک آؤٹ تھا اور جو خبریں آتی تھیں وہ سنسر کی باریک چھلنی میں چھنکر آتی تھیں۔

اس کے بعد گورنر جنرل بہادر نے اپنے خصوصی اختیارات سے کام لیکر ایک آرڈی ننس جاری فرمایا جس کی رو سے لاہور کی فوجی عدالتوں کے تصفیہ کئے ہوئے مقدموں کی کسی عدالت میں چارہ جوئی نہیں کی جاسکتی، اس آرڈی ننس کو نافذ ہوئے چند دن گزرے تھے کہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے مقدمہ کا لاہور کی فوجی عدالت نے تصفیہ کر دیا اور اُن کو سزائے موت سُنا دی۔

یہ دردناک خبر لوگوں کے دلوں پر بجلی کی طرح گری، جس نے سُنا مبہوت اور سراسیمہ ہو کر رہ گیا، یہ اندوہگیں خبر تیر کی طرح کان کے پردوں سے گزری اور لاکھوں دلوں کو دو نیم کر گئی، شبستانوں اور راحت کدوں میں چین کی نیند سونے والے "بڑے لوگوں" کو کیا معلوم کہ اُس دن کتنے گھروں میں چولہا گرم نہیں ہوا، کتنی آنکھوں نے آنسو بہائے، اس سانحہ پر بچے تک روئے ہیں، اس خبر کی دردناکی کا حال اُن لوگوں کے دلوں سے پوچھیے جنھوں نے بیہوش عورتوں کے چہروں پر پانی چھڑک کر اُن غیرت مند، حساس اور خدا ترس بیبیوں کو ہوش میں لانیکی کوشش کی ہو!

یہ خبر پاکستان کے شہر شہر اور قریہ قریہ آگ کی طرح پھیل گئی، جگہ جگہ ہڑتالیں اور احتجاجی جلسے ہوئے گورنر جنرل،

وزیر اعظم، وزیر داخلہ اور اخباروں کے نام مولانا کی رہائی کیلئے اس کثرت سے تار بھیجے گئے کہ جن کا شمار نا ممکن ہے، بعض لوگوں نے تاروں میں یہ تک لکھ دیا کہ "مولانا مودودی کو پھانسی دینے سے پہلے ہمیں پھانسی دید یجئے۔"

دوسرے دن شب میں ریڈیو کے ذریعہ پھر یہ اطلاع ملی کہ ملٹری کے بالادست افسر مجاز نے سزائے موت کو چودہ سال قید بامشقت سے بدل دیا، اس خبر کو بھی لوگوں نے بڑی تکلیف کے ساتھ سُنا، آنسو کچھ یوں ہی سے خشک ہوئے تھے کہ پھر جاری ہوگئے، زخموں پر ذراسی دیر کیلئے ایک پھاہا سا رکھا ہوا محسوس ہوا کہ پھر وہی پہلی سی جلن شروع ہوگئی۔

سزائے موت کی خبر پر برقیوں اور احتجاجی خطوط کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا وہ چودہ سال قید بامشقت کی خبر سُنکر ٹوٹا نہیں، برابر جاری رہا، شہروں، قصبوں بلکہ بعض دیہات تک میں ہڑتالیں ہوئیں، ٹیلیگراموں میں لوگوں نے یہ بھی لکھا کہ :—

"چودہ سال کی قید بامشقت کی سزا موت سے بہتر نہیں ہے"

اور جس نے بھی لکھا، ٹھیک لکھا، چودہ سال کی سزا "حبس قید" کے برابر ہے اور حبس قید اور سزائے موت میں بہت ہی کم فرق ہے۔

مولانا مودودی کی سزائے موت اور سزائے قید پر جسقدر احتجاج کیا گیا اتنا احتجاج کسی شخصی حادثہ پر بہت کم کیا گیا ہوگا، کراچی دہلی اور ڈھاکہ سے لیکر کابل، مصر اور دمشق و عراق تک اضطراب و غم کی ایک لہر دوڑ گئی! مولانا موصوف کی سزا پر اخباروں نے اداریے لکھے، ان کی رہائی کیلئے صحافیوں نے متفقہ طور پر اپیل شائع کی، وکیلوں کی ایسوسی ایشن سے لیکر مذہبی، تجارتی اور ثقافتی انجمنوں تک نے احتجاج کیا، ہر طبقہ کے لیڈروں نے بیانات دیئے، اُن میں یہ بھی کہا گیا :—

"مولانا ابوالاعلیٰ مودودی جیسا اسلامیات کا اسکالر صدیوں میں بھی نہیں مل سکتا، قید میں رکھ کر اُن کے فیض کو نہ روکا جائے۔ . . ."

حضرت مفتی اعظم فلسطین، اخوان المسلمون کے مرشد عام علامہ ہضیبی، حضرت نور المشائخ ملا شور بازار، عراق کے سب سے بڑے اور بین الاقوامی شخصیتوں کے احتجاجی تار مولانا مودودی کی رہائی کیلئے وصول ہو چکے ہیں اور ان برقیوں کا حال قاہرہ کے اخباروں سے ہمیں معلوم ہوا ہے، نہ جانے اسلامی ممالک میں اور کہاں کہاں سے پاکستان کے گورنر جنرل اور وزیر اعظم کو تار بھیجے گئے ہوں گے! حکومتِ پاکستان کے محکمہ اطلاعات کو یہ توفیق کہاں نصیب ہو سکتی ہے کہ وہ پاکستان کے عوام کو اس سے مطلع کرنے کی زحمت اُٹھائے۔

مشرقی پاکستان کے سب سے زیادہ با اثر اور عوامی لیڈر مولانا عبدالحمید بھاشانی ۲۲ مئی کو "یوم مودودی" منانے کا اعلان فرما چکے ہیں اور جمعیۃ علمائے اسلام پاکستان نے بھی مغربی پاکستان میں اسی دن "یوم مودودی" کیلئے اپیل کی

—— طلبائے مطالبۂ رہائی کے محضر پر دستخطوں کی مہم جاری کر رکھی ہے اور چھ سات دن کے اندر کم و بیش ستر ہزار اشخاص کے دستخط حاصل کئے جا چکے ہیں —— وزیر اعظم پاکستان جس رات ڈھاکہ سے کراچی آئے ہیں تو ہوائی اڈے پر مولانا موصوف کی رہائی کے سلسلہ میں جس قدر منظم مظاہرہ کیا گیا وہ اخباری نمایندوں کے بیان کے مطابق "حیرت انگیز" تھا، ہوائی مستقر کی وسیع و عریض فضا:—

"مولانا مودودی کو رہا کر کے پاکستان کے وقار کو بحال کرو" کے پُرجوش نعروں سے گونج اُٹھی!

مسجدوں، خانقاہوں، اسکولوں، کالجوں، دفتروں، بازاروں، فلیٹوں، بنگلوں، کوٹھیوں، دکانوں اور جھونپڑوں میں یہی تذکرے ہیں اور نہ صرف تذکرے بلکہ انتہائی ہمدردی کا اظہار کیا جا رہا ہے، ہر کسی کی یہی تمنا ہے کہ مولانا مودودی اور اُن کے رفقاء کل کے چھوٹتے آج ہی چھوٹ جائیں، مولانا موصوف کی قید و بند سے سب متاثر اور ملول و دلگیر ہیں۔

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی کی رہائی کا مسئلہ جماعتِ اسلامی کا مسئلہ نہیں رہا بلکہ پورے پاکستان کا ایک عوامی مطالبہ بن چکا ہے، جسے دوسرے اسلامی ممالک کی تائید بھی حاصل ہے۔

مولانا مودودی اور اُن کے رفقاء پر جو دفعات لگائی گئی ہیں ان سے یہ غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے کہ ان حضرات نے فوج میں یا ملک میں بغاوت پھیلانے اور حکومت کے خلاف نفرت کا جذبہ پیدا کرنے کیلئے کوئی حرکت کی ہوگی، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ مولانا موصوف نے "قادیانی مسئلہ" نام کا ایک رسالہ لکھا جس میں اس مسئلہ کو سنجیدہ اور وزنی دلایل کی روشنی میں واضح کیا اور حکومت اور عوام کو بتایا کہ حقیقتِ حال کیا ہے؟

فوجی مقدمہ میں مولانا کا یہی رسالہ بحث اور جرح و تنقید کا موضوع رہا، فوجی عدالت نے اس رسالہ سے جو نتیجہ نکالا اور وہ جس رائے پر پہونچی ہم اُس پر تنقید نہیں کرتے مگر یہ رسالہ کم و بیش ایک لاکھ کی تعداد میں چھپ کر لوگوں کے ہاتھوں میں پہونچ چکا ہے، اُسے آج بھی پڑھا جا سکتا ہے اور ہر شخص اس رسالہ کی اسپرٹ کو محسوس کر سکتا ہے۔

عوام مسلمانوں کا مطالبہ یہ تھا اور آج بھی ہے کہ "قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے" مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی نے خود مرزا غلام احمد اور اُس کے جانشینوں کے اقوال سے یہ ثابت کیا کہ یہ گروہ اپنے کو عام مسلمانوں سے بالکل جداگانہ اُمت سمجھتا ہے اور اس کے نزدیک جو لوگ مرزا غلام احمد کو نبی نہیں مانتے وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں، ایک طرف قادیانیوں کا یہ عقیدہ ہے دوسری طرف وہ مسلمانوں سے شادی بیاہ کو جائز نہیں سمجھتے، یہاں تک کہ ان کے جنازے کی نماز تک نہیں پڑھتے، اس صورت میں عقل و دانش، تجربہ، فہم و فراست اور اخلاق و ایمان کا بھی فیصلہ ہے کہ قادیانی جس نبی کی اُمت میں ہیں، اُسی اُمت میں سمجھے جائیں، حضور خاتم النبیین سیدنا محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی اُمت سے اُن کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔

دھاندلی اور کٹ حجتی کی دوسری بات ہے ورنہ کسی میں ہمت ہے تو مودودی کے اس رسالہ کے جواب میں دلائل پیش کرے، دلائل کا جواب دلائل سے دیا جانا چاہیئے، دلیل و بُرہان کے جواب میں طاقت کا استعمال اور عتاب و غضب کا اظہار

حقایق سے گریز ہو، اُس شخص سے زیادہ امن پسند اور معقول کون ہو سکتا ہے جو کسی مسئلہ کو عقلی دلائل اور روایت و درایت کے ذریعہ سمجھاتا ہے اور جذبات سے کم سے کم اپیل کرتا ہے۔

یہ "کفر و اسلام" اور "مرتد اور مسلم" کی تفریق "ملاؤں" کی پیدا کی ہوئی نہیں ہے بلکہ اللہ اور رسولؐ نے اس تفریق اور امتیاز کو بار بار واضح کیا ہے، مسیلمہ کذاب نے جب نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور اُس کے ساتھ جو سلوک کیا گیا، وہ سب کو معلوم ہے، حضرت محمدؐ عربی پر نبوت ختم ہو گئی یہ ملاؤں کی گھڑی ہوئی بات نہیں ہے، قرآن اور حدیث کا فیصلہ ہے پس جو کوئی حضورؐ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اور جو کوئی اُس کذاب کی نبوت کی تصدیق کرتا ہے، وہ کافر ہے، اور اُس کو مسلمان نہیں سمجھا جا سکتا۔

اگر "کفر و اسلام" میں تفریق کرنا "ملاازم" ہے تو پھر اسلام میں شروع سے آخر تک "ملا" ہی پیدا ہوتے رہے ہیں اور اسلام میں اِن نام نہاد "روشن خیالوں" کو نہ کوئی مقام ملا ہے اور نہ مل سکتا ہے!

قادیان کا وہی کذاب جس نے مسلمانوں کے آقا و مولا حضور خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کے توڑ پر اپنی نبوت کا دعویٰ کیا، جو کوئی اُسے اور اُس کی اُمت کو خارج از اسلام نہیں سمجھتا اور اس پر اصرار کرتا ہے کہ غلام احمد کی اُمت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت ہی کا ایک فرقہ سمجھا جائے، وہ وسعتِ ظرف، رواداری اور بے تعصبی کے فریب میں مبتلا ہے یہ رواداری اور روشن خیالی نہیں بے غیرتی بے حسی اور دین سے بے تعلقی کی دلیل ہے، دنیائے اسلام کے عظیم مفکر مولانا مودودی نے اس مسئلہ کو دلائل کی روشنی میں سمجھا کر حقیقت میں اظہارِ حق کا وہ فریضہ انجام دیا جس کی ہر اہلِ فکر، شریف اور باضمیر انسان سے توقع کی جا سکتی ہے، اس پر بھی کسی کی آنکھیں نہ کھلیں تو اُس کی بے بصری کو سندِ جواز دینے کیلئے ہم تو اپنی آنکھوں پر پٹی نہیں باندھ سکتے۔

مولانا مودودی کو اِس الزام میں کہ "مسئلہ قادیانی" کی اشاعت[1] مارشل لا کے زمانہ میں کیوں کی؟ سزائے موت اور پھر چودہ سال قید بامشقت کا حکم! مگر انگریز کے زمانہ میں اسی کراچی میں رئیس الاحرار مولانا محمد علی مرحوم اور اُن کے رفقاء پر فوج میں بغاوت پھیلانے کے الزام میں مقدمہ چلایا جا چکا ہے، اور سو بھاش چندر بوس نے انگریزی حکومت سے لڑنے کے لئے ہندستانی فوج (I. N. A.) بنائی تھی اور اُس کے افسروں کے خلاف دہلی کے لال قلعہ میں جس مقدمہ کی سماعت ہوئی تھی، اُس کا جو نتیجہ نکلا، وہ اربابِ خبر سے پوشیدہ نہیں ہے، ہائے اس بات کا کبھی بھولے سے بھی خیال نہ آیا تھا کہ انگریز کے انصاف اور حکومتِ پاکستان کے انصاف میں موازنہ کا ناخوشگوار فریضہ بھی ذہن و فکر کو کبھی انجام دینا ہوگا۔

راولپنڈی سازش کے مقدمہ میں ملزموں کو جب سزائیں ملی تھیں تو پاکستان میں کوئی ایک صدائے احتجاج بھی بلند نہیں ہوئی مگر مولانا مودودی کی سزا پر احتجاج اور ہمدردی کا ایک طوفان اُبل پڑا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عوام ان مقدموں کی کارروائی سے اگرچہ بے خبر رکھے گئے مگر انھوں نے دونوں مقدموں کے ملزموں کی پوزیشن میں خود امتیاز کر لیا کہ کس نے کیا کیا؟ اور کون کیا ہے؟

[1] ہمیں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ یہ رسالہ مارشل لا سے قبل چھپ چکا تھا۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی سزائے موت کی خبر سنکر اسلام اور مسلمانوں کے مشہور دشمن روزنامہ "تیج" اور دوسرے مہاسبھائی اخبارات نے خوشی کے مارے خوب بغلیں بجائیں اور پاکستان کے اربابِ اختیار کو مشورہ دیا کہ وہ پاکستان میں "لادینی حکومت" قائم کریں، ہم تو اس توقع میں تھے کہ پاکستان میں اسلامی حکومت قائم کرنے کے بعد ہم خود دُنیا کو مشورہ اور پیام دیں گے کہ اگر دین دُنیا کی فلاح و بہبود چاہتے ہو تو اس طرز و انداز پر اپنے یہاں حکومت کی طرح ڈالو، لیکن اپنے نادان حکمرانوں کی غلط روش کی بدولت یہ دن بھی ہمیں دیکھنا پڑا کہ "تیج" ہمیں ہدایتیں دیتا ہے اور مشفق ناصح بن کر منظرِ عام پر آتا ہے ـــــ لیکن "تیج" اور دوسرے اسلام دشمن عناصر کو معلوم ہونا چاہئیے کہ پاکستان میں خالص اسلامی دستور ہی نافذ ہوگا اور ہم کسی دوسرے نظریۂ حیات اور دستورِ حکومت کو قبول کر کے دشمنانِ اسلام کے گھروں میں چراغاں ہرگز نہ ہونے دیں گے۔

مردِ مومن کی عزیمت

امیر جماعتِ اسلامی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے سزائے موت کا حکم سنکر جس غیر معمولی تحمل، وقار، ضبط، سنجیدگی اور عزیمت و استقامت کا ثبوت دیا ہے اُس پر اُمتِ اسلامیہ جس قدر فخر و ناز کرے کم ہے، جن لوگوں نے اس مقدمہ کی کارروائی دیکھی اور سنی ہے، وہ جب اپنے مشاہدات قلمبند کریں گے اور اس کیس کا آنکھوں دیکھا حال منظرِ عام پر آئیگا تو دُنیا کے سامنے حیرت، عبرت اور ہدایت و موعظت کے ورق کھل جائیں گے، سقراط کے مقدمہ (TRIAL OF SOCRETES) میں سیاست و قانون کی وہ بوقلمونیاں اور "ثبوت" و "صفائی" کے وہ عجیب و غریب گوشے کہاں ہیں جو مودودی کے مقدمہ (TRIAL OF MAUDOODI) میں موجود ہیں۔

صرف ڈیڑھ گھنٹہ کی مہلت میں اس مردِ مجاہد نے سنا ہے آٹھ صفحے کا بیان اپنی صفائی میں مرتب کیا، یہ بیان حق و صداقت کا منشور اور جرأت و عزیمت کا صحیفہ ہے! جس اسلامی مفکر نے برسوں کتاب و سنت کی ترجمانی کی ہو اور سچائی کا پیام دیا ہو اُس سے دُنیا کو اسی عزم و استقامت کی توقع تھی۔ مولانا مودودی کا مقدمہ ایک پوری تاریخ ہے اور مولانا موصوف تاریخ کے سپرد ہیں، آنے والی نسلیں مودودی کو نہیں بھول سکتیں، ہرگز نہیں بھول سکتیں! سزائے موت سنکر مودودی نے رضائے الٰہی کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا، اُنکو اپنی نیت کا ثواب مل چکا اور کارکنانِ قضا و قدر اور کاتبانِ اعمال اُس کا نام مجاہدوں اور شہیدوں کے رجسٹر میں لکھ چکے، کوئی شک نہیں کہ مودودی کی شخصیت امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

ایک فوجی عدالت تو وہ تھی جو لاہور میں قائم ہوئی تھی اور جس کا فیصلہ لوگوں نے دیکھ لیا اور ایک عدالت وہ ہے جو قیامت کے دن قائم ہوگی، مودودی کے مقدمہ کا ٹھیک ٹھیک فیصلہ اسی عدالت میں ہوگا، اُس دن نہ کسی کا زور چلے گا، نہ ڈپلومیسیاں کام آئیں گی، نہ سیاسی توڑ جوڑ فائدہ دے سکیں گے، اللہ تعالیٰ کا بے لاگ انصاف اپنا فرض انجام دیگا اور ہر مجرم کو اُس کے جرم کی واقعی سزا ملے گی۔

یہ کیا ہو رہا ہے؟

اب ہم چند ضروری اور انتہائی اہم واقعات حکومتِ پاکستان اور عوام کے سامنے پیش کرتے ہیں، ان واقعات کا پاکستان کی سیاسیات سے تعلق ہے، یہ ایسی چیزیں ہیں جو بہت دور رس نتائج کی حامل ہیں، انکو کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا:

(۱) مولانا مودودی کے مقدمہ کی سماعت سے چند دن قبل ہز اکسلنسی گورنر جنرل پاکستان نے آرڈی ننس نافذ فرمایا کہ فوجی عدالت کے مقدموں کی اپیل کسی سول عدالت میں نہیں ہو سکتی، اسطرح اس آرڈی ننس نے مولانا مودودی اور دوسرے ماخوذین کو عدالتی چارہ جوئی سے

(۲) کراچی میں جماعتِ اسلامی نے مولانا موصوف کی تحریک رہائی کے سلسلہ میں جلسۂ عام کرنیکی اجازت مانگی مگر جلسہ کرنیکی اجازت

نہیں دیگئی اس واجبی درخواست کو ٹھکرا دیا گیا۔

(۳) مولانا مودودی کی سزائے موت پر کراچی میں ہڑتال ہوئی تمام شہر حزن وملال میں ڈوبا ہوا تھا، مگر پولس دکانیں کھولے جانے کیلئے اعلان کر رہی تھی! کس سنگدل حاکم کے اشارے اور حکم سے پولس نے یہ حرکت کی؟

(۴) کراچی کے اخباروں[1] نے اس سلسلہ میں اپنے صحافتی فرض کو دیانت کے ساتھ انجام دیا اور عوام کے جذبات کی صحیح ترجمانی کی، مگر مولانا مودودی کے ساتھ یہ انسانی ہمدردی بھی حکومت کو ناگوار گزری اور مرکزی حکومت پاکستان کے ایک ذمہ دار عہدیدار نے اخباروں کے ایڈیٹروں کو ڈانٹا اور تنبیہہ کی، اُس دن سے تمام اخبار دبے اور سہمے سہمے سے ہیں! مرعوبیت کا یہ عالم ہے کہ عراق کے زعما اور نورالمشائخ ملا شور بازار جیسی عظیم شخصیتوں کے بیان اور لندن اور کیمبرج کی اہم اطلاعیں اور احتجاجی برقیے تک اخباروں نے معمولی خبروں کی طرح شائع کئے ہیں اور اور اُس دن سے اخباروں کی روش بدلی بدلی نظر آتی ہے۔

(۵) مارشل لا کے بعد جماعت اسلامی کے آرگن۔ روزنامہ تسنیم۔ کو شائع ہونا چاہیے تھا مگر مارشل لا کے اُٹھنے کے بعد اُس پر دس ماہ کی پابندی لگا دی گئی۔

(۶) لائلپور میں جماعت اسلامی کے دو ذمہ دار کارکنوں کو حال ہی میں سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کر لیا گیا، اور گوجرانوالہ سے بھی اسی قسم کی اطلاع آئی ہے۔ اور اوکاڑہ میں بھی جماعت اسلامی کے قیم گرفتار کئے گئے ہیں اور جماعت اسلامی لاہور (گوالمنڈی) کے دفتر پر چھاپہ مار کر مولانا مودودی کی ہائی [illegible]

پاکستان کے اربابِ اختیار سے ہم دریافت کرتے ہیں کہ جس جمہوریت کا دعویٰ کیا جاتا ہے وہ جمہوریت کہاں ہے؟ کیا جمہوری حکومتوں میں شہری حقوق کو اسی طرح مجروح کیا جاتا ہے! انگریز کا مستبد دورِ حکومت پریس اور سیفٹی ایکٹوں اور آرڈی ننسوں کیلئے بدنام تھا، مگر اُس کے جانے کے بعد پاکستان میں اُس تاریخ کو آخر کس لئے دُہرایا جا رہا ہے؟ انگریز تو پرایا اور بدیسی تھا آخر ان ”اپنوں“ نے قوم اور ملک کا اعتماد حاصل کیوں نہیں کیا جو ”ایکٹوں“ اور ”آرڈی ننسوں“ سے کام لینے کی ضرورت محسوس ہوئی! یہ کیا ہو رہا ہے؟ کس لئے ہو رہا ہے؟ اور کیوں ہو رہا ہے؟

ہم اپنے حکمراں طبقہ سے خدا ورسولؐ، اسلام اور پاکستان کا واسطہ دیکر درخواست کرتے ہیں کہ وہ اپنی موجودہ روش میں تبدیلی پیدا کریں، جس ملک کے عوام پر آئینی اور جمہوری ذرائع بند کر دیئے جاتے ہیں وہاں لوگ غلط طریقوں پر سوچنے لگتے ہیں! آئین وضابطہ کے حدود میں رہ کر ہر شہری کو اپنا مطالبہ پیش کرنیکا حق حاصل ہے، اس حق پر جب بھی پابندی لگائی جائے گی، انتشار پیدا ہوگا اور بے آئینی کو شہ ملے گی۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ ہمارے حکمراں طبقہ کو جماعت اسلامی سے خدا واسطے کا بیر کیوں ہے؟ یہ دینی جماعت شروع ہی سے اربابِ اقتدار کے عتاب کا نشانہ رہی ہے! جماعت اسلامی کا پروگرام، اُسکی جدوجہد اور عزائم سب کے سامنے ہیں، چھ سال سے عوام جماعت اسلامی کی سرگرمیوں کو دیکھ رہے ہیں اور اُس کے اخلاص، ایثار، بے نفسی اور اسلامی فکر وبصیرت سے متاثر ہو کر عوام میں جماعت کا اثر بڑھتا ہی جا رہا ہے، لوگ جماعت اسلامی اور اُس کے کارکنوں پر اعتماد کرتے ہیں۔

جماعت اسلامی نے ہزاروں صفحوں کا لٹریچر قوم اور ملک کے سامنے پیش کیا ہے، جس کے اثر ونفوذ کا کوئی اندازہ نہیں کیا جا سکتا، اس لٹریچر نے بے شمار نوجوانوں کو دہریت والحاد، تشکیک، تذبذب اور کمیونزم کے چنگل سے نکال کر، یقین وایمان اور اخلاق واسلام کی آغوش میں پہونچایا ہے، جماعت کے لٹریچر کو عراق، حجاز، شام، مصر اور انڈونیشیا کے علما اور اربابِ فکر ونظر نے انتہائی قدر واستحسان کی نگاہوں سے دیکھا ہے۔

---

[1] ڈان اور ایوننگ اسٹار اس میں شامل نہیں ہیں کہ ان دونوں اخباروں کی روش انتہائی افسوسناک رہی!

جماعتِ اسلامی نے آج تک ایک قدم بھی آئین وضابط کی حد سے باہر نہیں رکھا، پنجاب اور بھاول پور کی اسمبلیوں کے انتخابات سے لیکر اسلامی دستور کے جلسوں اور جلوسوں تک کوئی غیر آئینی بات جماعت کی طرف سے ظہور میں نہیں آئی، انتہا یہ ہو کہ مولانا مودودی کی سزائے موت کی خبر جماعتِ اسلامی کے ارکان کیلئے کوہِ غم سے زیادہ بوجھل تھی مگر خدا کے ان نیک بندوں نے انتہائی ضبط وتحمل سے کام لیا اور اُن کے جذبات ذرا بھی غیر متوازن نہیں ہوئے، انھوں نے اس جاں گداز صدمہ کو مردانہ وار سہا اور حکومت کے نظم ونسق پر اپنے اضطراب وغم کا سایہ بھی نہ پڑنے دیا

حکومت نے جماعتِ اسلامی کی ڈاک پر سنسر قائم کرکے اور اُن کے ارکان پر خفیہ پہرے بٹھاکر بھی دیکھ لیا، پولس نے اندرونی حالات کی ٹوہ لگانے میں کوئی کسر نہیں اٹھارکھی مگر حکومت ایمان داری کے ساتھ بتاسکتی ہو کہ کوئی رتی بھر قابلِ اعتراض "سُن گن" اسکی خفیہ پولس کو مل سکی؟ ملتی کہاں سے جماعتِ اسلامی کے یہاں نہ کوئی راز ہو، نہ کوئی خفیہ اسکیم ہو، یہ لوگ جو کچھ کہتے اور کرتے ہیں کھلے خزانے کرتے ہیں۔

اگر اربابِ حکومت کو اپنے اقتدار کے بقاء سے زیادہ پاکستان کی تعمیر اور اسلام کی ترقی عزیز ہوتی تو جماعتِ اسلامی کا تعاون حاصل کرنے میں وہ ذرا سا بھی تامل نہ کرتے جماعتِ اسلامی تعمیر و ترقی میں اُن کا دست و بازو ثابت ہوتی، مگر یہاں تو معاملہ ہی الٹا ہو دوستوں اور خیر خواہوں کو دشمن سمجھ لیا گیا ہو اور اسی انداز پر اُن کے ساتھ سلوک کیا جارہا ہو۔

جماعتِ اسلامی آخر کیا کرے اگر حکومت کے تنخواہ یاب انشاپرداز اور کرایہ کے مضمون نگار فکر و نظر اور ادب و انشاء کے میدان میں جماعتِ اسلامی کے لٹریچر اور افکار و نظریات کے مقابلہ میں شکست کھاجاتے ہیں، اس شکست اور پسپائی کی جھنجلاہٹ جماعتِ اسلامی پر کیوں اتاری؟

جماعتِ اسلامی پاکستان میں خالص "اسلامی دستور" چاہتی ہو یہی اُس کا پروگرام اور اُس کی سرگرمیوں کا محور ہو؟ حکمراں طبقہ کو جماعت کے پروگرام اور طرزِ فکر سے اختلاف ہو تو عوام کے سامنے اُسے پیش کرے اور جماعتِ اسلامی کو بھی اُس کے پروگرام اور افکار کی اشاعت کا موقع دے، یہی شرافت، انصاف اور جمہوریت کا تقاضا ہو، اسی کو FAIR PLAY کہتے ہیں!

اگر حکومتِ پاکستان عوام کے جذبات کا احترام کرنا جانتی ہو اور اُسے لوگوں کے رنج و اضطراب کی خبر ہے تو پھر اُسے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، اُن کے رفقاء اور دوسرے اُن لوگوں کو جو دنگے فساد میں شریک نہیں ہوئے، صرف محبتِ رسولؐ انھیں قید خانے لیگئی ہو کسی توقف کے بغیر رہا کردینا چاہیئے ——— یہ ساری قوم کا مطالبہ اور ہر دھڑکتے ہوئے دل کی آواز ہو!

عوام سے! | ہم نے باربار کہا ہو اور آج بھی یہی کہتے ہیں کہ عوام کو آئینی جد وجہد پر اعتماد کرنا چاہیئے قوم کے متحدہ اور متفقہ مطالبہ کو کوئی حکومت کچھ دن کے لئے ٹال تو سکتی ہو مگر رد نہیں کرسکتی:

حکومت کے عتاب اور برہمی کے مقابلہ میں بھی عوام کو آئین اور ضبط و نظم کی حدود سے نہ گزرنا چاہیئے ——— "اسلامی دستور" کی تحریک کو قوت اُسی وقت ملے گی جبکہ عوام کا اخلاق بھی اسلامی اخلاق ہوگا، اُنکو اپنے اندر بھی تبدیلی پیدا کرنے کی ضرورت ہو، اربابِ حکومت پر تنقید کرتے وقت عوام اپنی کمزوریوں پر بھی نظر رکھیں اصلاح اور تزکیۂ نفس کے محتاج "بڑے" نہیں "چھوٹے" اور قصر نشین نہیں، کوچہ گرد بھی ہیں۔ ——— اللہ پر بھروسہ کئے ہوئے حق پر جمے رہئے جمے رہئے جمے رہئے یہاں تک کہ اللہ کی نصرت آجائے اور حق کو فتح اور سربلندی نصیب ہو!!

ماہر القادری ۲۲ر مئی ۲۵ رشی ۵۳ء

عزیز زبیدی

قرآن = اور = حدیث

ایک ہی چراغ کا نور ہیں!

(فنِ حدیث کی چند جھلکیاں)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول، فعل، تقریر (حضورؐ کے سامنے جو کہا یا کیا جائے آپؐ اس کو دیکھ کر خاموش رہیں تو اس کو، تقریر کہتے ہیں)، صفت اور اجتہاد کا نام حدیث ہے ——

اللہ کا قرآن انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی اور اُس کی جلوت و خلوت اور ظاہر و باطن کے لئے ایک خاص نہج مخصوص وضع اور انداز چاہتا ہے، قرآنِ پاک میں اس کے لئے بنیادی اصول ملتے ہیں مگر اس متن کی شرح اور اس اجمال و کلیات کی تفسیر و تشریح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ تھی کیونکہ وحی الٰہی کے منشا، حکمت اور اشارات کی تفصیل و تشریح اس پیغمبر کے ذمہ ہوتی ہے، جس پر نازل ہوتی ہے!

قرآن کی تبلیغ و اشاعت کا صرف یہی مفہوم نہیں ہے کہ اس کے الفاظ پڑھ کر سنا دیئے جائیں اور نبی قرآن کی تلاوت کے علاوہ کوئی اور بات اپنی زبان سے نہ کہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی تلاوت بھی فرماتے تھے، اُس کے معانی بھی سمجھاتے تھے، اور قرآن کے احکام کو عملاً برت کر بھی دکھاتے تھے، یعنی قرآنی علم و عمل دونوں کی نگرانی آپ کے ذمہ تھی، حضورؐ قرآن کے قاری بھی تھے، اُس کے معلّم بھی تھے، اُستادِ حکمت بھی تھے اور صحابۂ کرام کا تزکیۂ نفس بھی فرماتے تھے!

اسی لئے اللہ تعالےٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی کو انسانیت کے لئے "نمونہ" بنایا، اور قرآنی علم و عمل کے لئے آپؐ کی ذات کو مظہر قرار دیا، حضورؐ کا کام صرف "بلاغ" ہی نہ تھا بلکہ آپ قرآنی اخلاق اور نظامِ حیات کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لئے مامور بھی تھے، چنانچہ حضورؐ نے شخصی، تمدنی اور اجتماعی زندگی اللہ تعالےٰ کے منشا، اور قرآن کے مطابق بسر کی اور اپنے صحابہ کو بھی اپنی زندگی کے اتباع کا حکم دیا اور یہ بھی فرمایا کہ جو حاضر ہیں وہ غائب تک اس نمونہ اور ارشادات کو پہونچادیں!

غرض حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مقدس سیرت اور اس عہد مبارک کا تاریخی اور انقلابی حصہ جو حضورؐ سے تعلق رکھتا ہو یا منسوب ہے، اُس کی وہ تمام کڑیاں اور جزئیات قولی ہوں یا فعلی، اجتہادی ہوں یا تقریری، جزوی ہوں یا کلی، ان سب کو آپ کے وفادار اور مخلص صحابہ نے من وعن محفوظ رکھا، سینوں اور حافظوں میں بھی، صفحات و اوراق میں بھی اور پورے وثوق اور احتیاط کے ساتھ ـــــ جتنی احتیاط ایک انسان سے ممکن ہے!

اس کے بعد دوسرا دور شروع ہوتا ہے، ان سے سننے اور دیکھنے والوں یعنی صحابہ کے تربیت یافتہ تابعین (صحابہ کے شاگرد اور دیکھنے والے) نے اسی پاک اُسوہ اور نمونہ کی پیروی کی، جو کچھ اُن سے سُنا، دیکھا بھالا، پڑھا اور تربیت پائی تھی سب کو من وعن محفوظ رکھا، سینوں میں بھی اور کتابوں میں بھی اور پورے اطمینان اور علم ویقین کی روشنی میں ـــــ خود بھی اُس پر عمل کیا اور بعد میں آنیوالوں کو بھی اس کی تلقین کی، زبان سے بھی انھیں سنایا اور عملی نمونے بھی دکھائے، اور ان کے فہم و حافظ اور عمل کی بھی خوب نگرانی کی"ـــ اس انداز بیان اور طریق حکایت کو روایت کہتے ہیں، اور روایت کے ذریعے جو مضمون اور امر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منسوب کیا جائے اس کو "حدیث" کہتے ہیں۔

تدوین اور ترتیب کا یہ ایسا دور تھا کہ عہدِ نبویہ سے متعلقہ تمام تفصیلات اور جزئیات جو پہلے کسی خاص ترتیب اور تہذیب، ابواب اور فصول کے بغیر، قوت حافظ اور اخلاص و دیانت کی نگرانی میں منتشر اوراق اور صحائف میں بکھری پڑی تھیں، کتابی شکل میں، عنوان، ابواب اور فصول وغیرہ پر مرتب اور مدون کر دی گئیں جو اس وقت آپ کے سامنے ہیں۔"

دوسرے لفظوں میں آپ یوں کہہ سکتے ہیں کہ فہم قرآن اور حکمت وحی کے ادراک کے لئے، اس کے علم وعمل میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے اجمال سے صحیح تفصیل اور کلیات سے جزئیات اخذ کرنے کے لئے، اس کے ضوابطِ زندگی کی صحیح فلاسفی اور حکمت کے مطابق دنیا میں ایک جامع نظامِ حیات قائم کرنے کے لئے ایک ایسے معاشرہ کی تخلیق اور احیار کے لئے جو صحیح معنے میں قرآنی اخلاق اور اسوہ اور نبوی زندگی کا حامل اور حامی ہو" یا محض انشراح صدر کے لئے اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کے معصوم قلب پر جو الہام اور القا فرماتا ہے ـــــ یا جو واردات اور انوار قدسیہ مصلح اعظم محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اجتہادی قوت کو جلا بخشتے ہیں اور اس کے نتیجہ میں آپ کی حرکات وسکنات اور قول وکردار میں ان کا ظہور ہوتا ہے (چونکہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم علم وعمل کی رُو سے اللہ تعالیٰ کا حقیقی ترجمان اور نمایندہ ہوتا ہے، اس لئے آپ کے قول وکردار اور حرکات وسکنات سے ایسی کوئی چیز ظاہر نہیں ہوتی جو اللہ پاک کے منشار اور مقامِ نمایندگی کے خلاف ہو" بلکہ اس سے وہی صادر ہوتا ہے جسے اس کا مالک چاہتا ہے)'ـــــ تو جب یہی چیزیں پیغمبر خدا صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہوتی ہیں تو اس کو" اُمتِ مسلمہ" کی اصطلاح میں "حدیث" کہتے ہیں، اس کو "خبر" اور "سُنت" بھی کہتے ہیں ـــــ بالفاظ دیگر اور آسان پیرایہ میں اس کی وضاحت یوں بھی کی جاتی ہے کہ" رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قرآنِ حمید سے سمجھ کر اور استنباط کر کے یا مستقل وحی اور الہام سے معانی اور مطالب اخذ کر کے مختلف زمان ومکان اور حالات وکیفیات میں قرآنِ عظیم پر عمل کرنے کے لئے جو مفصل پروگرام دیا ہے" اس کو "حدیث"

لکھتے ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان اپنے آپ کو کلام الٰہی (قرآن حمید) کے حوالے کردے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ کی سیرتِ پاک اور معصوم زندگی کو اپنے لئے نمونۂ عمل بنائے اور اس کی روشنی میں کلام الٰہی کے احکامات پر عمل کرتا جائے ــــ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وحی خداوندی کے ایک محسوس اور مرئی پیکر تھے، اور قرآنی علم و عمل کے نگہبان اور نمونہ بھی ــــ اگر احادیثِ پاک کی اس مقدس متاع اور صحیح ذخیرہ کو نظر انداز کردیا جائے تو ہمارے ایمان کی کیا پوزیشن ہوگی؟ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کی پیروی اور اتباع کا جو حکم دیا گیا ہے اور یہ جو فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی تمھارے لئے نمونہ ہے اس پر کس طرح عمل ہوگا۔

(۲) اُمتوں پر گمراہی کا سب سے زیادہ سخت وقت وہ آیا ہے جبکہ انھوں نے اپنے نبیوں کی زندگیوں کو فراموش کردیا ہے، اور انبیاء کے قول وفعل اور کلام و بیان کو بھلا دینے کے بعد، خود اللہ تعالےٰ کے صحیفوں اور کتابوں میں لفظی اور معنوی تحریف کرنے کے موقعے نکل آئے، نبی اللہ کے احکام کو برت کر دکھاتا ہے، تو جب یہ نمونہ ہی نگاہوں سے چھپا دیا گیا تو پھر اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی ہر کوئی من مانی تفسیر اور تادیل کرسکتا ہے ــــ خود مسلمانوں میں خارجیت، اعتزال اور دوسری بدعتی تحریکوں کے فتنے اس انداز پر اُٹھے کہ بعض نے صرف قرآن پر اکتفا کیا اور رسول اللہ علیہ وسلم کی سنت کو چھوڑ دیا اور بعض نے حدیث ہی کو سب کچھ سمجھا اور قرآن کو صرف تلاوت اور عقیدہ کی حد تک مانا! ایک طرف افراط ہے اور دوسری طرف تفریط چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اعمال وعقاید کی اس گمراہی سے بچانے کے لئے ارشاد فرمایا تھا کہ میں اپنے بعد دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں جب تک ان کے ساتھ دالبستہ رہوگے گمراہی سے بچے رہوگے ــــ اور وہ دو چیزیں ــــ اللہ کی کتاب (قرآن) اور رسول اللہ کی "سنت" (طریقہ) ہیں!

حقیقت یہ ہے کہ قرآن اور حدیث ایک ہی نور سے روشن ہیں، وہ ایک دوسرے سے الگ اور مختلف نہیں ہیں جو کوئی احادیثِ رسولؐ کو قرآن کا مخالف بتاتا ہے وہ نہ تو قرآن سے واقف ہے اور نہ حدیث کا اُسے پتا ہے! ایسا شخص اپنے ہوائے نفس کا شکار ہے اور اُمت کو بڑے خوفناک فتنہ میں مبتلا کرنا چاہتا ہے!

قرآن کریم ہی کی تبلیغ اور تفہیم کے لئے احادیث سے استفادہ کرنا بلکہ انھیں دین میں حُجت سمجھنا ناگزیر ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہمیں اُس انقلاب کی تفصیل بتاتی ہے، جو عرب میں رونما ہوا، پس مسلمان جب بھی اس انقلاب کو دہرائیں گے، اُن کے لئے لازمی اور ضروری ہے کہ حضور کے کھینچے ہوئے انقلابی خطوط کو دلیل راہ بنائیں، شعب ابی طالب میں حضورؐ پر اور آپ کے ساتھیوں پر کیا گزری! طائف میں جاکر حضورؐ نے کیا فرمایا، ہجرت کن حالات میں واقع ہوئی اور مدینہ میں کس طرح داخلہ ہوا، مدینہ میں مسجد بنانے کے لئے زمین کس سے لی گئی، بدر و اُحد میں جانے سے

قبل حضورؐ نے کیا خطبہ دیا، مہاجرین اور انصار میں اخوت پیدا کرنے کے لئے سرکارؐ نے کس حکمت اور نفسیاتی تدبیر کو اختیار کیا، حدیبیہ کی صلح کے کیا شرائط تھے؟ فتح مکہ کن حالات میں واقع ہوئی، مفتوح اور مغلوب دشمنوں کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا، بادشاہوں کے نام کس مضمون اور عبارت کے فرمان بھیجے گئے، قوموں، قبیلوں اور حکومتوں کے وفود کو حضورؐ کس طرح باریاب فرماتے تھے، بنو قریظہ بنو نضیر اور منافقین کے ساتھ کیا برتاؤ کیا گیا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ تمام تفصیل ہمیں احادیث میں ملے گی! اور اس تفصیل میں ہمارے لئے بہترین نمونہ ہے!

(۳) فاضل ندوی فرماتے ہیں "علم القرآن اگر اسلامی علوم میں دل کی حیثیت رکھتا ہے تو علم حدیث شہ رگ کی، یہ شہ رگ اسلامی علوم کے تمام اعضاء جوارح تک خون پہونچا کر ہر آن ان کے لئے تازہ زندگی کے سامان پہونچاتا رہتا ہے۔ آیات کا شانِ نزول، اور ان کی تفسیر، احکام القرآن کی تشریح و تعیین، اجمال کی تفصیل، عموم کی تخصیص، مبہم کی تعیین سب علم حدیث کے ذریعہ معلوم ہوتی ہیں۔"

اسی طرح حامل قرآن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور حیاتِ طیبہ اور اخلاق و عادات مبارکہ اور آپ کے اقوال و اعمال اور آپؐ کے سنن و مستحبات اور احکام و ارشادات اسی علم حدیث کے ذریعہ ہم تک پہونچے ہیں۔"

اسی طرح خود اسلام کی تاریخ، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے احوال اور ان کے اعمال و اقوال اور اجتہادات و استنباطات کا خزانہ بھی اسی کے ذریعہ ہم تک پہونچا ہے ——— اس بنا پر اگر یہ کہا جائے تو صحیح ہے کہ اسلام کے عملی پیکر کا صحیح مرقع اسی علم کی بدولت مسلمانوں میں ہمیشہ کے لئے موجود و قایم ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ تا قیامت رہے گا ———

احادیث کی تدوین

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحابہ کرام کو قرآن حمید کی آیات سناتے، ان کے معانی اور مطالب سمجھاتے، مبہم کی توضیح، اجمال کی تفصیل اور اسلامی احکام کی تشریح اور تاویل فرماتے، مشکل سوالات اور پیچیدہ امور کا حل بتاتے اپنے سفر دل اور عمال کو متعلقہ احکام لکھوا کر دیتے۔ دعوت نامہ بھیجتے۔ استفسارات کا جواب دیتے، خارجہ اور داخلہ امور اور معاملات سے متعلق ہدایات اور نوشتے عنایت فرماتے ——

صحابہ کرامؓ کی یہ کیفیت تھی کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کے ہر واقعہ اور ہر حرکت و سکون کو بہ نظر غور دیکھتے، احترام و عقیدت اور اخلاص و محبت سے آپ کی مقدس زندگی کا مطالعہ کرتے، ان بادیہ نشینوں اور اونٹ چرانے والوں نے اپنے آقا اور پیشوائے معصوم کی ایک ایک چیز، ایک ایک حرکت اور ایک ایک فعل کو جس محبت اور عقیدت و ضبط کے ساتھ اپنے سینوں اور صفحاتِ تاریخ پر محفوظ کیا ہے دُنیا اس پر محو حیرت ہے —— ہمارے ایک معاصر کے لفظوں میں، حدیث میں صحابہ کے اقوال پڑھ کر انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ کس طرح صحرائے عرب کے ان بادیہ نشینوں نے اپنے آقا و سردارؐ کی ہر حرکت و سکون کو لوحِ تاریخ پر ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا ہے!

آنحضرتؐ کس طرح سوتے تھے اور کس طرح جاگتے تھے کس طرح کھاتے تھے اور کس طرح پیتے تھے، کس طرح اُٹھتے

تھے اور کس طرح بیٹھتے تھے۔ کس طرح کھڑے ہوتے تھے، کس طرح بولتے تھے اور کس طرح خاموش رہتے تھے، کس طرح ہنستے تھے اور کس طرح روتے تھے۔ کس طرح خوش ہوتے تھے اور کس طرح ناراضگی کا اظہار فرماتے تھے، کس طرح گھر میں رہتے تھے اور کس طرح سفر میں وقت گزارتے تھے، کس طرح بیوی بچوں سے ہمکلام ہوتے تھے۔ کس طرح عزیزوں کے ساتھ سلوک کرتے تھے اور کس طرح غیروں کے ساتھ معاملہ رکھتے تھے۔ کس طرح دوستی نبھاتے تھے اور کس طرح دشمنوں کے ساتھ پیش آتے تھے، صلح میں کیا انداز ہوتا تھا، اور جنگ کس طرح لڑتے تھے۔ کس طرح بندوں کا حق ادا کرتے تھے اور کس طرح خدا کا حق بجالاتے تھے۔ کس طرح اللہ کا کلام سنتے تھے اور کس طرح اسے لوگوں تک پہونچاتے تھے —— غرض آپ کی زندگی کی تصویر کا ہر پہلو اپنی پوری پوری تفصیل میں اور اپنے باریک در باریک خط وخال کے ساتھ ہمارے سامنے محفوظ ہے، حدیث کی کسی کتاب کو ہاتھ میں لیکر اس کی ورق گردانی کرو۔ اس کے ہر صفحہ پر آپ کی تصویر کا کوئی نہ کوئی پہلو زندگی کی اصلی آب وتاب میں چمکتا ہوا نظر آئے گا۔ اور یوں محسوس ہوگا کہ ایک جیتی جاگتی تصویر اپنی پوری دلکشی کے ساتھ ہمارے سامنے آکھڑی ہوئی ہے۔"

دل میں یہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ ہو بہو تصویر اس جامعیت، احتیاط اور ضبط وحفاظت کے ساتھ ہم تک کس طرح پہونچی، وہ کیا اسباب اور وسائل تھے کہ رحمت عالم کی مبارک زندگی کا ہر پہلو دنیا کے سامنے اپنی اصلی ہیئت اور خط وخال کے ساتھ موجود ہے اور اہلِ نظر کو دعوت مطالعہ دے رہا ہے —؟

اس کے کئی اسباب تھے —— ان میں سے مختصراً چند یہاں پیش کئے جاتے ہیں :-

(۱) قرآن نے فرمایا تھا کہ رسول اللہ کی زندگی میں تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے! تو اس "نمونہ" (اسوۂ حسنہ —— سنت —— سیرت —— احادیث) کو محفوظ کرنے کے لئے اگر اللہ تعالےٰ اسباب مہیا نہ فرماتا اور صحابہ، تابعین اور ائمہ حدیث اس کے لئے جد وجہد نہ کرتے اور آج دنیا میں حضورؐ کا "اسوۂ حسنہ" محفوظ نہ ہوتا، تو قرآن کریم کا یہ حکم (لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ) بے معنیٰ ہوکر رہ جاتا حالانکہ قرآن میں ایک شوشہ بھی ایسا نہیں ہے، جس کی محکم ترین دلیل موجود نہ ہو، پس "حدیث" قرآن کے اس حکم اور وعدے کی سب سے بڑی شہادت اور روشن ترین دلیل ہے۔

(۲) رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود اس امر کی وصیت فرمائی تھی کہ صحابہ آپ کے اسوہ اور ارشاد کو محفوظ رکھیں اور دوسروں تک بھی اسے پہونچاتے جائیں، بعد میں آپ نے یہ دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کو تروتازہ رکھے، جس نے میری بات سُنی اور پھر اسے یاد رکھا اور جس نے نہیں سنا ہے اس تک پہونچادیا —" اور آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ کتاب اللہ اور اپنا طریق زندگی بطور نمونہ تمہارے لئے چھوڑ چلا ہوں، یہ دونوں باہم ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گی جب تک کہ حوضِ کوثر پر پھر میرے سامنے آجائیں —— اور یہ بھی فرمایا جو اس وقت حاضر ہیں وہ غائب کو بھی میری باتیں سناتے جائیں —"

اس کا لازمی اثر یہ ہوتا تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے بعد تمام صحابہ اس کے تحفظ کے لئے مجتمع ہوجاتے، اور اور قرآن حمید کی طرح اس کی بھی تبلیغ فرماتے۔

(۳) صحابہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ جس نوعیت کا عشق اور محبت تھی، وہ نفسیاتی طور پر خود انہیں اس امر پر مجبور کرتی تھی کہ رحمت عالم کی ہر بات اور ہر شے کو محفوظ اور اسی قسم کے ذکر و اذکار سے دلچسپی رکھیں۔

(۴) اُمم سابقہ کی ضلالت اور گمراہی کی تاریخ صحابہ کرام کے سامنے تھی کہ اپنے اپنے رسولوں اور پیغمبروں کے اُسوہ کو فراموش کرکے وہ اُمتیں کس کس طرح گمراہ ہوئیں پس صحابہ نے حضورؐ کی زندگی اور سیرت کو محفوظ کرنے کے لئے بڑے احتیاط اور ذمہ داری سے کام لیا، حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ تو بعض ثقہ صحابہ تک سے حدیث پر گواہ طلب فرماتے تھے تاکہ جو چیز دین کے لئے حجت اور سند ہے وہ زیادہ سے زیادہ صحت و ثقاہت کے ساتھ اُمت کے سامنے آئے،

(۵) حضرت امام ابن سیرین المتوفی ۱۱۰ھ فرماتے ہیں کہ صحابہ نے ظہور فتن کے دور (عہد عثمانی) سے یہ التزام کر لیا تھا کہ بغیر سند کے کوئی حدیث نہیں قبول کریں گے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسناد کی پابندی کا حکم دے دیا تھا۔ جب حضرت ابو ہند عبد الرحمٰن رض صحابی کے تلامذہ اسناد سے انحراف کرتے تو، انہیں آپ چھڑی سے مارتے تھے، پھر ایک ایک حدیث کے لئے سینکڑوں میل سفر کرکے ایک صحابی دوسرے صحابی کے پاس خود جا کر حدیث سنتا تھا۔

(۶) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیاتِ طیبہ کے حالات اور واقعات کو ریکارڈ کرنے والوں کی کیفیت اور تعداد بھی ایسی ہے کہ حضور کی معصوم سیرت کے کسی جزو اور پہلو کا رہنا ناممکن تھا"

آپؐ کی حیاتِ طیبہ اور سیرتِ پاک کے بیان کرنے کے لئے سوانح نگاروں کی طرح کسی ایک صحابی نے، سیرت پر کوئی تقریر یا کوئی کتاب نہیں لکھی، نہ کسی ایک نے اس کے لئے درس دینے کی ذمہ داری قبول کی، بلکہ مختلف اوقات، مختلف حالات اور مختلف جگہوں میں مختلف صحابہ نے، مرد بھی اور عورتیں بھی، بچے بھی اور بوڑھے بھی، غلام بھی اور آزاد بھی، مسافر بھی اور مقیم بھی، مجاہد بھی اور عابد بھی، معلم بھی اور متعلم بھی، غرض سبھی نے اپنے اپنے ذوق، فہم و نظر اور فراست کے مطابق جیسا اور جتنا دیکھا، سُنا، پڑھا اور محسوس کیا، وہی ہو بہو بیان فرمایا، اور پوری احتیاط اور دیانت کے ساتھ، پورے عشق اور خشیت الٰہی کے ساتھ بتایا، صرف زبان سے نہیں بلکہ اس کا عملی نمونہ بھی دکھایا جزاہم اللہ عنا و عن سائر المسلمین جزاءً حسنا!

امام ابو زرعہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جنہوں نے حضور کو دیکھا اور آپؐ سے سُنا ایک لاکھ سے زیادہ تھے' ان میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی سب حضور سے سن کر اور دیکھ کر روایت کرتے تھے۔ "آپ نے صحابہ کی تعداد نہیں بتائی بلکہ ان خاص صحابہ کا ذکر کیا ہو جنہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات طیبہ کی روایت میں کم و بیش حصہ لیا ہے۔" یہ سب حدیث بیان کرنے والے ہیں جو طبقہ اولیٰ کے ہیں اور بلاواسطہ حضور کی معصوم زندگی کے چشم دید سوانح اور سیرت بیان کرتے ہیں۔"

(۷) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شروع میں احادیث کے قلم بند کرنے سے منع فرمایا تھا تاکہ قرآن حمید اور غیر قرآن کی عبارت اور مضمون باہم خلط ملط نہ ہو جائیں لیکن یہ آپؐ نے زیادہ تر ان لوگوں سے کہا تھا جو کاتبینِ وحی (قرآن حمید کے لکھنے والے صحابہ) تھے مگر بعد میں آپؐ نے اجازتِ عام دیدی تھی اور سب نے اس میں حصہ لیا، صحابہ بھی آپ کے حالات اور ارشاد لکھتے تھے اور خود بھی لکھواتے تھے"

مگر حالات اور ضرورت کے مطابق،

(۱) سلہ میں آپؐ نے ایک دستاویز مرتب فرمائی تھی جو (۵۳) جملوں اور دفعات پر مشتمل تھی اور وہ ابتک محفوظ ہے"

(۲) وہ خطوط، اور دعوت نامے جو آپؐ نے مختلف قبائلی سرداروں، شیوخ، صوبہ کے افسروں اور ہمسایہ حکمرانوں کے نام تحریر کرا کے ارسال فرمائے تھے ان میں سے جو مکتوبات اس وقت تک محفوظ مل سکے ہیں ان کی تعداد تقریباً اڑھائی سو ہے۔ اور "رسالات نبویہ" کے نام سے اب بھی آپ کے خطوط اور تحریری معاہدے مطبوعہ بازار میں ملتے ہیں ——"

(۳) فتح مکہ کے موقعہ پر آپ نے ایک عظیم الشان خطبہ پڑھا تھا، اسے بعینہ ابو شاہ یمنی صحابی کی درخواست پر لکھوا کر اُن کو حوالہ فرمایا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے فرمایا، تم لکھ لیا کرو اس سے (دہن مبارک) جو کچھ نکلتا ہے حق نکلتا ہے، مدینہ میں آکر آپؐ نے مسلمانوں کی مردم شماری کرائی اور ان کے نام لکھوائے، اُمراء کو زکوٰۃ اور اس کی پوری تفصیل دو صفحوں میں لکھوا کر بھیجی — حضرت عمرو بن حزم کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو فرایض، صدقات اور دیات وغیرہ کے متعلق ہدایات لکھکر ان کو دیں: ائل بن حجر کو حضور نے دلوا، شراب اور نماز وروزہ وغیرہ کے احکام لکھوا کر دیئے۔ شوہر کی دیت کے بارے میں آپؐ نے ضحاک بن سفیان کے قبیلہ کو ایک خط بھیجا —— ایک صحابی نے حافظہ کی کمزوری کا شکوہ کیا تو فرمایا کر لکھ لیا کرو ——

صحابہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے آپ کے ارشادات کے لکھنے کا التزام کیا کرتے تھے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرو بن العاص لکھا کرتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی روایات لکھ لیا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ کی تلوار کی میان میں احادیث کا ایک مجموعہ تھا جسے آپ نے لوگوں کی درخواست پر نکال کر دکھایا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کے پاس ایک صحیفہ تھا جس کو وہ "صادقہ" کہا کرتے تھے اس میں ایک ہزار حدیثیں جمع تھیں، مجاہد تابعی نے بھی اس کو دیکھا اور بعد میں وہ اُن کے پوتے عمر بن نصیب کے پاس موجود رہا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فتاوے کا بہت بڑا حصہ لکھا ہوا تھا اور ابن عباس نے بھی دیکھا تھا۔ حضرت ابن عباس کی لکھی ہوئی حدیثیں آپ کے خاندان میں بھی موجود رہی تھیں، آپ کے شاگرد بھی آپ کے پاس بیٹھ کر حدیثیں لکھتے رہتے تھے، حضرت ابو ہریرہؓ کی زندگی میں ان کی مرویات لکھی جا چکی تھیں اور اس کے کئی ایک نسخے تھے (۱) بشیر بن نا ہیک نے آپ سے سنکر مرتب کیا تھا (۲) دوسرا مجموعہ حسن بن عمر بن امیۃ الضمری نے تیار کیا تھا (۳) تیسرا مجموعہ ہمام بن منبہ نے مرتب کیا تھا چنانچہ امام احمد نے صفحہ ۳۱۲ سے صفحہ ۳۱۸ تک اسی نسخہ سے نقل کیا تھا اور یہ نسخہ اب تک برلن کی لائبریری میں موجود ہے۔

حضرت ابن عمر کی روایات امام مجاہد، سعید بن جبیر، نافع اور آپ کے بیٹے سالم بن عبداللہ آپ کی روایات آپ کے پاس بیٹھ کر قلم بند کیا کرتے تھے اور خود حضرت عمرؓ اس کا بندوبست فرمایا کرتے تھے۔ حضرت ابو سعید خدری کی روایات آپ کی زندگی میں کتابی شکل میں جمع ہو گئی تھیں۔ خصوصاً حضرت نافع اور عطا بن ابی رباح ان کو لکھ لیا کرتے تھے۔

حضرت عائشہ رضؓ کی روایات آپ کے بھانجے حضرت عروہ اور عمرہ کے ذریعہ سے لکھی جا چکی تھیں اور حضرت جابر بن

عبداللہ کی روایات کے مجموعے بھی آپ کی زندگی میں تیار ہو چکے تھے مثلاً (۱) ایک مجموعہ اسمٰعیل بن عبدالکریم (۲) دوسرا سلیمان لشکری کا (۳) تیسرا خود ان کے پاس تھا، حضرت مجاہد وقتادہ حضرت جابر کے مجموعہ سے حدیثیں بیان کیا کرتے تھے۔ حضرت ابو الزبیر، ابوسفیان اور امام شعبی نے یہ صحیفہ خود آپ سے سبقاً پڑھا تھا۔

حضرت سمرۃ بن جندب کے پاس بھی حدیث کا لکھا ہوا مجموعہ تھا۔ آپ کے پوتے جبیب اسی سے دیکھ کر روایتیں کیا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی کا بھی ایک صحیفہ تھا، حضرت ابن عباس ابورافع سے حضور کے کارنامے لکھا کرتے تھے ــــــ"

حضرت سعد نے بھی احادیث کا ایک مجموعہ مرتب کیا تھا، حضرت ابن مسعود کی روایات بھی ایک صحیفہ میں آپ کے بیٹے عبدالرحمن کے پاس موجود تھیں اور وہ حلفیہ کہا کرتے تھے کہ یہ صحیفہ حضرت ابن مسعود کا اپنا لکھا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی روایات آپ کے شاگرد شروع میں تو آپ سے سنکر گھر جاکر لکھا کرتے تھے اور اخیر میں آپ کے پاس بیٹھ کر لکھتے تھے۔ مروان نے حضرت زید کی اکثر روایات پس پردہ بٹھا کر لکھ لی تھیں، حضرت خالد بن معدان نے حضرت ابو امامہ، ثوبان اور امیر معاویہ کی مرویات مرتب کر لی تھیں اور ان کی زندگی ہی میں! اسیطرح حضرت براء بن عازب کی روایات بھی جمع کی جا چکی تھیں ــــــ حضرت حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ اپنے صاحبزادوں اور بھتیجوں کو احادیث لکھنے کی ترغیب دیا کرتے تھے

الغرض احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضور اور آپ کے صحابہ کے عہد میں تحریر میں آچکی تھیں، مگر غیر مرتب تھیں، ابواب اور فصول، اور مخصوص موضوع اور عنوان کی تعیین نہیں کی گئی تھی، لیکن یہ یاد رہے، یہ احادیث صرف صحیفوں میں ہی جمع نہیں ہوگئیں تھیں بلکہ حافظہ میں بھی محفوظ تھیں۔

تابعین کا دور

صحابہ کرام کے شاگردوں نے اس کی طرف جتنی اور جیسی کچھ توجہ مبذول فرمائی تھی وہ اس بارے میں نہایت ہی حوصلہ افزا ہے، تابعین کا دور ۱۱ھ سے شروع ہوتا ہے، اور یہ حضورؐ کی موجودگی کے باوجود صرف اس لئے تابعی رہے کہ ابھی وہ بہت ہی چھوٹے تھے، اور حضورؐ کی خدمت میں نہ پہونچ سکے مثلاً قیس بن ابی حازم۔ عبدالرحمن بن الحارث، مسروق بن الاجدع وغیرہم۔

اللہ کی رحمت ہو تابعین پر کہ انھوں نے صحابہ کے مبارک عہد میں حصول روایت کیلئے اتنی جدوجہد کی کہ طلب علم کے سلسلہ میں ساری دنیا اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے وہ شاگرد جنھوں نے آپ سے صرف حدیث پڑھی ہے، ان کی تعداد تین سو تک پہنچتی ہے، حضرت امام محمد بن سیرین کے زمانہ میں صرف شہر کوفہ کے اندر چار ہزار حدیث کے طلبار تھے، اسی زمانہ میں عفان بصری نے جو امام احمد بن حنبل اور امام بخاری کے سلسلہ کے شیخ ہیں کوفہ میں صرف چار ماہ کے اندر پچاس ہزار حدیثیں صحابہ اور کبار تابعین سے لکھیں اور فرماتے تھے اگر میں چاہتا تو ایک لاکھ احادیث لکھ لیتا۔ اور کوفہ وہ شہر ہے جس میں ڈیڑھ ہزار صحابہ میں سے ستر بدری صحابہ آباد تھے، اور شہر مدینہ جو صحابہ کا گھر اور دارالخلافہ تھا اس میں جن تابعین اور مخضرمین نے صحابہ سے حدیث سُنی ہے، ان کی تعداد (۳۵۵) تھی،

تک معظم، طائف، بصرہ، دمشق، یمن، مصر، جزیرہ، واسط، خراسان، رے، وغیرہ بلاد اسلامیہ میں ان تابعین اور مخضرمین کی تعداد جو حیاتِ طیبہ کے حالات اور احادیث کے لکھنے اور سننے کیلئے موجود رہتی تھی، اس کا تو کوئی شمار ہی نہیں، اور پھر ایک ایک شخص نے جتنے اساتذہ اور شیوخ سے احادیث سنیں یا کسی صاحب حدیث کی صحبت میں عمر گزاری یا ایک ایک حدیث کے حصول کیلئے جتنی جتنی منزلیں طے کیں اور تکلیفیں برداشت کیں، ان کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ مسروق اور مکحول وغیرہما نے مصر، شام، عراق اور حجاز وغیرہ کا سفر صرف حدیث کیلئے کیا، ابن المسیب ایک ایک حدیث کیلئے رات اور دن منزلیں طے کرتے رہتے، ابو اسحاق سبیعی نے صرف چار ہزار شیوخ سے احادیث سنیں، اسیطرح عبداللہ بن المبارک، حماد بن زید حضرت ایوب کی صحبت میں اور ربیع بن انس حسن بصری کی خدمت میں اور زہری ابن المسیب کے حضور میں خدمت حدیث کی خاطر دس دس سال رہے،

خلاصہ یہ کہ حضورؐ کے بعد صحابہ نے احادیث جمع کیں اور ان کا نام ان کی اصطلاح میں "صحیفہ" تھا مگر غیر مرتب، پھر تابعین کا دور آیا اور انھوں نے آپ کے صحابہ کی موجودگی میں احادیث کی تدوین اور جمع کا انتظام کیا، چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ۹۹ھ میں مسند خلافت پر بیٹھتے ہی چند دنوں کے بعد ابوبکر بن حزم حاکم مدینہ اور دوسرے مرکزی علاقوں کے حکمرانوں اور گورنروں کو حکم دیا کہ مجھے احادیث کی تضییع کا خطرہ ہے، اس لئے آپ احادیث کی تدوین اور تالیف کا انتظام کریں، چنانچہ احادیث کی تدوین اور تالیف کے لئے سب سے پہلے جنھوں نے اپنی خدمات پیش کیں وہ دو حضرات ہیں (۱) ابوبکر محمد بن عمرو بن حزم المتوفی ۱۲۰ھ (۲) اور محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبداللہ بن شہاب الزہری القرشی (۵۰ھ تا ۱۲۴ھ)۔ یہ دونوں حضرات جلیل القدر تابعی ہیں اور متعدد صحابہ اور کبار تابعین اور مخضرمین سے روایتیں کیں، ان کی یہ کیفیت تھی کہ مدینہ منورہ کے ایک ایک انصاری اور مہاجر کے گھر تشریف لے جاتے، مرد، عورت، جوان اور بوڑھے سب سے رحمت عالم کی حیات طیبہ کے اقوال اور حالات دریافت کرتے اور انھیں لکھتے جاتے" اور یہ دونوں حضرات مدینہ میں رہتے تھے (زہری بعد میں یہاں سے چلے گئے تھے) اور مدینہ منورہ وہ مقام ہے جو مہبط جبرائیل بھی رہا ہے، مولد و مسکن صحابہ بھی خصوصاً جب آپ یوں غور فرمائیں گے کہ صدیق اکبر کا علم حضرت صدیقہ اور ان کے بھتیجے قاسم اور بھانجے عروہ کے ہاں جمع ہو چکا تھا، فاروقی روایات ابن عباس اور ابن عمر اور پھر ابن عمر کے غلام نافع عبداللہ بن دینار اور بیٹے سالم نے سمیٹ لی تھیں، حضرت زید کی مرویات آپ کے صاحبزادے خارجہ اور حضرت ابوہریرہ کی روایات آپ کے داماد سعید بن المسیب کے پاس منتقل ہو چکی تھیں، ان کے علاوہ سلیمان بن یسار، ابوبکر بن حارث اور عبید اللہ عامر بن عبداللہ، جعفر صادق، ربیعہ رائے، ابو سہیل وغیرہم بے شمار علم و تفقہ کے بادشاہ بھی مدینہ میں موجود تھے ان کو ان حالات میں احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمع اور تدوین کیلئے کتنی سہولتیں حاصل ہوں گی۔ اور حضرت ابوبکر بن محمد بن حزم کے متعلق یہ خصوصیت کے ساتھ تصریح آتی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے آپ کو یہ لکھا کہ حضرت عمرہ بنت عبدالرحمٰن اور قاسم بن محمد (یہ دونوں صدیقہ کے پروردہ اور شاگرد ہیں) کی مرویات لکھ کر

انہیں بھیجیں۔

اور اسی زمانہ میں، قیس بن ابی حازم، ہشام بن عروہ، ابن ابی رباح، ابوالزناد اور سعید بن جبیر وغیرہ نے بھی احادیث کے جمع اور تدوین کے لئے پوری پوری جد جہد اور کوشش کی۔ پھر اسی عہد میں تھوڑے دنوں کے بعد جنھوں نے کتاب کو فقہی مضامین کے لحاظ سے مرتب کیا، ان میں سے سب سے پہلے امام شعبی تھے اور پھر ابن جریج نے مکہ میں، محمد بن اسحٰق اور امام مالک نے مدینہ میں، ربیع بن صبیح، سعید بن عروبۃ اور حماد بن مسلمہ (سب نے یا ان میں سے کسی ایک نے) بصرہ میں، سفیان ثوری نے کوفہ میں، امام اوزاعی نے شام میں، ہشیم بن بشیر نے واسط میں، معمر بن راشد نے یمن میں، جریر بن عبدالحمید نے رے میں اور عبداللہ بن المبارک نے خراسان میں اپنے اپنے انداز اور مذاق کے مطابق احادیث جمع کر کے کتابیں مرتب کیں ــــ یہ وہ دور تھا جس میں احادیث مرفوعہ کے ساتھ اقوال صحابہ اور کبار تابعین کے فتاوے ملا جلا کر درج کئے گئے تھے ــــ تقریباً یہ دور ۱۸۸ھ سے پہلے تک قائم رہا، اس کے بعد خالص احادیث مرفوعہ (یعنی محض حضور سے متعلقہ احادیث) کی تدوین اور تصنیف کا کام کیا گیا چنانچہ اس موضوع پر عبیداللہ بن موسیٰ العبسی الکوفی، مسدد البصری ابوداؤد طیالسیؒ اسد بن موسیٰ، نعیم بن حماد خزاعی نے سب سے پہلے 'مسند' تیار کی جو بالکل مرفوع حدیث کیلئے مخصوص تھی اس کے بعد امام احمد بن حنبل، عبد بن حمید، اسحاق بن راہویہ، اور عثمان بن ابی شیبہ نے اسی موضوع پر مزید احتیاط سے قلم اٹھایا اور کتابیں تصنیف کیں۔

پھر ایسے حفاظ حدیث پیدا ہوئے جنھوں نے اس امر کا تہیہ کر لیا تھا کہ فقہی ابواب پر مشتمل ایسی کتاب تیار کی جائے جو ہر اعتبار سے صحیح ہو اور اس میں کسی قسم کے اشتباہ اور اضطراب کے لئے کوئی گنجائش نہ رہے چنانچہ اس موضوع پر جس ذات گرامی نے سب سے پہلے قلم اٹھایا اور سینکڑوں قسم کی مشکلات اور دقتوں سے بے نیاز ہو کر اس مشکل کام کو انجام تک پہونچایا، وہ محمد بن اسمٰعیل بن المغیرۃ بن بردزبۃ الجعفی رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام مسلم نیشاپوری ہیں ــــ اس کے بعد چند ایک حفاظ ایسے پیدا ہوئے جنھوں نے یہ التزام نہ کیا کہ اپنی کتاب میں کوئی ضعیف اور کمزور حدیث نہیں لکھیں گے لیکن یہ ضرور کیا کہ اس ضعف اور کمزوری کی تصریح فرما دیں گے جو کسی حدیث میں موجود تھی، ہاں موضوع احادیث سے قطعاً انھوں نے اجتناب کیا، وہ امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، امام سلیمان بن الاشعث السجستانی، امام احمد بن شعیب بن علی النسائی وغیرہ ہیں رحمہم اللہ تعالیٰ ــــ یہ دور ۲۵۰ھ تک جاری رہا ــــ اس کے بعد اپنے اپنے مخصوص ذوق اور انداز فکر کے مطابق احادیث کی تدوین، تالیف، ترتیب اور تہذیب کا ایسا آغاز ہوا کہ ان کا احصا اور شمار ناممکن ہے، اس کے موضوع اور عنوان میں بے شمار انواع اور اقسام پیدا ہو گئے، کسی نے صرف احادیث کو جمع کیا، کسی نے رواۃ حدیث پر کتابیں لکھیں، کسی نے صرف جرح و تعدیل کو موضوع تحریر بنایا! کسی نے ضعیف اور موضوع حدیثوں پر بحث کی کسی نے حدیث کے الفاظ اور ان کے معانی پر روشنی ڈالی، کسی نے احادیث کے لغت پر قلم اٹھایا، کسی نے

کوئی مخصوص مسئلہ اور جزو پر لکھا، کسی نے شواہد اور متابعات جمع کئے کسی نے تخریج اور تبویب پر زور دیا، کسی نے شرح لکھی، کسی نے متعدد کتب کی احادیث کتاب واحد میں جمع کردیں، کسی نے بعض محدث یا بعض راوی کی مرویات کو شمار کیا کسی نے حدیث کے پڑھنے اور سننے کے آداب پر لکھا، کسی نے حدیث کی تلاش اور حصول کے لئے رواۃ حدیث کے سفر اور ان کے تلامذہ اور اساتذہ سے بحث کی، کسی نے مخصوص ائمہ کی کتابوں کی خصوصیات، رجال اور مرویات اور اصول پر تبصرے کئے، کسی نے احادیث کے شان نزول اور مقام ظہور سے بحث کی، کسی نے رحمت عالم کی محض عادات اور اخلاق پر لکھا، کسی نے حضور کے معجزات سے بحث کی، کسی نے آپ کی سیاست اور اصول جنگ پر روشنی ڈالی، کسی نے آپ کے خدام، یا ازواج، یا اولاد وغیرہ پر لکھا ــ غرض مسلمانوں کی اس ایجاد اور کوشش کو دیکھ کر دنیا والوں کی عقل دنگ رہ گئی ہے، حیات طیبہ کے کسی نہ کسی پہلو کی روایت اور حفاظت کرنے والوں کی تعداد ڈاکٹر اسپرنگر کے قول کے مطابق ۵ لاکھ انسانوں کا محیر العقول جم غفیر ہے، کیا اب بھی کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پاک زندگی کے نقوش دھندلے ہیں رہ گئے ہیں یا آغاز اسلام سے لیکر اب تک ساری امت کی یہ تمام کوششیں بالکل ناکام رہیں اور اس سلسلہ میں کوئی نتیجہ خیز مقام نہ پیدا کر سکیں۔ ؟

آج سے تقریباً پچاس برس پہلے دمشق کے ایک رسالہ "المقتبس" میں شائع ہوا تھا کہ اس وقت تک حیات طیبہ صرف یورپ کی مختلف زبانوں میں تیرہ سو (۱۳۰۰) کتابیں لکھی جا چکی ہیں ــــــ لیکن یہ شمار اس حد تک ہے جس حد تک انہیں معلوم ہو سکا تھا، اور جو کتب اس کے بعد اس موضوع پر لکھی گئی ہیں، وہ بھی ان کے علاوہ ہیں" پروفیسر مارگولیس جو اکسفورڈ یونیورسٹی میں عربی کا پروفیسر تھا اس نے حضور کی سیرت پر ایک کتاب لکھی تھی سبب تالیف کے سلسلہ میں لکھتا ہے کہ ــــ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سوانح نگاروں کا ایک طویل سلسلہ ہے، جس کا ختم ہونا ناممکن ہے لیکن اس میں جگہ پانا قابل عزت ہے، جان ڈیون پوٹ مصنف' اپالوجی فار محمد اینڈ دی قرآن' لکھتے ہیں

اس میں کچھ شک وشبہ نہیں کہ تمام مقننین اور فاتحوں میں ایک بھی ایسا نہیں ہے کہ جس کے سوانح اور حالات زندگی، محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے سوانح اور حالات سے زیادہ ترمفصل اور سچے ہوں ــــ

فاضل ندوی فرماتے ہیں کہ "مسلمانوں میں اخبار وسیر اور احکام وسنن کی ترتیب اور تدوین کے درحقیقت تین دور ہیں، اول جب ہر شخص نے صرف اپنے ذاتی معلومات کو یکجا کیا، (۲) دوسرا دور وہ آیا جب ہر شہر کے معلومات ایک جگہ فراہم کئے گئے" (۳) تیسرا دور وہ تھا جب تمام دنیائے اسلام کے معلومات اکٹھے کئے گئے ــــ اور اسی عہد میں تجرید الصحاح کا التزام بھی کیا گیا)

پہلا دور غالباً ۱۰۰ھ تک قائم رہا (یعنی صحابہ اور کبار تابعین) ــــ دوسرا دور ۱۵۰ھ تک رہا (یعنی تابعین کا دور، لیکن یہ یاد رہے تابعین کا دور حقیقت میں حضورؐ کے عہد سے شروع ہوتا ہے، اگر اس معاملہ میں زیادہ سے زیادہ احتیاط

کی جائے تو کم از کم اتنا ضرور ماننا پڑے گا کہ سنہ ۱۱ھ سے شروع ہوا اور سنہ ۱۸۰ھ تک قائم رہا، کیونکہ تابعین میں سے جو سب سے پہلے فوت ہوئے ہیں وہ ابوزید معمر بن زید (سنہ ۳۰ھ) ہیں اور سب سے بعد جن کا انتقال ہوا ہے وہ سنہ ۱۸۰ھ میں خلف بن خلیفہ ہیں اور تیسرا دور سنہ ۱۵۰ھ سے تیسری صدی کے کچھ دنوں بعد تک قائم رہا — پہلا دور صحابہ اور اکابر تابعین کا تھا، دوسرا دور تبع تابعین (اور صغار تابعین) کا اور تیسرا دور امام بخاری، اور امام مسلم، امام ترمذی، امام احمد بن حنبل وغیرہ کا تھا، پہلے دور کا تمام سرمایہ دوسرے دور کی کتابوں میں ہے اور دوسرے دور کی کتابوں کا تمام سرمایہ تیسرے دور کی کتابوں میں کھپا دیا گیا اور دوسرے اور تیسرے دور کی کتابوں کا سرمایہ آج ہزاروں اوراق میں ہمارے پاس موجود ہے اور دنیا کی تاریخ کا سب سے گراں بہا سرمایہ اور معتبر و مستند ذخیرہ ہے جس سے زیادہ مستند اور معتبر دنیا کی تاریخ کے خزانہ میں کوئی ذخیرہ نہیں —"

حدیثوں کی حفاظت

سب سے پہلے ہم صحابہ کے دور کو لیتے ہیں کیونکہ سب سے پہلے ذمہ دار اور محافظ حدیث وہی تھے، اور انہی کے صدقے میں یہ ذخیرہ ہم تک محفوظ پہونچا ہے، اب آپ وہ اسباب بنظر غور دیکھیں جن کی بنا پر احادیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحت اور جامعیت کے ساتھ محفوظ ہو گئیں اور ان کو ہو بہو بلا کم و کاست بیان کرنے پر وہ مجبور ہوئے،

(۱) چونکہ صحابہ کو حضورؐ کی ذات سے کمال درجہ کی محبت اور عقیدت تھی اس لئے وہ آپ کی ہر حرکت اور سکون کو بنظر غور دیکھتے، اسے سمجھتے یاد کرتے اور ہو بہو اس کے مطابق اپنے اقوال، اعمال اور حرکات و سکنات میں رنگ بھرتے — جو چیز حافظہ کے ساتھ پریکٹیکل طور پر اپنالی جاتی ہے، اس کے تثبت اور تحفظ کی جو کیفیت ہونی چاہیئے اس کا اندازہ آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔

(۲) حضور صحابہ کی تعلیم کی خود بھی نگرانی فرمایا کرتے۔ (۳) عام فہم اور دلنشین کرنے کے لئے حضور صحابہ کے ساتھ سیدھے سادے پیرایہ میں دہرا دہرا کر بات فرماتے (۴) صحابہ کا جائزہ بھی لیا کرتے تھے (۵) صحابہ کا حضور سے بااصرار مسائل دریافت کرنا اور آپ کی خلوت اور جلوت کے حالات اور کیفیات کی ٹوہ میں رہنا یہ کچھ اس قسم کے وسائل تھے جو ان کے حافظہ پر اثر انداز ہوئے (۶) صحابہ کرام ایک ایک حدیث کیلئے دور دراز کی منزلیں طے کر کے اس کو پوری صحت کے ساتھ حاصل کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔

(۷) چونکہ حضور کا یہ ارشاد تھا کہ آپ کے اسوۂ حسنہ اور احادیث مقدسہ کو دوسروں تک بھی پہونچائیں، لیکن اس کے ساتھ یہ بھی آپ کا ارشاد تھا کہ جو شخص آپکی طرف غلط اور جھوٹی باتیں منسوب کریگا وہ اپنی جگہ جہنم میں تصور کرلے اور ایک شخص کے جھوٹے ہونے کے لئے اتنا کافی ہے کہ جو بات سنے اسے بلا تحقیق بیان کرنا شروع کردے، حضورؐ کا یہ حکم کہ جو کچھ تم نے مجھ سے سنا اور دیکھا ہے اسے بعینہ بیان کرنا بھی ضروری ہے لیکن اسکے ساتھ ان پر حرام کر دیا گیا کہ آپ کی طرف کوئی غلط بات اور غیر یقینی بات منسوب کریں، اب آپ خیال فرمائیں انہوں نے احادیث کی صحت اور حفظ کا کتنا اور کیسا کچھ اہتمام کیا ہوگا۔

تابعین اور تبع تابعین کا دور

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے کہ تابعین کا مبارک زمانہ سنہ ۱۱ھ سے شروع ہوتا

ہے، اور ۱۸۰ھ تک قایم رہتا ہے، جس طرح ۱۱۰ھ تک صحابہ کے ساتھ تابعین بھی رہے ہیں اسی طرح ۱۸۱ھ تک تابعین کے ساتھ تبع تابعین (تابعین کے شاگرد اور دیکھنے والے مسلمان) بھی رہے ہیں، تو اس مبارک دور میں احادیث کے تحفظ اور تثبت کیلئے انھوں نے جو وسائل اختیار کئے اُن کی ایک جھلک یہاں پیش کی جاتی ہے:-

(۱) صحابہ کرام سے احادیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سننے اور جمع کرنے کے لئے انھوں نے دوڑ دھوپ شروع کی اور یہ عاشقانِ رسول طوفان اور آندھی کی طرح بڑھے اور مشرق و مغرب پر چھاگئے چنانچہ اسی دورِ مسعود میں اُن کے مختلف قافلے جہاں جہاں سے گزرے اور جہاں جہاں پڑاؤ کیا، اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اقاویل صحابہ کو جمع کیا اور ان کا درس دیا اور مکتب کھولے، وہ ہمارے تصور سے بھی بڑھ کر ہیں، بہر حال مختصر نمونے ملاحظہ فرمائیں۔

مدینہ منورہ ــــ میں ــــ سعید بن المسیب ۹۳ھ، عروہ بن زبیر ۹۴ھ، ابوبکر بن عبد الرحمٰن مخزومی ۹۴ھ علی بن حسین بن علی ۹۴ھ، عبید اللہ بن عتبہ ۹۸ھ، سالم بن عبد اللہ بن عمر ۱۰۶ھ، قاسم بن محمد ۱۰۱ھ، سلیمان بن یسار ۱۰۷ھ، نافع بن سرجس ۱۱۷ھ، ابوجعفر محمد بن ذکوان ۱۳۱ھ، ابوسعید یحیٰ بن سعید انصاری قاضی ۱۴۳ھ، ربیعہ بن عبد الرحمٰن ۱۳۶ھ ــــ

مکہ معظمہ ــــ میں ــــ مجاہد بن جبیر ۱۰۳ھ، عکرمہ مولیٰ بن عباس ۱۰۷ھ، عطا بن ابی رباح ۱۱۴ھ، ابو زبیر محمد بن مسلم ۱۲۸ھ،

کوفہ ــــ میں ــــ علقمہ بن قیس ۶۲ھ مسروق بن اجدع ۶۲ھ، عبادہ بن عمرو ۹۲ھ، اسود بن یزید ۹۵ھ ابراہیم بن یزید ۹۵ھ، سعید بن جبیر ۹۵ھ، عامر بن شُرحبیل الشعبی ۱۰۴ھ صرف امام شعبی تقریباً ۵ سو صحابہ سے ملے ہیں — عبیدہ بن قیس السلمانی ۷۲ھ، عمرو بن میمون الاودی ۷۴ھ، ابوعبد الرحمٰن عبد اللہ بن حبیب السلمی ۷۴ھ، زر بن حبیش ۸۲ھ، شریح بن الحارث الکندی ۸۰ھ، عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ ۸۳ھ یہ ایک سو بیس صحابہ سے ملے ہیں"

بصرہ میں ــــ رافع ۹۰ھ، جابر بن زید ۹۳ھ، حسن بن ابی الحسن ۱۱۰ھ، سعید بن ابی الحسن ۱۰۹ھ محمد بن سیرین ۱۱۰ھ، قتادہ بن دعامہ ۱۱۸ھ، عبد اللہ بن مسلمہ ۲۲۱ھ

شام ــــ میں ــــ عبد الرحمٰن بن غنم الشعری ۷۸ھ، قبیصہ بن ہلب ۸۱ھ، عمر بن عبد العزیز ۱۰۱ھ، مکحول بن عبد اللہ ابو مسلم خولانی ۱۱۳ھ،

مصر ــــ میں ــــ ابو الخیر مرثد بن عبد اللہ ۹۰ھ، یزید بن ابی حُبیب ۱۲۸ھ وغیرہما!

یمن ــــ میں ــــ طاؤس بن کیسان خولانی ۱۰۵ھ، وھب بن منبہ ۱۱۴ھ، یحیٰ بن ابی کثیر ۱۲۹ھ وغیرہم!

بغداد ــــ میں ــــ یزید بن ہارون سلمی ۲۰۷ھ، عبد اللہ بن المبارک ۱۸۱ھ ــــ ان میں دو تین کے علاوہ باقی سب تابعین ہیں اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ کے سلسلہ میں جن کی خدمات معروف و مشہور ہیں، اور ان میں سے

کے حلقہ درس میں سینکڑوں کی تعداد میں تبع تابعین موجود رہتے تھے اور احادیث نبویہ جمع کرتے اور کتابی شکل میں ان کو مرتب کرتے ——— یہ صرف بطور نمونہ کے پیش کیا ہے ورنہ ان کی تعداد بے شمار ہے، ان میں سے ایک ایک امام کئی کئی ہزار اور لاکھ احادیث کا حافظ ہوتا تھا،

(۲) تابعین اور تبع تابعین حدیثیں روایت کرنے کے سلسلہ میں چند ایک امور کی پابندی کیا کرتے تھے، مثلاً جو واقعہ بیان کیا جائے اس شخص کی زبان سے بیان کیا جائے جو خود شریک واقعہ تھا اگر خود نہ تھا تو شریک واقعہ تک تمام درمیانی راویوں کے نام بہ ترتیب بیان کئے جائیں اس کے ساتھ یہ تحقیق بھی کی جائے کہ جو شخص سلسلہ روایت میں آئے ہیں کون لوگ تھے؟ کیسے تھے؟ ان کے مشاغل کیا تھے؟ ان کا چال چلن کیسا تھا؟ سمجھ کیسی تھی، ثقہ تھے یا غیر ثقہ؟ سطحی الذہن تھے یا نکتہ رس؟ عالم تھے یا جاہل؟ ان جزی باتوں کا پتہ لگانا سخت مشکل تھا، لیکن سینکڑوں ہزاروں محدثین نے اپنی عمریں اسی کام میں صرف کر دیں، ایک ایک شہر میں گئے راویوں سے ملے، ان کے متعلق ہر قسم کے حالات دریافت کئے جن محدثین نے اس قسم کی خدمات انجام دیں، وہ حافظہ فہم، دیانت، سیاحت، علم و فراست، زہد و عبادت، مختلف ملکی اور سوشل رسوم و رواج کی معرفت، قوموں کے خصوصی رجحانات اور تہذیب معاشرت کے جاننے میں بھی بے نظیر تھے۔

(۳) ایک ایک حدیث کی خاطر لمبے لمبے سفر کئے اور حیات طیبہ کے حالات سیکھنے اور سننے کیلئے روپیہ اور پیسہ، وقت اور عمر سب کچھ لٹا دیا" حضرت ربیعہ نے گھر کا سامان تک فروخت کر دیا تھا یہاں تک کہ لوہے کا حلقہ تک نہ چھوڑا۔ حضرت امام ابن مبارک نے حدیث کے حصول کے لئے ۴۰ ہزار درہم صرف کئے اور امام یحیٰ بن معین نے پچاس ہزار، امام علی بن عاصم نے ایک لاکھ، ابن اشم نے تین لاکھ، ہشام بن عبید اللہ نے سات لاکھ درہم تعلیم حدیث میں صرف کئے۔ گھاس پتے کھائے، دو دو تین تین دن بھوکے اور پیاسے رہے، دھوپ اور سردی کی اذیتیں سہی، غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث جمع کرنے کی خاطر ہر طرح کی صعوبت برداشت کی، اللہ ان کی قبروں پر اپنی رحمت کے پھول برسائے۔ (۴) جوں جوں فتنوں اور گمراہ فرقوں کی کثرت ہوتی گئی ائمہ کرام چوکس پاسبانوں کی طرح احادیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے ہشیاری اور بیداری کے ساتھ کمربستہ ہو گئے، اس کیلئے مخصوص قوانین اور اصول بیان کئے، اور نہایت سختی کے ساتھ رواۃ کے حافظہ، فہم، دیانت، علم ان کے شیوخ اور اساتذہ اور تلامذہ اور مرویات پر تنقید اور جرح و قدح کی، یہاں تک کہ یہ موضوع ایک مستقل فن کی حیثیت سے دنیا کے سامنے آگیا، اس میں ہر راوی کی تاریخ پیدائش اور وفات، جائے رہائش اور پیشہ، ان کے اطوار و عادات علمی استعداد ذہن، فہم، حافظہ دیانت و امانت، اساتذہ و تلامذہ، ہم عصر وغیرہ کے اسماء، طریق روایت اور انداز درس و املا، توجہ اور میلان وغیرہ سے بحث ہوتی ہے، اور پوری شرح وبسط کے ساتھ فنی حیثیت سے جس نے اس پر سب سے پہلے توجہ دی وہ امام شعبۃ بن الحجاج متوفی سنہ ۱۶۰ھ تھے اور اس کے بعد امام یحییٰ بن سعید القطان متوفی سنہ ۱۹۸ھ ان کے بعد علامہ عجلی متوفی سنہ ۲۶۱ھ

اور ابن ابی حاتم رازی متوفی ۳۲۷ھ اور ابن عدی متوفی ۳۶۵ھ نے اس کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا اور ائمہ تابعین اور تبع تابعین کے وہ مسودے اور روایات جو انھوں نے اپنے ہم عصر رواۃ کی شخصیت سے متعلق لکھی تھیں ان سب کو پوری احتیاط کے ساتھ یکجا اکٹھا کیا، ان کے اور بھی کئی ایک ہم عصر ائمہ فن نے اس پر کتابیں تصنیف فرمائیں اور ان کے بعد تو وہ ذخیرہ اس جامعیت کے ساتھ مدون ہوگیا کہ سابقین کی کوئی بات اور سیرت کا کوئی پہلو کسی طرح مخفی نہ رہا" اور یہ سب کچھ اس عہد کے راویوں کے ہم عصر ائمہ حدیث کی بیان کردہ روایات تھیں جو سند کے ساتھ ان سے نقل کی گئیں تھیں۔

—— آج اس ذخیرہ کو دیکھکر یورپ کے مورخ انگشت بدنداں ہیں، چنانچہ جرمن کا ڈاکٹر اسپرنگر جو کافی عرصہ ہندستان بھی رہا تھا اور بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کا سکریٹری بھی تھا لکھتا ہے کہ کوئی قوم دنیا میں ایسی گزری اور نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو جس کی بدولت آج ۵ لاکھ آدمیوں کا حال معلوم ہوسکتا ہے!

حدیث کی مشہور کتابیں

اس سے پہلے کہ میں حدیث کی مشہور کتابوں کا تذکرہ کروں یہ بہتر ہوگا پہلے اُن کے اقسام اور طبقات بیان کر دوں :—

(۱) (الجامع) جس میں سب قسم کی حدیثیں ہوں مثلاً سیر، آداب، تفسیر، عقائد، فتن، احکام، اشراط اور مناقب مثلاً جامع ترمذی - جامع بخاری

(۲) (سُنَن) جس میں فقہی ابواب (مثلاً نماز، روزہ، حج، زکواۃ، جہاد، بیوع وغیرہ) کے مطابق احادیث لکھی ہوئی ہوں۔ مثلاً ابوداؤد - نسائی، ابن ماجہ

(۳) (مُسنَد) جس میں ہر صحابی کی روایات اس کے ترجمہ اور نام کے تحت جمع کی جائیں مثلاً پہلے صدیق اکبر رضؓ کی پھر حضرت عمر رضؓ کی پھر حضرت ابن مسعود کی، وغیرہ اس کی کئی صورتیں ہوتی ہیں (ا) حروف تہجی کے مطابق صحابہ کی روایات جمع کی جائیں مثلاً پہلے (الف) سے شروع کرنا ہو تو انس بن مالک سے پہلے ساری روایات جمع کردیں گے۔ مثلاً طبرانی کی معجم کبیر اور ضیاء مقدسی کی "مختارۃ" (ب) بعض قبائل کے مطابق صحابہ کو لاکر ان کی روایات جمع کرتے ہیں، یعنی جو قبیلہ دوسروں کی بہ نسبت نسب میں حضور سے زیادہ قریب ہوگا پہلے اس کے صحابہ کی روایات جمع کریں گے مثلاً پہلے بنو ہاشم (ج) تقدم فی الاسلام اور خصوصی شرف و مزیت کے لحاظ سے صحابہ کے طبقات مقرر کرکے ان سے روایات لیں گے مثلاً پہلے عشرہ مبشرہ اصحاب بدر وغیرہ!

(۴) (معجم) جس میں صحابہ کے بجائے اساتذہ اور شیوخ حدیث کی روایات علیحدہ علیحدہ جمع کی جائیں مثلاً معجم صغیر للطبرانی

(۵) (اجزاء یا جزء) جس میں کسی ایک مسئلہ سے متعلق احادیث جمع کردی جائیں، مثلاً امام بخاری کی جزء القراۃ اور جزء رفع الیدین۔

(۶) (مفرد) جس میں کسی واحد شخص کی مرویات جمع کر دی جائیں مثلاً حضرت ابو ہریرہؓ یا حضرت انسؓ

(۷) (غریبہ) جس میں کسی ایک شخص کی صرف وہ حدیثیں جمع کر دی جائیں جسے وہ اپنے شیوخ سے روایت کرنے میں منفرد ہو اور کوئی دوسرا شاگرد اس میں شریک نہ ہو!

(۸) (مستخرج) کسی دوسری کتاب کی احادیث کو مصنفِ کتاب کے شیخ یا شیخ الشیخ اپنی پسند کے ذریعہ سے ثابت کیا جائے مثلاً امام بخاری نے ایک حدیث اپنے شیخ عبد بن حمید کی سند سے روایت کی ہو، دوسرا شخص امام بخاری کے سوا کسی دوسرے شیخ سے اسی حدیث کو عبد بن حمید سے روایت کرے۔

(۹) (مستدرک) جس میں وہ حدیثیں جمع کی جائیں جو کسی محدّث کی کتاب کی شرط کے مطابق ہوں اور ان سے رہ گئی ہوں۔ مثلاً مستدرک حاکم۔

(۱۰) (کتاب العلل) جس میں معلول (جس میں کوئی کمزور کر دینے والی علت ہو) حدیثیں جمع کر کے ان کے ضعف کی علت اور وجوہ بیان کی جائیں، مثلاً کتاب العلل ترمذی،

(۱۱) (اطراف) جس میں حدیثوں کے بعض ایسے جملے تمام مختلف اسانید کے ساتھ جمع کر دیئے جائیں جو حدیث کے بقیہ سارے حصہ پر دلالت بھی کرتے ہوں مثلاً اطراف کتب ستہ

(۱۲) (جوامع) جس میں تمام احادیث نبویہ (مصنف کے خیال کے مطابق) جمع کر دی گئیں ہوں یا متعدد کتب حدیث کو کسی ایک کتاب میں اکٹھا کر دیا گیا ہو مثلاً جمع الجوامع للسیوطی اور جامع الاصول للجزری

طبقات

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کتب حدیث کے چار طبقات ہیں

(۱) متواتر احادیث یعنی جن کا ثبوت حضور سے یقینی ہو، تمام اُمت نے ان کو واجب العمل قرار دیا ہو۔

(۲) مستفیض یا مشہور، یعنی وہ حدیث جو متعدد اسانید اور طریقوں سے ثابت ہو، اور دل مطمئن ہو، مختلف علاقوں کے جمہور علماء اس کے عمل پر متفق ہوں یا کم از کم حرمین (مکہ و مدینہ) کے علماء اس سلسلہ میں مختلف نہ ہوں یا صحابہ اور تابعین کی ایک بڑی جماعت کے ہاں یہ معمول بہ ہو۔

(۳) صحیح اور حسن حدیث یعنی وہ حدیثیں صحیح ہوں یا حسن ہوں، غیر معمول بہ کوئی حدیث نہ ہو، اگر کوئی ضعیف لائے ہوں تو اس کی تصریح بھی کر دیتے ہوں،

(۴) احادیث واہیہ یعنی کمزور یا من گھڑت (موضوع) یا منقطع (جس حدیث کے راویوں کا تسلسل ٹوٹ جائے) حدیث ہو یا مجہول اور نامعلوم راویوں نے اسے روایت کیا ہو یا اجماع اُمت کے خلاف ہو تو ایسی حدیث قطعاً قابل قبول نہیں ہو گی۔

جس کتاب میں پہلی دو قسموں کی احادیث ہوں وہ طبقہ اولیٰ (پہلا طبقہ اور درجہ) کی کتاب ہو گی اور جس میں ان

میں سے کوئی ایک بھی نہ ہوگی وہ ہر لحاظ سے ساقط الاعتبار ہوگی۔

طبقہ اولیٰ ــــ اس میں تین کتابیں شمار ہوتی ہیں، موطا امام مالک (۹۵ھ تا ۱۷۹ھ) (۲) جامع صحیح بخاری (۱۹۴ھ تا ۲۵۶ھ) (۳) صحیح مسلم (۲۰۴ھ تا ۲۶۱ھ)

طبقہ دوم ــــ اس میں بھی تین کتابیں ہیں' (۱) سنن ابی داؤد (۲۰۲ھ تا ۲۷۵ھ) (۲) جامع ترمذی (۲۰۹ھ تا ۲۷۹ھ) (۳) سنن نسائی (۲۱۵ھ تا ۳۰۳ھ) ــــ یہ طبقہ اولیٰ کی کتابوں جیسی تو نہیں ہیں لیکن ان کے قریب قریب ہیں کیونکہ ان کے مصنفین دیانت، وثوق، عدالت، حفظ، ضبط اور تبحر میں معروف و مشہور ہیں' تساہل سے پرہیز کیا ہے' بعد میں ان کی کتابوں کو انتہائی قبولیت کا شرف بھی حاصل ہوا، علما، اور فقہاء اور ائمہ لغت نے اپنے اپنے خصوصی ذوق اور علم و معرفت کے مطابق ان سے دلچسپی رکھی' اور ان کے مختلف پہلوؤں پر بہت کچھ لکھا مگر احتیاط طبقہ اولیٰ جیسی نہیں تھی' ہاں امام احمد بن حنبل کی مسند بھی کچھ ان جیسی اور اُن کے لگ بھگ ہے۔

طبقہ سوم ــــ اس میں بہت سی کتابیں ہیں ان میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں' مسند ابو یعلیٰ متوفی ۳۰۷ھ مصنف عبدالرزاق بن نافع حمیر متوفی ۲۱۱ھ مصنف ابوبکر بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ مسند عبد بن حمید متوفی ۲۴۳ھ مسند ابو داؤد طیالسی متوفی ۲۰۴ھ کتب بیہقی متوفی ۴۵۸ھ کتب ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی ازدی متوفی ۳۲۱ھ اور کتب طبرانی متوفی ۳۶۰ھ ان میں سے بعض بخاری اور مسلم سے پہلے تالیف ہوئی ہیں، بعض ان کے زمانہ میں اور بعض ان کے بعد، ان میں ہر قسم کی حدیثیں موجود ہیں' گو یہ کتابیں اب غیر معروف نہیں رہیں' لیکن علماء نے ان سے دلچسپی نہیں لی، نہ رواۃ سے بحث کی ہے اور نہ احادیث کی صحت اور ضعف سے، نہ معانی اور مضمون سے، غرض یہ ابھی تک اسی حالت میں ہیں' وہی حضرات ان کی احادیث پر عمل کر سکتے ہیں جو علل حدیث اور رواۃ کے ماہر ہوں ہاں متابعات اور شواہد کیلئے ان سے امداد لی جا سکتی ہے۔

طبقہ چہارم ــــ ان میں بھی بہت سی کتابیں ہیں، ان میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں ــ کتاب الضعفاء لابن حبان متوفی ۳۵۴ھ، کامل بن عدی متوفی ۳۶۵ھ' کتب خطیب بغدادی متوفی ۴۶۳ھ' کتب احمد بن عبداللہ ابو نعیم اصبہانی متوفی ۴۳۰ھ کتب جوزقانی، کتب ابن عساکر، کتب ابن نجار، کتب دیلمی اور مسند خوارزمی بھی کچھ ان کے لگ بھگ ہے (تصانیف ابن مردویہ و ابوالشیخ و ابن شاہین و ابن جریر و حاکم وغیرہ .. .. ..) ان میں وہ سنی سنائی حدیثیں ہیں جن کی طرف محدثین نے قطعاً توجہ نہیں دی، خشک زاہد واعظ، اہلِ بدعت اور ضعفا، نے مناقب' معائب، تفسیر و شان نزول آیات و تاریخ اُمم سابقہ، احوال بنی اسرائیل، پہلے نبیوں کے قصے، مختلف شہروں کے تقدس یا برائی، کھانے پینے کی چیزوں، جانوروں' طب' منتر اور جھاڑ پھونک، دعائیں، نوافل کے ثواب سے متعلق حدیثیں گھڑیں، یا داناؤں کے اقوال اور آیات اور احادیث صحیحہ کا مضمون اور مطلب اپنی فہم اور سمجھ کے مطابق بیان کیا حالانکہ وہ احادیث اور آیات کے سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے لیکن خود ساختہ مضمون اور مطلب کو روایت بالمعنے قرار دے کر اسے روایت کرتے رہے جو سراسر غلط اور موضوع تھا" یا

قرآن اور احادیث کے اشارات کو اخذ کر کے انہیں حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جامہ پہنا دیا، یا مختلف احادیث کے مختلف ٹکڑوں کو ایک سند کے ساتھ یک جا بیان کر دیا"

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں ایک پانچواں طبقہ بھی ہے جن کی خطرناک حرکتیں ایک بہت بڑی مصیبت بنی ہوئی ہیں، وہ غیر مجتہد فقیہ، اور متصوفین ہیں کہ اُن کی زبانوں سے وضعی حدیثیں سُنی گئی ہیں۔

مشہور کتب کی مختصر فہرست

جامع صحیح بخاری، موطا امام مالک، صحیح مسلم، یہ دوسری کتب حدیث، اعلیٰ، اور زیادہ صحیح ہیں اور ان کے مصنفین نے صحت کا پورا التزام کیا تھا اور اس کو نباہا بھی۔ رحمہم اللہ تعالیٰ ——— ان کے بعد، سنن ابوداؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی کا مرتبہ ہے، انہوں نے بھی اس کا التزام کیا ہے، مگر اس احتیاط اور درجہ کا نہیں ——— ان کے بعد دوسرے محدثین کی کتابیں ہیں، جن میں صحیح بھی ہیں اور ضعیف بھی، اور صحت اور ضعف کے لحاظ سے باہم مختلف ہیں، مثلاً صحیح سعید بن سکن۔ منتقی لابن الجارود، منتقی لقاسم بن اصبغ، مسند دارمی، سنن ابن ماجہ، مسند احمد، مسند طیالسی، کتاب ابن ابی شیبہ، مسند اسحٰق بن راہویہ، مصنف عبد الرزاق، مصنف سعید بن منصور، کتاب محمد بن نصر مروزی، فقہ ابی عبید، فقہ ابی ثور، طحاوی، ابن حبان، ابن خزیمہ۔ دارقطنی، طبرانی۔ رجال اور علل حدیث کا ماہر ہی اس سے اخذ کر سکتا ہے۔ دوسرا نہیں۔

جامع صحیح بخاری، مسلم شریف، سنن ابوداؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، ان چھ کتابوں کو صحاح ستہ کہتے ہیں، ہاں بعض ابن ماجہ کی جگہ موطا امام مالک کو رکھتے ہیں، اور یہی زیادہ صحیح ہے، اور جامعیت کے لحاظ سے اکثر ائمۂ دین کا یہ فیصلہ ہے کہ حدیث صحیح کا اکثر حصہ ان میں آگیا ہے، جو حدیثیں صحیح ان سے بچ گئی ہیں وہ بہت تھوڑی ہیں، اس لئے زیادہ قابل اعتماد یہی ذخیرہ ہے، اور اس سے ہی امت کی دلچسپیاں اب تک وابستہ ہیں، ان کے ماسوا بھی احادیث صحیحہ موجود تو ہیں لیکن وہ بہت تھوڑی ہیں اور جتنی کچھ ہیں، ان کا علم محض ان لوگوں کو حاصل ہو سکتا ہے جو اس فن میں حاذق اور مجتہد ہوں، علل حدیث اور رجال کے بہت بڑے فاضل ہوں، اور احادیث کی صحت اور ضعف کی علل غامضہ تک کی معرفت کی قدرت رکھتے ہوں۔

صحاح ستہ کی شروط

صحاح ستہ کے مصنفین نے اپنی اپنی کتاب میں حدیثیں روایت کرتے ہوئے کن شروط کو ملحوظ رکھا گیا ہے، اور کیا اس کو پورا بھی کیا گیا ہے یا نہیں؟ ——— سو واقعہ یہ ہے کہ جن شروط کا انہوں نے التزام کیا تھا، ان کو فی الواقع خوب نباہا بھی ہے،

(۱) بخاری اور مسلم کی یہ شرط ہے کہ ان کتاب میں اس حدیث کو روایت کریں گے جن کے راوی سب کے نزدیک ثقہ اور معتبر اور حافظ ہوں۔

(۲) امام ابوداؤد اور نسائی کی شرطیں یہ ہیں:۔ (۱) وہ حدیث جو بخاری اور مسلم کی شرط کے مطابق ہو۔

(۲) وہ حدیث جس کی سند غیر منقطع ہو اور اس کے راوی سب کے نزدیک متروک نہ ہوں (۳) سکوت کیا ہے اور دوسرے ائمہ نے اس کے ضعف اور علت سے متنبہ کیا ہے۔

(۳) امام ترمذی نے بخاری اور مسلم کی ۱ اور ابوداؤد اور نسائی کی ۲ والی شرائط کو قبول کیا ہے، آپ کی چوتھی شرط یہ ہے کہ حدیث کسی نہ کسی امام یا محدث کی معمول بہ ہونا چاہیئے۔

اصطلاحات

(روایت) کسی کی بات کی نقل کرنے کو روایت کہتے ہیں، اس کی شکل یہ ہوتی ہے، نیچے کے راوی سے شروع ہو کر درجہ بدرجہ ہر راوی کا نام لیتے ہوئے اوپر کی طرف بڑھتے جائیں یہاں تک کہ یہ سلسلہ حضور یا آپ کے کسی صحابی پر ختم ہو جائے یا جس کسی سے بات نقل کرنی ہو اس پر ختم ہو، اس کو روایت کہتے ہیں، جو حدیث اس طریقہ سے بیان کی جاتی ہو اس کی صحت کے لئے چند شرائط ہیں،

راوی کی صفات

(۱) راوی معروف و مشہور ہو (۲) سچا اور دیانتدار ہو، (۳) بات کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہو، (۴) اس کا حافظ قوی ہو، (۵) روایت میں کسی قسم کے تصرف کرنے کا عادی نہ ہو، مثلاً مبالغہ نہ کرے، خلاصہ نہ بیان کرے (۶) اس میں اس کا اپنا ذاتی مفاد نہ ہو، (۷) ہر راوی کی ملاقات اپنے سے اوپر اور نیچے والے راوی کی معلوم اور ممکن ہو اور ان میں سے درمیان سے کوئی راوی چھوٹا ہوا نہ ہو، (۸) روایت کسی مستند عصری ریکارڈ یا قرآن حمید کے خلاف نہ ہو (۹) کسی مسلمہ اور حقیقۃ ثابتہ کے خلاف نہ ہو (۱۰) اپنے سے زیادہ ثقہ یا جماعت کے خلاف نہ ہو

(اسماء الرجال) یہ وہ علم ہے جس میں حدیث اور سیر و تاریخ کے راویوں کی زندگی کے سوانح اور حالات کا تنقیدی نظر سے جائزہ لیا جائے تاکہ احادیث کو پرکھا جاسکے، کیونکہ حدیث کا دارومدار انہی راویوں پر ہے۔

(راوی) حدیث کے ناقل کو راوی کہا جاتا ہو (اسناد) راویوں کے سلسلہ کو کہتے ہیں جو حدیث کے متن پر ختم ہو

(محدث) جو اسناد، عبارت اور معانی کے ساتھ احادیث کو جانتا ہو، (حافظ) جو احادیث کی سند، متن، اور معانی کے ساتھ ساتھ راویوں کے شیوخ، اساتذہ اور طبقات کو بھی پہچانتا ہو۔ (شیخ) راوی کے استاذ کو شیخ کہتے ہیں۔

(تجرید) مکرر احادیث کو چھوڑ کر کسی کتاب کی حدیثوں کے جمع کرنے کو، تجرید کہتے ہیں

(مسنِد) نون کی زیر کے ساتھ وہ محدث اور راوی جو حدیث اپنی اسناد سے روایت کرے،

(مسنَد) نون کی زبر کے ساتھ وہ کتاب جس میں ہر صحابی کی روایات اس کے نام اور ترجمہ کے تحت یکجا کر دی گئی ہوں مثلاً صدیق اکبرؓ کی سب روایات یکجا، حضرت فاروق کی اس سے علیحدہ یکجا اکٹھی کر دی گئی ہوں،

(سنن) وہ کتاب جس میں فقہی ابواب کے مطابق احادیث کو مرتب اور جمع کیا گیا ہو، مثلاً حج، روزہ، جہاد وغیرہ وغیرہ کے مطابق ہر باب میں حدیثیں جمع کی جائیں،

(مسنَد) نیچے کے راوی سے لیکر اوپر تک حدیث کے تمام راوی موجود ہوں، درمیان میں سے کوئی نہ چھوٹا ہو یعنی اس کی سند متصل ہو،

(متن) حدیث کی وہ عبارت جس کے لئے سند بیان کی گئی، مثلاً نافع نے ابن عمر سے اس نے حضورؐ سے فلاں بات سُنی، فلاں بات سُنی، متن کہلاتا ہے،

(مرفوع) وہ حدیث جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منسوب کی جائے،

(موقوف) جو صحابی کی طرف منسوب کی جائے یعنی صحابی کا قول یا فعل اور تقریر،

(مقطوع) وہ جس میں راوی تابعین کے قول اور فعل اور تقریر کو بیان کرے،

(معنعن) جس حدیث کو راوی "عن عن" کہہ کر بیان کرے، مثلاً عن مالک عن نافع عن ابن عمر عن رسول اللہ صلعم،

(علت) متن حدیث میں کسی خفیہ خرابی کا نام ہے،

(معلول) جس میں علت پائی جائے،

(عدالت) انسان میں اخلاقی پختگی کی ایک ایسی کیفیت کا نام ہے جو انسان کو گناہوں، خسیس عادتوں، سوقیانہ باتوں، بے حیائی کے کاموں اور رذیل آدمیوں کی صحبت سے روکتی ہے، جس میں یہ جذبہ جس قدر ہوگا اتنا ہی اس کا پایہ بلند ہوگا اور اس کو عادل کہیں گے،

(ضبط تام) یعنی اس کا حافظہ قوی ہو، (۱) یعنی سنی ہوئی بات جب چاہے بلا دقت یاد آجائے (۲) یا کتاب کو ہر طرح محفوظ رکھنا یعنی اس میں تغیر و تبدل نہ ہونے دیں،

(متصل) اسنادی تسلسل، سلسلہ وار حضورؐ تک یا جس کی بات نقل کرنا ہو اس تک پہنچا دینا اور درمیان سے کوئی راوی چھوٹنے نہ پائے،

(شذوذ) کسی ثقہ راوی کی اپنے سے زیادہ ثقہ کی روایت میں کسی قسم کی مخالفت کا نام ہے، جس حدیث کی روایت میں یہ نقص ہوگا اس کو شاذ کہتے ہیں، اور زیادہ ثقہ راوی کی حدیث کو محفوظ کہتے ہیں،

(مُنکَر) جو ضعیف حدیث کسی حسن یا صحیح حدیث کے منافی اور مخالف ہو یعنی ضعیف راوی قوی راوی کے مخالف روایت کرے تو اُس کو منکر اور جو اس کے مقابلہ والی صحیح اور حسن حدیث ہے اس کو معروف کہتے ہیں،

(حدیث صحیح لذاتہ) وہ حدیث ہے جس کی اسناد متصل اور اس کے راوی اعلیٰ درجے کے متدین اور متشرع، قوت حافظہ کے پختہ، نہایت سچے نہ اس میں شذوذ ہو اور نہ علت

(حدیث صحیح لغیرہ) جس کی اسناد متصل مگر راوی نسبۃً پہلی سے کم درجہ کے ہوں مگر کئی ایک طریقوں اور اسانید سے مروی ہو، نہ اس میں شذوذ ہو اور نہ علت

(حدیث حسن لذاتہ) جس حدیث کے راویوں کا ضبط صحیح حدیث کے راویوں کے ضبط کی بہ نسبت خفیف ہو اس کو حسن لذاتہ کہتے ہیں، اگر راوی اس درجہ سے بھی کچھ اور کم ہوں لیکن کئی ایک طریقوں سے آئی ہو، نہ اس میں شذوذ ہو اور

نہ علت تو اس کو حسن لغیرہ کہتے ہیں۔ یعنی صحیح حدیث کے راوی کے ضبط اور حافظہ جیسا اس کے راوی کا ضبط اور حافظہ نہ ہو بلکہ اس کے مقابلہ میں کچھ کم ہو،

(حدیث حسن صحیح) وہ حدیث ہے، جو دو طریقوں سے مروی ہو جس کا ایک طریقہ صحیح اور دوسرا حسن یا بعض کے نزدیک صحیح اور بعض کے نزدیک حسن یا صحیح فی الواقع اور حسن کے بین بین ہو،

(حدیث عزیز) وہ ہو جس کے راوی کسی مرتبہ میں بھی دو سے کم نہ ہونے پائیں، زائد ہوں تو ہوں،

(حدیث غریب) وہ ہے جس کے سلسلۂ اسناد میں کسی طبقہ میں اس کا دارومدار ایک راوی پر ہو،

(حدیث محکم) وہ ہے جس کے مقابلہ میں کوئی حدیث مخالف یا منافی نہ ہو،

(حدیث متابع) وہ ہے جو اپنے مقابلہ والی حدیث سے فی الجملہ مختلف تو ہوتی ہو مگر فی الجملہ وہ اس کی موافقت بھی کرتی ہو،

(حدیث شاہد) وہ حدیث جو کسی دوسری حدیث کی لفظاً یا معناً اس میں مشابہت پائی جائے،

(حدیث مختلف الحدیث) ان دو یا متعدد حدیثوں کو کہتے ہیں جو علاوہ صحیح یا حسن ہونے کے وہ ازروئے روایت اور معناً متساوی اور ان میں توافق اور جمع ہونا ممکن ہو،

(امام ترمذی کی حسن حدیث) وہ ہے کہ اس کی اسناد میں کوئی ایسا راوی نہ ہو جو جھوٹ کے ساتھ بدنام ہو اور نہ وہ روایت شاذ ہو،

(حدیث متواتر) وہ ہے جس کو اس قدر راوی بیان کریں کہ ان کا جھوٹ اور افترا پر اتفاق کر لینا عادۃً محال ہو اور اس کی انتہا کسی امر محسوس اور مشاہد پر ہو،

(حدیث مشہور یا مستفیض) اگر راوی تک حدیث ایسے طریقوں سے پہنچے جو تواتر کی شرائط اور درجہ سے کم ہو تو محدثین اس کو مشہور اور فقہا اس کو مستفیض کہتے ہیں، یا یوں سمجھئے کہ صحابہ یا تابعین کے زمانہ میں تو یہ اتنی مشہور نہ ہو مگر بعد میں کسی خاص وجہ سے مشہور ہو گئی ہو،

(احاد) بعض اہل علم فضلا کا یہ خیال ہو کہ یہ وہ روایات ہیں کہ جن کا تعلق عموماً عام لوگوں سے ایسا نہیں ہوتا کہ ہر وقت اور ہر آن انہیں اس کی ضرورت رہے یا کچھ عرصہ کے بعد لگاتار عمل میں آتی رہتی ہوں بلکہ بہت تھوڑی اور کبھی کبھی ان پر عمل کرنے کی ضرورت پیش آتی رہتی ہو، اور زیادہ تر متداول یہ ہے کہ یہ وہ حدیث ہے جس کے راویوں کی تعداد اتنی نہ ہو کہ اس کو حد تواتر تک پہنچا دے، اور وہ ظن غالب کا فائدہ دے،

(حدیث ضعیف) جس کے راویوں میں کوئی ایک یا اکثر یا کل راوی، عدالت تامہ اور ضبط کامل نہ رکھتے ہوں اور ان میں ضعف واضح ہو،

(حدیث مقلوب) وہ ہے جس کے راوی نے اپنی غلطی سے حدیث کے جملوں اور لفظوں کے ایر پھیر اور تقدیم تاخیر

میں یا اسناد کے راویوں کے نام آگے پیچھے کر دینے میں ثقہ راویوں کی مخالفت کی ہو،

(حدیث مضطرب) راوی کو حدیث کے راویوں یا متن کی عبارت علی الترتیب یاد نہ رہی ہو،

(حدیث مدرج) حدیث کی اسناد یا متن میں تغیر و تبدل کے باعث کسی راوی نے اپنے سے زیادہ ثقہ راوی کی مخالفت کی ہو، اس کا پتہ ائمہ فن کو جلد لگ جاتا ہے یا راوی خود کبھی اس کا اعتراف کرلے یا خود وہ بات حضورؐ کی بات اور وقار نبوت کے مطابق نہ معلوم ہوتی ہو،

(حدیث مستور) وہ ہے جس میں یہ اشتباہ ہو کہ اس راوی نے جس کا حافظہ متغیر ہوگیا تھا اسے تغیر حافظہ سے پہلے بیان کیا ہے یا بعد میں، پہلے کی مقبول ہوگی اور بعد کی مردود،

(حدیث موضوع) وہ ہو جس کو لوگوں نے گھڑ کر حضورؐ کی طرف منسوب کر دیا ہو یہ حدیث مردود ہے،

(حدیث متروک) وہ ہے جس میں کوئی نہ کوئی راوی جھوٹ بولنے سے متہم ہو،

(حدیث منقطع) سلسلۂ اسناد میں ایک یا کئی ایک راوی متفرق جگہوں سے ساقط ہوگئے ہوں تو اس کو منقطع کہتے ہیں،

(حدیث معضل) اگر دو یا دو سے زیادہ راوی پے در پے ساقط ہوئے ہوں تو اس کو معضل کہتے ہیں،

(واضح) جو راوی سلسلۂ اسناد میں حذف ہوگیا ہو اگر کسی قرینہ سے وہ باسانی معلوم ہوسکے تو واضح

(حدیث مدلَّس) وہ ہو کہ راوی اوپر والے راوی سے اس انداز سے روایت کرے کہ بظاہر یوں معلوم ہوتا ہو کہ یہ حدیث اس سے سُنی ہو اور واقع میں ایسا نہ ہو، چونکہ وہ معاصر ہوتے ہیں اور ملاقات بھی ثابت ہوتی ہو، اس لئے یہ جلد نہیں معلوم ہوسکتا، اور جو راوی اصطلاح مذکور کرتا ہو اس کو مدلِّس (لام کی زیر سے) کہتے ہیں،

(حدیث مرسل) اگر تابعی صحابی کو چھوڑ کر حدیث کو حضورؐ کی طرف منسوب کرے تو اس کو حدیث مرسل

(حدیث معلق) وہ ہو جس کے ابتدائی راوی حذف کر دیئے گئے ہوں، امام بخاریؒ نے بھی بعض اس قسم کی حدیثیں بیان کی ہیں اور وہ صحیح ہیں، لیکن ان کے علاوہ کسی دوسرے محدث کی معلق حدیثیں تحقیق کے بعد قبول کی جاتی ہیں، ان کو، تعلیقات کہتے ہیں،

(بلاغ) عموماً متقدمین کی یہ عادت تھی کہ "مجھے فلاں بات حضرت سے یا کسی دوسرے سے یہ پہنچی ہو، کے رنگ میں کبھی کبھی بیان کر دیتے تھے، جیساکہ امام مالکؒ شافعی اور امام محمد نے کیا ہو امام مالک کی ایسی روایت تو مطلقاً مقبول ہو کیونکہ وہ سب تحقیق سے ثابت ہوچکی ہیں، ان کو بلاغات کہتے ہیں،

(روایت باللفظ) حضورؐ کے بعینہٖ الفاظ کو بغیر کسی کمی بیشی اور رد و بدل کے بیان کرنے کو روایت باللفظ کہتے ہیں یہ طریقہ سب سے بلند تر اور اعلیٰ ہو،

(روایت بالمعنے) یعنی حضورؐ کے الفاظ اور افعال کا ماحصل اور مضمون بیان کر دیا جائے۔ اس کے لئے یہ شرط ہو کہ جو شخص اس کی صلاحیت رکھتا ہو، الفاظ حدیث کے خواص، مخصوص ترکیبیں اور لب و لہجہ کا انداز اور مقتضیات کو بخوبی

سمجھتا ہو، محاورات عرب، کلام نبوت کی امتیازی خصوصیات اور ادر مذاق کا ماہر ہو، زیادہ تر روایت بالمعنے کبار صحابہ اور کبار تابعین نے کی ہیں جو اس کی صلاحیت رکھتے تھے، دوسروں نے اس کی طرف کم توجہ دی ہے۔ لیکن اس کے یہ معنے نہیں کہ انہوں نے سب روایتیں روایت بالمعنے کے طریقہ پر کی ہیں، بلکہ یہ ہے کہ انہوں نے کبھی کبھی ایسا بھی کیا ہے۔ اور نہ اس کو وہ فرض سمجھتے تھے، صرف اس کو مباح اور جائز خیال کرتے تھے۔ مگر بایں ہمہ روایت باللفظ کو وہ بھی سب سے اچھا اور اعلیٰ تصور کرتے تھے،

(سوءِ حفظ) یعنی راوی کا حافظہ کمزور ہو جائے۔ اس لئے اس کی روایت قبول نہ ہوگی،

(کثیر الوہم) گو راوی ثقہ ہوتا ہے مگر اس کو اکثر وہم ہو جاتا ہے، اس لئے جب تک کسی اور راوی سے اس کی تائید نہ ہو قبول نہ ہوگی،

(فحش غلط) یعنی ایک راوی فاحش غلطیاں کرنے کے باوجود ان کو محسوس بھی نہ کرے،

(غفلت) راوی، حدیث کے یاد کرنے اور سننے میں تساہل اور بے پروائی برتے،

(مخالفۃ الثقات) یعنی اپنے سے زیادہ ثقہ راوی یا جماعت کثیرہ کی مخالفت کرے،

(فسق) یعنی راوی متدین اور متشرع نہ ہو اور اس سے اس قسم کی حرکات سرزد ہوتی ہوں جو ایک شریف انسان کے شایانِ شان نہ سمجھی جاتی ہوں،

(بدعت) یعنی راوی دین کے بنیادی مسائل اور قطعی امور میں من مانی تاویلیں اور جوڑ توڑ کرتا ہو،

(کذاب یا متہم بالکذب) یعنی راوی جھوٹ بول لیتا ہو یا اس پر اس کا الزام لگایا جا چکا ہو گو ہمیں صراحت سے اس کا علم نہ ہو مگر اس کی روایت پھر بھی نہیں قبول کی جائے گی،

(وضاع) یعنی حدیثیں گھڑ کر حضورؐ کی طرف منسوب کرنے والا۔ بعض آدمی بدنیتی سے ایسا کرتے تھے اور بعض نیک نیتی سے، کیونکہ ان کے نزدیک ہر اچھی بات اگر حضورؐ کی طرف منسوب کر دی جائے تو کوئی حرج نہیں ہوتا، قدیم میں وہ ایک بہت بڑی جماعت تھی اس کو، "کرامیہ" کہتے ہیں، ان سے کوئی روایت نہیں لی جائے گی،

(مجہول العین) جن سے صرف ایک ایک شاگرد نے روایت کی ہو مگر ان کا نام نہ لیا ہو، اگر لیا ہو تو اس طرح سے کہ مبہم لفظوں میں، یا غیر معروف صفت اور لقب سے، یا نام بھی لیتے ہوں لیکن اس کی کوئی ایسی کیفیت اور صفت نہ ظاہر کی ہو کہ صاف معلوم ہو جاتا کہ یہ فلاں ہے، بہر حال شخصیت پوری طرح معلوم نہ ہو سکے؛

(مجہول الحال یا مستور الحال) جن کی توثیق اور تردید کسی نے نہ کی ہو،

فنِ حدیث کی صرف چند جھلکیاں ہم نے دکھانے کی کوشش کی ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کے علاوہ دنیا میں کوئی انسان ایسا نہیں گزرا جس کے قول و فعل کو اس قدر دیانت،

عقیدت، محنت اور ذمہ داری کے ساتھ محفوظ رکھنے کی سعی کی گئی ہو، اور یہ چیز اس بات کا ثبوت ہو کہ اس پوری کائنات اور تمام انسانی آبادی میں ازل سے لیکر ابد تک صرف حضورؐ ہی کی ذات اس کی مستحق تھی کہ حضورؐ کے ایک ایک قول، و فعل بلکہ حرکات وسکنات کو محفوظ رکھا جائے، کیونکہ صرف آپ ہی "انسانِ کامل" تھے اور آپؐ ہی کی زندگی تمام انسانوں کے لئے آخری معیار اور بہترین نمونہ ہے۔

محدثین پر اللہ کی رحمت ہو کہ اُنہوں نے حضورؐ کے قول وفعل کے جانچنے اور پرکھنے کے لئے کیسی کیسی محنتیں برداشت کی ہیں، کس قدر باریک بینی اور ژرف نگاہی سے کام لیا ہے، خدا کے یہ نیک بندے ہمارے لئے کیسی سہولتیں اور آسانیاں فراہم کر گئے ہیں کہ اُن کی تحقیق اور تدقیق کی روشنی میں معلوم کیا جا سکتا ہو کہ گوہر والماس کے ساتھ کنکر پتھر اور پھولوں کے ساتھ خس وخاشاک کہاں کہاں مل گئے ہیں!

قرآنِ کریم کے بعد سب سے بڑی نعمت صاحبِ قرآن کی سنت (حدیث) ہے، اور وہ شخص انتہائی بدنصیب ہے جو حضورؐ کی سنتِ مطہرہ کو دلیلِ راہ نہ بنائے، جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو دین میں حُجت نہیں سمجھتے، وہ حقیقت میں حضورؐ کے منصبِ نبوت کے مُنکر ہیں اور اُن کی "مخالفِ حدیث" تحریکِ دین اور اُمت کے لئے بہت بڑا فتنہ ہے، اللہ تعالیٰ اس فتنہ کی ہوا سے بھی مسلمانوں کو محفوظ رکھے!

ماہر القادری

داعیانِ حق ـــــ اور قید و بند میں!

تاریخ انسانیت کی ٹریجڈی!

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتے ہیں چمن میں دیدہ ور پیدا

سیّد ابوالاعلیٰ مودودی:۔

دُنیائے اسلام کا وہ عظیم مُفکر جس نے مسلمانوں میں خالص اسلامی فکر پیدا کی، اور لوگوں کے سوچنے کے طرز کو بدل دیا ـــــ کتاب و سُنت کا ترجمان، حق کا مناد، جس کی ذات صداقت کی نشرگاہ ہے ـــــ اسلامی روایات کے دُھندلے نقوش کو اُبھارنے والا ـــــ اللہ کے دین کا وہ مخلص خدمت گزار جس کے قول و فعل پر اعتماد کیا جا سکتا ہے ـــــ جس کی ساری جوانی خدمتِ دین کی نذر ہو گئی اور اسی غم، فکر اور محنت نے جسے وقت سے پہلے بوڑھا کر دیا ـــــ جس کی زبان اور قلم رُبع صدی سے حق کا اعلان کر رہے ہیں ـــــ اتنا بڑا عالم جو قوتِ واحد میں قرآن، حدیث، فقہ، علمِ کلام، فلسفہ، تاریخ، عمرانیات، معاشیات اور دستور و سیاسیات پر مجتہدانہ گفتگو کر سکتا ہے ـــــ استدلال کا بادشاہ اور عقلیات کا امام ـــــ جس نے مشرق ہی نہیں مغرب کے افکار کو بھی پڑھا ہے، پرکھا ہے اور جانچا ہے ـــــ تعلق باللہ اور اطاعتِ رسولؐ کا داعی ـــــ ملتان جیل کی چار دیواری اور قلعہ لاہور کی کال کوٹھری بھی جس کے پیام کو نہ روک سکیں اور کفر کے فتووں کا شور جس کی آواز کو نہ دبا سکا ـــــ کتاب و سنت کی کسوٹی پر ہر کسی کے قول و عمل کو پرکھنے اور کسنے والا، اور جو کچھ کسوٹی بتائے اُس کے اظہار میں کسی بڑی سے بڑی شخصیت سے بھی مرعوب نہ ہونے والا ـــــ اقامتِ دین جس کا مشن، شہادتِ حق جس کا پروگرام اور رضائے الٰہی جس کا مقصود! ـــــ اظہارِ حق کی خاطر جو ساری دنیا کی ناخوشی کی بھی پروا نہیں کرتا اور اپنی شہرت اور ہر دلعزیزی کے نقصان سے بھی نہیں ڈرتا ـــــ نافہموں نے اُس پر طرح طرح کی تہمتیں جوڑیں اور دُشنام طرازیاں کیں مگر اُس نے صبر کیا ـــــ اُردو ادب کو جس کے قلم نے بلندی اور پاکیزگی عطا کی ـــــ جس کی تحریریں اُردو زبان کا گرانقدر سرمایہ ہیں ـــــ تقریر میں ایک نئے طرز کا موجد، بولتا ہے تو تھمے ہوئے

طوفان اور ٹھیری ہوئی بجلیوں کا سماں بندھ جاتا ہے ——— "قادیانیت"، جس کے نام سے تھراتی ہے اور منکرینِ حدیث پر جس کا ذکر سُنکر کابوس کے دورے پڑنے لگتے ہیں ——— حامی سُنت اور قامعِ شرک وبدعت ——— اس علمی وقار اور غیر معمولی شہرت کے باوجود عام لوگوں سے اس قدر بے تکلفی، سادگی اور خوش طبعی کے ساتھ ملتا ہے جیسے وہ اپنے کو کسی سے ذرا بھی ممتاز اور بلند نہیں سمجھتا ——— صرف عالم، مفکر، مقرر اور انشاپرداز ہی نہیں مجاہد بھی کہ سزائے موت کی خبر سُنکر بھی جس کے ماتھے پر شکن نہیں دیکھی گئی ——— تاریخ کی پیدا وار نہیں بلکہ خود "تاریخ ساز"!

امین احسن اصلاحی:———

عالم، بلند نظر اور مُتبحر عالم، جس کی نگاہ خاک کے ذروں کا بھی جائزہ لیتی ہے ورمہ وانجم کی گزرگاہوں کا بھی سفر کرتی ہے ——— دس بیس نہیں ہزاروں راتیں صرف قرآنِ کریم کے مطالعہ میں بسر کی ہیں ——— جس کی ذات قرآنی علوم کے لئے قابلِ وثوق سند ہے ——— قرآن کا مفسر اور حدیث وفقہ میں جس کی بصیرت اور ژرف نگاہی مُسلّم! مگر جب شعر و ادب پر گفتگو کرتا ہے تو مقاماتِ حریری اور ابنِ رشیق کی "کتاب العمدہ" تک کی کمزوریاں اُس کی نگاہِ نقد واحتساب سے چھوٹنے نہیں پاتیں ——— قرآن کے مسلسل مطالعہ اور غور وفکر کے سبب خود اُس کے اسلوبِ نگارش اور اندازِ تقریر میں یقین جھلکتا نہیں بلکہ فوارے کی طرح اُبلتا ہے ——— رفتار، گفتار، نشست، برخاست، چہرہ مہرہ، خدوخال، غرض ہر چیز میں بلا کی کشش رکھتا ہے ——— اُس کی خطابت سے پھول بھی برستے ہیں اور شعلے بھی نکلتے ہیں ——— اقبال نے کہا تھا ؎

فقیرے در دو عالم می نہ گنجد،

تو امین احسن اصلاحی کی خودی بھی کون ومکان میں نہیں سما سکتی، وہ قیصر وکسریٰ کے تخت و تاج پر بے تکلفی کے ساتھ ٹھوکر مار کر گزر سکتا ہے ——— جس کا ضمیر کسی قیمت پر بھی نہیں خریدا جاسکتا ——— حق کی خاطر وہ انگاروں پر لوٹ سکتا اور تلوار کی دھار پر چل سکتا ہے ——— ——— اپنی جگہ خود ایک مستقل دبستانِ فکر ودانش ——— علم وتقویٰ، نیکی اور بصیرت وآگہی کا سنگم!

مسعود عالم ندوی:

عربی ادب میں ہندستان کا شکیب ارسلان ——— جس کی عربی تحریروں کو مصر و شام اور عراق و حجاز کے ادیب اور اہلِ قلم قدر و استحسان کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں ——— جس کے رد و قبول، ترک و اختیار اور مسرت و غم کا معیار صرف "رضائے الٰہی" ہے ——— مسلسل علالت نے نحیف و نزار کر دیا ہے مگر دینِ حق کی خدمت کیلئے صحت مندوں اور شہ زوروں سے بڑھکر مستعد اور چاق چوبند ——— جس کے قلم کی روانی اور سلاست نے زبان کی لکنت کی کمی کو پورا کر دیا ——— دیکھنے میں ہلکا پھلکا مگر حقیقت میں وقار و خودداری کا کوہِ گراں ——— ایک روحِ سعید، ایک دماغ نکتہ رس، ایک جانِ حق بیں، ایک دلِ حق شناس اور ایک ضمیرِ بیدار!

عبدالغفار حسن:

قرآن و حدیث کا قابلِ اعتماد مفسر اور شارح ——— چہرہ اور وضع قطع عام مولویوں سے ملتی جلتی مگر سر سے پیر تک سعی و عمل اور دل سے نگاہ تک حرکت و اضطراب ——— کبوتر کی طرح سیدھا سادہ اور بھولا بھالا لیکن فراست اور بصیرت میں مردِ مومن ——— نماز روزے اور علم و تقویٰ کے نتائج کو اقامتِ دین میں صرف کرنے والا عالم اور زاہد ——— تاریخ کی ایک روایت ہے کہ حضرت سراقہؓ کو شاہِ کسریٰ کے کنگن پہنائے گئے تھے، تو اس مردِ حق کوش نے بھی ہتھکڑیوں کو کنگنوں کی طرح خوشی خوشی پہن کر، ظلم کو پست اور خود کو بلند کر دیا!

نصراللہ خاں عزیز:

تجربہ کار صحافی، بلند پایہ اہلِ قلم ——— جو ایک ہی نشست میں سنجیدہ مقالہ اور کامیاب مزاحیہ مضمون لکھ سکتا ہے ——— شاعر بھی اور مقرر بھی، ترنم دلنشین اور تقریر اثر انگیز ——— انگریز کے زمانہ میں بھی حق گوئی کے جرم کی سزا ملی ——— مگر جب وہ جوان تھا، اور اب پاکستان میں بھی اسی جرم حق گوئی کا مجرم قرار پایا، لیکن اب وہ بوڑھا ہے ——— دوسری راہ اختیار کرتا تو صحافت کے ذریعہ بہت کچھ کما سکتا تھا مگر اُس نے اپنی جیب کی پونجی اور زندگی کی متاع اقامتِ دین کی جد و جہد میں لگا دی ——— اُس کا قلم خدمتِ دین کیلئے وقف ہے ———

بُت فروش نہیں بُت شکن ——— صاحبِ ایمان گریجویٹ!

عبدالجبار غازی:—

ایم۔اے، اور بی۔ٹی بھی ——— چاہتے تو تعلیمی اداروں میں بڑی جگہ مل سکتی تھی، لیکن اقامتِ دین کی خاطر دُنیا کی تمام ترقیوں کو ٹھکرا دیا ——— ڈیڑھ سال تک جماعتِ اسلامی کے امیر بھی رہ چکے ہیں مگر اب خاموش خدمت گزار ہیں ——— سنجیدہ مقرر اور صاحبِ نکر ماہر تعلیم ——— نیکی اور شرافت کے آثار چہرے سے نمایاں ——— سونے کی چمک ہو یا تلوار کی جھنکار، کوئی چیز ان کو مرعوب اور متاثر نہیں کر سکتی ——— بڑھاپے میں جوانوں سے بڑھ کر حوصلہ اور ہمت رکھتے ہیں!

نعیم صدیقی:—

مقرر، شاعر، افسانہ نگار، ادیب ——— اتنی بہت سی خوبیاں ایک شخصیت میں شاذ و نادر ہی جمع ہوتی ہیں ——— دل اور دماغ دونوں سلمان ——— جماعتِ اسلامی کے لگائے ہوئے باغ کا ثمرِ نورس ——— کمیونزم کے مقابلہ میں اسلامی اقتصادیات کو پیش کرنے والا مفکر ——— جس موضوع پر قلم اُٹھاتا ہے حق ادا کر دیتا ہے ——— دُبلا پتلا انسان کہ پھونک مارو تو اُڑ جائے مگر جبر و تشدد کے زلزلے اور ظلم و ستم کی آندھیاں بھی اُسے جنبش نہیں دے سکتیں ——— اسلامی افکار کا پُرجوش مبلغ اور تعمیری ادب کا امیرِ کارواں!

میاں طفیل محمد:—

فرسٹ کلاس بی۔اے، ایل، ایل بی ——— مگر چہرے اور وضع قطع سے معلوم ہوتا ہے کہ انگریزی کے پرائمری اسکول میں بھی شاید نہیں پڑھا ——— مرکزی جماعتِ اسلامی پاکستان کا قیم (جنرل سکرٹری) ——— کم گفتار لیکن کردار کا غازی ——— سراپا عمل، مجسم حرکت و اضطراب، شبانہ روز محنت کرنے کے بعد بھی بے کیفی محسوس نہیں کرتا ——— دن رات اللہ کے دین کو پھیلانے اور قایم کرنے کی دُھن ——— بس یہی ایک سودا سر میں سمایا ہوا ——— مولانا مودودی کا دست و بازو! جس کا دماغ ہی نہیں ناخن تک تنظیمی صلاحیت رکھتے ہیں!

علی نقی :

یونیورسٹی کا اعلیٰ تعلیم یافتہ ——— لگے لگائے روزگار کو ٹھکرا کر اور مستقبل کی روشن اور تابناک ترقیوں سے منہ موڑ کر، جماعتِ اسلامی میں شامل ہوگیا اور دس سال سے مسلسل خدمتِ دین میں مصروف ہے ——— اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے فقر و فاقہ میں بھی مسکرانے والا انسان ——— چہرہ پاکیزگیٔ ضمیر اور صفائی قلب کا آئینہ دار!

خان محمد ربانی :

چھوٹا قد، چھریرا بدن، نازک خدوخال ——— مگر کام کرنے میں مشین سے زیادہ پھرتیلا اور تیز ——— سر پر رومال، جسم پر معمولی سا کرتہ اور تہمد، پیروں میں چپل، بس یہی کل کائنات ہے اس مردِ قلندر کی ——— اقامتِ دین کے جذبہ سے اتنا سرشار کہ قیصر و کسریٰ بھی برابر سے گزریں تو اُس کے دل کی دھڑکن ذرا بھی تیز نہ ہو ——— توکل علی اللہ کی جیتی جاگتی تصویر ——— اُردو کا مقرر اور ملتانی زبان کا آتش بیان خطیب ——— آنکھوں کی چمک سوزِ دل کا پتا دیتی ہے ——— سرتا بقدم نیکی و سادگی ——— اپنی خدمات کا اجر اپنے معبود سے چاہتا ہے اس لئے نہ شہرت کی ہوس ہے اور نہ ستائش کی تمنا ہے!

خدا کے ان نیک بندوں کے علاوہ جماعتِ اسلامی کے درجنوں کارکن قید و بند میں مبتلا ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کی صلاحیتوں سے حکومتِ پاکستان کو زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانا چاہیئے تھا، ان کی فکر و بصیرت، خلوص، دردمندی اور اسلامی جوش پاکستان کو صحیح معنیٰ میں پاکستان بنا سکتا تھا مگر یہ لوگ شروع ہی سے ہمارے ملک کے حکمراں طبقہ کے معتوب ہیں، لیکن مزاجِ شاہانہ کی یہ برہمی بے سبب زیادہ دن تک گوارا نہیں کی جاسکتی، یہ داعیانِ حق اور ان کے ساتھ اُن کو بھی جو کسی فساد یا دنگے میں شریک نہیں ہوئے، حضور خاتم النبیینؐ کی محبت جنھیں قید خانوں میں لے گئی ہے، جلد سے جلد رہا ہوجانے چاہئیں!

جمہوریت، اخلاق، انصاف، ہوشمندی اور پاکستان کی فلاح و بہبود کا یہی تقاضا ہے؟ طاقت کے نشہ میں حالات کی نزاکت کو نہ سمجھنا بہت بڑی بدتوفیقی ہے، توقع ہے

کہ حکومت اُن مشیروں کی باتوں پر کان نہ دھرے گی، جو ایک ہی وار میں تمام اسلام پسند عناصر کو ختم کردینا چاہتے ہیں، یہ کوششیں نہیں چل سکتیں، مجرم وہ ہیں جو پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام میں مزاحم بن رہے ہیں۔

حکومت رواداری، وسعتِ قلب اور ہوشمندی سے کام لے تو تلخیاں دور ہوسکتی ہیں اور زخموں کا اندمال ممکن ہے یہاں تک کہ سب لوگ شیروشکر ہوجائیں —— اور پاکستان اتنا مضبوط ہوجائے کہ دُنیا کی ہر بڑی سے بڑی قوت اُس کے وزن کو محسوس کرے!

ماہر القادری

سیّد ابوالاعلیٰ مودودی

تری فکرِ رسا نے خاک کے ذرّوں کو چمکایا
کہ تو سطحِ فلک سے چاند تارے توڑ کر لایا

سبق تبلیغِ دینِ حق کا اس خوبی سے دہرایا
غریبوں کو بھی دعوت دی، امیروں کو بھی سمجھایا

وہ شدّت قیدِ تنہائی کی، وہ گرمی، وہ تاریکی
مگر اس پر بھی تیرا غنچۂ خاطر نہ مُرجھایا

تری فطرت میں ہے سنجیدگی بھی استقامت بھی
مسرت میں نہ اترایا، مصائب میں نہ گھبرایا

جہاں جس کی ضرورت تھی وہی تدبیر کی تو نے
کہیں کشتی کو جنبش دی، کہیں موجوں کو ٹھہرایا

تری تحریر کا ہر لفظ اک روشن شہادت ہے
کہ تو نے کس قدر دشوار تر عقدوں کو سُلجھایا

ترے انفاس میں خوشبو ہے گلہائے شریعت کی
کہ جس نے محفلیں کیا قید خانوں کو بھی مہکایا

بہ ہر عنوان نادانوں نے تجھ پر تہمتیں جوڑیں
تری تحریر کو اُلٹا، تری باتوں کو اُلجھایا

وہاں خود دعوتِ حق لیکے تیرے خوشہ چیں پہونچے
جہاں کچھ روشنی دیکھی، جہاں سوزِ جگر پایا

ترے دل کا سفینہ کیا سکوں نا آشنا نکلا
کبھی طوفان سے اُلجھا، کبھی ساحل سے ٹکرایا

تری تقریر پر اردو زباں "صد آفریں" بولی
نگارش پر تری حُسنِ ادب نے ناز فرمایا

ترے سود و زیاں کا ہے "رضائے دوست" پیمانہ
کہ تو نے ہر قدم پر عشرتِ باطل کو ٹھکرایا

حماک اللہ! دماغوں کو عطا کی فکرِ قرآنی
جزاک اللہ! دلوں کو سوزِ ایمانی سے گرمایا

فسردہ ہو نہیں سکتے، کسی سے دب نہیں سکتے
وہ شعلے جن کو تیری جنبشِ دامن نے بھڑکایا

ترے دل پر رہے پرتو فگن سیرت محمدؐ کی
ترے افکار پر ہر آن ہو قرآن کا سایہ

یقیناً اس تری جرأت کو دنیا یاد رکھے گی
سزائے موت سُنکر بھی نہ پیشانی پہ بل آیا

منتخبات

عالم آکبرآبادی

نظر کا اُن کی عجیب عالم ——— ذرا میں شعلہ ذرا میں شبنم
بلا کی تاریک ہے شبِ غم ——— جلا رہا ہوں چراغ پیہم
عجیب محبت کی رہ گزر ہے ——— نہ دور منزل نہ فاصلہ کم
غمِ محبت وہ داستاں ہے ——— نہ سُن سکو تم نہ کہہ سکیں ہم

ارادہ اور ترکِ آرزو کا
قدم اٹھاؤ سمجھ کے عالم

نجم صدیقی

نگاہ اُن کی بہت بے نیاز ہے پھر بھی ‖ شکار کتنے اسی تیرِ بے ہدف کے رہے

عبدالرحمٰن خوشتر

زندگی اور اعتبار اُس کا؟ ‖ کیا حباب اور حباب کا عالم
چھیڑنے سے غرض نہ تھی کچھ اور ‖ دیکھنا تھا عتاب کا عالم

عزیز حاصل پوری

کس مستِ خرام کی روش پر ‖ دُنیا کا نظام چل رہا ہے
اُمید وفا! اور اُس سے توبہ ‖ دل کس کیلئے؟ مچل رہا ہے
کیوں تھام لیا نہ اُن کا دامن ‖ اب ہاتھ عزیزؔ مل رہا ہے

نیر جہلمی

جس کو دنیا کے حوادث سے بچالایا تھا میں ‖ ایک وہ آنسو سرِ محشر مرے کام آ گیا
رہینِ منتِ ساحل نہ ہو سکا میں کبھی ‖ گزر گیا ہوں کناروں سے بے نیازانہ

انور ظہوری

حد نظر تک ویرانے ‖ راہ کوئی کیا پہچانے
اپنے ہوں یا بیگانے ‖ ہیں سب جلنے پہچانے
شمع کو روتا چھوڑ گئے ‖ جی سے گزر کر پروانے

قابل اجمیری

اجل کی گود میں جینے کا ساماں کر دیا تو نے

نشاطِ زندگی کو نذرِ زنداں کر دیا تو نے[1]
خدا کی راہ میں کارِ نمایاں کر دیا تو نے

خرد کا کارواں تھا گام زن الحاد کی جانب
مگر اسلام کو منزل کا عنواں کر دیا تو نے

دھندلکے ہی دھندلکے تھے اندھیرا ہی اندھیرا تھا
چراغِ شوق سینوں میں فروزاں کر دیا تو نے

اندھیرے چھٹتے جاتے ہیں اُجالے بڑھتے آتے ہیں
شبِ تاریک کو صبحِ درخشاں کر دیا تو نے

دلِ جمہور میں پیدا کیا احساسِ آزادی
ہر اک زنجیر کٹ جانے کا ساماں کر دیا تو نے

ترا مقصد ہے پاکستان میں دستورِ اسلامی
مسلماں کو حقیقت میں مسلماں کر دیا تو نے

نظر خیرہ ہوئی جاتی تھی تہذیبِ فرنگی سے
مگر اک اک خرابی کو نمایاں کر دیا تو نے

مسلمانانِ پاکستان کو ذوقِ خودی دے کر
غلامانہ سیاست سے گریزاں کر دیا تو نے

عجب تنظیم سے کھنچتے چلے آتے ہیں پروانے
خدا کے دین کو شمعِ شبستاں کر دیا تو نے

تری آواز میں قلبِ بلالی کی حرارت ہے
رگوں میں ایک شعلہ سا فروزاں کر دیا تو نے

عمل کی لہر دوڑا دی مزاجِ خانقاہی میں
ہر اک حجرہ نشیں کو مردِ میداں کر دیا تو نے

یہ طوفانِ عزائم اب کہیں رکتا ہے رکنے سے
عمل کی منتشر موجوں کو طوفاں کر دیا تو نے

ترے کردار سے رسمِ خلیلی ہو گئی تازہ
بہ فیضِ عشق شعلوں کو گلستاں کر دیا تو نے

ادا کرتا رہا تلوار کے سائے میں فرض اپنا
ہر اک تکلیف کو راحت کا عنواں کر دیا تو نے

خودی کو فخر ہے تجھ پر یقیں کو ناز ہے تجھ پر
اجل کی گود میں جینے کا ساماں کر دیا تو نے

تری معصومیت میں پرتوِ دامانِ یوسف ہے
نگاہِ قہر آگیں کو پشیماں کر دیا تو نے

تری تقریر پر صدقے روانی موجِ طوفاں کی
طرب کی محفلوں کو محشرستاں کر دیا تو نے

نگاہِ تنگ بیں نے دین کو محدود سمجھا تھا
وضاحت کر کے ذرّہ کو بیاباں کر دیا تو نے

کہیں قرآں کی تفسیریں کہیں سیرت کی تنویریں
قلم کو ترجمانِ دین و ایماں کر دیا تو نے

تری طرزِ نگارش سے ادب میں جان پڑتی ہے
حقیقت میں زباں کو آبِ حیواں کر دیا تو نے

[1] ادارہ: اس ضمیر کا مرجع مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی ذات و شخصیت ہے!

روحِ انتخاب

وَمِنْهُم مَّن يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ ۖ وَجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَن يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ۚ وَإِن يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوا بِهَا ۚ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوكَ يُجَادِلُونَكَ يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝

ان میں سے بعض لوگ ایسے ہیں جو کان لگا کر تمہاری بات سنتے ہیں مگر حال یہ ہے کہ ہم نے اُن کے دلوں پر پردے ڈال رکھے ہیں جن کی وجہ سے وہ اس کو کچھ نہیں سمجھتے اور اُن کے کانوں میں گرانی ہے (کہ سب کچھ سننے پر بھی کچھ نہیں سنتے)[1] وہ خواہ کوئی نشانی دیکھ لیں اس پر ایمان لا کر نہ دیں گے، حتیٰ ہے کہ جب وہ تمہارے پاس آ کر تم سے جھگڑتے ہیں تو اُن میں سے جن لوگوں نے انکار کا فیصلہ کر لیا ہے (وہ ساری باتیں سننے کے بعد) یہی کہتے ہیں کہ یہ ایک داستانِ پارینہ کے

---

[1] یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ قانونِ فطرت کے تحت جو کچھ دُنیا میں واقع ہوتا ہے اسے اللہ تعالیٰ اپنی طرف منسوب فرماتا ہے کیونکہ دراصل اس قانون کا بنانے والا اللہ ہی ہے اور جو نتائج اس قانون کے تحت رونما ہوتے ہیں وہ سب حقیقت میں اللہ کے اذن وارادہ کے تحت ہی رونما ہوا کرتے ہیں، ہٹ دھرم منکرینِ حق کا سب کچھ سننے پر بھی کچھ نہ سننا اور داعیٔ حق کی کسی بات کا اُن کے دل میں نہ اُترنا اُن کی ہٹ دھرمی اور تعصب اور جمود کا فطری نتیجہ ہے، قانون یہی ہے کہ جو شخص ضد پر اُتر آتا ہے اور بے تعصبی کیساتھ صداقت پسند انسان کا سا رویہ اختیار کرنے پر تیار نہیں ہوتا اس کے دل کے دروازے ہر اُس صداقت کیلئے بند ہو جاتے ہیں جو اُس کی خواہشات کے خلاف ہو، اس بات کو جب ہم بیان کریں گے تو یوں کہیں گے کہ فلاں شخص کے دل کے دروازے بند ہیں اور اسی بات کو جب اللہ تعالیٰ بیان فرمائیگا تو یوں فرمائیگا کہ اس کے دل کے دروازے ہم نے بند کر دیئے ہیں — کیونکہ ہم صرف واقعہ بیان کرتے ہیں اور اللہ حقیقتِ واقعہ کا اظہار فرماتا ہے۔

[2] نادان لوگوں کا عموماً یہ قاعدہ ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص انھیں حق کی طرف دعوت دیتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ تم نے نئی بات کیا کہی یہ سب وہی پُرانی باتیں ہیں جو ہم پہلے سے سنتے چلے آ رہے ہیں گویا ان احمقوں کا نظریہ یہ ہے کہ کسی بات کے حق ہونے کیلئے اس کا نیا ہونا بھی ضروری ہے اور جو بات پُرانی ہے وہ حق نہیں ہے حالانکہ حق ہر زمانہ میں ایک ہی رہا ہے اور ہمیشہ ایک ہی رہیگا، خدا کے دیئے ہوئے علم کی بنا پر جو لوگ انسانوں کی رہنمائی کیلئے آگے بڑھے ہیں وہ سب قدیم ترین زمانہ سے ایک ہی امرِ حق کو پیش کرتے آئے ہیں اور آئندہ بھی جو اس منبعِ علم سے فائدہ اُٹھا کر کچھ پیش کریگا وہ اسی پرانی بات کو دہرائے گا، البتہ نئی بات صرف وہی لوگ نکال سکتے ہیں جو خدا کی روشنی سے محروم ہو کر ازلی وابدی حقیقت کو نہیں دیکھ سکتے اور اپنے ذہن کی اُپج سے کچھ نظریات گھڑ کر انھیں حق کے نام سے پیش کرتے ہیں اس قسم کے لوگ بے شک ایسے نادرہ کار ہو سکتے ہیں کہ وہ بات کہیں جو ان سے پہلے کبھی دُنیا میں کسی نے نہ کہی ہو۔!

(تفہیم القرآن ——— سید ابوالاعلیٰ مودودی)

ہماری نظر میں

فلسفہ کیا ہے؟

"فلسفہ کیا ہے" مولف:- ڈاکٹر میر ولی الدین، حجم ۸۳ صفحے، مجلد گردپوش کے ساتھ قیمت دو روپیہ، غیر مجلد ایک روپیہ، ملنے کا پتہ:- مکتبہ برہان، اردو بازار، جامع مسجد دہلی (بھارت)

ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب ایم-اے، پی، ایچ، ڈی (صدر شعبہ فلسفہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن) کے نام اور کام کو علمی دنیا اچھی طرح جانتی اور پہچانتی ہے، ڈاکٹر صاحب موصوف نے "فلسفہ کیا ہے؟" کے موضوع پر ایک گرانقدر کتاب تالیف فرمائی ہے، یہ کتاب چار عنوانات پر مشتمل ہے:-

(۱) مقدمہ:- قرآن اور فلسفہ (۲) فلسفہ کیا ہے؟ (۳) ہم فلسفہ کیوں پڑھیں اور (۴) فلسفہ کی دشواریاں، فاضل مؤلف اور لایق مصنف نے دلنشین انداز میں فلسفہ کے ان خشک موضوعات پر گفتگو کی ہے اور کتاب کے کسی حصہ کو غیر دلچسپ نہیں ہونے دیا ــــــ چند اقتباسات:-

ــــــ "جب فلسفہ کا معروض "کلِ مطلق" قرار پاتا ہے، جو قطعاً آخرہ ناقابلِ تحویل حقیقت ہے تو فلسفہ تکمیلِ مراد کا نام نہیں ہو سکتا بلکہ تلاش و جستجو، سعی و کوشش اور طلب و اجتہاد کا نام ہے!"

ــــــ "سائنس کا سارا تعلق عالمِ مظاہر سے ہے جس کو قرآن کی زبان میں "عالمِ شہادت" کہا جا سکتا ہے اور فلسفہ عالم شہادت کی انتہائی حقیقت یا ماہیت معلوم کرنا چاہتا ہے جو غیب کا دائرہ ہے اور جس کو قرآن کی زبان میں "عالمِ غیب" قرار دیا جا سکتا ہے۔"

ــــــ "جن غیبوں تک انسان اب تک پہونچ سکا ہے وہ صحیح معنی میں غیب نہیں بلکہ ہمارے عالمِ شہادت ہی کے ذرا مخفی اور دُور افتادہ گوشے ہیں جن کو محض اضافی و اعتباری غیوب کہا جا سکتا ہے۔۔۔"

ــــــ "افلاطون کی طرح ارسطو نے بھی "حیرت" کو فلسفہ کا مبدء قرار دیا، چنانچہ ابتدائی فلاسفۂ یونان کے متعلق وہ کہتا ہے کہ ابتداءً انہوں نے ظاہری مشکلات پر حیرت کی، پھر رفتہ رفتہ وہ آگے قدم بڑھاتے گئے اور عام معاملات کے متعلق مشکلات کو پیش کیا۔۔۔"

ــــــ "تھوڑا سا فلسفہ انسان کے ذہن کو الحاد کی جانب مائل کرتا ہے لیکن فلسفہ میں تعمق انسان کے ذہن کو مذہب کی طرف رجوع کر دیتا ہے"

ــــــ "فلسفہ سائنس سے زیادہ دلچسپ اور دلکش ہوتا ہے، وہ دیارِ نامعلوم کا سفر ہے، لامحدود کی تلاش

تلاش میں کو بہ کو، کوچہ بہ کوچہ سرگرداں ہوتا ہے۔۔۔۔"

——"جہاں کہیں انسان نے تجربہ کے واقعات پر غور و فکر کرکے ان کی تعمیم کی کوشش کی ہے، خواہ وہ سائنس میں ہو یا روزمرہ کی زندگی میں وہاں رائے اور یقین کا اختلاف ضرور پیدا ہوا ہے، دراصل یہ ایک نعمت ہے کیونکہ اسی تنقید و اختلاف سے فلسفیانہ روح بیدار ہوتی ہے اور زندگی اور کائنات کے متعلق عمیق تر حقائق و بصائر حاصل کرتی ہے"

فاضل مصنف اللہ کے فضل سے صاحبِ تحقیق اور اہلِ ایمان ہیں اس لئے فلسفہ اُن کے افکار پر غالب نہیں ہونے پایا، بلکہ انہوں نے خود فلسفہ کو "مسلمان" بنانے کی کوشش کی ہے، فرماتے ہیں :-

"جن لوگوں نے اللہ اور رسولؐ کی بات کی طرف سے اپنا منہ پھیر کر انتہائی حقیقت کو اپنے علم، عقل، کشف یا وجدان سے جاننے کی کوشش کی وہ ابتدائے فکر انسانی سے اب تک بھی اپنی غیر معمولی اور پیہم کوششوں کے باوجود صرف سوالات اُٹھانے میں مصروف ہیں، جن کا اب تک انہیں کوئی تشفی بخش جواب نہ مل سکا، ان کے نزدیک یہ علم محض ایک "استفہامی علم" بن کر رہ گیا ہے کوئی "سربستہ نظریہ" نہیں بلکہ ایک "حل طلب مسئلہ" ہے!"

اور ڈاکٹر صاحب نے یہ بات تو ایسی کہی ہے کہ موتیوں میں تولنے کے قابل ہے :-

"عقل جزئی تابع وحی الٰہی ہو کر عقل "خود بیں" نہیں رہتی، عقل "جہاں بیں" ہو جاتی ہے"

(صفحہ ۱۹) "جس دائرہ میں عقل قدم زن نہ ہو سکتی ہو" —— "قدم زن" نامانوس معلوم ہوتا ہے، "گام زن" عام طور پر بولا جاتا ہے —— (صفحہ ۵۳) "نقائص و خرابیوں" —— واوٴ عطف کی جگہ "اور" استعمال کرنا چاہئے تھا —— (صفحہ ۵۶) "ایک لانڈلیڈی کے لئے جو کسی کرایہ دار کو اپنے مکان میں بسانا چاہتی ہے۔۔۔" اس کا صحیح املا "لینڈ لیڈی" (LAND LADY) ہے (صفحہ ۷۶ پر "اشتہا" کی جمع "اشتہاآت" بھی اُردو داں طبقہ کے لئے نامانوس ہے!

یہ کتاب اس بات کا ثبوت ہے کہ ہمارے مسلمان فلسفی اور سائنس داں اپنے علم اور تجربہ سے اسلام کی کس قدر مفید خدمت انجام دے سکتے ہیں —— فارسی کے اشعار برمحل استعمال کئے گئے ہیں، جس کے سبب فلسفہ کی خشکی دلچسپ اور رنگین ہوتی چلی گئی ہے، ندوۃ المصنفین دہلی بھی اس کتاب کی نشر و اشاعت پر مبارکباد کا مستحق ہے۔

گلدستۂ عقیدت

"گلدستۂ عقیدت" از :- زائر حرم السید وارث الجیلانی، حجم ۳۲ صفحے، قیمت چھ آنہ، ملنے کا پتہ :- مکتبہ "لالہ زار" لائل پور!

—— مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا حلیہ مبارک اور مقدس سراپا نظم میں لکھا تھا، جس کا پہلا مصرعہ ہے :-

مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

جناب سید وارث جیلانی صاحب نے اسی زمین میں حضورؐ کی ولادت باسعادت سے لیکر سرکارؐ کی سیرت طیبہ کے بعض گوشوں کو شاعرانہ انداز میں پیش کیا ہے، نظم کا آغاز اس مصرعہ سے ہوتا ہے:-

؎ اللہ اللہ خدا کی خلافت کے پھول

کوئی شک نہیں کہ اس نظم کے ایک ایک شعر اور مصرعہ ہی نہیں بلکہ ہر لفظ اور ہر حرف سے محبت رسولؐ کی خوشبو آتی ہے، رسولؐ، صحابہؓ اور اہل بیتؓ کی محبت شاعر کے دل میں رچی ہوئی ہے اور یہ بہت بڑی سعادت ہے۔ — نظم میں جوش اور روانی پائی جاتی ہے —— مگر ردیف (پھول) کا ہر شعر میں نباہنا بھی بہت دشوار ہے اس لئے کہیں کہیں تکلف بھی پیدا ہو گیا ہے۔

؎ دستِ اللہ میں ہے جماعت کا ہاتھ (صفحہ ۲۲)

اگر یہ مصرعہ اس انداز پر ہوتا:-

"ہے ید اللہ جماعت پہ سایہ فگن"

تو "ید اللہ علی الجماعہ" کی صحیح ترجمانی ہو جاتی!

مکاتیب حضرت مولانا الیاس صاحب

"مکاتیب حضرت مولانا شاہ محمد الیاسؒ" — مرتبہ:- مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ضخامت ۱۴۴ صفحات، مجلد رنگین گرد پوش کے ساتھ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ، غیر مجلد قیمت ایک روپیہ چار آنہ، ملنے کا پتہ:- کتب خانہ انجمن ترقی اردو، جامع مسجد دہلی نمبر ۶

حضرت مولانا شاہ محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی ذات تبلیغِ دین کی چلتی پھرتی درس گاہ تھی، کیا اخلاص تھا، کیسی للّٰہیت اور دین کی تڑپ تھی، اللہ تعالیٰ کی یاد اور ذکر سے اس درجہ ربط اور وابستگی کہ ہر لحظ حضور و شہود کا عالم! ان کی تعلیم و تربیت نے نہ جانے کتنوں کی دین اور دنیا درست کر دی اور کتنے دلوں میں سوزِ ایمان پیدا کر دیا، نور اللہ قبرہٗ!

مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی نے مولانا محمد الیاس صاحب قدس سرہٗ کے مکاتیب ضروری حواشی کے ساتھ مرتب فرمائے ہیں، اور ان "فٹ نوٹس" میں ایسی حکمت آمیز باتیں بھی اُن کے قلم سے نکل گئی ہیں:-

"سارے فتنہ کی جڑ دوسرے کے فرائض پر نظر اور اپنے فرض سے صرفِ نظر ہے" (صفحہ ۲۸)

ان مکاتیب کے دو اقتباسات:-

— "دین کے جتنے کام ہیں وہ مزا آنے کے واسطے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی عظمت کے موافق امتثالِ امر اور اُس کی رضا کا یقین ہونے کے واسطے ہیں، اندر جی کا لگنا اور گھبرانا دونوں برابر ہو کر نگاہ صرف اس بات پر جمتی جائے کہ اللہ کے حکم کے موافق اپنا سب عمل ہو! ......"

— میرے دوستو! اس کام کے لئے نکلنے والوں کے قدم میں اُمید کرتا ہوں کہ فرشتوں کے پر دل پر پڑتے ہیں،

ان مکاتیب میں مرزا غالب، مولانا شبلی اور نواب صدر یار جنگ حبیب الرحمٰن خاں شیروانی کے خطوط کی ادبیت اور سلاست تلاش کرنا یا اس کی توقع رکھنا بے سود ہے، ان میں "کنولِ قلب" (صفحہ ۴۶) کے ساتھ "لحوق امراض" "تسویلِ نفس"، "ذروۂ عالیہ"، "مظلمہ مدلہمہ" اور "مفرج الکرب" جیسی ثقیل ترکیبیں بھی ملتی ہیں!

یہ مکاتیب حقیقت میں مکتوب نگار کے جذبۂ عمل، دینی اخلاص اور جوشِ تبلیغ کی بولتی ہوئی شہادت ہیں!

فتح قسطنطنیہ | "فتح قسطنطنیہ" از:— خان بہادر بدرالدین احمد (بی۔ اے) ضخامت ۱۴۲ صفحے، قیمت ایک روپیہ چار آنہ — مطبوعہ:— مطبع ستارہ ہند کلکتہ،

خان بہادر بدرالدین احمد صاحب ایک دردمند صاحبِ کردار مسلمان ہیں، ملت کی اصلاح اور غلبۂ دین کا تصوّر انہیں ہر وقت بے چین اور مضطرب رکھتا ہے، صاحبِ موصوف متعدد اعلیٰ مناصب پر متمکن رہ چکے ہیں، اور اب کراچی میں اقامت گزیں ہیں — یہ کتاب انھوں نے ۱۹۱۴ء میں لکھی تھی، جب مصنف کا دورِ شباب تھا، اس لئے اندازِ بیان میں جوش اور حوصلہ مندی پائی جاتی ہے، پھر موضوع بھی "فتح قسطنطنیہ" ہے اس کے سبب یہ شراب دوآتشہ ہو گئی ہے۔

بایزید یلدرم سلطان ترکی کی عالی ہمتی اور وسعتِ ظرف کی ایک جھلک:—

"رہائی یافتہ قیدیوں نے سلطان کو ایک اقرار نامہ لکھ دیا، جس میں یہ درج تھا کہ فرانسیسی قیدی اس بات کا حلف اٹھاتے ہیں کہ پھر سلطان کے خلاف تلوار ہاتھ میں نہ لیں گے، مگر عالی حوصلہ سلطان کی رائے میں چونکہ اس شرط سے فاتح کی کم حوصلگی کا اظہار ہوتا تھا، اس نے اس شرط کو منسوخ کر دیا۔"

اس کے برخلاف عیسائی بادشاہ کی کم ظرفی اور عیسائی مفتی کی دنائت ملاحظہ ہو:—

"جونہی عیسائیوں کو یہ خبر ملی کہ سلطان مراد تارک السلطنت ہو گیا ہے، انھوں نے فوراً دغابازی پر کمر باندھی، اور خود پوپ کی ذاتِ مقدس نے اس دُعا کو منظور فرمایا، ان بزرگ اور شہنشاہ قسطنطنیہ نے مل کر عیسائیوں کو یہ ترغیب دی کہ عہد نامے کو بالائے طاق رکھ دو، اور ان کے مشہور مفتی کارڈینل جولین نے یہ فتویٰ دیا کہ کفار کے ساتھ ایفائے وعدہ کچھ فرض نہیں ہے۔ ۔۔ ۔۔ اسی کارڈینل نے اسابیلا کو یہ صلاح دی تھی کہ "مسلمانوں کے ساتھ عہد شکنی کرنے میں کسی قسم کا خیال نہ کرو کیونکہ کافروں کے ساتھ ہر قسم کی بے ایمانی روا ہے—"

عراق میں اتالیق (TUTOR) کو "لالا" کہتے ہیں، اس کتاب کے پڑھنے سے پتہ چلا کہ یہ ترکی لفظ ہے — "فتح قسطنطنیہ" کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے کیسے کیسے مہیب آلاتِ حرب ایجاد کئے تھے۔

صفحہ (۶) "براعظم کا سارا شمالی حصہ مشرق سے مغرب تک اسلام کے پھریرے کے اندر سے نکل گیا۔۔ ۔۔"

"پھریرے کے اندر سے نکل گیا ــــ یہ انداز بیان وجدان کو کھٹکتا ہے، اس خیال کو دوسرے لفظوں میں ادا کرنا چاہیئے تھا۔

ــــ (صفحہ ۱۴) "باعث تباہی کا آغاز یوں ہوا" ــــ "باعث" زائد ہے، "تباہی کا آغاز" ہی کافی تھا ــــ

ــــ (صفحہ ۳۵) "اور قحط ہونے لگتی" اول تو "قحط" مؤنث نہیں مذکر ہے، پھر قحط کے لئے "ہونا" نہیں "پڑنا" بولتے ہیں ــــ صفحہ ۸۵ پر "شیر کی دہاڑوں" کو "شیر کی ڈھاڑیں" لکھا ہے، یہ کتابت کی غلطی بھی ہوسکتی ہے ــ

ــــ (صفحہ ۹۴) "شاید سلطان میری اطاعت نمائی سے برسرِ رحم ہوجائے" "اطاعت نمائی" اور "برسرِ رحم ہونا" دونوں عجیب ہیں ــــ (صفحہ ۱۱۰) "ترک دیواروں اور بُرجوں کے اوپر چیونٹیوں کی طرح بھر آئے" ـ "کثرت" دکھانے کے لئے یہ انداز بیان حسین نہیں ہے جب کہ کسی کی مدح و توصیف مقصود ہو اور "بھر آنا" یہاں نادرست ہے۔

اس کتاب کی خوبی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ شمس العلماء مولانا عبدالحق حقانی، علامہ اقبال، خواجہ غلام الثقلین اور حضرت اکبر الہ آبادی نے مصنف کی تحسین فرمائی ہے!

خان بہادر رضا علی وحشت نے فارسی میں قطعہ تاریخ لکھا ہے آخری شعر ہے:۔

طلسم فتح دریں نامہ دیدہ ام وحشت
کہ سالِ طبع نوشتم کرامتِ ترکاں

"کرامتِ ترکاں" سے ۱۳۳۲ (ہجری) عدد نکلتے ہیں!

WIVES OF THE PROPHET

از:ــ فدا حسین ملک (بی۔اے، ایل، ایل بی) ضخامت ۱۵۳ صفحات، مجلد رنگین گرد پوش کے ساتھ ــ قیمت چار روپیہ، ملنے کا پتہ:ــ شیخ غلام علی اینڈ سنز کشمیری بازار لاہور!

جناب فدا حسین ملک نے انگریزی زبان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے سوانح حیات قلمبند کئے ہیں اور پُرزور دلائل کے ساتھ بتایا ہے کہ حضورؐ نے یہ شادیاں کن جائز ضروری، مفید پاک مقاصد اور دینی مصلحتوں کے لئے کی تھیں اور تمدن و معاشرت پر اس کے کتنے اچھے اثرات نمایاں ہوئے۔

عیسائی مورخین کے بعض اعتراضات کے فاضل مصنف نے جوابات بھی دیئے ہیں اور خاص طور سے تعدادِ ازدواج، نکاح، طلاق اور خلع کے مسائل پر سنجیدگی کے ساتھ گفتگو کی ہے ــــ اور نہ صرف گفتگو بلکہ دلائل سے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ معاشرت و اخلاق اور سوسائٹی میں ضبط و نظم قایم رکھنے کیلئے یہ مسائل کس قدر بہتر، مفید اور مطابق فطرت ہیں ــــ اندازِ بیان میں مصنف نے سادگی کو ملحوظ رکھا ہے تاکہ اوسط درجہ کے

انگریزی جاننے والے بھی اس سے مستفید ہو سکیں۔

کہیں کہیں صاحبِ تصنیف نے اپنی ذاتی رائے بھی دی ہے ——— مثلاً وہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ایک سے زائد شادیاں کرنا چاہے تو اُسے عدالت کے روبرو اس کا ثبوت دینا چاہیئے کہ وہ اپنی بیویوں کے ساتھ "عدل" کر سکتا ہے اور اس طرح اُسے قانونی طور پر اجازت حاصل کرنی چاہیئے ——— (صفحہ ۳۵)

(صفحہ ۷۰) "ایک دن خدیجہ نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو خط لکھا جس میں آپ کے ساتھ اپنی محبت کا اظہار کیا ——" ——— نہ جانے "حضرت خدیجہ کے خط لکھنے کا واقعہ" مصنف نے کس تاریخ سے نقل کیا ہے، سیرت کی کتابوں میں تو صرف اتنا ذکر ملتا ہے کہ حضرت خدیجہ نے حضورؐ کی خدمت میں آپ کی دیانت، راستبازی اور نیکوکاری سے متاثر ہو کر شادی کا پیغام بھجوایا۔

حضرت خدیجہ کے نکاح کے موقع پر ابو طالب جو خطبہ دیتے ہیں، اُس کے یہ الفاظ :—

Mohammad, my nephew is in love with Khadija and Khadija is in love with Mohammad."

بغیر کسی تاریخی حوالہ کے نقل کئے گئے ہیں جو درایتاً بھی درست نہیں معلوم ہوتے، پھر ایسے موقعوں پر کم سے کم مسلمان اہلِ قلم کو "پسندیدگی یا" admiration "وغیرہ الفاظ استعمال کرنے چاہئیں کہ "LOVE" کا لفظ آج کل بدنام ہو چکا ہے۔

حضرت ام سلمہ اور حضرت صفیہ سے حضورؐ کے نکاح کے موقع پر حضرت ام المومنین سودہ رضی اللہ عنہا کا آپ کو خط لکھنا (صفحہ ۸۷) بھی "عجیب تحقیق" اور "نرالی ریسرچ" معلوم ہوتی ہے، اگر اس کی کچھ اصلیت ہے تو تاریخی حوالہ ضرور دینا چاہئے تھا ———

(صفحہ ۱۴۴) "عمرؓ کی آتش مزاج صاحبزادی بیوہ تھیں اور جو لوگ انھیں جانتے تھے وہ اس قدر ڈرے ہوئے تھے کہ کوئی اُن سے شادی کرنے کی جرأت نہ کرتا تھا۔ . . ." حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے مزاج میں تیزی فرور تھی، مگر مصنف نے تو مبالغہ کی حد ہی کر دی، اُس کو سوچنا چاہئے تھا کہ وہ کوئی ناول یا افسانہ نہیں لکھ رہا ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم محترم اور "ام المؤمنین" کی سیرت قلمبند کر رہا ہے۔

"پردے" کے سلسلہ میں لائق مصنف نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے اُن میں "مغربی افکار" کی جھلک آگئی ہے، اُن کی نیت بلاشبہ نیک ہے اور اس کتاب کو خلوص کے ساتھ لکھا ہے مگر "فکر و نظر" کے زاویوں کو کیا کیجئے کہ جہاں جہاں بھی ٹیڑھے ہو گئے ہیں، قلبِ مومن کو کھٹکتے ہیں۔

نگاہِ مردِ مومن

"نگاہِ مردِ مومن" از :- عبدالرحمٰن شوقؔ، حجم ۲۲۴ صفحات، قیمت دو روپے آٹھ آنہ، مجلد خوبصورت گرد پوش
ملنے کا پتہ :- مکتبہ ادب نواز، کشمیری بازار لاہور!

جناب عبدالرحمٰن شوقؔ مسلمانوں کی اصلاح اور تبلیغ دین کے لئے کچھ نہ کچھ لکھتے ہی رہتے ہیں،" نگاہِ مردِ مومن " اُن کی تازہ ترین کتاب ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور اکابر صحابہ کرام کے طریقِ عمل اور طرزِ حیات کو سادہ اور عام فہم انداز میں پیش کیا ہے، یہ کتاب اخلاق و پاکبازی کی معلم بھی ہے اور معلومات آفریں بھی ہے۔

(صفحہ ۵۲) " اینٹ و پتھر" —— " اینٹ اور پتھر" لکھنا تھا —— (صفحہ ۱۱۹) " مساکینوں کو کھانا کھلاتے تھے" —— " مسکینوں " یا " مساکین " لکھنا چاہیئے تھا " مساکین " تو خود " مسکین " کی جمع ہے پھر اُس کی جمع بنانے کی کیا ضرورت تھی —— (صفحہ ۱۸۳) " اور ان کی زندگی کی وجہ وحید ہمارے لئے نمونہ زندگی ہے " —— پورا جملہ ہی " عجیب و غریب " ہے، اور کتاب میں جہاں جہاں یہ رنگ پیدا ہوگیا ہے وجدان پر گراں گزرتا ہے —— (صفحہ ۱۹۸) " اُس سیب کی کمالیت کی داد دینی پڑے گی " یہ " کمالیت " کیا بلا ہے؟

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس[۲]　　صدیق کے لئے ہے خدا کا رسول بس　(صفحہ ۶۵)

اقبالؔ کے اس شعر کو مولانا شبلی نعمانی سے منسوب کیا ہے ۔

" بابر نے شراب کے مٹکے توڑ دیئے، جام و سبو کی صراحیاں[۱] پھوڑ ڈالیں، پہلے بارگاہ ایزدی میں سربسجود ہوا، پھر اپنی تیرہ ہزار فوج کے سامنے آتشیں تقریر کی، جس میں رانا سانگا کی سازش اور ہندو ذہنیت کا انکشاف کرکے اعلانِ جہاد کردیا، اس فریضۂ جہاد کی ادائیگی کے لئے ادھر تو بہادرانِ اسلام میدانِ جنگ میں آنکلے، اُدھر وہ راجپوت تھے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (صفحہ ۱۷۳)!

بابرؔ کی جرأت اور دلیری اپنی جگہ مسلّم اور اُس کے سپاہیوں میں بھی کافروں کے خلاف بڑا جوش پایا جاتا تھا، لیکن " جاہدوا " اور " واقتلوا " کا قرآن میں جس مقدس مقصد کیلئے حکم دیا گیا ہے کیا یہ " جنگ " اُس پر سولہ آنہ پوری اُترتی ہے، عقیدت مند مورخین نے نہ جانے کتنے بادشاہوں کو " امیرالمومنین " اور کتنے جنگ جو شہسواروں کو " راس المجاہدین " بنادیا ہے!

مصنف نے کوئی شک نہیں کہ پورے خلوص اور دردمندی کے ساتھ یہ کتاب لکھی ہے، جس کا اجر اللہ تعالیٰ اُن کو عطا فرمائے گا۔

قرآن اور تعمیرِ سیرت

" قرآن اور تعمیر سیرت " از :- ڈاکٹر میر ولی الدین ایم ۔ اے، پی، ایچ، ڈی صدر شعبہ فلسفہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن —— ضخامت ۳۲۰ صفحات، کتابت، طباعت، کاغذ، جلد اور گرد پوش ۔ ہر چیز عمدہ اور دیدہ زیب، قیمت غیر مجلد پانچ روپے، مجلد، چھ روپے، ملنے کا پتہ :- ندوۃ المصنفین دہلی!

---

[۱] جام و سبو کی صراحیوں " کی بھی ایک ہی رہی! [۲] مگر یہ بھی واقعہ ہے کہ بانگ درا میں یہ شعر داد بین (" ") میں لکھا ہوا ہے۔

ندوۃ المصنفین اپنے آغازِ وجود ہی سے علم و ادب اور دین و اخلاق کی خدمت انجام دے رہا ہے، یہ گرانقدر کتاب بھی ادارہ مذکور نے خاصے اہتمام کے ساتھ شائع کی ہے!

ڈاکٹر میر ولی الدین علمی دنیا کی جانی پہچانی شخصیت ہیں، ڈاکٹر صاحب موصوف کا قلم ایک مدت سے اسلام اور اخلاق کی خدمت انجام دے رہا ہے، یہ کتاب ان کی بلند پایہ تالیف ہے!

"قرآن اور تعمیر سیرت" بیس مضامین کا مجموعہ ہے اور ہر مضمون افادیت سے لبریز ہے، معلومات کی فراوانی، زورِ بیان اور صحتِ فکر و عقاید کے ساتھ فاضل مضمون نگار کا اخلاص جگہ جگہ جھلکتا ہے اور اسی چیز نے مضامین کی تاثیر کو بڑھا دیا ہے۔

قرآن، حدیث، بزرگانِ دین کے ارشادات اور فلسفہ سبھی کچھ اس کتاب میں ہے، چونکہ کتاب کا موضوع "سیرت سازی" ہے اس لئے علم النفس کے بعض نکتے بھی آگئے ہیں، حزن و ملال اور غضب کا کیا علاج ہے؟ ماحول پر کس طرح قابو حاصل کیا جائے؟ قرآنی نقطہ نگاہ سے کامیاب زندگی کسے کہتے ہیں۔۔ ۔۔ ۔۔ یہ مضامین بڑے مفید اور معرکے کے مضامین ہیں، خاص طور سے شرک و بدعت کے رد میں جو مضمون ہے وہ بڑے کام کا مضمون ہے! بعض حدیثیں جنھیں اہلِ بدعت اپنے مزعومہ عقاید کے ثبوت میں پیش کرتے رہتے ہیں اُن کی لائق مصنف نے خوب خوب توجیہ کی ہے اور بعض احادیث کے ضعف و علت کو بھی دکھایا ہے۔ یہ بات ڈاکٹر صاحب نے بہت خوب کہی ہے کہ فاسق و فاجر کو توبہ نصیب ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے فاسقانہ اعمال کو بُرا سمجھتا ہے مگر بدعتی کو توبہ نصیب نہیں ہوتی کیونکہ بدعات کو وہ ثواب کا کام سمجھتا رہتا ہے،

صبر و قناعت اور تقدیر الٰہی پر راضی رہنے کی تلقین اپنی جگہ سو فی صدی درست! مگر ان مضامین کے ساتھ "شہادتِ حق" کے فریضہ کو انجام دینے کے ایک باب کا اضافہ بھی کر دیا جاتا تو قرآن کی بنیاد پر سیرت سازی کا نصاب مکمل ہو جاتا۔

کتاب کا ایک اقتباس:- "انکار سے اعمال کا صدور ہوتا ہے اعمال ہی کی تکرار سے عادت کا قیام ممکن ہے اور عادات کی تنظیم و ترتیب سے" (صفحہ ۲۵۵)" خون دل اس کی لہریں تمہارے قلب میں قیامت خیزی کر رہی ہوں۔۔" "قیامت خیزی" یہاں وجدان کو کھٹکتا ہے اس طرح عام طور پر بولا اور لکھا نہیں جاتا۔ (صفحہ ۲۹)" تمہاری نارِ غضب بھڑک اٹھتی ہے" "نار" کی جگہ "آتش" لکھنا چاہئے تھا!

ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب، مولانا ابو الکلام آزاد کے اندازِ نگارش سے شاید متاثر معلوم ہوتے ہیں ۔۔۔ انبعاث، ذہول اور تمحیص جیسے ثقیل الفاظ ان کی تحریر میں ملتے ہیں اور اشعار بھی کثرت سے نقل کئے ہیں، علمی اور دینی مضامین میں اشعار کی کثرت تحریر کے وقار پر گراں گزرتی ہے!

کتاب اپنی جگہ بہت مفید اور کارآمد ہے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے قال کو حال سے بدل دے۔ (آمین)!

جمالِ فطرت

"جمالِ فطرت" از:- فکری سلطان پوری۔ ضخامت ۲۸۰ صفحات (بانگِ درا کا سائز) کتابت، طباعت، جلد سرورق، ہر چیز دیدہ زیب، (مصنف کی تصویر کے ساتھ) قیمت چار روپیہ، ملنے کا پتہ:-

۱۲/۲ مارٹن روڈ، کراچی ۔۔۔۔ اور ہندوستان میں امیر مرزا صاحب، حنا بلڈنگ، چوک لکھنؤ!

یہ کتاب جناب فکری سلطان پوری کے قطعات کا مجموعہ ہے جس کو شاہ غلام شاہد صاحب منصف اعظم گڑھ سے منتسب کیا گیا ہے اور منصف صاحب کا فوٹو بھی اس میں شامل ہے! شاعر نے نذرِ محبت کے عنوان سے اُن دولتمند اصحاب کا شکریہ بھی ادا کیا ہے، جنھوں نے اس کتاب کی طباعت کے سلسلہ میں مالی امداد کی ہے۔ پیش لفظ جناب آلِ احمد سرور نے لکھا ہے جس کا پہلا جملہ ہی ——— فکری سلطان پوری ایک عرصہ سے کہتے آئے ہیں ——— زبان و بیان کے اعتبار سے "محلِ غور" ہے!

سید احتشام حسین نے "شرحِ مختصر" کے عنوان سے صرف دس بارہ سطریں لکھی ہیں، اور اُن کی تحریر اس کی غمازی کرتی ہے کہ انھوں نے یہ چند سطریں بھی زیادہ خوش دلی کے ساتھ نہیں لکھیں۔ .. "پتہ چلتا ہے" ——— اور "کوشش بھی ملتی ہے" جیسے جملوں میں مدح و ستایش کا کیا انداز ہوتا ہے، اُس سے اہلِ ذوق اور نکتہ شناس طبیعتیں واقف ہیں۔

جناب مخمور لکھنوی نے "جمالِ فطرت" کے مصنف کے مختصر حالات لکھے ہیں اور یہ واقعی اپنے اختصار کے اعتبار سے "پرچھائیاں" ہی ہیں! جناب نیر الیسولوی (لکچرار اُردو و فارسی) نے "عکس" کے عنوان سے فکری صاحب کی شاعری پر ایک طویل مقدمہ تحریر فرمایا ہے، جو خاصہ دلچسپ ہے، مقدمہ نگار نے اُردو کے چند مشہور شاعروں سے لیکر خیام تک کی رباعیوں سے فکری صاحب کے قطعات کا موازنہ اور مقابلہ کیا ہے اور اس پر ہم گفتگو کرنا نہیں چاہتے کہ اپنا اپنا ذوق اور اپنی اپنی پسند ہے پروفیسر نیر صاحب کے قلم سے کہیں کہیں ایسے ——— بیباک ایسا کہ زاہد کو بھی خلافِ فطرت بات پر ٹوک دے ——— ناپختہ جملے بھی نکل گئے ہیں۔

فکری صاحب کو ہمارے نہایت ہی عزیز دوست مولانا فصیح آسیونی سے تلمذ حاصل ہے، فصیح مرحوم کی ذات علم اور شعریت کا سنگم تھی وہ سر سے لیکر پیر تک ذہانت ہی ذہانت تھے، حیدرآباد دکن میں مولانا فصیح (مرحوم) کے ساتھ راقم الحروف کی بڑی خوشگوار اور دلچسپ صحبتیں رہی ہیں، افسوس ہے کہ اُن کے علمی کمالات پر گمنامی کے حجابات ہی پڑے رہے اور علم و ادب کے آسمان کا یہ روشن ستارہ بھی دکن میں جاکر ہمیشہ کے لئے ڈوب گیا، فکری صاحب کی یہ سعادت مندی بلکہ عالی ظرفی ہے کہ انھوں نے اپنے استاد کی شفقتوں کا کشادہ دلی کے ساتھ اعتراف کیا ہے۔

مولانا فصیح مرحوم کے چند اشعار بھی فکری صاحب نے درج کردیئے ہیں ——— مگر یہ شعر:-

یہ ٹھنڈی ہوائیں یہ کالی گھٹائیں ——— چلی آئیں لیکن انھیں بھی تو لائیں

جہاں تک ہمیں یاد پڑتا ہے ساغر نظامی کا ہے، اور "لیکن" کی جگہ "تنہا" ہے!

اپنے اُستاد کے حالات میں فکری صاحب نے لکھا ہے:-

"اور معتمد ادارۂ شرقیہ میں ملازمت کر لی تھی" (صفحہ ۲۴۸)

لہ ایک عرصہ سے شعر کہہ رہے ہیں۔ .. اسی انداز کا کوئی جملہ لکھنا چاہیئے تھا۔ ..

"معتمد" تو "سکریٹری" کو کہتے ہیں، اس لئے "معتمد" کا لفظ یہاں غلط اور زائد استعمال ہوا ہے۔

"جمالِ فطرت" سے ایک نظر میں جو اچھے اشعار ہم نے منتخب کئے ہیں، وہ ناظرین "فاران" کی خدمت میں حاضر ہیں:۔

یہ بھی ہے اک یادگارِ منزلِ دشوارِ دوست　اپنے ہی قدموں پہ کرلیں سجدۂ شکرانہ ہم

دھوپ بھی نکلی، چھتوں پر رقصِ باراں ہو چکا　پھر بھی پرنالے سے کچھ پانی ابھی تک ہے رواں
وقتِ گریہ غمزدہ دل کا یہی ہوتا ہے حال　اشک تھم جانے پہ بھی رکتی نہیں ہیں ہچکیاں

ایک بچہ کی بند ٹوپی میں　جیسے جگنو چمکتا جاتا ہے
ہجر کی کالی کالی راتوں میں　یوں ہی اُن کا خیال آتا ہے

یہ دستورِ فطرت ہے فکریؔ تو اک دن　یوں ہی وہ بھی ہو کر رہیں گے ہمارے
زمیں بوس جس طرح سے آسماں ہو　نگاہوں کی حد کے کنارے کنارے

بنامِ لغزشِ پیہم ہے زندگی یوں ہی　چراغ لے کے کوئی جس طرح ہواؤں میں چلے

شگفتہ ہوا اس طرح غنچۂ دل　مری سمت اُس نے نظر جب اٹھا دی
نگاہوں میں پھرنے لگی صبحِ خنداں　کرن پھوٹتے ہی کلی مسکرا دی

کوئی گیا ہے چھوڑ کے تنہا ابھی ابھی　پچھلے پہر کے ڈوبتے تارے گواہ ہیں

پنچھی نظر دل سے دیکھنے والے　ہائے وہ دھوپ چھاؤں کا عالم

شمع کیسی! اب تو دل کے داغ بھی روشن نہیں　تیری خاطر کیا کریں؟ اے شامِ ماتم خانہ! ہم

اے خدائے دو جہاں! کالج کے الھڑ ہیں جواں　کچھ تو ان پر جنگ میں بھی رحم ہونا چاہیئے
موم سی ان کی کلائی، تانت سی ان کی کمر　ان کی تیغوں کے لئے تو نرم سونا چاہیئے

رنج و راحت کہ یہ نشیب و فراز　جیسے دنیا ہے ہر قدم زینہ

عجب نشہ سا چھایا جا رہا ہے　طبیعت ہو چلی ہے لاابالی
مرے گھر جھٹ پٹا ہوتے وہ آئے　کہ مغرب سے چلی بادِ شمالی!

ہے چاند کا منظر بادل میں　یا آگ سی روشن ہے جل میں
جوبن کے جلو میں شمع کی لو　جلتے ہوئے دیپک آنچل میں

نہ رہا فکریؔ پیغمبرِ فطرت نہ رہا　چاندنی رات کو زانو پہ سلانے والے

"گہری سانس" سب سے اچھی نظم ہے، اس کا ایک شعر ہے:۔

اُٹھے اگر تو شورِ قیامت نہ سن سکیں　خاموشیوں میں تھی وہ چھما چھم نہ پوچھئے

کاش! فکری صاحب کی شاعری کا یہی رنگ ہوتا، اور وہ جدت طرازی اور نئی بات کہنے کے شوق میں اپنی حدِ پرواز سے اونچا اڑنے کی کوشش نہ کرتے!

"محشرِ خیال" کے مصنف سجاد انصاری کی طرح فکری صاحب رومان اور حُسن و شباب سے اس درجہ والہانہ طور پر متاثر ہیں کہ اس شدتِ تاثر کی حدیں ہوسناکی سے جا کر مل جاتی ہیں، مانا کہ ہوسناکی اور رنگینی سے کوئی شاعر پوری طرح دامن نہیں بچا سکتا، دامن تر نہ ہوگا تو بھی دو چار چھینٹیں تو پڑ ہی جائیں گی ——— مگر یہ بھی کیا کہ شاعر ہوسناکی کا مبلغ اور پرچارک ہی بن جائے اور وہ باتیں شعروں میں کہنے لگے، جو نہ کہنی چاہئیں!

اس کتاب میں ایک عورت کی تصویر شائع کی گئی ہے جس کا سینہ بالکل برہنہ دکھایا گیا ہے، یہ "چغتائی آرٹ" ہے، اول تو چغتائی صاحب نے یہ تصویر بنا کر حماقت کی پھر فکری صاحب نے اسے اپنے مجموعہ کلام میں چھاپ کر اپنی خوش مذاقی کا کوئی اچھا ثبوت نہیں دیا، ان کے وہ "قطعات" جن میں "پستانوں" کی تعریف کی گئی ہے لطافت طبع پر گراں گزرتے ہیں، ہوس اور عاشقی کا لطف بھی اشارات و کنایات ہی میں ہے، بات کو کھول دینے میں سارا لطف ہی غارت ہو جاتا ہے، پھر شاعر کتنا ہی آزاد روش کیوں نہ ہو آخر اس پر اخلاقی پابندیاں اور ذمہ داریاں بھی عاید ہوتی ہیں۔

ہنر سے چشم پوشی ہے جوانوں!　　　شعورِ محترم، اس انجمن کا　(صفحہ ۴۴)

اول تو "جوانو!" کا املا "جوانوں!" درست نہیں مگر یہ کتابت کی غلطی بھی ہو سکتی ہے، پھر "شعورِ محترم" ایک بے معنی ترکیب ہے جس نے دوسرے مصرعہ کو "اس انجمن" کے ساتھ مل کر پورے شعر کو مہمل بنا دیا۔

میری ایک ایک سانس میں پنہاں ہے کوندے کی لپک　　　گور کی ظلمت نہیں اک نورِ جنہاں کا جواب
اک فضائے دانش و بینش میں ذوقِ معتبر!　　　بُو مسیلم نے لکھا تھا جیسے قرآں کا جواب　(صفحہ ۴۵)

"نورِ جنہاں" اور "اک فضائے دانش و بینش میں ذوقِ معتبر!" یہ ترکیبیں اور اندازِ بیان ہی سرے سے مہمل ہے۔

تری فکرِ تعمیر آسا سے نسبت　　　وہ غالب ہوں فکری! کہ ہوں میر و حافظ!

"فکرِ تعمیر آسا" یہ کیا بات ہوئی! "آسا" تو مانند اور مثل کو کہتے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ شاید شاعر کو "آسا" کے معنیٰ ہی معلوم نہیں!

روحِ فطرت میرے اک اک شعر کے قالب میں ہے　　　موت، میری زندگی میں روح بھر سکتی نہیں　(صفحہ ۵۰)

آج تک سننے میں نہیں آیا کہ موت زندگی میں روح بھر سکتی ہے! شاعر کو سوچ سمجھ کر بات کہنی چاہیئے، یہ نہیں کہ جو خیال بھی ذہن آیا، بس اُس کیلئے لفظ جوڑ جاڑ کر رکھ دیئے!

میرے اِن قطعات کی دنیا میں دیکھ　　　کس جگہ پر جنبشِ عملی نہیں

"جنبشِ عملی" کتنی غیر شاعرانہ ترکیب ہے!

شاعر فطرت بیاں، سیمیں نوا ذہن آسا، تیری فکرِ برق پا (صفحہ ۶۲)

"سیمیں نوا" عجیب سی ترکیب ہے! ہم نے ابھی ابھی کہا تھا کہ شاعر کو شاید "آسا" کے معنیٰ معلوم نہیں ہیں، اب "ذہن آسا" پڑھ کر ہم کہتے ہیں کہ یقیناً شاعر "آسا" کے مفہوم سے بے خبر ہے۔

مرا نام و تخلص چند دن میں بھول جائے گا مرا اسم گرامی شاعرِ فطرت رقم ہوگا
مجھے کوئی پڑھے گا جب تو لے کر ڈوب جاؤں گا مری گہرائیوں سے بحرِ بے پایاں بھی کم ہوگا (صفحہ ۶۳)

دوسرا شعر سراپا ابہام ہے۔

حیاتِ آبرو کا نقش مردہ نہیں ہے مدحتِ شاہِ زمن میں (صفحہ ۱۲۲)

کچھ نہیں کھلتا کہ شاعر آخر کہنا کیا چاہتا ہے؟

مجھے ہے جوہرِ تلوار بھی آئینہ فطرت (صفحہ ۱۲۷)

"تلوار" اور "جوہر" کے مابین اضافت دینا جائز نہیں۔ "جوہرِ شمشیر" کہنا چاہیئے تھا۔

بنام شاہد سنبل نگا ہاں (صفحہ ۱۳۱)

اگر یہ مصرعہ نکہی صاحب کا نہیں کسی دوسرے شاعر کا ہے تو بھی اس کا انتخاب شاعر کے اچھے ذوق کا پتہ نہیں دیتا "سنبل" تو ایک خوشبودار گھاس ہے جس کو عربی میں "سنبل الطیب" اور اُردو میں "بالچھڑ" کہتے ہیں، اور معشوق کی زلفوں سے اس کو تشبیہ دیتے ہیں، نگاہ اور سنبل میں آخر وجہ شبہ کیا ہے؟

پریشاں ہیں ترے الفاظ اور معنیٰ ہیں بے کل سے کلیجے پر دھری نوکِ سناں معلوم ہوتی ہے (صفحہ ۱۳۳)

الفاظ کا پریشاں ہونا تو ٹھیک ہے مگر معنیٰ کا "بے کل" ہونا یہ کیا بات ہوئی! اور مصرعِ ثانی میں جو ناگوار تعقید پائی جاتی ہے، وہ ناپختہ کاروں کا اندازِ بیان ہے،

جس طرح میری لاجونتی کے رُخ پہ اکثر حیائیں آتی ہیں (صفحہ ۱۵۷)

"حیا" کی جمع "حیائیں" محلِ غور ہے!

یہ زمیں ہے کہ فقط آبِ رواں ہے جاناں آسماں ہے کہ گھٹا اور دھواں ہے جاناں! (صفحہ ۱۷۲)

"جاناں" ردیف ہے، جو صوتی طور پر بھلی نہیں لگتی۔ "جاناں" کی جگہ "اے دوست" کہتے تو نظم زیادہ مترنم ہو جاتی!

ایک قطعہ کا عنوان "ہم وطنوں" ہے، اُس کا پہلا شعر ملاحظہ ہو:-

بجلی کا مہر و ماہ کا روحِ رواں ہے وہ تم جسمِ کائنات کا روحِ رواں کرو (صفحہ ۱۷۹)

"وہ" کا مرجع "ہندوستان" ہے! ہندستان کو بجلی اور مہر و ماہ کا "روحِ رواں" کہنا ہی ایک عجیب اور خلافِ واقعہ بات ہے، پھر دوسرا مصرعہ اور بھی عجیب تر ہے۔ اور یہاں "کرو" نہیں۔ "بناؤ" کا محل تھا۔

ایک قطعہ کا عنوان "مجدِ مغرب" ہے —

رول دے جام میں ساقی ان کو صدفِ دہر کے یہ موتی ہیں

اُس کے آگے توصفیں ہوتی ہیں صبح اور شام کو سنتا ہوں کہ روز (صفحہ ۱۹۵)

ہمارے پلّے تو کچھ پڑا نہیں! پھر مصرعہ اولیٰ میں "رول دے" بھی بے محل استعمال ہوا ہے "گھول دے" کہتے تو ایک بات بھی تھی!

میں شعروں کو محفل میں گاتا نہیں ہوں میں شعروں کو اکثر بجا ڈالتا ہوں (صفحہ ۲۱۵)

"شعروں کو بجا ڈالنا" شعر و ادب اور زبان و بیان کے ساتھ مذاق نہیں تو اور کیا ہے۔

شاعروں کی "انا" (EGO) دوسرے فن کاروں سے یقیناً بلند تر ہوتی ہے اور شاعروں نے اسی بنا پر اپنے بارے میں کبھی کبھار اظہارِ فخر بھی کیا ہے —— مگر فکری صاحب کی "انا" تعلّی کی آخری حد سے بھی آگے بڑھ گئی ہے — وہ کہتے ہیں:—

تری فکرِ تعمیر آساسے نسبت وہ غالب ہوں فکری! کہ ہوں میر و حافظ

تو اک منزلِ نو کا معمار خود ہی وہ قصرِ کہن کے مکین و محافظ

دو چار نہیں دسیوں بیسیوں شعروں میں اپنی شاعری کو طرح طرح سے سراہا ہے۔

"خیالِ نظرت" کے مطالعہ کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ فکری صاحب میں شاعرانہ استعداد تو بیشک ہے مگر اُسے صحیح لائنوں پر اُبھرنے کا موقعہ نہیں مل سکا، اور یا تو وہ خود ہی یا دوستوں اور حاشیہ نشینوں کے بڑھاوے میں آ کر اس غلط فہمی کا شکار ہو گئے کہ اُن کا کلام حافظ اور خیام کی شاعری کو آئینہ دکھاتا ہے بس اس چیز نے ان کی ترقی کو روک دیا اُن کے بعض مصرعے دو لخت ہیں، زبان و بیان کی غلطیاں ہیں اور خیال و اظہار میں پوری طرح ربط اور ہم آہنگی نہیں ہے، وہ بہت زیادہ اونچی فضاؤں میں اُڑنا چاہتے ہیں مگر اس کو کیا کیجئے کہ بازوؤں میں سکت نہیں ہے اس لئے اُڑ اُڑ کر گرتے ہیں، اور سمجھتے یہ ہیں کہ قوسِ قزح اور کہکشاں پر انھوں نے کمندیں ڈال دیں اور سدرۃ المنتہیٰ کو چھو لیا!

کشیدہ کاری

"پاک کشیدہ کاری" مرتبہ:— محمد صدیق شیدا دہلوی، ضخامت ۳۲ صفحے قیمت دو روپے، ملنے کا پتہ:— منیجر مکتبہ گلکاری، جونا مارکیٹ، کامل گلی ۲۰۷، کراچی۔

اس مجموعے میں پلنگ کی چادروں، میزپوشوں، رومالوں، دسترخوانوں اور تکیوں وغیرہ پر کشیدہ کاری کے لئے مختلف ڈیزائن دیئے گئے ہیں، جو بہت خوبصورت اور دیدہ زیب ہیں، یہ ڈیزائن رنگین بنائے گئے ہیں تاکہ کشیدہ کاروں کو رنگوں کے انتخاب میں سہولت ہو، "ایس، ڈی، ایم، سی پاک کشیدہ کاری" میں تمام ڈیزائن سائنٹفک طرزِ تعلیم کی روشنی میں تیار کئے ہیں اور ان کی ترتیب اور بناوٹ میں موجودہ معیارِ تعلیم اور خاص طور سے خواتین کی پسند کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے۔

اس مرقع کے مرتب جناب محمد صدیق شیدا دہلوی نے ایمبرائڈری مشین بنانے کا کارخانہ بھی قائم کر لیا ہے، گھریلو صنعت کی اس ترقی اور ترویج پر موصوف مبارکباد کے مستحق ہیں!

اسلامی کیلنڈر

"اسلامی کیلنڈر" ناشر:- مکتبہ تعمیر انسانیت ۲۵ گجر گلی موچی دروازہ، لاہور!

اس دور میں جبکہ پبلشر کتابوں کے انتخاب میں مفید اور غیر مفید کی تمیز نہیں کرتے اور ایک ہی وقت میں قرآن کریم اور کوک شاستر چھاپ سکتے ہیں، مکتبہ تعمیر انسانیت" اسلام اور اخلاق کی خدمت انجام دے رہا ہے، اس مکتبہ نے اسلامیات اور اخلاقیات پر انتہائی کارآمد لٹریچر پیش کیا ہے، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی "تفہیم القرآن" کی اشاعت کی سعادت بھی اسی مکتبہ کے حصہ میں آئی ہے۔

مکتبہ تعمیر انسانیت نے نہایت خوبصورت اور دیدہ زیب کیلنڈر شائع کئے ہیں، جن میں قرآن کی آیتیں اور اردو میں مفید اخلاقی اور دینی عبارتیں لکھی ہوئی ہیں، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان کیلنڈروں کو "فتنۂ تصویر" سے پاک رکھا گیا ہے، یہ کیلنڈر ایک طرف تو تاریخ اور دن بتانے کی ضرورت کو پورا کرتے ہیں اور دوسری طرف خدا، رسولؐ، دین اور آخرت کی یاد دلاتے ہیں مسلمان گھرانے ان کیلنڈروں سے یقیناً مزین اور مستفید ہونے چاہئیں۔

عید کارڈ

جناب شیخ محمد قمر الدین صاحب نے مختلف ڈیزائن، سائز اور نمونے کے عید کارڈ چھاپے ہیں، جو بہت دیدہ زیب ہیں، ان کارڈوں پر دینی پیغام، اخلاقی تلقینات، اسلامی اور اصلاحی مضامین کے شہ پارے منقوش ہیں

رنگین عید کارڈ، جن پر پھول پتیوں کے جھرمٹ میں اسلامی تاریخی عمارتوں اور مسجدوں کی تصویریں ہیں، ایک درجن کارڈ کی قیمت ڈیڑھ روپیہ (محصول ڈاک چھ آنہ) ——— رنگین عید کارڈ، فی درجن ایک روپیہ دو آنہ (محصولڈاک چھ آنہ) ——— لفافوں میں رکھے ہوئے عید کی مبارکباد کے رنگین خطوط (اردو اور انگریزی) فی درجن، تین روپیہ (محصولڈاک چھ آنہ) ——— انگریزی زبان کے نہایت خوبصورت رنگین عید کارڈ، اعلیٰ قسم کے چکنے دبیز کاغذ پر، فی درجن چار روپیہ (محصولڈاک دس آنہ) ——— نہایت ہی خوبصورت رنگین، دیدہ زیب اور آرٹ کے اعتبار سے قابل قدر سائز کا کیلنڈر (جسے گھروں میں بھی آویزاں کیا جا سکتا ہے اور دوستوں عزیزوں کیلئے پسندیدہ تحفہ بھی ہے) فی درجن چار روپیہ (محصولڈاک دس آنہ)

ان کے علاوہ دیگر مختلف سائز، ڈیزائن، رنگت، پھول پتیوں اور خوشنما بیلوں کے عید کارڈ بھی ہیں جنکو شیخ قمر الدین صاحب نے بڑی محنت اور دیدہ ریزی کیساتھ تیار کیا ہے! بعض کارڈ خطاطی اور نقش و نگار کا اعلیٰ اور معیاری نمونہ ہیں، ملنے کا پتہ:-

شیخ محمد قمر الدین پبلشر گوجر گلی موچی دروازہ ——— لاہور

فاران

کراچی

پاکستان

ماہر القادری

جلد ۵ ——— نمبر ۴

——— ماہنامہ ———

فاران

جولائی ۱۹۵۳ء

——— ایڈیٹر ———

ماہر القادری

چندہ سالانہ

۶ روپیہ (پاکستانی) ——— فی پرچہ آٹھ آنے

۸ روپیہ (ہندستانی) ——— فی پرچہ گیارہ آنے

مقام اشاعت

دفتر فاران

کیمبل اسٹریٹ

کراچی ۱

نظم و ترتیب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ اوّل!

اس دُنیا میں رنج وخوشی اور مسرت وغم کا چولی دامن کا ساتھ ہے، ہر مسکراہٹ کا پلّو آنسوؤں کے ساتھ بندھا ہوا ہے، ہر شیرینیٔ حیات میں تلخیٔ غم شامل ہے، کسی کی نہ ایک سی گزری ہے اور نہ گزر سکتی ہے، زندگی عیش وغم کی دھوپ چھاؤں کا نام ہے، ہر کسی کے حالات بدلتے رہتے ہیں، کبھی دل کی فرحت اور کشادگی کا یہ عالم جیسے آسمان کی تمام جنتیں دل میں سمٹ کر آ گئیں، اور کبھی ملال وانقباض اور پچھاوٹ کی وہ کیفیت کہ آدمی زمین کے پردے پر سب سے زیادہ مظلوم، مجبور اور پامال وتباہ اپنے سوا اور کسی کو نہیں سمجھتا۔

پلک مارتے میں حالات دگرگوں ہو جاتے ہیں اور بات کرتے میں بلندیاں پستیوں میں بدل جاتی ہیں، وقت کے دھارے میں کبھی چڑھاؤ ہوتا ہے اور کبھی اُتار! تغیرات کا یہ سلسلہ جھونپڑیوں سے لیکر محلوں تک پھیلا ہوا ہے، انقلابات کی چکی میں کنکر اور پتھر ہی نہیں لعل وزمرد کو بھی پستے ہوئے دیکھا گیا ہے —— ابھی کل ہی کی بات ہے کہ فاروق مصر کا مطلق العنان فرماں روا تھا اُس کے قبضہ میں خزانے تھے، پولس اور فوج تھی مگر آج وہ اٹلی کا ایک معمولی شہری ہے، ذلت، کس مپرسی اور بدلقیالی کا یہ عالم ہے کہ اُس کی چہیتی بیوی بھی اُس کا ساتھ چھوڑ کر بھاگ کھڑی ہوئی!

ہر مصیبت کے تین پہلو ہوتے ہیں نافرمانوں اور خدا کے باغیوں کیلئے عذاب (۲) اہلِ ایمان کے لئے امتحان اور آزمائش اور (۳) ساتھ ہی گناہوں کے کفارے کا سبب بھی!

ولنبلونکم بشیٔ من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات ، وبشر الصٰبرین

اور البتہ ہم آزمائیں گے تھوڑے سے ڈر سے اور بھوک سے اور نقصان سے مالوں کے اور جانوں کے اور میووں کے! اور

الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون ۝ اولٰئک علیھم صلوات من ربھم ورحمۃ واولٰئک ھم المھتدون ۝

خوشخبری دے اُن صبر کرنے والوں کو کہ جب پہونچے اُن کو مصیبت تو کہیں ہم تو اللہ ہی کا مال ہیں اور ہم اُس کی طرف لوٹ کر جانیوالے ہیں! ایسے ہی لوگوں پر عنایتیں ہیں اپنے رب کی اور مہربانی اور رحمت

خدا کے نافرمانوں اور باغیوں پر جب کوئی مصیبت پڑتی ہے تو ثباتِ قدم کی جگہ وہ بڑی بزدلی، گراوٹ اور کمینگی کا ثبوت دیتے ہیں، اُن کے دل پہلے جو سخت تھے اب سخت تر ہو جاتے ہیں، اور اُن میں خضوع وخشوع کی ذراسی بھی کیفیت پیدا نہیں ہوتی، وہ توبہ وانابت کی طرف مائل نہیں ہوتے بلکہ اُن کی سرکشی اور طغیان میں اور اضافہ ہو جاتا ہے، جھکنا اور گڑگڑانا چاہیئے تھا خدا کے آستانہ پر مگر اُن کی پیشانیاں ہر اُس شخص کے دروازے کی چوکھٹ پر جھکی ہوئی ہوتی ہیں جہاں ذراسی بھی اُمید پائی جاتی یا خوف کی کوئی جھلک بھی دکھائی دیتی ہے۔

اس کے برخلاف اہل ایمان اور اللہ کے فرماں بردار بندے جان ومال کے اس نقصان اور آرام ومسرت کے اس زیاں کو اللہ کی طرف سے ایک آزمائش سمجھ کر اُس میں پورے اُترنے کی کوشش کرتے ہیں، کوئی بڑے سا بڑا حادثہ اُن کے قدم کو ڈگمگا نہیں سکتا اور کوئی شدید سے شدید نقصان اُن کو اللہ سے مایوس نہیں ہونے دیتا، کوئی مصیبت آن پڑتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا دامن پہلے کے مقابلہ میں اور زیادہ مضبوطی کے ساتھ تھام لیتے ہیں، خدا کے خوف کے سوا ہر خوف اُن کے دل سے نکل جاتا ہے، اُن کی آنکھیں روتی ہیں، دل روتے ہیں اور نہ صرف یہی بلکہ ہر بُن مُو سراپا خشیت واستغفار بن جاتا ہے، جب یہ ہو چکتا ہے اور اس آزمائش میں وہ پورے اُتر چکتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کے نام رحمت ومغفرت کے پیام اور مہربانیوں کی بشارتیں آتی ہیں اور اُن کو "مہتدون" کے لقب سے نوازا جاتا ہے! اُس کی خوش نصیبی کا بھلا کوئی اندازہ کر سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ خود فرمائے کہ یہ میرا بندہ ہدایت یافتہ اور سیدھی راہ پر ہے! یہ وہ بشارت ہے جو نہ جانے کتنی جنتوں کے عیش کی حلاوت اپنے اندر رکھتی ہے۔

یہی وہ صبر وعزیمت اور توکل ہے جو اہلِ ایمان کے درجات کو بلند کرتا ہے آزمائش کی یہ وہ بھٹی ہے جس میں زندگیاں تپ کر کندن بنتی ہیں اور سیرت وکردار کے جوہر نکھرتے اور تابناک ہوتے ہیں!

آزمائش کی یہ بھٹی کیوں تپائی جاتی اور امتحان کی یہ میزان کس لئے کھڑی کی جاتی ہے؟ اس کے بہت سے پہلو اور گوناگوں حکمتیں ہیں، جن میں سے ایک یہ بھی ہے:-

ما کان اللہ لیذر المؤمنین علیٰ ما انتم علیہ حتیٰ یمیز الخبیث من الطیب ط

اللہ وہ نہیں کہ چھوڑ دے مسلمانوں کو اُس حالت پر جس پر تم ہو جب تک جدا نہ کر دے ناپاک کو پاک سے!

یہ امتحان اس لئے کیا جاتا ہے کہ کھوٹے اور کھرے کی تمیز ہو جائے، خدا تو جانتا ہی ہے مگر دنیا والے بھی جان لیں اور پہچان لیں کہ اس کسوٹی پر کون کیا نکلا؟ اس امتحان کے بعد اہلِ بصیرت کو واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ

نفاق کا خس و خاشاک ہے اور یہ اخلاص کے پھول ہیں! کون اس امتحان سے بھاگ کھڑا ہوا اور کون ثابت قدم رہا؟ کس نے کیا پارٹ انجام دیا، ایمان والوں کا یا اہلِ نفاق کا؟

ٹھیک کہا اللہ کے اس حکمت مآب بندے (لقمان) نے :۔ اے بیٹے! سونے اور چاندی کی جانچ تو آگ سے کی جاتی ہے اور مومن کی مصیبتوں سے!

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، یا رسول اللہ! بلا میں کون شخص سب سے زیادہ مبتلا ہوتا ہے، حضور نے فرمایا، انبیاء، پھر جو اُن سے مشابہ ہیں، پھر جو اُن سے مشابہ ہیں (اور) انسان اپنے دین کے موافق مبتلا ہوتا ہے، پس بندہ سے بلا نہیں ٹلتی یہاں تک کہ وہ اس کو ایسا چھوڑتی ہے کہ وہ زمین پر چلتا پھرتا ہے اور اُس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔

پس جو اہلِ ایمان مصائب میں مبتلا ہیں، اُن کو خوش ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اس بہانہ اُن کے گناہوں کو دور کر رہا ہے اور ان کے کردار اور قلب و نظر میں انبیائے کرام کے تقدس کی جھلک پیدا ہو رہی ہے! یہ بات اگر دل میں جم جائے تو پھر کوئی بڑی سے بڑی مصیبت بھی عزیمت میں ذرا سی بھی کمزوری پیدا نہیں کر سکتی!

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کی جان اور اولاد اور مال پر برابر بلائیں آتی رہتی ہیں یہاں تک کہ اللہ سے اس حالت میں ملاقات کرتا ہے کہ اس پر کوئی خطا نہیں

اہل نفاق کے لئے نہیں اہلِ ایمان کے حق میں مصیبت بیشک ذنوب و معاصی کے لئے کفارہ بن جاتی ہے، گناہ جھڑتے، دور ہوتے اور معاف کئے جاتے ہیں یہاں تک کہ کسی مومن کے پیر میں ایک کانٹا بھی چبھتا ہے تو اُس کا بھی اجر ملتا ہے، عفو و کرم کا یہی وہ مقام ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی رحمت اُس کے غضب پر سبقت لے جاتی ہے!

دُنیا میں بھی اللہ کی رحمتوں کی کمی نہیں ہے، پانی کا ہر گھونٹ، ہوا کا ہر جھونکا اور ہر سانس ایک رحمت ہے مگر نیکیوں کا پورا پورا اجر آخرت ہی میں دیا جائے گا اور جنت اللہ کے انعام، فضل، احسان اور رحمت و مغفرت کا مقامِ ظہور ہے، مگر جنت کا مستحق کون ہو سکتا ہے؟ اس کے جواب میں قرآن پکارتا ہے :۔

ام حسبتم ان تدخلوا الجنۃ ولما یاتکم مثل الذین خلوا من قبلکم ط مستھم البأساء والضراء وزلزلوا حتی یقول الرسول والذین آمنوا معہ متی نصر اللہ ط الا ان نصر اللہ قریب ○

کیا تم کو یہ خیال ہے کہ جنت میں (یوں ہی) چلے جاؤ گے حالانکہ تم پر نہیں گزرے حالات اُن لوگوں جیسے جو تم سے پہلے ہو چکے ہیں، کہ اُن کو جب سختی اور تکلیف پہونچی اور جھڑجھڑائے گئے یہاں تک کہ کہنے لگا رسول اور اُس کے ساتھ جو ایمان لائے کہ کب آئے گی اللہ کی مدد! سن رکھو، اللہ کی مدد قریب ہے!

تو جنت الفردوس تک پہونچنے اور وہاں کی نعمتوں سے لذت اندوز ہونے کے لئے جس راہ سے گزرنا

ہوتا ہے وہ کوئی گلگشتِ مُصلّا نہیں ہے کہ پھولوں کو سونگھتے، ڈالیوں سے کھیلتے اور سبزے پر سبج سبج خرامِ ناز کرتے ہوئے جنت کے دروازے پر جا پہونچے اور رضوان نے صورت دیکھتے ہی "اہلاً وسہلاً" کہا اور کھٹ سے جنت میں داخل ہو گئے۔

یہ پھولوں کا فرش نہیں وادئ پُرخار ہے، یہاں قدم قدم پر مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے، یہاں ہر موڑ پر آزمائشیں آتی ہیں ——— سخت سے سخت آزمائشیں! یہاں جسموں کی کھالیں لوہے کی کنگھیوں سے کھرچی جاتی ہیں اور سروں پر آرے چلائے جاتے ہیں، یہاں فرعون کے دربار میں جادوگروں سے بھی مقابلہ کرنا پڑتا ہے اور حق گوئی کے جرم میں آگ کے شعلوں میں بھی کودپڑنے کی ضرورت پیش آتی ہے، یہاں سچائی کا پیام دینے والوں کی راہ میں کانٹے بھی بچھائے جاتے ہیں، سروں پر نجاست بھی ڈالی جاتی ہے، طائف کے بازاروں میں پتھراؤ بھی کیا جاتا ہے، شعبِ ابی طالب میں اس طرح محصور اور مجبور ہو کر رہنا پڑتا ہے کہ کتنے دن تک ایک کھیل بھی اُڑ کر منھ میں نہیں پہونچنے پاتی، فقر و فاقہ، کھانے پانی کی بندش، بھائی چارے کا خاتمہ، ہر طرح سے مکمل بائی کاٹ!

اس راہ میں جسموں کو گرم پتھروں سے بھی داغا جاتا ہے، چٹائی میں لپیٹ کر آگ کی دھونی بھی دی جاتی ہے، حق گوئی کے جُرم میں سارا مال و اسباب چھین لیا جاتا ہے یہاں تک کہ پہننے کے کپڑے تک اُتروائے جاتے ہیں ——— آزمائشوں پر آزمائشیں اور امتحان پر امتحان! حق ناشناسوں کی تلواروں کی دھاریں اور نیزوں کی نوکیں بھی سینوں میں پیوست ہوتی ہیں! اس راہ میں پینے کے لئے آبِ تیغ اور کھانے کیلئے خنجر و شمشیر کے پھل ملتے ہیں!

گالیاں، جھڑکیاں، تہمتیں، طرح طرح کے الزام! سب کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے، سچائی کو جان بوجھ کر جھٹلایا جاتا ہے اور سیرت و کردار کو پاکیزگی عطاء کرنے والوں پر الزام لگایا جاتا ہے کہ تم نے ہمارے نوجوانوں کو بگاڑ دیا۔

اس راستہ میں فرعون، نمرود، ابوجہل، عتبہ اور ابو لہب جیسے کافر اور عبد اللہ بن ابی جیسے منافق ہی نہیں یزید، شمر ذی الجوشن اور حجاج جیسے کلمہ گو بھی ملتے ہیں، یہاں ایسے بادشاہوں سے بھی سابقہ پڑتا ہے، جن کو دنیا "امیر المومنین" کہتی ہے اور جن کے نام جمعہ کے خطبوں میں پڑھے جاتے ہیں! ہائے! اسلامی ناموں کے یہ پردے ملکہ ٹٹیاں جن کی اوٹ سے ظلم و ستم کے ترکش کا آخری تیر بے دریغ چلایا جا سکتا ہے!

اقتدار اور ملوکیت نے جب بھی خطرہ محسوس کیا ہے تو حق کے علمبرداروں پر یہ الزام رکھ کر انہیں عقوبتوں کا نشانہ بنایا گیا ہے کہ یہ حضرات حدودِ سلطنت میں فساد اور انتشار پھیلانا چاہتے ہیں، ان کے عزائم باغیانہ ہیں اور اسلام اور اصلاح کے نام پر یہ لوگ تخت و تاج پر قبضہ کرنے کی فکر میں ہیں، باطل کو طرح طرح کے پھند فریب اور ڈپلومیسیاں آتی ہیں، جاہلیت حق پرستوں پر تہمتیں جوڑنے میں بڑی شاطر ہوتی ہے، لالچ اور دھمکیوں کے زور سے چند دن کے لئے فضا سازگار بھی ہو جاتی ہے، جان کا خوف اور دار و گیر کا خطرہ بڑے بڑے زاہدان شب زندہ دار

کی زبانوں میں قفل ڈال دیتا ہے اور لالچ اچھے اچھوں کو ظلم کی ہاں میں ہاں ملانے پر مجبور کردیتا ہے! منافقوں کی اس دنیا میں کیا کمی ہے، حق پرستوں کو قید و بند میں دیکھ کر اور مظلوم پا کر اہلِ نفاق کی خوب بن آتی ہے، منافقین ظلم کو بڑھاوے دیکر اور اُکساتے ہیں، ظالموں کی شان میں قصیدے تصنیف کئے جاتے ہیں کہ تم نے حق پرستوں کو دبا کر عظیم الشان کارنامہ انجام دیا۔

آرام طلب زہاد! کوئی شک نہیں کہ "لاالٰہ الا اللہ" پڑھنے کے بعد آدمی مسلمان ہوجاتا ہے اور جنت اہلِ ایمان ہی کے لئے بنائی گئی ہے، مگر "لاالٰہ الا اللہ" پڑھنے کے ساتھ ہی جو ذمہ داریاں واجب ہوجاتی ہیں کیا اُن کو کلمہ سے منفک کیا جاسکتا ہے، غزوۂ تبوک میں جو لوگ اپنی غفلت کے سبب جانے سے رہ گئے تھے اور وہ سب کے سب کلمہ گو ہی نہیں انتہائی نیکوکار تھے مگر اس غفلت پر چند دن تک اُن کے ساتھ جو سلوک کیا گیا، وہ جنت کی تمنا کرنے والوں کی آنکھیں کھول دینے کیلئے کافی ہے! اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس مقدمہ کا فیصلہ فرمادیں اور اُس سے اگر قلب میں بھچاوٹ محسوس ہو تو اُس کی وعید بھی کلمہ پڑھنے والوں ہی کو سُنائی گئی تھی، مانعینِ زکوٰۃ سب کے سب کلمہ گو تھے مگر حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اُن کے ساتھ جو روش اختیار کی وہ اسلام کی تاریخ کا تابناک ورق ہے!

تو جب اسلام اور جاہلیت کا معرکہ گرم ہو، اہلِ حق کو ستایا جارہا ہو اور باطل کو بجبر مسلط کرنے کی کوششیں کی جارہی ہوں —— ایسے ماحول میں لوگ نمازیں پڑھ کر، روزے رکھ کر اور چلّے کھینچ کر مطمئن نہ ہوجائیں، قیامت کے دن اُن سے سوال ہوگا کہ جب حق اور باطل کی کشمکش جاری تھی تو تم کہاں تھے؟ تم نے نصرتِ حق کیلئے کیا کام انجام دیا؟ تم اُس وقت خانقاہوں میں ضربیں لگا رہے تھے اور مسجدوں کے حجروں میں چلّے کھینچ رہے تھے جب کہ داعیانِ حق کال کوٹھریوں اور جیل خانوں میں بند تھے، تم منبروں پر وعظ کہہ رہے تھے، حالانکہ وقت تختۂ دار پر کلمۂ حق بلند کرنے کا تھا! اسلام کی پوری تاریخ میں تم صرف "صفہ" اور اصحابِ صفہ کے ذکر پر آکر ٹھیر گئے حالانکہ اسلام کی تاریخ میں بدر و احد، خیبر و تبوک اور فتح مکہ کے اوراق بھی تھے، تم نے صرف آسانیاں اور سہولتوں کو چن لیا اور سختیوں اور عزیمتوں کو دوسروں کے لئے چھوڑ دیا۔

انبیاء کرام کی راہ صرف نماز، روزے اور تسبیح و تہلیل ہی کی راہ نہیں ہے اور نہ اس نوبت پر پہونچکر یہ منزل ختم ہوجاتی ہو، انبیاء کی راہ "اقامتِ دین" کی راہ ہے، جس میں صوم و صلوٰۃ، ذکر و تسبیح اور تزکیہ و تقویٰ کے ساتھ نمرود اور فرعون کے دربار میں جاکر دعوتِ حق بھی دینی پڑتی ہی، اس منزل میں دنیا کا سب سے بڑا عبادت گزار انسانؐ بدر و احد میں فوجیں بھی لڑاتا ہے، یہ حق و باطل کی کشمکش اور اسلام و جاہلیت کی مستقل آویزش و پیکار ہے، جو کوئی اس کشمکش کے مقابلہ میں غیر جانبدار بن کر رہنا چاہتا ہے یا اُسے دُنیاداری کا کام سمجھتا ہے، اُس کا زہد راہبوں کا زہد ہے!

زہدِ عافیت کوش کم سے کم اُس نبیؐ کے اُمتیوں کو تو زیب نہیں دیتا جس نے تلوار اور پتھروں کے زخم کھائے ہوں!

یہ شہادت گہہ اُلفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

دل ہی دل میں باطل کو بُرا سمجھتے رہنا ایمان کا سب سے گھٹیا درجہ ہے، اور اس درجہ پر قناعت کئے رہنا اپنی جگہ خود ضعفِ ایمانی کی دلیل ہے! اگر رات کے راہب، دن کے شہسوار نہ ہوتے تو اللہ کے دین کو غلبہ بھلا نصیب ہو سکتا تھا! جو "زہد" خوشی کے ساتھ کفر کے دستور اور غیر اسلامی قانون کو گوارا کر لیتا ہے وہ "زہد" اسلام کا زہد نہیں ہے!

حق پرستوں سے!

اقامتِ دین کے لئے جو لوگ جدوجہد کر رہے ہیں اُن کو حالات کی نامساعدت سے ملول نہ ہونا چاہئیے، حالات کا بدل دینا اُن کا کام نہیں ہے، اُن کا کام تو یہ ہے اللہ کے دین کو پُورے کا پُورا برپا کرنے کے لئے ہر امکانی سعی اور تگ و تاز کرتے رہیں، اُن سے قیامت کے دن یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تم نے حالات کو کیوں نہیں بدل دیا تھا اور تمھاری کوششوں سے حق کے لئے فضا ساز گار کیوں نہیں ہو گئی تھی؟ اُن سے تو اُن کی جدوجہد کی کمیت اور کیفیت کے بارے میں سوال ہوگا، اس جدوجہد میں جس سے جتنی کوتاہی، تساہل اور غفلت ہوگی، اُس کی جواب دہی اُسے کرنی پڑے گی۔

اس حقیقت کو بھی اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہئیے کہ حق کا مظلومیت کے دور سے گزرنا ناگزیر ہے، اللہ تعالیٰ کی یہ سُنت "انبیاء کرام" کیلئے بھی نہیں بدلی! مظلومیت تو حق کیلئے فالِ نیک ہے اسی اُفق سے کامرانی کا آفتاب طلوع ہوتا ہے۔

"فتح مکہ" کیا یوں ہی اتفاقیہ طور پر واقع ہو گئی تھی یا صرف چلّوں اور ضربوں کی اس میں کار فرمائی تھی، صحابہ کرام برسوں مظلوم رہ چکے تھے اور حق کی راہ میں بہت سے معرکے پیش آ چکے تھے، تب کہیں جا کر فتحِ مکہ ظہور میں آئی ہے، یہ فتح اللہ کے فضل کے بعد نتیجہ تھی مجاہدوں اور سر فروشوں کی قربانی کا!

ہونا یہ چاہئیے کہ مظلومیت جتنی بڑھتی جائے، اُتنی ہی دل میں نرمی اور گداز پیدا ہو، اور تعلق باللہ مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا جائے، اللہ کے سامنے زیادہ سے زیادہ عاجزی پیش کرنے کی ضرورت ہر رات کی تنہائیوں میں آنسوؤں کے نذرانے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیجئے، روئیے، گڑگڑائیے، مانگئے اور ہمیشہ مانگتے رہئیے، دُعا اور دوا، تدبیر اور التجا ان میں سے کسی چیز سے غافل نہ رہئیے!

ایثار و قربانی کا وقت آتا ہے تو شیطان طرح طرح کے وسوسے دل میں ڈال دیتا ہے جن میں سے کچھ تو اس قدر نازک و پُر پیچ ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی حمایت شاملِ حال نہ ہو تو اس دام سے نکل جانا بہت دشوار ہے!

بندۂ مومن جب اللہ کی راہ میں چل پڑتا ہے تو شیطان اولاد، جان، مال، شہرت عزت اور عیش و آرام کے نقصان کے خطروں کو عجیب عجیب نفسیاتی انداز میں پیش کرتا ہے! مگر جب اُس کی یہ چالیں ناکام ہو جاتی ہیں اور خدا کا یہ مجاہد بندہ کسی خطرے کی پروا نہیں کرتا اور کوئی شیطانی وسوسہ اُس کے عزائم کو پست نہیں ہونے دیتا ——— تو پھر شیطان مذہبی ناصح کا روپ دھار کر ظاہر ہوتا ہے اور کہتا ہے فلاں دور میں بھی حق و باطل کی یہ کشمکش پیش آئی تھی مگر فلاں بزرگ نے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی، تو کیا تم اُن بزرگ سے بھی اپنے کو زیادہ اللہ والا سمجھتے ہو؟ ——— شیطان جب دیکھتا ہے کہ کچھ لوگ اللہ کے

دین کے غلبہ اور نظامِ حق کے قیام کے لئے جد و جہد کر رہے ہیں اور یہ کام بڑھتا اور یہ جذبہ عام ہوتا چلا جارہا ہے، تو غلبۂ دین کی اس جد و جہد کو روکنے اور اُسے کمزور بنانے کے لئے شیطان مسلمانوں کو متفرق نیکیوں میں اُلجھانے کی سعی کرتا ہے، مثلاً وہ اہلِ دولت جو فی نفسہ اپنے اندر انفاق کا جذبہ رکھتے ہیں اور جن کا روپیہ نظامِ حق برپا کرنے کی کوشش میں بہت زیادہ مُفید اور کار آمد ثابت ہو سکتا ہے اُن کے روپیہ نادار لوگوں کو حج کے لئے بھجوا دے گا، یا روزہ کشائی کی دعوت کرا دیگا۔

نظامِ حق کے قیام کی اجتماعی جد و جہد کو طاقتور بننے سے روکنے کے لئے شیطان دینی مدرسوں کی مہتممی، مسجدوں کی تولیت اور یتیم خانوں کی نگرانی پر مسلمانوں کو قناعت کرنا سکھائے گا کہ خدا پرستی اور دین داری قطرۂ شبنم ہی بنی رہے، شعلہ و برق نہ بننے پائے، شیطان اس پر تو خوشی کے ساتھ راضی ہو جائے گا کہ جلسوں کا افتتاح قرآن پاک کی تلاوت سے کیا جائے، ختم قرآن پر مٹھائیاں تقسیم ہوں اور قرآنِ کریم کے نسخوں کے لئے حریر و ریشم کے جُزدان تیار ہوتے رہیں مگر جب قرآنی نظام کو قائم کرنے کا مسئلہ درپیش ہوگا تو وہ اس مسئلہ کو اُلجھانے کے لئے طرح طرح کی نزاکتیں پیدا کریگا اور وسوسوں اور اندیشوں کی بُھول بھلیاں بنا کر کھڑی کر دے گا۔

شیطان کے اس فریب سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے ہر وقت پناہ مانگنی چاہیئے، موت، عذاب قبر، عذاب دوزخ اور آخرت کے محاسبہ کے عقیدہ اور تصور کو زیادہ سے زیادہ دل میں جمانے کی ضرورت ہے، قرآنی تعلیمات کے ساتھ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مقدس سیرت اور صحابہ کرامؓ کی پاک زندگیاں پیش نظر رہیں تو بہت سے شیطانی وسوسوں کا آپ ہی آپ قلع قمع ہو جائے گا۔

ایمان اور مایوسی یہ دو متضاد چیزیں ہیں جو ایک جگہ ہرگز جمع نہیں ہو سکتیں جس دل میں یاس اور نا اُمیدی ہے وہاں اگر ایمان ہے تو نزع کے عالم میں ہے، اسلام تو حوصلہ مندی سکھاتا اور ایمان جراتوں کے لئے اُبھارتا ہے مسلمان میں خوئے گوسفندی نہیں جراتِ اسد اللہی ہوتی ہے، عزم اس قدر محکم ہونا چاہیئے کہ اگر سو میں سے ننانوے اہلِ حق کو تختۂ دار پر چڑھا دیا جا تو وہ جو ایک باقی رہتا ہے اُس کو یکہ و تنہا کلمۂ حق بلند کرتے رہنا چاہیئے!

خدا کے خوف سے دل بھر جانے چاہئیں یہاں تک کہ باطل کی مرعوبیت کے لئے ذرا سی بھی جگہ نہ رہے، پھر جاہلیت کے علمبردار اپنی تمام قہرمانی طاقتوں کے باوجود پانی کے بُلبُلے، ریت کے ذرے، گھانس کے تنکے، کاغذ کی تصویریں اور آٹے اور مٹی کے بنے ہوئے کھلونے نظر آئیں گے!—— حق گوئی کے جرم میں حد سے حد کسی کی جان لی جا سکتی ہے مگر جانیں ہماری ہیں کب؟ انہیں تو ہم اللہ تعالیٰ کے ہاتھ پہلے ہی بیچ چکے ہیں تو جو چیز جس کی ہے وہ اُسی کی نذر ہونی چاہیئے

ربنا ثبت اقدامنا علیٰ صراط المستقیم!

ماہر القادری
۵ مہر رجب ۷۳ھ

پاکستان کے نئے وزیر اعظم

مسٹر محمد علی کی خدمت میں

عزت مآب!

آپ کی خدمتِ گرامی میں گھر اور باہر والوں نے مبارکبادی کے برقیے اور مسرت کے پیغام بھیجے ہیں مگر " ادارۂ فاران " آپ سے اظہارِ ہمدردی کرتا ہے، اس لئے کہ آپ نے نہایت عظیم الشان ذمہ داریوں کو اپنے سر لیا ہے اور وہ بھی ایسے نازک دور میں جب کہ حالات بڑے پیچیدہ ہو گئے ہیں اور پاکستان کا افق کافی غبار آلود ہے، یہ ذمہ داریاں خدا اور بندوں دونوں کے حقوق کی ہیں، یہاں قدم قدم پر بھول چوک، غفلت اور بے اعتدالی کا خطرہ ہے، دس بیس نہیں کروڑوں انسانوں کی جان، مال اور عزت و آبرو کی حفاظت اور حقوق کی پاسبانی آپ سے متعلق ہے، ہزاروں میل رقبہ کی حکومت کی دیکھ بھال کے آپ ذمہ دار ہیں، اور یہ وہ منصب ہے جو سچ مچ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے، جہاں ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھنا پڑتا ہے اور جس جگہ ذمہ داری کا احساس رات کی نیندیں اُڑا دیتا ہے اور دن کو ایک لمحہ کے لئے بھی چین اور اطمینان سے نہیں رہنے دیتا۔

اسلامی حکومت کے خلیفۂ اوّل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خداترسی، بے نفسی اور عدل و تقویٰ کی کوئی حد و نہایت تھی مگر اس کے باوجود خوفِ خدا اور احساسِ ذمہ داری کا یہ عالم تھا کہ روتے روتے ہچکی بندھ جاتی، اور چڑیوں کو چہچہاتے اور پرواز کرتے دیکھ کر آہِ سرد کھینچتے اور فرماتے:۔

" پرندو! تمہیں مبارک ہو کہ دُنیا میں چرتے چگتے ہو، درخت کے سایہ میں بیٹھتے ہو اور قیامت میں تمہارا کوئی حساب کتاب نہیں، کاش! ابوبکر بھی تمہاری طرح ہوتا۔"

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ قبولِ اسلام کی پہلی ساعت ہی سے خوفِ خدا دل میں رکھتے تھے مگر جب خلافت کا بارِ عظیم آپ نے اُٹھایا تو خشیت الٰہی کا یہ عالم ہو گیا کہ اللہ کے خوف سے ہر دم ڈرتے اور کانپتے رہتے تھے، فرماتے تھے:۔

" اگر آسمان سے ندا آئے کہ ایک آدمی کے سوا تمام دُنیا کے لوگ جنتی ہیں تب بھی مواخذہ کا خوف زائل نہ ہوگا کہ شاید وہ ایک بدقسمت انسان میں ہی ہوں۔"

احساسِ ذمہ داری کا یہ عالم تھا کہ ۱۸ھ ہجری میں جب عرب کے طول و عرض میں قحط پڑا تو حضرت عمر فاروق نے گوشت، گھی اور دوسری پسندیدہ غذائیں ترک کر دیں، اپنے جگر گوشہ کے ہاتھ میں خربوزہ دیکھا تو غصہ آگیا، بیٹے سے مخاطب ہو کر بولے :— "قوم فاقوں میں مبتلا ہے اور تو پھلوں سے لطف اُٹھاتا ہے۔۔۔"

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں طرابلس، الجزائر و مراکش، قبرص، ہرات، کابل، سجستان اور آرمینیہ کے علاقے اور شہر فتح ہوئے مگر تاریخ بتاتی ہے کہ حضرت عثمانؓ کو خوفِ خداوندی سے اکثر و بیشتر آبدیدہ دیکھا گیا، ایثار کا یہ عالم کہ بیت المال سے اپنے ذاتی مصارف کے لئے ایک حبہ نہیں لیا!

فقرِ بوتراب ——— پہلے ہی سے ضرب المثل تھا مگر اسلامی حکومت کی ذمہ داری سنبھالی تو یہ وصف اور زیادہ نکھر گیا، ایک بار عبداللہؓ ابن زریر، حضرت علی کرم اللہ وجہ کے ساتھ کھانے میں شریک تھے، کھانا بہت سادہ تھا، ابن زریر نے کہا امیر المومنین! آپ کو پرندے کے گوشت کا شوق نہیں ہے، جواب میں ارشاد فرمایا:-

"ابن زریر! خلیفہ وقت کو مسلمانوں کے مال میں صرف دو پیالوں کا حق ہے، ایک خود کھائے، اور اہل و عیال کو کھلائے اور دوسرا خلقِ خدا کے سامنے پیش کرے"

ایامِ خلافت میں بھی فاتح خیبر نے سادگی کو نہ چھوڑا، اونچے دامن کا معمولی کرتہ پہنتے اور تہبند باندھے بازاروں میں گشت لگاتے، اگر کوئی شخص ازراہِ تعظیم پیچھے ہو لیتا تو منع فرماتے کہ اس میں والی کے لئے فتنہ اور مومن کے لئے سُبکی ہے!

حضرت عمر ابن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے بڑے ناز و نعم میں پرورش پائی تھی، اُن کا بچپن اور جوانی شاہزادگی کے آغوش میں بسر ہوئے تھے مگر زمامِ حکومت ہاتھ میں آتے ہی بالکل بدل گئے، زندگی کو انتہائی سادہ بنالیا، خشیتِ الٰہی اور احساس ذمہ داری کا یہ عالم کہ نماز اور دُعا میں ہچکیاں بندھ جاتیں، خلفائے بنو امیہ کی برائیوں کو ایک ایک کرکے مٹایا اور اس کام میں اپنے عزیزوں اور دوستوں کی خفگی تک کی پروا نہیں کی۔

گرامی منزلت! تاریخ اسلامی کی جن عظیم الشان شخصیتوں پر اسلامی حکومتوں کی ذمہ داریاں ڈالی گئی ہیں ان کی زندگیوں کا یہ انداز رہا ہے، تو ان نزاکتوں اور ذمہ داریوں کے ہجوم میں آپ کی ذات مبارکباد کی نہیں بلکہ انتہائی ہمدردی کی مستحق ہے کہ آپ کے لئے قدم قدم پر سخت آزمائشیں ہیں، یہ خوشی کا نہیں اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے عجز اور تذلل کو پیش کرنے کا موقعہ ہے! جن بزرگوں کا اوپر ذکر کیا گیا ہے یہ وہ تھے کہ رات کی تنہائیاں اور دن کی ہنگامہ آرائیاں جن کی پاکبازی پر شاہد ہیں اور جنت کی عیش سامانیاں ان جیسے نیک انسانوں کے لئے چشم براہ رہتی ہیں، مگر رعایا کی خبر گیری، حکومت کی دیکھ بھال اور آخرت کی جواب دہی کے احساس نے جن کو چین کی نیند نہ سونے دیا، یہ نفوسِ قدسیہ اپنی ذمہ داریوں کی نزاکت کو اچھی طرح سمجھتے تھے اس لئے خدا کے خوف سے ہر وقت ڈرتے اور کانپتے رہتے تھے!

پس ایک مسلمان کیلئے حکومت کے منصب میں لذت اور نفس کی آسودگی کے لئے ذرا سی بھی گنجائش نہیں ہے، یہ تو اُس کے ضمیر، سیرت، کردار، اخلاق، نفس اور پوری زندگی کے لئے بڑی سخت آزمائش ہے، یہ پھولوں کی سیج نہیں، کانٹوں کا بستر ہے، یہ خوشی اور افتخار کا مقام نہیں بلکہ شدید اندیشہ و فکر کا مقام ہے، اسی لئے ہمیں آپ کے ساتھ ہمدردی ہے، مبارکباد کا وقت اور مسرت و تشکر کی ساعت وہ ہوگی جب آپ اس آتشیں امتحان میں پورے اُتریں گے! اور ہماری دلی تمنا اور مخلصانہ دعا ہے کہ آپ اس امتحان میں کامیاب ہوں اور آپ کی ذات سے پاکستان کی تاریخ کے ایک نئے اور روشن باب کا آغاز ہو۔ (آمین)

آپ کے پیش رو وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین صاحب کوئی شک نہیں کہ شریف طبع اور سیدھے سادے آدمی تھے، مگر پاکستان کے عوام اس اسلامی مملکت کو جس انداز پر دیکھنا چاہتے ہیں، وہ توقعات خواجہ صاحب کے زمانہ میں پوری نہیں ہوئیں، ہر شعبۂ عمل میں خاصہ انتشار رہا اس لئے خواجہ صاحب موصوف کی برطرفی پر پبلک نے خوشی کا اظہار کیا اور آج پوری قوم کی نگاہیں آپ کی طرف لگی ہوئی ہیں اور آپ کی ذات اُن کی توقعات کا مرکز ہے، اور لوگ اس اُمید میں ہیں کہ پچھلے دور کی تمام بُرائیوں کا استیصال کیا جائے گا، پاکستان کے ہر شعبہ اور محکمہ میں تطہیر کی ضرورت ہے، اور یہ کام جُرأت، اخلاص اور خشیتِ الٰہی ہی کے ہاتھوں انجام پا سکتا ہے، کوئی شک نہیں کہ یہ کام بہت دشوار ہے، اس میں قدم قدم پر مشکلوں کا سامنا کرنا ہوگا مگر اسلامی تاریخ میں یہ نظیر پوری تابناکی اور اپنے تمام خدوخال کے ساتھ موجود ہے کہ حضرت عمر ابن عبدالعزیز کو جو حکومت ملی تھی اُس میں پچھلے حاکموں نے بڑی خرابیاں پیدا کر دی تھیں، لیکن اللہ کی رحمت ہو عمر ثانی پر کہ اُن کی جُرأتِ ایمانی نے حکومت کی تطہیر کر کے چھوڑی اور دنیا محسوس کرنے لگی کہ عمر فاروق رض کا عہدِ سعادت مہد پھر لوٹ آیا! کاش! آپ کے ہاتھوں آپ کے عہد میں یہی تاریخ پھر دہرائی جا سکے اور اسلام کے خزاں رسیدہ چمن میں پھر سے بہار آ جائے!

جس اللہ نے مٹھی بھر صحرا نشینوں کو دُنیا کے بہت بڑے حصہ پر غالب کر دیا تھا وہ اللہ آج بھی اپنی تمام طاقتوں اور رحمتوں کے ساتھ موجود ہے، ہم مسلمان اگر وہی زندگی اختیار کریں اور انھی کا سا عزم پیدا کر لیں تو اللہ کی نصرت آج بھی ہمارا ساتھ دے سکتی ہے اور ذلتیں عزتوں سے اور پستیاں، سربلندی سے بدل سکتی ہیں، آپ کو اللہ تعالےٰ نے اس کا موقعہ دیا ہے　　آپ قادسیہ اور یرموک کے فاتحین کے انداز پر قوم کی قیادت فرمائیے، آپ عزم و جرأت سے کام لیں گے تو پاکستان کا معاشرہ اسلامی بنیادوں پر قائم ہو سکتا ہے، جس نے بھی کہا، سچ کہا کہ " الناس علیٰ دین ملوکھم " حاکموں اور فرمانرواؤں کی زندگیوں کا عوام پر بہت پائدار اثر قائم ہوا کرتا ہے، صرف آپ کی تنہا زندگی کی تبدیلی لاکھوں مسلمانوں کی زندگی کے انقلاب کا سبب بن سکتی ہے، خدا کرے کہ آپ کا وجود اس مبارک انقلاب کا سبب بن سکے، اور اسلامی تاریخ میں آپ ہمیشہ نیکی اور بھلائی کے ساتھ یاد کئے جائیں!

جناب والا! آپ اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں کہ مسلم لیگ نے صرف "اسلام" کے نعرے پر ہندستانی مسلمانوں کو ایک جھنڈے کے تلے جمع کر دیا تھا، اسلام ہی کی نسبت کی بنا پر مسلم لیگ سے اُس کے رہنماؤں سے اور خاص طور سے قائد اعظم مرحوم سے عوام والہانہ عقیدت رکھتے تھے، پاکستان بننے سے پہلے اور بننے کے بعد عوام کے جوش کا کیا عالم تھا، کیسا جذبہ ایثار اور کس قدر بلند عزائم تھے ——— مگر آج نہ وہ جوش ہے، نہ وہ عزائم ہیں، اور ہیں تو بہت پژمردہ سے ہیں، کجلائی ہوئی چنگاری کی طرح کہ جو راکھ کے ڈھیر میں دبی ہوئی ہو! وہ حوصلہ ہی جاتا رہا، وہ اُمنگیں ہی رخصت ہوگئیں، مایوسی کا عالم ہر طرف چھایا ہوا ہے، آزادی کی جو صبح طلوع ہوئی تھی اُس کو دھندلکوں نے گھیر لیا ہے، رشوتیں اقربا نوازیاں، صوبہ پرستی، عہدوں کی چاٹ، پارٹی بازیاں، ان تمام بے اعتدالیوں اور غلط کاریوں نے حکومت کے نظم و نسق میں ایک طرف انتشار پیدا کیا، دوسری طرف عوام کی سوسائٹی کو غیر متوازن بنا دیا، پاکستان بننے کے بعد مسلم لیگ اپنے فرض اور وعدوں کو سرے سے بھول گئی، اُسے اپنے قول و قرار یاد ہی نہ رہے، پنجاب اور بہاولپور میں اسمبلیوں کے انتخابات میں مسلم لیگ کی طرف سے جو عنوانیاں اور ہتھ پھیریاں ہوئی ہیں اُن کے صرف تصور سے جمہوریت کی پیشانی عرق عرق ہو جاتی ہے، جس ملک کی قیادت کا یہ عالم ہو وہاں کے عوام اگر نہ بگڑیں تو یہ ایک معجزہ ہے، اور اس عالم اسباب میں معجزے شاذ و نادر ہی ظہور میں آتے ہیں، قوموں کی تقدیریں خود اُن کے اپنے کردار و عمل سے بدلتی ہیں۔

مسلم لیگ میں عہدے حاصل کرنے کے لئے غرض پرستوں میں کیا کیا رسہ کشی رہی ہے، ایک نے دوسرے کی کس کس طرح پگڑی اچھالی ہے، کیسے کیسے مقابلے اور مچیٹے رہے ہیں! عوام پر ان باتوں کا بہت برا اثر پڑا اور پڑنا ہی چاہیے تھا، انھوں نے دیکھا کہ جب بڑے بڑے لوگ اس نفسا نفسی اور خود غرضی کا شکار ہیں تو ہم آخر گھاٹے میں کیوں رہیں اوپر والوں کو دیکھ کر نیچے کے لوگوں میں بھی آپا دھاپی شروع ہوگئی اور آج ہمارے معاشرے میں اچھا خاصہ بگاڑ پایا جاتا ہے۔

پاکستان کے چھ سالہ حالات کا جائزہ لیا جائے، تو بڑی آسانی کے ساتھ معلوم ہو سکتا ہے کہ ہم کہاں ہیں؟ ہم نے اس مدت میں نہ اخلاقی ترقی کی ہے اور نہ مادی! مسلمان عورتوں کا شرم و حجاب دنیا کی قوموں میں ضرب المثل تھا مگر پاکستان کے بننے کے بعد ہمارے اس شرف و افتخار پر جو چرکے لگائے گئے ہیں وہ بڑے روح فرسا اور انتہائی دردناک ہیں، ہماری عورتیں تیزی کے ساتھ مغرب زدگی کے طوفان میں بہی چلی جا رہی ہیں اور یہ وہ طوفان بد تمیزی ہے جس سے آج خود یورپ بھی پناہ مانگ رہا ہے، شہروں میں جرائم کی کثرت سوسائٹی کے بگاڑ کی بولتی ہوئی شہادت ہے، غذائی اور اقتصادی بحران کا یہ عالم ہے کہ ہر زندگی اپنی جگہ سہمی ہوئی ہے کہ:-

؎ مبادا ازیں بتر گردد

نہ تاجر مطمئن ہیں، نہ عوام خوش ہیں، نہ زمینداروں اور کسانوں ہی کو سکون میسر ہے، ہر شخص تذبذب اور بے اطمینانی

کے عالم میں ہے نہ جانے کب کیا ہو جائے؟ کاغذ پر ہمارے سکہ کی قیمت بڑھی ہوئی ہے لیکن کاروباری دنیا میں ہمارا سکہ اپنے مقام سے نیچے آچکا ہے!

ہمارے سیاسی لیڈروں کی لڑائی اور پھوٹ نے حالات کو اور ابتر کر دیا ہے اور یہ کشمکش اور رسہ کشی ہر خونی انقلاب کے لئے فضا ہموار کرتی رہتی ہے، ہمارے سیاسی حالات میں "طوائف الملوکی" جیسی کیفیت پیدا ہو چلی ہے، اصول، فرض اور نصب العین کو نظر انداز کر دیا گیا ہے" طاقت اور اختیار" کی لذتیں عام طور پر مطمحِ نظر بن گئی ہیں، یہ بہت بُرے آثار اور نہایت ہی خطرناک علائم ہیں!

پاکستان آج ان تمام خرابیوں کے علاوہ سیفٹی ایکٹ اور سیکورٹی ایکٹ کا بھی شکار ہے، یہاں آرڈی ننس بھی نافذ ہوتے رہتے ہیں، پریس پر پابندیاں ہیں اور اربابِ صحافت اظہارِ خیال میں پوری طرح آزاد نہیں ہیں "اوپر" سے اُنھیں ہدایتیں بھی ملتی رہتی ہیں —— اس مملکتِ اسلامیہ پاکستان میں دو چار سو نہیں ہزاروں ایسے لوگ جیلوں میں بند ہیں، جنھوں نے کوئی اخلاقی جرم نہیں کیا جو بہت اچھے شہری ہیں مگر ہاں! یہ ضرور ہے کہ جس مقدس نبی آخر کی اُمت میں ہیں اور جس کی ذاتِ گرامی سے نسبتِ غلامی رکھتے ہیں، اس کی محبت اور احترام سے اُن کے سینے معمور ہیں —— لاہور کی مساجد کے اماموں اور مؤذنوں پر وہاں کی حکومت نے جو پابندیاں لگا رکھی ہیں، وہ انتہائی شرمناک اور ہر شریف آدمی کے لئے ضرورت سے زیادہ تکلیف دہ ہیں۔

آپ کے دورِ حکومت کے آغاز ہی میں جو سب سے زیادہ اہم اور نازک ترین واقعہ بلکہ سانحہ پیش آیا، وہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے مقدمہ کا فیصلہ ہے، پہلے سزائے موت کا حکم صادر ہوا اور پھر اس سزا کو چودہ سال قید بامشقت سے بدل دیا گیا، اس حادثہ نے پورے پاکستان میں اس سرے سے لیکر اُس سرے تک غم و اضطراب کی ایسی لہر دوڑا دی، جو مولانا موصوف کی رہائی سے پہلے تھمتی نظر نہیں آتی، شہروں ہی نہیں، قصبوں اور چھوٹی چھوٹی بستیوں تک میں ہڑتالیں ہوئیں، احتجاجی جلسے ہوئے، پُر جوش جلوس نکلے اور جناب والا کے علاوہ، گورنر جنرل بہادر، وزیر داخلہ، کمانڈر انچیف اور اخبارات کو اتنی بڑی تعداد میں مسلسل احتجاجی برقیے بھیجے جاتے رہے کہ جن کا شمار ناممکن ہے!

اخباروں کے ایڈیٹر، وکلاء، علماء، تاجر پیشہ حضرات اور عوام کا کوئی ایک ایسا طبقہ نہیں ہے جس نے اس سانحہ پر احتجاج نہ کیا ہو، مسجدوں اور خانقاہوں ہی میں مولانا مودودی کی رہائی کیلئے دعائیں نہیں مانگی گئیں اور احتجاجی قراردادیں منظور نہیں ہوئیں، بار ایسوسی ایشنوں، کالجوں، دارالعلوموں اور تجارت گھروں میں بھی احتجاج و فریاد اور غم و اضطراب کا یہی عالم رہا ہے!

اس سانحہ کو ایک مہینہ ہونے کو آیا، مگر آنکھوں کے آنسو خشک ہو گئے ہوں تو ہو گئے ہوں لیکن دل رو رہے ہیں اور روحیں مضطرب ہیں، ہر شخص نے اس کو اپنا ذاتی غم اور شخصی حادثہ سمجھا ہے —— متعدد شہروں میں رہائی

کے محضر ناموں پر دستخطوں کی مہم جاری ہے اور اب تک کارڈوں، تاروں اور دستخطوں کی تعداد لاکھوں تک پہونچ گئی ہے، جوانوں کی موت پر لوگوں کو صبر آجاتا ہے مگر اس سانحہ کی شدت نے دلوں کو جو دھڑکا یا ہو تو وہ دھڑکنیں تھمنے کا نام ہی...

ہندستان، کابل، عراق، مصر، دمشق، کویت، مراکش، الجزائر، لندن، کیمبرج اور نہ جانے کہاں کہاں سے مولانا مودودی کی رہائی کے لئے برقیے بھیجے گئے ہیں، ان میں وہ زعماء بھی شامل ہیں، جو بین الاقوامی شخصیت اور غیر معمولی شہرت اور عظمت کے حامل ہیں، اور جن کی چین پیشانی حکومت وسیاست کے اوراق پر جاکر پیچ پیچ شکن بن جاتی ہے۔

اسلامی ممالک کے موقر اخباروں نے اس سلسلہ میں کس قدر پرُزور اداریے لکھے ہیں اور احتجاج وہمدردی کا یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے، کسی مبالغہ کے بغیر پوری ذمہ داری کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ مولانا مودودی کی سزائے موت اور سزائے قید کی خبر سنکر تمام عالم اسلام لرز گیا۔

لوگ یہ محسوس کر رہے ہیں کہ حکومتِ پاکستان نے مولانا مودودی کو نہیں، بلکہ اسلامی دستورسازی کی "جدوجہد" اور اللہ کے دین کے قایم کرنے کی "تحریک" کو پہلے سزائے موت سنائی اور پھر چودہ سال کے لئے جیل میں بند کردیا ——— کس قدر شدید اور لرزہ بر اندام ہے یہ احساس!

عزت مآب!

مولانا مودودی کی ذات سے عالم اسلام کو یہ گرویدگی، عقیدت، ہمدردی اور محبت صرف اس وجہ سے ہے کہ مسلمان اُن کو کتاب وسنت کا ترجمان، عظیم مفکر اور دین کا مخلص، بے لوث اور سچا خدمت گزار سمجھتے ہیں اس مردِ مجاہد اور مفکر کی کتابوں نے لوگوں کے افکار اور زندگیوں پر جو اثر قایم کیا ہے وہ حقیقت میں "فکر و بصیرت" اور "اثر ونفوذ" کی ایک نہ مٹنے والی تاریخ ہے! مگر افسوس کہ اخلاق و دستور کے منشور کی ترتیب میں جن انگلیوں کو مصروف ہونا چاہیئے تھا، وہ انگلیاں آج لاہور کے جیل خانہ میں سُنا ہے کہ چرخہ کات رہی ہیں اور تاگا لپیٹ رہی ہیں ——— علم و دانش کی اتنی بڑی ٹریجڈی!

توقع تھی کہ ملکۂ انگلستان کی تقریب تاجپوشی میں شرکت سے پہلے ہی آپ اس مسئلہ پر خصوصی توجہ فرمائیں گے لیکن ایسا نہ ہوسکا، غالباً اپنی مصروفیات کی وجہ سے آپ اُس "وفد" کو بھی وقت نہ دے سکے، جس نے اس سلسلہ میں آپ کی خدمت باریاب ہونے کی درخواست کی تھی، ہم اس پر بھی آپ سے حُسنِ ظن ہی رکھتے ہیں اور بدگمانی کو درمیان میں نہیں لاتے ——— یقین ہے کہ انگلستان سے واپسی پر آپ سب سے پہلے اس مسئلہ کو ہاتھ میں لیں گے اور اس کا حل صرف یہی ہے کہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، اُن کے رفقاء، اور دوسرے زعماء کو غیر مشروط طور پر رہا کر دیا جائے! اس طرح آپ لاکھوں زخمی دلوں پر تسکین کا مرہم رکھ دیں گے، آپ کی نیکنامی اور ہردلعزیزی میں اضافہ ہوگا اور پاکستان کو اللہ تعالےٰ کے غضب اور عذاب سے نجات مل جائے گی، اس لئے کہ عُلماء حق اور دین کے خدمت گزاروں پر جبر و پابندی، اللہ کے

غضب کو حرکت میں لاکر رہتی ہے، اور اسلامی تاریخ میں اس کی بکثرت مثالیں ملتی ہیں !

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی سزائے موت اور سزائے قید پر بھارت کے اسلام دشمن مہا سبھائی اخباروں نے بڑی طمانیت اور مسرت کا اظہار کیا ہے، اور سُننے میں آیا ہے کہ مغربی ممالک کے بھی بعض اخباروں کی روش غیر ہمدردانہ رہی ہے، یعنی اس سانحہ نے کافروں کو خوش اور مسلمانوں کو غمگین کیا ہے، اب جنابِ والا دو چیزوں میں سے ایک چیز پسند فرمالیں کہ مسلمانوں اور کافروں میں سے کس کی دل دہی اور خوشی آپ کو پسند اور مطلوب ہے ؟

اور تمام حقایق، دلائل اور شواہد ایک طرف اور صرف یہ واقعہ ایک طرف کہ مولانا مودودی کی سزایابی کے سانحہ پر اسلام دشمن طبقہ کو خوشی اور اہلِ ایمان کو انتہائی رنج ہوا ———— یہ چیز خود اپنی جگہ ایک "فیصلہ" ہے !

اس سلسلہ میں آخری بات اور عرض کرنی ہے ———— وہ یہ کہ مولانا مودودی کو جس رسالہ (قادیانی مسئلہ) کے لکھنے اور شائع کرنے کے جرم میں سزائے موت کا حکم سُنایا گیا اُس رسالہ کو جناب والا اگر پڑھیں گے تو یہ مسئلہ اپنے تمام گوشوں اور پہلوؤں کے ساتھ واضح ہو جائیگا اور آپ کی ذہانت اور معاملہ فہمی اور بصیرت اس کو تسلیم کرے گی کہ حضرت سیدنا محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی اُمت اور مرزا غلام احمد قادیانی کی اُمت ایک نہیں بلکہ الگ الگ دو اُمتیں ہیں اور اُن کا ایک دوسرے سے کوئی واسطہ رابطہ اور تعلق نہیں ہے۔

عالی قدر !

وہ پاکستان جو صرف اسلام کے نام پر بنا ہے وہاں یہ بھی ہوتا رہا ہے کہ اسلامی دستور کے خلاف لکھنے والوں اور اسلامی فرقوں کے اختلافات کو طرح طرح سے اُجاگر کرنے والے ادیبوں کی سرپرستی کی گئی ہے اور اُن کو آج تک معاوضے اور گرانقدر تنخواہیں دی جارہی ہیں۔ یہاں "ملّا ازم" کا نام لیکر اسلام پر پھبتیاں چُست کی گئی ہیں اور اسلامی روایات کا مذاق اُڑایا گیا ہے۔

یہاں یہ بھی ہوا ہے کہ فوج میں بغاوت پھیلانے کے خوفناک جرم میں جو لوگ ماخوذ تھے اُن کو حیدرآباد سندھ جیل کی اے کلاس میں ممکنہ سہولتوں کے ساتھ رکھا گیا مگر وہ اعیانِ حق جن کی گرفتاری کی کوئی وجہ بھی حکومت نہ بتا سکی اور جو صاحبانِ علم و تقویٰ بھی ہیں، اُن کو ہتھکڑیاں پہنا کر ایک جیل سے دوسری جیل میں منتقل کیا گیا اُن کو اپنے بستر خود اپنے کاندھوں پر رکھ کر پیادہ پا سڑکوں سے لیجایا گیا ہے !

ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہئے !

عزت مآب !

پاکستان کی خدمت گزاری کے سلسلہ میں آپ کا زیادہ حصہ پاکستان سے باہر بیرونی ممالک میں گزرا ہے اس لئے ایک اور خاص بات آپ کے گوش گزار کرنی ہے کہ یہ مسئلہ بھی یقیناً آپ کے سامنے آئیگا اور کیا عجب ہے کہ

آپ کے نوٹس میں لایا بھی گیا ہو، اس لئے ہم پُوری دیانت کے ساتھ اظہارِ حقیقت کی اجازت چاہتے ہیں، مقصد واقعات کا صحیح طور پر بیان کر دینا ہے تاکہ جناب والا کو صورتِ حال کا جائزہ لینے میں آسانی ہو!

—— × یہاں پاکستان میں بہت سی سیاسی پارٹیاں، اور بعض مذہبی جماعتیں بھی ہیں، جن میں سے بعض جماعتیں کوئی شک نہیں کہ اپنی جگہ مفید خدمت انجام دے رہی ہیں —— مگر یہاں "جماعتِ اسلامی" نام کی ایک جماعت بھی ہے، جس کے پروگرام، اصول اور مقاصد و عزائم کا خلاصہ یہ ہے:۔

(۱) اللہ کے بندوں پر اللہ کے احکام کی حکومت (۲) حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوۂ حسنہ انفرادی اور اجتماعی زندگی اور مسلمانوں کی سوسائٹی کے لئے آخری اور قطعی معیار (۳) زندگی کے کسی شعبہ کو بھی اسلام کے حیطۂ عمل سے باہر اور آزادانہ سمجھنا، پوری کی پُوری زندگی کو اسلام کے سپرد کردینا (۴) نظامِ حق کے قیام کے لئے جدوجہد (۵) اللہ کی زمین کے صحیح وارث اور اُس کے نگراں کار "صالحین" ہیں۔

جماعتِ اسلامی کے ہزاروں صفحوں کے لٹریچر میں یہی مقاصد اور عزائم مختلف عنوانات سے پھیلے ہوئے ہیں۔ جماعتِ اسلامی کے اربابِ فکر نے ایک طرف مغرب زدگی، مادہ پرستی اور بے دینی پر زمانہ حال کے فہم اور تقاضوں کے مطابق سائنٹفک انداز میں تنقید کی ہے اور اُس کی فکری، تمدنی اور سیاسی کردار اور اخلاقی کمزوریوں کو بے نقاب کیا ہے اور دوسری طرف کمیونزم کو چیلنج کیا ہے کہ اسلامی نظام کے مقابلہ میں تمھارا نظام غیر عقلی نہیں غیر فطری بھی ہے۔

"جماعتِ اسلامی" پاکستان میں بھی خالص کتاب و سنت کی بنیادوں پر نظامِ حکومت اور معاشرے کا قیام چاہتی ہے، چنانچہ ایک طرف وہ اپنی بساط کے مطابق عوام کی اخلاقی اور ذہنی و فکری تربیت کے لئے جدوجہد کرتی رہی ہے اور دوسری طرف "اسلامی دستور سازی" کی مُہم کو اُس نے شروع کر رکھا ہے، جماعتِ اسلامی دین اور سیاست کی تفریق کی قائل نہیں ہے اور نہ وہ صرف مسجد کے میناروں سے اذان کی صدائیں سُنکر اور محراب و منبر کے سایہ میں لوگوں کو نماز پڑھتے دیکھ کر قانع اور مطمئن ہو جاتی ہے کہ اللہ کا دین قائم ہو گیا، مذہب کے اس محدود تصور اور تنگ خیالی کے خلاف جماعتِ اسلامی نے جہاد کیا ہے، اُس کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہے کہ حضورؐ نمازیں بھی پڑھتے تھے، روزے بھی رکھتے تھے، جنگ کے میدانوں میں فوجیں بھی لڑاتے تھے، دشمنوں کے ساتھ صلح کی بات چیت بھی کرتے تھے، قبائل اور حکومتوں کے وفود کو باریاب بھی فرماتے تھے، بادشاہوں اور فرمانرواؤں کے نام فرمان بھی بھیجتے تھے، مُجرموں پر حد بھی جاری فرماتے تھے، بازاروں میں جاکر یہ بھی دیکھتے تھے کہ لوگ غلّہ اس طرح تو نہیں بیچ رہے ہیں کہ اوپر سوکھا اور نیچے گیلا! پس جماعتِ اسلامی بھی حضورؐ ہی کے قول و فعل، سیرت، اور اسوۂ حسنہ کی بنیاد پر مسلمانوں کی معاشرت اور حکومت کا قیام چاہتی ہے، دین کی اقامت کے معنی بھی یہ ہیں کہ معروف کو قایم کیا جائے اور فحشاء و منکر کو مٹایا جائے، اللہ کا دین غالب ہی اُس وقت ہوگا جب حکومت، تجارت، معاشرت، قانون اور عدالتوں کی زبان سے حق کی شہادت ادا ہو گی!

جماعتِ اسلامی پاکستان میں اقامتِ دین کے لئے جد و جہد کر رہی ہے، اُس کی کوششیں ضبط و نظم کی پابند اور آئینی رہی ہیں، وہ اپنے پروگرام کو حکومت اور عوام کے سامنے دلائل کے ساتھ پیش کرتی ہے، جماعتِ اسلامی کے ذرائع بہت محدود ہیں، پھر بھی اُس نے گشتی شفاخانوں کے ذریعہ "خدمتِ خلق" انجام دے کر حکومت کی ذمہ داریوں کے بار کو کسی نہ کسی حد تک ہلکا کیا ہے ـــــ مگر وائے افسوس! کہ شروع ہی سے جماعتِ اسلامی کی سرگرمیاں حکومت کے مغرب زدہ طبقہ کو ناگوار رہی ہیں، یہاں تک کہ اُس کے رہنما قید و بند میں رہ چکے ہیں اور اُس کے اخبار دل کو بند کیا گیا ہے ـــــ اور جناب والا کے وزارتِ عظمیٰ پر تقرر سے چند دن قبل جماعتِ اسلامی کے متعدد رہنما اور ارکان پھر گرفتار کر کے قید خانوں میں ڈال دیئے گئے ہیں اور جماعت کے مرکزی بیت المال پر چھاپہ مار کر اُس کی تمام نقد رقم ضبط کر لی گئی ہے ـــ اور گرفتاریوں کا یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

جماعتِ اسلامی پاکستان میں اسلامی دستور سازی کی مُہم لیکر اٹھی ہے، اس لئے اوپر کا وہ طبقہ جو پاکستان میں اسلامی انداز کی حکومت پسند نہیں کرتا، جماعت کی طاقت کو کچل کر اپنے راستہ کے سب سے بڑے سنگِ گراں کو ہٹا دینا چاہتا ہے!

ـــــ اس سلسلہ میں ضروری واقعات ہم نے آپ کے سامنے عرض کر دیئے ہیں تاکہ غلط مشوروں کی آپ صحت کے ساتھ جانچ پڑتال کر سکیں، ہم آپ سے کسی رعایت کی درخواست نہیں کرتے اور نہ ہماری یہ خواہش ہے کہ آپ کسی جماعت یا فرد کی غلطیوں کو نظر انداز فرما دیں، ہم آپ سے جماعتِ اسلامی کے بارے میں بے لاگ انصاف کی اپیل کرتے ہیں، ایسا انصاف جو دودھ اور پانی کو الگ الگ کر دے اور کسی کو صرف اس بناپر ستایا اور پریشان نہ کیا جائے کہ بعض لوگوں کی طبعِ نازک پر کوئی خاص طرزِ فکر اور اس کے لئے جد و جہد گراں اور ناگوار ہے!

جنابِ والا، اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہندوستان کی تقسیم اور پاکستان کے قیام کا مطالبہ صرف اسی غرض کے لئے کیا گیا تھا کہ یہاں اسلامی نظریوں کے تحت حکومت ہو گی، اسی مطالبہ کی بنیاد پر مسٹر لیاقت علی خاں مرحوم کے زمانہ میں "قرار دادِ مقاصد" کو پاکستان کی دستور ساز اسمبلی نے منظور کیا، پھر اُس کے بعد دستور سازی پر، جس رفتار سے بھی ہوا، بہر حال کام ہوتا رہا، یہاں تک کہ خواجہ ناظم الدین کے دور میں دستور کے بنیادی اصولوں کی رپورٹ بھی پیش کر دی گئی! اس رپورٹ میں کتاب و سنت کو یہاں کے دستور کی اساس قرار دیا گیا اور مشرقی اور مغربی پاکستان کے وہ منتخب علماء جو کتاب و سنت پر نظر رکھتے ہیں اور جن کی زندگیاں اسی منزل کی تگ و دو میں گزر رہی ہیں انھوں نے متفقہ طور پر غور کیا، اس رپورٹ (BASIC PRINCIPLE REPORT) کی ایک ایک دفعہ کو پوری ذمہ داری کے ساتھ پڑھا، جانچا، پرکھا اور اُس پر اپنی ترمیمات لکھ کر پیش کر دیں، یہ تمام مواد حکومت کے ریکارڈ میں موجود ہے، آپ سے درد مندانہ گزارش ہے کہ آپ اس کام کو تیز رفتاری کے ساتھ

آگے بڑھائیں، اور اب تک اس کام میں جو سستی اور سرد مہری رہی ہے، اُسے دور فرما دیں، دستور سازی کا کام سب سے زیادہ اہم کام ہے اس کے لئے ایک لمحہ کی تاخیر بھی مناسب نہیں ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ مسلمان کی نگاہ میں اُس کے دین کا مسئلہ کتنا اہم ہے، وہ اپنی تمام غفلتوں اور بے عملیوں کے باوجود خدا اور رسول اور دین سے انتہائی محبت اور والہانہ شیفتگی رکھتا ہے، پس پاکستان میں مسلمان بھوک، فاقہ اور خانہ ویرانی کو کسی نہ کسی نوبت میں گوارا کر سکتا ہے مگر یہ بات کسی قیمت پر گوارا نہیں کر سکتا کہ اُس پر **اسلام کے سوا کسی دوسرے طرزِ فکر اور نظریہ کی حکومت مسلط کر دی جائے، یہ اُس کے دین و ایمان کا مسئلہ ہے اور یہ مسلمان قوم کی روایت رہی ہے کہ اُس کے سامنے اسلام اور زندگی** ——— دو چیزیں پیش کی گئی ہیں تو اُس نے زندگی کے مقابلہ میں اسلام کو ترجیح دی ہے ——— دستور سازی کا مسئلہ آپ کی خاص توجہ کا محتاج ہے تمام مسلمانوں کی نگاہیں اس مسئلہ پر لگی ہوئی ہیں، انہوں نے شدید ناگواری کے ساتھ پاکستان میں چھ سال غیر اسلامی دستور کے تحت گزارے ہیں، اب اس "اضطرار" کو زیادہ دن تک برداشت نہیں کیا جا سکتا اور اب وہ اُس عالم میں ہیں۔ جہاں انتظار کی شدت اپنے آخری مرحلے میں ہوتی ہے

جنابِ والا نے جس حکومت کی ذمہ داریوں کو سنبھالا ہے، اُس کے نظم و نسق میں طرح طرح کی خرابیاں موجود ہیں، یہاں اسلامی مساوات اور قابلیت و اہلیت سے زیادہ صوبوں کے "کوٹے" کی بنیاد پر ملازمتیں دی جاتی ہیں اور اس طرزِ عمل نے دفتروں میں "صوبہ پرستی" کی غیر اسلامی فضا پیدا کر دی ہے اگر چند دن یہی عالم رہا تو کم سے کم دفتری عمّال کے فکر و ذہن میں اسلامی وحدت اور دینی مرکزیت کا تصور بہت دھندلا پڑ جائے گا۔ صوبائی تعصب کی جڑیں دھیرے دھیرے مضبوط تر ہوتی جا رہی ہیں ان کو قوت و تدبیر کے ساتھ اُکھاڑ پھینکنے کی ضرورت ہے۔

اس ملک میں غذائی بحران ہے، اقتصادی بحران ہے، معاشی ناہمواریاں ہیں، حکومت کی دولت کا خاصہ حصہ ٹھاٹ باٹ اور نام و نمود کی باتوں پر صرف ہوتا ہے، اس اسراف اور تبذیر پر جب تک شدید احتساب اور سختی کے ساتھ روک ٹوک نہیں ہوگی اس وقت تک پاکستان کی مالی حالت ڈانوا ڈول ہی رہے گی۔

مہاجرین کا مسئلہ بھی کم اہم نہیں ہے، یہ وہ بد نصیب اور قسمت کے مارے ہوئے ہیں جن کی قربانیوں کی بدولت پاکستان بنا ہے مگر اُن کی کس مپرسی اور بے سر و سامانی کا یہ عالم ہے کہ سر چھپانے کے لئے جگہ تک اُن کو نہیں ملتی، کراچی کی گلیوں میں اُن کے بچے کیڑے مکوڑوں کی طرح رینگتے ہوئے نظر آتے ہیں، کراچی میں مہاجرین کی جھونپڑیوں میں جو آگ لگ گئی تھی اور آپ نے وہاں پہونچکر جس ہمدردی کا اظہار فرمایا، اُس نے آپ کی ہر دلعزیزی کا سنگِ بنیاد رکھ دیا، یہی جذبہ مسلسل اور مستقل کار فرما رہا تو انشاء اللہ مہاجرین کا مسئلہ حل ہو کر رہے گا اور یہ بے زبان

پریشان حال مخلوق آدمیوں کی طرح زندگی گزارنے کے قابل ہو جائے گی۔

کشمیر اور جوناگڑھ کا مسئلہ بین الاقوامی ڈپلومیسیوں کے سبب آج تک معلق ہے، شروع شروع میں بھارت کی روش مصالحانہ تھی مگر جیسے جیسے بھارت کی فوجی طاقت کشمیر میں مضبوط تر ہوتی گئی، لہجہ بدلتا چلا گیا، اب رہی مجلس اقوام متحدہ سو وہ کہنے کو انصاف کی مدعی ہے مگر حقیقت میں طاقت کی ساتھی ہے، پانی کے مسئلہ پر جب ہم غور کرتے ہیں تو کشمیر کی اہمیت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے، مغربی پاکستان کے بہت بڑے علاقہ کی زندگی کشمیر کے دریاؤں سے وابستہ ہے۔ یو، این، او (U.N.O.) میں پاکستان کی جانب سے کشمیر کے مسئلہ میں جو نمایندگی ہوئی ہے، اس کی نا اہلیت اب بے نقاب ہو چکی ہے، یہ مسئلہ بھی آپ کی خاص توجہ کا محتاج ہے، اس سلسلہ میں اتنا اور عرض کرنے کی جسارت کی جاتی ہے کہ مغربی اقوام نے اپنے نیاز مندوں کے ساتھ کبھی انصاف کا سلوک نہیں کیا، اور ہمارے نمایندوں نے افسوس ہے کہ نیاز مندانہ انداز میں اس مسئلہ کو پیش کیا ہے۔

زبان کے مسئلہ نے بھی پاکستان میں بہت زیادہ اہمیت اختیار کر لی ہے، اسے بھی آپ کو بڑی تدبیر اور فراست کے ساتھ حل کرنا ہے! صوبوں کی زبانوں کی اہمیت اپنی جگہ مُسلّم ہے، ان تمام زبانوں کی موجودہ حیثیت نہ صرف یہ کہ باقی رہنی چاہیئے بلکہ اُس کو چار چاند لگانے کی ضرورت ہے —— لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ جو زبان پاکستان کے ہر حصہ میں سمجھی جاتی ہے وہ صرف "اُردو" ہے، اُردو کی شاعری، ادب اور علمی حیثیت دنیا کی کسی زبان سے گھٹ کر نہیں ہے، حیدرآباد دکن میں اس زبان کا تجربہ کیا جا چکا ہے، — یونیورسٹی سے لیکر عدالتوں، دفتروں، تجارت گاہوں، وزراء کی کابینہ اور شاہی منشور و فرمان کی تمام ضرورتوں کو اس زبان نے بڑے حُسن و خوبی کے ساتھ پُورا کیا ہے۔

ڈھاکہ یونیورسٹی کے وہ طلبا، جو ہمسایہ ہندوؤں اور کمیونسٹوں سے متاثر ہیں، اُن کی آواز پورے بنگال کی آواز نہیں ہے، بنگلہ زبان کا ہم احترام کرتے ہیں اور اُس کی اور زیادہ ترقی کے ہم متمنی ہیں لیکن "اُردو" کی ہمہ گیری سے صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا، یقین ہے کہ آپ، پاکستان کی وحدت اور سالمیت کو ذہن میں رکھ کر اس مسئلہ کو حل فرمائیں گے، آپ نے جُرأت سے کام لیا تو یہ مسئلہ انشاء اللہ حل ہو جائے گا، اور اس مسئلہ کا منصفانہ حل "صوبہ پرستی" پر سب سے بڑی ضرب ثابت ہوگا —

زبان کے ساتھ تعلیم کا مسئلہ بھی بڑی بنیادی تبدیلی چاہتا ہے ہمارا تعلیمی نظام انگریزوں کے کھینچے ہوئے خطوط پر چل رہا ہے، یہ دیکھ کر شرم آتی ہے کہ ہم چھ سال کی مُدت میں اپنے تعلیمی نظام کو بھی نہ بدل سکے اور ہماری نوجوان نسل کو ابھی تک انگریزی طرزِ فکر پر تیار کیا جا رہا ہے، یہ صورت جلد سے جلد ختم ہونی چاہیئے، ہمیں ایک ایسے نظام تعلیم کی ضرورت ہے جو قوم میں اسلامی شعور پیدا کر سکے، ہمارے نوجوان کالجوں اور اداروں سے صدیق اکبرؓ کا صدق، عمر فاروقؓ کا عدل و جلالت، عثمان غنیؓ کی حیا، علیؓ و خالدؓ کی شجاعت، حسن بصریؒ کی شانِ فقر، غزالیؒ کا دماغ

اور شاہ ولی اللہ کی فکر لیکر نکلیں، ہمیں نہ مسجدوں کے "ملا" چاہئیں اور نہ کلب گھروں کے رقاص! قوم ایسے فرزندوں کو چاہتی ہے جن میں عقل، ایمان اور جرأت کا توازن اور امتزاج پایا جاتا ہو جو بہترین سائنسداں، بلند ترین اہلِ سیاست اور اونچے درجہ کے ماہرینِ اقتصادیات اور مفکر ہونے کے ساتھ انتہائی نیک، پاکیزہ سیرت اور مخلص بھی ہوں، اسلام اپنی بیٹیوں کے لئے بھی ایسے تعلیمی ادارے چاہتا ہے، جہاں سے ایکٹرسیں، رقاصائیں اور مردوں کو لبھانے اور رجھانے والیوں کی جگہ ایسی لڑکیاں زیورِ تعلیم سے مزین ہو کر نکلیں، جن کے کردار خدیجہؓ، عائشہؓ اور رابعہ بصریؒ کی مقدس زندگیوں سے زیادہ سے زیادہ قریب اور مشابہ ہوں! مسلمان عورت کا وصف بیباکی نہیں شرم و حیا اور نمود و نمائش نہیں حجاب ہے، یورپ جس بگاڑ میں مبتلا ہے اُس کی پرچھائیں سے بھی آپکو پاکستان کی صنفِ نازک کو بچانا ہے، قوم کے ناموس کی حفاظت کیجئے اور ابتک جو کوتاہیاں ہوئی ہیں اُس کی تلافی فرما دیجئے۔

ہندوستان سے ہم زیادہ سے زیادہ اچھے روابط رکھنے کے متمنی ہیں، اتنی قریب کی ہمسایہ حکومتوں کو ایک دوسرے کا حلیف اور دوست بن کر ہی رہنا چاہیئے مگر ہندستان کے مسلمانوں کو جو ہمارے دینی بھائی ہیں ہم فراموش نہیں کر سکتے، وہ ہمارا گوشت پوست ہیں، اُن کے پاؤں کا کانٹا ہمارے دل میں کھٹکنا چاہیئے، ملک بٹ چکا ہے، مگر دین اور ایمان نہیں بٹا، اسلامی اخوت اور دینی بھائی چارہ تقسیم نہیں ہوا، یہ واقعہ ہے کہ پاکستان بنوانے کے جرم کی سزا اُن کو آبتک بھگتنی پڑ رہی ہے، پس آپ جب حکومتِ ہند سے کوئی معاہدہ فرمائیں یا اُس کے اربابِ اختیار سے بات چیت کریں تو ہندستان کے مظلوم مسلمانوں کو ضرور یاد رکھیں اور اُن کی پریشانیاں آپ کی نگاہوں کے سامنے رہیں۔

جنابِ والا!

ہم اُن لوگوں میں سے نہیں ہیں، جو تعصب، دھڑے بندی اور ناطرفداری کے سبب حقائق سے دیدہ و دانستہ گریز کرتے ہیں! ہم جانتے ہیں کہ دنیا میں سیاسیات کی جو بساط اس وقت بچھی ہوئی ہے، اس میں کوئی حکومت بے تعلق ہو کر ہرگز نہیں رہ سکتی، کسی نہ کسی طاقت یا طاقتوں کا بہر حال حلیف اور معاہد ہو کر رہنا پڑیگا۔

لیکن آج کی سیاسیات کا دھارا جس رُخ پر بہ رہا ہے اُس کے پیش نظر دوستی کے لئے ہاتھ بڑھانے میں بڑی نزاکتوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے، کسی کی طرف ضرورت سے زیادہ بڑھنا اور اعتدال سے زیادہ کھنچے رہنا، دونوں خطرناک ہیں، یہاں قدم قدم پر دانے بکھرے ہوئے اور دام بچھے ہوئے ہیں اور وہ بھی "ہم رنگِ زمیں"!

پس امریکہ سے ڈالروں اور غلہ لینے کا مسئلہ ہو یا ہندستان سے متنازعہ مسائل سے گفت و شنید کا سوال آپکو بڑی ہوشمندی، فراست اور جرأت و عزیمت کے ساتھ قدم اٹھانا ہے، اللہ کا خوف اور اُس کی تائید و نصرت پر کامل اعتماد، اسلام کے تقاضے اور پاکستان کا وقار اگر ہر آن پیشِ نظر ہے تو انشاء اللہ یہ منزل آسان ہو جائے گی۔

ہمیں برابر کی حلیف حکومتوں کی طرح، دوسری حکومتوں سے معاہدہ کرنا ہے، ہم کسی کا آلۂ کار اور زیر دست بنکر

نہیں رہ سکتے، اگر پاکستان نے کسی حکومت کے دباؤ اور بالا دستی کو ایک بار قبول کر لیا تو پھر اس چکر سے نکلنا دشوار ہو جائے گا۔

ارباب فکر و سیاست میں اس قسم کے چرچے ہو رہے ہیں کہ امریکہ پہلے مشرق وسطےٰ کے دفاع کا حامی تھا، مسلم ممالک کے اتحاد میں اب وہ اپنا فائدہ نہیں دیکھتا، لہٰذا اُس نے ہندستان اور پاکستان کے مشترکہ فوجی دفاع کی تدبیر نکالی ہے، یہ چرچے، چہ میگوئیاں اور قیاس آرائیاں بالکل بے بنیاد نہیں ہیں، آپ کو انتہائی فراست، دور بینی، حکمت عملی اور دیکھ بھال کر ان مسائل کی نزاکتوں کو جانچنا ہے، اس موقعہ پر ذرا سی لغزش اور معمولی سی بھول چوک مستقبل کے بڑے سے خطرے اور مضرت کا سبب بن سکتی ہے۔

امریکہ اور ہندوستان میں "اسلامی دستور" کی مخالفت اور "سیکولر اسٹیٹ" کی حمایت میں جو پروپیگنڈا ہو رہا ہے، اُس کا جناب والا کو ذرہ برابر اثر قبول نہ کرنا چاہیئے، اگر دوسرے مسائل کے ساتھ پاکستان کی دستور سازی کا ذکر بھی ضمناً آجائے تو آپ کو پورے عزم اور بیباکی کے ساتھ دو ٹوک لفظوں میں کہہ دینا چاہیئے کہ یہ ہمارے داخلی مسائل ہیں ان کو ہم کسی دوسر کی مشورت کے بغیر خود ہی حل کریں گے، اور پاکستان جو صرف "اسلام" کے نام پر بنا ہے، اُس سے کس طرح گریز کیا جا سکتا ہے، "اسلام" کے بغیر پاکستان کا اور پاکستانیوں کا وجود ہی بے معنیٰ ہو کر رہ جاتا ہے،

خلفائے راشدین کے دور میں بڑی بڑی عظیم الشان حکومتوں سے مسلمان سفیروں نے ملکی مسائل پر گفت وشنید کی ہے ـــــ اور تاریخ بتاتی ہے کہ وہ صحرا نشین ہمیشہ کامیاب اور بامراد رہے ہیں، اس لئے کہ اُن میں، ایمانی قوت کے ساتھ ایمانی فراست بھی تھی اور اپنے مشن اور پروگرام کی صحت اور حق ہونے پر اُنھیں یقین تھا، پھر اللہ پر بھروسا اور آخرت کے محاسبہ کا ڈر ا ـــــ آپ بھی اسلامی تاریخ کی ان مثالوں کو دلیلِ راہ بنائیں، ہم دُعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر قدم پر آپ کی مدد اور دستگیری فرمائے! (آمین)

گرامی منزلت!

پاکستان بننے کے بعد قوم میں جوش و ہمت کی طوفانی اسپرٹ پائی جاتی تھی مگر اب وہ کمزور ہوتی جا رہی ہے چہرے اُترے سے اور دل بجھے بجھے سے ہیں اور ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے یہ جذبہ کرکٹ کھیلنے اور دیکھنے کے شوق اور سرگرمیوں میں تبدیل ہوتا چلا جا رہا ہے! حدیث شریف میں آیا ہے:-

"جہاد فی سبیل اللہ کی ایک صبح یا شام تمام دُنیا اور اُس کی نعمتوں سے بہتر ہے اور اُن چیزوں سے افضل ہے جن پر سُورج نکلتا اور ڈوبتا ہے ـــ" (بخاری)

قوم میں جہاد کا جذبہ ہر آن گرم اور بیدار رہنا چاہیئے، اس لئے نہیں کہ ہمیں دوسری حکومتوں پر خواہ مخواہ چڑھ دوڑنا ہے بلکہ اپنی حفاظت، مدافعت، بقا اور استحکام کے لئے! صرف فوج ہی نہیں عوام میں بھی اس جذبہ کو بیدار کرنیکی ضرورت ہے، آپ اپنے نفسِ گرم سے اس چراغِ نیم کشتہ کو روشن کیجئے!

یہاں پاکستان میں مغرب زدہ گروہ اور اسلام پسند عناصر کے درمیان کشمکش برپا ہے، آپ چونکہ اسلامی حکومت کے وزیر اعظم ہیں اس لئے آپ سے توقع ہے کہ آپ اسلام پسند طبقہ کا ساتھ دیں کیونکہ اسلام کا ساتھ دینا حق اور انصاف کا ساتھ دینا ہے!

پریس کی آزادی اور شخصی و شہری آزادی کے بحال کرنے کی سخت ضرورت ہے، صرف شبہ کی بنا پر لوگوں کو طویل طویل مدت تک قید خانوں میں رکھنا اسلامی نقطۂ نگاہ سے تو "ظلم" ہے ہی مگر غالباً مغربی جمہوریت بھی اس کو روا نہیں رکھتی، انتخابی قوانین میں بھی ترمیم ہونی چاہئے اور ضرورت اس کی ہے کہ اسلامی دستور جلد سے جلد تیار ہو اور اس کے تحت پورے ملک کے انتخابات ہوں تاکہ ملک کے واقعی نمائندے حکومت میں آسکیں!

عزت مآب!

ہم نے اپنا دل کھول کر آپ کے سامنے رکھ دیا ہے جس میں اخلاص اور دردمندی کے سوا اور کچھ نہیں ہے، ہمارا قلم آپ کی شان میں ایک قصیدہ بھی لکھ سکتا تھا مگر ذمہ داریوں کے اس نازک موقعہ پر ہم نے وہی کیا جس کو ہمارے ضمیر اور ایمان نے ضروری اور مناسب سمجھا، یہ نصائح اور ہدایات نہیں دردمندانہ گزارشیں اور پُرخلوص التجائیں ہیں!

اگر پاکستان میں کوئی جانسن، سیموئیل، پرس رام، ڈنشا جی رستم اور جگندر سنگھ فرمانروا ہوتا تو ہمارے خطاب کا انداز کچھ اور ہوتا، مگر ہم اس سے مخاطبت کا شرف حاصل کر رہے ہیں جس کا نام "محمد" سے شروع ہو کر "علی" پر ختم ہوتا ہے، اس لئے ہم نے وہی کہا جو اس کے شایانِ شان تھا۔

قرآن پاک میں اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کے بعد "اولوالامر" کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے، پس ہماری دلی تمنا ہے کہ آپ سیرت، کردار، عزایم اور فکر و عمل کے اعتبار سے سچ مچ قرآن کے "اولوالامر" کا مصداق بن جائیں تاکہ ہم آپ کی رکابیں تھام کر چل سکیں!

ہم ہیں آپ کے مخلص

ارکان ادارۂ "فاران"

۵ نومبر ۵۳ء

(علامہ محمد محمود صواف) (ترجمہ:۔ خلیل الرحمٰن نعمانی)

صبر و عزیمت!

"دو بھلائیوں میں سے ایک بھلائی کا حصول یقینی ہے
یا
فتح و نصرت یا راہِ حق میں شہادت اور جنت!"

پاکستان کا اسلامی رجحان رکھنے والا پڑھا لکھا طبقہ الشیخ محمد محمود الصواف کے نام نامی اور ان کی جلالت علمی، اور قابل قدر و تقلید اسلامی خدمات سے ناواقف نہ ہوگا۔۔۔۔ موصوف عراق سے اپنا ایک ہفت روزہ بنام "الاخوۃ الاسلامیہ" نکال رہے ہیں اس کے ایک اداریہ کا ترجمہ ناظرین "فاران" کی خدمت میں پیش ہے! "نعمانی"

برادران عزیز! میں آج آپ کی خدمت میں بطور وصیت، اور بطور پیغام چند امور گوش گزار کرنا چاہتا ہوں! پہلی بات! جلوت و خلوت ہر وقت اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں، نیز اسبات کی وصیت کرتا ہوں کہ یوم الحساب سے پہلے پہلے اپنے نفسوں کا محاسبہ کرو، اور ہر جذبہ سے خالی الذہن ہوکر مخلصانہ طور پر اللہ تعالےٰ کے لئے ہی کام کرو!

اللہ سے ڈرنا۔۔۔۔ اپنے نفس کے شر سے بچے رہنا، اور شیطانی وسوسوں سے دامن بچائے رکھنا! کیونکہ شیطان، چاہے وہ انسان ہو یا جن، تمہارے دلوں، اور تمہاری دعوت اور پروگرام کے اردگرد چکر کاٹتا رہتا ہے اور جب بھی ذرا غفلت دیکھتا ہے، ایسے جھپٹتا ہے جیسے شکاری باز، شکار پر جھپٹتا ہو!

اور تمہاری عزیز ملکیت، اور محبوب اشیاء کو چھین لے جاتا ہے، لہٰذا غفلت سے بچو، اور ہمہ وقت ہوشیار رہو!۔۔۔۔ خواہشات نفسانی سے بھی بچتے رہو کہیں تمہارا شمار ان لوگوں میں نہ ہونے لگے جن کے متعلق اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے!

لھم قلوب لا یفقھون بھا ولھم اعین لا یبصرون بھا ولھم آذان لا یسمعون بھا اولٰئک کالانعام بل ھم اضل اولٰئک ھم الغافلون۔

جن کے دل ایسے ہیں جن سے نہیں سمجھتے، اور جن کی آنکھیں ایسی ہیں جن سے نہیں دیکھتے، اور جن کے کان ایسے ہیں جن سے نہیں سنتے۔ یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں۔ بلکہ یہ لوگ زیادہ بے راہ ہیں۔

دل کی غفلت بھی ایک ایسا ہی مرض ہے جیسے جسم کے دیگر امراض، جو بتدریج علاج ہی سے شفایاب ہو سکتا ہے، قلب کی غفلت کا علاج۔ اللہ کی اطاعت، اس کی عبادت، اور تہجد گزاری، اللہ کی دائمی یاد و ذکر، اور خدا کو ہمیشہ حاضر و ناظر تصور کرنے سے ہو سکتا ہے!

(زینہ بزینہ، اور تدریج کے بجائے) پھلانگنے کی عادت سے بچو، اور جو بات دل کو پسند نہ آئے اس کے لئے دل پر جبر نہ کرو، کیونکہ جب دل پر جبر کیا جائے تو وہ مرجاتا ہے، بجھ جاتا ہے،

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا

"دلوں کے لئے بھی خواہشات ہوتی ہیں، آگے بڑھنے، پیچھے ہٹنے کی صفت بھی پائی جاتی ہے
پس جو بات کرو طیب خاطری کا لحاظ رکھو، کیونکہ جبر کرنے سے دل مرجاتا ہے"

برادرانِ محترم! اپنے معاملات اور کاموں میں آسانی پیدا کرو، تنگی اور عسرت سے بچو، لوگوں کو خوشخبریاں دو، نفرت نہ دلاؤ راست بازی، اور راست گفتاری اختیار کرو، باہمی قرب و محبت سے کام لو، خاموشی، نرمی اور سبک روی سے کام کئے جاؤ۔ ہر دم رواں دواں رہو، راہ میں بیٹھ نہ رہو، کیونکہ اللہ کے نزدیک وہ عمل پسندیدہ ہے جو دائمی طور پر کیا جائے چاہے وہ تھوڑا ہی ہو! بزرگی اور بڑائی میں دنیا بھر میں کوئی تم سے نہیں بڑھ سکے گا۔ مگر وہی جو تمہاری ہی دعوت کا ہمنوا ہو اور تمہاری ہی طرح نیک اعمال کرتا ہو!

ومن احسن قولاً ممن دعا الی اللہ وعمل صالحاً وقال اننی من المسلمین	اور اس سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے جو (لوگوں کو) خدا کی طرف بلائے اور (خود بھی) نیک عمل کرے، اور کہے میں فرمانبرداروں

دوسری بات ——— میرا پیغام! تمہارے لئے یہ ہے کہ تم اچھی طرح جان لو کہ تمہاری منزل، تمہارا کام بہت کٹھن ہے، نہ یہ کام آسان ہے اور نہ لقمہ تر! یہ پیغمبرانہ مہم ہے، اور اللہ کے برگزیدہ، منتخب، رسولوں کی میراث!

تمہیں اپنی دعوت میں ان نفوس بشریہ کے لئے محنت، مشقت برداشت کرنی ہوگی جن پر شیطان نے غلبہ پا لیا ہے، اور اللہ کی یاد سے ان کو غافل کر دیا ہے، اور رسول اللہ کی شریعت سے ان کو اتنا دور کر دیا ہے کہ احکام شرع معطل ہو گئے اور حدود شریعت متروک ہو گئے، منکرات اُن میں پھیل گئے، اور امر معروف کا فریضہ بھول گئے! اور لوگ کھلم کھلا ارتکاب معصیت کرنے لگے! اور حالت یہاں تک ہو گئی کہ جہاں سے قرآن کی روشنی پھیلی تھی وہاں قرآن اور اس کی تعلیمات اجنبی اور اوپری اوپری معلوم ہونے لگیں!

اب تمہارا پہلا کام یہ ہونا چاہیئے کہ تم اپنے قول و عمل سے یہ اجنبیت دور کرو، قرآن کی بزرگی اور عظمت قائم کرو، اور شریعت اسلامیہ کا احیاء کرو، قرآن سے اپنے تنازعات کا فیصلہ طلب کرو اور اسی کو اپنا حکم بناؤ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

وان احکم بینھم بما انزل اللہ ———	اور ہم حکم دیتے ہیں کہ آپ ان کے باہمی معاملات میں اس

اسں بھیجی ہوئی کتاب کے موافق فیصلہ فرمایا کیجئے!

اور ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الکافرون۔ اور جو شخص خدا کے نازل کئے ہوئے کے موافق حکم نہ کرے سو ایسے لوگ کافر ہیں۔

پس تم اپنے آپ کو ایک بہت بڑے کام کے لئے تیار کرو، اور صبر و ثبات قدمی سے اس کام کے لئے جمے رہو، بیشک یہ بارِ گراں ہے، منزلِ مقصود بہت دور ہے، اور خطرات سے گھری ہوئی ہے، مگر عواقب کے لحاظ سے مامون ہے اور نتیجۃً دو بھلائیوں میں سے ایک بھلائی کا حصول یقینی ہے!

یا فتح و نصرت، یا پھر راہِ حق میں شہادت اور جنت!

انا سنلقی علیک قولاً ثقیلا۔

تمہیں آگاہ رہنا چاہیئے اور حقیقت بخوبی ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ اُمت میں جب بھی شر و فساد کی زیادتی ہوتی ہے، تمھاری محبت و مشقت بھی بڑھ جاتی ہے اور تم پر مسئولیت کی بہت بڑی ذمہ داری عائد ہو جاتی ہے، اور بوجھ بہت زیادہ ہو جاتا ہے، خطرات بہت بڑھ جاتے ہیں، اور جتنا شر و فساد اس دور میں پھیل گیا ہے، اتنا کبھی اور کسی زمانہ میں نہیں تھا، پس تم کو چاہیئے کہ پہلے اپنے آپ کو شر و فساد سے بچنے کے لئے اللہ سے مدد مانگو، اور پھر دوسرے درجہ میں لوگوں کو اس فتنہ و فساد سے بچانے کے لئے اللہ سے مدد و اعانت طلب کرو!

اور لوگوں کو بزرگی، نیز دعوت قرآن، اور پیغام اسلام کی طرف نرمی، آہستگی اور سنجیدگی سے لاؤ، اور ان کا رخ موڑ دو، (نرمی اس لئے ضروری ہے) کہ لوگ سرکش ہو گئے ہیں، روحیں بے لگام، اور شتر بے مہار کی طرح ہو گئی ہیں، پس ان کو صحیح عقیدہ کی طرف حکمت اور خوش خلقی و خوش گفتاری کے ساتھ واپس لاؤ۔

اللہ کے لئے کام کرو، اور اپنے کام اور محنت پر خوش رہو، کیونکہ آج جو کام تم کرو گے، اس کا اجر تم سے پہلے لوگوں کی نسبت جنھوں نے یہی فریضہ انجام دیا بچاس گنا زیادہ ہوگا، اور اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت تمھارے سامنے ہے! آپؐ نے ارشاد فرمایا

> "بھلائی اختیار کرو، بُرائی سے رُک جاؤ، جب تم دیکھو کہ بخل کی پیروی کی جاتی، خواہشات نفسانی قابل اتباع ہو گئی ہیں اور دنیا پر اثر انداز ہونے لگی ہیں، اور ہر شخص اپنی رائے کو پسندیدہ اور اچھا سمجھنے لگا ہے اس وقت تم اپنے نفس کو بچاؤ اور عوام کی فکر چھوڑ دو، کیونکہ تمہارے بعد ایسا زمانہ آنے والا ہے جب کہ ان باتوں پر صبر کرنا ہی ایسا ہو جائے گا جیسے انگارے کو ہاتھ میں لے لینا، ایسے زمانہ میں کام کرنے والے کے لئے تمھارے زمانہ کے کام کرنے

والوں کی نسبت پچاس گنا اجر و ثواب ہوگا"

پس اللہ تعالےٰ سے ڈرتے رہو، اور صبر کرو، مقابلہ میں صبر کرتے رہو اور مقابلہ کے لئے مستعد رہو، اور یہ اچھی طرح جان لو کہ مدد صبر کے ساتھ ہوتی ہے، اور اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو اس سے ڈرتے ہیں۔ اور جو مخلص ہیں!

نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی مرحوم

کے خطوط!

اس سے قبل ماہنامہ "فاران" میں نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی مرحوم کے خطوط شائع ہو چکے ہیں، یہ مکاتیب جو اس وقت نذر ہدیۂ ناظرین کئے جارہے ہیں، جناب مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی کا عطیہ ہیں، جن کیلئے ہم اُن کے شکر گزار ہیں! اور مزید تشکر اس کا کہ مولانا موصوف نے ان خطوط پر ضروری حواشی بھی تحریر فرمادیئے ہیں!

مولانا شیروانی مرحوم کے خطوط حقیقت میں "ایجاز" کا شاہکار ہیں اور اس خصوصیت میں اُن کا کوئی حریف نہیں ہے، مرزا غالب کے خطوط کوئی شک نہیں کہ سادگی، سلاست مطلب نگاری اور انداز خطابت میں اپنا جواب نہیں رکھتے، مرزا کے خطوط نے اُن کی شاعری کی طرح اُردو نثر کی آبرو بڑھائی ہے، مگر بعض خطوط میں ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے وہ ذرا سی بات کو جان کر طول دے رہے ہیں! ———— مگر ———— مولانا شیروانی مرحوم شاید ایک لفظ بھی اپنے خطوط میں زاید از ضرورت نہیں لکھتے، صرف کام کی باتیں اور وہ بھی خوب اچھی طرح جچی تُلی ہوئی، اُن کی تحریر میں نہ جھول پیدا ہوتا ہے اور نہ کہیں شکن پڑتی ہے، پھر دل نشینی بھی ہے! (م۔ ق)

بنام مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب مرحوم سابق ناظم ندوۃ العلماءؒ

جناب مکرم نیاز مندان السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

ایک صاحب نے ابھی حال میں دلّی سے کچھ کہنہ اوراق پریشان دابتر میرے سامنے لاکر رکھ دیئے،

میں نے ان کو دیکھا اور مرتب کیا تو ایک نسخہ جناب ملا نظام الدین صاحب قدس سرہٗ کے حاشیہ شرح حکمۃ العین کا نکلا بالکل مکمل اور نہایت محشی غالباً یہ بھی نایاب ہے لیکن مزید خوبی سنئے اس پر لکھا ہے - من متملکات العبد المسکین محمد رشید الدین" پھر بھی تھی مگر حسب عادت بد کسی نے مٹا دی مجھکو شبہ ہوا کہ ممکن ہے کوئی اور رشید الدین خاں صاحب[1] ہوں، اندر بعض تحریریں مولوی سدید الدین خاں صاحب کی نکلیں جس سے وثوق ہوگیا کہ اسی خاندان کی ہے، ابھی اور سنئے آخر کتاب میں لکھا ہے " لقد بلغ التصحیح بالمقابلۃ مع الاصل بالنظر الاجمالی من المصنف سلمہ اللہ تعالیٰ" اکثر جگہ کتاب میں تصحیح ہے لیکن اب تک کسی عبارت پر جناب مصنف مغفور کا نام نہیں نکلا ہے، یہ تو یقینی ہے کہ کچھ الفاظ مصنفؒ کے قلم کے ضرور کتاب میں ہیں عنوان پر نام اس عبارت سے ہے نسخہ حاشیہ مولوی نظام الدین سلمہ اللہ تعالیٰ بر شرح ہدایۃ الحکمۃ صدرا۔

آزاد نے سبحۃ المرجان میں لکھا ہے کہ ملا صاحب کی تالیف میں سے حاشیہ شرح حکمۃ العین صدر الدین شیرازی بھی ہے اب تو اس نسخہ کے عزیز الوجود ہونے میں کچھ شبہ نہیں رہتا، والحمد للہ علیٰ ذلک

موجودہ ہنگامہ کے متعلق ایک عزیز نے دیوان حافظ میں فال دیکھی تو یہ شعر نکلا

رتبت دانش حافظ بفلک بر شدہ بود　　　کرد غمخواری بالائی بلندت پستم

نیازمند　حبیب الرحمٰن　۱۰ر شوال ۱۳۳۲ھ

جناب مکرم نیاز منداں　　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ماثر الکرام میں آزاد بلگرامی نے روح الامین خاں کا ذکر کیا ہے ان کے فضائل شمار کئے ہیں لکھا ہے کہ جب سن ستر برس سے متجاوز ہوا تو انھوں نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا ایک ایک نسخہ لکھا اور بہت جانفشانی سے تحشیہ کیا ان کو خدمت حدیث میں عجب استغراق ہوگیا تھا　تم خلاصۃ

حسن اتفاق ملاحظہ ہو وہ صحیح مسلم کا مسلم و مکمل نسخہ ایک جگہ سے میرے ہاتھ آگیا اس کی تحریر و تحشی کو دیکھ کر آنکھیں کھلتی ہیں، کاتب نے آخر نسخہ مذکور میں لکھا ہے کہ صحیح بخاری کا نسخہ لکھنے کے بعد مجھکو صحیح مسلم لکھنے کا شوق ہوا دار السلطنۃ میں بیحد کوشش و تلاش کی بالآخر ایک نسخہ ملا مگر غلط تھا اس لئے نہیں لیا پھر اکثر مدارس میں تلاش کیا آخر کار الٰہ آباد میں شیخ محمد افضل صاحب کے مزار پر ایک نسخہ بخط عرب[2] ملا جو بالکل بے نقط اور نہایت گنجان و در آمد لکھا ہوا تھا، اس کا پڑھنا بھی سخت دشوار تھا چہ جائیکہ نقل، مگر میں نے اول اس کو پڑھا اور ایسا پڑھا کہ گویا میں نے ہی لکھا تھا پھر نقل کی، تقریباً پانچ ماہ میں اصل نسخہ مدینہ طیبہ میں

---

[1] مولانا رشید الدین خاں صاحب شاہ عبد العزیز صاحب اور مولانا فضل امام خیر آبادی کے نامور شاگرد اور مشہور عالم معقولات و مدرس (ع)

[2] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم حدیث اس زمانہ میں یہاں کس قدر غریب تھا آفریں شیخ رحمۃ اللہ علیہ (شیخ عبد الحق دہلویؒ) اور شاہ (ولی اللہ صاحب) رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کو، (شروانی)

باب السلام کے قریب ۹۶۹ھ میں لکھا گیا تھا اور شاید کہ اصل مسودہ مصنف کی نقل یا درنقل ہے روح الامین خاں نے اپنا نسخہ ۱۱۴۵ھ میں لکھا ۱۱۵۱ھ میں بمقام پانی پت معرکہ نادری میں کام آئے اور وہیں مدفون ہوئے رحمۃ اللہ تعالیٰ

بلوح الخط فی القرطاس دھرا دکاتبہ رمیم فی التراب

کل کے مطالعہ ماثر الکرام سے ایک عجیب نادر نکتہ ہاتھ آیا ہندوستان کی ساری علمی دنیا پٹھانوں کی ممنون ہے، شیخ غلام نقشبند رح شاگرد ہیں شاہجہاں پور کے اور فرنگی محل شاگرد ہے شیخ غلام نقشبند کا اس پر بھی جہل افغانوں ہی کی دستار کا طرہ رہا،

پہلا نیاز نامہ پہونچا ہوگا۔ نیاز مند حبیب الرحمٰن ۲۷ر شوال ۱۳۳۲ھ

جناب مکرم معظم ذو المجد و الکرم[1] السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

میں یہاں مع الخیر ۲۸ر شعبان کو پہونچا دوسرے روز شرف باریابی حاصل ہوا غایت مرحمت شاہانہ مبذول فرمائی، نشست کو کرسی مرحمت ہوئی تمام خدمات جناب نواب فضیلت جنگ مرحوم[2] کا تعلق مجھ سے فرما دیا گیا، ایک ہفتہ سے زائد ہوا کام کر رہا ہوں ماتحتی بلا واسطہ اعلیٰ حضرت سرکار کی ہے،

رمضان مبارک کے روزے بہت سہولت سے ہو رہے ہیں موسم بہت ہی خوشگوار ہے۔ مولوی نثار احمد فرزند مولانا احمد حسن صاحب مرحوم تراویح میں قرآن شریف سناتے ہیں کوٹھی کرایہ پر لے لی ہے،

خیریت مزاج گرامی سے ممنون فرمائیے الحمدللہ میں بخیر ہوں۔

نیاز مند حبیب الرحمٰن حیدرآباد سیف آباد

۹ر رمضان المبارک ۱۳۳۶ھ

جناب مکرم معظم و محترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

امسال سورت میں کانفرنس کا اجلاس ۲۷، ۲۸، ۲۹ر دسمبر کو قرار پایا ہے سورت باب مکہ ہے یا تھا، اس لئے جی چاہتا ہے کہ یہ حیثیت اجلاس میں بالکل ہی مفقود نہ ہو گیا آپ کے قدوم کی توقع کی جائے ملاقات بھی ہو جائے گی، ضروری امور پر موقع گفتگو ملے گا آئیے تو خالی ہاتھ نہ آئیے، گجرات کی گزشتہ اسلامی عظمت پر ایک خطبہ ہو، جس سے علم ظاہر و باطن کے جو دریا اسلامی دور میں جاری رہے وہ یاد آجائیں، اسی کے ضمن میں مختصر تاریخ ہو جس میں خاص خاص سلاطین کے اوصاف علمی و تربیت علمی نمایاں ہوں آپ اس کام کو کر سکتے ہیں، وقت و فرصت دونوں کم ہیں، لیکن کرنے کا کام ہے اور ہو گیا تو ایک

---

[1] خط اس وقت لکھا گیا ہے جب مولانا مرحوم صیغۂ امور مذہبی کے صدر الصدور ہو کر پہلی بار حیدرآباد تشریف لیگئے ہیں، (ع) [2] مولانا انوار اللہ خاں صاحب استاد میر عثمان علی خاں (ع)

کارنامہ ہوگا، بصیرت افزا!

اب مزاج کیسا ہے مرض کی لکھنؤ میں کیا حالت ہے دارالعلوم میں خیریت رہی یہاں بحمد اللہ بہت تخفیف ہے، میں شکر ہے مع متعلقین بخیریت ہوں۔ والسلام نیازمند

حبیب الرحمٰن حیدرآباد

غرہ صفر المظفر ۱۳۳۷ھ

جناب مکرم و معظم![5] السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

رب کریم عم نوالہ کی ایک نعمت عظیم تھی جو کل آپ کے رسالے کے پیرایہ میں ظاہر ہوئی میں نے رات ہی اس کو قریباً کل پڑھ لیا میرے سرور و مباہات کی عجیب کیفیت تھی، پڑھتا تھا فخر و خوشی کی موجیں دل میں اٹھتی تھیں بار بار رسالہ کو آنکھوں سے لگاتا تھا، اور چومتا تھا، اگر آپ سامنے ہوتے تو یقین ہے کہ آپ کے ہاتھ چومتا، قدم چومتا، اللہ اکبر یہ سعادت میرے مقدر میں تھی، کہ میں مسلمانوں کی علمی مجلس کو اس خطہ ملک میں لے گیا جہاں سب سے پہلے اہل توحید کے قدم آئے اور جہاں سب سے پہلے اسلام کے مصنف مدفون ہیں، فالحمد للہ علیٰ ذلک حمداً کثیراً طیباً، اس کا ایک نتیجہ یہ تھا کہ یہ نایاب رسالہ ہاتھ آیا، میری معلومات میں کس قدر اضافہ ہوا، سب سے اوّل اسلامی خطہ ہندوستان میں سندھ مانا گیا ہے، کراچی کی کانفرنس کے زمانہ میں میں نے اس کی تاریخ دیکھی تھی، یہ رات معلوم ہوا کہ ثانہ تابعی ہے اور آج اس کی زیارت تو تبع تابعین کا ایک گونہ شرف بخش سکتی ہے، آپ نے ماشاء اللہ خوب رسالہ لکھا ہے، بیان صاف اور دلکش مطالب محققانہ، ماخذنا در وصحیح، کمال یہ ہے کہ ایک مختصر رسالہ میں گوناگوں تاریخ سنادی، ملکی، علمی، روحانی، صنعتی، حرفتی، زراعتی میں نے سورت سے واپس آکر تاریخ فرشتہ میں گجرات کی تاریخ لفظ بلفظ پڑھی حاشا میرے دماغ میں ان حالات کا ایک شائبہ بھی نہیں آیا بزم و رزم کا فانوس خیال آنکھوں کے سامنے پھر لیا، اسیوقت علی گڑھ بھیجتا ہوں کہ طبع ہو کر جلد سے جلد شائع ہو گجراتی میں بھی انشاء اللہ شائع ہوگا،

کیا خوب ہوا اگر ندوۃ العلماء امسال احمد آباد میں ہوتا نے اس کے متعلق نیاز نامہ بھیجا ہے میرا دل شہادت دیتا ہے، کہ یہ رسالہ آپکی بیش بہا تصانیف[6] کی اشاعت کا مقدمہ ثابت ہوگا، انشاء اللہ العزیز،

---

[5] یہ خط مکتوب الیہ (مولانا عبدالحیؒ) کے رسالہ تاریخ گجرات کے وصول ہونے پر لکھا گیا جو مولانا شروانی کی فرمائش پر تالیف ہوا تھا اور یاد ایام کے نام سے چھپا ہے (ع) [6] مولانا عبدالحی صاحب کی جلیل القدر تصنیف نزہۃ الخواطر کی طرف اشارہ ہے جو عربی میں ۸ ضخیم جلدوں میں ہے اور جس میں پانچ ہزار ہندوستانی ناموروں کا تذکرہ ہے (ع)

میں نے اس رسالہ کا نام یاد ایام رکھا ہے،
صحیح لفظ سرخیز ہے یا سرکھیج میں نے روضۂ شیخ احمد کھٹو قدس سرہٗ پر سرخیز لکھا دیکھا رسالہ میں بھی میں نے بنا دیا ہے، ابین احمد رازی کا تذکرہ ہفت اقلیم یہاں ہاتھ آگیا ہے اس سے میں نے عبارت مندرجہ رسالہ صحیح کر دی ہے،

نیاز مند
حبیب الرحمٰن حیدرآباد
۷ر جمادی الاول ۱۳۳۷ھ

جناب مکرم و محترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

شکر کرم قبول فرمایئے، تحریر سامی نے دل پر خاص اثر کیا، کیا میں ایسا سنگدل ہو جاؤں گا کہ آپ کی تحریروں سے جو اہل استحقاق کے متعلق ہوں گھبرانے لگوں واللہ ایسے دل سے مجھکو شرم آئے گی، آپ کی ہر تحریر باعثِ انشراح ہوتی ہے اور حتی الامکان اس کی تعمیل کرتا ہوں آپ کبھی ایسا خیال نہ فرمائیں،

باعث تاخیر یہ ہوا کہ میں وطن چلا گیا تھا، چھوٹے لڑکے کی طبیعت نادرست ہوگئی تھی، الحمدللہ اب اچھا ہے سید نعیم الدین صاحب سے ملاقات ہوتی ہے انشاء اللہ العزیز دریغ خدمت میں نہ ہوگا جمعۂ گزشتہ کو باب حکومت "اگزکیٹو کونسل" کا افتتاح دربار میں فرمایا گیا، آٹھ صدر المہام اور ایک صدر اعظم اجزائے باب حکومت ہیں بلحاظ احترام دین صدارت عالیہ باب حکومت کے دائرۂ اختیار سے باہر رکھی گئی اور اس کا تعلق براہ راست ذات خسروی سے قایم بدستور رہا۔

امید ہے کہ مزاج مبارک مع الخیر ہوگا، کانفرنس کا اجلاس سر پر آپہونچا گزشتہ معروضات کی جانب اب فوری توجہ کی ضرورت ہے مختصر تاریخ سندھ تاریخ گجرات کے پیمانہ پر اشد ضروری ہے بدوں اس کے اجلاس بے اثر رہے گا، الحمد للہ بخیریت ہوں۔

نیاز مند
حبیب الرحمٰن۔ غرہ ربیع الاول ۱۳۳۸ھ

بنام ڈاکٹر حکیم مولوی سید عبدالعلی صاحب ناظم ندوۃ العلماء

(فرزند مولانا حکیم سید عبدالحیٔ رح)

میاں عبدالعلی سلامت رہو باکرامت رہو[1]!

خط پہونچا آپ کی ہر کامیابی کی خبر دلنواز ہے اور مسرت افزا مطب شروع ہو گیا، مخلصین کی آرزو برآئی

---

[1] یہ خط اس وقت لکھا گیا ہے جب برادر معظم ڈاکٹر عبدالعلی صاحب نے میڈیکل کالج لکھنؤ سے فارغ ہوکر ۱۹۲۶ء میں مطب شروع کیا ہے، اور شروانی صاحب کو اس کی اطلاع دی ہے (ع)

حذاقت وشفا کا شہرہ و ثمرہ مزید آرزو برلائے وماذٰلک علی اللہ بعزیز الحمد للہ بع الخیر ہوں۔ چھوٹی لڑکی کے کارِ خیر عقد کے اہتمام میں مصروف ہوں اللہ تعالےٰ مبارک فرمائے، عزیزی علی سلمہ کو پیار اور دیدہ بوسی!

حبیب گنج
محمد حبیب الرحمٰن
۱۵ر فروری ۱۹۳۶ء

مولانا سید ابو الحسن علی کے نام

۱۷ر محرم الحرام ۱۳۵۹ھ

گرامی قدر سلمہٗ[1]
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

عزیزی مولوی سید سلیمان صاحب نے الندوہ میں ندوۃ العلماء کی تاریخ کے پہلے صفحہ پر مضمون لکھکر اگلی صحبتوں کی یاد تازہ کردی ہے وہ یاد جو اپنے اندر ایک عالم حسرت رکھتی ہے۔

صحبتیں اگلی مصور ہمیں یاد آئیں گی
کوئی دلچسپ مرقع نہ دکھانا ہرگز (خواجہ حالیؔ مرحوم)

اسی مضمون میں جتایا ہے کہ اس سلسلہ کا رابطہ ایک اور روحانی مرکز سے بندھا تھا جس کا نام نامی حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰنؒ صاحب مجددی گنج مرادآبادی تھا۔۔۔ مشرق و مغرب کے یہی دونوں مطلع تھے جس سے ندوۃ العلما کا آفتاب طلوع ہوا۔

مغربی مطلع کا ذکر مولوی صاحب کے مضمون میں بہت کچھ آچکا مشرقی مطلع کا ذکر میں اپنی ایک پرانی تحریر کے ذریعہ سے سناتا ہوں جو آج سے چوّن[54] برس پہلے لکھی گئی تھی میں اس زمانہ میں آگرہ کالج میں پڑھ رہا تھا وہیں سے گنج مرادآباد حاضر ہوا تھا، بائیس[22] رجب المرجب کو حاضر خدمت بابرکت ہوا ۲۵ر رجب کو آگرہ واپس جاکر یہ یادداشت لکھی تھی،

ایک اور بات کہنی تھی جب میں نے اپنے یہاں کی قلمی کتابوں کی فہرست ختم کی تو اس کی خوشی میں ایک پرانا مضمون حاضری پانی پت پر نقل کر کے معارف میں شائع ہونے کے واسطے بھیجا تھا جو شائع ہوا اور مؤثر ٹھیرا ــــــ اب الندوہ کے دوبارہ اجرا کی خوشی میں یہ ایک قدیم تر تحریر آپ کو بھیج رہا ہوں پسند ہو تو الندوہ میں شائع کیجئے۔ رسید آئے تو اطمینان ہو جائے گا!

حبیب الرحمٰن

---

[1] یہ خط اس وقت کا ہے جب مکتوب الیہ "الندوہ" دور ثانی کا ایڈیٹر تھا، (ع)

"داعئ حق"

محشر رسول نگری

۱

کیا کہا — اس لئے اسلام کا میں نام نہ لوں
اس سے کچھ لوگوں کی پیشانی پہ بل پڑتے ہیں
مجھ سے دب سکتے ہیں ایماں کے تقاضے کیونکر
حق کے پوشیدہ یہ چشمے ہیں اُبل پڑتے ہیں

۲

دعوتِ حق ہے یہ پھولوں کی کوئی سیج نہیں
وادئ عشق میں کانٹوں سے گزرنا ہوگا
عندلیبوں کی طرح نغمے لٹانے ہوں گے
یا کبھی پھولوں کی مانند بکھرنا ہوگا

۳

ظلم کی پھونکوں سے بجھتا ہی نہیں اُن کا چراغ
جو چمکتے ہیں صداقت کا نگینہ بن کر
میں نے دیکھا ہے کہ اربابِ رضا کو اکثر
پار لے جاتی ہے خود موج سفینہ بن کر

۴

حق کی بازی یونہی لے جا نہیں سکتا کوئی
عشق کے داؤ پہ ہر چیز لگانی ہوگی
زخم ہنس ہنس کے یہاں سینے پہ کھانے ہوں گے
زندگی ایک اشارے پہ لٹانی ہوگی

۵

تختۂ دار کا کرتا ہے یہ خود بڑھ کے طواف
آبِ شمشیر ہے مومن کے لئے آبِ حیات
تلخئ کام و دہن میں اسے ملتا ہے سرور
داعئ حق کے لئے زہر تو ہے قند و نبات

۶

راہِ مولا میں یہ لُٹتا ہے تو خوش ہوتا ہے
ضرر و نفع سے بالا ہے تجارت اس کی
آدمیت کا نگہبان ہے کردار اس کا
ضامنِ عدل و مساوات ہے جرأت اس کی

۷

اس کا مقصد ہے کہ قائم ہو خلافت حق کی
یعنی انسان پہ انساں کی خدائی نہ رہے
زیست کی راہوں میں یوں پھول بچھائے جائیں
آدمی کو گلۂ آبلہ پائی نہ رہے

۸

مگر انسان کی فطرت کا یہ پہلو ہے عجیب
خیر خواہوں کو یہ سولی پہ چڑھا دیتا ہے
اور اُدھر داعئ حق ہے کہ دمِ آخر بھی
آدمی کو رہِ توحید دکھا دیتا ہے

ڈالر کا ناچ

پروفیسر عبد الحمید
(ایم - اے)

میرے سب سے چھوٹے بھائی کو پتلیوں کے ناچ سے بڑی دلچسپی ہے - دیر ہو یا سویر، گرمی ہو کہ سردی جب کبھی اُسے پتلیوں کے تماشہ کا علم ہوتا ہے وہ گھر سے نکل بھاگتا ہے پھر تماشہ ختم ہونے کے بعد وہ مسلسل کئی کئی دن تک اس کو بیان کرتا ہے - اُس کے بیان میں یہ خوبی ضرور ہے کہ وہ گھر کے ہر فرد کو چند لمحوں کے لئے اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے - کل شام وہ اسی قسم کے ایک تماشہ کا ذکر پورے جوش سے کر رہا تھا کہ میری نظر ایک کتاب کے ان الفاظ پر پڑی -

The trade cycle is a dance of the dollar

" تجارتی چکر ڈالر کا نام ہے " میں نے یہ الفاظ ابھی کہے ہی تھے کہ منظور نے برجستہ کہا :-

The modern politics is a dance of dollar (موجودہ سیاست ڈالر کا ناچ ہے)

کیا یہ محض چند الفاظ ہیں یا حقائق - اس پر میں غور کرنے لگا - کچھ دیر بعد یہ تین جملے بہ یک وقت دماغ میں چکر لگانے لگے -

I, western soul is measured in terms of money because their GOD is a mighty dollar مغربی روح کو سکوں میں ہی تولا جاتا ہے کیونکہ انکا خدا ایک جبار و قہار ڈالر ہے

II, Trade cycle is a dance of dollar

تجارتی چکر ڈالر کا ناچ ہے -

III, The modern politics is a dance of a dollar

موجودہ سیاست ڈالر کا ناچ ہے -

پہلے دو فقرے تو کچھ کچھ سمجھ میں آئے مگر تیسرا فقرہ ذہن کی گرفت سے باہر تھا - " ڈالر سکہ ہے اُس کا تجارت سے تعلق تو ہے مگر اس کا سیاست سے کیا رابطہ ہے " مجھے یہ بات بے جوڑ سی معلوم ہوئی، تاہم کچھ دیر خیالات میں مستغرق رہا - میں برابر اس تلاش میں تھا کہ کوئی معاشی مبصر یا سیاسی مفکر اس عقدے کو حل کرے - میری خوش قسمتی کہ اسی اثنا میں محمود صاحب تشریف لے آئے وہ معاشیات اور سیاسیات کے پروفیسر ہیں - میں نے بغیر کسی تامل کے یہ مسئلہ اُن کے سامنے رکھ دیا - وہ مسکرا کر فرمانے لگے " بھائی اس میں عجوبہ کیا ہے موجودہ سیاستداں محض پتلیاں ہیں جن کو ڈالر کے مالک نچوا رہے ہیں - اسی گفتگو کے دوران میں کچھ اور دوست بھی آ گئے اور بات شروع ہو گئی - میں محمود صاحب کی اصطلاحوں سے سخت گھبراتا ! وہ بعض ایسی ایسی اصطلاحات استعمال کرتے کہ مجھے کوفت ہوتی اور کچھ سمجھ میں نہ آتا میں کچھ شرماتا رہا مگر میاں سعید نے نہایت ہی بے تکلفی سے کہا " بھائی جان ہمیں اصل مسئلہ سمجھائیں ہم اصطلاحیں سیکھنا نہیں چاہتے -

یہ کام تو کلاس روم میں بہتر ہوگا۔ محمود صاحب کی وسعت قلب کی داد دیجئے کہ اُن کو یہ بات ذرہ برابر بھی ناگوار نہ گزری اور کہنے لگے "لو بھائی جس طرح تمھاری مرضی" ہم خوش ہوئے اور ہمہ تن گوش ہو کر اُن کی باتیں سننے لگے۔ وہ فرمانے لگے !

دوسری جنگ عظیم جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں یورپی اقوام کیلئے ایک زبردست ابتلا تھی۔ انھوں نے اپنے حفظ وبقا کے لئے کسی چیز کو بھی جنگ کی دیوی کے قدموں میں نثار کرنے سے گریز نہ کیا۔ مہمل کارخانے کمیت زندگی کے سارے شعبے جنگی ضروریات کے فراہم کرنے میں مصروف تھے۔ یہ سلسلہ ایک دن نہیں، دو دن نہیں بلکہ کئی سال جاری رہا۔ یہ اقوام چونکہ اپنی ساری ضروریات اپنے ملک میں سے فراہم نہیں کرسکتی تھیں لہٰذا انہیں ان پُرآشوب حالات میں بہت کچھ دوسروں سے بھی لینا پڑا۔ ہندوستان انگریز کی غلامی میں گرفتار تھا اس لئے یہاں سے ہر طرح کی مدد لی گئی۔ یہاں کا مال زبردستی انگریزی منڈیوں میں لیجایا جاتا اور نہایت ہی سستے داموں فروخت ہوتا۔ یہ حال صرف ہندوستان ہی کا نہ تھا بلکہ جہاں جہاں یورپ کی استعماری طاقتیں غالب تھیں وہ اپنے غلام ملکوں کے ساتھ تقریباً ہر جگہ یہی سلوک کرتیں۔ مگر سارے مُلک برطانیہ کے غلام تو نہ تھے۔ کچھ ایسے بھی تھے جو آزاد تھے مگر "مصلحت وقت" کی بنا پر انگریزوں کا ساتھ دینے پر مجبور تھے۔ ان میں سب سے نمایاں حیثیت امریکہ کو حاصل ہے۔ اس ملک میں قدرتی ذخائر اس قدر موجود ہیں کہ اسے بہت کم مال باہر سے منگوانا پڑتا ہے مگر برآمد بہت زیادہ کرسکتا ہے۔ چنانچہ اسی نے یہی کچھ کیا۔ یہاں کے باشندے جنگ کے دوران میں انگریزوں کو برابر مال دیتے رہے۔ مگر اس ضمن میں یہ یاد رہے کہ یہ کوئی سخاوت نہ تھی جو انگریزوں پر ترس کھا کر اُن پر کی گئی اور نہ یہ کوئی قرض حسنہ تھا جو اپنے دوست کی مجبوری کے پیش نظر اُسے دیا گیا یہ ایک ایسا قرض ہے جس پر امریکہ کو سود لینا ہے۔ آپ کے نزدیک شاید یہ کوئی عجیب وغریب بات ہو مگر جن قوموں نے مغربی تمدن کے زیر سایہ پرورش پائی ہے اُن کیلئے یہ ایک عام بات ہے۔ مغربی روح کو سکوں کے عوض ہی خریدا اور بیچا جاسکتا ہے کیونکہ اُن کا رب صرف ڈالر ہے۔ اس ساری کارروائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ جنگ کے بعد انگریز مقروض ہوگئے اور امریکہ والے قرض خواہ جنگ کے خاتمہ پر سب سے بڑا سوال قرض کی ادائیگی کا تھا۔ مختلف تجاویز زیر غور رہیں، مگر ایک سیدھی سادھی اور معقول تجویز یہ تھی کہ امریکہ اور دوسرے ممالک انگریزوں سے زیادہ سے زیادہ مال لیں اور انگریز زیادہ سے زیادہ مال مہیا کرنے کے لئے اپنے آپ کو تیار کریں بالفاظ دیگر اپنی درآمد گھٹائیں اور برآمد بڑھائیں اور قرض خواہ ممالک اس کے برعکس اشیائے درآمد میں اضافہ کریں اور برآمد میں کمی۔ اس فیصلہ کو عمل میں لانے کی ایک ہی صورت تھی کہ انگریز اپنے سکہ کے شرح تبادلہ میں کمی کردیں۔ اس سے فائدہ یہ ہوگا کہ انگریزی مال دوسرے ممالک میں سستے داموں فروخت ہوگا اور اس طرح اس کی طلب بڑھے گی دوسری طرف انگریز جو مال باہر سے خریدیں گے اُنہیں اپنے مال کے زیادہ دام دینا ہوں گے اس وجہ سے اُن کی طلب میں کمی ہوگی اور اس طرح سے کچھ سالوں کے بعد سارا قصہ ادا ہو جائے گا۔

یہ تجویز بظاہر بڑی معقول معلوم ہوتی تھی مگر جب اس پر عمل درآمد شروع ہوا تو بہت سی مشکلات پیش آئیں۔

(۱) برطانیہ امریکہ کی طرح اپنی ضروریات خود اپنے ملک سے پوری نہیں کرسکتا۔ وہ اپنی ناگزیر ضروریات کیلئے دوسروں کا محتاج ہے اور شرح تبادلہ کے کم ہوجانے کی وجہ سے اُسے اب ان ضروریات کے مہیا کرنے میں زیادہ قیمت ادا کرنا پڑتی ہے۔

(۲) امریکہ یا دوسرے قرض خواہ ممالک انگلستان سے صرف وہی مال لینے کے لئے تیار ہیں جو وہ خود اپنے ملک میں نہ پیدا کر سکتے ہوں یا اگر پیدا کرنے پر قادر بھی ہوں تو انہیں یہ مال نہایت ہی مہنگا پڑتا ہے۔

(۳) برطانیہ کے لئے یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ وہ ہر قرض لینے والے ملک کو اُس کی پسند کا مال مہیا کرے۔

(۴) اگر تمام قرض خواہ ممالک صرف برطانیہ سے مال لینا شروع کر دیں اور اپنے ہاں اُس مال کا تیار کرنا ترک کر دیں تو ملک کارخانے بند ہو جائیں گے اور اس طرح ملک میں بے روزگاری بڑھ جائے گی ان مشکلات نے قرض کی ادائیگی کے اس پلان کو درہم برہم کر دیا ہے۔

دنیا کے تمام ممالک بے روزگاری سے بچنے کے لئے اور اپنے کارخانوں کو مصروف رکھنے پر مجبور ہیں اور دنیا کا ہر ملک یہ چاہتا ہے کہ اُس کی درآمد کم سے کم ہو اور برآمد زیادہ سے زیادہ تاکہ وہ ملک مکمل روزگار کی سطح پر رہ سکے۔ اسی مقصد کے پیش نظر چند ممالک کو چھوڑ کر باقی سب نے اپنی شرح تبادلہ انگریزوں کے ساتھ ہی گرا دیا۔ اس طرح برطانیہ کا شرح تبادلہ کا گر جانا بالکل بے معنی ہو کر رہ گیا۔ دوسرے جنگ کی صعوبتیں سہنے کے بعد برطانیہ میں یہ ہمت نہیں رہی کہ وہ دوسرے ممالک کو اُن کی پسند کی اشیاء مہیا کر سکے۔ ابھی اُسے اپنی تعمیر کے لئے سال ہا سال کی مدت درکار ہے —— تیسرے برطانیہ اگر مال دینا بھی چاہے تو دوسرے ممالک اس پر رضامند نہیں ہوتے کیونکہ وہ یہ مال خود اپنے ملک میں آسانی سے تیار کر لیتے ہیں اور دنیا کا کوئی ملک بھی اتنا بیوقوف نہیں کہ اپنے ملک کے رہنے والوں کو بے روزگار کر کے انگریزوں کو روزگار مہیا کرے۔ نیشنلزم کی پرستش کے بعد انسانیت کے نقطہ نظر سے سوچنا قریب قریب ناممکن ہے —— یہ ہے وہ کشمکش جس میں اس وقت برطانیہ اور اس سے تعلق رکھنے والے دوسرے ممالک گرفتار ہیں اور انتہائی کوشش کے باوجود یہ سوچ نہیں پاتے کہ اس ابتلا سے کس طرح نجات حاصل کی جائے۔ اجلاس پر اجلاس بلائے جاتے ہیں مگر باہمی خود غرضیاں معاملہ کو کسی طرح طے نہیں ہونے دیتیں۔

محمود صاحب کا سلسلہ کلام ابھی جاری ہی تھا کہ سعید میاں کہنے لگے " محمود صاحب ڈالر کا ناچ کیا ہوا۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی۔ محمود صاحب نے کہا " بات کو ختم کرنے دیجئے میں تو ابھی پس منظر ہی بتا رہا تھا اب معاملہ کو آسان بنانے کیلئے ایک اُچٹتی ہوئی نگاہ ذرا امریکہ کے معاشی حالات پر ڈال لیں۔ امریکہ ایک ایسا ملک ہے جو کم وبیش اپنی ساری ضروریات کا خود کفیل ہے۔ جنگ کے بعد امریکہ کے سامنے سب سے اہم مسئلہ بے روزگاری سے بچنے کا ہے اگر امریکہ کے کارخانے بند ہو جائیں تو کروڑوں کام کرنے والے بیکار ہو جائیں گے اور تم جانتے ہو جہاں بے روزگاری ہوگی وہاں افلاس ہوگا اور جہاں افلاس ہوگا وہاں کمیونزم بغیر کسی دعوت کے خود بخود آ جائے گا۔ امریکہ کے سرمایہ دار جن کے ہاتھوں میں اس وقت ملک کی عنانِ اختیار بھی ہے اشتراکیت میں اپنی موت دیکھتے ہیں لہٰذا وہ کارخانوں کو کسی نہ کسی طرح جاری رکھنا چاہتے ہیں تاکہ لوگوں کو روزگار مہیا ہوتا ہے مگر سوال یہ ہے جو مال پیدا کیا جائے اُس کی کھپت کہاں ہو اور کس طرح ہو۔ امریکہ باہر سے کم مال منگواتا ہے اس لئے دوسرے ممالک کے پاس امریکہ کا مال خریدنے کے لئے ڈالر نہیں۔ اگر یہ ڈالر اپنے ملک میں استعمال کرے تو اس سے سکوں کی مقدار بڑھ جائے گی اور

اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ ہوگا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ دوسرے ممالک یہاں مال زیادہ برآمد کریں گے اور یہاں سے کم مال لیں گے۔ اس طرح ملک میں بے روزگاری زیادہ ہوگی جس سے بچنے کے لئے امریکہ انتہائی طور پر کوشش کر رہا ہے۔ ان حالات میں امریکہ کے لئے اب ایک ہی راستہ باقی ہے کہ وہ اپنے زائد ڈالر دوسرے ملکوں کو دے دے اس طرح دوسرے ممالک اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ امریکہ کا مال خریدیں۔ یہی ایک طریقہ ہے جس سے امریکہ کے کارخانے کھلے رکھے جاسکتے ہیں اور بے روزگاری دور ہو سکتی ہے۔ اب تم شاید یہ بات سمجھ گئے ہوگے کہ امریکہ جو اس وقت ہمیں یا دوسرے ممالک کو قرضہ دے رہا ہے وہ ہم پر یا اُن پر کوئی احسان نہیں کر رہا اور نہ انسانیت سے ہمدردی اُسے ایسا کرنے پر مجبور کر رہی ہے۔ اگر نوع انسانی کی محبت اُس کے سینے میں ہوتی تو وہ سب سے پہلے ان ڈالروں سے اپنے ملک کے سیاہ فام باشندوں کی مدد کرتا مگر ظاہر ہے کہ اُس نے ایسا نہیں کیا۔ وہ دوسرے ممالک میں اپنے سکّہ صرف اس لئے پھیلا رہا ہے کہ اس طرح وہ بیکاری کے دیو سے نجات حاصل کرنے کے قابل ہو سکتا ہے۔ اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو اہل امریکہ کو اُن لوگوں کا ممنون ہونا چاہیئے جو ان کے فاضل ڈالر لیکر اُن کے ملک میں بے روزگاری کو ختم کرنے میں اُن کی امداد کر رہے ہیں۔

اب ایک سوال یہ ہے کہ دنیا کے کمزور ممالک ڈالر لیکر اُس کو خرچ کہاں کرتے ہیں۔ تم جانتے ہو کہ خوراک کے بغیر انسانی زندگی قائم نہیں رہ سکتی۔ اُس کی قیمت خواہ کچھ ہی ہو اُسے بہر حال لوگوں کو خریدنا ہے۔ اس قسم کی طلب کو معاشیات کی زبان میں بے لچک طلب کہتے ہیں۔ لیکن اس خوراک سے بھی زیادہ بے لچک طلب اگر کسی چیز کی ہے تو جنگی سامان کی ہے خصوصاً اُن حالات میں جب کہ جنگ کا خطرہ سروں پر معلق ہو۔ امریکہ والے نہایت ہی ہشیاری سے کوئی نہ کوئی چال ایسی چلتے رہتے ہیں جس سے جنگ کا خطرہ مستطر رہتا ہے اور اس طرح جنگی سامان کی ضرورت بڑھ جاتی ہے۔ مشرقی ممالک اپنے حفظ و بقا کے لئے زیادہ سے زیادہ سامان خریدنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس طرح امریکہ کے دیئے ہوئے ڈالر خود اُن کے ملک ہی میں پلٹ آتے ہیں۔ اس سے ایک تو امریکہ سے بے روزگاری کم ہوتی ہے اور دوسرے تمام ممالک اُن کے دست نگر رہنے پر مجبور رہیں۔

یہ قرضے جن کا تم آج کل بڑا شور سنتے ہو درحقیقت وہ جال ہیں جن میں کمزور قوموں کو پھنسایا جاتا ہے۔ اب اگر تم غور کرو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ مشرق کی ساری سیاست اسی ڈالر کے محور پر گھوم رہی ہے۔ دنیا کے پس ماندہ ممالک جنگ کے نام سے گھبرا اٹھتے ہیں اور مجبور ہو جاتے ہیں کہ اپنی لباط کے مطابق جنگی سامان خریدیں اور کسی دفاعی منصوبہ میں شریک ہو جائیں۔ اور دُنیا کے یہ بڑے بڑے گرگ اُن کی اس بیکسی میں اُن کی آزادی کا سودا کرتے ہیں۔ قرضہ کے نام سے جو کچھ اُنہیں دیا جاتا ہے وہ دراصل غلامی کی زنجیریں ہیں جو انہیں پہنائی جا رہی ہیں۔ اصل حقیقت تو یہ ہے کہ مشرقی

UNELASTIC — DEMAND ۵۱

اقوام کی سیاست امریکہ کے چشم وابرو کے اشارے پر ہر آن بدلتی رہتی ہے۔ ایران کے تیل کا قضیہ، ہندوستان اور پاکستان کے درمیان جھگڑے، مصر کی زبوں حالی سب امریکی سیاست کا نتیجہ ہیں۔ اگر امریکہ آج چاہے تو یہ سارے معاملات جلد از جلد سلجھ سکتے ہیں مگر اُس کا مفاد ان جھگڑوں کے بڑھنے میں ہے اس لئے یہ معاملات اُلجھتے جا رہے ہیں۔ ان حالات میں، امریکہ کا مال بکتا ہے، اُس کی ساکھ بڑھتی ہے اُس کی سیادت چمکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یو۔ این۔ او، کی انتہائی کوشش کے باوجود یہ معاملات اُسی طرح ہیں جس طرح کہ پہلے تھے، امریکہ کے ڈالروں کی قوت کا یہ عالم ہے کہ حکومتوں کی وزارتیں تک اس کا اثر قبول کرتی ہیں!

حقیقت یہ ہے کہ ڈالر لیبا سیاست پر نہ جانے کن مہروں کو گردش دے رہا ہے! اللہ تعالیٰ کسی کو ضرورتمند اور دوسرے کا دست نگر نہ بنائے!

روحِ انتخاب

نبوّت

بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ

نبوت کی حقیقت معلوم ہونے کے بعد آنحضرتؐ کا نبی ہونا ایک بدیہی مسئلہ رہجاتا ہے۔ نبی کی حقیقت اجزائے ذیل سے مرکب ہے:- (۱) خود کامل ہو (۲) دوسروں کو کامل کر سکتا ہو، (۳) اُس کے علوم اور معارف، اکتسابی نہ ہوں، بلکہ منجانب اللہ ہوں ـــــــ یہ تمام باتیں جس کمال کے ساتھ آپ کی ذات مبارک میں موجود تھیں کیا ابتدائے آفرینش سے آج تک اس کی کوئی نظیر مل سکتی ہے؟

غور کرو وہ شخص جس نے کسی قسم کی ظاہری تعلیم نہ پائی ہو۔ جس نے آنکھ کھول کر اپنے گردوپیش۔ بت پرستی کے سوا اور کچھ نہ دیکھا ہو۔ جس کے کانوں میں ناقوس کے سوا اور کوئی آواز نہ آئی ہو۔ جس نے الٰہیات۔ اخلاق۔ اصولِ معاشرت، قانون تمدن کے متعلق ایک حرف بھی کسی سے نہ سُنا ہو۔ دفعتہً منظر عام پر آئے اور ایک طرف تو فلسفۂ اخلاق، تزکیۂ روح، الٰہیات، معاد، قانونِ معاشرت، اصول تمدن کے وہ دقائق اور نکات بتائے جو کسی حکیم۔ کسی فلسفی۔ کسی مقنن۔ کسی پیغمبر نے کبھی نہیں بتائے تھے دوسری طرف تمام قوم کی قوم میں جو اُس وقت۔ جہالت و وحشت جور و ظلم۔ فسق و فجور۔ سفاکی و خونریزی میں ڈوبی ہوئی تھی پاکیزہ اخلاق اور سچائی کی وہ روح پھونک دے کہ دفعتہً ان کی کایا پلٹ ہو جائے بجز محمد رسول اللہ کے اور کون ہو سکتا ہے؟

غور کرو آنحضرت ؐ کی بعثت کے وقت تمام دنیا کی کیا حالت تھی؟ ہندو اور مصری سیکڑوں خدا یا اوتار مانتے تھے، عیسائی تثلیث کے قائل تھے، صابئین ستارہ پرست تھے، مجوسی یزداں اور اہرمن دو خدا تسلیم کرتے تھے، یہودی توحید کے قائل تھے مگر جس قسم کا خدا مانتے تھے وہ انسان سے کچھ ہی بڑھ کر بلکہ بہت سی باتوں میں برابر یا گھٹ کر تھا، اہلِ عرب یا تو خدا کے سرے سے قائل ہی نہ تھے یا مانتے تھے تو اس قسم کے خدا مانتے تھے جس کے نہایت کثرت سے لڑکیاں (یعنی ملائکہ) تھیں بہت سے فرقے ہر دن کا الگ الگ خدا مانتے تھے۔

یہ انسان کی فطرت ہے کہ جو خیال اُس کے دل میں آتا ہے وہ اُنہی واقعات، روایات، اور خیالات سے ماخوذ ہوتا ہے جو اس کے گردوپیش پھیلے ہوتے ہیں انہی سے وہ ادل بدل کر ایک دوسری صورت بنا لیتا ہے۔ اب غور کرو کہ اگر اس

فطرت کے رو سے آنحضرت کے دل میں خدا کا خیال آتا تو اسی قسم کا خدا ہوتا جو اس زمانہ کے لوگوں کا تھا، لیکن آپ نے جس خدا کی تلقین کی وہ ایسا خدا تھا جو واحد محض ہے، جس کی ذات اور صفات میں کسی شخص کو کسی قسم کا اشتراک نہیں، جو نہ زمین میں ہے، نہ آسمان میں، نہ اوپر نہ نیچے، نہ دائیں نہ بائیں، نہ زمان میں نہ مکان میں اور پھر ہر جگہ ہے، جو ایک ایک ذرہ کو جانتا ہے، چیونٹی کے پاؤں کی آہٹ کو سن لیتا ہے، ہمارے دل کے چھپے ہوئے بھیدوں کو جانتا ہے۔ ایسا منزّہ ایسا کامل۔ ایسا بالاتر خدا انسان خود اپنے خیال سے نہیں پیدا کر سکتا تھا، بلکہ وہی خدا یہ خیال پیدا کرا سکتا تھا جو ان صفات کے ساتھ موصوف ہے،

عیسائیوں نے اس بات کے ثابت کرنے کے لئے بہت کوشش کی ہے کہ آنحضرت پڑھے لکھے تھے، توراۃ و انجیل سے واقف تھے، اور جرجیس نامی ایک عیسائی سے تعلیم حاصل کی تھی، اگر یہ صحیح ہے تو خدا کی نسبت آنحضرت کو یہ خیال پیدا ہونا اور بھی زیادہ بعید بلکہ محال تھا کیونکہ اس زمانہ کی توراۃ و انجیل اور عیسائی معلم اُسی خدا کی تلقین کر سکتے تھے جو خود ان کا خدا تھا، فرانس کا مشہور فاضل کاؤنٹ ہنری دی کاستری اپنی کتاب اسلام[1] میں لکھتا ہے،

"اُن روایات کا پتہ لگانا جن سے یہ ثابت ہو کہ محمد صلعم نے عیسائیوں، یہودیوں اور ستارہ پرستوں کے عقائد بالمشافہ حاصل کئے تھے، فائدہ سے خالی نہیں کیونکہ اس سے ان مقامات کی تشریح ہوتی ہے جہاں قرآن اور توراۃ کی آیتیں ہم مضمون ہیں، لیکن پھر بھی یہ دوم درجہ کی بحث ہے کیونکہ گو یہ فرض کر لیا جائے کہ قرآن آسمانی کتابوں سے ماخوذ ہے لیکن یہ مشکل حل نہیں ہوتی کہ محمد میں یہ مذہبی روح کیوں کر پیدا ہوئی اور وحدانیت کا ایسا مضبوط اعتقاد کیونکر پیدا ہوا، جو اُن کے جسم و روح پر بالکل[2] چھا گیا۔"

یہی مصنف آگے چل کر کہتا ہے

"یہ محال ہے کہ یہ عقاید توراۃ اور انجیل کے مطالعہ سے پیدا ہوا ہو، اگر محمد نے ان کتابوں کو پڑھا ہوتا تو اُن کو اُٹھا کر پھینک دیا ہوتا کیونکہ وہ ان کی فطرت اور وجدان اور مذاق کے مخالف تھیں۔ اس قسم کے اعتقاد محمد کی زبان سے ادا ہونا ان کی زندگی کا سب سے بڑا منظر ہے اور وہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ رسُول صادق اور پیغمبر مامون تھے۔"

(الکلام حصہ دوم علامہ شبلی نعمانی)

---

[1] یہ کتاب فرنچ زبان میں تھی۔ مصر کے ایک عالم نے عربی زبان میں اس کا ترجمہ کیا اور ۱۸۹۸ء میں چھاپ کر شائع کیا۔

[2] ترجمہ کتاب مذکور بزبان عربی مطبوعۂ مصر صفحہ ۱۸۔

ہماری نظر میں

مقدمہ قادیانی مذہب

"مقدمہ قادیانی مذہب" مؤلفہ :- پروفیسر محمد الیاس برنی ضخامت ۲۷۰ صفحات، مجلد گردپوش کے ساتھ، قیمت دو روپے، ملنے کا پتہ :- شیخ محمد اشرف تاجر کتب کشمیری بازار، لاہور!

پروفیسر محمد الیاس برنی کے خامہ حقیقت رقم نے فتنۂ قادیانیت کے خلاف جو جہاد کیا ہے، کیا عجب ہے کہ اس کے صلہ میں اُن کا حشر غازیوں اور مجاہدوں کے ساتھ ہو! ہزاروں نیکیاں ایک طرف اور تنہا یہ ایک "نیکی" ایک طرف!

جناب برنی صاحب کی مشہور تالیف "قادیانی مذہب" (ایڈیشن ششم) کا یہ مقدمہ ہے جو اپنی جگہ خود ایک مستقل کتاب ہے، اس مقدمہ کا ایک ایک صفحہ قادیان کے جھوٹے نبی کے کذب و افتراء کی مستند دستاویز ہے!

"مقدمہ قادیانی مذہب" کے پڑھنے سے یہ بات ہمیں معلوم ہوئی کہ مرزا غلام احمد قرآن کی آیتوں، رسول اللہ کی احادیث اور بزرگانِ دین کے اقوال میں ردوبدل بھی کیا کرتا تھا، ــــــــ "مثلاً" حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اپنے ایک مکتوب میں لکھا کہ جو شخص فلاں ایمانی خصوصیت رکھتا ہو وہ "محدث" کہلاتا ہے مرزا نے وہاں لفظ بدل کر اپنے مطلب کے موافق لکھ دیا کہ وہ "نبی" کہلاتا ہے ــــــ"

احادیث میں بھی اس کذاب نے تصرف اور تحریف سے کام لیا ہے، اخبار الفضل قادیان جلد ۱۴ نمبر ۸۳ مورخہ ۲۲ راپریل ۱۹۲۷ء کی یہ عبارت اس کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہے :-

"حضرت مسیح موعود علیہ السلام (مرزا صاحب) نے نہایت تصریح سے (کتاب) ازالۂ اوہام میں فرمادیا تھا کہ مہدی کے باب میں کوئی حدیث بخاری اور مسلم میں موجود نہیں، لیکن بعد ازاں سہو سے آپ نے (کتاب) شہادۃ القرآن میں "ہذا خلیفۃ المہدی" کا حوالہ بخاری لکھ دیا ــــــ"

مرزائے قادیان نے اپنی کتابوں میں آیاتِ قرآنی بعض مقامات پر غلط سلط درج کر دی ہیں اور یہ دلیل ہے اُس کی کم علمی، جہالت اور قرآن سے بے بہرہ ہونے کی ــــــ مگر الفضل، (جلد ۱۹، نمبر ۳۰ مورخہ ۲۸ر فروری ۱۹۳۲ء) میں ان غلطیوں کی جو تاویل کی گئی ہے، وہ عبرت ہے پڑھنے والوں کے لئے :-

"رہا یہ سوال کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعض کتب کے دو دو تین تین ایڈیشن شائع

ہو چکے ہیں اور تیس چالیس برس کا عرصہ بھی گزر چکا ہے، اب تک کیوں ان (آیات) کی تصحیح نہیں کی گئی سو اس کا جواب میں یہی دوں گا کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت نے یہی تقاضا کیا کہ یہ آیات حضور کی کتب میں اسی طرح لکھی جائیں جیسی کہ حضور کے زمانہ میں سہو کاتب سے یا خود حضور[1] کے بعض دیگر آیات سے تشابہ کے باعث غلط لکھی گئیں ——"

اہلِ حدیث کے مشہور عالم اور مناظر مولانا ثناء اللہ امرتسری مرحوم و مغفور کو مرزائے قادیان نے خط لکھا تھا کہ:-

"... اگر میں ایسا ہی کذّاب و مفتری ہوں جیسا کہ اکثر اوقات آپ اپنے ہر ایک پرچہ (اخبار "اہل حدیث" جو امرتسر سے شائع ہوتا تھا) میں مجھے یاد کرتے ہیں، تو میں آپ کی زندگی میں ہی ہلاک ہو جاؤں گا ... اور اگر میں مکذّب مفتری نہیں ہوں اور خدا کے مکالمہ و مخاطبہ سے مشرف ہوں اور مسیح موعود ہوں تو میں خدا کے فضل سے اُمید رکھتا ہوں کہ سُنت اللہ کے موافق آپ مکذّبین کی سزا سے نہیں بچیں گے پس اگر وہ سزا جو انسان کے ہاتھوں سے نہیں ———— بلکہ خدا کے ہاتھوں سے ہے، یعنی طاعون، ہیضہ، وغیرہ مہلک بیماریاں آپ پر میری زندگی میں ہی وارد نہ ہوئیں تو میں خدائے تعالیٰ کی طرف سے نہیں ——"

چنانچہ یہی ہوا کہ اس دعوے کے سوا سال کے بعد ہی خود مرزا غلام احمد ہیضہ کے مرض میں مبتلا ہو کر ذلّت کی موت مر گیا، تنہا یہی واقعہ اُس کے جھوٹ افترا اور خبثِ باطن کی ناقابلِ تردید شہادت ہے۔

اللہ کے سچے نبیوں کی دیکھا دیکھی اس جھوٹے نبی نے بھی پیشین گوئیاں کیں لیکن وہ جھوٹ اور غلط ثابت ہوئیں، مگر اُس کے گمراہ اُمتیوں کو کیا کہئے کہ ایسی کھلی ہوئی باتوں کی وہ تاویلیں کر کے اپنے دل کو فریب دے لیتے ہیں۔

مرزا غلام احمد نے قادیان سے ۲۴ر فروری ۱۸۹۸ء کو پنجاب کے لفٹنٹ گورنر کے نام ایک درخواست بھیجی تھی اُس کا ایک اقتباس پڑھئے:-

"غرض یہ ایک ایسی جماعت ہے جو سرکار انگریزی کی نمک پروردہ اور نیک نامی حاصل کردہ اور موردِ مراحم گورنمنٹ ہے ... میں نے صدہا کتابیں جہاد کے مخالف تحریر کر کے عرب، اور مصر اور بلادِ شام اور افغانستان میں گورنمنٹ (انگریزی) کی تائید میں شائع کی ہیں ——"!

یہ ہے قادیانیوں کے نبی اور لاہوری جماعت کے مسیح موعود اور مجددِ وقت اور امامِ زماں کا کردار اور اُس کی "عزیمت" (؟) کی ایک جھلک! اور یہ ہے انگریزوں کی وہ نمک پروردہ جماعت جو اپنے کو رُشد و ہدایت کا علمبردار سمجھتی ہے،

---

[1] کذاب کو "حضور" پڑھ کر اور سُن کر جو قلبی اذیت ہوتی ہے وہ بیان نہیں ہو سکتی (م-ق)

انگریزوں کی غلامی پر جس جماعت کی بنیاد رکھی گئی ہو اُس کی شرافت اور دیانت معلوم !

مصر میں بھی قادیانیوں نے پر پُرزے نکالنے شروع کئے تھے کہ شیخ الازہر علامہ مصطفیٰ مراغی اور اُن کے بعد علامہ شیخ عبدالرزاق شیخ الازہر نے اس فتنہ کا انسداد کر دیا،

اخبار الفضل قادیان جلد (۲۶) نمبر ۱۷۷ مورخہ ۴ر اگست ۱۹۳۷ء کی یہ عبارت سینہ پر پتھر کی سل رکھ کر پڑھیئے :-

" مکرمی بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی نے جنھیں خدا تعالیٰ کے فضل سے قابلِ رشک اخلاص اور محبت حاصل ہے، اور دین کے لئے غیر معمولی قربانی اور غلبہ ایثار رکھتے ہیں، حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے حضور ۳۱ر جولائی کو جو اخلاص نامہ چندۂ تحریک کے متعلق لکھا ہے وہ درج ذیل کیا جاتا ہے :-

.. .. اے امیر المومنین خلیفہ وقت! تیری شانِ بلند تک ہم دنیا کے کیڑوں کی رسائی نہیں ہو سکتی تو، مظہر الحق والعلیٰ کان اللہ نزل من السماء، ؎

اے فخر رسل قرب تو معلومم شد   دیر آمدہ زراہ دور آمدہ

اور خود خدا نے مجھ پر ظاہر فرمایا کہ وہ حاضر ہیں لولاک لما خلقت الافلاک تیری ہی شان کے لئے آیا ——"

ہم نے دل پر بڑا جبر کر کے اس خبیث قادیانی کی تحریر کو نقل کیا ہے، بھلا! یہ خرافات کس طرح برداشت کی جاسکتی ہیں۔
فاضل مؤلف نے کتنی سچی بات کہی ہے :-

" یوں بھی سچ پوچھئے تو قادیان کی عُنابی قادیانیت، لاہور کی گلابی قادیانیت سے زیادہ مضرت رساں ہے کہ یہ علت مشکل سے تشخیص میں آتی ہے اور ہلکے بخار کی طرح طبیعت میں بیٹھ جاتی ہے چنانچہ کتنے بھولے مسلمان نادانستہ طور پر اس قادیانی دق میں مبتلا ہیں ——"

پروفیسر محمد الیاس برنی کی یہ دینی خدمت اسلامی تاریخ میں نقشِ دوام حاصل کر چکی ہے، فجزاہ اللہ خیر الجزاء،

حیاۃ المسلمین

" حیاۃ المسلمین " از :- مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم حجم ۲۰۸ صفحے، مجلد گرد پوش کے ساتھ، قیمت ایک روپیہ بارہ آنہ ملنے کا پتہ :- دینی بک ڈپو، اردو بازار جامع مسجد، دہلی !

اس کتاب میں " اسلام و ایمان " سے لیکر، عبادات حقوق اور بعض معاشرتی مسائل تک کا بیان ہے اور اُن سب کے لئے آیاتِ قرانی اور ارشاداتِ نبوی کو حجت بنایا گیا ہے، عبارت اسقدر آسان، سہل اور عام فہم ہے کہ معمولی لکھے پڑھے لوگ بھی اُس سے بلا تکلف فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

صفحہ (۱۹۱) پر کوٹ پتلون اور گرگابی جوتا پہننے اور میز کرسی پر چھری کانٹے سے کھانے کو —— جو گناہ کہا گیا ہے، وہ درست نہیں ہے! لباس کے سلسلہ میں اصل صورت کو اس طرح سمجھنا چاہیئے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے عہد مبارک میں صحابہ کرام کا عام لباس تہبند، پاجامہ، کرتہ، عبا، اور چادر تھی! مگر اب مسلمان تمام دنیا میں پھیل گئے ہیں،

اس لئے اُن کا کوئی ایک قومی اور امتیازی لباس نہیں رہا، پھر بھی جن ملکوں میں مسلمانوں کا کوئی خاص امتیازی لباس ہو وہاں کفار کے لباس اور وضع قطع کے تشبہ سے بچنا چاہئیے۔

حضرت حکیم الامت کی دوسری کتابوں کی طرح یہ کتاب بھی خشیتِ الٰہی اور خوفِ آخرت پیدا کرتی ہے اور اس کتاب کے مطالعہ میں جو وقت صرف ہوتا ہے وہ عبادت میں گزرتا ہے!

مسلمان اور نظریہ شرافت

"مسلمان اور نظریہ شرافت" از:- سید رفیق مارہروی، ضخامت ۵۶ صفحات
ملنے کا پتہ:- نظامی پریس بدایوں (یو-پی- بھارت)

تذکروں اور تاریخی کتابوں میں خاندانی شجرے اور نسب نامے بڑے اہتمام کے ساتھ درج کئے جاتے ہیں مگر یہ کتاب اپنے موضوع پر کم از کم اُردو میں عجیب نادر کتاب ہے کہ اس میں بڑے بڑے مستند خاندانوں اور شریف خانوادوں کا حسب نسب اور اصل اس طرح بیان کی گئی ہے کہ کسی کا ننہالی سلسلہ کسی کنیز (ام ولد) تک پہونچتا ہے اور کسی کے جد امجد غلام ٹھیرتے ہیں، اور بہت سے خاندانوں کے سلسلہ نسب کی بعض کڑیاں ہی گم ہیں۔

مسلمانوں میں سادات سب سے زیادہ شریف، مستند اور محترم سمجھے جاتے ہیں مگر مصنف نے اپنی تحقیق سے ثابت کیا ہے، کہ بہت سے ائمہ سادات کنیزوں کی اولاد ہیں اور چونکہ صاحب تصنیف ساداتِ مارہرہ کے نہایت ہی مستند شریف خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے اُن کو تحقیق کے بعد اظہار حال کا حق حاصل ہے، کوئی مُغل، پٹھان، کنبوہ، یا (جدید) قریشی اور انصاری یہ بات کہتا تو یہ سمجھا جا سکتا تھا کہ وہ اپنے نسب کی کسی خامی کو چھپانا چاہتا ہے۔

حسب ونسب پر فخر کی باتیں جاہلیت کی باتیں ہیں، اسلام میں آدمی کی عزت کا معیار "تقویٰ" ہے، نہ کسی عرب کو عجم پر فضیلت ہے، اور نہ عجم کو عرب پر!

(صفحہ ۱) "ارفعیت نسل اور اکملیت نسب" "ارفعیت" اور "اکملیت" غلط نہیں ہے مگر اُردو جاننے والوں کے لئے نامانوس ہے ——— اسی طرح صفحہ (۳) پر "خواہش مند" کو "خواہش گیر" لکھا ہے ——— صفحہ (۲۹) پر "مستعربہ" کی جگہ "مستعبیرہ" لکھا ہوا ملتا ہے ——— (صفحہ ۴۸) "جعفر طیار" کا املا "جعفر طرار" وجدان پر گراں گزرتا ہے ——— صفحہ (۵۱) پر یزید کو زانی ومشرک" لکھا ہے، ممکن ہے کسی مورخ نے یزید کو "زانی" لکھ دیا ہو مگر اُسے "مشرک" کہنا تو بالکل خلافِ واقعہ ہے اور "شرک" کا الزام تو اُس پر کسی متعصب سے متعصب شیعہ مورخ نے بھی نہیں لگایا، ——— اسی صفحہ پر "دلگداز داستان" کو "دل سوز داستان" لکھا ہے!

مصنف نے رسالہ نگار کے کسی مضمون کا جو ہوش بلگرامی کا لکھا ہوا ہے، حوالہ دے کر اپنی کتاب کے وزن کو کم کر دیا!

جناب رفیق مارہروی کی یہ کتاب خاصی دلچسپ ہے ؟ مگر ہمیں اندیشہ ہے کہ اُن کی اس تحقیق پر ان کے خاندان کے بعض افراد ناخوش ہوں گے اور خود اُن کے والد حضرت احسن مارہروی مرحوم زندہ ہوتے تو وہ بھی اس تحقیق کی شاید داد نہ دیتے ـــــ یہ کتاب خاندانی شرافت کے پندار پر بھر پور ضرب ہے !

قلعہ الموط

"قلعہ الموط" از:- ثمر جالندھری، ضخامت ۲۷ صفحے، قیمت بارہ آنہ، ملنے کا پتہ:- مکتبہ ادب نواز، کشمیری بازار، لاہور!

علامہ اقبال نے کہا تھا:-

ساحرِ الموط نے تجھ کو دیا برگِ حشیش اور تو اے بے خبر! سمجھا اسے شاخِ نبات

تو یہ کتاب اسی قلعہ "الموط" اور "حشیشین" کی افسانوی تاریخ ہے،

قلعہ الموط اپنی کہانی خود اپنی زبان سے سُناتا ہے، اس میں حسن بن صباح، نظام الملک طوسی، طغرل بیگ، قرامطہ، سلاجقہ اور فاطمیین کے حالات آتے چلے جاتے ہیں، مصنف کا اسلوبِ نگارش دلچسپ ہے۔

صفحہ (۵) "بھائی بھائی کا گردن زدنی" ـــــ "گردن زدنی" کے معنیٰ ہوتے ہیں "گردن مارے جانے کے قابل" یہاں "بھائی بھائی کا قاتل" یا "بھائی بھائی کے خون کا پیاسا" لکھنا چاہیئے تھا ـــــ صفحہ (۱۰) "اس محلہ میں دو چار گھر ایسے بھی ہیں جن میں چولھا پھونکنے کی نوبت بھی نہیں آتی۔۔" "چولھا گرم ہونے" یا "جلنے کی نوبت نہیں آتی" بولا جاتا ہے ـــــ (صفحہ ۱۱) "آپ نے مادر گیتی پر سیکڑوں نہیں ہزاروں افسانے تھرکتے دیکھے ہیں" ـــــ پورا جملہ ہی "ترقی پسندانہ" ہے اس لئے مہمل ہے ـــــ (صفحہ ۱۳) "جگہ جگہ ضخیم پتھر ہیں" ـــــ پتھر کے ساتھ "ضخیم" اچھا نہیں لگتا ـــــ صفحہ (۳۰) پر "بیگانگی" کو "بیگانگت" لکھا ہے ـــــ

(۵۷) "چاروں طرف سبزہ ہی سبزہ مہکنے لگا ہے" ـــــ سبزے میں خوشبو اور مہک بھی ہو سکتی ہے (اگرچہ عام طور پر ایسا نہیں ہوتا) مگر سبزے کی عام اور مشہور صفت "مہکنا" نہیں "لہکنا" ہے! ـــــ (صفحہ ۷۰) "وقت کی تیز رو آندھی اس سرسبزی اور شادابی کو بھی بہا کرلے گئی" ـــــ "اڑا کرلے گئی" لکھنا چاہیئے تھا ـــــ (صفحہ ۷۱) "میں نے اپنی گود میں ایسے ناسور پالے ہیں، جنھوں نے اپنے مواد کو مخلوقِ خدا پر کچھ اس طرح پھینکا کہ چاروں طرف بڑے بڑے زہریلے کیڑے پیدا ہو گئے" ـــــ یہ اندازِ بیان، وجدان کے لئے کس قدر تکلیف دہ ہے!

"قلعہ الموط" پر یہ پہلی کتاب ہماری نظر سے گزری، توقع ہے کہ مکتبہ ادب نواز اور زیادہ بہتر معلومات آفریں کتابیں منظرِ عام پر لائے گا۔

تعلیماتِ رسولؐ

"تعلیماتِ رسولؐ" از:- محمود احمد ظفر سیالکوٹی، حجم ۱۵۰ صفحات، دیدہ زیب کتابت و طباعت، مجلد رنگین گردپوش کے ساتھ، قیمت ایک روپیہ بارہ آنہ، ملنے کا پتہ:-

مکتبہ ادب نواز کشمیری بازار، لاہور

اس کتاب میں جناب مولانا محمود احمد ظفر سیالکوٹی نے سیدھے سادے اور عام فہم انداز پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس تعلیمات کی روشنی میں آدابِ معاشرت کو پیش کیا ہے، سلام، کلام، نشست و برخاست، کھانے پینے، مہمان نوازی، بیمار پرسی اور مجلس میں اٹھنے بیٹھنے میں، حضورؐ کی "سنت" کیا تھی؟ اسے احادیث کے حوالہ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

(صفحہ ۹) ؎ کہیں معبود تھے پتھر کہیں مسجود تھے شجر

اس مصرعہ میں غالباً کاتب صاحب نے "تھے" کا اپنی طرف سے اضافہ فرما دیا ——— (صفحہ ۱۶) "ان پر سلام کہی ——— "سلام" مذکر ہے، (صفحہ ۵۵) "استفادہ حاصل کریں" ——— "استفادہ کریں" لکھنا تھا، "حاصل" زائد ہے ——— (صفحہ ۱۰۲) "آج کل ہمارا گریجویٹ طبقہ اس سنت سے بالکل نابلد اور ناآشنا ہے" "گریجویٹ" کی جگہ "انگریزی تعلیم یافتہ" یا "مغرب زدہ طبقہ" ہوتا تو معنیٰ میں زیادہ وسعت پیدا ہو جاتی ——— (صفحہ ۱۰۶) "انھوں نے صرف اسلام کو نماز روزہ کے حیزہ میں ہی محدود سمجھا" ——— "حیزہ" نے اس جملہ کو کتنا بوجھل بنا دیا ——— (صفحہ ۱۰۹) "اور مجھے پیچھے آکر گردن سے پکڑ لیا" ——— "اور پیچھے سے آکر میری گردن پکڑ لی" لکھنا چاہیئے تھا ——— (صفحہ ۱۳۹) "اس دنیائے فانی سے ہر شخص نے دار البقا کو جانا ہے ——— "نے" کا استعمال یہاں نادرست ہے۔

صفحہ (۲۵) پر بہ روایت بزار ایک حدیث نقل کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے کھڑے کھانے پینے سے منع فرمایا ہے ——— حالانکہ بخاری میں حضرتِ علی کرم اللہ وجہ سے حدیث مروی ہے کہ آپ نے کھڑے ہو کر پانی پیا اور لوگوں سے کہا کہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح پانی پیتے ہوئے دیکھا ہے ——— صفحہ (۲۰) "ان اللہ لایحب کل مختال فخور" کے اس ترجمہ (بے شک اللہ تعالیٰ اترا کر چلنے والوں سے محبت نہیں کرتا) کی جگہ اگر یہ ترجمہ ہوتا ——— اور بے شک اللہ تعالیٰ اترا کر چلنے والوں کو پسند نہیں کرتا یا دوست نہیں رکھتا ——— تو مفہوم کی زیادہ بہتر طور پر ترجمانی ہو جاتی ———

اس زمانہ میں جب کہ مسلمانوں کی معاشرت میں عجمیت اور فرنگیت بہت سے چور دروازوں سے داخل ہو چکی ہے، "تعلیماتِ رسولؐ" جیسی شائستہ کتابوں کو عام کرنے کی ضرورت ہے، اور جو کوئی زبان و قلم اور درہم و قدم سے اصلاح کے لئے سعی کر رہا ہے، وہ مبارکباد کا مستحق ہے۔ "تعلیماتِ رسولؐ" یقیناً ایک مفید اخلاقی پیش کش ہے!

درست اُردو

"درست اُردو" از:— عاصی ضیائی رام پوری، ضخامت ۱۴۰ صفحات، قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

ملنے کا پتہ:— مکتبہ فروغ اُردو بازار کھٹیکان، سیال کوٹ شہر!

پروفیسر عاصی ضیائی نہ صرف یہ کہ صاحبِ فکر انشا پرداز اور بلند پایہ تنقید نگار ہیں بلکہ آپ "زبان و بیان" پر بھی گہری نگاہ رکھتے ہیں، اور زبان و بیان کی اس بے راہ روی کے دور میں جس انشا پرداز اور اہلِ قلم میں یہ خصوصیت پائی جاتی ہے وہ اور زیادہ قابلِ قدر ہے!

اس کتاب میں کیا ہے؟ وہ اس کے نام سے ظاہر ہے، فاضل مصنف نے بولنے اور لکھنے کی اُن غلطیوں کی نشان دہی کی ہے، جو لوگوں کی ناواقفیت اور بد ذوقی کے سبب رواج پاتی جارہی ہیں —— اُن میں چند یہ ہیں:-

"نہ ہی":- "نہ ہی میں نے کھانا کھایا، نہ ہی میں نے پانی پیا"[1] —— "کئی" —— "کئی لوگوں نے اس سال حج کیا"[2] —— "بُرا منانا" —— "اگر آپ برا نہ منائیں تو ایک بات کہوں"[3] —— "سوچ و بچار"[4] —— "چیخ و پکار"[5]

جناب عاصی صاحب نے بڑے دل نشین اور عام فہم انداز میں اپنے مفہوم کو ادا کیا ہے، اور ہر جگہ علم و فن کے وقار کا پورا پورا خیال رکھا ہے، اس انداز کی پہلی کتاب ہماری نظر سے گزری اور بڑی مسرت ہوئی کہ جہاں زبان کے بگاڑنے والے موجود ہیں وہاں اس کے سنوارنے والوں سے بھی دُنیا خالی نہیں ہے،

(صفحہ ۱۰۴) "فرانسیسی اور جرمن زبان کی پیروی کی گئی معلوم ہوتی ہے" اس میں "ترجمہ" کا رنگ پیدا ہوگیا اس مفہوم کو دوسرے لفظوں میں ادا کیا جاتا تو اچھا تھا —— (صفحہ ۱۳۳) "ہتک" کے محاذی خانہ میں (جو فارسی اور عربی کے صحیح تلفظ کے لئے مخصوص ہے) "ہُتک" لکھنا چاہیے تھا کہ عربی میں "ہتک" کی "ت" ساکن ہے ——

عوام کے تلفظ کا زبان میں یقیناً ایک وزن ہے مگر اس کے بھی کچھ حدود ہیں، اس لئے عاصی صاحب کی اس رائے سے "ان عوامی گفتگو کے مصادر کا تلفظ وہی زیادہ صحیح ہے جو عوام کا ہے ——" ہمیں کلی طور پر اتفاق نہیں ہے —— "تخت" کا تلفظ "تخَت" اور "حلف" کا "حلَف" تو بیشک عوام کی زبان ہے مگر "عِلَم" "شُکَر" "حِفَظ" اور "ظُلَم" عوام کی نہیں جاہلوں کی زبان ہے۔

"درست اُردو" زبان کی درستی اور اصلاح کی سمت ایک مفید اقدام ہے اور مصنف کی کوشش سراہنے کے قابل ہے، اس کا مطالعہ اہلِ زبان اور غیر اہلِ زبان سب کے لئے فائدہ مند ہے، حکومتِ پاکستان کو اگر اُردو کی ترویج و اشاعت کی کبھی توفیق نصیب ہوئی تو پروفیسر ضیائی جیسے زبان دانوں اور گرامر کے ماہرین کی خدمات سے فائدہ اٹھانا ضروری ہوگا!

---

[1] نہ تو میں نے کھانا کھایا اور نہ میں نے پانی پیا (صحیح) [2] بہت سے لوگوں نے اس سال حج کیا (صحیح) [3] اگر آپ برا نہ مانیں تو ایک بات کہوں (صحیح) [4]، [5] سوچ بچار اور چیخ پکار —— میں "واو" عطف لانے کی ضرورت ہی نہیں!

مکتبۂ ادب نواز لاہور کی بچوں کیلئے کتابیں

مکتبہ ادب نواز (کشمیری بازار-لاہور) نے بچوں اور بچیوں کے لئے سترہ کتابوں کا ایک سٹ تیار کیا ہے، جن کا مقصد یہ ہے کہ نونہالوں کو دین اور اخلاق سے مناسبت پیدا ہو، اسی نیک جذبہ کے ساتھ یہ کتابچے (BOOK LETS) لکھے گئے ہیں، جس پر مکتبہ ادب نواز کو ہم مبارکباد دیتے ہیں۔ کتابت و طباعت میں ظاہری حُسن پیدا کرنے کے لئے خاصہ اہتمام کیا گیا ہے۔

(۱) **"ادبی قاعدہ کلاں"** از عبدالرحمٰن طارق (بی-اے) ضخامت ۳۲ صفحات (تصویروں کے ساتھ) قیمت دو آنہ، —— یہ قاعدہ کمسن بچوں کی استعداد اور نفسیات کے مطابق اچھے اسلوب پر لکھا گیا ہے، حرفوں سے لفظ اور لفظوں سے جملے کس طرح بنتے ہیں، اس کو سہل اور آسان انداز میں سمجھایا گیا ہے، اس قاعدہ کو ختم کرنے کے بعد بچہ سادہ اور آسان عبارت پڑھنے کے قابل ہو سکتا ہے۔

(۲) **"فرعون کی بیٹی"** از:- عبدالرحمٰن شوق، ضخامت ۳۲ صفحے، قیمت چار آنہ!

اس کتابچہ میں حضرت ہاجرہ کی زندگی کے واقعات مصنف نے بیان کئے ہیں، صفحہ (۱۱) پر بخاری اور مسلم کی روایات کا جو حوالہ دیا گیا ہے اُس کے سمجھنے میں بچوں کو اور سمجھانے میں اُستادوں کو دشواری ہوگی۔

(۳) **"سفید بال"** از:- حمید انور، ضخامت ۳۲ صفحات، قیمت چار آنہ!

اس کتابچہ میں ایک اخلاقی کہانی بیان کی گئی ہے جو دلچسپ ہے —— (صفحہ ۱۲) "بیوی نے جب اُسے (اپنے خاوند کو) عام قیدیوں کے لباس میں زنجیروں سے جکڑے ہوئے دیکھا تو وہ مدہوش ہوگئی" —— "بیہوش ہوگئی" لکھنا چاہیئے تھا۔ "مدہوشی" میں سرور و کیف ہوتا ہے جس کا یہاں محل نہیں (صفحہ ۱۸) "اس واقعہ کی بھنک سہیل کے کانوں میں بھی پڑھ گئی" —— "پڑ گئی" لکھنا تھا، یہ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے —— (صفحہ ۲۵) "ایسے موقع پر "اعتبار کو توڑنا" غلط ہے —— (صفحہ ۴) "یہ تو الٹا بزرگی کی نشانی ہوئی" "اُلٹی" ہونا چاہیئے!

(۴) **"دُنیا کی پہلی عورت"** از:- شوق، ضخامت ۳۲ صفحات، قیمت چار آنہ!

اس کتاب میں حضرت حوا علیہا السلام کی پیدائش اور حضرت آدمؑ اور ابلیس کے قصے کو آسان انداز میں پیش کیا گیا ہے —— (صفحہ ۶) "یہ نوع انسان تن تنہا رہنے لگے" اس جملہ کی ترکیب ہی درست نہیں۔ (صفحہ ۲۶) "برگزیدہ" کو کاتب نے "برگندیدہ" لکھ دیا ہے، بچوں کی کتابوں میں کتابت کی صحت کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہیئے!

(۵) **"قلعہ حلب"** از:- حمید انور، ضخامت ۹۸ صفحات قیمت چھ آنہ!

اس میں قلعہ حلب کی فتح کو دلچسپ کہانی کے طرز پر بیان کیا ہے جسے پڑھ کر بچوں میں جہاد کی اسپرٹ پیدا ہوگی، دوسرے قصہ میں محمد بن قاسم کے فاتحانہ کارناموں کو پیش کیا ہے —— صفحہ (۹) "آپ (حضرت داعش

اس قدر بہادر اور خوفناک تھے کہ صحرا کے بدو نام سن کر گھبرا اٹھتے " " خوفناک " کی جگہ " بارعب " یا اسی قسم کا کوئی لفظ لانا تھا ——— " صفحہ ۱۱ " " اچھے اچھے سورماؤں کو ایک ہی پٹخنی میں باندھ کے ڈال دیا " " ایک ہی پٹخنی میں چت کر دیا یا زیر کر دیا " لکھنا تھا ——— (صفحہ ۱۶) " حضرت واسس بھی پوری ٹوہ میں رہتے تھے " " پوری " یہاں ٹھیک استعمال نہیں ہوا ——— (صفحہ ۳۲) " کچھ روز انتظار کرنی چاہیئے " " انتظار " تو مذکر ہے ——— (صفحہ ۳۵) " ایک اور شخص کو گردن سے پکڑ لائے " یہ کیا اندازِ بیان ہے ؟ ؟ " ایک اور شخص کو گردن پکڑ کر لائے " لکھنا تھا !

(۶) **" ملکہ سبا "** از :- عبدالرحمٰن شوق، حجم ۳۲ صفحے، قیمت چار آنہ

اس کتابچہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام اور سبا کی ملکہ بلقیس کا ذکر ہے ——— (صفحہ ۲۸) " اور اس سے محبت سے رہنے لگے ——— " اور اس کے ساتھ پیار محبت سے رہنے لگے " لکھنا چاہیئے تھا ——— " تاریخ الخمیس بہ حوالہ حیات الحیوان " ——— " دخانی قوت کا انکشاف " اور " مرکزِ ترسیل " جیسے الفاظ نے ہلکی پھلکی کہانی کو بوجھل بنا دیا ہے، یہ الفاظ بچوں کی استعداد سے بہت اونچے ہیں۔

(۷) **" بغدادی شہزادے "** از :- خانزادہ فضل احمد خاں اختر (حاجی) ضخامت ۶۲ صفحات قیمت آٹھ آنے ! ——— اس کتاب میں ریاست بہاول پور کی تاریخ بیان کی گئی ہے ! اور بہاول پور کے موجودہ فرمانروا کے سوانح حیات اور اُن کے دور کی ترقیوں کو خوب پھیلا کر پیش کیا ہے، اس دورِ جمہوری میں " ہمارے آقائے ولی نعمت " اور " سرکارِ والا شان " کی جگہ جگہ تکرار ایک مضحکہ سا معلوم ہوتی ہے۔

جناب فضلِ احمد خاں اختر کے نام کے ساتھ " ممبر مجلسِ عاملہ آل پاکستان مسلم ایجوکیشنل کانفرنس " ان کی ہر کتاب میں لکھا ہوا ملتا ہے، نہ جانے یہ کونسا اعزاز ہے جس کے اظہار کی ضرورت محسوس کی گئی! مکتبۂ ادب نواز نے صاحب سے متعدد کتابیں بچوں کے لئے لکھوائی ہیں، جن میں زبان و بیان کی غلطیاں ملتی ہیں، قریب قریب ہر کتاب کے آغاز میں فضل احمد خاں صاحب اختر نے ایک عجیب و غریب " دیباچہ " تحریر فرمایا ہے اور کچھ شعر بھی درج کر دیئے ہیں جن میں " شعریت " نام کو بھی نہیں پائی جاتی، اور کہیں کہیں تو بعض شعر بحر ہی سے خارج ہیں ——— اُس پر تماشا یہ کہ منیجر صاحب مکتبہ ادب نواز نے اختر صاحب کو :-

" اُردو کے مایہ ناز مورخ و ادیب اور نامور افسانہ نگار و صحافی "

لکھا ہے ——— اور سب سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ مولانا ابو الکلام آزاد، مفتی کفایت اللہ (مرحوم) مولانا سید سلیمان ندوی، ڈاکٹر ذاکر حسین اور پروفیسر رشید احمد صدیقی جیسے ذمہ دار اکابر اور اہلِ علم نے ان کی تعریف کی ہے، . . . . ، اگر اکابر اور اہلِ فکر نے اپنی رائے کے دینے میں

اسی فراخ دلی سے کام لیا تو ان کی رائے کا اعتبار ہی اُٹھ جائے گا۔

"بغدادی شہزادے" میں مصنف کی نظم کا یہ شعر بحر سے خارج ہے:۔

نام قلم کا دنیا میں اچھالا تم نے ۔۔۔ بول پاکستان کا کیا دہر میں بالا تم نے

مصرعہ اولیٰ میں ممکن ہے کہ "اسلام" کی جگہ کاتب نے غلطی سے "قلم" لکھ دیا ہو مگر مصرعہ ثانی کی کیا توجیہ کی جائے گی؟

یہ کتاب چھوٹے بچوں کے لئے لکھی گئی ہے مگر ایک جگہ تحریر کا یہ انداز ہے:۔

"ادھر گلاب کی منہ بند کلی عاشقِ زار کے دل کی طرح بل کھا رہی ہے تو اُدھر گلِ لالہ معشوقانہ انداز سے قہقہے پر قہقہہ لگا کر ہوا کو اور بھی مشک بیز بنانے میں نازاں ہے ــــ" (صفحہ ۵) اس جملہ کی کوئی چول ہی سیدھی نہیں ہے۔

(صفحہ ۳۸) "۱۰ مارچ ۱۸۹۹ء کو دستار بندی ہوئی" ــــ "تاج پوشی" یا "تخت نشینی" ہوئی لکھنا تھا، "دستار بندی" تو مکتبوں اور مدرسوں کی اصطلاح ہے ــــ صفحہ ۵۰ پر "آمدنی" کو "آمدن" لکھا ہے۔

(۸) **"لیل و نہار"** از:۔ خانزادہ فضل احمد خاں اختر (حاجی) ضخامت ۹۶ صفحات، قیمت بارہ آنہ۔

اس کتاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلفائے راشدین اور امہات المومنین کے سوانحِ حیات پیش کئے گئے ہیں، موضوع کی افادیت اور پاکیزگی پر کون بدبخت حرف گیری کر سکتا ہے کوئی شک نہیں کہ مصنف نے پورے خلوص اور دردمندی کے ساتھ کتاب لکھی ہے اور بہت کام کی باتیں اس میں آگئی ہیں۔

"حرفِ اول" خود مصنف نے لکھا ہے، اس کے شروع کا حصہ پڑھئے اور لوٹ لوٹ جائیے:۔

"زبانِ قلم سے نکلے ہوئے الفاظ صفحۂ قرطاس پر حسن قلم کی شوخی و طراری، حُسنِ طبیعت کی سنجیدگی و متانت، حسنِ خیال کی دلآویزی ملاحت اور حسن زبان کی شیرینی و حلاوت کے حامل ہوتے ہیں، قلم معمورۂ محبت سے عوام الناس کے ذہنی و روحانی کمالات اُبھارنے اور سدھارنے کا ایک موثر و بہترین ذریعہ ہے، سچی داستانیں من گھڑت قصے کہانیوں سے بدرجہا بہتر دلفریب اور جادو کا اثر رکھتی ہیں بشرطیکہ وہ وسعتِ معلومات، مشاہدات اور محسوسات کے حقائق پر مبنی ہوں تو طرزِ تحریر کی "آزادخرامی" گلشنِ ادب میں جابجا دلنشین جولانیوں کے رنگا رنگ زندگی افروز سدا بہاری پھول کھلا کر حقیقت استدراک میں اعانت کرتی ہیں ــــ"

آپ نے مہر و محبت سے کیا ہر دل میں گھر ۔۔۔ ہر طبیعِ غیور پر کیا شیریں کلامی سے اثر (صفحہ ۴)

مصرعہ ثانی بحر سے خارج ہے ــــ صفحہ (۷۴) "حضرت علیؓ آپؐ کی جگہ پر بستر میں سوئے" ــــ یہ جملہ کاش اس طرح ہوتا "حضرت علیؓ آپؐ کی جگہ بستر پر سوئے" ــــ صفحہ (۷۰) پر "بے نیلِ مرام" کو "بے نیل و مرام" لکھا ہے

(صفحہ ۹۳) "افسوس کہ آپ کی زندگی نے ایفانہ کی ـــــ "وفانہ کی" لکھنا چاہیئے تھا۔

(۹) "پیغمبر کی بیٹی" از:۔ عبدالرحمن شوق، ضخامت ۳۲ صفحات۔ قیمت چار آنہ

اس کتاب میں حضرت شعیب علیہ السلام کی صاجزادی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زوجہ محترم حضرت صفوراؑ کے حالات کو پیش کیا گیا ہے ـــــ "بیگم حضرت موسیٰ کلیم" کھٹکتا ہے ـــــ اور "ازار" کا املاء "آزار" جگہ جگہ ملتا ہے ـــــ

(۱۰) "کم سن مجاہد" از:۔ خانزادہ فضل احمد خاں (حاجی) ضخامت ۱۰۳ صفحات، قیمت ایک روپیہ

اس کتاب میں حضرت خالدؓ بن ولید کی معرکہ آرائیوں اور مجاہدانہ کارناموں کو پیش کیا گیا ہے!

گردِ یاسِ ناروا سے سینہ تیرا صاف ہو
دفترِ عبرت ہے تو آئینہ اسلاف ہے

"گردِ یاسِ ناروا" قطعاً مہمل بلکہ مضحکہ انگیز" ترکیب ہو!

(صفحہ ۶) "سچی ہمدردی و رواداری کے لبادے نے انھیں مصلح بنادیا" اس "لبادے" کا بھی جواب نہیں ـــــ توبہ!

(صفحہ ۶) "کامیابی و کامرانی کا سبق از بر کرواکر نظامِ زندگی سکھایا" اس جملہ سے لکھنے والے کی ناپختہ کاری ظاہر ہوتی ہے (صفحہ ۱۶) "مسلمانوں نے لشکر کفار کو نیزوں کی بھاڑ پر رد کا ـــــ شاید "باڑھ" کہنا چاہتے ہیں! "پر" بھی یہاں ٹھیک استعمال نہیں ہوا، ـــــ (صفحہ ۲۳) "اس دنیا پر اسلام کا بول بالا ہو ـــــ "میں" کا محل تھا ـــــ (صفحہ ۳۰) "جبروت و سطوت اور جلالِ خلافت سے متفقہ طاقت بنا کر قیصر والیٔ روم کے مقابل صف آرا ہوئے" ـــــ "طاقت بنا کر" یہ کیا بات ہوئی؟

(۱۱) "جانباز حبشی" از:۔ خانزادہ فضل احمد خاں (حاجی) ضخامت ۴۶ صفحات، قیمت آٹھ آنہ

سرزمین عرب ہو جاتی ہے اکثر سوگوار
یاد آتا ہے جونہی وہ تیرا عہدِ خوش گوار

"شعریت" کا تو یہاں نام ہی نہ لیجئے ـــــ مگر اس "عَرَب" (بروزن غرب) کا بھی کوئی جواب ہو؟

بے نواؤں کے لئے دل میں سدا الفت رہی
ہاتھ کو تیرے ہمیشہ تیغ سے نفرت رہی

یہ شعر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی مدح میں ہے ـــــ حالانکہ اسی کتاب کے صفحہ ۱۱ اور ۱۲ پر لکھا ہے کہ غزوۂ بدر میں حضرت بلال رضؓ نے اُمیہ کو اپنے ہاتھ سے تہ تیغ کیا، اور اس کے بعد بھی بہت سی لڑائیوں میں شرکت کی اور بہادری کے جوہر دکھائے۔

رحم سے لبریز دل واں کر لیا کیوں کر کڑا
سچ بتا دشمن سے تو فیسارہ پر کیسے لڑا

پہلا مصرعہ بحر سے خارج ہے۔

اس کتاب میں حضرت سیدنا بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات درج ہیں ـــــ (صفحہ ۵) "رفاہِ عام کی منفعت چاہتے ہیں" مصنف کو "رفاہ" کے معنیٰ ہی معلوم نہیں ہیں ـــــ (صفحہ ۱۰) "ایمائے محمدی کا اشارہ" حالانکہ "ایماء" میں "اشارہ کرنے" کا مفہوم موجود ہے "ایمار کا اشارہ" "شبِ لیلۃ القدر کی رات" والی بات ہے، (صفحہ ۳۱)

"جب آفتاب اسلام نیر عالم پر طلوع ہوکر اپنی درخشانی سے ظلمتِ گناہ کو دور کرنے میں کامیاب ہوکر دنیا میں جلوہ افروز ہوتا ہے"—— یہ زبان وادب کے ساتھ، ایک طرح کا مذاق ہے اور "آفتاب اسلام" کے "نیر عالم" پر طلوع ہونے کا تو جواب ہی نہیں —— لاحول ولاقوۃ!

اقبال کے شعر کی اس طرح مٹی پلید کی ہے:—

تیرے قرآن کو سینوں سے لگایا ہم نے زیر خنجر بھی توحید کا پیغام سنایا ہم نے (صفحہ ۳۵)

یہ غلطی کس کے نامہ اعمال میں لکھی جائے؟ کاتب کے یا مصنف کے! (صفحہ ۵۲) "جنگلوں اور بیابانوں کی خاک چھانتے بے گھر دبے در پہاڑوں اور غاروں میں بسیرا کرتے فلسطین میں جا پہونچے ——" "بے گھر" اور "بے در" کے درمیان واؤ عطف سے صرف نظر کر جایئے مگر یہ "بسیرا" کیا ہے؟ "بسیرا کرنا" تو پرندوں اور جانوروں کے لئے بولتے ہیں —— (صفحہ ۵۷)

"عبدالرحمٰن پرلے درجہ کا رحم دل، نغز گو اور فصیح شاعر تھا"—— اوّل تو "نغز گو" بچوں کی سمجھ سے بہت اونچا لفظ ہے، "فصیح ہونا" شاعر کی نہیں واعظ اور مقرر کی صفت ہے —— اور "پرلے درجہ" نے تو مصنف کی زباں دانی اور قابلیت کی ساکھ ہی کو گرا دیا! "پرلے درجہ" تعریف کے لئے نہیں "منقصت" کے لئے آتا ہے، یوں تو بولتے ہیں کہ "وہ پرلے درجہ کا بزدل ہے" مگر یوں کوئی نہیں بولتا کہ وہ "پرلے درجہ کا بہادر ہے"! ہاں! طنز کرنی ہو تو اس طرح بول سکتے ہیں اور اس میں ظاہر ہے کہ مدح مقصود نہیں ہوتی۔

(۱۲) **عورت کا انتقام** از:— خانزادہ فضل احمد خاں اختر، ضخامت ۹۶ صفحے، قیمت دس آنہ

؎ عہدِ جاہلیت کا جبھی رکھا گیا تھا اُس کا نام

؎ اسلام نے دُنیا پہ کردی یہ حقیقت بے نقاب

؎ عوام کے حالات سارے تونے بتلائے ہیں

؎ تونے قرآن یہ سب قصہ سُنایا آن کر

یہ مصرعے بحر سے خارج ہیں! جو شخص ناموزوں طبع ہو، اور آسان اور متداول بحروں میں بھی مصرعوں کو ٹھیک طرح نہ جوڑ سکے اُسے "شاعر" کون کہہ سکتا ہے، اور اُس کو اپنی تک بندی کو چھاپنے کی جرأت کس طرح ہوتی ہے —— اور ایسی کتابوں کی اشاعت کے لئے پبلشر بھی تقدیر سے مل جاتے ہیں! افسوس بھی اور حیرت بھی!

صفحہ (۶) پر "کفارِ عرب" کو "کفاران عرب" لکھا ہے —— "ہاجرہ" (صفحہ ۱۱) کے املا "حاجرہ" کو کتابت کی غلطی ہی فرض کر لیجئے —— مگر "ابنِ قمیہ" کو "ابن قیمیہ" جو لکھا ہے اس کی کیا توجیہ کیجئے گا؟۔(صفحہ ۵) "تیغ دتلوار کی بجلیاں کوندیں، شانِ شاہانہ کو جلا کر خاکستر کر دیا" "تیغ دتلوار" پر صبر کیا جاسکتا ہے مگر "شانِ شاہانہ کو جلا کر خاکستر کر دیئے" کا بھی کوئی جواب ہے؟؟ (صفحہ ۴۷) پر "مثل چاند" بھی پڑھنا پڑھا اور آنکھوں کو تکلیف ہوئی۔

(۱۳) **صبر رحمت** از:— شوقی ضخامت ۳۲ صفحات قیمت چار آنہ

۱؎ "آیۃ الجیب" کو "آمنۃ الجیب" لکھا ہے (صفحہ ۶۶)

اس کتاب میں حضرت ایوب علیہ السلام کے صبر اور آپ کی زوجہ محترم بی بی رحمت کی وفاداری کو کہانی کے انداز میں پیش کیا ہے! ان قصوں میں "اسرائیلیات" شامل ہو گئی ہیں، معتبر وہی ہے جو قرآن اور احادیث سے ثابت ہے،

(۱۴) **"پیاری باتیں"** از:- حمید انور، ضخامت ۴۸ صفحات، قیمت چھ آنہ

جناب حمید انور نے مشاہیر اسلام کی زندگیوں کے سبق آموز واقعات کو دل نشین اور عام فہم انداز میں بیان کیا ہے، ہلکے پھلکے قصے ہیں، جو بچوں کی نفسیات کے عین مطابق ہیں۔

(۱۵) **"مجاہد اعظم"** از:- شوق، ضخامت ۴۶ صفحات (قیمت درج نہیں) کتابت و طباعت بہت خوب!

جناب عبدالرحمٰن شوق کو تاریخ سے خاص مناسبت ہے، انھوں نے حضرت خالد سیف اللہ کی سیرت کو سلیقہ کے ساتھ اس کتاب میں بیان کیا ہے۔

(صفحہ ۷) "جنگ کا پانسہ ہی بدل گیا تھا" ——— "پانسہ بدلنا نہیں پلٹنا" روزمرہ ہے ——— "صفحہ ۳۲" "تیر باری کر رہے تھے" ——— "تیر اندازی کر رہے تھے" لکھنا تھا ——— (صفحہ ۴۹) "ادھر مسلمان بھی صرف سر کف تھے" "صرف" یہاں بے معنیٰ ہے اور یہ کاتب صاحب کی عنایت معلوم ہوتی ہے کہ ایک زاید لفظ اپنی طرف سے بڑھا دیا۔ ——— یہ کتاب بچوں کے لئے لکھی گئی ہے اس لئے صفحہ ۵۷ پر جو روایتوں کے متفق علیہ اور منفرد ہونے کا ذکر کیا ہے وہ بچوں کی استعداد سے بلند ہے!

(۱۶) **"مائی جمی"** از:- عبدالرحمٰن شوق ضخامت ۳۲ صفحے، قیمت چار آنہ

یہ ایک سماجی اور اصلاحی قصہ ہے جو اتنا زیادہ واقعاتی ہے کہ اس میں "افسانویت" کی کمی محسوس ہوتی ہے ——— صفحہ ۶ پر "چھیڑ خانی" کو "چھیڑ خوانی" لکھا ہے ——— (صفحہ ۷) "اس نقصان کا بھرنا جمی کو نہیں بلکہ بیچاری لڑکیوں کو پٹنے سے بھرنا پڑتا تھا" ——— اس خیال کو دوسرے لفظوں میں ادا کرنا چاہیئے تھا، ——— (صفحہ ۹) "نگوڑی گنوارن سب شہر والیوں کو کوسنے لگ بیٹھی ہے" ——— یہ بھی نامانوس اندازِ بیان ہے۔

(۱۷) **"ادبی قاعدہ"** از:- عبدالرحمٰن طارق (بی-اے) ضخامت سولہ صفحے، قیمت ایک آنہ

کمسن بچوں کی بالکل ابتدائی تعلیم کے لئے یہ باتصویر قاعدہ مرتب کیا گیا ہے، جو مفید اور کار آمد ہے!

جن کتابوں پر تبصرہ کیا گیا ہے اُن سب کے "سرِ ورق" خوب صورت، رنگین اور مصوّر ہیں!

"مکتبۂ ادب نواز" کے کارکنوں کی یہ کوشش تو سراہنے کے قابل ہے کہ انھوں نے دین و اخلاق کی خدمت سے کام کا آغاز کیا ہے مگر ان کو ایک ایسے بورڈ کا انتظام کرنا چاہیئے جو کتابوں کا انتخاب کر سکے!

جلوۂ صد رنگ

"جلوۂ صد رنگ" از:- حبیب احمد صدیقی ایم-اے، ایل، ایل، بی، ضخامت ۱۱۰ صفحات (بانگ درا سائز) کاغذ، جلد، لکھائی، چھپائی، ہر چیز خوب سے خوب تر!

قیمت تین روپے (مصنف کے فوٹو کے ساتھ) ملنے کا پتہ :- بھگوتی سہائے بھٹناگری وکیل ۱۵۶/۲۲ سروپ نگر، کان پور (بھارت)

جلوۂ صد رنگ ——— جناب حبیب احمد صدیقی کا مجموعہ کلام ہے جس کا پیش لفظ جناب مجنوں گورکھ پوری نے لکھا ہے، مجنوں گورکھ پوری نہایت مشاق تنقید نگار اور پختہ قلم انشا پرداز ہیں، مگر حیرت ہے کہ اُن کے قلم سے ایسے جملے بھی نکل گئے ہیں :-

"صدیقی شروع ہی سے ایک خاص پختگی کا اظہار کرتے رہے ہیں" ——— "کوئی بات فاش اور بے دھڑک طور پر نہیں کہتے۔۔۔۔" !

جلوۂ صد رنگ کے چند منتخب اشعار :-

محبت کے سوا جادہ نہ منزل ——— محبت کے سوا سب گمرہی ہے

ایک برق سی چمکی، موجِ حُسن لہرائی ——— غنچۂ دہن چٹکا، زیرِ لب ہنسی آئی

یہ لالہ و گل، برق و شررِ شمس و قمر کیا ——— رہ جائے انھیں میں جو اُلجھ کر وہ نظر کیا

ہر چند زندگی ہے کسی اور شے کا نام ——— جینے کے واسطے غمِ دنیا بھی چاہیئے

ہمیں بہت ہے کسی کی نگاہِ پُر اسرار ——— رموزِ حکمتِ دُنیا و دیں خدا جانے

نویدِ آمدِ فصلِ بہار بھی تو نہیں ——— یہ بے دلی ہے کہ اب انتظار بھی تو نہیں

محسوس یہ ہوتا ہے وہی زیست تھی اپنی ——— اک چیز جو اب تیری نگاہوں میں نہیں ہے

ہائے وہ کیفیت خاص کہ جب میرے لئے ——— چشمِ معصوم کو مخمور بنا لیتے ہیں

یہ کس کا تصور ہے انیسِ شبِ ہجراں ——— اک عالمِ سرشاریٔ پیہم ہے سحر تک

ایک فردوسِ تمنا ہے تصور تیرا ——— میرے بازو پہ تری زلف پریشاں نہ سہی

اک زمانہ کو بھلا دینا کسی کا شوق میں ——— آشنا بننا کسی کا بھول جانے کے لئے

نقابِ رُخ سے ہر جانب شعاعیں پھوٹ نکلی ہیں ——— ارے، او چھپنے والے حُسن یوں پنہاں نہیں ہوتا

کیا ہے کن اُمیدوں سے فراہم آشیاں میں ——— خدارا موسمِ گل تک مرے صیاد رہنے دے

مٹاتے ہو تو یوں دل کو مٹا ! ——— کہ پھر جاؤ تو ممکن ہو بنانا

تمھیں دُنیا نے آنکھوں میں جگہ دی ——— مجھے ملتا نہیں کوئی ٹھکانا

شوق کی نظروں سے اس کو دیکھتے ڈرتا ہے دل ——— وہ نگاہِ آشنا نا آشنا ہو جائے گی

یوں دیرانہ مے و جام لئے پھرتا ہے ——— جیسے دنیا میں کوئی صاحبِ ایماں ہی نہیں

اے نگاہِ محوِ نظارہ نہ جاگ اٹھیں کہیں وہ قیامت خیز فتنے جو کہ محوِ خواب ہیں

کس لئے ہاں! کس لئے اے کارسازِ کائنات!
ایک مشتِ خاک میں جوشِ قیامت بھر دیا

دوسرا رُخ :-

وہ دردِ عشق جس کو حاصلِ ایماں بھی کہتے ہیں سیہ بختوں میں اُس کو گردشِ دوراں بھی کہتے ہیں (صفحہ ۱۵)

"دردِ عشق" اور "حاصلِ ایماں" کا آخر جوڑ کیا ہے ـــــ اور "دردِ عشق" کو "گردشِ دوراں" کون "سیہ بخت" کہتا

جو آغوشِ حیا میں ایک دلآویز نشتر ہے اُسی موجِ نظر کو گلشنِ خنداں بھی کہتے ہیں (صفحہ ۱۵)

مفہوم گنجلک ہے اور جتنا سمجھ میں آتا ہے اُس کا اظہار ٹھیک طور پر نہیں ہو سکا ـــــ "آغوشِ حیا" میں "دلآویز نشتر" کا ہونا ایک عجیب سی بات ہے!

جو ایک سادہ تبسم کسی کے لب پر تھا وہی تو نشترِ ارماں ہے اب کسی کیلئے (صفحہ ۲۵)

"نشترِ ارماں" کی ترکیب بھلی نہیں لگتی۔

پلکوں پہ اشک آئے تو توقیرِ غم کہاں ناکامیوں کو پردۂ اخفا بھی چاہیئے (صفحہ ۲۹)

"تو توقیر" میں صوتی اعتبار سے تنافر پایا جاتا ہے، دوسرے مصرعہ کو "پردۂ اخفا" نے کمزور کر دیا۔

ہے عین وصل میں بھی پُر خروش پروانہ سکونِ قلب بہ آغوشِ یار بھی تو نہیں (صفحہ ۳۵)

"پر جوش" یا "مضطرب" کہنا چاہیئے تھا، پروانہ تو کسی حالت میں بھی "پُر خروش" نہیں ہوتا۔

پامالِ تمنا سہی برباد نہیں ہے یہ قلب بہ اندازۂ بیدادِ حسیں ہو (صفحہ ۳۹)

مفہوم پورے طور پر کھلا نہیں، اور نہ اس میں "اشاریت" اور "رمزیت" ہی پائی جاتی ہے!

اب عشقِ خامکار ہی ارماں کو دے جواب ہم اُن کو بیقرارِ محبت نہ کر سکے (صفحہ ۳۸)

عشقِ خامکار کو "ارماں" آخر کس بات کا جواب دے ـــــ اور محبوب کو محبت میں بیقرار بنا دینا کیا "ارما کی تمنا تھی

فخرِ مناسبت میں ترا نام لے لیا ہم خود ہی پردہ دارئ الفت نہ کر سکے (صفحہ ۵۱)

"فخرِ مناسبت" آخر کیا بات ہوئی؟ غالباً "نازِ نسبت" یا "فخرِ تعلق" کہنا منظور تھا ـــــ!

پھر اس کی یاد آئی لئے گلستانِ شوق پھر آرزو کو تشنۂ دیدار کر دیا (صفحہ ۶۳)

مصرعۂ ثانی نے شعر کو بے ربط بنا دیا۔

منفعل نظریں جب آئیں خود منانے کے لئے کیوں نہ مچلے آرزو ہستی مٹانے کیلئے (صفحہ ۸۰)

پورا شعر سراپا "آورد" ہے اور ناپختہ بھی!

شرارِ عشق کا دل میں بھڑک کر شعلہ بن جانا　　تری نا آتشیں نظروں کا رگ رگ کو جلا دینا

مصرعِ ثانی بہت کمزور ہے، "نا آتشیں نظر" نہ جانے کونسی نظر ہوتی ہے، شاید وہ نظر جو "گرم" نہ ہو، مگر اس طرح بولتے اور لکھتے نہیں ہیں۔

گزر کر انتہا سے عظمتیں آتی ہیں اُلفت میں　　متاعِ عشق جب ارزاں ہوا، ارزاں نہیں ہوتا (صفحہ ۷۰)

یہ شعر بھی کافی گنجلک اور مفہوم کے اعتبار سے مبہم بلکہ چیستاں ہے ؟؟

ارض و سما کی ماہیت جان کے بھی زباں نہ کھول　　عالمِ نفسیات میں سمجھے گا کون بات کو (صفحہ ۹۷)

"عالمِ نفسیات" نے شعر کو اُکھڑا اُکھڑا سا کر دیا۔

صدائے قلبِ مضطر ٹھنڈے جھونکوں میں سما جاتی　　تمناؤں کے نغموں سے تڑپتا گلستاں ہوتا (صفحہ ۱۰۳)

بالکل نومشقوں کا سا اندازِ بیان ہے ــــ"

نظموں میں سب سے اچھی نظم "تبسم" ہے، کاش! دوسری نظموں کا یہی رنگ ہوتا!

جناب حبیب احمد صدیقی میں شاعرانہ صلاحیتیں پائی جاتی ہیں، مگر اپنے عہدے اور اُس کے فرائض کی مصروفیت کے سبب وہ غالباً شاعری پر پوری توجہ نہیں دے سکتے اور ان کی شاعرانہ استعداد دفتری ماحول کے سبب اُس حد تک نہ اُبھر سکی جس حد تک اُسے اُبھرنا چاہیے تھا،

بہرحال "جلوۂ صد رنگ" ایسا بھی نہیں ہے کہ سراسر "بے آب و رنگ" ہو، اُس میں فکر و خیال کی رنگا رنگی پائی جاتی ہے!

کراچی

فاران

پاکستان

ماہر القادری

جلد ۵ —— نمبر ۶

ماہنامہ

فاران

ستمبر ۱۹۵۳ء

ایڈیٹر

ماہر القادری

چندہ سالانہ

۶ روپے (پاکستانی) فی پرچہ ۸/
۸ روپے (ہندستانی) فی پرچہ ۱۱/

مقام اشاعت

دفتر فاران

کیمبل اسٹریٹ کراچی ۱

نظم و ترتیب

حصۂ نظم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نقشِ اوّل

پاکستان میں ہر سال بڑی دھوم دھام سے جشنِ آزادی منایا جاتا ہے، چراغاں بھی ہوتا ہے، بحری اور بری فوج کی سلامی بھی لی جاتی ہے، پاکستان رائل ایر فورس کے ہوائی جہاز اپنے کرتب بھی دکھلاتے ہیں، سرکاری طور پر نہایت شاندار پبلک جلسے بھی منعقد ہوتے ہیں، اخبارات بڑے طمطراق کے ساتھ "آزادی نمبر" بھی شائع کرتے ہیں، دفتروں میں چھٹی ہوتی ہے اور چھوٹے چھوٹے محلّوں اور گلی کوچوں میں پاکستان کے جھنڈے لہراتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

یقیناً "آزادی" بہت بڑی نعمت ہے، اُس پر جتنی خوشی منائی جائے کم ہے، جس دن کوئی قوم آزاد ہوتی ہے، وہ دن قوم کی تاریخ کا یادگار دن ہوتا ہے اور اُس دن کی صبح طلوع ہوتے ہی جذبات دوسرے دنوں کے مقابلہ میں زیادہ پُرجوش اور پُر اُمید ہو جاتے ہیں۔

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو ہم انگریز کی غلامی سے آزاد ہوئے تھے یا یوں سمجھئے کہ آزاد کئے گئے تھے، یہی وہ یادگار دن ہے جب ہمیں منشورِ آزادی ملا تھا، اسی دن ہماری گردنوں سے غلامی کے طوق اور ہمارے پیروں سے محکومیت کی بیڑیاں اُتاری گئی تھیں، ایک مورخ اور سیاست داں کے لئے ہی نہیں، پاکستان کے ایک قلی اور رکشا چلانے والے کے لئے بھی یہ دن بہت اہمیت رکھتا ہے اور اس دن کی اہمیت محسوس کی جاتی ہے۔

اس آزادی کا یہ مفہوم نہیں تھا، نہ ہو سکتا ہے اور نہ کسی نے ایسا سمجھا تھا کہ حکومت کی جن کرسیوں پر انگریز بیٹھا کرتے تھے، اُن پر اب پاکستان کے اہلِ سیاست اور مقتدر افراد بیٹھا کریں گے، یہ تبدیلی سروں، جسموں، شخصیتوں اور افراد کی صرف تبدیلی نہیں بلکہ حاکمانہ ہیئت کی تبدیلی تھی، اس انقلاب اور آزادی کا اس

کے سوا اور کچھ مفہوم نہ تھا کہ انگریز جس دستور، قانون، حاکمانہ فکر و نظر، اور تہذیب و معاشرت کے اصولوں پر حکومت کرتا تھا اُس سے ہمیں آزادی مل گئی، یہ آزادی درحقیقت فکر و نظر کی، اصول و نصب العین کی، طریقِ کار اور تصورِ حیات کی آزادی تھی۔

ایک دو نہیں پورے چھ سال ہونے کو آئے "پاکستان" کا دستور خیر سے تیار نہیں ہوا، ہمارے "لیڈرانِ کرام" اربابِ کار اور قومی نمایندوں نے دستور سازی کے معاملہ میں جس سستی، تغافل اور بے پروائی کا ثبوت دیا ہے وہ اپنی آپ مثال ہے! کیسے کیسے پینترے بدلے ہیں، کیا کیا چالیں چلی ہیں اور کس کس انداز سے سیاست و مصلحت اور طاقت و اقتدار کی آنکھ مچولی کھیلی ہے، قوم کے شدید اور پے در پے مطالبہ کے بعد خدا خدا کرکے "قرارداد مقاصد" منظور ہوئی، اور پھر بنیادی اصولوں کی رپورٹ جو مرتب فرمائی گئی تو وہ نہ "اسلامی" تھی نہ "جمہوری"! ملک کے ہر طبقہ نے اس رپورٹ کو ٹھکرادیا —— اور ہاں! یہ لطیفہ تو رہا ہی جاتا ہے کہ جس دستور کی بنیاد "کتاب و سنت" قرار پائی تھی اُس کی تسوید اور تدوین کے لئے انگلستان کے ایک ماہر دستور کی خدمات گرانقدر معاوضہ پر حاصل کی گئیں —— پاکستان کے اربابِ حل و عقد کی یہ دماغی اُپج بھی دُنیا کو یاد رہے گی۔

۵ جو بات کی خُدا کی قسم لاجواب کی!

۱۹۳۳ء میں انگریزوں کے پیش کئے ہوئے "قرطاس ابیض" (WHITE—PAPER) کی طرح یہ رپورٹ بھی قوم کے شورِ ملامت اور دباؤ سے مجبور ہو کر دریابرد کر دی گئی، اور پاکستان کے دستور ساز حسب عادت پھر لمبی تان کر سو گئے! ملّت نے دستور سازوں کی اس غنودگی کو دیکھ کر پھر صدائے احتجاج بلند کی، جلسے کئے، بڑے بڑے جلوس نکالے، قوم کا یہ احتجاج رائگاں نہ گیا، اُس کا وزن اور اہمیت محسوس کی گئی، چنانچہ بڑی ردوکد کے بعد خواجہ ناظم الدین صاحب نے بنیادی اصولوں کی رپورٹ پیش کردی، پہلی رپورٹ اور اس رپورٹ میں تھوڑا بہت نہیں زمین، آسمان کا فرق تھا، اُسے ملّت نے قابلِ تنسیخ سمجھا اور اِسے قابلِ ترمیم قرار دیا مشرقی اور مغربی پاکستان کے نمایندہ عُلماء کرام نے کتاب و سنت کی روشنی میں اس رپورٹ کی ایک ایک دفعہ پر کئی دن تک مسلسل غور کیا اور ضروری ترمیمات پیش کردیں —— توقع ہو چلی تھی کہ علماء کرام کی ترمیمات منظور کر لی جائیں گی اور پاکستان کا بننے والا دستور بڑی حد تک اسلام کے تقاضوں کو پُورا کر دے گا، توقعات کے یہ خواب اور اُمیدوں کے یہ خیالی خاکے قلب و نگاہ کو پُوری طرح نشاط و آسودگی بھی نہ بخشنے پائے تھے کہ پاکستان کی سیاسیات میں یکایک ایسا انقلاب آیا جس کا وہم و گمان بھی نہ تھا۔

ایک دن شام کو اچانک طور پر پاکستان ریڈیو سے یہ اطلاع ملی کہ خواجہ ناظم الدین کی وزارت کو برطرف کردیا

گیا اور مسٹر محمد علی کو قلمدانِ وزارت سونپ دیا گیا، یہ خبر اس قدر غیر متوقع اور حیرت انگیز تھی کہ جن لوگوں کے گھروں میں ریڈیو سٹ نہ تھے اور جنھوں نے دوسروں کی زبانی یہ خبر سُنی تھی اُن کو یقین ہی نہ آیا لوگ سمجھتے تھے کہ یہ کسی نے بے پر کی اُڑا دی ہے، اور وزیر اعظم بہادر کی تقریر سے پہلے تک تو بعض لوگ یہی سمجھتے رہے کہ ہمارے وزیر خزانہ چودھری محمد علی صاحب کو وزارتِ عظمیٰ کی خلعت عطا فرمادی گئی ——— رات کو پاکستان ریڈیو نے قیاس آرائیوں کے اس دھندلکے کو صُبحِ یقین سے بدلا اور عوام کو پتہ چلا کہ کناڈا کے سابق سفیر مسٹر محمد علی اب ہمارے وزیر اعظم ہیں۔

پاکستان کے گورنر جنرل مسٹر غلام محمد کا یہ حکم کس حد تک آئینی تھا؟ اس پر بحث کرنے سے اب کچھ حاصل نہیں ہے، اُن کا حکم نافذ ہو کر رہا اور اُن کے فرمان کی تعمیل کی گئی، طاقت کے آگے آئین و دستور دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں، خواجہ صاحب سادہ لوح اور کمزور تھے ——— اور سہ ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات! اس لئے اُن کے اقتدار کو "مرگِ مفاجات" کے صدمہ سے دوچار ہونا پڑا۔

یہ بھی عجیب اتفاق و توارد ہے کہ مسٹر لیاقت علی خاں مرحوم جنھوں نے "قرار دادِ مقاصد" پیش کرنے کی سعادت حاصل کی تھی وہ گولی کا نشانہ بن کر ابدی نیند سو گئے اور خواجہ ناظم الدین جنھوں نے "قرار دادِ مقاصد" کے خطوط پر بنیادی دستور کی رپورٹ پیش کی تھی اور اسلامی دستور سازی کی طرف قدم اٹھایا تھا، اُن کے اختیار و اقتدار کو اچانک موت دیکھنی نصیب ہوئی، ان حادثات میں تقدیر اور تدبیر کو کتنا دخل ہے، اس پر جو مورخ کامل دیانت، پوری واقفیت اور احساسِ ذمہ داری کے ساتھ روشنی ڈالے گا، اس کو اپنے زمانہ کا ابنِ خلدون کہا جائے گا۔

ہاں! تو ذکر "دستور" کا تھا ——— ہمارے نئے وزیر اعظم مسٹر محمد علی نے وزارتِ عظمیٰ کا چارج لینے کے فوراً بعد ہی جو تقریر ریڈیو پاکستان سے نشر کی تھی، اُس میں جہاں تک ہمیں یاد پڑتا ہے نہ "دستور" کا ذکر کیا اور نہ اسلام کا نام لیا، ہاں "قائد اعظم کی دی ہوئی اسلامی جمہوریت" ضرور ارشاد فرمایا، اس نسبت پیرایے اور استعارے سے کوئی یہ سمجھے کہ انھوں نے اسلام کا ذکر کیا تھا، تو وہ ایسا کہنے اور سمجھنے کا حق رکھتا ہے

دستور سازی کا مسئلہ پاکستان کا اہم ترین مسئلہ ہے، مسٹر محمد علی کو اس مسئلہ پر سب سے زیادہ توجہ دینی تھی، اُن کے پیشروؤں نے ہمارے نئے وزیر اعظم کے لئے دستور سازی کی زمین خاصی ہموار کر دی تھی، خواجہ ناظم الدین جس منزل پر دستور کو چھوڑ گئے تھے، اُس کو آگے بڑھانا تھا، مگر اس سلسلہ میں کسی کوشش کا

مسٹر محمد علی جب انگلستان میں تھے تو دستور سازی کے سلسلہ میں ایک بیان اُن سے منسوب کیا گیا تھا، جس کی انھوں نے نہ صرف تاویل بلکہ تردید بھی کر دی، شروع شروع میں انھوں نے "دستور سازی" کا جب

بھی ذکر کیا "اسلام" کا نام نہیں لیا بلکہ وہ "جمہوری" "عوام پسند" اور "رفاہی" — وغیرہ جیسی اصطلاحیں بولتے رہے، مگر پاکستان میں عوام کے رجحان، عزائم اور جذبات کا رنگ دیکھ کر اب وہ دستور سازی کے سلسلہ میں "اسلام" اور "اسلامی جمہوریت" کا نام لینے لگے ہیں، لیکن "کتاب وسنت" کا نام نہیں لیتے اور "قرار دادِ مقاصد" کی طرف تو وہ بھول کر بھی اشارہ نہیں کرتے! ہم ابھی کچھ نہیں کہتے، یہ مستقبل بتائے گا کہ "قرار دادِ مقاصد" کے ذکر سے یہ گریز کس لئے فرمایا جارہا ہے!

ہمارے خوش مزاج وزیراعظم دستور اور اسلامی جمہوریت کا جب ذکر فرماتے ہیں تو اس کے ساتھ بیچارے "ملاؤں" کو بھی ملاحیاں سنا دیتے ہیں، یہ عادت انھوں نے رفعت مآب مسٹر غلام محمد گورنر جنرل بہادر سے غالباً سیکھی ہے، مسٹر غلام محمد کی مردم شناسی کی داد دینی چاہئے کہ انھوں نے کچھ دیکھ کر اور سمجھ کر ہی جناب محمد علی کو چُنا تھا، اور نگۂ انتخاب کی پسلی بلاوجہ نہیں پھڑکی تھی۔

اسلام اور دستور کے معاً بعد اُسی ایک سانس میں "ملاؤں" اور "ملاؤں کی حکومت برداشت نہ کرنے کا" ذکر اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ اقتدار کو در اصل "نظامِ اسلامی" سے خطرہ ہے اور یہی خطرہ ملاؤں کی مخالفت میں طنز وتعریض بن کر ظاہر ہوتا ہے، یہ بھی ایک اچھا خاصہ لطیفہ بلکہ اعجوبہ ہے کہ اسلامی بنیادوں پر دستور بنانے کا اعلان کیا جائے اور "ملاؤں" کو اُس میں بولنے اور مشورہ دینے کی بھی اجازت نہ ہو، یہ تو ایسی ہی بات ہے جیسے کوئی شخص مکان تعمیر کرنا چاہتا ہو مگر انجنیروں کو اپنے پاس بھی نہ پھٹکنے دے، یا کوئی مریض کہے کہ میں نہ تو ڈاکٹروں اور طبیبوں کو نبض دکھاؤں گا، نہ اُن کا بتایا ہوا پرہیز کروں گا اور نہ ان کے لکھے ہوئے نسخہ کی دوا پیوں گا، کیونکہ اگر میں نے ایسا کیا تو دوسرے لفظوں میں اس کے یہ معنیٰ ہیں کہ میں ڈاکٹروں اور طبیبوں کا زیر دست محکوم اور تابع فرمان بن گیا، جب مسائل کو سوچنے کا یہ انداز ہو تو ایسی عقل وبصیرت سے کوئی کہاں تک خیر وفلاح کی اُمید رکھے۔

اسلامی دستور سازی کے لئے سب سے زیادہ منظم جدوجہد جماعتِ اسلامی کر رہی ہے، سو اُس کے دبانے، بے اثر کرنے اور زور توڑنے کے لئے حکومت کی مشنری، بہت دنوں سے حرکت میں ہے اور اب چند دن سے یہ رفتار تیز تر ہوگئی ہے! جماعتِ اسلامی کے امیر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی چودہ سال کی بامشقت قید کاٹ رہے ہیں، اور یہ وہ شخص ہے جس کی دینی بصیرت سے دستور سازی میں زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے اور جس کی اسلامی فکر کی اصابت کا عرب اور عجم کو اعتراف ہے!

بہرحال ہم پر ابھی تک انگریز کے بنائے ہوئے ایکٹ کے ماتحت حکومت کی جارہی ہے اور دستوری طور پر ہم ابھی تک آزاد نہیں ہوئے، عبوری اور عارضی دستور کا بہت شور سُن رہے ہیں دیکھئے یہ ڈرامہ

کیا سین دکھاتا ہے۔

ع پردہ اُٹھنے کی منتظر ہے نگاہ!

پاکستان کی عدالتوں میں بھی انگریز کا قانون چل رہا ہے، اسلامی قوانین معطل پڑے ہوئے ہیں، دادرسی اور حصولِ انصاف کے لئے عوام کو آج بھی کورٹ فیس ادا کرنی پڑتی ہے، جرایم کی تفتیش اور اُن پر احتساب کا وہی انداز ہے جو انگریز قایم کر گیا ہے، وہ قوم جس کے تعزیری اور دیوانی قوانین نے صدیوں تک عدل و انصاف کے تقاضوں کو بہتر سے بہتر انداز میں پورا کیا ہو اُس کا دوسروں کے بنائے ہوئے قوانین کا رہینِ منت بنے رہنا، غلامی کی نشانی ہے یا آزادی کی!

پاکستان اسلام کے لئے حاصل کیا گیا تھا، یہ ایک ایسی مسلّم حقیقت ہے جس کے بارے میں دو رائیں ہو ہی نہیں سکتیں، اس حقیقت کا انکار وہی آدمی کر سکتا ہے کہ یا تو جس کے ہوش و حواس بالکل مختل ہو چکے ہوں اور اسلام سے پرخاش رکھتا ہے ——— ہم پاکستان کے اربابِ اختیار سے بصد ادب و احترام دریافت کرتے ہیں کہ اسلامی تصورِ حیات اور اسلامی نصب العین کو بروئے کار لانے کے لئے کوئی ایک قدم بھی اٹھایا گیا، ہم اگر بے خبر ہیں تو ہمیں بتایا جائے کہ وہ کونسا "معروف" ہے جسے قایم کیا گیا اور کونسا "منکر" ہے جسے مٹایا گیا ——— شراب نوشی، ڈانس، ریس کورس اور کلب گھروں کی قمار بازی، سُود، حرام حلال کا عدم امتیاز مرد و زن کا بے باکانہ اختلاط، آخرت فراموشی، خدا سے غفلت، عیش کوشی، ہوس پرستی، غرض معاشرت اور معیشت کا جو انداز انگریز کو مرغوب تھا، اُسی انداز پر پاکستان کی معاشرت کو چلایا جا رہا ہے، کوئی خدا کا غیرت مند بندہ اس بے راہ روی اور غلط کاری پر حرف گیری کرتا ہے تو مغرب زدہ طبقہ چیخ اٹھتا ہے کہ یہ "ملّائیت" ہے، یہ قدامت پرستی اور تنگ نظری ہے، تمدن و تہذیب، ترقی اور روشن خیالی کے اس دور میں یہ باتیں نہیں چل سکتیں،

کوئی شک نہیں کہ معاشرے کی ان بُرائیوں کے ذمہ دار تنہا خواص ہی نہیں عوام بھی ہیں، — اور "نقشِ اوّل" کا لکھنے والا بھی اس ذمہ داری میں اپنے کو برابر کا شریک سمجھتا ہے مگر ہمارے "اکابر" کی ذمہ داری عوام کے مقابلہ میں اس لئے زیادہ شدید ہے کہ اُن کے پاس پریس ہے، ریڈیو ہے، محکمۂ اطلاعات ہے وہ اگر ان ذرائع کو اصلاحِ معاشرت میں صرف کرتے اور ملت کے کردار کا سنوار اور بناؤ مقصود ہوتا تو پاکستان کا معاشرہ اخلاقی اعتبار سے بہت کچھ بلند ہو سکتا تھا، حکومت اور اربابِ حکومت کے طرزِ عمل اور اُن کی زندگیوں کا عوام پر بڑا گہرا اور دوررس اثر پڑتا ہے، عربی کا یہ حکیمانہ مقولہ کہ "عوام اپنے حاکموں کے طرز (مذہب) پر ہوتے ہیں" (الناس علیٰ دینِ ملوکھم) پاکستان میں سو فی صدی درست اور صحیح ثابت ہو رہا ہے،

قصرِ شبستان کی ایک خاتون کی بے حجابی اور آزادی نے، فلیٹوں اور جھونپڑیوں کی ایک ہزار عورتوں میں "تبرج" کا شوق پیدا کیا ہے ـــــــ نیچے طبقہ والے، اوپر کے طبقہ کے افراد کی نقل اور تقلید کیا کرتے ہیں سدا سے یہی ہوتا آیا ہے، تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ جن بادشاہوں کو شعروادب سے شغف تھا اُن کی رعایا کا ذوق شعروادب کے سانچے میں ڈھل گیا تھا، جن سلاطین کو سیروشکار اور چوگاں سے دلچسپی تھی اُن کے محکوم عوام میں اچھے شکاری اور بہترین شہسوار ہوتے تھے اور جن فرمانرواؤں کو رقص وسرود اور ناؤ نوش سے لگاؤ تھا اُن کی رعایا میں موسیقار، رقاص ومطرب اور سازندے بکثرت پائے جاتے تھے، اسی لئے حضرتِ عمر ابن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی رعایا اور مامون الرشید کی رعایا میں کردار کے اعتبار سے تھوڑا بہت نہیں خاصہ فرق تھا۔

ہماری حکومت جس کام کو واقعی کرنا چاہتی ہے اُسے کرکے چھوڑتی ہے، اُس نے چاہا کہ شاہِ ایران یہاں آئیں اور اُن کی آؤ بھگت اور استقبال بھی پورے شاہانہ طمطراق کے ساتھ ہو، چنانچہ یہ ہو کر رہا اور پاکستان کے خزانہ عامرہ کی تجوریاں بے دریغ کھول دی گئیں ـــــــ کراچی میں اُس نے حکم دیا کہ فلاں فلاں سڑکوں پر یک طرفہ سواریاں چلا کریں گی اور سواریاں حکومت کے احکام کے مطابق چل رہی ہیں۔ حکومت نے چوراہوں پر بورڈ لگائے کہ یہ خاموش علاقہ (SILENT-ZONE) ہے، کس کی مجال ہے جو اس علاقہ میں موٹر کا ہارن بجا سکے، گزیٹڈ افسروں کی آبادکاری کا حکومت نے بیڑا اُٹھایا اور چند مہینوں میں شاندار عمارتیں بنا کر کھڑی کر دیں، مہاجرین کو حکومت نے بسانا نہیں چاہا اس لئے وہ بیچارے اب تک بے خانماں ہیں، اس سال جشنِ آزادی کے سرکاری جلسہ میں مسٹر محمد علی نے مہاجرین کی آبادکاری کے لئے عوام سے چندے کی اپیل کی ہے اور ایک اسکیم بھی پیش فرمائی ہے، اس ہمدردی اور نگاہِ کرم کا مظلوم اور پریشان روزگار مہاجرین کی طرف سے ہزار بار شکریہ ـــــــ مگر وزیر اعظم بہادر نے اس کا کوئی ذکر نہیں کیا کہ مہاجر ٹیکس کا کروڑوں روپیہ جو اب تک اکٹھا ہوا ہے اُس کا کیا ہوگا؟

کئی سال ہوئے جب مرکزی حکومت پاکستان نے ایک زکوٰۃ کمیٹی مقرر کی تھی، یہ بڑا مبارک اقدام اور نیک کام تھا مگر وہ دن ہے اور آج کا دن ہے اس کمیٹی کی کوئی خیر خبر ہی نہیں ملی! زکوٰۃ کی تحصیل وصول اور اُس کی تقسیم کا کام اسلام کا کام ہے اور ہمارے اربابِ اقتدار ہر اُس کام سے جس کو اسلام سے کوئی دُور کی نسبت بھی ہوتی ہے، بے پروائی برتنے میں کافی مشاق ہو چکے ہیں اس لئے زکوٰۃ کمیٹی بس بن کر اور کچھ دفتری کارروائی کرکے ہی رہ گئی، اور "آتوا الزکوٰۃ" کا فریضہ حکومت کے اجتماعی عملی اقدام کی بس راہ ہی دیکھا کیا!

ہماری حکومت کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اُس نے قبروں کی مجاورت اپنے ذمہ لے لی ہے۔ باہر سے آئے ہوئے سفیروں، وزیروں اور نمایندوں کو قائد اعظم اور قائد ملت (مرحومین) کے مزارات پر لیجائے

جانے کے خاص انتظامات کئے جاتے ہیں، اور اب تو یہ ایک نیم سرکاری رسم سی بن گئی ہے، اس کے جواب میں ہمارے وزراء، سفراء اور نمایندوں کو غیر ممالک میں جاکر کافروں اور مشرکوں کے مدفنوں، یادگاروں اور سمادھیوں پر حاضری دینی اور پھول چڑھانے پڑتے ہیں! جب کوئی مسلمان کسی غیر مسلم کی سمادھی، یادگار، مجسمہ یادخمہ ومدفن کو خراج عقیدت پیش کرتا اور پھول چڑھاتا ہے تو عقیدۂ توحید فریاد کرتا ہے کہ:-

"مجھے میرے نادان دوستوں سے بچاؤ!"

غیر حکومتوں سے معاہدے بھی کئے جاتے ہیں، دوستی کی پینگیں بھی بڑھائی جاتی ہیں، اُن کا حلیف بھی بنا جاتا ہے مگر اس دوستی اور اخلاص کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ اپنے دین وایمان کے بنیادی عقائد پر چوٹ پڑے اور ماتھے پر شکن بھی نہ آئے، یہ سودا بہت مہنگا اور یہ تجارت بڑے ٹوٹے اور گھاٹے کی تجارت ہے! وہ لوگ جنھوں نے یورپ کے ملحدانہ ماحول میں تربیت پائی ہے اُن کے لئے یہ حرکت وسعتِ ظرف اور رواداری کا طغرائے فخر وامتیاز ہو سکتی ہے مگر اسلام کی نگاہ میں یہ وہ ناروا حرکت ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور تر کرتی اور غضبِ الٰہی کو دعوت دیتی ہے۔

پاک وہند کی جب تقسیم عمل میں آئی تھی تو پاکستانی مسلمانوں میں کیا جوش تھا، کیا مجاہدانہ عزائم اور کیسی سرفروشانہ اسپرٹ تھی! اور اس جوش اور اسپرٹ کا محرک دینی جذبہ تھا، مسلمان خدا اور رسولؐ کے نام پر موت کے زلزلوں اور ہلاکت کے طوفانوں سے دست بدست جنگ کر سکتا ہے، پاکستان میں مسلمانوں کے اسی جذبہ کو مضمحل بنانے کی کوشش کی گئی، یہاں تک کہ اس جذبہ کو کچلنے کے لئے طاقت استعمال کرنے سے بھی گریز نہیں کیا گیا۔

صید از حرم کشد خم جعد بلندِ تو
فریاد از تطاولِ مشکیں کمندِ تو

امریکہ سے گیہوں کا پہلا جہاز جب ساحلِ کراچی پر پہونچا تھا تو حکومت کی طرف سے اُس کا پُرجوش خیر مقدم کیا گیا، اونٹوں کی گردنوں میں تختیاں لٹکائی گئیں جن میں امریکہ کے لئے شکر وامتنان کے جملے لکھے تھے، اُس کے بعد مسلسل کئی دن تک پاکستان ریڈیو سے امریکہ کا شکریہ ادا کیا جاتا رہا پاکستان کے اربابِ اختیار نے کبھی یہ بھی سوچا ہے کہ اُنھوں نے اپنے معبود، پروردگار، حقیقی رازق اور مالک کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے لئے اس خلوص، عقیدت اور گرمجوشی کے ساتھ کوئی کوشش کی ہے، اللہ تعالیٰ نے اُن کو نہ صرف یہ کہ وجود عطا فرمایا بلکہ وجود کے ساتھ عزت، منصب اور اقبال مندیاں بھی دیں، ان نعمتوں کا شکر اس طرح بجالانا چاہئے تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جو طاقتیں، عزتیں، ذرائع وسائل اور اختیار واقتدار اُنہیں عطا کیا ہے، وہ اللہ کے دین کو سربلند کرنے میں صرف ہوتا مگر افسوس کہ یہ ورق ہنوز سادہ وبے رنگ ہے! اگر یہ ورق اسی طرح کورا رہا تو قیامت

کے دن اس غفلت اور کفرانِ نعمت پر باز پرس ہو گی اور اس دن یہ خیر مقدم، پریڈ کی سلامی، سپاسنامے، بہواخواہوں کی قصیدہ خوانیاں، ان میں سے کوئی چیز بھی کام نہ آئے گی۔

پنڈت جواہر لال نہرو نے کراچی کی پریس کانفرنس میں جو یہ کہا تھا کہ پاکستان اور ہندستان کا تمدّن ایک جیسا ہے، تو اُس کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ پنڈت جی نے پاکستان کی سرکاری تقریبوں اور یہاں کے اعلیٰ عہدیداروں میں کوئی ایسی امتیازی خصوصیت محسوس نہیں کی جو اُن کو بھارت ورش سے مختلف نظر آتی ــــــ حالانکہ ہماری تاریخ میں ایک ایسا دور بھی آیا ہے کہ حکومتوں اور قبیلوں کے وفود جب اسلامی حکومت کے خلیفہ، عمال اور سربراہ کاروں سے متاثر ہو کر اپنے علاقوں میں پہونچتے تھے اور اُن کے حالات بیان کرتے تھے تو قبیلوں کے قبیلے اسلام کی طرف مائل ہو جاتے تھے!

مسٹر محمد علی میں مستعدی اور فرض شناسی کا جذبہ پایا جاتا ہے وہ عوام سے قریب ہونے کی کوشش بھی کرتے ہیں مگر جہاں تک اسلامی تمدن اور اسلامی معاشرت کا تعلق ہے، اس خصوص میں، افسوس ہے کہ ہم اُن سے پُر اُمید نہیں ہیں اور ہمیں توقع نہیں ہے کہ اُن کی ذات پاکستان کے معاشرے میں اسلامی انقلاب کا سبب بن سکے گی!

اسلام نے مردوں اور عورتوں میں محرم اور نا محرم کی حدبندی قائم کی ہے، یہ حدبندی باقی رہنی چاہئے اس لئے کہ اسلام دینِ فطرت ہے اور اُس کا ہر اصول اور اجازت و امتناع کا ہر حکم فطرت کے عین مطابق ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات جو مسلمانوں کی مائیں تھیں بلکہ عقیدت و احترام میں ماؤں سے بھی بڑھ کر تھیں، اُن کو اللہ تعالیٰ کی وحی نے یہ تعلیم دی:-

"وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولیٰ"

(اور اپنے گھروں میں (وقار کے ساتھ) قرار پکڑو اور اگلے جہالت کے زمانہ کی طرح اپنا جسم، لباس اور زیبائش نہ دکھاتی پھرو) ــــــ اسی تعلیم، آدابِ معاشرت اور درسِ وقار و غیرت کا اثر تھا کہ صحابہ کرام کے دور میں ایک بھی ایسی مثال نہیں ملتی کہ اسلامی حکومت کے سفیر اور نمایندے اپنی بیویوں کو غیر ممالک میں اپنے ساتھ لے گئے ہوں یا باہر سے آئے ہوئے سفراء اور اکابر کے خیر مقدم اور دعوتوں میں پردہ نشینانِ حرم شریک ہوئی ہوں، افسوس ہے کہ دُنیا کی سب سے بڑی اسلامی حکومت کے وزیر اعظم مسٹر محمد علی اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی قائم کی ہوئی حدود کا خیال نہیں رکھتے اور اُن کے اس طرزِ عمل سے اسلام پسند طبقہ کو بڑا دکھ ہوتا ہے ــــــ "بیگم محمد علی" اور "وجے لکشمی" کی معاشرت میں بہر عنوان فرق ہونا چاہئے اور چونکہ مسٹر محمد علی پاکستان کی نمایندگی کرتے ہیں اس اعتبار سے اُن کی ذمہ داری اور زیادہ شدید ہو جاتی ہے۔

ہم نے جو حقائق اوپر کی سطروں میں پیش کئے ہیں، وہ اس بات کی دو ٹوک شہادت دیتے ہیں کہ دستور، قانون، معاشرت اور تعلیم و تمدن میں ہم نے ابھی تک آزادی حاصل نہیں کی، ہم ابھی تک غلامی کے دور سے گزر رہے ہیں، انگریزی فکر و نظر اور کافرانہ تصورِ حیات کا قلادہ اب تک ہماری گردن میں پڑا ہوا ہے — جب یہ حالات ہوں تو ہم کس کی "آزادی" کا جشن منائیں اور کس بات کی مبارکباد پیش کریں۔

ہم نے جو کچھ عرض کیا ہے اُس کا مقصد کسی کو بلاوجہ ہدفِ ملامت بنانا ہرگز ہرگز نہیں ہے، اگر ہم کسی پر تہمت جوڑتے ہوں تو خدا ہماری دنیا اور دین کو بگاڑ دے، اگر ہمارے قلم سے کوئی ایسی بات نکل گئی ہے جو خلافِ واقعہ یا مبالغہ آمیز ہے تو ہمیں اُس پر مطلع کیا جائے، ہم اپنی غلطی کو مان لیں گے! یہ دل کا درد ہے جو کاغذ پر منتقل ہو گیا ہے یہ دل کی چوٹیں ہیں جو الفاظ میں ڈھل گئی ہیں!

پاکستان کے ساتھ سب سے بڑی دوستی اور وفاداری یہ ہے کہ اُسے اسلام سے قریب تر لایا جائے، اور پاکستان کے ساتھ سب سے بڑی غداری، دشمنی اور بے وفائی یہ ہے کہ اسے اسلام سے دور کر دیا جائے، ہم یہاں کے حالات کو، افکار و حوادث کو، لوگوں کی تدبیروں اور منصوبوں کو اسی پیمانہ سے ناپتے ہیں۔

کشمکش اور عزائم

ہمیں فکر و نظر تمدن و معاشرت اور تصورِ حیات کی اسی غلامی کے خلاف جدوجہد کرنی ہے، ہم اس مصنوعی آزادی پر قناعت نہیں کر سکتے، اور ہم صاف لفظوں میں اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ آئین کے حدود میں رہ کر اصلاح و انقلاب کے لئے ہر جد و جہد کرنے اور ہر تدبیر کو بروئے کار لانے کا ہمیں قانونی حق حاصل ہے، پاکستان کے مغرب زدہ طبقہ سے ہماری کشمکش اغراض و مفادات کی نہیں اصول و مقاصد کی کشمکش ہے! ہم جس بات کو حق سمجھتے ہیں اُس کا اعلان اُس وقت تک کئے جائیں گے جب تک زندگی میں ایک سانس کی مہلت بھی ہمیں مل سکتی ہے، اگر کسی کے مفادات اور اقتدار پر ہمارے عزائم کی زد آ کر پڑتی ہے تو ہم کیا کریں، لوگوں کی خوشی کے لئے ہم اللہ اور رسولؐ کی ناخوشی گوارا نہیں کر سکتے!

ہم نے حق کی راہ کو پھولوں کی سیج نہیں وادی پُر خار سمجھ کر ہی قدم رکھا ہے، چوٹیں اور جراحتیں برداشت کرنے کے لئے ہم نے اپنے کو تیار کر لیا ہے حق کسی قیمت پر نہیں چھوڑا جا سکتا اور عدل و صداقت سے گریز ممکن ہی نہیں ہے، اسلام کے بغیر پاکستان کا وجود بے معنیٰ ہے پس جو کوئی بھی پاکستان میں اسلام کی راہ روکنا چاہتا ہے اُس کو ہمارا الٹی میٹم ہے ہر مزاحمت کا ضبط و نظم اور عزم و ثبات کے ساتھ انشاء اللہ مقابلہ کیا جائے گا، یہاں تک کہ

"جاء الحق وزھق الباطل، ان الباطل کان زھوقا"

کا منظر دنیا اپنی آنکھوں سے دیکھ لے اور پاکستان کا گوشہ گوشہ اللہ کی رحمت سے، اللہ کے دین سے اور اخلاق و پاکیزگی سے معمور ہو جائے!

ماہر القادری
۳۰ اگست ۱۹۵۳ء

پروفیسر عبدالحمید (ایم۔اے)

"اشپنگلر کے نظریہ تمدّن پر ایک نظر!"

اس فاضلانہ مقالہ کی دو قسطیں ماہنامہ ترجمان القرآن میں شائع ہو چکی ہیں، یہ حصہ جو "فاران" میں چھپ رہا ہے اسی مضمون کا تکملہ ہے۔ "ترجمان القرآن" نکلتا ہوتا اور اُس کے مُدیر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی آزاد ہوتے، تو یہ آخری قسط اُسی میں چھپتی، افسوس ہے کہ اسلامی دُنیا کے اس عظیم مفکر کے فیض و افادہ سے لاکھوں آدمی محروم ہیں، بلکہ محروم کر دیئے گئے ہیں!

بہرحال اس مقالہ کا چھپنا "فاران" کے لئے مقدر ہو چکا تھا۔ (م ۔ ق)

فکر و نظر کا یہ انقلاب قرآن حکیم کی اُس تعلیم کا نتیجہ ہے جو اُس نے اپنے ماننے والوں کو انفس و آفاق پر غور کرنے کے متعلق دی۔ اِس انقلاب کے نتائج بڑے ہی دوررس تھے۔ مسلمانوں نے پُرانے بندھن توڑ کر ایک نیا طریق فکر اختیار کیا، ایک نئے نظام فلسفہ کی بنیاد رکھی اور ایک نئی حکمت طبعی (NATURAL – SCIENCE) کی داغ بیل ڈالی جس کی اساس قرآن پاک کی تعلیم تھی۔ مسلمان جہاں کہیں گئے اُنہوں نے وہاں کی پُوری فضا کو اس نئے طرز فکر سے متاثر کیا۔ کلاسکی سکون آفرینی کے نظریہ کی جگہ حرارت اور حرکت کے اصول کو زندگی کا رہبر بنایا گیا۔ کلاسکی منطق کے اُصول کی تردید کی گئی قیاس و ظن و تخمین کی جگہ علم کا ماخذ احساس و شعور قرار پایا اور استقراء کو استدلال کا قابلِ اعتماد طریقہ تسلیم کیا جانے لگا۔ اسلام نے تاریخ عالم کو مسلسل اجتماعی حرکت و ارتقا سے تعبیر کر کے اُسے ایسی تخلیقی تحریک کا سبب قرار دیا جس میں انسانی اختیار کی کارفرمائی موجود رہتی ہے۔ پھر اس کے علاوہ علم حساب کی بجائے جبر و مقابلہ کی طرف اسلامی حکماء اور اس کے بعد میں آنے والے غیر اسلامی حساب دانوں نے جو توجہ کی اس کی وجہ بھی کائنات کا وہی مخصوص نقطۂ نظر تھا۔ جو اسلامی تہذیب و تصوّرات میں مضمر ہے۔[۵۱]

---

51. The Re-construction of Religious thoughts in Islam by Mohamed Iqbal.

مسلمان جب تک ذہنی، اخلاقی اور سیاسی اعتبار سے دُنیا میں غالب رہے اُس وقت تک اُن کے نظامِ فلسفہ نے اور کسی فکر کو سر اُٹھانے کا موقعہ نہ دیا۔ جب تک یہ لوگ اپنے فکری نظام کے اندر تحقیق و ایجاد کی تازہ ہوا داخل کرتے رہے اُس وقت تک دُنیا میں اُن کے تصورات غالب رہے حُسن اور قبح، نیکی اور بدی، غلط اور صحیح کا معیار جو مسلمانوں نے مقرر کیا وہ شعوری یا غیر شعوری طور پر تمام دُنیا کے نزدیک معیار قرار پایا۔ اور قصداً یا اضطراراً دُنیا اپنے افعال و اعمال کو انہیں کے پیش کردہ معیار کے مطابق ڈھالتی رہی۔ مگر جب مسلمانوں میں اربابِ فکر و اصحابِ تحقیق پیدا ہونے بند ہو گئے۔ جب اُنھوں نے سوچنا اور دریافت کرنا چھوڑ دیا، جب وہ اکتسابِ علم اور اجتہادِ فکر کی راہ میں تھک کر بیٹھ گئے تو دنیا کی امامت سے ہٹا دیئے گئے۔ اُن کی اِس شکست سے اُن کے نظریات بھی مغلوب ہوئے۔ مگر یہ نظریے ناپید نہ ہوئے اور اپنے سہاروں کے مٹ جانے کے بعد بھی آنے والے افکار کو برابر متاثر کرتے رہے۔ البتہ اُن میں وہ دم خم باقی نہ رہا جو انہیں اپنے ماننے والوں کے غلبہ کے ساتھ نصیب تھا۔

تاریخ کے اوراق اس حقیقت پر گواہ ہیں کہ دُنیا میں بُت پرستی اور شرک کا ہمیشہ کے لئے بے وقعت اور ذلیل ہو جانا اِسلام کی دعوتِ توحید ہی کا نتیجہ تھا۔ لوگوں کو اپنے اپنے مذاہب سے شرم آنے لگی اور ان سے وہ اپنے آپ کو بری ثابت کرنے کی کوشش کرنے لگے یا پھر اپنے مذہب کے مشرکانہ اجزا و اعمال کی تاویل توجیہ اور اس کی تشریح کی ایسی کوشش کرتے کہ ان کے عقائد توحید سے ملتی جلتی چیز نظر آنے لگی۔ عیسائیوں میں ایسے گروہ پیدا ہوئے جو حضرت مسیح علیہ السلام کی الوہیت کا انکار اور عقیدۂ تثلیث کی توحید نما تشریح کرتے تھے۔ ان میں ایسے مصلحین بھی پیدا ہوئے جو عیسائیوں کے مذہبی گروہ اور اہلِ کلیسا کے اللہ اور بندے کے درمیان وساطت کے منکر ہو گئے یورپ کی مذہبی تاریخ اور مسیحی کلیسا کی تاریخ کا اگر گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو اسلام کے ذہنی اثرات کے اور بہت سے نمونے ملیں گے۔ خود لوتھر کی مشہور اصلاحی تحریک اپنے نقائص کے باوجود اسلام سے متاثر تھی اور مورخین کو اس کا اعتراف ہے کہ اس کے بانی پر اسلامی تمدن کے اثرات پڑے۔

اسلامی تمدن کی یہ لہر برابر بڑھتی رہی اور زمانہ (ساری کوششوں کے باوجود) اسے دُنیا سے مٹا دینے میں کامیاب نہ ہوا۔ دورِ حاضر کی اِصلاحی تحریکات "ماڈرن ازم" (MODERNISM) کے خواہ کتنے ہی رنگین لباس پہن کے آئیں مگر دیکھنے والی آنکھیں پہچانتی ہیں کہ ان سطحی موجوں کے نیچے ایک خاموش طوفان انقلاب کی حیثیت میں موجود ہے۔ سطح بیں آنکھیں صرف اوپر تیرنے والے خس و خاشاک، لہروں اور ردوں، گردابوں اور بھنور دیکھنے میں مصروف رہتی ہیں مگر یہ نہیں دیکھتیں کہ نیچے کس قدر گہرائی ہے اور اس میں کون کون سی طاقتیں سرگرم عمل ہیں۔ اگر اسلامی تمدن کے اثرات کا مطالعہ مقصود ہو تو آپ

اسلامی تہذیب مصنفہ خدا بخش (ISLAMIC CIVILIZATION BY:- KHUDABUX)

ترکۂ اسلام مرتبہ تھامس آرنلڈ (THE LEGACY OF ISLAM BY THOMAS ARNOLD)

مسلمان کلچر از وی۔ وی۔ بارٹولڈ (MUSALMAN CULTURE BY V. V. BARTOLD)

ہندوستانی تمدن پر اسلام کے اثرات از ڈاکٹر تارا چند "INFLUENCE OF ISLAM ON INDIAN CULTURE BY DR TARA CHAND"

کو دیکھیں۔ اس سے آپ کو اسلامی تمدن کی جدید تہذیب پر گہرے اثرات کا ایک ہلکا سا اندازہ ہو سکے گا۔ مگر یہ یاد رہے کہ صرف مسلمانوں سے ہی پوری دنیا نے اخذ نہیں کیا بلکہ اس کے برعکس مسلمانوں نے بھی دوسرے تمدنوں سے بہت کچھ سیکھا۔ سیکھنے کے ڈھنگ البتہ ہر دور میں مختلف رہے۔ جب تک مسلمانوں کو اپنے مقصد کی لگن بے تاب کرتی رہی جب تک وہ توحید کے نشہ میں سرشار رہے، جب تک قرآن پاک کا بتایا ہوا نصب العین اُن کی زندگیوں کو گرماتا رہا۔ اُن کے افکار میں اتنی حرارت تھی کہ وہ دوسرے نظریات کو اپنے ہادی برحق کی تعلیم کے مطابق ڈھال لیا کرتے تھے۔ اور ہر چیز کو جوں کا توں قبول نہ کرتے بلکہ جب بھی کچھ لیتے تو اُسے اتنا پاک اور مصفا کر لیتے کہ اس میں جاہلیت کی کوئی آلائش تک باقی نہ رہتی۔

عہد حاضر کے ایک مستشرق نے اس حقیقت کا ان الفاظ میں اعتراف کیا ہے " اسلامی تعلیمات کا دائرہ بڑا وسیع ہے سوائے مشرکانہ عقائد کے باقی ہر چیز اس کے دائرہ کے اندر آ سکتی ہے اور مسلمان جائز افکار کو وقتاً فوقتاً قبول کرتے رہے ہیں البتہ وہ ان کو اپنے رنگ میں رنگ لیتے اور ان کی نشو و نما بھی اپنے ڈھنگ پر کرتے تھے "

اسلامی تعلیمات کی اس جذب کن خصوصیت ASSIMILATIVE CHARACTER کا ذکر اسلام کے ایک طالوی نقاد پروفیسر HURGONGE نے بھی کیا ہے۔ اس نے کہا "محمڈن لا کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے ہمیں عجیب الجھن پیش آتی ہے۔ ایک طرف تو مسلمان علماء معمولی معمولی اختلافات کی بنا پر ایک پر کفر کے فتوے لگاتے ہیں مگر دوسری طرف یہی لوگ مقصد کی یگانگت کی وجہ سے اپنے پیشروؤں کے اختلافات کو مٹاتے بھی رہتے ہیں۔

مگر یہ صورت ہمیشہ قائم نہ رہ سکی۔ جب مسلمانوں نے اپنے خدا سے منہ موڑ کر دنیاوی لذائذ سے اپنا رشتہ جوڑنا سیکھا، جب اُن کے اندر جہاد کا ولولہ اور فکر و تحقیق کا جذبہ ختم ہو گیا، جب دین حق کو سربلند کرنے کا عزم اُن میں باقی نہ رہا یا دوسرے الفاظ میں جب مسلمانوں نے دوسری دلچسپیوں میں گم ہو کر غایت الغایات کو نظر انداز کر دیا تو اُن کے فکر میں اب اتنی حرارت باقی نہ رہی کہ وہ دوسری اقوام کی تحقیقات کو پگھلا کر اپنے سانچوں میں ڈھال سکتے بلکہ دوسری اقوام نے اپنی زندگی کی حرارت سے مسلمانوں کو جھلس دیا اور اس قوم کے کمزور پڑ جانے سے اس کے افکار بھی کمزور پڑ گئے۔ مگر وہ دنیا سے مٹ نہ سکے اور کسی نہ کسی شکل میں دنیا میں باقی رہے۔

دنیا میں (جیسا کہ میں نے پہلے گزارش کی ہے) ہر قوم کی اپنی روح ہوتی ہے۔ جس کی قوت پر اُس قوم کی زندگی اور اُس کے تصورات کا انحصار ہوتا ہے جب وہ تخلیقی ذہانت (CREATIVE GENIUS) ماند پڑ جاتی ہے تو اُس کے ساتھ وہ قوم اور اُس کے نظریات بھی کمزور پڑ جاتے ہیں۔ قوم کے افراد تو کچھ مدت گزرنے کے بعد دنیا سے نیست و نابود ہو جاتے ہیں مگر اُن کے پیش کردہ افکار دبی ہوئی چنگاریوں کی صورت میں موجود رہتے ہیں۔ اور جب بھی انسانوں کا کوئی

گردو عمل کے جوش سے ان کو ہوا دیتا ہے تو وہ فوراً بھڑک اُٹھتے ہیں۔

دُنیا کا ہر تمدن ماضی کے بطن ہی سے جنم لیتا ہے البتہ اس کی پرورش حال کی گود میں ہوتی ہے۔ دُنیا میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ یکایک ایک ایسا تمدن معرض وجود میں آئے جس کا کوئی تعلق ہی گزرے ہوئے تمدنوں سے نہ ہو۔ یہ تو اُسی صورت میں ممکن ہے کہ ہر نئے تمدن کے ساتھ دُنیا میں بالکل نئے انسان بھی پیدا کئے جائیں جن کی ذہنی ساخت انوکھی ہو، اُن کی شعوری اور لاشعوری قوتیں نرالی ہوں، ان کے محرکات بالکل الگ ہوں اور احساسات بالکل نئے ہوں۔ مگر ظاہر ہے کہ دنیا میں ایسا کبھی نہیں ہوتا انسان کی بنیادی فطرت میں آج تک کوئی قابل ذکر انقلاب نہیں آیا لہٰذا اس کی زندگی کے اُصول بھی لازماً وہی ہونے چاہئیں جن سے اُن کی فطرت کسی حد تک پہلے سے آشنا ہو۔ ورنہ اس کے لئے زندگی سراپا عذاب بن جائے گی۔ علامہ اقبال مرحوم نے اپنی کتاب اسلامی الٰہیات کی جدید تشکیل میں لکھا ہے "ہمیں اس حقیقت کو نہ بھولنا چاہیئے کہ زندگی سراپا انقلاب اور تغیر ہی نہیں بلکہ اس میں بہت سے ماضی کے عناصر بھی محفوظ ہوتے ہیں۔ جب انسان تخلیقی قوتوں کو کام میں لاکر زندگی کے نئے تصورات اور مناظر کا کھوج لگاتا ہے تو اپنے آپ کو اس نئے ماحول میں اجنبی محسوس کرتا ہے۔ ہر انسان آگے بڑھتے ہوئے اپنے ماضی پر بار بار نگاہ رکھنے پر مجبور ہے دوسرے الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ زندگی اپنی پشت پر ماضی کا بوجھ لادے ہوئے آگے بڑھتی ہے۔ لہٰذا معاشرتی انقلاب میں ماضی کی قوتوں کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ کوئی قوم بھی ماضی کو پس پشت نہیں ڈال سکتی"

انسانی اخلاقیات دراصل وہ عالم گیر سچائیاں ہیں جن کو سب انسان جانتے ہیں۔ نیکی اور بدی کوئی چھپی ہوئی چیز نہیں کہ انہیں کہیں سے ڈھونڈ کر نکالنے کی ضرورت ہو۔ وہ تو ہر انسان کی ایسی جانی پہچانی چیزیں ہیں جن کا شعور آدمی کی فطرت میں داخل ہے۔

اس سے یہ واضح ہے کہ تمدن کے تصورات دھارے کی طرح بہتے رہتے ہیں۔ مگر جب اُسے ارد گرد سے پانی ملنا بند ہو جاتا ہے اور اسے خود بھی ریتیلی اور بنجر زمین میں سے گزرنا پڑتا ہے تو وہ کمزور پڑ جاتا ہے۔ اس کے صاف کرنے کا کوئی خاطر خواہ انتظام نہ کیا جائے تو اس میں مختلف چیزیں مل کر صاف پانی کو گدلا بنا دیتی ہیں۔ اس کے برعکس اگر اس دھارے کو برابر پانی ملتا رہے اور مناسب تدابیر سے اس کو صاف رکھنے کا بندوبست کیا جا سکے، تو وہ اپنی اصل شکل میں ایک غیر معین مدت تک زندہ رہ سکتا ہے۔ مگر اس کے حفظ و بقا میں اصل اور فیصلہ کن قوت وہ لوگ ہیں جو اس کو جاری رکھ کر اس سے فائدہ اٹھانے کے متمنی ہیں۔

شپنگلر نے تمدن کو سمجھنے میں ایک زبردست غلطی جو کی ہے وہ یہ کہ اس نے ھیگل اور مارکس کی طرح ہر دور کو ایک وجود عضوی (O R G A N I S M S) قیاس کرتے ہوئے اس کے مطابق تمدن کے عروج و زوال کے اصول وضع کئے ہیں اس غلطی کا سرچشمہ دراصل سائنس کا وہ بحران ہے جس نے پورے یورپ کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ مادی ترقی کی وجہ سے یورپی مفکرین اب یقین کرنے لگے ہیں کہ دنیا میں جو کچھ ہے صرف مادہ ہے چونکہ مادہ کو مقدار اور خصوصیات کے لحاظ سے ناپا اور جانچا جا سکتا ہے اس لئے ان کے

نزدیک صرف وہی علوم قابل قدر ہیں جن کا تعلق انسانی زندگی کے حیوانی پہلو سے ہے۔ رہے وہ علوم جو انسان کا بہ حیثیت صاحب ارادہ و اختیار مطالعہ کرتے ہیں تو ان کی حیثیت اُن کی نظر میں قیاس آرائی سے کچھ زیادہ نہیں۔ اشپنگلر پہلے گروہ سے تعلق رکھتا ہے اس نے انسان پر بہ حیثیت وجود عضوی کے غور و فکر کیا اور اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ تمدن بھی ایک فرد کی طرح طفولیت، جوانی اور بڑھاپے کی منازل سے گزر کر موت کے آغوش میں ہمیشہ کے لئے سو جاتا ہے۔ اشپنگلر نے بھی حیاتیات کے ماہرین کی طرح انسان کے اُس حصے کو یکسر فراموش کر دیا جس کا تعلق اختیار (FREEWILL) سے ہے۔ لیکن انسان کے صرف حیوانی پہلو کا مطالعہ پُورے انسان کا مطالعہ نہیں ہو سکتا۔ صرف ایک پہلو سے اس پر بحث نہ صرف ادھوری ہوگی بلکہ اس میں بہت سی خامیاں بھی موجود ہوں گی۔ اسی طرح تمدن کے متعلق وہ نظریہ جس میں قوموں کی قوت ارادی کو نظر انداز کیا گیا ہو وہ کبھی بھی صحیح نہیں ہو سکتا۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ انسانی فکر و عمل نے بعض اوقات واقعات کے دھارے کا رُخ بالکل بدل کر رکھ دیا ہے۔ انسانوں نے اپنی ہمت سے دم توڑتے تمدن کو نہ صرف چند دنوں کے لئے سنبھالا دیا بلکہ اُسے پھر سے شباب بھی عطا کیا۔

اِسی غلطی کا ایک دوسرا پہلو اس سے بھی زیادہ افسوسناک ہے۔ جن لوگوں نے بھی سماج کو نظام جسمانی سمجھتے ہوئے افراد کو محض خلیہ قرار دیا اُنہوں نے حقیقت میں ایک زبردست ٹھوکر کھائی ہے۔ ہیگل، مارکس، اشپنگلر اور اسی نوع کے دوسرے فلسفی اور ماہرین عمرانیات سب اسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ انہیں میں سے ہیگل اور مارکس نے تو، ایک فرد کو ریاست کی بھینٹ چڑھا کر اُس کی انفرادیت کو بالکل ختم کر دیا۔ اشپنگلر نے تمدنوں کی زندگی اور موت میں جبریت کا عنصر غالب سمجھتے ہوئے نہ صرف سماج میں قنوطیت کا بیج بویا بلکہ انفرادی زندگی میں ترقی کے سب راستوں کو مسدود کر کے اسے یکسر تاریک بنا دیا ہے۔ ہر فرد تمدن کا محض ایک خلیہ (CELL) ہونے سے اُسی کی زندگی کے مدوجزر کے ساتھ بہنے پر مجبور ہے۔ وہ کوئی الگ راستہ اختیار نہیں کر سکتا۔ اگر تمدن موت کی آغوش میں دم توڑ رہا ہے تو اس کے علمبرداروں کی زندگی پر موت کی سی کیفیت کا طاری ہونا بالکل طبعی بات ہے۔ لیکن افراد کے ساتھ اس سے زیادہ ناانصافی اور کیا ہو سکتی ہے کہ انسانوں کو اس قدر مجبور اور بے بس سمجھ لیا جائے (R. M. MACIVER) (ار۔ ایم۔ میکاور نے اپنی کتاب سماج (SOCIETY) میں لکھا ہے۔

"اس نظریہ میں انسان کی انفرادیت سے پُورا انصاف نہیں کیا گیا۔ یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ سماج ہی ایک فرد کے اندر زندہ ہوتا ہے اور سانس لیتا ہے اور ہمارا شعور صرف سماجی شعور (Social Consciousness) کا مظہر ہے۔ سماج دراصل افراد سے زندہ ہے۔ یہ دعویٰ بڑا ہی گمراہ کن ہے کہ ہمارا رشتہ سماج میں اس قسم کا ہے جس طرح کہ پتوں کا درخت سے یا خلیہ (CELL) کا جسم سے۔ سماج کا لفظ اس وقت بالکل بے معنی ہے جب تک کہ ہم فرد کی انفرادیت کو حقیقی اور اکیلی تسلیم نہ کریں۔ اس حیاتیاتی نظریہ کی خواہ کتنی ہی اہمیت ہو ہم اسے سماج اور افراد کے مابین تعلقات کی بنیاد قرار نہیں دے سکتے۔ یہ نظریہ انفرادی معاہدہ عمرانی (INDIVIDUALASTIC SOCIAL CONTRACT)

کی طرح تعلقات کے ایک پہلو کی یکسر نفی کرتا ہے۔[1]

فرد کو سماج کے طوفان میں گم کردینے کے نتائج آج کس صاحب خرد سے پوشیدہ ہیں۔ سلطنتوں کی سلطنتیں ایک دوسرے سے برسر پیکار ہیں تو میں ہر اصول کو پس پشت ڈال کر دنیا میں اپنی خداوندی کی ساکھ بٹھانے کی سعی کررہی ہیں۔ ریاست کی دیوی کے سامنے انسانوں نے ہر قیمتی سے قیمتی متاع کو لاکر ڈھیر کردیا ہے۔ قوم کی خاطر کوئی بڑی سے بڑی بے اصولی بھی ایسی نہیں رہی جس کو جائز نہ سمجھا گیا ہو۔ پروفیسر سی۔ ای جوڈ[2] اس کے نتائج کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے۔

"قوم اپنی ذات میں ایک قانون ہے اور اس کی پالیسی میں کوئی چیز مانع نہیں ہونی چاہیئے۔ حق وہ ہے جو اس کے لئے نفع بخش ہے۔ اخلاق وہ ہے جو اس کے لئے ضروری ہے۔ ہر فرک نے کہا ہٹلر جو کچھ فیصلہ کرتا ہے وہ صحیح ہے اور ابد تک صحیح رہے گا۔ حق کا معیار یہ ہے کہ جرمن قوم کو اس سے نفع ہو باطل وہ ہے جس سے جرمنی قوم کو نقصان پہونچے — مسیحی اور اخلاقی تعلیمات حکومت کے خارجی تعلقات پر منطبق نہیں ہوتی۔ طاقت وغلبہ کے حصول یا ان کی حفاظت کے لئے ایسے وسائل اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں جو اخلاق وشرافت سے موافقت نہ رکھتے ہوں۔ اس طرح قومیت ریاست کو معبود بنا دیتی ہے"[2]

یہ بگاڑ صرف قومی اخلاق میں رونما نہیں ہوا۔ انفرادی زندگی میں اس کی ہلاکت انگیزیاں کم نہیں۔ زندگی میں حق پرستی کے لئے کوئی چھوٹے سے چھوٹا گوشہ بھی باقی نہیں رہا۔ قلب وروح کی جگہ دنیاوی ہوس نے لی جس سے زندگی کی تمام بلند اور لطیف حقیقتیں اوجھل ہوگئی ہیں اب مدت سے ہاتف غیب کی زبان پر ہے ؎

نہ ڈھونڈ اصل دل کو اب کہ جوشِ قلزم فنا
متاعِ درد جن میں تھی وہ کشتیاں ڈبو چکا

خدا طلبی کے بجائے اب اس کرّے پر دنیا طلبی کا دور ہے۔ الشت بھر پیٹ نے دنیا کی ساری وسعتیں گھیر لی ہیں خدا اور آخرت سے یقین بالکل اٹھ گیا۔ دل کی روشنی بجھ گئی ہے نفس کی آگ بھڑک اٹھی ہے۔ انسان محض اغراض کا بندہ بن کے رہ گیا ہے۔ دور جدید کے ایک مورخ آرنلڈ ٹوین بی (A. TOYNBEE) نے لکھا ہے۔

"جب ہم یہ اصول تسلیم کرتے ہیں کہ ایک فرد سماج کے لئے ہی زندہ ہے تو اس سے انسانی زندگی کا کعبۂ مقصود ہی بدل جاتا ہے۔ اب انسانی زندگی میں سب سے اہم چیز افراد کی روحانی نشوونما نہیں بلکہ قوموں کے اقتدار میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہ نقطۂ نظر کسی طرح بھی درست نہیں۔ اگر اسے صحیح جان کر ہم اس کے مطابق عمل کرنا شروع کریں تو دنیا میں اس سے سنگین قسم کی بد اخلاقی جنم لے گی۔ یہ نظریہ کہ فرد محض سماج کا ایک بے جان حصہ ہے کر دل

1. SOCIETY BY R. M. MACIVER AND CHARLES H. PAGE . P. 44.
2. A GINDE TO MODERN WICKEDNESS BY C. E. M. JOAD.

گھوڑوں کے متعلق تو درست ہو سکتا ہے۔ مگر اس کا اطلاق انسانوں پر کبھی نہیں ہو سکتا۔[۵۱]

جب ہم ایک فرد کو محض ایک قوم کا جزو سمجھتے ہیں تو اس سے انسان اور خدا کے درمیان تعلقات کی خود بخود نفی ہو جاتی ہے۔ اور خدا پرستی کی جگہ قوم لے لیتی ہے۔[۵۲]

مجھے اس ضمن میں آخری بات جو کہنی ہے وہ یہ ہے کہ تمدن سے متعلق شپنگلر کے نقطۂ نظر کے حامی اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ تمدن کی ترقی اور تنزل سب اضافی باتیں ہیں۔ ترقی کا تعین آدرش (IDEAL) کی روشنی میں ہی کیا جا سکتا ہے، ہو سکتا ہے کہ ایک تمدن ایک غیر مسلم کے نقطہ نظر سے ترقی کے اعلیٰ مدارج پر فائز ہو مگر ایک مسلم کی نگاہ میں وہ حالتِ نزع میں گرفتار ہو۔ مثال کے طور پر غیر مسلم مورخین اور بعض مغرب زدہ مسلم مورخین بھی اسلامی تمدن کی ترقی کا زمانہ وہ سمجھتے ہیں جب کہ اس کے پیروؤں کو جمشید اور قیصر و کسریٰ کے سے شاہانہ اختیارات ملے جب انھیں خسروانہ جلال اور غیر مسئول اقتدار نصیب ہوا۔ جب اُن کے ہاں فنونِ لطیفہ نے ترقی کی مگر ایک مسلمان کے نزدیک وہی دور اسلامی تمدن کے زوال کا تھا۔ اسلامی تمدن پر اس سے زیادہ اور منحوس گھڑی نہیں آئی کہ اس کے داعیوں کی زندگی دنیاوی لذائذ کے محور پر گھومنا شروع کر دیا اور اُن کی آنکھوں سے اُن کا حقیقی نصب العین اوجھل ہو گیا۔ تمدن کے عروج و زوال کا فیصلہ نصب العین کی عدالت میں ہی کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے ہم ترقی اور تنزل کے متعلق کوئی حتمی اور معروضی معیار پیش نہیں کر سکتے۔

پروفیسر ہارنل ہارٹ نے اپنے ایک مضمون میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ "ممکن ہے کہ ایک ماہر عمرانیات کی نظر میں ترقی کا حقیقی معیار ایک شخصیت کا مکمل اظہار ہو لہٰذا اس کے نزدیک تمدن اس وقت ترقی کی راہ پر گامزن ہے جب کہ وہ اپنے اندر اتنی گنجائش اور صلاحیت پیدا کرے جس سے افراد کو مکمل نشو و نما کا موقع ملے۔ دوسرے کا ذہن اسے قبول نہیں کرتا اور وہ بالکل الگ معیار پیش کرتا ہے پھر معاملہ یہیں ختم نہیں ہوتا بلکہ معیار ہر قوم اور ہر دور کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر مغربی قوموں کی نگاہ میں اٹھارویں صدی کے اندر رسومات کے بندھنوں سے آزادی اور استبداد سے نجات حاصل کرنے کا نام ترقی تھا۔ مگر انیسویں صدی میں امریکہ میں ترقی کا مفہوم، سماج کی وسعت اور زمین سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانا قرار پایا۔"

---

۵۱ CIVILIZATION ON TRIAL BY ARNOLD TOYNBEE PAGE 254

۵۲ 〃 〃 PAGE 256

ڈاکٹر محمد حمید اللہ
(مقیم پیرس)

فراسۃ النبی فی السلم والحرب

غزوۂ خندق اور صلحنامۂ حدیبیہ کے بعض غیر معروف پہلو

ایک حدیث شریف ہے کہ "المومن غرٌّ کریم" (مومن دھوکہ کھا جاتا ہے پھر بھی فراخ دل ہوتا ہے) ایک اور حدیث نبویؐ میں ارشاد ہوا ہے "اتقوا فراسۃ المؤمن" (مومن کی فراست سے احتیاط کرو) ایک عام مومن کی یہ شان ہے۔ ایک نبی اور مومنوں کے پیشوا کے اُسوۂ حسنہ کے کیا کہنے! اسلام پر مصیبتیں ہر زمانے میں آتی رہی ہیں۔ اس ابتلا اور آزمائش میں ہمارے لئے بڑے سبق ہیں۔ یوں تو عہد نبوی میں مکی دور کی ایذائیں چھکے چھڑانے کے لئے کافی تھیں لیکن مدنی دور میں دو وقت خاص طور پر نازک گزرے ہیں۔ پہلے غزوۂ خندق، جس کے متعلق قرآنی شہادت ہے کہ مسلمانوں کے کلیجے منہ کو آنے لگے تھے (بلغت القلوب الحناجر)! دوسرے صلحنامۂ حدیبیہ جو قرآن مجید ہی کے الفاظ میں "فتحاً مبیناً" اور "نصراً عزیزاً" تھا۔ یہ تمام واقعات ایک ہی سلسلے کی کڑیاں اور ایک ہی سبب کے اثرات و نتائج ہیں۔ آج انہیں کا مطالعہ مقصود ہے کہ جنگ و امن کی ان نازک گتھیوں کو فراستِ نبوی نے کس طرح سلجھایا اور کس طرح اسلام کو ان نازک مراحل سے صحیح و سالم گزار کر ساحل مراد تک پہونچایا۔

نقطۂ آغاز

اصل بنائے فساد معلوم کرنے کے لئے ذرا اور بھی پہلے کے واقعات پر نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔ مسلمان مؤرخوں کا بیان ہے کہ ربیع الاول ۴ھ میں مدینۂ منورہ کے یہودیوں کے ایک گروہ بنی النضیر کے محلے میں آنحضرتؐ بنفس نفیس تشریف لے گئے اور ایک معاہدے کے مطابق ان سے کچھ رقمی ادائیگی کا مطالبہ فرمایا۔ یہاں چمڑی جائے پر دمڑی نہ جائے کا اصول تھا۔ کچھ اور باتوں کا غم و غصہ بھی تھا۔ قریب تھا کہ جس گڑھی کے سایے میں، دھوپ کی تمازت سے بچنے کے لئے رسول اکرم تشریف فرما تھے (کو ان یہودیوں نے آپ کے بیٹھنے تک کے لئے کسی مروت و اخلاق کا مظاہرہ نہ کیا تھا)، اس کے اوپر سے آپ پر چکی کا ایک پاٹ گرائیں، اور اپنے قتل انبیاء کے جرم میں ایک اور کا اضافہ کرلیں۔ فراستِ نبویؐ نے تاڑ لیا۔ اور یہ اعلان جنگ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بھی فراخ دلی دکھائی ان کے غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈالنے کے بعد آپ نے فیصلہ فرمایا کہ ہر نضیری اپنے ساتھ ایک

اونٹ بھر سامان لے کر مدینہ سے چلا جائے۔ بخاری میں یہودی قبیلے کا نام تو نہیں ہے لیکن یہ ذکر ہے کہ مدینہ کے بعض یہودیوں کو اخراج کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اجازت دی کہ اپنی زمینیں بیچ کر رقم حاصل کرلیں (بنی قینقاع کے پاس اراضی نہ تھیں۔ بظاہر بنی النضیر ہی مراد معلوم ہوتے ہیں) دارقطنی اور سرخسی وغیرہ نے یہ ذکر کیا ہے کہ ان یہودیوں کو اپنے وہ قرضے بھی واپس حاصل کرنے کی اجازت تھی جو مسلمانوں سے ان کو وصول طلب تھے۔ ان ساری رعایتوں کے باوجود المؤمن غرٌّ کریم والکافر خبٌّ لئیم، ان لوگوں نے دغابازی اور کمینہ پن ہی کا ثبوت دیا۔

یہودیوں کا انتقام

بنو النضیر کے یہ یہودی خیبر جا بسے، جو مدینہ سے ایک سو میل پر شمال میں واقع ہے اور فوراً انتقام کے لئے اپنا جال پھیلانا شروع کیا:

غزوۂ خندق میں
مدینہ پر چاروں طرف سے
نرغہ

شام
عراق
دومۃ الجندل
خیبر
غطفان
مدینہ و بنی قریظہ
سُلیم
بنی المصطلق
طائف
مکہ

نقشہ عرب

وہ جانتے تھے کہ مکہ اور مدینہ کے تعلقات اچھے نہ تھے۔ فوراً ایک سفارت مکہ گئی اور اُکسایا کہ مدینہ پر حملہ کرو ہم پوری مدد دیتے ہیں اور غطفان وغیرہ کو بھی تیار کرتے ہیں۔

ایک وفد قبیلۂ غطفان میں بھیجا اور خیبر کی پورے سال بھر کی کھجور کی فصل پیش کی اور کہا کہ اس کے معاوضے میں عین اس زمانے میں مدینہ پر حملہ کرو جب مکہ والے حملہ کریں۔

ایک اور وفد نجد بھیجا اور قبیلۂ بنی سُلیم کو بھی، جو بعض وجوہ سے مسلمانوں سے خار کھائے بیٹھا تھا، اس جارحانہ حلیفی میں شرکت پر آمادہ کیا۔

اگرچہ ہمارے مؤلفوں نے بنی المصطلق کے متعلق یہودی سازش کی صراحت نہیں کی ہے لیکن عین اسی زمانے میں ان کے ہاں بھی مدینے کے خلاف حملے کی تیاری کے سبب یقین کرنا پڑتا ہے کہ یہ بھی اسی سازش کی زنجیر کی ایک کڑی تھی۔

آخر میں دُومۃ الجندل ہے۔ عراق اور شام سے مدینے آنے والے کارواں اس جنکشن سے ہو کر مدینہ جاتے تھے اور مدینے کی بڑھتی ہوئی آبادی کے لئے غلے کی درآمد کرتے تھے۔ یہ کارواں نبطی لوگوں کے تھے جو زیادہ تر یہودی تھے۔ ایک طرف تو خود یہودی تاجروں نے مقاطعہ کیا۔ اور غیر یہودی (مثلاً عیسائی) تاجروں کی دُومۃ الجندل میں چھیڑ چھاڑ کا انتظام کیا گیا۔ غالباً وہاں کے سردار اُکیدر پر یا اس علاقے کے آس پاس کے قبائل پر اثر ڈالا گیا تھا۔

تجویز یہ معلوم ہوتی ہے کہ دُومۃ الجندل میں مدینے والے (اور شاید خود مدنی مسلمانوں کے) کاروانوں کو لوٹا جائے۔ اس پر سزا دہی اور سرکوبی کے لئے آنحضرتؐ اُدھر کا رُخ کریں اور مدینے سے دو ہفتے کے فاصلے پر دومۃ الجندل جائیں تو عین اسی زمانے میں غطفان، سُلیم، مکہ، بنی المصطلق سب مل کر مدینے پر حملہ کریں۔ فوج سے خالی شہر کو آسانی سے لوٹ اور جلا کر سب لوگ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مختصر سی فوج کے ساتھ اپنے مستقر سے دور ہوں گے، گھیر لیں اور کام تمام کر دیں۔

ساری تجویز گھڑی کے پُرزوں کی طرح باقاعدگی اور ہمکاری کے ساتھ حرکت کر رہی تھی ایک چھوٹا، بہت چھوٹا سا رخنہ پیش آیا مگر اس کے لئے حریف تیار تھا۔

قصّہ مختصر، بنی المصطلق کا بھانڈا سب سے پہلے پھوٹا۔ یہ قبیلۂ خزاعہ کی شاخ تھی۔ اور خزاعہ میں اسلام پھیل چکا تھا نیز آنحضرتؐ سے اس کی بعض شاخوں کی موروثی، نسل ہا نسل کی حلیفی تھی۔ مصطلقیوں کا مدینے پر حملہ کرنے کی تیاری کرنا ایسا واقعہ نہ تھا جو بہت دن چھپ سکتا۔ جیسے ہی آنحضرتؐ کو پتہ چلا، شعبان ۵ھ میں اُدھر کا رخ کیا اور یہ سانپ انڈے ہی میں کُچل دیا گیا۔ مگر دشمن نے اس کی پروا نہ کی۔

فوراً دوسرا وار ہوا اور دُومۃ الجندل میں مدینے کے کارواں لوٹ لئے گئے اور واقعی حریف کے اندازے کے مطابق آنحضرت (مکی ربیع الاول یا مدنی) رمضان میں تقریباً ایک ہزار کا لشکر لیکر روانہ ہوگئے۔ ابن ہشام نے صراحت کی ہے کہ آپؐ آدھے راستے سے خلاف توقع مدینہ واپس آگئے۔ راستہ میں آپؐ غطفان کے علاقے سے گزرے تھے اور گمان ہوتا ہے کہ وہیں مدینے پر متحدہ حملے کی بھنک آپؐ کو مل گئی تھی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ خُزاعہ کے ایک پیام رساں نے برق آسا رفتار سے آکر اطلاع دی تھی کہ مکے والے حملہ کرنے والے ہیں۔

مؤرخ صراحت کرتے ہیں کہ مدینہ آنے کے بعد بہ مشکل تین ہفتے ملے جن میں شہر کے اطراف خندق کھود دی گئی۔ مکے سے نہ صرف قریش آئے بلکہ اُنھوں نے اپنے ساتھ اپنے دیرینہ حریف (کرائے کے ٹٹو) قبائل اَحابیش کو بھی لیا۔ نیز طائف کے قبیلۂ ثقیف کو بھی جیسا کہ بلاذری نے صراحت کی ہے۔ مشرق سے بنی سُلیم نکلے اور مَرّ الظہران میں مکی لشکر میں آکر مل گئے۔ شمال سے غطفان اور فزارہ کا لشکر روانہ ہوا۔ خود خیبر سے کسی لشکر کا تو مؤرخ صراحت سے ذکر نہیں کرتے لیکن غلے کی رسد اور چارے کے انبار لد لد کر اونٹوں پر برابر چلے آتے رہے۔ (اور بعض وقت

مسلمان طلایہ کے ہاتھ بھی آئے) نیز ان کے عقل کل سردار (حُیَیؔ بن اخطب وغیرہ) مشوروں میں مدد دینے کے لئے آ گئے۔

خندق کا آسرا، نیز خود مدافعین کی دلیری، اس چوکھے وار سے بھی مدینے کو کامیابی سے بچاتی رہی۔ جب اس طرح مایوسی ہوئی تو دشمن نے آخری وار کیا۔ خیبر کے یہودی سردار بنی قُریظہ میں پہونچے۔ یہ مدینے کے اندر ہی رہتے تھے اور ان کو بدقت ہی سہی، اس پر آمادہ کرلیا کہ شہر کے اندر سے مسلمانوں کی پیٹھ میں خنجر بھونکیں۔ اب خندق اور ساری مدافعتی تنظیم بیکار تھی۔ اور وقت بھی کم تھا کہ ایک سکنڈ بھی ضائع نہیں کیا جاسکتا تھا۔

فراست نبویؐ ہی نے صورتِ حال کو سہار لیا ورنہ اس کانٹے کا منتر نہ تھا۔ کچھ خداداد اسباب بھی پیدا ہوگئے۔

اولاً رسولِ اکرم نے حریفوں کے سب سے لالچی اور بے اصول گروہ یعنی غطفان و فزارہ کو توڑ لینا چاہا اور انہیں مدینے کے کھجور کی تہائی پیداوار کا پیش کش کیا کہ وہ محاصرہ اٹھاکر چلے جائیں۔ یہ لوگ خیبر کے سال بھر کے کھجور لیکر آئے تھے مگر کیا پرواتھی، فوراً آمادہ ہوگئے، البتہ بھاؤ بڑھانے لگے اور نصف پیداوار کا مطالبہ کیا۔ انصارِ مدینہ کی مخالفت پر یہ کوشش ترک کردی گئی۔

پھر قریظہ کا رخ کیا، ان کے محلے کے دونوں رُخ فوجی دستے بھیجے گئے۔ یہ رات بھر وقفے وقفے سے نعرہ ہائے تکبیر لگاتے رہے۔ بنی قریظہ گھبرائے کہ شاید انھیں پر حملہ ہونے والا ہے اور وہ اپنے اہل وعیال کی حفاظت کے لئے گھروں ہی میں پڑے رہے۔ اس طرح ایک قیمتی رات مل گئی۔ یہودی کاروانوں کے مقاطعے کی وجہ سے قبیلہ اشجع، جو کارواں سرائی پر پلتا تھا، سخت متاثر ہوگیا تھا۔ یہ مدینہ آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد مانگے۔ اس کے سردار نے چند روز قیام کے بعد سچے دل سے اسلام قبول کرلیا۔ آنحضرتؐ کے اشارے سے اس نے اپنا اسلام پوشیدہ رکھا اور بنی قریظہ میں پہنچا۔ ان سے کہا کہ مسلمانوں پر حملہ ہے تو اچھی چیز بشرطیکہ کامیابی کا یقین ہو، تم آج مسلمانوں سے بگاڑلو، اور کل کے والے موسم حج کی آمد کے باعث محاصرہ اٹھاکر ختم شوال پر واپس چلے جائیں تو پھر تم تنہا کہیں کے نہ رہوگے۔ اس کا اطمینان کرلو کہ قریش تمہارا ساتھ نہ چھوڑیں گے۔ بہتر تو یہ ہو کہ یرغمال مانگو۔ بات معقول تھی۔ پھر یہی اشجعی غطفان اور قریش کے ہاں پہونچا اور کہا میں نے سُنا ہے کہ قریظہ اور محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں معاہدہ ہے، اور قریظہ نے وعدہ کیا ہے کہ تمہارے چند سرداروں کو کسی طرح قبضہ میں لاکر انہیں محمدؐ کے سپرد کردیں گے۔ اس سے احتیاط کرو بلکہ قریظہ سے مطالبہ کرو کہ وہ سنیچر کے دن مسلمانوں پر حملہ کریں، مسلمان جانتے ہیں کہ سنیچر کو یہودی جنگ نہیں کرتے اور وہ غافل رہیں گے۔ آخر میں اسلامی لشکر میں آکر بھی یہ افواہ پھیلائی کہ قریظہ نے قریشی سرداروں کو پکڑ کر مسلمانوں کے سپرد کرنے کا وعدہ کیا ہے تاکہ اپنی وفاداری کا آنحضرتؐ کو یقین دلائیں۔ کسی نے آنحضرتؐ سے جاکر پوچھا تو آپؐ نے فرمایا "شاید ہم نے ہی ان کو ایسا کرنے کا حکم دیا ہو" (لعلنا امرناھم بذلک) یہ رپورٹ قریش تک پہنچ گئی جو نو مسلم اشجعی کے ایک رشتہ دار کی کارروائی تھی۔

پھر قریظہ کا وفد قریشی پڑاؤ میں آیا اور اس نے اپنے حملے سے پہلے یرغمالوں کا مطالبہ کیا۔ قریش نے یرغمال دینے سے انکار کر کے سنیچر کے دن حملے کا مطالبہ کیا اور کہا کہ ختم شوال پر "حرام مہینے" شروع ہو جاتے ہیں ہم جنگ نہیں کر سکتے، بنی قریظہ نے اپنی ہتک سمجھی کہ وہ تو اپنے خلاف مذہب سنیچر کے دن حملہ کریں اور قریش چند دن اور نہیں ٹھیر سکتے کہ ان کے مذہب کے خلاف ہے۔ غرض باہمی کشیدگی کے عالم میں یہ کانفرنس ختم ہوئی۔ چونکہ یہ شوال کا آخری زمانہ تھا، اور یکم ذی قعدہ سے قریشی اَشہرِ حُرُم شروع ہو رہے تھے اس لئے سب سے پہلے قریشیوں نے فیصلہ کیا کہ وہ محاصرے سے دستبردار ہو کر مکہ واپس ہو جائیں۔ (مکے میں حاجیوں کی آمد قریش کے لئے روزگار کا باعث تھی۔ اس سے محروم کیسے ہو سکتے تھے) جب قریش اور ان کے ساتھی روانہ ہو گئے تو غطفان و فزارہ کو کیا ہمت تھی (یا کیا ضرورت تھی) کہ تنہا تصادم کے لئے وہاں رہیں۔ آناً فاناً مطلع صاف ہو گیا۔

فتح مبین اور نصر عزیز

قریش واپس تو ہوئے لیکن نہ تو ان کی قوت ٹوٹی تھی اور نہ خیبر سے ان کے عمدہ تعلقات کچھ بگڑے تھے۔ مسلمان ان دونوں سے پُر دل تھے، خیبر والے مدینے کے شمال میں تھے تو مکے والے جنوب میں۔ جیسا کہ پانچویں صدی ہجری کے سب سے بڑے سیاستداں فقیہ شمس الائمہ سَرَخسی نے (کتاب المبسوط اور شرح السیر الکبیر دونوں میں) صراحت سے بیان کیا ہے " اگر آنحضرت خیبر پر حملہ کرنے جاتے تو خوف تھا کہ مکے والے مدینے پر نہ ٹوٹ پڑیں۔ اور اگر آپ مکے کی طرف جاتے تو خوف تھا کہ خیبر والے مدینے پر نہ چڑھ دوڑیں، اتنی قوت نہ تھی کہ بیک وقت دونوں پر حملہ کریں یا مدینے کی حفاظت کے لئے کافی فوج رکھ کر کسی ایک سمت جائیں، کسی ایک فریق سے صلح کی ضرورت تھی۔

مختلف وجوہ[۵۱] سے آنحضرتؐ نے فیصلہ فرمایا کہ خیبر والوں سے صلح کا امکان نہیں اہلِ مکہ سے صلح ہو سکتی ہے۔ آپؐ تیار ہو گئے کہ ان کی منہ مانگی شرطوں کو منظور فرمائیں۔ چند ماہ انتظار کیا کہ غزوۂ خندق کے زمانے کے ابھرے ہوئے جذبات ٹھنڈے پڑیں پھر اعلان کیا کہ آپؐ عُمرہ ادا کرنے کے لئے مکہ جا رہے ہیں۔ یہ ۶ھ کے ذی قعدہ کے حرام مہینے کا واقعہ ہے۔ قریش نہ تو جنگ کر سکتے تھے اور نہ مسلمانوں کو مکہ آنے دے سکتے تھے۔ عجب گو مگو کی حالت تھی۔ بہر حال مکے سے مغرب میں دس میل کے فاصلے پر جدے کی راہ میں حُدیبیہ میں آنحضرتؐ نے پڑاؤ ڈالا اور یہاں طویل اور نازک گفت و شنید قریش سے شروع فرمائی۔ آپؐ نے قریش کی سب سے اہم ضرورت کو پورا فرمایا کہ اسلامی سرزمین

---

۵۱ تفصیلات کے لئے دیکھو: "رسولِ اکرمؐ کی سیاسی زندگی" (مطبوعہ کراچی)
"عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی" (مطبوعہ حیدر آباد دکن)
"غزوات نبوی کے میدانِ جنگ" (ایضاً)

سے ہو کر ملتی کارواں عراق، شام اور مصر جاسکیں گے۔ اس کے معاوضہ میں صرف ایک چیز مانگی کہ مسلمانوں کی جنگوں میں اہلِ مکہ ناطرفدار رہیں۔ قریش نے دو اور مطالبے کئے۔ ایک تو یہ کہ مسلمان بغیر عمرہ ادا کئے مدینہ واپس چلے جائیں اور دوسرے یہ کہ کوئی قریشی مسلمان ہو کر آپؐ کے پاس آئے تو قریش کے مطالبے پر اس کی تحویل عمل میں آجایا کرے اور اگر کوئی مسلمان مرتد ہو کر مکہ آکر پناہ لے تو اس کی سپردگی نہ ہوگی۔ آنحضرتؐ نے یہ بھی منظور کر لیا۔ اور دس سال کیلئے صلح ہو گئی (اور ایک ہی مہینہ بعد خیبر کے قلعوں کے اندر نعرۂ تکبیر پورے اطمینان کے ساتھ لگایا جارہا تھا) کیا خیبر کو قریش سے بچھڑا دینے کو حکمت و سیاست کی فتح مبین اور نصر عزیز نہیں کہہ سکتے؟ کیا خندق میں تابڑ توڑ چھ مکھے وار کو سہار لینا فراستِ مومن نہیں ہے؟

واٰخر دعوانا اَنِ الحمد للہ رب العالمین ٥

ترجمہ:۔ رحمت باری

مولانا مودودی کون ہیں ؟

مولانا مودودی کی سزا پر علامہ محمد البشیر الابراہیمی اور جناب فضیل الورتلانی کا حکومت پاکستان کے نام برقیہ اور مولانا کی شخصیت پر علامہ موصوف کا مقالہ!

ہفتہ وار جریدہ "البصائر" عربی زبان کے علمی و ادبی جریدوں میں ایک ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ یہ جریدہ مدت دراز سے اسلام کے علمی و فکری احیاء کے لئے کوشاں ہے۔ اس میں سیاسیاتِ عالم پر خیال آرائی کے علاوہ مسلمانانِ عالم اور خصوصاً اہلِ عرب کے حالات پر درد مندانہ تبصرے اور شذرات شائع کئے جاتے ہیں۔

علامہ محمد البشیر الابراہیمی، جو عرب دنیا کے بلند پایہ عالم اور انشا پرداز ہیں، "البصائر" کے نگرانِ اعلیٰ ہیں۔ آپ الجزائر کی جمعیت العلماء کے صدر بھی ہیں۔ مولانا مسعود عالم صاحب ندوی نے "ترجمان القرآن" (مورخہ جون و جولائی ۱۹۵۲ء) میں عربی اخبارات و رسائل پر تبصرہ کرتے ہوئے "البصائر" کے ضمن میں لکھا ہے کہ "محمد البشیر الابراہیمی کے افتتاحئے بلا شبہ ادبی اعتبار سے "خاصہ" کی چیز شمار کئے جاتے ہیں۔"

علامہ موصوف ایک سال سے عالمِ اسلام کی سیاحت کر رہے ہیں۔ گزشتہ سال پاکستان میں بھی ان کا ورود ہوا۔ آپ نے پاکستان کے تقریباً تمام اہم مقامات کا دورہ کر کے یہاں کے حالات و مسائل سے گہری دلچسپی کا ثبوت دیا اور ملک کی مختلف جماعتوں سے شخصی تعارف کر کے اسلامی اخوت و مودت کا مظاہرہ کیا۔

علامہ موصوف "جماعت اسلامی" سے اس کے لٹریچر کے عربی تراجم کے ذریعے کئی برس سے متعارف تھے۔ پاکستان آکر آپ مولانا مودودی سے ملے اور

"جماعتِ اسلامی" کا بہت قریب سے جائزہ لیا اور مولانا موصوف کی شخصیت اور "جماعتِ اسلامی" کے نظم و طریقِ کار سے بہت متاثر ہوئے اس تاثیر کی جھلک آپ کی زیر ترتیب "سیاحت کی روداد" سے نمایاں ہے۔

مولانا مودودی اور ان کے رفقاء پر حکومت کے ناروا عتاب سے مسلمانان عالم کو جو دلی قلق و اضطراب لاحق ہوا ہے۔ وہ ان احتجاجات سے ظاہر ہے جو برقیوں۔ محضرناموں۔ قراردادوں اور خطوط کی شکل میں گورنر جنرل اور وزیر اعظم پاکستان کی خدمت میں بھیجے گئے ہیں۔ ذیل میں ہم اُس برقیے کا ترجمہ پیش کر رہے ہیں جو علامہ محمد البشیر الابراہیمی اور جناب فضیل الورتلانی نے الجزائر کے مسلمانوں کی طرف سے گورنر جنرل اور وزیر اعظم پاکستان کے نام بھیجا ہے۔ نیز اس برقیے کے ضمن میں "البصائر" (۵ر جون) نے مولانا مودودی کی شخصیت پر علامہ موصوف کے گہربار قلم سے لکھا ہوا جو مضمون شائع کیا ہے۔ اس کا ترجمہ بھی پیش خدمت ہے۔

علامہ موصوف نے یہ مضمون لکھ کر حق گوئی، اسلامی اخوت اور پُر خلوص صداقت کا حق ادا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کی جزائے خیر دے۔ آمین!

(مترجم)

احتجاجی برقیہ

اللہ کے نام سے جو رحمٰن ورحیم ہے

فضیلت مآب جناب غلام محمد صاحب گورنر جنرل پاکستان — کراچی

عزت مآب جناب محمد علی صاحب وزیر اعظم پاکستان — کراچی

دنیا کے گوشے گوشے میں یہ خبر پھیل گئی ہے کہ شہر لاہور کی فوجی عدالت نے اسلام کے بہت بڑے عالموں میں سے ایک عالم اور اس کے عظیم داعیوں میں سے ایک داعی مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کو سزائے موت کا حکم سنادیا ہے۔ پھر یہ خبر آئی کہ حکومت پاکستان نے اس حکم کو کم کرکے چودہ سال قید بامشقت میں تبدیل کردیا ہے۔

ان خبروں نے دنیا کے کروڑوں مسلمانوں کو غمزدہ کردیا ہے البتہ تمام دشمنانِ اسلام اس پر مسرور ہوئے ہیں!

ان سخت احکام کے وجوہ چاہے کچھ بھی ہوں، تمام روئے زمین کے مسلمان یہ ہرگز پسند نہیں کرتے کہ پاکستان کی اسلامی حکومت کی تاریخ علمائے دین کے قتل اور قید و بند سے داغدار ہو۔ کیونکہ مولانا مودودی کی موت صرف ایک شخص کی موت نہیں ہوگی بلکہ اسلام کی تلواروں میں سے ایک تلوار ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیگی، اسلام کی صداؤں میں سے ایک صدا خاموش ہو جائیگی اور اسلام کے مفاخر میں سے ایک قابل فخر چیز ملیامیٹ ہو جائیگی اس سے دشمنانِ اسلام کو کتنی فرحت حاصل ہوگی؟ ہم جمعیت العلماءِ الجزائریین اور غربی عرب کے تین کروڑ مسلمانوں کی طرف سے پوری شدت اور اصرار کے ساتھ پاکستان کی باوقار حکومت سے جس پر ہمیں فخر ہے، اور اسلام کے کلمہ کے اعلاء کے لئے جس سے ہماری امیدیں وابستہ ہیں مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ ان احکام کو، جنہوں نے مسلمانوں کے دلوں کو سخت مضطرب کر دیا ہے، واپس لے لے اور جلد از جلد مودودی صاحب کو رہا کر دے تاکہ سب مسلمانوں کو اطمینان نصیب ہو۔

پاکستان کی تشکیل پر مسلمانوں کی مسرت کا اظہار، اس نئی مملکت سے ان کی الفت و شیفتگی اور اس کے مسائل میں ان کی امداد و حمایت ہی حکومت پاکستان کی سب سے بڑی متاع ہے لہٰذا اس کا فرض ہے کہ اسلام کے ایک بہت بڑے نام لیوا کی آزادی کو بحال کرے، چاہے اس کا سیاسی جرم کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، اس لئے کہ وہ اختلافِ رائے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔

محمد البشیر الابراہیمی	الفضیل الورتلانی
صدر جمعیت العلماء المسلمین الجزائریین	رکن جمعیت العلماء المسلمین الجزائریین
و نگرانِ اعلیٰ جریدہ "البصائر"	والداعیۃ الاسلامی

مَنْ هُوَ الْمَوْدُوْدِیْ

(مودودی کون ہیں؟) —— آپ علامہ سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی ہیں۔ جماعت اسلامی پاکستان کے امیر! میں ان کے حالات ایک ایسے واقف حال کی طرح بیان کر رہا ہوں جس نے ان کے بارے میں پڑھا بھی ہے اور انہیں دیکھا بھی ہے۔ آپ ایسے انسان ہیں کہ ان جیسے میں نے بہت کم دیکھے ہیں۔ بلکہ اس زمانے میں ان کی جیسی منفرد خصوصیات کا حامل جن کی بنا پر وہ علماءِ اسلام میں ممتاز ہیں بالکل نہیں دیکھا۔ حق پر ثابت قدمی، راہِ حق کے مصائب پر صبر، اور حکامِ وقت کی خوشامد تو درکنار ان کے قریب پھٹکنے تک سے احتراز! اُن کی چند خصوصیات ہیں۔

پاکستان و ہندوستان میں، میں نے جن لوگوں کو دیکھا یا جن کے متعلق سُنا، اسلام کے تشریعی اور تاریخی حقائق کی سمجھ بوجھ آپ ان سب سے زیادہ رکھتے ہیں۔ آپ کا مطالعہ بڑا وسیع ہے۔ آپ دقیق فہم، اعلیٰ دماغ، روشن فکر اور عظیم عقل

کے مالک ہیں۔ آپ پر ظاہری سنجیدگی کے باوجود روح کی جھلک نمایاں ہے۔ اشیاء کے باہمی مقابلہ، موازنہ اور استنباط
میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ استدلال میں ایک حد تک منفرد حیثیت کے حامل ہیں۔ شریعت کو عمومی مقاصد
(GENERAL OBJECTIVES) پر منطبق کرتے وقت جزئیات کو صرف اُس حد تک اہمیت دیتے
ہیں جس حد تک وہ اصول پر اثر انداز نہ ہوں۔ نکات کے استخراج میں ان کی فکر بہت گہری جاتی ہے۔ آپ پختہ
عقائد کے مالک ہیں جس کا اثر آپ کے اعمال و مواقف میں قوت و ثبات کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ جس طرح
اچھی غذا کا اثر ان کے جسم پر چستی و تروتازگی کی شکل میں نمایاں ہے، آپ ایک فلسفی ہیں مگر آپ کا رجحان
علمی ہے۔ نہ کہ عقلی۔ حقائق و واقعات اور اعداد و شمار (FACTS AND FIGURES) سے گہرا
شغف آپ کے عقلی فلسفی بننے میں مانع ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ ضرور عقلی فلسفی ہوتے۔ آپ نص اور حقیقتِ واقعہ
کی ہیئت کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ اور اس میں غور و فکر اور استنباط کے بھی قائل ہیں۔ اور اس میں وہ ایک حد تک اضافہ
کرتے ہیں۔

آپ کا رہن سہن عام طرز کا ہے۔ لیکن قیادت بہرحال اپنا خاص مقام رکھتی ہے آپ کی رائے میں قیادت —— نہ کہ قائد
کے کچھ حقوق ہیں۔ اور یہ نظم و ضبط کی نگرانی اور اہلیتوں اور صلاحیتوں کے مطابق تقسیم کار کرتی ہے۔ اور نااہلوں کو ان
کی حد سے آگے نہیں بڑھنے دیتی۔ یہ سب کچھ میں نے ان کے مجموعی حالات اور ان کے بعض رفقاء کے میل جول
سے معلوم کیا ہے۔ چنانچہ اسی کے مطابق ان سطروں میں میں نے ان کی تصویر کھینچی ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ
قیادت اور قائد میں بہت نازک فرق ہے۔ اور اس کی یہی نزاکت ہی قائدین کو خود فریبی میں مبتلا کرتی ہے۔
اور ان کے متبعین کو ان کے معاملے میں فریب دیتی ہے۔

آپ عربی زبان بولنے میں ہچکچاتے ہیں، حالانکہ قرآن، حدیث اور دینی لٹریچر میں ان کی نظر بڑی گہری
ہے۔ اور اُن حالات و مسائل پر منطبق کرنے پر قدرتِ کاملہ رکھتے ہیں۔ عربی بولنے میں ان کی کمزوری کی وجہ
دراصل یہ ہے کہ وہ اسے بول چال اور تحریر میں بہت کم استعمال کرتے ہیں۔ اس قدر کثیر تصنیفات کے باوصف
جن کی تعداد چالیس پچاس تک پہنچتی ہے۔ آپ نے عربی زبان میں ایک کتاب بھی نہیں لکھی۔ آپ کی تمام تصنیفات
اُردو اور انگریزی میں ہیں۔ اور تمام کی تمام ایسے اہم اسلامی موضوعات پر ہیں جن کا، موجودہ بیداری اور ترقی اور
نئی روشنی تقاضا کرتی ہے۔ جو اس عہد میں زیادہ موضوعِ بحث اور اہلِ مغرب کی تنقید و تحریف کا ہدف بنے رہتے ہیں

علوم حاضرہ اور تہذیب جدید کے مطالعہ میں مولانا مودودی کو خاصی دستگاہ حاصل ہے۔ آپ ان کو عدل کی
کسوٹی پر پرکھتے ہیں۔ نہ ان کا انکار کرتے ہیں اور نہ اس رو میں بہہ نکلتے ہیں۔ بلکہ ان چیزوں کے مقابلے میں احتیاط اور
ہوشیاری سے کام لیتے ہیں۔ جماعتِ اسلامی کے ایک رکن نے آپ کی چند کتابوں کا عربی زبان میں ترجمہ

کرکے ابنائے عرب کے لئے آپ کے افکار کے مطالعہ کا سامان کر دیا ہے - یہ رکن ہمارے صدیق باوفا مسعود عالم صاحب ندوی ہیں - کئی برس ہوئے انھوں نے یہ ترجمہ شدہ کتب مجھے الجزائر میں بطور ہدیہ بھیجی تھیں - جن میں مجھے ایک نتھری ہوئی فکر، حکمت سے لبریز عقل اور گہری سوچ کے آثار دکھائی دیئے اور الفاظ و معانی میں ایک اچھا تسلسل نظر آیا — جو اِن رسالوں کے ایک* بات واضح ہوگئی کہ موضوعات بھی اسلامی ہیں اور دونوں زبانیں بھی! اور مصنف و مترجم ایک تخیل کی پیداوار ہیں - روح کی یکرنگی نے اس ترجمہ میں ایک عجیب اثر بھر دیا ہے - ہمارے دوست مسعود عالم - اللہ ان پر مہربان ہو — برصغیر ہند میں "ثانی اثنین" ہیں - جو ایسی ہی عمدہ عربی تحریر لکھتے ہیں جیسے عرب کے اہلِ زبان! دوسرے صاحب ابوالحسن علی ندوی ہیں -

علامہ مودودی اخبار "البصائر" کے ذریعے "جمعیت العلماء الجزایرین" سے گہرا ربط رکھتے ہیں - اس تحریک کے اصولوں اور اپنے اصولوں میں قرب و یگانگت کا انہیں قوی شعور ہے -

وہ اپنے پہلو میں ایک ایسا دل رکھتے ہیں جو مسلمانوں کے حالات میں گہری دلچسپی، ان کے حاضر سے ہمدردی و غمخواری اور ان کے ماضی پر اعجاب و پسندیدگی اور اسلام کے نظام کی مدح و منقبت سے معمور ہے - آپ کی رائے میں یہ نظام تمام نظام ہائے انسانی سے زیادہ مبنی بر عدل ہے - بشری خواہشات و جذبات کے لئے محکم ترین ضابطہ ہے - اور یہ انسان کی باہم دگر مربوط مصلحتوں اور تقاضوں کا محفوظ ترین نظام ہے - اسی سے حکومتِ اسلامی کے بارے میں آپ کا تخیل پروان چڑھا ہے -

میرے عالمِ اسلام کے سفر میں جو مقاصد پنہاں تھے - ان پر آپ نے مسرت کا اظہار فرمایا کیونکہ آپ کے خیال میں مسلمانوں کا تعارف کے ذریعے، ایک دوسرے کے قریب آنا اس بات کا پیش خیمہ ہے - کہ وہ ایک دوسرے کے حالات کی اصلاح میں تعاون سے کام لیں گے - ساتھ ہی ساتھ آپ نے مجھ میں ایک عیب کی نشاندہی کی - اور وہ یہ ہے کہ جس طرز پر انہوں نے مجھ سے گفتگو سنی اس طرز پر میں نے مسلمانوں کے حالات پر کتابیں لکھنے کا اہتمام نہیں کیا - میں نے انہیں اس کا جواب دیا - مگر وہ اس پر مطمئن نہ ہوئے - کیونکہ ان کا خیال یہ ہے کہ یہ روزمرہ کی گفتگو میں دراصل مکمل کتابچے ہیں - ان میں اگر کمی ہے تو صرف تالیف کی - تصنیف کے بارے میں آپ کی رائے یہ ہے کہ کتابیں کم حجم کی ہوں - تاکہ ان کا مطالعہ اور قیمت گراں بار نہ ہو - آپ تصنیفِ کتب کے اِسی طریقے پر عمل پیرا ہیں - آپ کی تمام تصانیف مستقل موضوعات پر کتابچوں کی صورت میں ہیں -

جب میں پہلے پہل کراچی میں اُترا، تو آپ کے کچھ رفقاء نے مجھ سے ملاقات کی - وہ مجھ سے اس طرح ملے جیسے بھائی بھائی سے اور ہم مشرب ایک دوسرے سے ملتے ہیں - میں نے دیکھا کہ وہ الجزائر کی جمعیت علماء سے اس حد تک واقف ہیں جس حد تک اخبار "البصائر" کے ذریعے ممکن ہوسکتا ہے - مودودی صاحب اس وقت

* زبان سے دوسری زبان میں منتقل ہونے کی غمازی نہیں کرتے - اس ترجمہ سے ایک

اپنے مرکز صوبۂ پنجاب کے دار الخلافہ لاہور میں مقیم تھے۔ انہیں جب میری آمد کی خبر ملی تو میری ملاقات کا انتظار کرنے لگے۔ جب میں نے اندرونِ ملک سفر کا ارادہ کیا تو لاہور اترنے سے پیشتر ان سے شخصی تعارف حاصل کرنے کے شوق میں انہیں لکھا کہ آپ مجھ سے لاہور اسٹیشن پر ملیں۔ مگر بدقسمتی سے میرا خط وقت پر نہ پہنچا کیونکہ حکومت سے اختلاف کے سبب آپ کی تمام ڈاک سنسر کے لئے روک لی جاتی ہے۔ ہم اس اختلاف پر بعد میں کلام کریں گے۔ جب آپ کو میرا خط پہنچا تو انہیں بہت افسوس ہوا۔ اور آپ نے میرے پیچھے راولپنڈی جہاں میرا ریل کا سفر ختم ہوتا تھا ایک قاصد بھیجا۔ لاہور اور راولپنڈی کے درمیان کئی سو میل کی مسافت ہے۔ قاصد مجھے وہاں آملا اور آپ کے سلام۔ افسوس اور انتظار کا پیغام دیا۔ جب میں کشمیر اور پشاور کی سیاحت سے واپس ہوا۔ تو میں نے نہ چاہا کہ آپ کو بے چین کروں۔ اس لئے میں نے اپنی آمد کی خبر اُس وقت دی جب میں لاہور کے ایک ہوٹل میں قیام پذیر ہوگیا۔ آپ فوراً مجھ سے ملنے آئے۔ پہلے ہماری روحیں متعارف تھیں اب جسم بھی متعارف ہوگئے۔

میں نے اپنے سامنے ایک گٹھے ہوئے جسم کا انسان دیکھا۔ پیشانی پُروقار، جسم زندگی اور توانائی سے بھرپور، گنجان اور بارُعب ڈاڑھی جس کی سیاہی پر سفیدی غالب! آپ نے ملاقات کے بعد مجھے اپنے مکان پر دعوت دی۔ جو جماعت کا مرکز ہے، ہم جماعت کے کچھ ارکان کے ساتھ چائے پر اکٹھے ہوئے۔ چائے کا دَور چل رہا تھا کہ انہوں نے مجھ سے تقریر کا مطالبہ کیا۔ میں نے تقریر شروع کی۔ اور اسلامی موضوعات پر جو آجکل افکار کی آماجگاہ بنے ہوئے ہیں جی بھر کے گفتگو کی۔ اور مولانا مودودی ــــ خدا آپ سے مشکلات دور فرمائے ــــ جہاں کہیں میری زبان فہم سے بالا ہوتی اور اس میں اشارات وکنایات آجاتے مجھے رُکنے کو کہتے۔ تاکہ آپ کا ایک لائق عربی داں شاگرد ترجمہ کرکے مطالب کی پیچیدگی کو دور کرے۔ اور کہیں تقریر کا کوئی مطلب سمجھنے سے رہ نہ جائے۔

رہا آپ کے اور حکومت کے مابین اختلاف کا مسئلہ تو اس کا سب سے بڑا اور واضح سبب یہ ہے کہ "جماعت اسلامی" کا مقصد پاکستان میں صحیح اور مکمل معنوں میں اسلامی حکومت کا قیام ہے۔ جس میں نہ نرمی کی گنجائش ہے نہ تساہل کی۔ اور جس کا دستور ان تمام احکام پر مشتمل ہو جو اللہ تعالیٰ نے معاملات، حدود اور قصاص کے بارے میں نازل کئے ہیں۔ اس سلسلے میں مودودی صاحب کے خیالات دور رس اور پروگرام، منصوبے اور طریق کار آزمودہ اور جانے بوجھے ہیں۔ جن میں ردّ و قدح کی گنجائش نہیں۔ بلکہ آپ نے ایک مکمل دستوری خاکہ بھی مرتب کیا ہے۔ جس کے چند حصے مصر کے مؤقر مجلّہ "المسلمون" نے ترجمہ کئے ہیں۔ اور جو مذکورہ بالا امور اور علامہ مودودی کے بارے میں اس امر کی دلالت کرتے ہیں کہ انہیں اسلامی نظام کے فہم میں کس درجہ دسترس حاصل ہے؟ اس ضمن میں "جماعت اسلامی" کی حجت یہ ہے کہ مسلمان تقسیمِ ہند پر صرف اس لئے رضامند ہوئے تھے اور انہوں نے جان و مال کی ایسی عظیم الشان قربانیاں جو آج تک کسی قوم نے نہیں دی ہیں صرف اس بنا پر خوشی خوشی برداشت کرلی تھیں کہ وہ اپنے دین کو اس کی اصلی

حیثیت میں قائم کرنے کے قابل ہو سکیں - اگر اب بھی صورتِ حال وہی رہی جو تقسیم ملک سے قبل قائم تھی تو یہ نہ ان قربانیوں کا صلہ ہو سکتا ہے نہ ان کے کسی ادنیٰ حصے کا بدل!

حکومتِ پاکستان جو اگرچہ بظاہر اسلامی اور حقیقت کے اعتبار سے جمہوری طرز کی حکومت ہے اب تک اسی نظام پر چل رہی ہے جو انگریز نے ہندوستان کے لئے وضع کیا تھا - وہ چاہتی ہے کہ اس کا دستور اسلامی ہو اس لئے کہ عوام یہی چاہتے ہیں یا اس لئے کہ عوام کی اکثریت یہی چاہتی ہے - لیکن حکومت اسے تدریج - نرم روی - سہولت کے ساتھ اور حالات کے تقاضوں کو پیشِ نظر رکھ کر لانا چاہتی ہے[۱]، پھر پاکستان میں ایک مغرب زدہ طبقہ بھی ہے جو اسلامی دستور نہیں چاہتا - لیکن وہ عوام کے مقابلے میں قلیل ہونے کی وجہ سے درپردہ سرگرمِ عمل ہے - صاحبِ بصیرت لوگوں کا خیال ہے کہ اس طبقہ کو بیرونِ ملک سے کافی تائید حاصل ہے - اس مضمون میں اتنی گنجائش نہیں کہ ان دو افکار میں سے کسی ایک کو قابلِ ترجیح قرار دیا جا سکے - اگرچہ اس بارے میں ہماری بھی ایک رائے ہے - جس کا اظہار ہم نے بعض ذمہ دار اشخاص سے اُس وقت کر دیا تھا -

مفصلہ بالا وجوہ کی بنا پر حکومت مولانا مودودیؒ ان کے سخت اور بے لوچ مسلک، کھری کھری باتوں اور بزعم خود ان کی عجلت[۲] کی تاب نہ لا سکی - اس لئے جب بھی خاص موقع پر اُنہوں نے پُرزور خیالات کا اظہار کیا اور فتوے صادر کئے تو حکومت نے انہیں قید و بند میں ڈال دیا اور ہمیشہ انہیں خوف و ہراس کی نظر سے دیکھتی رہی - جن دنوں کشمیر کا قضیہ اپنی شدت پر تھا اور وہاں مسلح جھڑپیں ہو رہی تھیں آپ کی طرف ایک فتویٰ منسوب کر دیا گیا اور کہا گیا کہ اس فتوے سے دشمن کو ایک حربہ ہاتھ آ گیا ہے اور ہندوؤں کے پروپیگنڈے کو اس سے مدد ملی ہے - یہ فتویٰ مجھے بہت کھلتا رہا اور اس کی حقیقت سے آگاہ ہونے کی مجھے بڑی تمنا رہی - کیونکہ یہ فتویٰ مجھ سے اس طور پر بیان کیا گیا تھا کہ اگر یہ درست ہوتا تو میں سب سے پہلا شخص ہوتا جو اس کی مخالفت کرتا - مولانا کی قیام گاہ پر ان کی صحبت میں میں نے یہ سوال کیا لیکن میرا سوال ان دیگر مسائل کے غُل غپاڑے میں گم ہو گیا جن پر باتوں میں باتیں نکل رہی تھیں - پھر اس

[۱ و ۲] یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ علامہ موصوف پاکستان میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے رہے - اور اس امر کا خاصہ اہتمام کیا گیا تھا - کہ ان کے گرد و پیش ایسے عناصر رہیں جو ان کے حکومت کے بارے میں بہتر سے بہتر رائے قائم کرنے میں ممد ثابت ہوں تاکہ مخالف عنصر ان کی رائے کو حکومت کے بارے میں (prejudice) نہ کرنے پائے - اور کچھ بعید نہیں کہ مطالبۂ نظامِ اسلامی کی اہمیت کو کم کرنے اور اسے بے جا اور خلافِ مصلحت ثابت کرنے کے لئے "تدریج" و "مصلحت" کو آڑ بنایا ہو اور علامہ موصوف کو ہر ممکن طریق سے یہ باور کرانے کی کوشش کی ہو کہ وہ پاکستان میں اسلامی نظام کے علاوہ اور کوئی نظام قائم کرنے کا تصور نہیں کر سکتے (خدا کرے کہ ایسا ہو) مگر گزشتہ چند ماہ کے واقعات جان لینے کے بعد موصوف حقیقتِ حال سے بخوبی روشناس ہو گئے ہوں گے - اگرچہ ان کی طرزِ تحریر اب بھی اس کی غمازی کر رہی ہے - (مترجم)

صحبت میں جو باتیں ہوئیں ان میں گم ہوکر میں اس سوال کا اعادہ کرنا ہی بھول گیا۔ اس فرصت کو ہاتھ سے دے کر میرے دل میں ایک خلش سی رہی۔ خدا معلوم یہ فرصت دوبارہ مل سکے گی یا نہیں۔ میرا یہ شوقِ سوال اس لئے ہے کہ میں حقیقت کا سراغ اس کے اصل ماخذ سے لگاؤں۔ اور مولانا سے ان کے خلاف کہی ہوئی باتوں پر تبادلۂ خیالات کروں[۱]۔

باوجودیکہ ہم نے اسلامی دستور کی بنیاد پر حکومت قائم کرنے کے بارے میں حکومت اور مولانا مودودی کے اختلاف پر اپنی رائے محفوظ رکھی ہے۔ ہم حق کی خاطر ایک بات صاف صاف کہہ دینا چاہتے ہیں۔ اور وہ یہ کہ مولانا مودودی ہی وہ آدمی ہیں جو دولتِ پاکستان کے لئے مطلوبہ اسلامی دستور وضع کرنے پر سب سے زیادہ قدرت رکھتے ہیں۔ اور علماء میں سب سے قابل آدمی ہیں جو بڑی عمدگی و مہارت سے قرآن و حدیث، اسلامی قانون کے مقاصد عامّہ اور اُمتِ مسلمہ کے متفق علیہ اصولوں سے دستور کو اخذ کرسکتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی میں اس بات کا بھی یقین رکھتا ہوں کہ مودودی صاحب اور ان کے مرتب کردہ دستور کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ صرف حکومت ہی نہیں بلکہ فقہاء مذاہب کا وجود ہے۔ جو ہمتوں کو پست کردیتا ہے۔ اور پاکستان میں فقہی مسالک کی کثرت کا کیا کہنا[۲]!

---

[۱] جہادِ کشمیر کے بارے میں مولانا مودودی کی رائے کیا تھی؟ تحریکِ اسلامی کے مخالفین نے اس میں تحریف کرکے کتنا بڑا بہتان تراشا؟ اور مولانا کو جو اس تحریک کے سربراہ تھے عوام کی نگاہ میں غیر مقبول کرنے کی کیسی کیسی کوششیں کی گئیں؟ یہ باتیں اب منظرِ عام پر آچکی ہیں۔ حد یہ ہے کہ ۰۰۰۰۰۰۰۰ اپنی میزبانی سے بروقت فائدہ اٹھاتے ہوئے علامہ موصوف کو بھی بدظن کرنے سے دریغ نہیں کیا۔ نجی محفلوں اور ذاتی ملاقاتوں میں مختلف افراد کے ذریعے "فتویٰ کشمیر" کو گھناؤنی شکل میں پیش کرکے ان کی رائے کو مولانا کے بارے میں مسموم کرنے کی ہر ممکن سعی کی گئی۔ نتیجۃً علامہ موصوف۔ اگرچہ بدظن نہ ہوسکے۔ تذبذب و تشکک لے کر گئے۔ کاش کہ زبان کی خلیج حائل نہ ہوتی تو مسئلہ کشمیر ہی نہیں دستور اور دوسرے مسائل کے بارے میں بھی علامہ موصوف اس طرح متذبذب ہوکر نہ جاتے۔ ضرورت ہے کہ عربی داں اصحاب ان کا یہ تذبذب دور کردیں اگرچہ ہم سمجھتے ہیں کہ علامہ موصوف نے "تذبذب" ہی کو قرینِ مصلحت سمجھا ہے۔ (مترجم)

[۲] بلاشبہ پاکستان میں مذاہب کی کثرت ہے اور بعض مذاہب محض جزئیات کی بنا پر وجود میں آئے ہیں لیکن انہی مختلف مذاہب کی نمایندہ ۳۱ علماء کی کمیٹی نے اسلامی دستور اور اس کے نفاذ کے بارے میں جس یگانگت، یکجہتی اور رواداری کا ثبوت دیا ہے وہ مسلمانوں کی تاریخ میں اپنی نظیر نہیں رکھتی۔ بلکہ اس واقعہ نے نام نہاد مغرب کے متمدن و مہذب عناصر کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا ہے۔ مگر اس مغرب زدہ طبقہ نے، جو اتفاق سے حکومت کی کرسیوں پر قابض ہو اور جو بلطائف الحیل اسلامی دستور کو ناقابلِ عمل ثابت کرنے پر اُدھار کھائے بیٹھا ہے نہ صرف یہ کہ علامہ موصوف کو اس قابلِ صد فخر کارنامے سے لاعلم رکھا بلکہ اس کے برعکس فقہی اختلاف کو بہانہ بنا کر اسے اسلامی دستور کے نفاذ کی

(باقی صفحہ ۳۲ پر)

گزشتہ ماہ پاکستان میں سخت ہیجان برپا ہوا اور خوں خرابہ بھی ہوا۔ جس کی وضاحت کرنے سے بیشتر عربی اخبارات نے احتراز کیا اس لئے ہم اس ہیجان کے اسباب و وجوہ اور اغراض و مقاصد سمجھنے سے قاصر رہے ہے۔ اغلب گمان یہ ہے کہ اس کا محور حکومتِ اسلامی کا مطالبہ ہے۔ اور شاید حکومت نے ملک میں مودودی صاحب اور ان کے رفقاء کے اثر و نفوذ کو بہت بڑھتے دیکھ کر انہیں اور اُن کے بیشتر رفقاء کو پکڑ کر قید میں ڈال دیا پھر اس معاملے کو فوجی حکومت کے سپرد کر دیا۔ جو لاہور میں قائم کی گئی۔ اور جس نے ان کو سزائے موت کا حکم سنایا۔ بعد کی خبروں سے معلوم ہوا کہ سزائے موت کو چودہ سال قید بامشقت میں تبدیل کر دیا گیا ہے پاکستان کے مسلمان اس ظالمانہ فیصلے اور اس کی شدید و تخفیف شدہ ہر دو صورتوں پر بہت برافروختہ ہوئے اور حکومت پر غیظ و غضب سے لبریز احتجاجوں اور مظاہروں کا ایک طوفان اُمنڈ پڑا۔ ہمیں اس میں ذرا شک نہیں کہ تخفیفِ سزا اسی غیظ و غضب کے اظہار کا نتیجہ ہے۔

پھر مصر، شام، عراق اور کویت سے تمام منظم اسلامی اداروں اور انجمنوں نے بھی صدائے احتجاج بلند کی، اور ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ مجھے ان خبروں کی تصدیق اسی وقت ہو گئی تھی جبکہ میں کویت میں تھا۔ میرے ان کے ساتھ تعلقات اور جمعیت العلماء اور ان کے درمیان ایک دوسرے کی قدر و منزلت کی بناپر مجھے غم اور افسوس ہوا۔ کیونکہ مودودی کسی ایک محدود علاقے کی شخصیت نہیں بلکہ تمام مسلمانانِ عالم کی متاع ہیں۔ ان کے ہم پر جو حقوق ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اب جبکہ حکومت نے ان کی سزائے موت بدل دی ہے ہم ان کی رہائی کے لئے کوشش کریں۔

بنا بریں میں نے جمعیت علماء مسلمانانِ الجزائر کی طرف سے جن کی نمایندگی میں اور اس کے قابل فخر فرزند جناب فضیل ورتلانی کرتے ہیں اور تمام عربِ مغربی کی طرف سے گورنر جنرل اور وزیر اعظم پاکستان کو الگ الگ برقیہ ارسال کیا ہے، جس کی نقل اس مضمون سے پہلے شائع کی گئی ہے۔ کیونکہ اسلام کی خدمت اور اس کے حامیوں کی نصرت و تائید میں موصوف نے کچھ کم حصہ نہیں لیا۔ اور توقع ہے کہ پاکستان کی مسلمان حکومت اس اسلامی شعور کو ملحوظ رکھے گی جو کل اس کے وجود میں آنے کی خوشی میں موجزن تھا اور آج اس اندیشے کی بناپر مضطرب ہے کہ کہیں اس کی نیکنامی کو اس بناپر بٹہ نہ لگ جائے کہ وہ اظہار رائے بلکہ دینی آزادی کے خلاف بھی نبرد آزما ہے، اور اسے اس بات کا احساس ہو کہ مودودی صاحب نے جو صدا بلند کی ہے۔ وہ اسے ایسا بڑا جرم سمجھتی ہے کہ اس پر انہیں موت یا عمر قید کی سزا دی جانی چاہیئے۔ دراصل یہ حکومت کے بارے میں تمام مسلمانوں کی رائے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۹) راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ثابت کرکے اس کی ذمہ داری تمام تر علماء کے کندھوں پر ڈالنی چاہی اور اگرچہ عوام کو فریب دینا اس کے بس کا روگ نہ تھا وہ کسی حد تک اس طرح اسلامی ممالک سے آنے والوں کی نگاہ میں اپنے آپ کو حق بجانب ثابت کرنے میں کامیاب ہو گئے (مترجم)

ہے۔ ان سب کی یہ خواہش ہے اور وہ سب اس بات کا مطالبہ کرتے ہیں کہ پاکستان ایک اسلامی حکومت ہونی چاہیئے۔ تاکہ وہ مسلمانوں کے لئے وجہ افتخار، مرکز پناہ اور اسلام کے لئے باعثِ عزت اور ملجا و ماویٰ ثابت ہو!

اپنے دوست کے حق میں حمایت و نصرت کی اس ناچیز سی کوشش کے بعد میرا انتہائی فرض تھا کہ میں انہیں اپنے ابنائے وطن اور قارئین "البصائر" سے متعارف کرا دوں۔ تاکہ وہ بخوبی جان لیں کہ یہ قہر و غضب کس شخص پر توڑا گیا ہے۔ اُمید ہے کہ عنقریب ان کی رہائی و خلاصی کی خوشخبری ہمیں پہونچے گی۔ اور اس طرح مسلمانوں کا غم و غصہ مسرت و رضامندی میں تبدیل ہو جائے گا۔

مولانا مودودی صاحب نے اسلام کی راہ میں جس جہاد کا بیڑا اُٹھایا ہے۔ اس دنیا میں اس پر اتنا اجر بھی کافی ہے کہ مسلمان ان کی حمایت و نصرت پر اس کثرت سے مجتمع ہو گئے ہیں۔ اور انہیں جو اجر اللہ کے ہاں ملیگا وہ اس سے کہیں زیادہ بہتر و پائیدار ہے۔

مودودی[1] صاحب کو آزادی اور قید ہر دو حالتوں میں، ہمارا سلام پہنچے!

---

[1] اور یہی علامہ مودودی جن کو ساری دنیائے اسلام، "سلام" بھیج رہی ہے، اور جن کی سزائے موت اور سزائے قید و بند پر تمام اسلامی ممالک نے احتجاج کیا ہے، ابھی تک مقید اور محبوس ہیں، پاکستان کے شہروں ہی میں نہیں چھوٹے چھوٹے قصبوں تک میں ہڑتالیں ہوئیں، احتجاجی جلوس نکالے گئے، بیشمار برقیے مولانا کی رہائی کے لئے بھیجے گئے، مگر ہماری اسلامی حکومت پاکستان کے اربابِ اختیار ہیں کہ "بتِ خاموش" بن کر بیٹھ گئے ہیں! یہ تو مرکزی حکومت کی روش ہے، اور پنجاب کی حکومت نے مولانا مودودی کو تفہیم القرآن لکھنے کے سلسلہ میں مولانا کے کتب خانہ سے ضروری کتابیں اور تفاسیر تک جیل میں بھیجے جانے کی اجازت نہیں دی، اتنے بڑے عالم، عظیم مفکر اور اہلِ قلم کو اس طرح بیکار کر کے جیل میں ڈال دینا علم و انصاف کی کتنی بڑی ٹریجڈی ہے۔ (م - ق)

اے شاہِ لولاکؐ

عزیز حاصل پوری

تیری رسائی ہے لامکاں تک   جانے کہاں تک؟
تیری زمیں ہے بالائے افلاک
اے شاہِ لولاکؐ

تو آفتابِ عقل و فراست   نورِ ہدایت
روشن ہے تجھ سے دنیائے ادراک
اے شاہِ لولاکؐ

تونے بلایا، بول اُٹھے پتھر   اللہ اکبر
یوں دشمنوں پر بیٹھی تری دھاک
اے شاہِ لولاکؐ

تیری محبت میں کیف و مستی   مہنگی بھی سستی
ہم کس لئے ہوں شرمندۂ تاک
اے شاہِ لولاکؐ

اس کو کہیں ہم شامِ غریباں   یا صبحِ خنداں
دامانِ اُمت ہے چاک در چاک
اے شاہِ لولاکؐ

کرتی رہے گی تجھ پر نچھاور   اشکوں کے گوہر
نمناک آنکھوں کی موجِ بے باک
اے شاہِ لولاکؐ

ہم بے کسوں کی رُوداد سن لے   فریاد سُن لے
بپتا ہے اپنی کتنی المناک
اے شاہِ لولاکؐ

ناداریوں سے مجبور ہوں میں   معذور ہوں میں
میرا مقدر خار و خس و خاک
اے شاہِ لولاکؐ

آئے گا وہ دن کیا جانے کس دن   دیکھوں گا جس دن
آنکھوں سے اپنی میں روضۂ پاک
اے شاہِ لولاکؐ

عرضِ عزیزِ بے دست و پا ہے   یہ چاہتا ہے
پہنچے مدینے اُڑ کر مری خاک
اے شاہِ لولاکؐ

بہار کوٹی

یہ کیا ہوا؟

شکستِ بندِ غم کا اشتہار دے دیا گیا
ہوس کو ہدیۂ نشاطِ کار دے دیا گیا

نہ جانے کس خیال سے نہ جانے کس اُمید پر
روش روش کو مژدۂ بہار دے دیا گیا

ہنوز رہزنوں کی دسترس میں تھے قافلے
تھکے ہوؤں کو اذنِ کارزار دے دیا گیا

کرم نمائیاں ہوئیں مگر عجب اُصول پر
مجھے دل اُن کو دل پہ اختیار دے دیا گیا

نقوشِ پائے میرِ کارواں مٹا دیئے گئے
جنوں کو غایتِ خرد قرار دے دیا گیا

شکیب ناشناس دل جمود آشنا ہے آج
دکھا کے سبز باغ خارزار دے دیا گیا

ستم ظریفیٔ عطائے باغباں تو دیکھئے
کلی کو اوس کی عوض شرار دے دیا گیا

قدم قدم پہ دعوتِ نگاہ دے رہا ہے حُسن
حرم کو بُت کدے کا کاروبار دے دیا گیا

خدا کی شان چاند بھی نہ آسکے جسے نظر
اُسے بھی اِک چراغِ رہگذار دے دیا گیا

مناؤ اقتدارِ دینِ حق کی خیر دوستو!
عدوئے دینِ حق کو اقتدار دے دیا گیا

ماہر القادری

یہ ہو کر رہے گا

شکستہ دل سے جو آہ نکلی تو فرش کیا عرش کانپ اُٹھے گا
درِ قفس وا نہ ہو سکے گا تو ایک دن ٹوٹ کر رہے گا

کسی کے روکے سے حق کا پیغام کب رُکا ہے جواب رُکے گا
چراغِ ایماں تو آندھیوں میں جلا کیا ہے، جلا کرے گا

وہ لاکھ بگڑیں، ہزار روٹھیں غضب میں آئیں کہ تلملائیں
خدا کی اس پاک سرزمیں پر خدا کا قانون ہی چلے گا

مجاہدِ حق کے راستے کو اسی میں ہے خیریت، نہ روکو
یہ تخت و کرسی کو توڑ دے گا، سروں سے بھی تاج چھین لے گا

جنھیں رات دن واسطہ جام سے ہے　سُنا ہے اُنھیں عشق اسلام سے ہے

شوقؔ (کھنڈوہ)

طوفان وساحل

اب محبت رنگ لائی معتبر ہونے لگی
دل اِدھر دھڑکا اُدھر اُن کو خبر ہونے لگی

ہر نفس رُخِ تمنا پر نکھار آنے لگا
ہر ادا اب دعوتِ فکر و نظر ہونے لگی

کون جانے مجھ کو کس منزل پہ لے آیا جنوں
اب مجھے بھی حسرتِ دیوار و در ہونے لگی

جو خاکستر نہ ہو جل کر وہ پروانہ نہیں ساقی
حقیقت ہی حقیقت ہے یہ افسانہ نہیں ساقی

یہ خاموشی شکستِ جام پر توہینِ جرأت ہے
بھری محفل میں کیا کوئی بھی دیوانہ نہیں ساقی

وہ کوئی اور شے ہے جو مجھے سرشار رکھتی ہے
مری مستی رہینِ جام و پیمانہ نہیں ساقی

بہاروں پر نہیں موقوف شوقِ چاک دامانی
جو پابندِ بہاراں ہو وہ دیوانہ نہیں ساقی

یہ نازک استعارہ ہے زمانہ خاک سمجھے گا
محبت داستانِ شمع و پروانہ نہیں ساقی

مسکراہٹ بھی اک اندازِ فغاں ہوتی گئی
جس قدر پردے پڑے اُلفت عیاں ہوتی گئی

غم نصیبوں کے لئے دشوار کیا آسان کیا
ہر بلا تسکینِ دل آرامِ جاں ہوتی گئی

مجھ سے پوچھا کب کسی نے میری بربادی کا حال
ساری دُنیا آپ ہی کی ہم زباں ہوتی گئی

تبسّم میں بھی پنہاں غم کے افسانے نکل آئے
حرم کی آستین اُلٹی تو بتخانے نکل آئے

شبِ فرقت کسی کی یاد ہی کیا کم قیامت تھی
ستارے بھی دبی چوٹوں کو چمکانے نکل آئے

نغمہ گر مہر بہ لب، حسرتِ نغمہ خاموش
اور جہاں گوش بر آواز یہ قصہ کیا ہے

اُن سے بچھڑے ہوئے ہرچند زمانہ گزرا
درد کا ہے وہی انداز یہ قصہ کیا ہے

وجہ تسکینِ دل و جاں ہوئی جاتی ہے
ایک انجانی سی آواز یہ قصہ کیا ہے

ٹوٹتے جاتے ہیں کیوں بربطِ اُمید کے تار
ڈوبتی جاتی ہے آواز یہ قصہ کیا ہے

روحِ انتخاب

بعض لوگ وحی کو مانتے بھی ہیں اور اس کی حقیقت کو بھی کچھ سمجھتے ہیں۔ لیکن اس کو قرآن شریف میں منحصر سمجھتے ہیں، اور فقہ و حدیث کو وحی سے خارج کر دیتے ہیں، تو غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ یہ لوگ بھی وحی کو نہیں مانتے اور اس کو معیار نہیں سمجھتے، وجہ یہ ہے کہ سب کو معلوم ہے کہ قانون کی شرح اگر مقنن کر دے تو وہ شرح بھی قانون ہی ہے، یا اگر اصول اقلیدس سے اشکال جدیدہ بنا دی جائیں تو ان اشکال کو بھی اقلیدس ہی کی اشکال کہا جائے گا، پس حدیث تو چونکہ وحی ہے، اگرچہ غیر متلو ہے، اسی لئے وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے قرآن شریف کی شرح ہے، اور اس لئے اس کا حکم بھی قرآن شریف کا سا ہے، اور مسائل فقہ چونکہ انہی اصول پر مبنی ہیں، جو قرآن و حدیث میں ہیں، اس لئے وہ بھی حکم میں وحی کے ہوں گے، تو وحی کبھی جلی ہوتی ہے، کبھی خفی، خدا تعالیٰ فرماتے ہیں: ثم ان علینا بیانہ، چنانچہ جب حضورؐ پر آیت ان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ نازل ہوئی تو صحابہؓ نے یہ سمجھا کہ شاید وساوس پر بھی گرفت ہو، اس لئے بہت گھبرائے، ان کی گھبراہٹ پر دوسری آیت نازل ہوئی، جس نے اس کی تفسیر کر دی، لا یکلف اللہ نفساً الا وسعھا، اس آیت نے بتلا دیا کہ وساوس پر جب تک کہ وسوسے کے درجے میں رہیں، مواخذہ نہ ہوگا، نیز حدیث کے ذریعے سے حضورؐ نے اس کی تفسیر فرمائی: ان اللہ تجاوز عن امتی عما وسوست صدورھا مالم تعمل او تتکلم او کما قال۔ پس حدیث قرآن شریف کی تفسیر ہے کوئی نئی چیز نہیں ہے، اور بعض چیزیں چونکہ حدیث میں بھی مجمل رہ گئی تھیں مثلاً ربوا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ بمثل یداً بید والفضل ربوا اور دوسری جگہ فرمایا کہ دعوا الربوا والریبۃ، اس سے معلوم ہوا کہ ربوا حرام ہے، اس کی جزئیات کا پتہ اس سے نہیں چلتا تھا ہمارے فقہاءؒ نے بمثل اور یداً بید سے سب جزئیات کو نکال دیا، جن کو عوام الناس نہ سمجھ سکتے تھے —————— اور —————— اسی لئے علم اصول مدون کیا، نیز یہ بھی کہہ دیا کہ القیاس مظہر لا مثبت، جس میں اس بات کا اقرار ہے کہ ہم نے کوئی بات نئی نہیں کی، جو کچھ کہا ہے، حدیث و قرآن ہی کی تفسیر ہے، اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جا بجا یہ ارشاد فرمایا کہ جو کچھ آپؐ ارشاد فرماتے ہیں، وحی سے فرماتے ہیں، کوئی بات وحی کے خلاف نہیں، تو اس سے ان لوگوں کی غلطی معلوم ہو گئی جو حدیث یا فقہ کو نہیں مانتے اور محدثین اور فقہا پر اعتراض کرتے ہیں، **صاحبو!** حدیث سے کیونکر استغنا ہو سکتا ہے، فرمائیے کہ اگر حدیث کو نہ مانا جائے تو رکعات کی تعداد یا اوقاتِ نماز کی تعین کس طرح معلوم ہوگی اگرچہ اوقات خمسہ کا ذکر قرآن شریف میں ہے، لیکن وہ اس طرح ہے کہ جس کو پیشتر سے معلوم ہو، وہ ان پر منطبق کر سکتا ہے،

(اگلا صفحہ دیکھئے)

ورنہ خود قرآن شریف سے بلا مددِ حدیث تعین نہیں ہوسکتی، کیونکہ قرآن شریف میں صراحتاً نہیں ہے، اشارات ہیں اور تعداد رکعات کا اشارہ بھی نہیں، اور یوں زمین کا آسمان مان لیا جائے تو اس کو ثبوت بالقرآن نہ کہا جائے گا، مثلاً ایک صاحب نے تعداد رکعات کو قرآن شریف کی اس آیت سے ثابت کیا: الحمد للّٰہ فاطر السمٰوات والارض جاعل الملائکۃ رسلا اولی اجنحۃ مثنیٰ وثلاث ورباع، اور کہا کہ اس آیت سے نماز کا دو رکعت اور تین رکعت اور چار رکعت ہونا ثابت ہوتا ہے — صاحبو! کہاں فرشتوں کا ذکر، کہاں رکعات کی تعداد! یہ سب نفس کا زیغ اور کید ہے، میں بقسم کہتا ہوں کہ نفس کا کید ایسی بلا ہے کہ بہت سی اصلاح کرنے سے بھی دفع نہیں ہوتا، اور جس نے اصلاح ہی نہ کی ہو، اس کے کید کے دور ہونے یا سرے سے کید نہ ہونے کی تو کیا امید ہوسکتی ہے، اور کید یہ ہے کہ نفس نے دیکھا کہ حدیث وفقہ میں احکام بہ کثرت ہیں، اور ان سب پر عمل ہونا دشوار ہے، اس لئے اس نے یہ ترکیب نکالی کہ ان سب کو چھوڑو، صرف قرآن شریف کو لو، اور مرضی کے موافق تفسیر کرو کہ جس سے کچھ کرنا ہی نہ پڑے، میں کہا کرتا ہوں کہ اس زمانے میں اعمالِ کیمیائی کی بہت ترقی ہوئی، کہ

دین کا بھی ست نکل آیا، — صاحبو!

جس کو طلبِ شریعت ہوگی، وہ کبھی ایسی ترکیبیں نہیں نکال سکتا، دیکھئے جس کو بھوک کی شدت ہوتی ہے،

وہ زیادہ کا طالب ہوا کرتا ہے، نہ یہ کہ موجود کو بھی اڑانے کی فکر کرے!

حقیقت میں جب طلب ہوتی ہے تو موجودہ ذخیرے کو سن کر بھی تمنا ہوتی ہے کہ کچھ اور ہوتا اور جب طلب نہیں ہوتی تو سب میں اختصار کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ تفسیر بالرائے کی جاتی ہے!

وعظ (تقویم الزیغ) مولانا اشرف علی تھانویؒ

۱؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ جو کوئی بھی قرآن (اور حدیث) کی تفسیر یا تشریح کرتا ہے، وہ حدیث وقرآن کے منشا کے عین مطابق ہی کیوں نہ ہو اس پر "وحی" کا اطلاق نہیں ہوسکتا، "فقہ" قرآن اور حدیث ہی کے اصولوں پر مدّن کیا گیا ہے مگر اس تدوین وتالیف کو "وحی" نہیں کہہ سکتے! خود حضرت مولانا تھانوی فقیہ ومجتہد تو کجا کسی صحابی کے قول (مطابق کتاب وسنت) کو بھی "وحی" کا درجہ نہیں دیتے، یہاں حضرت تھانوی کی مراد یہ ہے کہ وہ مسائل جن میں فقہا کے قیاس واجتہاد کو دخل نہیں ہے بلکہ براہ راست کتاب وحدیث سے ماخوذ بلکہ عبارت ہیں، اُن کی اتباع لازم اور ضروری ہے کہ "وحی" کے احکام کی اُن کے ذریعہ تعمیل ہوتی ہے۔ (م - ق)

ہماری نظر میں

تسہیل الترتیل

" تسہیل الترتیل" از:- محمد الیاس برنی، حجم ۲۲۴ صفحے، (قیمت درج نہیں) —— ملنے کا پتہ:- بیت السلام، سیف آباد، حیدر آباد دکن !

قرآنِ پاک اللہ تعالیٰ کی اتنی بڑی رحمت ہے، جس کی وسعتوں کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا، یہی وہ نسخہ شفا ہے جس نے بیمار روحوں کو صحت و توانائی اور مردہ دلوں کو زندگی بخشی، اسی " نورمبین" نے تاریک زندگیوں کو فکر وعمل کے چراغ عطا کئے اور دل کے اندھیرے کو اُجالے سے بدل دیا، مگر ہم مسلمانوں کی شامتِ اعمال اور شومئ قسمت کہ اس نسخہ شفا، آیہ رحمت، نورمبین اور دستورِ حیات کو ہم نے صرف صحیفہ تبرک سمجھا اور اپنی زندگیوں کو " قرآنی زندگی" بنانے کی کوشش نہیں کی اور کبھی تو برائے نام! قرآن سے دوری کے سبب ہم اللہ کی نصرت اور رحمت سے بھی دور ہوتے چلے گئے!

ہمیں لے دے کے قرآنِ پاک کی تلاوت پر ناز ہے مگر ہم میں کتنے ہیں جو ترتیل اور تجوید کے ساتھ قرآن کی صحیح قرات بھی کر سکتے ہیں، افسوس ہے کہ ہمیں ٹھیک طور پر قرآن پڑھنا بھی نہیں آتا —— اسی ضرورت کے مدِنظر پروفیسر محمد الیاس برنی نے یہ کتاب مرتب فرمائی ہے، جس کے لئے وہ اُردو داں طبقہ کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں!

—— وہ لوگ جو عربی زبان سے ناواقفیت کے سبب جزری، شاطبی اور سجاوندی (رحمہم اللہ تعالیٰ) کی کتابوں سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے " تسہیل و ترتیل" ان کے لئے معلّم کا کام دے گی!

جناب الیاس برنی اللہ کے فضل سے فنِ تجوید سے واقف ہیں؛ کتاب کے آخر میں انہوں نے سلسلۂ روایتِ قرآن (شجرہ) بھی درج کر دیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تجوید و ترتیل اور روایت قرآن کے مشہور و مستند امام حضرت حفص الکوفی رحمۃ اللہ علیہ تک برنی صاحب کا یہ سلسلہ تیس واسطوں سے پہونچتا ہے۔

" تسہیل الترتیل" کے بعض اقتباسات:-

—— تلاوت میں ترتیل کی تعلیم اصطلاحاً تجوید اور عُرفاً قراءت کہلاتی ہے تلاوت یعنی پڑھنے کی تین رفتار ہو سکتی ہیں، آہستہ، اوسط اور تیز! ان تین رفتاروں کو اصطلاحاً ترتیل، تدویر، اور حَدَر کہتے ہیں یعنی آہستہ آہستہ پڑھیں تو ترتیل اوسط رفتار سے پڑھیں تو تدویر اور تیز رفتار سے پڑھیں تو حَدَر کی صورت ہے۔

—— وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ (۶/۲۳) اور ہم نے بھیجے اُن میں ڈرسنانے والے یعنی نبی

(اگر کوئی شخص غلطی سے یا ناواقفیت کے سبب "مُنذِرِیْن" کو "مُنذَرِیْن" پڑھ دے تو زیر، زبر کی اتنی سی غلطی سے اُس کے معنیٰ ہی اُلٹ جائیں گے)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِیْهِمْ مُنْذَرِیْنَ (غلط) اور ہم نے بھیجے اُن میں ڈر سنائے جانے والے یعنی کافر.....!

—— قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ جابجا فرماتا ہے "جَعَلْنَا" یعنی "بنایا ہم نے" اور "قُلْنَا" یعنی "کہا ہم نے" پس اگر "نَ" کے الف کو بخوبی ادا نہ کرکے صرف فتحہ کی طرح پڑھا جائے یعنی جَعَلْنَ یا قُلْنَ تو معنی یہ ہوں گے کہ بنایا کئی عورتوں نے یا کہا کئی عورتوں نے (نعوذ باللہ)

—— (الف) وَعَصٰٓی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی (۱۶/۱۶) اور حکم ٹالا آدم نے اپنے رب کا پھر راہ سے بھٹکا۔

(ب) وَعَصٰٓی اٰدَمَ رَبُّهٗ فَغَوٰی (غلط) اور حکم ٹالا آدم کا اُس کے رب نے اور پھر راہ سے بھٹکا۔

—— اَصْحٰبُ النَّارِ ۝ (۶/۲۴) یہاں وقف کرکے پھر آگے پڑھے اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ (۶/۲۴) اگر وقف کے بجائے وصل کرے تو معنیٰ میں کفر کی حد تک فتور آ جائے گا، یعنی شبہ ہو گا کہ گویا دوسری آیت اَصْحٰبُ النَّار کی صفت ہے جو سراسر خلافِ مطلب ہے!

مَخَارِج کی غلطیوں سے معنیٰ اور مفہوم کی تبدیلی کی مثالیں:-

عزم: پختہ ارادہ —— ازم: آفت، بلا ═══ عظیم: اسم الٰہی بڑا —— اذیم: آفت زدہ

ثُمَّ: پھر —— سُمَّ: زہر دیا گیا ═══ نصر: مدد —— نسر: گدھ (مشہور پرندہ)

صَلّوا: صلاۃ بھیجو —— سَلّوا: تلوار کھینچو ═══ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ: (صحیح) اے اللہ صلاۃ بھیج محمد پر (درود شریف)

اَللّٰهُمَّ سَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ (غلط) اے اللہ تلوار کھینچ محمد پر (بد دعا)

وقوفِ کلمات کو لائق مولف نے خاص طور سے پھیلا کر بیان کیا ہے کہ قرآن کی ہر آیۃ پر "وقف" سے سابقہ پڑتا ہے اور قرآنی رسم الخط کے نہ جاننے کے سبب فاحش غلطیاں ہو جاتی ہیں۔

ہندستان اور پاکستان اور دوسرے اکثر اسلامی ممالک میں حضرت عاصم کوفی رحمۃ اللہ علیہ کی قرات رائج ہے جس کے شعبہؒ اور حفصؒ راوی تھے، ان میں حضرت حفصؒ کی روایت زیادہ مقبول اور مروج ہے، چنانچہ "تسہیل الترتیل" حضرت حفص الکوفی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت قرات کی بنیادوں پر مرتب کی گئی ہے۔

(صفحہ ۸) "اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَاءَنَا..." کا ترجمہ "جن لوگوں کو ہمارے پاس آنے کا کھٹکا نہیں ہے..." درست نہیں ہے، کھٹکا تو اندیشہ اور خطرے کو کہتے ہیں، یہاں "لَا یَرْجُوْنَ" کا ٹھیک ترجمہ "اُمید نہیں رکھتے" ہو سکتا ہے! —— (صفحہ ۸) "اوّل وہ صفاتِ حروف کو لیجئے..." "وہ" کی جگہ "اُن" لکھنا چاہیئے تھا،

"تسہیل الترتیل" مرتب فرما کر، جناب محمد الیاس برنی نے دین و علم کی بڑی خدمت انجام دی ہے!

مختصر تاریخ خلفائے اسلام

"مختصر تاریخ خلفاء اسلام" مرتبہ:۔ رعایت کوٹی ضخامت ۲۴۰ صفحات (قیمت درج نہیں) ملنے کا پتہ:۔ حافظ حکیم محمد فائق خاں فاروقی دواخانہ کوٹ ضلع فتحپور!

یہ کتاب جناب محمد رعایت علی خاں کوٹی کی تالیف ہے، جس میں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور خلفائے راشدین کے مختصر سوانح حیات سے لیکر، بنوامیہ، بنوعباسیہ، چراکہ، بربری، فاطمین، مرابطین، موحدین اور ترکی سلاطین تک کے حالات بیان کئے گئے ہیں، مؤلف نے اختصار کی حد کردی کہ ہارون الرشید اور مامون الرشید جیسے مشہور خلفاء جن پر مبسوط کتابیں موجود ہیں، اُن کے حالات بیس بیس پچیس پچیس سطروں میں لکھے ہیں، یوں سمجھئے کہ یہ کتاب تاریخی واقعات کا ایک ڈائجسٹ ہے!

"یزید کی ولادت ۲۶ھ میں ہوئی، یہ اپنے والد کے بعد خلیفہ ہوئے" (صفحہ ۳۹)! مُسلمان سلاطین میں یزید سب سے زیادہ بدنام بادشاہ ہے، اُس کا ذکر اس احترام کے ساتھ:۔

"اپنے والد کے بعد خلیفہ ہوئے۔۔۔"

پہلی بار نظر سے گزرا ـــــ حیرت! اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی مظلومیت پر درود و سلام!

صفحہ ۵۸ پر "منبروں" کو "ممبروں" لکھا ہے، جو لوگ تلفظ کی یکسانی کے سبب تحریر میں "منبر" اور "ممبر" میں فرق نہیں کرتے وہ غلطی کرتے ہیں! (صفحہ ۱۰۷) "مگر عربوں کے سامنے اس کی دال گلائی نہ گل سکی" ـــــ یہ تاریخ کی زبان نہیں ہے، اور "دال گلائی" یوں بھی اچھا نہیں لگتا ـــ

معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف نے تاریخ کی کتابیں سامنے رکھ کر، واقعات کو چُن لیا ہے اور انھی سے یہ کتاب عبارت ہے، کتاب میں مورخانہ فکر و بصیرت کی تشنگی محسوس ہوتی ہے، لیکن اس کا مطالعہ بہرحال افادیت سے خالی نہیں ہے کہ چند گھنٹوں میں انقلابات و حوادث کے بیشمار مناظر نگاہ کے سامنے سے گزر جاتے ہیں!

آسان لغات القرآن

"آسان لغات القرآن" مرتبہ:۔ عبد الکریم پاریکھ ناگپوری، ضخامت ۸۲ صفحے ہدیہ آٹھ آنے، ملنے کا پتہ:۔ سلیم بکڈپو، نعل صاحب روڈ ناگپور (سی پی بھارت)

اس کتاب کے شروع میں لکھا ہے کہ "عربی کے دس سبق کے بعد اگر اس آسان لغات القرآن کو حفظ کرلیا جائے تو اللہ کے فضل سے پورے قرآن مجید کا ترجمہ بہ آسانی کیا جاسکتا ہے"!

عربی زبان سے فطری مناسبت اور قرآن کا ذوق ہو تو کوئی شک نہیں کہ یہ کتاب قرآنِ کریم کے ترجمہ میں بہت کارآمد ثابت ہوسکتی ہے ـــ لُغت کا انداز یہ ہے:۔

غنم بکریاں　شحوم چربی　حوایا انتڑیاں　ھلم لے آؤ　املاق افلاس　الملا سردار

تعودون لوٹ آؤ تم　کٰرھین ناپسند کرنے والے!

کتاب و سنت کی تیسیر اور تفہیم و تبلیغ کے لئے جو کوئی جس عنوان سے بھی خدمت انجام دیتا ہے، وہ لائقِ تبریک ہے! جناب عبدالکریم صاحب پارکھ کو اس دینی خدمت کے لئے اللہ تعالیٰ اجر عطا فرمائے گا۔

اربعین نووی

"اربعین نووی" ترتیب و ترجمہ از :- حافظ نذر احمد و مولانا عزیز زبیدی حجم ۱۴۴ صفحات، قیمت ایک روپیہ چار آنے، ملنے کا پتہ :- علمی کتاب خانہ اُردو بازار لاہور!

اُردو داں حضرات کے لئے فنِ حدیث پر یہ کتاب ہر اعتبار سے مفید، کارآمد اور معلومات آفریں ہے! ذیل کے چند عنوانات سے اس کتاب کی قدر و قیمت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے:-

حدیث عہدِ رسالت میں ——— صحابہ کرام کا اہتمام ——— تابعین کا دور ——— چند تابعین اور تبع تابعین ——— تدوین کے تین دور ——— کتب حدیث کے چار طبقات ——— حدیث کی اصطلاحیں ——— کتب حدیث کے اقسام ——— صحاح ستہ ——— چند دیگر مشہور کتب حدیث ——— اسناد، طرق روایت، اور باعتبار صحت و ضعف، حدیث کے اقسام ——— ائمہ حدیث ——— راویان حدیث اربعین کے مختصر حالات ———!

موضوعِ حدیث پر فنی معلومات کے علاوہ یہ کتاب حدیث کی مختصر تاریخ بھی ہے، آخر میں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات اور اُن کی منتخب کی ہوئی چالیس حدیثیں ترجمہ کے ساتھ درج ہیں۔

کتاب کی زبان سلیس اور سادہ ہے، البتہ صفحہ (۲۰) پر "خداخونی" ایک نامانوس ترکیب نگاہ سے گزری، اور سب سے زیادہ یہ بات کھٹکی کہ چالیس حدیثوں کے انتخاب کرنے والے حضرات کی فہرست میں مرزا بشیر احمد (ایم۔اے) قادیانی کا نام بھی درج ہے!

اللہ تعالیٰ مُرتبین کی سعی کو قبول فرمائے اور مسلمانوں کو اس سے استفادہ کی توفیق بخشے!

اللہ کی بادشاہت

"اللہ کی بادشاہت" تالیف :- پرنس سعید حلیم پاشا، ترجمہ :- محمد مارماڈیوک پکتھال مرحوم و سید ہاشمی فرید آبادی، وضاحت :- محمد علی ایم۔ اے، ضخامت ۱۶۸ صفحات، قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے ——— ملنے کا پتہ :- مکتبۂ تعمیر انسانیت ۲۵۰ گجر گلی، موچی دروازہ لاہور ——— ۱۹۰۷ء کے انقلابِ ترکی کے بعد وہاں دو گروہ پیدا ہوگئے تھے ایک وہ جو ترکی کو مغرب کے راستہ پر لے جانا چاہتا تھا، دوسرا گروہ ان اہلِ فکر کا تھا جو اسلام پسند تھے اور اسلامی خطوط پر حکومت ترکی کی تشکیل چاہتے تھے، پرنس سعید حلیم پاشا اسلام پسند مفکرین کی جماعت سے نہ صرف یہ کہ تعلق رکھتے تھے بلکہ اس کے رہنماؤں میں سے تھے۔

سعید حلیم پاشا نے بڑے نازک اور پُرآشوب دور میں ترکوں کی رہنمائی کی، مجلس اتحاد و ترقی کے معتمدِ اعلیٰ

کی ذمہ دارانہ خدمت کو اُنہوں نے سنبھالا اور جنوری ۱۹۱۳ء کے انقلاب کے بعد وہ وزیر خارجہ اور پھر محمود شوکت پاشا کے قتل کے بعد وزیر اعظم مقرر ہوئے، یہ وہ نازک دور تھا کہ حکومت کے ہر رکن کی جان خطرے میں تھی!

۱۹۱۷ء میں خرابیٔ صحت کے سبب انھوں نے وزارتِ عظمیٰ کا عہدہ طلعت پاشا کے حوالہ کر دیا، اور پھر استنبول پر چند دن کے لئے انگریزوں کا قبضہ ہوا تو اس اسلامی مفکر کو گرفتار کر کے مالٹا بھیجدیا گیا، جلاوطنی کے بعد جب وہ روما آئے تو وہاں ایک ظالم ارمنی نوجوان نے طپنچہ سے اُنھیں شہید کر دیا۔

پرنس سعید حلیم پاشا نے جدید مغربی تعلیم بھی پائی تھی اور ترکی کے علاوہ وہ عربی، فرانسیسی اور انگریزی زبان پر بھی قدرت رکھتے تھے" سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اُن کے دل اور دماغ دونوں مسلمان تھے!

یہ کتاب اُس مضمون کا ترجمہ ہے جو فرانسیسی زبان میں لکھا گیا تھا، جسے مسٹر محمد مارماڈیوک پکتھال مرحوم نے انگریزی میں منتقل کیا اور جناب سید ہاشمی فریدآبادی نے انگریزی ترجمہ کو اُردو لباس پہنایا۔

پرنس سعید حلیم پاشا نے یورپ کی نبض کو کتنا صحیح پہچانا ہے:-

"مغرب کے موجودہ مصائب کی ذمہ داری تمام تر وحیِ الٰہی کی روشنی سے آنکھیں بند کر لینے پر ہے" اور یہ بات بھی انھوں نے کتنی سچی کہی ہے:-

"اسلامی دُنیا میں انحطاط کے آثار ٹھیک اس زمانہ میں نمودار ہوئے جب کہ مسلمانوں میں ایک خاص قسم کے "اہل مدرسہ اور" اہلِ خانقاہ" پیدا ہوئے —— اسلام دینی عقائد میں خواہ مخواہ موشگافیاں کرنے اور باریکیاں نکالنے کا قطعاً مخالف ہے۔ ۔ ۔"

مغربی علوم اور مغربی تمدن کا تجربہ کرنے کے بعد، انھوں نے یہ رائے دی:-

"مغربی دنیا نے ابھی تک اخلاق و تمدن کے صحیح اصول نہیں سیکھے یعنی وہ اصول جن کی بنیاد فطرت کے ازلی قوانین پر ہے۔ ۔ ۔"

پاکستان میں اربابِ اقتدار نے علماء کرام کو "ملّا" کا نام دے رکھا ہے مگر پرنس سعید حلیم پاشا، ان حضرات کی قدر و قیمت کو پہچانتے تھے، فرماتے ہیں:-

"اسلامی ملک کو اپنے رفقاء میں جب تدبّر اور اعتدال کی ضرورت پڑے گی وہ ہمیشہ اس کا واحد شعبہ یعنی مجلسِ جماعت فقہا کی مدد سے بہم پہونچاتا رہے گا"

سعید حلیم پاشا سیاسی دستور کی تشکیل اسلامی بنیادوں پر چاہتے تھے اور مغربی دستور کی نقالی کے شدید مخالف تھے، لکھتے ہیں:-

"برادرانِ اسلام کو یہ جتانا ہے کہ اگر اُنھوں نے مغرب کے سیاسی دستور کی نقالی کی اور وہاں کے

تمدّن اور سیاسی اصول کی پیروی اختیار کی تو یہ ایسی نقصان رساں غلطی ہوگی، جس کی کوئی تلافی نہ ہوسکے گی"۔
اللہ تعالیٰ پاکستان کو یورپ کی کورانہ تقلید سے محفوظ رکھے ——— کاش! پاکستان کے اربابِ اختیار کو شاہ ولی اللہ کا نہیں تو کم سے کم سعید حلیم پاشا کا دل اور دماغ ہی مل جاتا!

اُردو کی فضیلت

"اُردو کی فضیلت" مرتبہ:- انجمن ترقی اُردو پاکستان، ضخامت ۱۲۶ صفحات، چکنا کاغذ دیدہ زیب ٹائپ! ملنے کا پتہ:- انجمن ترقی اُردو، اُردو روڈ، کراچی!

ساری دُنیا جانتی ہے کہ پاکستان اسلام کے نام پر بنا ہے اور اس کے بنوانے میں اُردو زبان کا سب سے زیادہ ہاتھ ہے مگر افسوس کہ پاکستان بننے کے بعد سب سے زیادہ بے اعتنائی بلکہ بے وفائی اسلام اور اُردو زبان کے ساتھ ہی کی گئی ——— اگر ہمارے اربابِ حل وعقد شروع ہی میں اُردو زبان کو اپنے وعدے کے مطابق سرکاری زبان بنا دیتے تو ڈھاکہ یونیورسٹی کے اشتراکیت زدہ لونڈوں کو اُردو کے خلاف فرنٹ قائم کرنے کی جرأت نہ ہوتی اور بنگلہ زبان کی حفاظت کے نام پر صوبہ پرستی کا فتنہ نہ اُٹھ کھڑا ہوتا۔

اس کتاب میں خان بہادر بدرالدین احمد، ڈاکٹر ابوظفر محمد طاہر، سید قمر الحسن، حکیم سلامت اللہ، مولانا محمد عبداللہ الکافی القرشی، کوی غلام مصطفےٰ اور مولوی فضل الحق کے مضامین درج ہیں، یہ تمام حضرات بنگال کے رہنے والے ہیں اور اُردو زبان کے پُرجوش حامی ہیں، بابائے اُردو مولوی عبدالحق نے ان مضمون نگاروں کا اپنے مخصوص انداز میں تعارف کرایا ہے۔

اس کتاب کے چند اقتباسات سے ان مضامین کی اہمیت اور اصابت کا اندازہ لگائیے:-

——— اگر مسلمانوں نے (اُردو کی مخالفت میں) غیر مسلمانوں کی اس یلغار کو روکنے کے لئے موثر کارروائی نہ کی تو بنگالی مسلمانوں کی آئندہ نسلوں اور بقیہ مسلمانانِ عالم کے درمیان نام کے علاوہ کوئی شئے مشترک باقی نہ رہیگی۔

——— پاکستان کے دونوں ٹکڑوں کو قریب تر اور ایک رشتے میں لانے کا ذریعہ اور پاکستان کی سالمیت کو برقرار رکھنے کی ضامن اُردو اور صرف اُردو ہے۔

——— بنگلہ زبان کا سلسلۂ نسب نہ صرف ہندوانہ ہے بلکہ اس کی پرورش و پرداخت بھی ہندوانہ آغوش میں ہوئی ہے اس لئے اس کا سارا سرمایہ ہندوانہ عقیدت اور ہندوانہ تہذیب و تمدن کا حامل ہے۔

——— آج بنگلہ زبان کے کسی تعلیم یافتہ کو لے لیجئے وہ بڑی آسانی کے ساتھ رام، کرشن اور مہا بھارت کے متعلق بہت کچھ بتا دے گا مگر خالد اور علی کا نام بھی شاید پوری طرح نہ بتا سکے، اسی مشرقی بنگال میں جہاں توحید وسنت کی لہریں اُبلتی تھیں آج اکثر مقامات پر آپ کو مندروں میں مسلمان پجاری نظر آئیں گے۔

——— ایک صورت یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ بنگلہ اور اُردو دونوں پاکستان کی سرکاری زبانیں قرار دی جائیں۔۔۔

لیکن یہ صورت پاکستان کی روح اور نظریات کے منافی ہے۔

—— آج بھی بنگلہ میں قرآن یا حدیث کا مستند ترجمہ نہیں مل سکتا، اس کا تو خیر ذکر ہی کیا میلاد شریف کے لئے بھی کوئی چھوٹی سے چھوٹی کتاب موجود نہیں ہے —— مسلمان شعراء کے گیتوں کا موضوع رادھا، کرشن اور دوسرے دیوی، دیوتاؤں کی محبت ہے۔ .. .. .. ہمارے قابلِ قدر شاعر نذر الاسلام کی ذہنی ساخت بھی اس رجحان سے خالی نہیں ہے۔ .. .. بنگلہ زبان و ادب کے اثر سے ہم اسلام سے کس قدر دور ہو گئے ہیں"

حقیقت یہ ہے کہ اردو کی مخالفت پاکستان کی سالمیت اور وحدت کی مخالفت ہے اور جو لوگ اس مخالفت کو ہوا دے رہے ہیں وہ پاکستان کی وحدت کو شدید نقصان پہونچا رہے ہیں،

پاکستان میں لسانی کشمکش بھی ہمارے حاکموں کی بےتدبیری کی زندہ شہادت ہے !

انسان اور شیطان

"انسان اور شیطان" از:- غازی محمد اسحٰق (بی۔ اے، ایل، ایل بی) ضخامت ۲۵۷ صفحات، (مجلد) قیمت پانچ روپے، ملنے کا پتہ:-

مکتبہ ادب نواز، کشمیری بازار، لاہور!

غازی محمد اسحٰق صاحب کا یہ پہلا ناول ہماری نظر سے گزرا ہے، جو اُن کے شاندار ادبی مستقبل کی "پیش گوئی" کر رہا ہے، مصنف کی اگر مشق جاری رہی اور اُن کی خاطر خواہ قدردانی اور حوصلہ افزائی بھی ہوتی رہی تو ناول نگاری کی صنف میں وہ بڑا نام پیدا کریں گے۔

کتاب اتنی دلچسپ ہے کہ اسے شروع کرنے کے بعد جی چاہتا ہے کہ ختم کر کے ہی دم لیجئے، پلاٹ کی کڑیاں ایک دوسرے سے ملتی چلی گئی ہیں، بعض مقامات پر مصنف کے قلم نے لفظوں کے آئینے تراش کر جڑ دیئے ہیں۔

انسان اور شیطان کی کشمکش کو بڑے دل نشین اور نفسیاتی انداز میں پیش کیا ہے، جو عبرت ہے اہلِ نظر کے لئے اور کھیل ہے تماشائیوں کے واسطے! حُسن و عشق اور قربت و وصال کی جہاں ترجمانی کی ہے، وہاں لذتیت ضرورت سے زیادہ غالب ہو گئی ہے، ان حصّوں کا مطالعہ کم سے کم نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے مضرت سے خالی نہیں ہے،

دوسرا رُخ :- (صفحہ ۱۹) "اس کی آنکھوں میں جھیل کی گہرائی تھی" —— آنکھوں کا جھیل کی طرح گہرا ہونا" بدصورتی کی دلیل ہے حالانکہ مصنف نے یہ جملہ آنکھوں کی خوبصورتی دکھانے کے لئے استعمال کیا ہے —— (صفحہ ۳۰) "ہر ایک نے اپنی اپنی کارگزاشت پیش کر کے داد چاہی" —— "کارگزاری" لکھنا چاہیے —— صفحہ "۵۴" پر "پانسہ پلٹنے" کو "پانسہ اُلٹنا" لکھا ہے —— (صفحہ ۷۴) "بے وقوف! موت زندگی کا معراج ہے" —— "معراج" بالاتفاق "مؤنث" ہے —— (صفحہ ۶۹) "تمہارے ہاتھوں کو مہندی تو نہیں لگی، تم ہی آجایا کرو" —— "ہاتھوں" کی جگہ "پیروں" لکھنا تھا —— (صفحہ ۹۹) "بُرا نہ منایا"۔

—— "بُرا نہ مانا" لکھنا چاہیئے تھا —— (صفحہ ۱۲۸) "جاوید کے ہاتھ میں وہ منتر تھا جو کسی پیر کے پاس کیا ہوگا"
—— "منتر" تو جادو گروں کو آتا ہے، یہاں "کرامت" کا محل تھا —— (صفحہ ۱۴۲) "روحی نے کان کھڑے کرلئے" —— اس اندازِ بیان سے تو ایسا مترشح ہوتا ہے کہ روحی انسان نہیں ہے بلکہ کوئی جانور ہے —— (صفحہ ۱۵۵) "انھیں علم ہے کہ ہمیں آپس میں محبت ہے" —— "انھیں علم ہے کہ ہمیں ایک دوسرے سے محبت ہے" لکھنا تھا۔
—— (صفحہ ۱۶۱) "ساز ندے دُھنیں نکال رہے تھے اور مریم بیٹھی ٹھمری گا رہی تھی" —— "سازندے ساز بجا رہے تھے" لکھنا چاہیئے تھا، ورنہ اس جملہ سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سازندے علیحدہ دھن نکال رہے تھے اور مریم جُدا ٹھمری گا رہی تھی حالانکہ محفل جمی ہوئی ہے اور مریم ساز پر گا رہی ہے —— (صفحہ ۲۴۸) "جس کی وجہ سے نبھا کئے جارہا تھا" —— "نباہ" لکھنا تھا —— (صفحہ ۲۹۹) "مگر سوکن کا خیال ہی اُس کا رواں رواں کھڑا کردینے لئے کافی تھا" —— یہ اندازِ بیان وجدان کی ثقاہت پر گراں گزرتا ہے —— (صفحہ ۳۰۵) "روحی کو جب پرویز نے حالات سے آگاہی دی" —— یہ لفظی ترجمہ کا انداز ہے —— (صفحہ ۳۴۰) "اُسے کچھ سمجھ نہیں آتا تھا" —— "اُس کی کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا" لکھنا تھا —— (صفحہ ۳۴۲) "مزدور بھی بے کل ہوگئے، یہ اُن کی عزت پر حملہ تھا" —— عزت پر حملہ ہونے کے بعد "بے کل" ہونا بے حسی کی دلیل ہے، —— "آگ بگولا ہوگئے" یا اسی انداز کا کوئی اور جملہ لکھنا تھا ——

کئی جگہ "سنگھار" کو "شنگھار" اور "پھٹکنے" کو "پھڑکنا" لکھا ہے!

زہرہ کی ماں اپنی لڑکی کی شادی کے لئے جاوید کے سامنے جس انداز میں ذکر چھیڑتی ہے، وہ "نفسیاتی طور پر کمزور ہے"، مسلمانوں کے شریف گھرانوں میں ایسی باتیں صاف اور برملا نہیں کہی جاتیں، اُن میں "اشاریت" ہوتی ہے اور ہونی چاہیئے!

ایک دو جگہ اور بھی پلاٹ کمزور ہوگیا ہے مگر مجموعی طور پر کتاب دلچسپ اور پلاٹ کافی مربوط ہے ——

ناشر نے طباعت اور کاغذ اور جلد بندی کا بھی خاصہ اہتمام کیا ہے!

نقدِ اقبال

"نقدِ اقبال" از:- میکش اکبر آبادی، ضخامت ۲۱۶ صفحات، کتابت، طباعت اور کاغذ دیدہ زیب، سرورق رنگین، قیمت تین روپیہ، ملنے کا پتہ پاکستان میں:—
حکیم مرزا احسان علی بیگ صاحب نزنکاری بازار ۱۴۱/۱۷ راولپنڈی اور ہندستان میں:- میکش اکبر آبادی، میوہ کٹرہ، آگرہ!

بارہ چودہ سال کی قلیل مدت میں علامہ اقبال کی شاعری، اور اُن کے پیام اور افکار و معتقدات پر جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں، اتنی کتابیں اُردو زبان کے کسی شاعر پر نہیں لکھی گئیں، اس تعداد میں برابر اضافہ ہوتا

جارہا ہے اور اقبال کی شاعری کے نئے نئے گوشے نمایاں ہورہے ہیں۔

"نقدِ اقبال" اِن تمام کتابوں سے مختلف کتاب ہے، اس کتاب میں اقبال کے بعض نظریوں پر علمی انداز میں تنقید کی گئی ہے، فاضل ناقد اقبال سے حُسنِ عقیدت رکھتے ہیں اور علامہ کی شاعرانہ عظمت کے معترف ہیں، اس اعتراف و عقیدت کی جھلکیاں اس کتاب میں جگہ جگہ ملتی ہیں، مگر اس کے ساتھ انھوں نے تصوّف کے بارے میں اقبال کے بعض نظریوں پر گرفت بھی کی ہے، میکش صاحب اقبال کے صرف مداح اور قصیدہ خواں ہی نہیں صحیح معنیٰ میں "ناقد" بھی ہیں۔

عام طور پر جب کوئی لکھنے والا کسی نظریہ کی تائید یا تردید پر قلم اٹھاتا ہے تو اُس کی ایک "فریق" کی حیثیت ہوجاتی ہے، اور اس جوش میں طنز سے لیکر لہجہ کی تلخی، ترشی اور تیزی تک نوبت پہونچ جاتی ہے، — "نقدِ اقبال" کے مُصنف نے کمال کیا ہے کہ نقد و احتساب میں زیادہ سے زیادہ تفصیل و اطناب سے کام لیا ہے مگر شروع سے آخر تک وقار اور سنجیدگی، قائم رہتی ہے اور لہجہ میں ترشی اور تلخی نہیں آنے پاتی اور یہ دلیل ہے، مُصنف کی شگفتہ مزاجی اور شرافتِ نفس کی اور یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ میکش صاحب علمی مسائل پر گفتگو حریف بن کر نہیں بلکہ محقق، مفکر، طالب حق اور علم دوست کی حیثیت سے فرماتے ہیں!

جناب میکش صاحب نے سجادہ و خانقاہ کے ماحول میں نہ صرف آنکھیں کھولی ہیں بلکہ تربیت بھی پائی ہے، تصوف کا ذوق اُن کو یُوں سمجھئے کہ ورثہ میں ملا ہے اس لئے تصوف کی مدافعت کا جذبہ اُن کے اندر فطری طور پر موجود ہے اور "نقدِ اقبال" لکھتے وقت یہ جذبہ مصنف کی ہر جنبشِ قلم کے ساتھ ساتھ رہا ہے۔

فاضل مصنف نے اس ایک کتاب کے لئے بیسیوں کتابوں کو پڑھا ہے اور یہ ذخیرہ یوں ہی جمع نہیں ہوگیا اس کے لئے انہوں نے خرمن اور گلشن گلشن پھر کر

؎ تمتع ز ہر گوشۂ یافتم

کا شرف حاصل کیا ہے۔

تصوف کی درجنوں مشہور و معروف کتابوں کے علاوہ یوگ وسشٹھ (مترجمہ دارا شکوہ) — عشرت کاملہ (شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی) — گریک فلاسفی (گرنٹ) جیسی کتابوں سے بھی مصنف نے استفادہ کیا ہے، اور یہ ایسی کتابیں ہیں جن کی عوام تو کیا بعض خواص کو ہوا بھی نہیں لگی —

جناب میکش صاحب نے اقتباسات اور مثالوں کے ذریعہ ثابت کیا ہے کہ وحدۃ الوجود کے بارے میں شنکر اور حضرت محی الدین ابنِ عربی متحد الخیال نہیں ہیں اور ابنِ عربی کا نظریہ "ترکِ عمل" کا حامی نہیں ہے، اور علامہ اقبال کے یہ خیالات کہ (۱) وحدۃ الوجود کا نظریہ فنا کو آخری منزل قرار دیتا ہے اور نفی خودی کا حامی

ہے اور (۲) صوفیوں نے مسئلہ فنا کی تفسیر بدھ مت کے نقطہ نظر سے کی ہے ـــــ درست نہیں ہیں۔
لائق تنقید نگار نے بتایا ہے کہ علامہ اقبال کو نام کی یکسانی کی وجہ سے غلط فہمی ہو گئی تھی کہ شیخ الاشراق شیخ شہاب الدین سہروردی مقتول کو عوارف المعارف کے مصنف شیخ شہاب الدین سہروردی سمجھ لیا، اور اپنی مشہور تصنیف "فلسفۂ عجم" میں شیخ الاشراق کی تصانیف کے حوالے یہ سمجھ کر دیئے کہ یہ سلسلہ سہروردیہ کے پیشوا حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات ہیں۔
جناب میکش کی کتاب کے اس اقتباس سے ہم صرفِ نظر نہیں کر سکتے :۔
"ایرانی شعراء سے اقبال اس لئے ناراض ہیں کہ انھوں نے ابن عربی کے صوفیانہ نظریات کو زیادہ حسین وجمیل بنا کر عوام تک پہونچایا، یہ ظاہر ہے کہ اقبال نے ہر تصوف کی مخالفت نہیں کی اور نہ ایسا ممکن تھا کیونکہ وہ خود خاندانِ قادریہ میں مرید تھے، صوفیوں کی مدح سے ان کا سارا کلام بھرا ہوا ہے، البتہ وہ اس وحدۃ الوجود کے خلاف ہیں جو ترکِ عمل کی تعلیم دے اور سکون وجمود پیدا کرے، وہ اس وحدۃ الوجود کے خلاف ہیں جو نفی خودی پر منتج ہو، ابن عربی کی مخالفت بھی اس غلط فہمی کا نتیجہ تھی کہ علامہ نے سری شنکر اور ابنِ عربی کے نظریوں اور وحدۃ الوجود اور نفی خودی کو لازم و ملزوم سمجھا اور چونکہ ابن تیمیہ وحدۃ الوجود کے خلاف ہیں اس لئے انھوں نے ابن تیمیہ کو سراہا لیکن جب حقیقت واضح ہو گئی تو وحدۃ الوجود کی تائید کے ساتھ انھیں اقرار کرنا پڑا کہ ابنِ تیمیہ اور ابنِ جوزی کی مخالفت حقیقت سے ناواقف ہونے کے سبب تھی۔ ۔ ۔ " (صفحہ ۲۰۲)
اور اقبال کے نظریہ کی اس تبدیلی کے ثبوت میں اُس خط کا حوالہ دیا گیا ہے، جو اقبال نے مولانا سید سلیمان ندوی کے نام لکھا تھا ـــــ اقتباسات اور حوالوں (REFRENCES) کے بارے میں میکش صاحب سے ہم حسنِ ظن ہی رکھتے ہیں، مگر جہاں انھوں نے دوسرے لوگوں کی اصل عبارتیں نقل کر دی ہیں، وہاں اقبال کے اس خط کو ضرور نقل کر دینا چاہیئے تھا، صرف حوالہ کافی نہ تھا۔
میکش صاحب "وحدۃ الوجود" کے پُرجوش حامی بلکہ مبلغ ہیں، اس لئے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے "نظریہ شہود" کو درست نہیں سمجھتے، اور اس پر انھوں نے پورا ایک باب لکھا ہے، صفحہ ۱۷۵ پر "دبستانِ مذاہب تعلیم اول در عقیدۂ پارسیاں" کا اقتباس نقل کر کے اظہار رائے فرماتے ہیں:۔
"اس دریافت کو مجدد صاحب نے اپنا کشف فرمایا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے مگر اتفاق سے یہ کشف اپنے تصورات، الفاظ اور تمثیلات کے ساتھ خالص ایرانی ہے۔ ۔ ۔ "
مگر یہی اعتراض حضرت محی الدین ابن عربی پر بھی وارد ہوتا ہے، چنانچہ میکش صاحب نے اس کو بہ انداز تاویل

تسلیم بھی کیا ہے :۔

"خیال یہ ہے کہ جس طرح ابن عربی نے دوسرے رائج الوقت مذہبی اور فلسفیانہ نظریات کو قبول و تسلیم کرکے ان سے اپنے نظریہ وجود کے اثبات میں کام لیا ہے اسی طرح اعیان[1] کے نظریہ کو بھی قبول کرکے اپنے مقصد کے اثبات میں صرف کیا ہے، ان کا مخصوص نظریہ وحدۃ الوجود ہے، جسے وہ قرآن و حدیث سے بھی ثابت کرتے ہیں اور رائج الوقت فلسفیانہ نظریات سے بھی، ان کا مقصود ان نظریات پر نقد و تبصرہ یا اُن کی تائید و تردید نہیں ہوتی بلکہ جو نظریات و معتقدات کہ اُن کے زمانے میں دلوں پر قبضہ کئے ہوئے ہیں اُن سے اپنا کام لے لیتے ہیں۔ (صفحہ ۱۷۱)

ذریعہ اظہار کی حیثیت چاہے کچھ بھی ہو لیکن ان اقتباسات سے یہ بات ضرور ظاہر ہوتی ہے کہ فلسفہ ہو یا تصوف حکماء اور صوفیائے کے یہاں استدلال اور تمثیل و بیان میں غیر اسلامی (ایرانی، یونانی اور "ہندوانہ" ویدانتی) نظریوں سے بہت مشابہ ملتی ہے اور اسی مشابہت کے سبب فنِ تصوف کو مشکوک نگاہوں سے دیکھا گیا ہے، اور یہ نگاہیں ان لوگوں کی ہیں جو اسلام کو قطعاً خالص اور بے میل دیکھنا چاہتے ہیں اور جن کو یہ گوارا نہیں ہے کہ اس چشمۂ کوثر و سلسبیل میں گنگا جل کی ایک بوند بھی شامل ہو جائے۔

علم کلام اور فلسفہ کی بعض بنیادی اصطلاحوں کی طرح "وحدۃ الوجود" کی صحت و اصابت پر علمی انداز میں گفتگو کی جا سکتی ہے، اور جو اس نظریہ کے ماننے والے ہیں اُن کو تاویل، توجیہ اور تفہیم کا حق بھی پہنچتا ہے، مگر میکش اکبرآبادی کا یہ کہنا :۔ "اہلِ طریقت کے نزدیک جن میں اکثر بڑے بڑے عالم مجتہد اور محدث شامل ہیں، یہ مسلم ہے کہ یہ عقیدہ (وحدۃ الوجود یا وحدۃ الموجود) سندِ متصل سے پیغمبرِ اسلام سے اہلِ باطن کو پہنچا ہے۔۔۔" (صفحہ ۵)

بہت بڑی جسارت ہے، آخر وہ کونسی "سندِ متصل" ہے جو "وحدۃ الوجود" کے عقیدہ کی روایت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچاتی ہے، اُس کے اسناد اور رواۃ بتائے جائیں —— اگر وہ کوئی سینہ بہ سینہ باطنی "سندِ متصل" ہے اور احادیث کے مجموعے اُس سے خالی ہیں، تو پھر شریعت میں ایسی "سندِ متصل" ناقابلِ اعتبار ہے —— اب رہا لبید کا یہ مصرعہ :۔

"الا کل شیٔ ما خلا اللہ باطل"

جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا تھا، اس کو "وحدۃ الوجود" کے نظریہ کی اساس قرار دینا، ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ قرآنِ پاک میں "علمِ عروض" کا ذکر ملتا ہے، اور اس کے ثبوت میں۔۔۔ ۔۔۔ "حتیٰ مطلع الفجر" کو پیش کردے کہ اس میں غزل اور قصیدے کے مطلع کی طرف اشارہ ہے۔

---

[1] "اعیان" افلاطون کا مشہور نظریہ ہے (م۔ق)

" تصوف کی مخالفت کے وجوہ مختلف ہیں، تصوف اس مخصوص تعلیم باطن کا نام ہے جو حضور پیغمبرؐ اسلام سے چند مخصوص صحابہؓ کو پہونچی اور اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ صحابہؓ اپنے علم و عمل کے اعتبار سے ایک سطح پر نہیں تھے، جن صحابہؓ کو علم باطن پہونچا اُن میں ممتاز ترین شخصیت حضرت علی کرم اللہ وجہ کی ہے، آپ کی ذاتِ اقدس بالاتفاق صوفیوں کی امام اوّل ہے اس لئے تاریخی اعتبار سے تصوف کے منکر وہی ہیں جو حضرت کے مخالف ہیں، چنانچہ سب سے پہلے تصوّف کے منکر خارجی اور وہ مختلف فرقے ہیں جو خارجی فرقے سے نکلے ہیں۔۔۔"

(نقوش ۲۰۲، ۲۰۳)

حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہ کے فضائل سُن کر جس دل میں بھچاوٹ پیدا ہوتی ہے، اُس دل کو نفاق کا روگ لگ چکا ہے، علیؓ کی ذاتِ گرامی پر خود اخلاق اور تقویٰ کو ناز ہے —— مگر " نقدِ اقبال " کے مصنف نے " ممتاز ترین " کا ذکر اس انداز میں کیا ہے کہ " افضلیت " کی بحث کا دروازہ آپ ہی آپ کُھل جاتا ہے، صحابہ کرام کے مابین " افضلیت " کی بحث ہمارے نزدیک نہ ایمان کا جُز ہے اور نہ اس پر اسلام کے کسی بُنیادی عقیدہ کا مدار ہے —— ہم اس سلسلہ میں کسی تبصرہ اور محاکمہ کے بغیر صرف دو اقتباس پیش کرتے ہیں۔

صوفیوں کے بہت بڑے پیشوا حضرت شیخ علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور تصنیف " کشف المحجوب " کے " باب فی ذکر ائمتہم من الصحابہ " میں حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے :—

" شیخ الاسلام **بعد** از انبیاء **خیر الانام**، خلیفہ و امام و سید اہل تجرید، شاہنشاہِ اربابِ تفرید، واز آفاتِ انسانی بعید، امیر المومنین ابوبکر عبد اللہ الصدیق کہ ویرا کرامات مشہور است و آیات و دلائل ظاہر "

حضرت شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ اتنے بڑے صوفی شاعر گزرے ہیں کہ مولانا رومؒ نے ان سے عقیدت کا اظہار کیا ہے —— حضرت عطارؒ اپنی مثنوی میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مناقب اس طرح بیان کرتے ہیں :—

خواجۂ اول کہ اول یار اوست ثانی اثنین اذ ہما فی الغار اوست

صدر دیں صدیقِ اعظم قطبِ حق در ہمہ چیز از ہمہ بردہ سبق

ہر چہ حق از بارگاہِ کبریا ریخت در صدرِ شریف مصطفےٰ

آں ہمہ در سینۂ صدیق ریخت لاجرم تا بود از و تحقیق ریخت

جناب میکش اکبرآبادی کی تحریر کا جو اقتباس اوپر پیش کیا گیا ہے اُس میں موصوف کے قلم سے حمایتِ تصوف کے جوش میں بہت سی باتیں نکل گئی ہیں، جن سے صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا —— میکش صاحب کا یہ کہنا " تصوف اُس مخصوص تعلیم باطن کا نام ہے جو حضور پیغمبر اسلام سے چند مخصوص صحابہ کو پہونچی " کم سے کم تاریخ، حدیث اور سیرت و آثار کے اعتبار سے درست نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور اور صحابہ کرام کے عہد میں " اہلِ ظاہر " اور

"اہلِ باطن" کی تفریق نہیں ملتی، جس "مخصوص تعلیمِ باطن" کو جناب میکش "تصوف" سے تعبیر کرتے ہیں اُس کے لئے اُن کے پاس آخر کیا سند ہے؟ حدیث تو کجا، کیا وہ کوئی ایسا "اثر" بھی پیش کر سکتے ہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ اس نام کے صحابی کو حضورؐ نے علمِ باطن[1] عطار فرمایا تھا!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کی تلاوت کے ساتھ کتاب وحکمت کی تعلیم اور تزکیہ نفس کیلئے مبعوث کیا تھا تو مولانا امین احسن اصلاحی کے بقول علم کیمیا میں تو رازداری چل سکتی ہے مگر تزکیہ نفس کی عمومی اہمیت کے پیش نظر یہ بات شانِ نبوت سے بعید معلوم ہوتی ہے کہ نبیؐ کچھ لوگوں پر چپکے سے "اسرارِ باطن" منکشف کر دے اور کچھ کو "اہلِ ظاہر" ہی رہنے دے۔

لائق مصنف نے "خارجیت" اور "انکارِ تصوف" کا جو جوڑ ملایا ہے، وہ ایک مضحکہ سے کم نہیں! خوارج نے تو مسئلہ تحکیم سے انکار کیا تھا اور وہ کہتے تھے[2] خدا کے سوا اور کسی کو فیصلہ کرنے کا حق نہیں ہے، تصوف کے کسی عقیدہ کے اقرار یا انکار کا حضرت علیؓ کی سیرت اور خوارج کی تاریخ میں کہیں ذکر نہیں ملتا۔ اس لئے کہ تصوف کا فن، اس کی اصطلاحیں اور مباحث اُس وقت تک وجود ہی میں نہ آئے تھے!

حضرت علی کرم اللہ وجہ سے جو صوفیانہ اقوال منسوب کئے جاتے ہیں، محدثین کے اصولِ روایت کے مطابق وہ پایہ صحت سے گرے ہوئے ہیں! یہاں تک کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی صحبت میں رہنا اور تربیت وتعلیم پانا مشتبہ ہے اور امام ترمذی رحمنے تو اس سے بھی انکار کیا ہے کہ حسن بصریؒ نے بلاواسطہ علیؓ مرتضیٰ سے کچھ سُنا بھی ہے!

حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہ کی سیرت کے سلسلہ میں یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہیئے کہ جس طرح آپ نے خوارج سے جنگ فرمائی تھی اسی طرح اُن لوگوں کو بھی عبرت انگیز سزائیں دی تھیں جو آپ کو انسان سے بالاتر ہستی سمجھتے تھے اور بعض جہلا، تو خدا کہنے لگے تھے ——— "یا علی مدد" کا نعرہ اُسی دور کی "باقیات السیئات" معلوم ہوتا ہے۔

جو تصوف کتاب وسنت کے مطابق ہے وہ ہمارے سر آنکھوں پر! مگر جہاں کتاب وسنت سے آویزش سی نظر آتی ہے اُس جگہ تصوف کو ہمارا دور سے سلام! اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم دیا ہے، کسی کے کشف، مشاہدہ اور ذوق ووجدان کی اطاعت کا حکم نہیں دیا۔

ان لغزشوں کے باوجود اس میں کوئی شک نہیں کہ "نقدِ اقبال" پڑھنے کے قابل ہے اور مصنف کی کاوش قابلِ داد

---

[1] صحابہ کرام میں صرف حذیفۃ الیمانی کا لقب "صاحب السر" تاریخوں میں ملتا ہے اور اُس کا یہ سبب بیان کیا جاتا ہے کہ حضورؐ نے ان کو منافقین کے حالات، نشانیاں یا نام بتا دیئے تھے (م-ق) [2] اور غلط کہتے تھے! (م-ق)

ہے، پوری کتاب معلومات آفریں ہے! اور زبان[1] منجھی ہوئی اور اندازِ بیان سلجھا ہوا ہے۔

آسان ریاضی

"آسان ریاضی حصّہ اوّل" حجم ۸۰ صفحات، قیمت چھ آنہ، "آسان ریاضی حصّہ دوم"، ضخامت ۱۲۸ صفحات، قیمت دس آنے، ملنے کا پتہ:- مکتبہ جماعتِ اسلامی (ہند) رام پور (یو۔ پی)

"آسان ریاضی"، کی یہ دونوں کتابیں جناب شوکت علی صاحب بی۔ اے، ایل، ٹی کی مُرتب کی ہوئی ہیں، جن میں بچّوں کی نفسیات اور فہم کے مطابق ریاضی کے قاعدے، مشقی سوالات اور اُن کا حل پیش کیا گیا ہے، ریاضی کے سوالات کے عمل کی صحت کو جانچنے کے لئے مشقی سوالات میں جو سہولت اور ترتیب ملحوظ رکھی گئی ہے، وہ بچّوں کے لئے مشعلِ راہ ہے۔

مُصنف چونکہ جماعتِ اسلامی (ہند) کی مرکزی درس گاہ سے تعلق رکھتے ہیں، اس لئے ریاضی میں بھی تصورِ دین کو شامل کرنے کی جدوجہد کو باقی رکھا ہے:-

جمع:- ظہر کی نماز میں، ۴ سُنتیں، ۴ فرض، پھر ۲ سُنتیں اور ۲ نفل رکعتیں پڑھی جاتی ہیں، بتاؤ کل کتنی رکعتیں ہوئیں؟

پہاڑے:- میں نے مغرب کی نماز میں ۳ رکعت فرض، ۲ رکعت سنت، اور ۲ رکعت نفل پڑھی بتاؤ کُل کتنے سجدے کئے؟

تفریق:- آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی حضرت خدیجہ رضؓ شادی کے وقت ۴۰ سال کی تھیں، اور آپؐ ۲۵ سال کے ——— بتاؤ حضرت خدیجہ رضؓ آپؐ سے کتنی بڑی تھیں؟

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۵۷۱ء میں پیدا ہوئے، بتاؤ آپ کو پیدا ہوئے اب کتنے سال ہوگئے؟

ایک طرف جماعتِ اسلامی کی دینی جدوجہد کا یہ عالم ہے اور دوسری طرف بعض عُلماء ہیں جنھوں نے اپنے علم و تقویٰ کے زعم میں جماعتِ اسلامی کی مخالفت کو اپنا شعار بنا لیا ہے، اور جو اسلام و اخلاق کی اس ہمہ گیر جدوجہد کو پروان چڑھتا دیکھ کر تکلیف محسوس کرتے ہیں کہ دین کی ٹھیکیداری اُن کے قبضہ سے نکلی جارہی ہے! افسوس!

برگِ گل

"برگِ گل" ——— ترتیب دینے والے:- ابنِ انشا اور افضل الرحمٰن ممتاز، ضخامت ۳۲۲ صفحات، ملنے کا پتہ:- اُردو کالج، انجمن ترقی اُردو، کراچی!

اُردو زبان تنگ نظر اور متعصب مہاسبھائیوں کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتی تھی، اس لئے تقسیم ہند کے بعد دلّی کے مسلمانوں پر تباہی آئی تو انجمن ترقی اُردو کا مرکز بھی اس غارت گری کی لپیٹ میں آگیا، اور حالات اس قدر نازک اور ناگفتہ بہ ہوگئے کہ انجمن کے کرتا دھرتا مولوی عبدالحق صاحب کو دلّی چھوڑنی پڑی اور دوسرے لوگوں

---

[1] دیباچہ میں صفحہ (د) پر "استفادہ حاصل کرنے کا موقعہ ملا" لکھا ہے، "حاصل" زائد ہے "استفادہ کرنا" کافی تھا ——— (صفحہ ۱۷۶) "... مجدد صاحب کے اشیاخ کا مسلک وحدۃ الوجود ہی تھا" ——— "اشیاخ" کھٹکتا ہے، اُردو میں ایسے موقعہ پر "شیوخ" بولتے ہیں ———

کی طرح وہ بھی پاکستان چلے آئے۔
پاکستان سے مسلمانوں کو اپنے مذہب، تمدن، زبان اور معاشرت کے احیاء و بقا اور نشر و ارتقاء کی بہت اُمیدیں تھیں، مگر یہ خواب بس سوتے ہی میں اپنی جھلک دکھا کر رہ گئے ان کی تعبیر نہ مل سکی! اُردو کے ساتھ پاکستان کی اسلامی حکومت نے جو سلوک کیا ہے وہ حقیقت میں علم و ادب کی شرمناک ٹریجڈی ہے ـــــــ مگر بابائے اُردو مولوی عبدالحق کی ہمت کو ہزار آفریں کہ انھوں نے اس قدر نامساعد حالات اور حوصلہ شکن ماحول میں بھی "ترقی اُردو" کے کام کو جاری رکھا، اُردو کالج مولوی صاحب کی کوششوں کی زندہ یادگار ہے اور حیرت ہے کہ آندھیوں کی گود میں یہ چراغ روشن ہے۔
"برگِ گل"، اسی اُردو کالج کا علمی گلدستہ ہے، جسے ابنِ انشا اور فضل الرحمٰن ممتاز نے بڑے سلیقہ کے ساتھ مرتب کیا ہے، اس مجلّہ کی مجلسِ ادارت میں میجر آفتاب حسن (پرنسپل)، ڈاکٹر غلام مصطفٰے خاں، شجاع احمد زیبا (ایم۔ اے) اور عبدالقیوم (ایم۔ اے، ریسرچ اسکالر) شامل ہیں ـــــــ مضامین، مقالے، نظمیں، غزلیں رباعیاں، قطعے، طنز و مزاح، افسانے اور خاکے سبھی کچھ اس شمارے میں ملتے ہیں، مضامین کا یہ تنوع اور موضوعات کی یہ رنگا رنگی اس کے ترتیب دینے والوں کی نفاستِ ذوق کا پتا دیتی ہے۔
انتخاب و ترتیب میں مضامین کا معیار شروع سے آخر تک یکساں نہیں رہ سکا، اُس میں اُتار چڑھاؤ پایا جاتا ہے ـــــــ مثلاً جہاں "اُردو تنقید کلیم الدین کی نظر میں" جیسا شستہ اور معیاری مضمون ملتا ہے وہاں "اکبر الہ آبادی" جیسے چلتے ہوئے مضمون کو بھی اس محفل میں بار مل گیا ہے ـــــــ افسانے عام طور پر دلچسپ اور شائستہ ہیں!
"فراق کی غزل گوئی" پر جو مقالہ ہے اُس میں "شریت" ـــــــ "لفظیات" اور "بے معنگی" جیسی ترکیبیں "قبولِ عام" کی محتاج ہیں ـــــــ (صفحہ ۹۷) "وہ اپنے تمام مظاہرات کے ساتھ ۔ ۔ " مظہر کی جمع ہے "مظاہر"، پھر اُس کی جمع الجمع بنانا ایک ناروا اجتہاد ہے ـــــــ (صفحہ ۱۵۲) "تمھیں تو چندی کی ہندی کرنی آتی ہے" اصل ضرب المثل "ہندی کی چندی" ہے! ـــــــ (صفحہ ۱۶۰) "مگر میں تمھیں اس غلطی کا ازالہ لاؤڈ اسپیکر کی صورت میں ادا کروں گا" ـــــــ "ازالہ" کے ساتھ "ادا کرنا" نہیں بولا جاتا ـــــــ (صفحہ ۱۹۴) اور نہ وہ دیگر افسران کی طرح شان و شوکت کی نمائش کر رہا تھا۔ ۔ " "دوسرں افسروں" لکھنا چاہیئے تھا۔ "دیگر افسران" افسانہ کی نہیں دفتر اور کچہری کی زبان ہے!
احمد ندیم قاسمی کے قطعات میں شعریت بس کچھ واجبی سی ہے ـــــــ اُن کے اس شعر میں:۔

عشق کرنے کے بھی آداب ہیں، کیسے چپ چاپ　　　رات بھر چاند نے ظلمت کا سفر کاٹا ہے

"کیسے چپ چاپ" اور "سفر کاٹا ہے"، ذوقِ سلیم پر کس قدر گراں گزرتے ہیں!

مرزا جعفر علی خاں اثر لکھنوی خوش گو شاعر ہیں مگر شیلے کی نظم (ODE TO THE SKY LARK) کا جو آزاد ترجمہ انھوں نے کیا ہے اُسے پڑھ کر وجدان نے اذیت محسوس کی، کیا اس قسم کے نرے موزوں جملوں کو:-

سیلاب وجد اُمڈے یوں جس سے جوش کھاتا — جس کی ربوبیت ہو کیف آفریں سراپا

تو روح ہو کہ طائر آ ہم کو بھی سکھا دے — سرمایہ دار عشرت نوشیں خیال اپنے

مانا کہ ہم کو نفرت سے بھی منافرت ہو — ہر جذبۂ دنی سے یکسر مغائرت ہو

"شعر" کہہ سکتے ہیں! اس نظم میں اُن کا ایک مصرعہ ہے ؎ وہ گل کہ سیج جس کی خود اُس کی پتیاں ہیں! کاش! پوری نظم میں یہی آہنگ قایم رہتا!

"تصور" ایک جاندار اور شگفتہ نظم ہے، اُس کے اس مصرعہ میں:-

؎ عمر محوِ خرام رہتی تھی

"عمر" کھٹکتا ہے! یہاں "زیست" کا محل تھا۔

"تنہائی" آزاد یعنی "بے سر و پا نظم" ہے —— جس میں:-

؎ ذہن نا پختہ لئے سوچ کی بھڑکی ہوئی شمع

جیسے مضحکہ انگیز مصرعے بھی ملتے ہیں —— اگر اس کا نام "ترقی" ہے تو نہ جانے "پستی" کسے کہتے ہیں؟؟

"غمِ رائیگاں" کے پڑھنے سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کی طبیعت میں انفرادیت پائی جاتی ہے اور وہ نئی راہ نکالنے کے لئے مضطرب ہے مگر اس کوشش نے "آمد" پر "آورد" کو غالب کر دیا ہے، نظم کا آخری بند خوب ہے!

؎ آج تو جی کی لگی لینے لگی صدیوں کا بیر

"بیر" تو "دشمنی" کو کہتے ہیں اور "دشمنی اور بیر" کے ساتھ "لینا" نہیں "نکالنا" بولتے ہیں، شاعر کہنا یہ چاہتا ہے کہ آج تو جی کی لگی نے صدیوں کی دُشمنی نکالی یا صدیوں کی دشمنی کا انتقام لیا —— مگر زبان کی غلطی نے مفہوم کو مجروح کر دیا۔

؎ اور یوں ہر شام کی ہوتی ہے مشکل سے سویر

اُردو میں "سویرے" کو "سویر" نہیں بولتے، دیر اور جلدی کے معنٰی میں "اویر سویر" ضرور بولا جاتا ہے۔ اس نظم میں "پیامِ سوزناک" بھی غریب ترکیب ہے۔

"برگِ گل" ٹائپ پر چھپا ہے کاغذ چکنا لگایا گیا ہے اور دسیوں تصویروں سے یہ رسالہ مزین ہے! ٹائپ میں املا کی غلطیاں رہ گئی ہیں۔

(صفحہ ۵) " سراخ " (سراغ) (صفحہ ۱۲) "سوزش" (سازش) صفحہ (۲۴) " حلال لکھنوی " (جلال لکھنوی) (صفحہ ۲۶)
" ذوق " (ذاق) (صفحہ ۸۵) " گھتیاں " (گتھیاں) (صفحہ ۱۵۰) " گبھراکر " (گھبراکر) صفحہ (۱۵۲) " چینی بست " (چیز بست)
(صفحہ ۱۸۳) " شخس " (شخص) صفحہ (۲۱۲) " صحر " (سحر)

طلباء میں شعروادب اور علم وفن کا صحیح ذوق پیدا کرنے کی کوشش کے ساتھ ساتھ اس کی بھی زیادہ سے زیادہ ضرورت ہے کہ اُن میں اخلاق دپاکیزگی کے احساسات بیدار کئے جائیں، " برگ گل " میں اس کوشش کے لئے افسوس ہے کہ خاطر خواہ گنجائش نہیں رکھی گئی —— بلکہ اس کے برخلاف

" اللہ کرے عشقِ بتاں اور زیادہ "

جس طنزیہ مضمون کا عنوان ہے، اُس میں " چٹخارے " غالب ہیں، اور جوان وگرم جذبات کے ساتھ شعروادب کی یہ رنگینی اور گرماگرمی " شتابہ " کا کام کرتی ہے۔

" برگِ گل " کی مجلس ادارت کے ارکان اور اُس کے ترتیب دینے والے مُسلمان ہیں اور مسلمان ادیبوں اور شاعروں کے قلم اور زبان سے ہم " خدمتِ دین " کی توقع رکھتے ہیں، یہ کسی " ملا " کا وعظ نہیں ہے بلکہ نفسیاتی حقیقت ہے کہ جس شخص کو جس چیز سے لگاؤ ہوگا اُس کا اظہار وہ ہر عنوان سے کرے گا، قیامت کے دن یہ سوال نہیں ہوگا کہ تم نے امراؤ جان ادا کے ناولوں پر تنقید کی تھی یا نہیں کی تھی —— مگر ہاں! یہ ضرور پوچھا جائے گا کہ تم کو ہم نے جو صلاحیتیں اور توانائیاں عطاء فرمائی تھیں اُن سے تم نے اقامتِ دین کی سعی میں کس قدر کام لیا؟

ہم چاہتے ہیں کہ " اُردو کالج " کی طرف سے جو ادبی مجموعے آئندہ شائع ہوں، اُن میں اسلام اور اخلاق کا رنگ غالب رہے، ورنہ جہاں تک صرف شعروادب اور تنقید و افسانہ کا تعلق ہے تو یہ کام روس، امریکہ اور انگلستان میں ہمارے یہاں سے زیادہ بہتر ہو رہا ہے، ہمارے افسانہ نگاروں، شاعروں اور ادیبوں کو مسلمان ہونے کی حیثیت سے اسلام اور ایمان کے " امتیاز " کو اُجاگر کرنا چاہیئے!

پندرہ روزہ "الشرق"

پندرہ روزہ " الشرق " مدیر:— احمد عبداللہ مسدوسی، قیمت فی پرچہ چھ آنہ، (" الہلال " کے سائز پر) حجم ۴۴ صفحے، تصویروں کے ساتھ ملنے کا پتہ:—

مکتبہ خدام ملت فریر روڈ، کراچی!

جناب احمد عبداللہ مسدوسی حیدرآباد دکن کے مشہور اہلِ قلم اور قومی ورکر ہیں، انھوں نے قائدِ ملت نواب بہادر یار جنگ نور اللہ مرقدہٗ کے دوش بدوش ملکی اور ملّی خدمات انجام دی ہیں، وہ تقریر اور تحریر دونوں معرکوں کے شہسوار ہیں، دکن میں اُن کی خاصی شہرت تھی مگر یہاں عالم غُربت میں آکر گمنام سے ہو گئے ہیں!

پندرہ روزہ " الشرق " جناب مسدوسی کی ادارت میں بڑے اہتمام سے نکلا ہے اور اب تک عام نمبروں

کے علاوہ، کئی خاص نمبر بھی شائع ہو چکے ہیں، خاص طور سے "میلاد النبیؐ" نمبر لائق ایڈیٹر کے ذوق، سلیقہ اور محنت وکاوش کی زندہ اور محسوس شہادت ہے۔

مسدوسی صاحب فکر وخیال کے اعتبار سے "اقبالی" ہیں، علامہ اقبال کے افکار کا اُن کی طبیعت نے بڑا گہرا اور پائیدار اثر قبول کیا ہے، اس لئے اُن کی مذہبیت میں تنویر فکر اور وسعتِ خیال پائی جاتی ہے!

"المشرق" کا معیار عام ہفتہ وار پرچوں سے بلند نہیں بلند تر ہے، دستور، معاشیات اور صنعت وتجارت پر بڑے کام کے مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں، خود فاضل مدیر کے قلم سے جو اداریے ہیں، اُن میں زندگی اور فکر و بصیرت کا امتزاج پایا جاتا ہے

"المشرق" کی موجودہ پالیسی پر مسدوسی صاحب کو قناعت نہیں کرنی چاہئے۔ اس پرچہ کو "اقامتِ دین" کی جدوجہد کا آرگن بنانا ضروری ہے، تشبیہوں اور استعاروں میں دین واخلاق کو پیش کرنے کا زمانہ گزر چکا۔ پاکستان میں اسلام اور جاہلیت کا ٹکراؤ ہو رہا ہے، اور اس تصادم کے دو ہی کیمپ ہیں، اسلام پسند طبقہ کا اور اہلِ جاہلیت کا، درمیانی کیمپ کوئی نہیں ہے!

اس زمانہ میں جب کہ عوام کا ذوق فلم زدہ ہو کر رہ گیا ہے، "المشرق" جیسا سنجیدہ اور باوقار پرچہ اگر پابندی کے ساتھ نکلتا رہا تو یہ ایک ادبی معجزہ[1] ہوگا!

[1] افسوس ہے کہ کئی ماہ سے اُس کی اشاعت بند ہے۔

فاران

کراچی

پاکستان

ماہر القادری

66

جلد ۵ ——— نمبر ۷

ماہنامہ

فاران

اکتوبر ۱۹۵۳ء

ایڈیٹر

ماہر القادری

چندہ سالانہ

۶ روپیہ (پاکستانی) فی پرچہ ۸ر

۸ روپیہ (ہندستانی) فی پرچہ ۱۱ر

مقام اشاعت

دفتر فاران

کیمبل اسٹریٹ

کراچی نمبر ۱

نظم و ترتیب

حصۂ نظم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ اوّل

عرب کا دورِ جاہلیت قبائلی عصبیت، گروہی اختلافات، آپس کی معرکہ آرائی اور خانہ جنگیوں کے لئے مشہور ہے، وہ لوگ ذرا ذرا سی بات پر کٹ مرتے اور انتقام در انتقام کا سلسلہ صدیوں تک جاری رہتا، اختلاف و تفریق کی انتہا ہے کہ قبیلوں کے بُت تک جُدا جُدا تھے، گھریلو جھگڑوں اور خاندانی نزاع نے اُن کے جذبۂ پرستش تک کو ٹکڑیوں اور ٹولیوں میں بانٹ دیا تھا، آپس کی پھوٹ نے عربوں کو کسی ایک نصب العین اور ایک مقصد پر متحد ہی نہیں ہونے دیا اس لئے وہ اُس بکھری ہوئی جھاڑو کی طرح تھے جس کا ہر تنکا اپنا علیحدہ وجود رکھتا ہے اور ہوا کا ہلکا سا جھونکا جسے جہاں چاہے اُڑا کر پھینک سکتا ہے!

یہ اسلام تھا جس نے عربوں کے منتشر شیرازہ کو یکجا کیا، اُن بکھرے ہوئے دانوں کو ایک رشتہ میں پرو دیا، اور متفرق اجزا کو جوڑ کر بُنیان مرصوص بنا دیا، وہ جو اپنی خواہشوں کے غلام بنے ہوئے تھے اور ذاتی مفادات اور شخصی اغراض کے لئے ایک دوسرے کی گردن مارنے سے بھی گریز نہ کرتے تھے، اسلام کی بدولت ایک دوسرے کے قوتِ بازو، دکھ درد کے شریک اور غم خوار بن گئے، نسلی فخر و امتیاز اور قبائلی عصبیتیں اس طرح مٹیں کہ غلاموں کی امارت میں ہاشمیوں اور امویوں نے معمولی سپاہی کی حیثیت سے جنگیں لڑی ہیں، اسلام نے خدا کے اُن نیک بندوں کو ایک مقصد، ایک نصب العین اور ایک تصورِ حیات پر متحد، متفق اور مجتمع کر دیا تھا، اُن سب کے دلوں میں ایک ہی لگن تھی، وہ سب ایک ہی نشہ سے سرشار تھے اور اُن کی تمام انفرادی اور اجتماعی کوششیں ایک ہی محور کے اردگرد گھومتی تھیں! مقصد کے اس اتحاد نے اُن کو اس قدر قوی بنا دیا تھا کہ وہ اپنے زمانہ کی سب سے زیادہ غالب قوت تھے، دُنیا کی عزتیں اور اقبال مندیاں اُن کی رکابیں تھام کر چلتی تھیں اور فتح و نصرت اُن کے

وہ یقیناً بہت بڑے تیغ زن کشور کشا اور عظیم الشان فاتح تھے مگر کیسے فاتح؟ ایسے فاتح کہ جن کی ذات امن و سلامتی کی علمبردار تھی اور جو بیخ بُخِ رحمت کے فرشتے تھے! اُن کے بے لاگ عدل و انصاف کو دیکھ کر مفتوح قومیں پکار اٹھتی تھیں کہ "زمین و آسمان اسی انصاف کے سہارے قائم ہیں" ——— ان خدا ترس فاتحین اور انسانیت دوست حکمرانوں کو جب کسی مفتوحہ علاقہ کو چھوڑنا پڑا ہے تو وہاں کی رعایا آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرتی تھی کہ "خدا تمھیں جلد واپس لائے ———"

پاکستان بھی اسی اسلام کے نام پر بنا تھا جس نے عرب کے بادیہ نشینوں اور اونٹ چرانے والوں کو دنیا کی سب سے بڑی قوت بنا دیا تھا، مگر خون کے آنسو رونے کو جی چاہتا ہے کہ جن لوگوں کے ہاتھوں میں اتفاق سے پاکستان کی زمامِ کار اور عنانِ اقتدار آئی انھوں نے اختیار و اقتدار کے ایوان میں بیچارے اسلام کو پاؤں دھرنے کی بھی اجازت نہیں دی! یہاں مینا بازار لگتے رہے، بلبل چودھری کے مظاہرۂ رقص و سرود کی داد دی جاتی رہی، شاہی دربار سجتے رہے، فوجوں کی سلامیاں لی جاتی رہیں، کرکٹ میچ ہوتے رہے، سماع و مزامیر کی محفلیں جمتی رہیں، ڈنر، لنچ، پارٹیاں، خیر مقدم، سیر و سیاحت، غرض کونسی چیز ہے جو نہیں ہوئی، بس ایک اسلام ہے جس کے لئے کچھ بھی نہیں کیا گیا اور اس منزل کی جانب "قرار داد مقاصد" کے عنوان سے جو قدم اٹھا بھی ہے تو اسے لوٹانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

اسلام سے اس بیگانگی، تغافل اور بے پروائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ صوبہ واری عصبیتیں اور طبقاتی اختلافات ایک ایک کر کے ابھر آئے اور ابھر رہے ہیں، بنگال اور پنجاب کی ہوسِ اقتدار کی رسہ کشی کو دیکھ کر سندھ کو بھی صوبائی عصبیت کے اظہار کی جرأت ہوئی ہے، خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ بدلا کرتا ہے، اگر ذہنیتوں کا یہی انداز رہا تو بلوچستان اور سرحد بھی اس وبا سے کب محفوظ رہ سکیں گے؟

حکومت مغلیہ کس قدر مضبوط اور مستحکم اور عریض و وسیع سلطنت تھی، مگر غرض پرستوں کی سازشوں وزیروں درباریوں اور امیروں کے توڑ جوڑ کی بدولت اُس کا جو حال ہوا وہ قوموں اور حکومتوں کے لئے درسِ عبرت ہے، ہوتا یہ تھا کہ جلد جلد حکمراں بدلتے تھے، نئے بادشاہ کے تخت پر بیٹھتے ہی سازشوں کے جال بچھنے شروع ہو جاتے تھے، مرکز میں طوائف الملوکی اور شخصی اقتدار کی یہ کشمکش دیکھ کر صوبوں کے حاکموں کا جذبۂ وفاداری کمزور ہوتا چلا گیا، اور صوبوں کے گورنر رفتہ رفتہ خود مختار حکمراں بن گئے، اور مغلیہ حکومت نہ صرف یہ کہ پارہ پارہ ہوئی بلکہ آخر کار صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹ گئی، گوشِ شنوا ہو تو قلعہ معلیٰ کے در و دیوار سے اس بربادی کے نوحے اور مرثیے آج بھی سُنے جا سکتے ہیں!

خاکم بدہن حکومتِ پاکستان میں بھی غرض مندی، نفع اندوزی، صوبہ پرستی اور ہوسِ اقتدار کا قریب قریب یہی رنگ پیدا ہوتا جا رہا ہے، مرکز اور صوبوں کی حکومتوں کے جو افسوسناک حالات ہمارے کانوں تک پہونچے ہیں اگر اُن کا دسواں بیسواں حصہ بھی درست اور واقعی ہے تو پھر یوں سمجھنا چاہیئے کہ پاکستان خطرات کے کوہِ آتش فشاں پر کھڑا ہے اور ایک ذرا سی چنگاری بھی شدید سے شدید ٹریجڈی کا سبب بن سکتی ہے۔

پاکستان کس لئے بنا ہے اور اُس کی تعمیر کن اصولوں اور بنیادوں پر ہونی چاہیئے؟ اس سے عام طور پر غفلت برتی جا رہی ہے، جس کے ہاتھ میں جتنا اقتدار ہے، وہ اُس میں نہ صرف یہ کہ اضافہ چاہتا ہے بلکہ اُسے دوامی بنانے کی فکر میں بھی ہے، سیاسی توڑ جوڑ کی یہ موج سکرٹیریوں کے بنگلوں اور کوٹھیوں سے لیکر اونچے اونچے ایوانوں تک سے جا کر ٹکرا رہی ہے، گتھیاں سلجھنے کے بجائے اور اُلجھ رہی ہیں! غضب خدا کا اب بنگال کی کثرتِ آبادی" اور "پنجاب کی فوجی طاقت" (MAN — POWER) کے توازن تک کا ذکر زبانوں پر آنے لگا ہے! یہ کتنے خوفناک آثار ہیں، اللہ تعالیٰ پاکستان کو اپنے حفظ و امان میں رکھے!

ایک طرف اقتدار کی رسہ کشی اور طاقت و اختیار کی دوڑ ہو رہی ہے، دوسری طرف ملک میں بھوک، بیروزگاری

اور افلاس بڑھ رہا ہے، لاکھوں آدمی ابھی تک بے گھرے ہیں، چیزوں کی قیمتوں میں اضافہ ہو رہا ہے اور عوام کی آمدنی یا تو اپنی جگہ پر ٹھہری ہوئی ہے یا گھٹتی جارہی ہے، آج کل کی متمدن، مہذب اور ترقی یافتہ دُنیا میں پاکستان ہی ایک ایسا خطہ ہے جہاں "کاغذ" حاصل کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے، سرکاری محکموں میں رشوتوں کی وہ گرم بازاری ہے کہ خدا کی پناہ! پاکستان کو لوگوں نے خوان یغما سمجھ رکھا ہے ایک لوٹ مچی ہوئی ہے جس کے جو کچھ ہاتھ لگتا ہے لے بھاگتا ہے، جرائم کی کثرت، عورتوں کے فتنۂ بے حجابی کی ترقی، برائیوں کو فروغ! اگر معاشرے پر چند سال ایسے ہی اور گزر گئے اور ان لغویتوں کو چیک نہ کیا گیا تو پاکستان کے شہر اخلاقی اعتبار سے پیرس اور لندن کو بھی کوسوں پیچھے چھوڑ دیں گے۔

کاغذ پر ہندستانی سکہ کے مقابلہ میں ہمارے سکہ کی قیمت بڑھی ہوئی ہے مگر کاروبار کی دُنیا میں معاملہ اس کے برعکس ہے، دور کیوں جائیے خود پاکستان کے دارالخلافہ (کراچی) میں جو مبادلۂ زر ہوتا ہے تو سنا گیا ہے کہ پاکستان کے ایک سو پچیس روپے دے کر ہندستان کے سو روپیہ ملتے ہیں —— کاریگر اپنی جگہ رو رہے ہیں اور اہلِ تجارت الگ پریشان ہیں! مصائب اور پریشانیوں کا سلسلہ یہیں ختم نہیں ہو جاتا، غیر ممالک میں پاکستان کی ساکھ گرتی چلی جارہی ہے، پاکستانیوں کو بیرونی ملکوں میں پہلے کی طرح عزت و وقار کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا جب سے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کو سزائے موت اور بعد میں چودہ سال کی سزا کا حکم ہوا ہے اور "عشقِ رسولؐ" کے جرم میں لوگ عقوبتوں میں مبتلا کئے گئے ہیں، اُس وقت سے پاکستان کے ساتھ اسلامی ممالک کے جذبہ ہمدردی میں پہلے کی طرح گرم جوشی نہیں رہی!

"کشمیر" کا مسئلہ جن مرحلوں میں بھی تھا بہرحال ایک خاص نہج پر چل رہا تھا مگر ہمارے نئے وزیر اعظم مسٹر محمد علی نے دہلی جاکر پنڈت نہرو سے جو گفت و شنید فرمائی اور اُس کے بعد کراچی آکر یہاں کے ارباب حل و عقد سے مشورت کے بعد جو بیان دیا اور بھارت گورنمنٹ کو یادداشت بھیجی اُس نے پاکستان کو اس چوراہہ پر لاکر کھڑا کر دیا ہے جہاں سے مرعوبیت، احساسِ کمتری، بے تدبیری اور پست ہمتی کے راستے پھٹتے ہیں!

ایک دو غم اور دو چار خراشیں ہوں تو کوئی صبر بھی کرے، مگر یہاں تو:-

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

کا عالم ہے —— تقریروں میں "جمہوریت" کے کیسے کیسے دعوے کئے جاتے ہیں مگر پاکستان میں پریس تک آزاد نہیں ہے اخباروں کے مالکوں اور ایڈیٹروں کو اوپر سے ہدایتیں ملتی رہتی ہیں، جماعتِ اسلامی صرف اس جرم میں معتوب ہے کہ وہ پاکستان میں اسلامی دستور کے نفاذ کے لئے سرگرمِ عمل ہے، اُس کراچی میں جہاں دوسری پارٹیوں کو جلسے کرنے کی اجازت دے دی جاتی ہے، جماعتِ اسلامی کو اس حق سے محروم کر دیا گیا ہے، جماعتِ اسلامی کے ساتھ حکومتِ پاکستان کا سلوک معاندانہ اور حریفانہ ہے!

"فاران" کے اوراق گواہ ہیں اور اُن کے پڑھنے والے بھی کہ ہم نے ہاتھ جوڑ جوڑ کر اربابِ اقتدار کی خدمت میں گزارشیں کی ہیں، پیرایہ بیان اور اندازِ کلام بدل بدل کر، استعاروں، اشاروں، اور کنایوں میں اظہار حال کیا ہے بلکہ اپنا دل کھول کر سامنے رکھ دیا ہے، حکومت پر ہم نے بارہا تنقید کی ہے لیکن اللہ کا فضل ہے کہ نہ تو ہم نے کسی مبالغہ آرائی اور رنگ آمیزی سے کام لیا اور نہ کسی کو بلاوجہ مطعون کیا، پھر ہم نے عوام کے جذبات سے کم اور اُن کے دماغ سے زیادہ اپیل کی ہے اس لئے کہ مقصد نہ تو گرمیٔ محفل تھا اور نہ ہنگامہ آرائی! ہم نے اُسی بات کا

اظہار کیا، جس کو ہم نے حق سمجھا اور یہ سمجھ کر اظہار کیا کہ ہمیں اپنے قلم سے نکلے ہوئے ایک ایک حرف کا اللہ تعالے کے یہاں جواب دینا ہے! مگر افسوس اور صد ہزار افسوس کہ اربابِ اقتدار سے جو حُسن ظن ہمیں تھا، وہ برابر مجروح ہوتا چلا گیا، ہم آخر کب تک دم دلاسے دے کر جھوٹی تسلیوں سے اپنے دل کو بہلاتے رہیں، خوش فہمی اور حُسن ظن کی آخر کوئی حد ہوتی ہے، ہم اُن کی ہر غلطی پر اصلاح اور تلافی مافات اور ہر لغزش پر سنبھلنے کی اُمید کرتے رہے لیکن تجربہ اور مشاہدہ سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں کی حالت اُس چوب خشک جیسی ہے، جو موڑے جانے کی صلاحیت ہی اپنے اندر نہیں رکھتی، ہمارے حکمراں طبقہ کی تربیت جس انداز پر ہوئی ہے، اور جو عادتیں اُن میں راسخ ہو چکی ہیں اُن کو وہ چھوڑتے ہوئے نظر نہیں آتے بلکہ چاہتے ہیں کہ

ع الٰہی! ساری دُنیا کو یہی آزار ہو جائے

اسلامی دستور کی راہ روک کر یہ حضرات اپنے اقتدار کی عمر بڑھانا چاہتے ہیں حالانکہ اُن کی اس قسم کی حرکتوں سے اُن کے اقتدار کی عمر گھٹتی چلی جا رہی ہے، اس لئے کہ عوام کی ناراضگی اور بیزاری کے مقابلہ میں کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی نہیں ٹھیر سکتی، تاریخ کا یہ فیصلہ ہے کہ عوام سے جب بھی اقتدار کا تصادم ہوا ہے تو سروں سے تاج گر گئے ہیں، جاہ و منصب کی کرسیاں اُلٹ گئی ہیں اور تخت اوندھے ہو گئے ہیں۔

اسلامی دستور سے اس طبقہ کو اس لئے کد ہے کہ اسلامی دستور کے چلانے والوں کی جو "qualifications" ہونی چاہئیں، وہ ان میں نہیں پائی جاتیں، اس لئے وہ سمجھ رہے ہیں کہ "اسلامی دستور" اُن کے اقتدار اور اختیار کے لئے خطرے کی نہیں موت کی گھنٹی ہے ——— مگر ان حضرات کی خواہشوں اور تمناؤں پر اسلام کے تقاضوں کو تو قربان نہیں کیا جا سکتا، مسلمان اقتدار پرست نہیں خدا پرست ہوتا ہے!

مسٹر محمد علی نے "عارضی دستور" کا فتنہ خواہ نخواہ کھڑا کر دیا ہے، افسوس کا مقام ہے کہ وہ طاقتیں، صلاحیتیں اور توانائیاں جو دستور کے نفاذ اور اُسے کامیاب بنانے میں صرف ہونی چاہئیے تھیں، وہ عارضی دستور کے لئے زمین ہموار کرنے اور اُسے روکنے میں صرف ہو رہی ہیں! ۲۲ دسمبر کو عارضی دستور پیش ہونے کی دھوم تھی مگر چند منٹ کی رسمی کارروائی کے بعد دستور ساز اسمبلی کا اجلاس پندرہ روز کے لئے ملتوی کر دیا گیا۔

پاکستانی عوام کی غالب اکثریت "عارضی دستور" کے خلاف احتجاج کر رہی ہے اور اُس کا یہ مطالبہ ہے کہ دستوری سفارشات کی رپورٹ کی اساس پر دستور بنانا چاہئیے اور جلد سے جلد بننا چاہئیے، مگر ہمارے حکمراں طبقہ نے پندرہ روز تو اسی طرح ضائع کر دیئے، عوام و خواص میں یہ اندیشہ "کشفِ رازِ دروں" بن کر گشت کر رہا ہے کہ حکومت کے پاس چند سفارتوں، نائب وزارتوں اور وزارتوں کی پیش کش موجود ہے" یہ اعلیٰ عہدے نئی وزارتِ عظمیٰ کو پُر کر دینے چاہیئے تھے مگر اُنہی موقعہ کے لئے انہیں روک کر رکھا گیا ہے، پندرہ روز کی اس مدت میں سودے بازی ہوگی، اسمبلی کے ممبروں کو توڑنے اور ہموار کرنے کی کوشش کی جائے گی ——— لوگوں کے یہ اندیشے بظاہر غلط نہیں معلوم ہوتے، اس لئے کہ ابھی چند دن قبل مسٹر اے، کے بروہی وزیر قانون کے انتخاب کے سلسلہ میں سندھ اسمبلی کے ارکان پر جو دیر سے دباؤ ڈالا گیا ہے وہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ صاحبان" اسلام کو تو یہاں کیا قائم کریں گے، ان کے ہاتھوں بیچاری "جمہوریت" کی بھی وہ مٹی پلید ہوگی کہ خلقت تماشا دیکھے گی!

اب دیکھنا یہ ہے کہ دستور ساز اسمبلی کے ارکان کس حد تک ثابت قدم رہتے ہیں، اُن میں سے جو کوئی عہدے کے لالچ یا کسی دباؤ میں آ کر حکمراں طبقہ کا ساتھ دے گا اُس کی اس بے وفائی کو قوم کبھی معاف نہیں کرے گی

اور اُس کا قومی مستقبل ہمیشہ کے لئے تاریک ہو جائے گا۔ ۷ / اکتوبر بھی دور نہیں ہے، اس عرصہ میں پاکستان کی سیاست جو رُخ بدلے گی، وہ سامنے آ ہی جائے گا، پاکستان کی تاریخ ایک ورق کا انتظار کر رہی ہے، نہ جانے یہ ورق سیاہ ہوگا یا سپید! اور خدا کرے یہ ورق سپید ہی ہو اور لالچ، دباؤ اور توڑ جوڑ کے مقابلہ میں لوگ سچائی کا ساتھ دیں۔

جو لوگ پاکستان میں اسلامی دستور سازی کی راہ روک رہے ہیں، انھوں نے کیا یہ بھی سوچا ہے کہ اُن کا یہ طرزِ عمل اسلام کی ہمہ گیری، جامعیت اور اُس کے دین کامل ہونے کے مجد و شرف پر ضرب لگا رہا ہے۔ اسلام پسند حلقوں سے یہ آواز اُٹھ رہی ہے کہ مغربی جمہوریت اور اشتراکیت کے علاوہ ایک "تصورِ حیات" اور بھی ہے جسے "اسلام" کہتے ہیں، اور یہ "تصورِ حیات" ہر اعتبار سے جامع، مکمل اور مفید تر ہے مگر ہمارے یہ "مغربی ملّا" اس دعوے کی اپنے قول اور فعل سے تردید کر رہے ہیں اور اپنی حرکت پر وہ شرمندہ اور نادم ہونے کے بجائے اُلٹا فخر کرتے ہیں، اسلام پر بڑے بڑے نازک اور سخت وقت آئے ہیں مگر ایسا وقت شاید کبھی نہیں آیا۔

سوچنے کا یہ عجیب و غریب انداز ہے کہ لادینی چل سکتی ہے اور "دین" نہیں چل سکتا، فسق و فجور پروان چڑھ سکتے ہیں اور پاکیزگی و تقویٰ کو فروغ حاصل نہیں ہو سکتا، کفر کے سہارے نظامِ حکومت چل سکتا ہے مگر "اسلام" کے نافذ ہوتے ہی آسمان ٹوٹ پڑے گا، زمین پھٹ جائے گی، اور حکومت کی داخلی اور خارجی تنظیم کا شیرازہ ہی بکھر جائے گا۔

جو لوگ اسلام کے بارے میں اس قسم کے تصورات رکھتے ہیں وہ اس قابل نہیں ہیں کہ ایک منٹ کے لئے بھی، اسلامی حکومت کے کسی عہدے پر برقرار رہ سکیں، اس ذہنیت کے افراد کو مسلمانوں کی قیادت اور امارت کا حق حاصل نہیں ہے —— کیا سوویٹ روس میں کسی سرمایہ دار کو کوئی عہدہ دیا جا سکتا ہے، کیا امریکہ اور فرانس کی جمہوریت میں کسی بادشاہ کو امارت سونپی جا سکتی ہے؟ اگر ایسا نہیں ہو سکتا تو پھر پاکستان کی اسلامی حکومت کی زمام کار کے وہ لوگ مستحق نہیں ہو سکتے، جن کی نہ تو زندگیاں اسلامی معیار کے مطابق ہیں اور نہ جن کے افکار و تصورات اسلامی ہیں۔

ہم صاف لفظوں میں اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ جو لوگ طاقت کے نشہ میں سرشار ہو کر عوام کے احتجاج کی پروا نہیں کر رہے ہیں، وہ حقیقت میں پاکستان کے مستقبل کے لئے طرح طرح کے خطرات کا بیج بو رہے ہیں، یہ پاکستان کے مقصدِ وجود کے ساتھ سب سے بڑی بے وفائی ہے —— ہم ڈنکے کی چوٹ کہتے ہیں کہ سنگینوں کے زور سے غیر اسلامی دستور ہم پر نافذ نہیں کیا جا سکتا، لادینی، کافرانہ اور غیر اسلامی منشور کا استقبال ہم اپنی ٹھوکروں سے کریں گے، اگر پولس اور فوج کی تمام بندوقوں اور توپوں کے دہانے بھی ہماری طرف کر دیئے جائیں تو بھی ہم انشاء اللہ یہی کہیں گے کہ اللہ اور رسولؐ کے احکام کے مقابلہ میں ہم کسی اور کے قانون اور حکم کی اطاعت نہیں کر سکتے!

وقت آگیا ہے کہ ایک لمحہ کے پس و پیش اور ذرا سے تامل کے بغیر وہ لوگ جو اللہ کے دین کو برپا کرنا چاہتے ہیں اور کتاب و سنت کو دستور و قانون کا بنیادی ماخذ سمجھتے ہیں، ایک مرکز پر جمع ہو جائیں،

یہ وقت سوچنے، ہچکچانے اور آرام کرنے کا نہیں ہے، اس وقت غیر جانبدار اور الگ تھلگ رہنے سے بھی حق کی قوت کمزور ہو جائے گی، باطل کا ساتھ نہ دے کر ہی کوئی مطمئن نہ ہو جائے، مطالبہ نصرتِ حق کا کیا جا رہا ہے!

ہم نے بارہا کہا ہے اور آج پھر کہتے ہیں کہ کمیونسٹ مار دھاڑ اور توڑ پھوڑ کے ذریعہ جس انداز کا انقلاب لایا کرتے ہیں اُس طرز پر سوچنا بھی پاکستان کی سالمیت کے حق میں دشمنی کرنا ہے، پاکستان میں انقلاب آئین کی راہ سے آئے گا، اسلام کسی سخت سے سخت مخالف کے مقابلہ میں بھی حدود اللہ توڑنے کی اجازت نہیں دیتا۔ قوم کا متفقہ آئینی احتجاج بڑی قوت رکھتا ہے!

پاکستان میں اسلام مکہ کے دورِ مظلومیت سے گزر رہا ہے، یہاں پتھر کھا کر بھی صبر و شکر سے کام لینا ہوگا یہاں گالیاں سُن کر بھی درگزر کرنی ہوگی، یہاں حق پرستوں پر شعب ابی طالب کی سختیاں بھی توڑی جائیں گی، یہاں راستہ میں کانٹے بھی بچھے ہوئے ملیں گے، یہاں طائف کے امیروں کے چھوکرے حق شناسوں اور خدا پرستوں پر پھبتیاں کسیں گے، تالیاں بجائیں گے اور ان کا مذاق بھی اڑائیں گے یہاں بلالؓ وصہیبؓ اور آلِ یاسر کی طرح ہر بڑی سے بڑی سختی کے مقابلہ میں عزم و استقامت کا ثبوت دینا ہوگا —— جب یہ سب کچھ ہو چکے گا اور یہ مرحلے گزر چکیں گے تو پھر مظلومیت، صبر و عزیمت اور شکستگی و پامالی کے افق سے فتح و نصرت کا آفتاب طلوع ہوگا، آج کی اشک بار آنکھیں اُس دن فرطِ مسرت سے چمک رہی ہوں گی اور جن کے ہاتھوں میں آج ہتھکڑیاں ہیں اُن کے ہاتھوں میں اُس دن فتح مندی کے پرچم ہوں گے

(انشاء اللہ العزیز)

ماہر القادری

۲۲ ستمبر سنہ ۵۳ء

پاکستانی عوام عارضی دستور نہیں چاہتے!

قوم کا متفقہ مطالبہ ہے کہ دستور مستقل ہونا چاہیئے

اور

"قرار داد مقاصد" کی بنیادوں پر کتاب و سنت کے مطابق ہونا

چاہیئے

خواجہ ناظم الدین کی پیش کی ہوئی دستوری سفارشات پر

علماء کی اہم ترمیمات ایک نظر میں:۔

اسلامی دستور کے خدوخال کی چند جھلکیاں

• ریاست کے رہنما اُصول

• نظام تعلیم میں ایسی اصلاحات کی جائیں جن سے مسلمان اپنی زندگی کو قرآن مجید اور سنت رسولؐ کے مطابق ڈھالنے کے قابل ہوسکیں۔

• ہر قسم کے مسکرات۔ جوئے۔ عصمت فروشی کا "تاریخ، نفاذ دستور سے زیادہ سے زیادہ تین سال کے اندر اندر قانون سازی کے ذریعہ انسداد کیا جائے۔

• موجودہ قانون کو پانچ سال کے اندر اندر کتاب وسنت کے مطابق کردینے کا مناسب انتظام کیا جائے۔

• مملکت کی کوشش ہونی چاہیئے کہ بلا امتیاز مذہب وملت پاکستان کے تمام شہریوں کے لئے کھانے۔ کپڑے۔ مکان۔ تعلیم اور طبی امداد جیسی بنیادی ضروریات زندگی کا انتظام کرے۔

• مملکت کی معاشی پالیسی اسلام کے اصول عدل عمرانی پر مبنی ہونی چاہیئے۔

• مزدوروں اور کسانوں کے حقوق اور معاوضوں کا ایسا منصفانہ معیار مقرر کیا جائے کہ وہ اپنی بنیادی ضروریات سے محروم نہ رہیں اور ان سے ناجائز فائدہ نہ اٹھایا جاسکے۔

• حکومت کے ادنیٰ اور اعلیٰ ملازمین کے معاوضوں کا تفاوت اعتدال پر لایا جائے۔

• تمام سرکاری ملازمتوں کی ٹریننگ میں خواہ فوجی ہوں یا سول مسلمانوں کی دینی اور اخلاقی تعلیم وتربیت کا انتظام کیا جائے۔

• قانون سازی۔ انتظامیہ۔ عدلیہ

• یہ کہہ دینا کافی نہیں کہ کوئی قانون سازی قرآن وسنت کے خلاف نہ ہوگی بلکہ ایجابی طور پر اس اصولی حقیقت کو بھی دستور میں ثبت ہونا چاہیئے کہ ریاست میں قرآن

اور سنت کے اصول واحکام وہدایات ہی قانون کا اصل سرچشمہ ہوں گے۔

- حدود دستور سے متجاوز دستور سازی کی روک تھام کے لئے بورڈ کے قیام کی تجویز ناقابل قبول ہے۔ اس معاملے کو بھی دستور کے دوسرے معاملات کی طرح سپریم کورٹ پر ہی چھوڑا جائے۔ البتہ عارضی انتظام کے طور پر سپریم کورٹ میں پانچ علما مقرر کئے جائیں۔ جو سپریم کورٹ کے کسی ایک متقی و واقفِ شریعت جج کے ساتھ مل کر فیصلہ دیں۔
- مالی مسودات بھی کتاب وسنت کے تابع ہوں نہ کہ ان سے آزاد۔
- مملکت کا نام "جمہوریہ اسلامیہ پاکستان" ہونا چاہیئے۔
- کوئی شخص جو مجالس قانون ساز کا رکن نہ ہو۔ وزیر اعظم یا وزیر نہ بنایا جانا چاہیئے۔
- انتخابی عدالتیں انتظامیہ کی مداخلت سے آزاد ہونی چاہئیں۔ اور ان کے تقرر کا اختیار مرکز میں سپریم کورٹ اور ولایات میں ہائی کورٹ کو ہونا چاہیئے۔
- سپریم کورٹ کو اختیار ہونا چاہیئے کہ وہ مسلح افواج سے متعلق عدالت یا ٹریبونل کے صادر کئے ہوئے کسی حکم کے خلاف اپیل کی اجازت دے۔
- ملازموں کے حقوق۔ اختیارات اور امتیازات میں تغیر و تبدل کرنے کے لئے کوئی مسودۂ قانون امیر مملکت اور حاکمان ولایات کی اجازت کا محتاج نہیں ہونا چاہیئے۔
- احتیاطی نظربندی کے اختیارات نہ صرف شریعت بلکہ عقل انسانی اور انصاف کے عالمگیر تصورات کے بھی خلاف ہیں۔ ان کو اگر دستور میں رکھا ہی جانا ہے تو خاص شرائط کے ساتھ ہی رکھا جاسکتا ہے۔
- قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔
- ہیبئیس کارپس کے حق کو کسی حالت میں بھی معطل نہیں ہونا چاہیئے خواہ حالات کیسے ہی ہنگامی کیوں نہ ہوں۔

سید ابوالحسن علی ندوی

مولانا جلال الدین رومیؒ

ادبیات اسلامیہ میں اُن کا تجدیدی مقام اور انقلابی پیغام

تاریخ اسلام میں جن شخصیتوں نے عالم اسلام پر بہت گہرا اور دیرپا اثر ڈالا ہے، اور افکار و خیالات، علم و ادب اور قلب و دماغ کو صدیوں متاثر رکھا ہے، ان میں مولانا جلال الدینؒ رومی کا خاص مقام ہے، ان کی زندہ جاوید "مثنوی" درحقیقت ساتویں صدی کے عقلی بحران کے خلاف قلب و روح کی ایک دلکش صدائے احتجاج ہے، وہ صرف تصوف کی کتاب نہیں ہے (جیساکہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے) بلکہ علم کلام کی ایک مجتہدانہ تصنیف ہے، بلکہ نئے علم کلام اور نئے طرز استدلال کی بنیاد ہے جو متکلمین کے علم کلام کے مقابلہ میں کہیں زیادہ دلنشیں اور یقین آفریں ہے، اور اس سے اسلامی فکر وادب میں نئے رجحانات پیدا ہوتے ہیں، پیش نظر مقالہ دراصل زیر تالیف کتاب "تاریخ دعوت و عزیمت" کا ایک حصہ ہے جس میں مولانا کے اسی اصلاحی کارنامہ اور ادبی شاہکار کے بعض گوشے پیش کئے گئے ہیں،

(ابوالحسن علی)

دعوتِ عشق ساتویں صدی میں علم کلام اور عقلیت کی جو سرد ہوا عالم اسلام میں مشرق سے مغرب تک چلی تھی اس سے دل کی انگیٹھیاں سرد ہو گئی تھیں، اگر کہیں عشق کی چنگاریاں تھیں تو راکھ کے ڈھیر کے نیچے دبی ہوئی تھیں، ورنہ ایک سرے سے دوسرے سرے تک افسردہ دلی بلکہ مُردہ دلی چھائی ہوئی تھی اور کہنے والا دیر سے کہہ رہا تھا کہ

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں، خاک کا ڈھیر ہے

اس سرد اور خواب آور فضا میں مولانا نے "عشق" کی صدا بلند کی اور اس زور سے بلند کی کہ ایک بار عالم اسلام کے جسم میں بجلی سی کوند گئی،

مولانا نے کُھل کر عشق کی دعوت دی اور محبت کی کرامت اور عشق کی کرشمہ سازیاں بیان کیں،

از محبت تلخہا شیریں شود — وز محبت مسہا زریں شود
از محبت دُردہا صافی شود — وز محبت دردہا شافی شود
از محبت سجن گلشن می شود — بے محبت روضہ گلخن می شود
از محبت سنگ روغن می شود — بے محبت موم آہن می شود

از محبت سقم صحت می شود　　　　وز محبت قہر رحمت می شود
از محبت مردہ زندہ می شود　　　　وز محبت شاہ بندہ می شود[1]

وہ عشق کی طاقت و رفعت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں

جسم خاک از عشق بر افلاک شد　　　　کوہ در رقص آمد و چالاک شد
عشق جانِ طور آمد عاشقا　　　　طور مست و خرّ موسیٰ صعقا[2]

وہ فرماتے ہیں کہ عشق نہایت غیور و خوددار ہے وہ ہفت اقلیم کی سلطنت کو خاطر میں نہیں لاتا، جس نے ایک بار اس کا مزہ چکھ لیا اُس نے پھر کسی طرف نظر اُٹھا کر نہ دیکھا،

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی[3]

وہ دو عالم سے بیگانہ اور دنیا کا سب سے بڑا مست و دیوانہ ہے،

با دو عالم عشق را بیگانگی　　　　اندرو ہفتاد و دو دیوانگی[4]

وہ شاہوں کا شاہ اور مطلوبوں کا مطلوب ہے، بادشاہوں کے تخت و تاج اُس کے قدموں کے نیچے ہیں،

سخت پنہان است و پیدا حیرتش　　　　جان سلطانانِ جاں در حسرتش
غیر ہفتاد و دو ملت کیش اُو　　　　تخت شاہاں تختہ بندے پیش او[5]

اس فقر جسور اور عشق غیور کا جب وہ تذکرہ کرنے لگتے ہیں تو خود اُن پر جوش و سرمستی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور وہ بیخود ہو کر کہنے لگتے ہیں،

ملک دنیا تن پرستاں را حلال　　　　ما غلامِ ملکِ عشقِ بے زوال[6]

وہ کہتے ہیں کہ عشق کی ہی وہ بیماری ہے جس سے بیمار کبھی شفا نہیں چاہتا بلکہ اس میں اضافہ و ترقی ہی کی دُعا کرتا ہے،

جملہ رنجوراں شفا جویند و ایں　　　　رنج افزوں جوید و در دو حنیں
خوب تر زیں سم ندیدم شربتے　　　　زیں مرض خوشتر نباشد صحتے[7]

لیکن وہ ایسی بیماری ہے کہ پھر کوئی بیماری نہیں ہوتی،

آں کلامت می رہاند از کلام　　　　واں سقامت می جہاند از سقام[8]

بیماری بھی ایسی بیماری ہے کہ ہزار صحتیں اس پر قربان، اس کی کلفت ایسی کلفت ہے کہ ہزاروں راحتیں اس پر سے نثار،

بس مقامِ عشق جانِ صحت است　　　　رنجہایش حسرتِ ہر راحت است[9]

یہ عشق پاکباز اگر گناہ ہے تو ایسا گناہ ہے کہ طاعتیں اس کے سامنے ہیچ ہیں اس سے ایک گھڑی میں جو ترقی حاصل ہوتی ہے وہ سالہا سال کی ریاضت سے میسر نہیں،

زیں گنہ بہتر نباشد طاعتے　　　　سالہا نسبت بدیں دم ساعتے[10]

راہِ عشق میں جو خون بہے وہ کسی پانی سے کم پاک نہیں، شہید عشق کو ہمارے غسل و وضو کی ضرورت نہیں،

---

[1] صد ۱۳۴ مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ [2] صد ۵ [3] اقبال [4] صد ۲۲۷ [5] صد ۲۴۷ [6] صد ۵۹۱ [7] صد ۵۹۵ [8] صد ۵۹۵ [9] صد ۵۹۵ [10] صد ۵۹۵

خوں شہیداں را ز آب اولی تراست | ایں خطا از صد صواب اولی تراست[1]

عاشق و جگر سوختہ و دل باختہ ہیں کہ ان پر عام انسانوں کے قوانین جاری نہیں کئے جا سکتے، جو گاؤں سرتاسر ویران ہوگیا ہو اُس پر خراج کیسا؟

عاشقاں را ہر نفس سوزیدنیست | بر دہِ ویراں خراج و عشر نیست[2]

عشق آدم کی میراث، اور زیرکی و چالاکی شیطان کا سرمایہ ہے،

داند آں کو نیک بخت و محرم است | زیرکی ز ابلیس و عشق از آدم است[3]

زیرکی و چالاکی میں اپنے دست و بازو (عقل و خرد) پر اعتماد ہوتا ہے، عشق میں کسی کے دامن سے وابستگی ہوتی ہے اور سپردگی، زیرکی و چالاکی، شناوری (پیراکی) کا فن ہے "عشق" کشتی نوح، زیرک و چالاک کو اس طوفان میں بچتے اور ساحل تک پہونچتے، اور صاحب عشق کو غرق ہوتے کم دیکھا گیا ہے،

زیرکی سباحی آمد در بحار | کم رہد، غرق است او پایان کار
عشق چوں کشتی بود بہر خواص | کم بود آفت، بود اغلب خلاص[4]

عقل کی ہوشمندی، عشق کی حیرانی پر قربان کردینے کے قابل ہے، وہ ہوشمندی محض ظن و قیاس ہے، اور یہ حیرانی مشاہدہ و عرفان

زیرکی بفروش و حیرانی بخر | زیرکی ظنیست، و حیرانی نظر[5]

مولانا عشق کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ محبوب بننا تو ہر ایک کے بس میں نہیں، لیکن عاشق بننا ممکن ہے، اگر خدا نے تم کو محبوب نہیں بنایا ہے تو تم عاشق بن کر زندگی کا لطف حاصل کرو،

تو کہ یوسف نیستی یعقوب باش | ہمچو اُو با گریہ و آشوب باش
تو کہ شیریں نیستی فرہاد باش | چو نۂ لیلیٰ، تو مجنوں گرد فاش[6]

وہ ایک قدم آگے بڑھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عاشق بننے میں جو مزہ ہے اور جو ترقی ہے وہ محبوب بننے میں کہاں؟ اگر محبوبانِ عالم کو اس دولت سرمد کا پتہ چل جائے تو محبوبوں کی صف سے نکل کر "عشاق" کی صف میں شامل ہو جائیں،

ترک کن معشوقی و کُن عاشقی | اے گماں بردہ کہ خوب و فائقی[7]

لیکن "عشق" کی یہ دولتِ بیدار کسی مُردہ و ناپائدار محبوب کے لائق نہیں، عشق خود زندہ ہے اس کو ایک زندہ و پائندہ محبوب چاہیئے،

عشق بر مردہ نباشد پائدار | عشق را بر حیِّ جاں افزائے دار[8]

اسی زندہ و پائندہ حی و قیوم محبوب سے عشق جاوداں کی تشفی و استواری ہے، اسی سے اس کی تازگی اور آبیاری ہے،

عشق زندہ در روان و در بصر | ہر دمے باشد ز غنچہ تازہ تر
عشق آں زندہ گزیں کو باقیست | وز شراب جانفزایت ساقیست
عشق آں بگزیں کہ جملہ انبیاء | یافتند از عشق او کار و کیا[9]

حسن کی اس بارگاہ عالی میں عشق کو اپنی نارسائی کا شکوہ نہیں ہونا چاہیئے کہ حُسن ازل سدا سے عشق نواز اور دوست طلب ہے،

[1] ص۱۲۹ [2] ص۱۳۹ [3] ص۳۳۴ [4] ص۳۳۴ [5] ص۳۳۴ [6] ص۴۹ [7] ص۴۲۶ [8] ص۴۶۵ [9] ص۱۰

تو مگو مارا بداں شہ بار نیست
با کریماں کارہا دشوار نیست[۱]

یہ عشق دیکھنے میں ایک بیماری ہے جو دل کی شکستگی سے پیدا ہوتی ہے، یہ بیماری بڑی جان لیوا ہے لیکن آدمی اگر اس کو برداشت کرلے جائے تو اس کا نتیجہ معرفت حقیقی اور حیات ابدی ہے،

عاشقی پیداست از زاریٔ دل
نیست بیماری چوں بیماریٔ دل

علت عاشق ز علتہا جدا است
عشق اصطرلاب اسرارِ خدا است[۲]

یہ بیماری سب بیماریوں کی دوا اور ہر قسم کی نفسانی و اخلاقی امراض کے لئے شفا ہے، جن روحانی امراض کے علاج سے طبیب مایوس اور معالج و مصلح دست بردار ہوچکے ہوں اور کوئی تدبیر کارگر نہ ہوتی، عشق ایک نگاہ میں اُس کو اچھا کرسکتا ہے، برسوں کا مریض جب اس عشق کے ہاتھوں اپنے روحانی امراضِ کہنہ سے شفا پاتا ہے تو سرور و بیخودی کے عالم میں پکار اُٹھتا ہے

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما
اے طبیبِ جملہ علتہائے ما

اے دوائے نخوت و ناموس ما
اے تو افلاطون و جالینوس ما[۳]

عشق ایک شعلہ ہے جو خس و خاشاک کو جلا کر خاک کر دیتا ہے، وہ محبوب کے سوا کسی کا روادار نہیں وہ بڑا موحد، بڑا غیور ہے،

عشق آں شعلہ است کو چوں بر فروخت
ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

تیغِ لا در قتل غیر حق براند
در نگر زاں پس کہ بعد از لا چہ ماند

ماند الا اللہ باقی جملہ رفت
شاد باش اے عشق شرکت سوز رفت[۴]

یہ عشق الٰہی ایک بحر ناپیدا کنار ہے، اس کی داستان ختم ہونے والی نہیں، زمانہ کی وسعت بھی اس کے لئے تنگ اور دنیا کی عمر بھی اس داستان سرائی کے لئے کوتاہ ہے یہ اُس حُسن ازل کا قصہ ہے جس کا نہ اوّل ہے، نہ آخر، اس لئے یہاں خاموشی ہی بہتر اور اعترافِ عجز ہی مناسب ہے،

شرحِ عشق ار من بگویم بر دوام
صد قیامت بگزرد واں ناتمام

زانکہ تاریخ قیامت را حد است
حد کجا آنجا کہ وصفِ ایزد است[۵]

جہانِ دل

لیکن یہ عشق جس کی دعوت مولانا اس جوش و خروش سے دیتے ہیں، دل کی زندگی اور بیداری اور دل کی گرمی کے بغیر ممکن نہیں، ہر زمانہ کی طرح مولانا کے زمانہ میں بھی دل کی طاقتوں اور وسعتوں سے غفلت اور ناواقفیت بڑھتی جارہی تھی اور دماغ کی عظمت کا سکہ دلوں پر بھی بیٹھتا جارہا تھا، دماغ روشن اور دل سرد ہوتے جارہے تھے، معدہ زندگی میں مرکزی مقام حاصل کرتا جارہا تھا، مولانا نے دل کی عظمت و وسعت کی طرف متوجہ کیا اور اُس کے عجائبات و فتوحات بیان کئے اور یاد دلایا کہ انسان اپنے اس جسم خاکی میں کیسا سدا بہار باغ رکھتا ہے اور اس کے پہلو میں کیسی دنیا آباد ہے جس میں ملک کے ملک گم ہوجائیں، جس کو کسی دشمن کا خطرہ اور کسی رہزن کا اندیشہ نہیں،

ایمن آباد است دل اے مرد ماں
حصن محکم موضع امن و اماں

گلشن خرم بکام دوستاں
چشمہا و گلستاں در گلستاں[۶]

اُنھوں نے بتلایا کہ دنیا کے باغات چند دنوں کے مہمان، لیکن نخل دل سدا جوان اور باغ دل بہارِ بے خزاں ہے، جسم کا باغ برسوں میں لگتا ہے اور دم میں اُجڑ جاتا ہے، دل کے باغ کے لگنے میں دیر نہیں لگتی مگر اس کی رعنائی اور تازگی میں کبھی فرق

---

[۱] صفحہ ۱۰ [۲] صفحہ ۷ [۳] صفحہ ۵ [۴] صفحہ ۴۰۵ [۵] صفحہ ۴۲۲ [۶] صفحہ ۱۹۹

نہیں آتا،

گلشنے کز نقل روید یکدم است | گلشنے کز عقل روید خرم است
گلشنے کز تن دمد گردد تباہ | گلشنے کز دل دمد، وا فرحتاہ[۵۱]

وہ تلقین کرتے ہیں کہ جسم کو جوان بنانے کی سعی لا حاصل اور سکندر کی طرح "چشمۂ حیواں" کی ناکام تلاش کے بجائے عشق کے آبِ حیات کا ایک جرعہ نوش جاں اور دل کی زندگی کا سامان کرنے کی ضرورت ہے تاکہ صحیح معنیٰ میں زندہ دلی اور نشاطِ روح حاصل ہو اور ہر دورِ زندگی میں توانائی و رعنائی کی دولت میسر ہو،

دل بجو تا دائما باشی جواں | از تجلی چہرہ ات چوں ارغواں
طالب دل شو کہ تا باشی چو مل | تا شوی شادان و خنداں ہمچو گل[۵۲]

لیکن دل کے لفظ سے دھوکہ نہ ہو، دل وہ نہیں ہے جو سینہ میں دھڑکتا ہے اور خواہشات نفس اور بوالہوسی کی آماجگاہ ہے، جو محبت کی لذت سے ناآشنا، یقین کی دولت سے محروم اور ذوق و شوق سے خالی ہے، جس کی کلی کبھی کھلتی نہیں اور جس کی قسمت کبھی چمکتی نہیں، یہ دل دل نہیں پتھر کی ایک سل ہے،

تنگ و تاریک است چوں جانِ جہود
بینوا از ذوق سلطانِ ودود
نے دراں دل تاب نور آفتاب
نے کشاد عرصہ و نے فتح باب[۵۳]

یہ دل اپنی ساخت اور اپنی صورت شکل و جسامت کے لحاظ سے ایسا ہی ایک دل ہے جیسے اہلِ دل کا دل بیدار و بیتاب، لیکن حقیقت کے لحاظ سے دیکھئے تو سوائے لفظی اشتراک اور جسمانی مشابہت کے دونوں میں کوئی مناسبت نہیں، وہ بھی پانی ہے جو ایک چشمۂ صافی میں رواں ہے اور وہ بھی پانی ہے جو کسی دلدل یا کیچڑ کے اندر ہے، لیکن پہلا پانی، خالص پانی ہے جس سے پیاس بھی بجھائی جا سکتی ہے اور ہاتھ بھی صاف ہو سکتے ہیں، دوسرے پانی میں مٹی کا اتنا جز ہے کہ اس سے پانی کا کام لینا مشکل ہے، یہی فرق دل اور دل میں ہے، ایک دل ایک مادہ پرست اور بوالہوس، ایک بے حس و مردہ دل انسان کا ہے، ایک دل انبیاء و اولیاء کا ہے جس کی بلندی کے سامنے آسمان بھی پست، اور جس کی وسعت کے آگے سارے عالم کی وسعت گرد ہے اس لئے سوچ سمجھ کر کہو کہ ہمارے پہلو میں بھی دل ہے،

تو ہمی گوئی مرا دل نیز ہست | دل فراز عرش باشد نہ بہ پست
در گل تیرہ یقیں ہم آب ہست | لیک ازاں آبت نباید آبدست
زانکہ گر آب است مغلوبِ گل ست | پس دلِ خود را مگو کایں ہم دل است
آں دلے کز آسمانہا برتر است | آں دلِ ابدال یا پیغمبر است[۵۴]

لیکن پھر تسلی دیتے ہیں کہ دل بہر حال دل ہے اور خدا کے یہاں کوئی دل مردود نہیں وہ ہر دل کا خریدار ہے اس لئے کہ خریداری سے اس کو کوئی فائدہ مقصود نہیں،

کالہ کہ ہیچ خلقش ننگرید | از خلاقت آں کریم آں را خرید

---

۵۱ ص۵۹۶ ۵۲ ص۱۵۲ ۵۳ ص۱۷۱ ۵۴ ص۲۳۹

ہیچ قلبے پیش او مردود نیست　　زانکہ قصدش از خریدن سود نیست [۱]

پھر وہ فرماتے ہیں کہ معدہ کے قفس زریں کو چھوڑ کر، دل کی آزاد بستی کی سیر کرو اور خدا کی قدرت کا تماشہ دیکھو، تمہارے اور خالق کے درمیان بڑا حجاب یہی معدہ اور شکم پرستی ہے تم اس حجاب سے نکلے کہ تم کو اس بارگاہ عالی سے سلام پہونچے،

معدہ را بگزار سوئے دل خرام　　تا کہ بے پردہ ز حق آید سلام [۲]

مقامِ انسانیت مستبد شخصی سلطنتوں کے اثر سے اور پیہم مظالم، مسلسل جنگوں کے نتیجہ میں عام انسانوں میں زندگی سے بیزاری، اپنے مستقبل سے مایوسی اور احساسِ کمتری پیدا ہو گیا تھا اور انسان خود اپنی نگاہ میں ذلیل ہو گیا تھا، عجمی تصوف نے فنائیت، انکارِ ذات اور خود شکنی کی تلقین اتنے جوش اور قوت سے کی تھی کہ خودنگری اور خودشناسی جس پر حرکت جدوجہد اور کشمکش موقوف ہے ایک اخلاقی جرم اور مانع ترقی سمجھی جانے لگی تھی، انسانوں کے سامنے ملکوتی صفات کے حصول، اور لوازم بشریت سے انسلاخ تجرد و تفرید کی تبلیغ اس انداز میں ہوئی تھی کہ انسان کو اپنی انسانیت سے شرم آنے لگی تھی اور وہ اپنی ترقی انسانیت میں نہیں، بلکہ ترکِ انسانیت میں سمجھنے لگا تھا، عام طور پر مقام انسانیت سے غفلت اور انسان کی رفعت و شرافت سے ذہول پیدا ہو گیا تھا اور اس وقت کی ادبیات اور شعر و شاعری میں تحقیرِ انسانیت کی روح سرایت کر گئی تھی، اس کا نفسیاتی اثر یہ تھا کہ لوگوں میں عام طور پر اپنے بارے میں بے اعتمادی، نااُمیدی افسردگی اور شکستہ دلی پائی جاتی تھی، اور انسان کبھی کبھی حیوانات اور جمادات پر رشک کرنے لگتا تھا، وہ جوہر انسانیت سے ناواقف اور اپنی وسعتوں اور ترقیات سے غافل تھا، مولانا نے اپنے مخصوص انداز میں اس پہلو کو اُبھارا اور انسان کی بلندی کا ترانہ اس جوش سے بلند کیا کہ اس کی سوئی ہوئی خودی بیدار ہو گئی اور وہ اپنے مقام سے آگاہ ہو گیا، مولانا کی اس رجز خوانی کا پوری اسلامی ادبیات پر اثر پڑا اور اُس نے شعر و شاعری اور تصوف میں ایک نیا رجحان پیدا کر دیا،

مولانا انسان کو اپنی اس انسانی خلقت کی طرف توجہ دلاتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جابجا "احسن تقویم" کے خطاب سے یاد فرمایا ہے، یہ لباسِ موزوں خاص طور پر اسی کے لئے قطع کیا گیا ہے اور اسی کے قامت پر راس آتا ہے،

احسن التقویم" در "والتین" بخواں　　کہ گرامی گوہر است اے دوست جاں

احسن التقویم از فکرت بروں　　احسن التقویم از عرشش فزوں [۳]

وہ فرماتے ہیں کہ انسان کے سوا اور کس کے سر پر "کرامت" کا تاج رکھا گیا ہے اور "کرمنا" اور "اعطیناک" کے خطاب سے مشرف کیا گیا ہے؟

ہیچ کرمنا شنید ایں آسماں　　کہ شنید ایں آدمئے پرغماں [۴]

تاج کرمناست بر فرقِ سرت　　طوق اعطیناک آویز برت [۵]

وہ فرماتے ہیں کہ انسان خلاصۂ کائنات اور مجموعۂ اوصافِ عالم ہے، انسان کیا ہے ایک کوزہ میں دریا بند ہے اور ایک مختصر سے وجود میں پورا عالم پنہاں ہے،

آفتابے در یکے ذرہ نہاں　　ناگہاں آں ذرہ بکشاید دہاں

ذرہ ذرہ گرد و افلاک و زمیں　　پیش آں خورشید چوں جست از کمیں [۶]

بحر علمے در نمے پنہاں شدہ　　در سہ گز تن عالمے پنہاں شدہ [۷]

---

[۱] ص ۵۲۱ [۲] ص ۲۵۰ [۳] ص ۵۱۵ [۴] ص ۵۵۴ [۵] ص ۴۷۲ [۶] ص ۵۹۴ [۷] ص ۲۷۵

انسان آفرینش عالم کا مقصود اور تمام کائنات کا محسود ہے اسی سے اس عالم کا رنگ و بُو اور زندگی کی آبرو ہے، اس کی اطاعت تمام موجودات پر فرض ہے،

هر شرابے بندۂ آں قد و خد جملہ مستاں را بود بر تو حسد
هیچ محتاج مئے گلگوں نئے ترک کن گلگونہ تو گلگو نئے
جوهر است انسان و چرخ او را عرض جملہ فرع و سایہ اند و تو غرض
علم جوئی از کتبہائے فسوس ذوق جوئی تو ز حلوائے سبوس
خدمتت بر جملہ ہستی مفترض جوهرے چوں عجز دارد با عرض[1]

یہی نہیں، بلکہ انسان مظہر صفاتِ الٰہی ہے، وہی ایک ایسا آئینہ ہے جس میں تجلیات و آیات کا عکس نظر آتا ہے،

آدم اصطرلاب اوصاف علو است وصفِ آدم مظہر آیات او ست
هر چہ در وے می نماید عکس او ست ہمچو عکسِ ماہ اندر آبِ جو ست
خلق را چوں آب داں صاف و زلال وندر و تاباں صفاتِ ذو الجلال
علم شاں و عدل شاں و لطف شاں چوں ستارہ چرخ در آبِ رواں[2]

اس سب کے فرمانے کے بعد وہ محسوس کرتے ہیں کہ انسان کی تعریف اور اُس کی قدر و قیمت کا بیان اب بھی ممکن نہیں اور سچ پوچھیے تو کسی میں اس کے سننے کی تاب نہیں،

گر بگویم قیمتِ آں ممتنع من بسوزم، ہم بسوزد مستمع[3]

اس رفعت و بلندی کے بعد خدا کے سوا انسان کا کون خریدار ہو سکتا ہے اور کون اس کی قیمت لگا سکتا ہے، حیف ہے کہ انسان خود اپنی قیمت نہ جانے اور ہر قیمت پر ہر ایک کے ہاتھ بک جانے کے لئے تیار ہو، وہ بڑی دلسوزی سے فرماتے ہیں

اے غلامت عقل و تدبیرات و ہوش
تو چرا خویش را ارزاں فروشش[4]

پھر فرماتے ہیں کہ انسان کا سودا ہو چکا ہے، اللہ اس کا خریدار ہے اور وہی انسان کا سچا قدردان ہے،

مشتری ما است اللہ اشتریٰ از غم ہر مشتری ہیں برتر آ
مشتری جو کہ جویانِ تو است عالم آغاز و پایانِ تو است[5]

لیکن یہ سب اُن انسانوں کا تذکرہ ہے جو جوہرِ انسانیت سے آراستہ اور حقیقت انسانیت سے آشنا ہیں، ان انسان نما آدمیوں کا ذکر نہیں، جو انسانیت کا خول اور صورت ہی صورت ہیں، جو اپنے نفس کے مارے ہوئے اور خواہشاتِ نفس کے قتیل ہیں، یہ آدمی نہیں ہیں، آدمی کی بیجان تصویریں ہیں،

ایں نہ مرداں اند ایں ہا صورت اند مُردۂ نان اند و کُشتۂ شہوت اند[6]

ہر زمانہ کی طرح مولانا کے زمانہ میں بھی یہ حقیقی انسان کمیاب اور عنقا صفت تھا، عام طور سے وہی انسان ملتے تھے جو چوپایوں اور درندوں کے اخلاق رکھتے تھے، مولانا ان بہائم صفت اور درندہ خصلت انسانوں سے اُکتا گئے تھے اور اُن کو "انسان" کی تلاش تھی، اپنی تلاش کا واقعہ ایک دلچسپ مکالمہ کی شکل میں بیان فرماتے ہیں،

۱؎ ص۴۷۵ ۲؎ ص۵۶۱ ۳؎ ص۵۱۵ ۴؎ ص۴۷۵ ۵؎ ص۴۲۶ ۶؎ ص۴۵۹

دی شیخ با چراغ ہمی گشت گرد شہر
کز دام و دد ملولم و انسانم آرزوست
زیں ہمرہانِ سست عناصر دلم گرفت
شیر خدا و رستم دستانم آرزوست
گفتم کہ یافت می نشود جستہ ایم ما
گفت آں کہ یافت می نشود آنم آرزوست[1]

دعوتِ عمل مولانا کا تصوف اور اُن کی تلقین تعطل، بے عملی اور رہبانیت کی مبلغ نہیں، وہ عمل، جد وجہد، کسب اور اجتماعی زندگی کے داعی اور مبلغ ہیں، رہبانیت اور ترکِ دنیا کو اسلام کی روح کے منافی اور تعلیماتِ نبوت کا مخالف سمجھتے ہیں، اُن کے نزدیک اگر اجتماعی زندگی مطلوب نہ ہوتی تو جمعہ و جماعت اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تاکید کیوں ہوتی، فرماتے ہیں،

مرغ گفتش خواجہ در خلوت مایست
دین احمدؐ را ترہب نیک نیست

از ترہب نہی فرمود آں رسولؐ　　بدعتے چوں در گرفتی اے فضول
جمعہ شرط است و جماعت در نماز　　امر معروف وز منکر احتراز
درمیانِ اُمتے مرحوم باش　　سنتِ احمدؐ مہل، محکوم باش[2]

اُن کے زمانہ میں توکل تعطل محض کا مرادف بن کر رہ گیا تھا، کسی قسم کی احتیاط و انتظام توکل کے منافی سمجھا جاتا تھا اور بُری نظر سے دیکھا جاتا تھا، مولانا نے توکل کا شرعی مفہوم بیان کیا اور کسب کی ترغیب دی، اور اس کی فضیلت بیان کی اعقلہا وتوکل علی اللہ[3] کا مضمونِ حدیث بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں

گفت پیغمبرؐ بآواز بلند　　با توکل زانوئے اشتر بہ بند
رمز الکاسب حبیب اللہ، شنو　　از توکل در کسب کاہل مشو
رو توکل کن تو با کسب اے عمو　　جہد می کن، کسب می کن مو بمو
جہد کن جدّے نما تا وا رہی　　ورنہ تو از جہد ش بمانی ابلہی[4]

اُنھوں نے کمزور جانوروں کی زبان سے توکل و تعطل کے وہ تمام دلائل نقل کر دیئے ہیں جو عام طور پر ضعیف الہمت اشخاص پیش کیا کرتے ہیں، پھر شیر کی زبان سے ان سب دلائل کا جواب دیا ہے اور عمل و کسب کے دلائل بیان کئے ہیں، یہ دلائل بڑے معقول اور وزنی ہیں اور اہلِ تعطل کے پاس اُن کا کوئی جواب نہیں، شیر کا جواب مولانا کے اصلی خیالات کا آئینہ ہے،

شیر کی زبان سے وہ فرماتے ہیں کہ انسانوں کو جو اعضاء و جوارح اور جو صلاحیتیں اور طاقتیں دی گئی ہیں اُن سے خود ظاہر ہوتا ہے کہ اس سے کوشش اور جد وجہد مطلوب ہے، اگر کوئی شخص اپنے غلام کے ہاتھ میں کدال یا پھاوڑا دیدے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس سے وہ زمین کھودے یا چٹان توڑے، اس کے لئے زبان سے کہنے کی کچھ ضرورت نہیں، اسی طرح ہم کو ہاتھ پاؤں اور کام کرنے کی قدرت دی ہے تو اس کا مقصد یہی ہو سکتا ہے کہ ہم اپنے ہاتھ پاؤں اور جسمانی قوت سے کام لیں

---

[1] دیوان [2] ۵:۲ [3] اونٹنی باندھ دو اور پھر اللہ پر توکل کرو [4] ۲۶

اور اپنے ارادہ و اختیار کو عمل میں لائیں، اس بنا پر سعی اور کسب و جہد عین خدا کی مرضی اور فطرت کا اشارہ ہے اور تعطل و ترکِ عمل، منشاء الٰہی کے خلاف اور کفرانِ نعمت ہے، صحیح توکل یہ ہے کہ کوشش میں کمی نہ کی جائے اور نتیجہ کے بارے میں خدا پر توکل کیا جائے کیونکہ کامیابی خدا کے ہاتھ میں ہے، فرماتے ہیں

گفت شیر آری ولے رب العباد | نردبانے پیشِ پائے ما نہاد
پائے داری چوں کنی خود را تو لنگ | دست داری چوں کنی پنہاں تو چنگ
خواجہ چوں بیلے بدستِ بندہ داد | بے زباں معلوم شد او را مراد
چوں اشارت ہاش را بر جاں نہی | در وفائے آں اشارت جاں دہی
پس اشارت ہاش اسرارت دہد | بار بردارد ز تو کارت دہد
سعی شکر نعمتِ قدرت بود | جبر تو انکار آں نعمت بود
شکر نعمت، نعمتت افزوں کند | کفر نعمت از کفت بیروں کند
ہاں مخسپ اے جبریٔ بے اعتبار | جز بزیرِ آں درختِ میوہ دار
تا کہ شاخ افشاں کند ہر لحظہ باد | بر سرِ خفتہ بریزد نقل و زاد
گر توکل می کنی در کار کن | کسب کن پس تکیہ بر جبار کن

پھر شیر کی زبان سے وہ اس حقیقت کا اظہار کرتے ہیں کہ جد و جہد اور سعی و عمل سنت انبیاء اور طریق اولیاء ہے، پھر وہ یہ نکتہ بیان کرتے ہیں کہ مال و اولاد، دنیا نہیں ہے، جس کی شریعت میں مذمت ہے اور جو خدا کی رحمت سے دور ہے وہ غفلت کی زندگی ہے، فرماتے ہیں

شیر گفت آرے ولیکن ہم بہیں | جہد ہائے انبیاء و مرسلیں
حق تعالیٰ جہد شاں را راست کرد | آنچہ دیدند از جفا و گرم و سرد
جہد می کن تا توانی اے فتیٰ | در طریقِ انبیاء و اولیا
چیست دنیا؟ از خدا غافل بدن | نے قماش و نقرہ و فرزند و زن
مال را گر بہرِ دیں باشی حمول | نعم مال صالح گفت آں رسولؐ

جہد حق است و دوا حق است و درد
منکر اندر نفیِ جہدش جہد کرد

وہ صرف اپنے زمانہ کے عوام ہی پر تنقید نہیں کرتے اور صرف ان غلطیوں ہی پر نہیں ٹوکتے جن کا تعلق علمی اور دینی حلقوں سے ہے، بلکہ وہ پوری جرأت کے ساتھ اس طبقہ کی بھی تنقید کرتے ہیں جن کے ہاتھوں میں زمام حکومت تھی، وہ برملا اس حقیقت کا اظہار کرتے ہیں کہ حکومت نااہلوں کے ہاتھ میں آگئی ہے اور بازیچۂ اطفال بن گئی ہے، مطلق العنان شخصی سلطنت کے زمانہ میں یہ تنقید بڑے خطرناک نتائج پیدا کر سکتی ہے مگر مولانا کی حق گو زبان خاموش نہیں رہتی، فرماتے ہیں

حکم چوں بر دست رنداں[1] اوفتاد | لاجرم ذوالنون بزنداں اوفتاد
چوں قلم در دست غدارے بود | لاجرم منصور بر دارے بود
چوں سفیہاں را بود کار و کیا | لازم آمد یقتلون الانبیا[2]

(۱ و ۲ کا حاشیہ اگلے صفحہ پر درج ہے)

حکومت کے غلط ہاتھوں میں ہونے کا نتیجہ بیان کرتے ہوئے اپنے زمانہ کی شکایت فرماتے ہیں'

حکم چوں در دست گمراہے فتاد — جاہ پندارید و در چاہے فتاد

احمقاں سرور شدستند و زبیم — عاقلاں سرہا کشیدہ در گلیم[۱]

(۱ و ۲ پچھلے صفحہ کا حاشیہ یہ درج ہے)

[۱] حضرت مولانا روم علیہ الرحمۃ نے جابر بادشاہوں اور خدا ناترس حاکموں پر یہ چند شعر کہہ کر "تنقید" کا حق ادا کر دیا ہے، تاریخ اس کی شاہد ہے کہ جب بھی زمام حکومت غرض کے بندوں ہوس پرستوں اور بادہ و شاہد سے کھیلنے والوں کے ہاتھوں میں آئی ہے، حق وصداقت کے علمبرداروں پر عافیت تنگ کردی گئی ہے اور اُن کو تختۂ دار سے لیکر قید و بند تک ہر طرح کی مصیبت میں مبتلا کیا گیا ہے۔ (م۔ق)

[۲] ص ۱۳۱

(اس صفحہ کا حاشیہ) [۱] ص ۳۳۵

محمد کاظم سباق

خواب نہیں حقیقت!

اسلامی تصوف میں جب سنت کی جگہ رفتہ رفتہ بدعت رواج پانے لگی، تو صوفیاء میں ایک طبقہ ایسا بھی پیدا ہوا جس کے نزدیک ایک مسلمان کے لئے اس دنیا میں رشتۂ ازدواج سے دامن بچاتے ہوئے زندگی بسر کرنا روحانی ارتقاء کی ایک منزل قرار پایا۔ حتیٰ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ واضح ارشاد کہ: "اذا تزوج العبد فقد استکمل نصف الدین" بھی آنکھوں سے اوجھل ہوگیا۔

اس کے بعد آج سے تقریباً ربع صدی پیشتر مصر میں یہ سوال زیر بحث آنے لگا کہ شادی کی آخر کیا ضرورت ہے؟ اگرچہ اب کی دفعہ اس سوال کا محرک زہد و ورع اور رہبانیت کا جذبہ نہ تھا، بلکہ تقلید مغرب میں ازدواج کے بندھنوں اور ذمہ داریوں سے آزادی حاصل کرنے کی خواہش تھی، تاہم نتائج کے اعتبار سے یہ رجحان بھی یکساں خطرناک تھا۔ اس پر مصر کے مایۂ ناز فلسفی ادیب مصطفیٰ صادق الرافعی (متوفی ۱۹۳۷ء) نے قلم اٹھایا اور اسلام کے فلسفۂ ازدواج پر ایک فصیح و بلیغ تمثیلچہ لکھا۔ ذیل میں اس کے ملخص کا سلیس ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

مصطفیٰ صادق الرافعی گزشتہ نصف صدی میں عربی زبان کے وہ بے مثال ادیب اور انشاء پرداز گزرے ہیں جن کے متعلق امیر شکیب ارسلان کا یہ جملہ آج تک مشہور ہے کہ "عرب کی سرزمین نے صدیوں سے ایسا ادیب پیدا نہیں کیا۔" حقیقت یہ ہے کہ وہ قوت انشاء، زور بیان، تنویر فکر اور بلندیٔ خیال میں یکتائے روزگار تھے۔ اور بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر وہ دوسری صدی ہجری میں پیدا ہوتے تو ابن المقفع ہوتے، تیسری صدی ہجری میں نمودار ہوتے تو جاحظ ہوتے اور اگر چوتھی اور پانچویں صدی میں سرزمین اندلس میں جنم لیتے تو ابن عبد ربہ اور ابن زیدون کے روپ میں ظاہر ہوتے۔

اگرچہ رافعی کے ادب پاروں کا اردو میں ترجمہ کرنا رافعی کے فن پر ظلم کرنا ہے، تاہم ہمیں امید ہے کہ ترجمہ کے دبیز پردوں کے باوجود اس مضمون میں رافعی کی بلندیٔ خیال اور قوت انشاء کی کچھ نہ کچھ جھلک قاری کو نظر آ ہی جائے گی۔　　(مترجم)

مشہور صوفی اور زاہد ابو خالد الاحول بیان کرتے ہیں کہ جب ہمارے شیخ حضرت ابو ربیعہ کی اہلیہ نے وفات پائی، تو دوسرے لوگوں کے ساتھ میں بھی اس کے جنازے میں شریک ہوا اور اس کی تدفین کے مراحل تک موجود رہا۔ جب لوگ اسے سپرد خاک کرکے اس پر مٹی برابر کر چکے تو شیخ ابو ربیعہ اٹھے اور قبر کے سرہانے کھڑے ہو کر بھرائی ہوئی آواز میں کہنے لگے:

"اے رفیقۂ حیات! اللہ کی تجھ پر بے حساب رحمتیں ہوں، تو مرض و الم سے شفایاب ہو چکی اور اب میں اس میں گرفتار ہوا ہوں، تو اس دنیا کے آفات و محن سے نجات پا گئی اور اب تیری بجائے میں ان میں مبتلا ہوا ہوں۔ تو ہر ایک کی یاد سے بے نیاز ہو کر جا رہی ہے اور مجھے اس حال میں چھوڑا ہے کہ دل کو تیری یاد سے فرصت نہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ دنیا تیرے وجود سے بامعنیٰ معلوم ہوتی تھی اب تیرے بغیر وہ ایک بے معنیٰ اور مہمل شے بن کے رہ جائے گی۔ میری آدھی قوت کا سرچشمہ تیری موجودگی تھی اور اب تیری جدائی میرے

آدھے ضعف کا باعث ہے۔ تو زندہ تھی تو زمانہ کی بے رحمیاں تیرے لطف و کرم اور تیری ہمدردی اور مودّت میں گم ہو کے رہ جاتی تھیں۔ اب تیرے بعد وہ یقیناً پوری سختی اور شدّت کے ساتھ مجھ پر نازل ہوں گی۔ آہ! تیری جُدائی میرے لئے کسی معمولی عورت کی جدائی نہیں، تو تو خدائے تعالیٰ کی وہ باشرف مخلوق تھی کہ جس کے ہوتے ہوئے میں محسوس کرتا تھا کہ قدرت بھی مجھ پر مہربان ہے!

ابو خالد کہتے ہیں، کہ یہاں پہونچ کر شیخ کی آنکھیں اشک آلود ہو گئیں، اس پر میں اٹھا اور اُن کا ہاتھ پکڑ کر اُن کے گھر کی طرف روانہ ہوا۔ اور راستہ میں اِدھر اُدھر کی باتیں سُنا کر اُن کی ڈھارس بندھانے کی کوشش کرتا رہا۔ لیکن وہ میری باتوں سے بہت دُور کسی دوسرے عالم میں پہونچے ہوئے تھے۔ چلتے چلتے ہم ان کے گھر تک آگئے، اندر داخل ہوئے تو گھر سونا پڑا تھا۔ شیخ نے دائیں بائیں اور اِدھر سے اُدھر نظر دوڑائی اور ٹھنڈی سانس بھر کر کہنے لگے: ابو خالد! یوں معلوم ہوتا ہے کہ گھر والی ہی نہیں، خود گھر بھی مرچکا ہے، گویا اس کی زندگی اور اس کی چہل پہل اُس عورت کی زندگی سے وابستہ ہوتی ہے جو اس میں اندر اور باہر چلتی پھرتی نظر آتی ہے —— لیکن ابو خالد! تم یہ حقیقت کیونکر جان سکتے ہو، تم نے تو قسم کھا رکھی ہے کہ نہ تم عورت کے قریب پھٹکو گے اور نہ وہ کبھی تمہارے قریب آسکے گی، جیسے اس دنیا کی ہر عورت نے تجھے جنم دینے میں حصّہ لیا ہے اور اس لئے وہ سبھی تجھ پر حرام قرار پاچکی ہیں۔ یہ تصور میرے لئے اسی طرح بے معنیٰ اور محض خیالی فلسفہ ہے، جس طرح تمہارے لئے میری یہ باتیں بے معنی اور ناقابلِ فہم ہوں گی۔

ابو خالد کہتے ہیں: مجھے مناسب معلوم ہوا کہ وہ رات میں شیخ کے ہاں گزار کر حقِ خدمت ادا کروں، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس تنہائی میں اُن پر وحشت کا دورہ پڑ جائے اور اُن کے قلب و ذہن پر افکار و وساوس سوار ہو جائیں۔ وہ لیٹے ہی تھے کہ نیند کی آغوش میں چلے گئے، اور میں خیالاتِ پریشاں میں گم اُن کا اور اپنا موازنہ کرتا رہا، کہ ایک طرف وہ شخص ہے جس نے شادی بھی کی اور اس کے ساتھ زاہد اور عبادت گزار بھی ہے، اور دوسری طرف میں کہ عابد و زاہد تو ہوں مگر ازدواج کے قریب نہیں گیا —— خیالات کی اِسی رَو میں بہا جا رہا تھا کہ آنکھوں کی پلکیں بھاری ہونے لگیں اور آخر کار مجھے بھی نیند نے اپنے مضبوط جال میں کس دیا۔

خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ روزِ قیامت بپا ہے۔ لوگ قبروں سے اٹھا لئے گئے ہیں۔ میدانِ قیامت آدمیوں کے عظیم الشان ہجوم سے پٹا ہوا ہے۔ اور اس جمِّ غفیر میں میں بھی موجود ہوں۔ ہر طرف سے دباؤ اور گھمسان کا وہ عالم ہے کہ گویا ہم گندم کے دانے ہیں جو چکّی کے دو پاٹوں کے درمیان پسنے کے لئے ڈال دیئے گئے ہیں۔ گرمی اور تپش اس بلا کی ہے کہ الاماں والحفیظ! محشر کیا ہے ایک دیگچی ہے جس میں انسانیت پانی کی طرح اُبل رہی ہے، تکلیف کی شدّت انتہا کو پہونچ گئی ہے اور پیاس نے ہلکان کر دیا ہے۔ دل و جگر یوں معلوم ہوتے ہیں جیسے جہنم کی آگ میں پک رہے ہوں —— وہ کوئی پیاس نہیں بلکہ آتشِ شعلہ بار ہے جو پیٹ کے تنور میں بھڑک رہی ہے!

اس حالت میں کھڑے کیا دیکھتے ہیں کہ کچھ بچے اس جمِّ غفیر کو چیرتے ہوئے اِدھر سے اُدھر گزر رہے ہیں۔ سروں پر نورانی رومال ڈالے، ہاتھوں میں چاندی کی سفید صراحیاں اور سونے کے چمکتے ہوئے پیالے لئے ہوئے ہیں۔ صراحی میں سے برف کی طرح ٹھنڈا اور شیریں پانی لیکر پیالے بھرتے جاتے ہیں جن پر نظر پڑتے ہی پیاس کی شدّت افزوں ہوتی ہے، دیکھنے والا حسرت و یاس کے مارے کراہ اٹھتا ہے اور اس طرح زبان باہر نکال لیتا ہے کہ جیسے کسی نے اس کے پہلوؤں پر گرم استری پھیر دی ہو،

دیکھتے ہی دیکھتے بچّوں نے یکے بعد دیگرے لوگوں کو وہ آبِ شیریں پلانا شروع کر دیا۔ اس طرح کہ ایک آدمی کو اسی مئے ناب سے سیراب کیا تو اس کے بعد لوگوں کی ایک کثرت کو نظر انداز کر گئے۔ غور کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ اس مجمعِ حشر میں سے بعض

خاص خاص لوگوں کو تلاش کرتے جاتے ہیں، اور انہی کو ڈھونڈ کر اُن پر اِس خنک اور شیریں محلول کے خم لنڈھاتے اور اُن کے جگر کی آگ کو ٹھنڈک پہونچاتے ہیں، اتفاق یہ ہوا کہ اُن میں سے ایک لڑکا میرے قریب سے بھی گزرا، میں نے بے اختیار اس کی طرف ہاتھ پھیلایا اور پکار کر کہا:- اے عزیز! خدا کے لئے ایک پیالہ مجھے بھی دے، مارے پیاس کے ہلاک ہوا جاتا ہوں،

لڑکے نے دریافت کیا: تم کون ہو؟

میں نے کہا: زاہد ابو خالد!

لڑکے نے سوال کیا: تو یہ بتاؤ کہ مسلمانوں کے بچوں میں تمہارا بھی کوئی بچہ تھا جسے تم نے صغر سنی میں خدا کے حضور بھیجا ہو اور اس پر صبر کر کے اللہ تعالیٰ سے ثواب و جزا کی توقع رکھی ہو؟

میں نے کہا: نہیں!

"کیا تمہارا کوئی بچہ اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں پروان چڑھا؟" لڑکے نے پھر پوچھا،

جواب دیا: نہیں!

"کیا تمہارا کوئی ایسا بیٹا تھا جس نے تمہارے حق ابوبیت کے عوض تمہیں بھلائی کی طرف بلایا ہو؟

"نہیں"!

"کیا اس قسم کی اولاد کو چھوڑ کر تمہارا کوئی ایسا لڑکا بھی تھا جس کی تعلیم و تربیت میں تم نے مصیبتیں جھیلی ہوں اور اس بارے میں اللہ تعالیٰ کے عائد کردہ فرض کو پورا کیا ہو؟"

میں نے کہا: اے عزیز خدا تجھ پر رحمت کرے، نہیں! ——— "نہیں" کا یہ لفظ کہتے ہوئے مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے میری زبان پر کسی نے گرم لوہا پھیر دیا ہو،

لڑکے نے جواب دیا: تو آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ہم اس وقت صرف اپنے ماں باپ کو پانی پلا رہے ہیں، انہوں نے ہماری خاطر دنیا میں دُکھ اٹھائے اور اذیتیں برداشت کیں، آج ہم اُن کی خاطر یہ تگ و دو کر رہے ہیں۔ بظاہر تو انہوں نے محض معصوم روحیں اپنے آگے روانہ کی تھیں لیکن فی الحقیقت یہ معصوم روحیں ہی نہیں بلکہ وہ پاک اور صاف زبانیں بھی ہیں جو آج کے دن جب کہ سزا و جزا کے لئے عدالت قائم ہو چکی ہے اُن کی حمایت و مدافعت کا کام دیں گی۔ اور آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ انبیاؑ کی مقدس زبانوں کے بعد آج اگر کسی زبان میں فصاحت و طلاقت پائی جاتی ہے تو وہ ان معصوم بچوں کی زبانیں ہیں۔ آج دیکھ لینا کہ بنی نوع انسان کا کوئی جرم اور کوئی خطا ایسی نہیں ہوگی جس کی مدافعت کرتے ہوئے یہ زبانیں جھجک جائیں!

ابو خالد کہتے ہیں کہ یہ سنتے ہی مجھ پر دیوانگی کا دورہ پڑا اور اپنی لوحِ ذہن میں "بیٹے" کے لفظ کو تلاش کرنے لگا۔ لیکن یہ لفظ میرے حافظے سے بھی گویا اسی طرح محو ہو گیا جس طرح میرے وجود سے! میں ایک بار اپنی عمر بھر کی نمازوں، عبادتوں، اور روزوں، اور تسبیحوں کا تصور باندھنے لگا، لیکن اس سے قبل اُس لڑکے نے ایک قہقہہ بلند کیا جس میں، میں نے اپنی حسرت اور ناکامی و نامرادی کا اعلان سُنا۔

کہنے لگا: افسوس! کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ انسان کے بعض گناہ ایسے ہوتے ہیں جن کا کفارہ نہ نماز ہو سکتی ہے اور نہ روزہ اور نہ کوئی دوسری عبادت، ان کا داغ اگر کوئی چیز دھو سکتی ہے تو صرف اہل و عیال کا فکر و غم دھو سکتا ہے۔

کہنے لگا: ابو خالد! کیا تم نے مجھے پہچانا؟ میں نے پوچھا "تم کون ہو؟ خدا تمہارے طفیل مجھ پر رحمت کرے!

جواب دیا: میں اس فقیر و عیالدار کا بیٹا ہوں جس نے تمہارے شیخ اور صوفی ابراہیم ادہمؒ سے کہا تھا "اے شیخ! تم کتنے خوش قسمت ہو کر شادی اور بیاہ کے جھنجھٹ سے آزاد ہو کر خدا کے ہو رہے ہو!" تو ابراہیم ادہمؒ نے جواب میں کہا: "ہاں مگر یہ جان لو کہ تمہارا وہ فکر و اضطراب جو تمہیں اہل و عیال کی خبر گیری کے باعث لاحق ہوتا ہے ہماری ان تمام عبادتوں اور ریاضتوں سے کہیں بہتر ہے"۔

ابوخالد! میرے باپ نے اپنے دل، اپنے دماغ اور اپنے جسم کے ساتھ جہاد کیا، اپنی ذات کو چھوڑ کر وہ دوسرں کی خاطر فکر وغم میں مبتلا ہوا۔ اور دوسروں کے لئے ہاتھ پاؤں ہلائے۔ جب باوجود فقر و تنگدستی کے اس نے اپنے آپ کو رشتۂ ازدواج میں منسلک کیا تھا تو محض اللہ تعالیٰ کی غیبی امداد و اعانت پر بھروسہ کیا تھا، اور جب وہ ہمیں چھوڑ کر دارِ فنا سے رخصت ہوا تو اس وقت بھی اس نے ہمیں اللہ تعالیٰ کے توکل پر پیچھے چھوڑا۔ وہ دوسرے غازیوں کی طرح ایک میدان کا مجاہد نہیں بے شمار میدانوں کا غازی تھا، یہ غازی اور شہسوار تو ایک ہی مرتبہ شہادت حاصل کرتے ہیں۔ مگر وہ ہمارے فکر وغم میں روزانہ کئی مرتبہ جام شہادت نوش کرتا تھا۔ اور اسی کے صلے میں آج اس پر اللہ تعالیٰ اپنے اکرام و انعام کی بارش کرے گا۔

کیا تم نے ابن المبارک کا وہ قول نہیں سنا جو اس نے ایک غزوہ پر جاتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے کہا تھا۔ ابن المبارک نے اُن سے پوچھا کیا تم وہ عمل جانتے ہو جو ہمارے اس جہاد سے بڑھ کر ہے؟ انھوں نے کہا "نہیں!" کہا "تو سنو! ایک غریب عیالدار اور صابر و شاکر آدمی رات کو اُٹھ کر دیکھتا کہ اس کے بچے سوئے ہوئے ہیں اور کپڑا ناکافی ہونے کے سبب ننگے پڑے ہیں، اور وہ اپنی چادر اُتار کر اُن پر ڈال دیتا ہے اور انہیں پوری طرح ڈھانک دیتا ہے۔ اور خود ایک کونے میں سکڑ کے بیٹھ رہتا ہے، تو اس کا یہ عمل ہمارے اس جہاد و قتال سے کہیں افضل ہے۔

اے ابوخالد! ایک غریب باپ جب اپنا کپڑا اتار کر اپنے بچوں کو گرم رکھنے کے لئے ان پر پھیلا دیتا ہے اور خود تمام رات سردی کی اذیت جھیلتا رہتا ہے تو وہی سردی آج اس کے لئے جنت نے ذخیرہ کر رکھی ہے تاکہ اسے اس میدان کی گرمی اور تپش سے بچائے، یہ اُس کی امانت تھی جو آج جنت اسے ادا کرے گی۔ اور گرمی جو اس نے اپنی چادر اُڑھا کر انہیں مہیا کی آج وہ یہاں دوزخ کی آگ کا مقابلہ کرے گی اور اُسے ایک غریب اور مشفق باپ سے دور رکھے گی۔

ابوخالد کہتے ہیں: یہ کہتے ہی وہ لڑکا مجھے چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔ اتنے میں میں نے ایک بلند اور مہیب آواز سنی: زاہد ابوخالد کہاں ہے؟ میں نے پکار کر کہا: جی حاضر ہوں! آواز آئی تم جنت کے موروں میں سے ایک مور ہو، جس کا باقی جسم تو مکمل ہے لیکن اس کا دلکش ترین حصہ یعنی دُم کٹی ہوئی ہے۔ جس طرح مور کے پیچھے اس کی دلکش اور رنگین دُم اس کی زینت میں چارچاند لگائے ہوئے ہوتی ہے اسی طرح انسان کے پیچھے اس کی اولاد اس کے محاسن کو اُجاگر کرنے کے لئے باقی رہتی ہے۔ بتاؤ تم نے اپنے پیچھے کیا چھوڑا جو تمہاری زینت کا باعث ہوتا! کیا تمہارے خیال میں عورت اس لئے پیدا کی گئی تھی کہ تم اُس سے اپنا دامن بچائے رکھو، اور کیا تمہیں اپنے آباء کی نسل اس لئے بنایا گیا تھا کہ خود تم آئندہ نسل جاری رکھنے سے باز رہو، مانا کہ تم نے ہزاروں رکعتیں اور لاکھوں سجدے نفل نمازوں میں ادا کئے مگر ابوخالد! اس سے بہتر یہ تھا کہ تمہاری صُلب سے سجدہ اور رکوع کرنے والے انسانی اجسام و اعضا وجود میں آتے۔ تم نے اپنی جوانی برباد کر دی، اور اس کے ساتھ اپنی اولاد کو زمین میں گاڑ دیا۔ تم نے ساری عمر ایک معمّر بیٹے کی حیثیت میں گزار دی اور کبھی باپ کے عظیم الشان رُتبہ تک نہ پہونچ سکے ——— تم نے شریعت کے دوسرے احکام کی پابندی تو کر لی مگر دنیا کی حقیقتوں میں سے ایک عظیم الخطر حقیقت کو معطل کر کے چھوڑے رکھا۔ .. ..

ابو خالد کہتے ہیں: یہاں پہونچ کر وہ آواز اتنی شدید اور ہولناک ہو گئی کہ جیسے صُور پھونکا جا رہا ہو، یکایک میری آنکھ کھل گئی، اور میں اس شخص کی مانند ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا جو بیہوشی کے بعد ہوش میں آئے تو اپنے آپ کو کفن میں بندھا اور مٹی کی تہوں کے نیچے دبا ہوا پائے ——— اُس وقت مجھے ہوش آیا اور یہ حقیقت میرے ذہن نشین ہوئی کہ انسان کے لئے گھر بار اور اہل و عیال کی ذمہ داریوں سے دامن بچا کر روحانی ارتقار کی منازل طے کرنا بے شک عالمِ بالا کی طرف پرواز تو ہے .... مگر شیطانی پروں کے ساتھ!!!

(عربی سے براہِ راست ترجمہ)

میرے نام!

دکن سے میرے نام ایک خط آیا ہے، جسے درج ذیل کیا جاتا ہے:-

مورخہ ۲۷ جولائی ۱۹۵۳ء از تعلقہ:- سیڑم ضلع گلبرگہ شریف (دکن) (ہندستان)

... ... ماہر القادری ... ... ایڈیٹر "فاران" کراچی

سلام علیکم! جناب کو اس زمانے سے جانتے ہیں جب کہ آپ کو فلم انڈسٹری اور رنگین مزاجی سے خاص لگاؤ اور دلچسپی تھی، اور آج کے ماہر القادری کو بھی اچھی طرح پہچانتے ہیں، لیکن خدا کا شکر ہے ان دونوں "قادری" میں بہت فرق آ چکا ہے، اس سلسلہ میں ہمیں کئی دن سے تشویش ہو رہی ہے کہ ایسا کیوں؟

ہم آپ سے چند سوالات کے جوابات چاہتے ہیں کیا آپ دیں گے؟

(۱) ہم آپ سے پہلے یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ آپ میں یہ اچانک تغیر کیسے پیدا ہوا اور کب سے؟

(۲) آپ جماعتِ اسلامی کے رکن بھی نہیں تو پھر اس کی حمایت حقیقی جذبہ کے تحت ہے یا پھر ذاتی مفاد کی خاطر (صاف طور سے تسلی بخش جواب ملے)

(۳) پاکستان کا مقصدِ وجود یہ تھا کہ وہاں ایک کامل و خالص اسلامی حکومت قائم ہو لیکن موجودہ حالات میں ہمیں بارہا یہ خیال آیا کہ باوجود جماعتِ اسلامی کی مکمل جدوجہد کے حکومت میں معمولی سی تبدیلی بھی نہ آنے کی وجہ یا تو اسلامی قانون میں خامیاں ہیں یا پھر موجودہ زمانہ میں ان کا چلنا ناممکن!

(۴) دورِ حاضرہ میں اگر کوئی جماعت ترقی پر گامزن ہے تو صرف "کمیونسٹ پارٹی" اور اس کے قوانین بھی کچھ اس طرح کے ہیں کہ اکثریت اس کی تائید و شرکت کرتی ہے۔

لہٰذا

ہمارا خیال یہ ہے کہ کمیونسٹ پارٹی سے ربط رکھ کر ہی ہم لوگ ملک کو ترقی دے سکتے ہیں اور صحیح خدمت بھی!

(نوٹ) امید کہ جناب اگلے شمارہ "فاران" میں ہمارے مندرجہ بالا چار سوالات کے تسلی بخش جوابات دے کر ہمیں ممنون فرمائیں گے نیز ہماری تشویش کو دور کرنے کی سعی کریں گے! فقط

اہلِ سیڑم

(۱) محمد نصیر الدین منیار (۲) محمد عبد الستار سوداگر پارچہ

(۳) محمد حنیف (۴) محمد نصیر الدین ولد لاڈلے صاحب خورشید کرانہ مرچنٹ

جواب

آپ کو اور آپ کے تمام ساتھیوں کو میرا اسلام پہونچے اور اللہ تعالےٰ کی آپ پر رحمت ہو! آپ کو غالباً معلوم تو ہوگا کہ میری جوانی کا بہت بڑا حصّہ دکن میں گزرا ہے اس لئے دکن سے، وہاں کے مناظر، ماحول اور رہنے والوں سے مجھے فطری طور پر دلچسپی ہے، آپ کے خط نے نہ جانے کتنی دبی ہوئی چوٹوں کو اُبھار دیا اور کتنے دھندلے خاکے نکھر کر نگاہوں کے سامنے آگئے زمانہ کے انقلاب نے اُس بساط ہی کو اُلٹ دیا، اور وہ محفل ہی دگرگوں ہوگئی، فردوسی کا یہ شعر:-

ہمین است رسمے سرائے فریب
گہے بر فرازو گہے بر نشیب

اس انقلاب کے بعد پُوری طرح سمجھ میں آیا!

بمبئی میں سال کے سال "انجمن مسلمانان پنجاب" بہت بڑے پیمانہ پر "اقبال ڈے" منایا کرتی تھی، اتنی دھوم کے مشاعرے اور شان دار جلسے پھر دیکھنے میں نہیں آئے، میرا بھی اسی سلسلہ میں وہاں جانا ہوتا تھا اور بمبئی کے جانے کے سبب فلم انڈسٹری سے بھی چند دن کے لئے تعلق پیدا ہوگیا مگر خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس فضا سے جلد نکل بھاگا بے اندازہ مادی منفعت کے علاوہ دلچسپیوں اور رنگینیوں کی وہاں کمی نہ تھی مگر میں جی کڑا کرکے اُس دل کش ماحول سے بس چلا ہی آیا۔

آپ حضرات کی شرافتِ نفس اور عالی ظرفی ہے کہ آپ نے مجھے "رنگین مزاج" کہہ کر میری سیاہ کاریوں کو بہت کچھ دھندلا اور ہلکا کر دیا، اسلام اس کو پسند نہیں کرتا کہ کوئی شخص اپنی زندگی کے تاریک پہلو کو منظرِ عام پر لائے، اس لئے میں بھی سکوت اختیار کرتا ہوں۔

ہر فن کا ایک مزاج ہوتا ہے اور "شعر و افسانہ" کا مزاج "رنگین" ہے! پھر کسی شاعر اور افسانہ نگار کی تھوڑی بہت شہرت ہو جائے تو اس کے لئے اخلاقی اعتبار سے اور زیادہ خطرے ہیں! شاید اسی لئے اسلام نے شاعری کی حوصلہ افزائی نہیں کی کہ اس دریا میں جو کوئی ڈوبنے سے بچ رہے گا وہ تردامن تو ضرور ہو جائے گا، عشقیہ شاعری اخلاق و شائستگی کے حدود میں رہ کر بھی تھوڑی سی غفلت، سرشاری، بے راہ روی اور بے اعتدالی کا مطالبہ کرتی ہے اور شاعروں کے لئے اس مطالبہ سے صرفِ نظر کرنا مشکل ہے!

اب آپ اپنے سوالات کے جوابات ملاحظہ فرمائیے:

(۱) آپ جو میری زندگی میں فرق محسوس فرما رہے ہیں اُس کا اندازہ آپ نے میری تحریروں سے کیا ہے، میں کسی انکسارِ نفس کے بغیر عرض کرتا ہوں کہ میں ابھی "قال" کی منزل میں ہوں، دُعا فرمائیے کہ قول فعل سے اور "قال" "حال" سے بدل جائے! میری زندگی کے جس دور کی طرف آپ نے اشارہ فرمایا ہے، تو اس دور میں بھی میں نے بحمداللہ بُرائی کو بُرائی ہی سمجھا، اور نفسِ امارہ کی سرمستیاں زاویہ نگاہ اور معتقدات کو متاثر نہ کر سکیں،

مشہور رباعی گو شاعر سرمد کی زندگی، عقاید اور دوسرے حالات بہت کچھ مشتبہ اور مبہم ہیں مگر اُس نے بڑی حکیمانہ باتیں کہی ہیں:-

؎ صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

تو میں بھی اپنے رب اور خالق کے حضور توبہ و ندامت اور عجز و نیاز پیش کرتا رہا ہوں، ندامت کے یہی چند آنسو،

کیا عجب ہے کہ میری مغفرت کا سبب بن جائیں!

مجھ میں جو کچھ تھوڑی بہت تبدیلی آئی ہے، وہ اچانک نہیں آئی، اس میں تدریج پائی جاتی ہے! اور اس تدریج کا نفسیاتی تجزیہ کرنا بہت مشکل ہے! صرف ایک واقعہ لکھتا ہوں، اُس سے آپ کچھ اندازہ کر سکیں گے!

حیدر آباد دکن کی اقامت ترک کرنے کے بعد میں دہلی چلا آیا اور سبزی منڈی کا وہ علاقہ (شورہ کوٹھی) جس کے آس پاس مہا سبھائیوں کا گڑھ تھا، میری رہائش تھی تقسیم ہند سے پہلے بہار اور پھر دہلی کے قریب ہی گڑھ مکتیشر میں مسلمانوں کے قتلِ عام نے فضا کو کافی مکدر کر دیا تھا اور مسلمان اُن علاقوں میں جہاں وہ بہت زیادہ اقلیت میں تھے اپنے لئے خطرات محسوس کر رہے تھے!

شورہ کوٹھی کے چند درد مند مسلمانوں میں اصلاح کا جذبہ پیدا ہوا، یہ وہ لوگ تھے جو نماز کے پابند تھے، ایک مختصر سی مجلسِ مشورت میں خاکسار نے عرض کیا کہ ہمیں اپنے کام کا آغاز ایک معروف کے قیام اور ایک "منکر" کے مٹانے سے کرنا چاہیئے، ہمیں محلہ کے لوگوں میں نماز کی تلقین کرنی چاہیئے کیونکہ وہ شخص جو مسلسل نمازیں قضا کرتا ہے اور ہفتوں اور مہینوں خدا کے سامنے سجدہ نہیں کرتا بس نام اور ضابطہ ہی کا مسلمان ہے ——— اور اس زمانہ میں "سینما" طرح طرح کے مفاسد اور بد اخلاقیوں کے پھیلنے کا ذریعہ بنا ہوا ہے، لہذا مسلمانوں کو اس سے روکنے کی سعی کرنی چاہیئے، میری اس تجویز کو سب نے پسند کیا اور اسی نشست میں سب سے پہلے ہم لوگوں نے قسم کھائی کہ ہم میں سے کوئی شخص سینما نہیں دیکھے گا! وہ دن ہے اور آج کا دن ہے اللہ کے فضل سے میں اپنے عہد اور قول و قسم پر قایم ہوں! ایک وہ دور کہ فلم انڈسٹری سے معیشت و روزگار کا تعلق اور اب یہ عالم کہ سینما ہاؤسوں پر تماشائیوں کی بھیڑ دیکھ کر دُکھ ہوتا ہے۔

(۲) آپ نے ٹھیک کہا کہ جماعتِ اسلامی کا میں رکن نہیں ہوں، اگر میں جماعت کی رُکنیت کے لئے درخواست بھی کروں تو خدا کے یہ نیک اور فرض شناس بندے مجھے صرف درخواست پر جماعت کا رکن بنائیں گے بھی نہیں! جماعتِ اسلامی کی رُکنیت کا معیار "تقویٰ" ہے اور جماعت خوب ٹھونک بجا کر کسی کو اپنی رکنیت میں قبول کرتی ہے!

جماعتِ اسلامی کی حمایت میں اس لئے کرتا ہوں کہ اُسے میں حق پر سمجھتا ہوں، میرا خیال نہیں یقین ہے کہ صدیوں کے بعد مسلمانوں میں ایسی جماعت پیدا ہوئی ہے جو اللہ کے پورے کے پورے دین کو برپا اور قایم کرنا چاہتی ہے اور جو زندگی کے کسی شعبہ کو بھی اللہ اور رسولؐ کے احکام سے مستثنیٰ اور آزاد قرار نہیں دیتی!

یہ آپ نے عجیب سوال کیا ہے کہ میں کسی مفاد کے تحت تو جماعتِ اسلامی کی حمایت نہیں کرتا؟ بھائی! جماعتِ اسلامی تو اُن قلندروں کی جماعت ہے جو اپنا پیٹ کاٹ کر جماعت کی مالی اعانت کرتے ہیں، اُن سے کسی دُنیوی مفاد کی کیا توقع ہو سکتی ہے؟ جماعت کی حمایت کرنے والا تو پاکستان میں بہت سے دنیوی مفادات سے محروم ہو جاتا ہے بلکہ ہر آن ہر طرح کے نقصان مضرت اور خطرے کا امکان ہے!

یہاں پاکستان میں دُنیوی مفادات تو جماعتِ اسلامی کی مخالفت سے حاصل ہوتے ہیں، نہ جانے کتنے ادیب، شاعر اور انشا پرداز ہیں کہ ان کو جماعتِ اسلامی کی مخالفت کے طفیل میں طرح طرح سے نوازا جا رہا ہے، کسی کی باقاعدہ تنخواہ مقرر ہے، کسی کو ریڈیو پر، پروگرام ملتے ہیں، کسی کے رسالے اور اخبار کو سرکاری اشتہارات دیئے جاتے ہیں!

میرا مقصدِ حیات اگر حصولِ مفاد ہوتا تو دوسروں کی طرح میں بھی جماعتِ اسلامی کی مخالفت کر کے قلم کے زور سے بہت کچھ فائدے حاصل کر سکتا تھا، یہ نہیں ہے کہ فایدے حاصل کرنے کے ڈھنگ مجھے نہیں آتے مگر اللہ کا فضل اور اُس کا کرم ہے کہ میں اس ضمیر فروشی اور دین و ایمان کی سوداگری کے لئے کسی قیمت پر بھی اپنے کو آمادہ نہیں پاتا! حق کی

حمایت پھولوں کی سیج نہیں کانٹوں کا بستر ہے!

(۳) پاکستان کی دستور ساز اسمبلی "قرار داد مقاصد" منظور کر کے اور کتاب و سنت کو اپنے دستور کی بنیاد اور ماخذ مان کر، پاکستان کے اسلامی حکومت کا اعلان تو کر چکی ہے مگر افسوس ہے "قرار داد مقاصد" ابھی تک زینتِ قرطاس ہے اُس پر عمل نہیں ہوا، تو اس صورت میں جب کہ یہاں اسلامی نظام ہی قایم نہیں ہوا آپ کا یہ کہنا "اس کا سبب اسلامی قانون کی خامیاں تو نہیں ہیں" کس قدر بعید از حقیقت اور خلافِ واقعہ ہے! پاکستان میں اسلامی قانون ابھی تک آزمائے ہی نہیں گئے، پھر اُن کی خامیاں اور اچھائیاں کس طرح ظاہر ہو جاتیں! ایک طبیب کے انتہائی اصرار کے باوجود کوئی مریض نسخہ ہی نہیں پیتا اور نسخہ نہ پینے کے سبب کمزور ہوتا چلا جاتا ہے تو اس میں بیچارے طبیب کا کیا قصور ہے اور مریض کی کمزوری اور صحت کی ابتری کا سبب "نسخہ کی خامی" کو قرار دینا کہاں تک درست ہے!

جماعتِ اسلامی اپنی بساط، امکان اور وسعت و طاقت کے مطابق نظام اسلامی کے لئے جو کچھ اُس سے ہو سکتا ہے کر رہی ہے، وہ ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے کام اور مقصد سے غافل نہیں ہے، جماعت کے امیر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کیلئے سزائے موت اور پھر جنم قید کا حکم، ارکان کے لئے قید و بند کا فرمان، دفتروں کے سامان کی ضبطی، اُس کے اخباروں کی بندش اور طرح طرح کی مزاحمتوں اور دشواریوں کے باوجود جماعتِ اسلامی اپنا کام کئے جا رہی ہے،

ہدایت و کامیابی صرف خدا کے ہاتھ میں ہے اور حالات کا بدلنا بھی اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے یہ کسی انسان کے بس کی بات نہیں ہے، پس جماعتِ اسلامی جس چیز کو حق سمجھتی ہے اُس کے لئے وہ پورے ثبات و عزم اور خلوص و بے غرضی کے ساتھ جدوجہد میں مشغول ہے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کسی جماعت یا فرد سے یہ سوال نہیں کرے گا، کہ ایسا کیوں نہ ہوگیا؟ تم نے حالات کو بدل کیوں نہیں دیا؟ محاسبہ اس کا ہوگا کہ تم نے حالات کے بدلنے کے لئے کیا کیا؟ بندہ عمل و تدبیر کے مکلف ہے، تکوین، تخلیق اور تغیر و کامیابی کی ذمہ داری اُس پر عاید نہیں ہوتی!

پاکستان میں اسلامی نظام کے برپا نہ ہونے سے یہ نتیجہ نکالنا کہ اسلامی قانون میں کوئی خامی ہے یا وہ اس زمانہ میں چل نہیں سکتا ایک انمل بے جوڑ بات ہے!

ہندستان میں انگریزوں کی غلامی سے نجات پانے اور آزادی حاصل کرنے کے لئے کتنی مدت تک جدوجہد ہوتی رہی مگر ۱۹۴۶ء تک آزادی کامل کے تھوڑے بہت آثار بھی نظر نہ آتے تھے ——— اس سے یہ نتیجہ تو نہیں نکالا جا سکتا تھا کہ حالت کے نہ بدلنے میں "آزادی" کا قصور تھا اور مطالبہ آزادی ہی سے دست بردار ہو جانا چاہیئے تھا، حکومتوں اور قوموں میں انقلاب بڑی صبر آزما جدوجہد کے بعد آتے ہیں، حضور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کے خلوص، ایثار اور جدوجہد کی نہ کمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے اور نہ کیفیت کا! مگر اس انقلاب کے ظہور میں تیرہ سال کی مدت صرف ہوئی!

پاکستان میں اسلامی انقلاب اُس وقت آئے گا جب یہاں اسلام پسند طبقہ کی جدوجہد اُس نقطہ پر پہونچ جائے گی، جو انقلابات کے طبعی ظہور کا باعث ہوتی ہے"!

(۴) آپ کے سوالات اور اندازِ تحریر سے ایسا مُترشح ہوتا ہے کہ دکن میں مسلمانوں پر جو تباہی آئی ہے اور وہاں کے حالات میں ابتری پیدا ہوگئی ہے اس نے آپ کو نہ صرف یہ کہ گھبرا دیا ہے بلکہ حالات کی شدت اور انقلاب کی رو کے آگے سپر انداختہ ہو جانے کی "انفعالیت" سی پیدا کر دی ہے! میرے کانوں تک تو اتر کے ساتھ یہ افسوسناک اطلاعیں پہونچی ہیں کہ دکن کے نوجوان مسلمان کمیونزم سے متاثر ہوتے جا رہے ہیں!

پہلے اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ کسی تحریک کا صرف چل پڑنا اُس کے اچھے، مفید اور صالح ہونے کی دلیل

نہیں ہے، اس دُنیا میں بہت سی غلط چیزیں بھی چل پڑتی ہیں بلکہ چل ہی رہی ہیں، ہٹلر کو جو پندرہ بیس سال جرمنی میں غیر معمولی اقتدار اور قوت حاصل ہوا تھا اور ہٹلر کی سیاست، زمانہ شناسی، طاقت اور جبروت کا ڈنکا بج رہا تھا، تو بعض کمزور طبیعت اور منفعل ذہنیت کے لوگ اس طرز پر سوچنے لگے تھے کہ "ڈکٹیٹر شپ" ہی میں دُنیا کی نجات ہے، اسی طرح آج "کمیونزم" کو مقبول دیکھ کر لوگ سمجھتے ہیں کہ اسی کے قبول کر لینے میں دُنیا کی بھلائی ہے!

کمیونزم کے بارے میں افسوس ہے کہ آپ جیسے ذہین اور ہوشمند افراد بھی ہنوز غلط فہمیوں اور خوش اندیشیوں میں مبتلا ہیں، حالانکہ سوویٹ روس کا آہنی پردہ (Iron curtain) بہت کچھ اُٹھ چکا ہے اور شدید سنسر اور سخت احتساب کے باوجود روس کی حکومت واقعات کو چھپا نہیں سکی یا یوں سمجھئے کہ واقعات چھپ نہیں سکے!

کیا آپ کے کانوں تک یہ مستند واقعات نہیں پہونچے کہ سوویٹ روس کا تخت وہاں کے لاکھوں کسانوں کی لاشوں پر بچھایا گیا تھا، کیا آپ نے نہیں سُنا کہ اسٹالن نے اپنے کسی مخالف اور معترض کو برداشت ہی نہیں کیا، جیل خانہ نہیں، پستول، بندوق کی گولی اور پھانسی کا تختہ تھی اسٹالن کے معترض، ناقد اور مخالفت کی سزا! کیا آپ کو نہیں معلوم کہ روس میں آج تک معیشت و معاش کے اعتبار سے زندگیوں میں بہت زیادہ تفاوت پایا جاتا ہے، وہاں بھی ایسے کھاتے پیتے اور خوش حال افراد موجود ہیں جن کی ہزاروں روبل ماہوار آمدنی ہے اور ایسے لوگ بھی ہیں جو سیکڑوں روبل سے زیادہ نہیں کما سکتے، وہاں کی ریلوں، ناچ گھروں اور سینما ہاؤسوں میں بھی اونچے اور نیچے درجے پائے جاتے ہیں، اور رہن سہن، پوشاک، خورد و نوش اور زندگی کے دوسرے تکلفات کے اعتبار سے زندگیوں میں کافی تفاوت ملتا ہے - غلط کہتا ہے جو کہتا ہے کہ روس میں دولت، آمدنی اور معیشت کے اعتبار سے طبقات نہیں ہیں، یہ صریحی غلط بیانی اور کھلا ہوا جھوٹ ہے! روس کے خاص دار الحکومت میں اونچے طبقہ کی آبادی بھی ہے، جہاں خوشنما پارک، مصفا اور وسیع سڑکیں اور ہر طرح کی تفریح گاہیں اور دیدہ زیب عمارتیں ہیں، اور غریبوں کے محلہ میں غلاظت کے انبار اور کوڑے کرکٹ کے ڈھیر نظر آتے ہیں، وہاں ایک خاندان کے لئے جس میں چار پانچ افراد سے زیادہ نہیں ہیں، کشادہ بنگلے اور وسیع کوٹھیاں ہیں اور ایک وہ خاندان بھی ہے جس میں پندرہ پندرہ افراد ہیں، ان کو چند فٹ کے ایک فلیٹ میں رہنا پڑتا ہے -

امریکہ میں سرمایہ داری لوگوں میں بٹی ہوئی ہے اور روس میں وہ مجتمع اور مشترک ہے! سرمایہ داری کی مفرتیں اور لعنتیں روس میں بھی پائی جاتی ہیں، وہاں بھی زندگیوں کا معیار یکساں نہیں ہے، اور عوام کے مقابلہ میں خواص بہت زیادہ خوش حال اور عیش آرام کی زندگی بسر کرتے ہیں!

آج ساری دُنیا میں جمہوریت کا چلن ہے اور دنیا کے ہر خطہ میں کسی نہ کسی حد تک عوام کو آزادیٔ رائے کی اجازت ہے مگر روس میں کس کی مجال ہے جو حکومت کے کسی قول و فعل پر تنقید کر سکے! روس میں وہی کتابیں، اخبار اور رسالے پڑھے جاتے ہیں جن کی حکومت اجازت دیتی ہے، روس کے رہنے والے غیر ممالک کے لوگوں سے خط و کتابت نہیں کر سکتے، حقیقت یہ ہے کہ سوویٹ روس نے عوام کی آزادی پر دست درازی کرنے میں، زار کی ظالمانہ شہنشاہی کو بھی کوسوں پیچھے چھوڑ دیا ہے!

بابائے اشتراکیت کارل مارکس کا فلسفہ اور اُس کے نظریات سو فی صدی وجود باری تعالیٰ کی "نفی" پر مبنی تھے، اس یہودی مفکر نے انسان کی تمام زندگی اور اُس کے عواطف و میلانات کو "معدے" کے محور پر گھما دیا ہے، اس کا مذہب صرف "پیٹ پوجا" ہے، اخلاق، روحانیت، پاکیزگی، شرافتِ نفس اور صفائے ضمیر کا اُس کے یہاں دور دور پتہ نہیں! کمیونزم حقیقت میں خدا اور اخلاق کے خلاف منظم بغاوت ہے، اور مجھے حیرت ہے کہ ایک مسلمان جو خدا، رسولؐ، وحی، خیر و شر، جنت، دوزخ اور حشر و نشر پر ایمان رکھتا ہے، وہ "کمیونزم" کو کس طرح قبول کر سکتا ہے! خدا کی محبت اور کمیونزم ایک دل میں جمع

ہو ہی نہیں سکتے، یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں!
کمیونزم اخلاق کی مستقل قدروں کا ہی سرے سے منکر ہے، اُس کے نقطۂ نگاہ سے موسموں کے تغیر اور چیزوں کی قیمتوں کی طرح اخلاق کا بھاؤ بھی اُترتا چڑھتا بلکہ ادلتا بدلتا رہتا ہے، یعنی حالات کے لحاظ سے آج کی "بُرائی" کل کی "نیکی" بھی بن سکتی ہے! روس کی حکومت میں اخلاق کا کوئی معیار ہی نہیں ہے، زناکاری کو وہاں "آزاد محبت" (FREE LOVE) اور "باہمی پسندیدگی" کی سندِ جواز عطا کر دی گئی ہے، جس طرح عیش پرست شہنشاہ اپنی ہوس رانیوں کے لئے کچھ بہانے، اصطلاحیں اور رخصتیں تراش لیا کرتے تھے، یہی رنگ روسی حکومت میں نظر آتا ہے!
ایک مسلمان کے لئے سب سے بڑی چیز اُس کا ایمان ہے اور وہ اس متاعِ بے بہا کو کسی بڑی سے بڑی نعمت کے بدلے میں بھی نہیں دے سکتا، بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ کمیونزم "جنت" ہی ہے! لیکن اسلام نے جو زاویۂ فکر و نگاہ ہمیں بخشا ہے، اُس کے اعتبار سے یہ اشتراکی جنت، ہمارے لئے دوزخ سے بدتر ہے!
کوئی شک نہیں کہ دکن میں مسلمانوں کو معاشی پریشانیوں میں مبتلا کیا جا رہا ہے اور معیشت و روزگار کی راہیں اُن پر بہت تنگ کر دی گئی ہیں، لیکن اس کے یہ معنی تو نہیں ہیں کہ ایک مسلمان حوادث و مصائب سے گھبرا کر اپنے دین و ایمان کو خیرباد کہہ دے، ایک مسلمان کے لئے یہ بڑے خسارے کی تجارت ہے جس میں سو فی صدی گھاٹا ہے! دُنیا کی ہر بڑی سے بڑی مصیبت بہرحال کسی نہ کسی طرح گزر ہی جاتی ہے، موت بہرحال ایک نہ ایک دن آنی ہے، جہاں ہمیشہ رہنا ہے اُس کی فکر کرنی چاہیئے، دنیا چاہے کتنی ہی بگڑ جائے مگر آخرت نہ بگڑنے پائے، جس مسلمان نے اس نکتہ کو سمجھ لیا، انشاء اللہ تلوار کی دھار اور پھانسی کے تختہ پر بھی وہ ثابت قدم رہے گا!
ہندستان کے کافرانہ پُرخطر ماحول میں جو مسلمان صبر و استقامت کے ساتھ ایمان اور اسلام پر جما رہے گا کیا عجب ہے کہ اُس کو آخرت میں شہداء کی معیت نصیب ہو!
اپنے رفقاء کو میرا سلام اور پیام پہونچا دیجئے اور اُن سے کہیئے کہ ہر مسرت اور ہر مصیبت پر رضائے الٰہی کو مقدم رکھیں بس پھر بیڑا پار ہے!

آپ کا مخلص بھائی

ماہر القادری

سیرت نمبر

کی اشاعت کا ارادہ ملتوی کرنا پڑا، اس لئے کہ جن حضرات نے مضامین لکھنے کا وعدہ فرمایا تھا، ان کی اکثریت قید و بند میں ہے، ان میں سے صرف مولانا مسعود عالم ندوی حال ہی میں چھوٹ کر آئے ہیں، ہوتا وہی ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے، آدمی کا ارادہ اور اُس کی کوشش ہی کیا!

(م - ق)

مسعود عالم ندوی

روداد قفس

یہ اس مردِ حق پرست کی ڈائری کے چند اوراق ہیں، جس کی عربی تحریروں کو مصر شام اور حجاز و عراق کے ادیب آنکھوں سے لگاتے ہیں، مولانا مسعود عالم ندوی پاکستان اور ہندستان کے "شکیب ارسلان" ہیں، اس قابلیت فکر و نظر دماغ اور بصیرت کا آدمی یورپ میں پیدا ہوتا، تو وہاں کی حکومتیں نہ جانے کس کس عنوان سے اُس کی قدر کرتیں، مگر پاکستان کی اسلامی حکومت کی قدر شناسی کی داد دیجئے کہ اُس نے مولانا موصوف کو ان کا جُرم بتلائے بغیر جیل بھیج دیا، اور پھر چند ماہ کے اس حبسِ بے جا کے بعد رہا بھی کردیا!

مولانا مسعود عالم ندوی ضیق النفس کے مریض ہیں، مگر اُن کے عزم و استقامت پر درود و سلام کہ انھوں نے اس جانکاہ بیماری میں قید و بند کے شدائد صبر و شکر کے ساتھ گزار دیئے!

جماعتِ اسلامی جو پاکستان میں اللہ کے دین کو پُورے کا پورا قائم کرنے کے لئے جد و جہد کر رہی ہے، ہمارے اربابِ اقتدار کے عتاب و خفگی کا سب سے زیادہ نشانہ بنی ہوئی ہے، مولانا مسعود عالم ندوی اس جماعت کی مجلسِ شوریٰ کے رکن ہیں، اس لئے اسی نسبت اور تعلق کی بنا پر اُن کو قید و بند کی مصیبت سے دو چار ہونا پڑا۔

مولانا موصوف کی تحریر سے صاف جھلکتا ہے کہ اُنھوں نے زبان و قلم کی پابندی کے دور میں جذبات کا خون کرکے یہ ڈائری لکھی ہے اور شدید ضبط فغاں سے کام لیا ہے، مگر مظلومیت کا یہ دور ہمیشہ تو نہ رہے گا، ایک دن ایسا بھی آئے گا جب واقعات اپنے اصلی اور حقیقی روپ میں ظاہر ہوں گے، اور جُرم و سازش کے چہروں پر نقابیں نہ رہ سکیں گی!

(م - ق)

---

۲۸ مارچ ۵۳ء کی صبح کو گرفتار ہوا اور ۲ اگست کی دوپہر کو رہائی عمل میں آئی — مدیر "فاران" کا حکم ہے کہ اپنے تاثرات قلم بند کرکے بھیجوں، جی چاہا کہ کچھ لکھوں، مگر پھر قلم رک گیا۔ اور یہ

رکاوٹ نئی نہیں۔ جیل کے اندر بھی یہ رکاوٹ قائم رہی ۔

جیل میں داخل ہوتے ہی تخیل نے ایک شاندار پروگرام بنا ڈالا۔ لکھنے پڑھنے کا مفصل خاکہ تیار ہوگیا۔ مگر جلدی ہی اندازہ ہوا کہ تصنیف و تالیف کی راہ میں بڑی دشواریاں ہیں۔ اوّل تو تحریری اجازت نامہ ضروری ہے۔ یہ "جوئے شیر" کون لائے؟ اور پھر طبیعت کا اندازہ یہ کہ 'درخواست' کے نام ہی سے وحشت ہو، دوسری طرف بیس بائیس سال سے میز کرسی پر لکھنے پڑھنے کا عادی! اور یہاں پلنگ اور ہموار فرش زمین بھی میسر نہیں۔ آخر ہار مان کر روز نامچہ نویسی شروع کی۔ مگر دوستوں نے ڈرایا کہ تیز و تند افکار کا باہر نکلنا آسان نہیں، مجبوری میں رک رک کر اور دامن بچا بچا کر لکھنا شروع کیا، لیکن طبیعت جلدی ہی اس تنگی اور خود عائد کردہ پابندی سے تنگ آ گئی۔ اور صرف مطالعہ پر قناعت کرنا پڑی، جس کا سلسلہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے رہائی کے دن تک جاری رہا۔

مدیر فاران کے حکم کی تعمیل میں جیل کی زندگی کے پہلے دو ہفتوں کے "تاثرات" حاضر ہیں اگر ان میں "لطفِ سخن" محسوس ہو، تو اس کا سہرا حکومت کے سر ہے، جس نے اپنی مہمانی سے نوازا، اور بے لطفی کو میری کند طبیعت اور کج مج قلم کے جمود پر محمول کیجئے ! (م - ع)

---

۲۸ / مارچ ۱۹۵۳ سنہ ء رات تکلیف سے کٹی۔ چار بجے صبح کو گرفتاری عمل میں آئی، گیارہ بجے اندر داخل ہوئے بارک نمبر ۱۴ میں قیام ہے۔ حافظ اسمٰعیل صاحب ذبیح اور مولوی عارف اللہ صاحب یہاں پہلے سے ہیں، بغل کے کمرے میں ایک عیسائی اور تین دوسرے صاحبان ہیں۔ ان میں صرف ایک سیاسی قیدی ہیں۔ باقی تین مختلف اخلاقی جرموں کی پاداش میں یہاں لائے گئے ہیں۔

۲۹ / مارچ ۱۹۵۳ سنہ ء عنفوان شباب سے سیاسیات کا مذاق رہا۔ اور قید و بند بھی زندگی کے پروگرام میں داخل تھا، مگر حالات ایسے رہے کہ علمی و ادبی مشغلہ بڑھتا گیا اور عملی سیاسیات سے دوری ہوتی گئی۔ تقسیم کے بعد سے جماعتِ اسلامی سیاسی جماعت شمار ہونے لگی۔ موجودہ طرزِ تعلیم سے متاثر اور جدید تمدن سے مرعوب طبقہ کے لئے دین کی ہمہ گیر حیثیت کا سمجھنا دشوار ہوتا ہے۔ مسلسل تبلیغ و دعوت کے باوجود ان لوگوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ دین ایک ہمہ گیر نظامِ حیات کا نام ہے، جس میں انسان کی تمام روحانی و مادی مشکلات و ضروریات کا حل موجود ہے۔ اور یہ اسی ناسمجھی کا نتیجہ ہے کہ صلحاء اور متدین لوگوں کو سرکاری عملہ سے الگ کیا جاتا ہے اور خوفِ خدا سے خالی لوگ حکومت کی مشنری پر قابض نظر آتے ہیں ——— بہر حال جماعت اسلامی اور اس کی شوریٰ کی رکنیت ہی اس ابتلا کا باعث ہوئی۔ مومن کی شان یہ ہے کہ ابتلا کو دعوت نہ دے، اور ابتلاء آ جائے تو پھر اللہ سے ثبات و استقامت کی توفیق طلب کرے۔

۳۰ / مارچ ۱۹۵۳ سنہ ء صادق پور[1] اور سید صاحب[2] کی جماعت کی روداد الم لکھی اور ان جان نثار ان دین و ملت کے تذکرے بہت پڑھے۔ ائمہ اسلام میں احمد بن حنبل[3] سے زیادہ کسی کی شخصیت محبوب نہیں،

---

[1] پٹنہ عظیم آباد کا ایک محلہ، جو حضرت سید شہیدؒ کی تحریک تجدید و جہاد کا مرکز تھا، اور مسلسل چالیس پچاس سال تک جس نے اس تحریک کی قیادت کی۔ [2] حضرت سید احمد شہید بریلوی، شہید بالاکوٹ (۱۲۴۶ھ ۱۸۳۱ء) [3] امام اہلِ سنت احمد بن حنبل شیبانی ——— (ت ۲۴۱ سنہ ھ) جنھوں نے دور عباسی میں فتنہ خلق قرآن کا مقابلہ کر کے دین کی تجدید کی۔

علمائے ہند میں شاہ اسمٰعیل شہید[1] اور ان کے مرشد حضرت سید احمد شہیدؒ کی سیرتیں سب سے زیادہ سبق آموز اور عبرت خیز نظر آتی ہیں ——— بارہ تیرہ برس کی عمر سے زندگی کا یہی انداز رہا۔ اب کہ قافلۂ عمر ۴۳ ویں منزل عبور کر چکا ہے، اس راہ سے گزرنے کا شرف حاصل ہو رہا ہے، جس سے ہزاروں بلکہ لاکھوں مردانِ حق گزر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مدد فرمائے اور اپنے فضلِ خاص سے نوازے۔

۳۱ / مارچ سنہ ۱۹۵۳ء

ہر جگہ کے آداب ہوتے ہیں۔ آج یہاں افسرِ اعلیٰ کی آمد آمد ہے۔ بڑی تیاریاں ہیں۔ اچھے لکھے پڑھے نظر بند اور سزا یافتہ سیاسی قیدی بھی مرعوب ہیں۔ دوسری طرف چھوٹے موٹے افسروں کا یہ حال ہے کہ انگریزی کے بغیر لقمہ توڑنے کو تیار نہیں۔ ہم لوگ، الحمد للہ، ان کوتاہ خیالیوں سے بلند اور انکی انگریزی نوازی سے مرعوب نہیں ——— آخر وہ ساعت گزر گئی اور آنے والے ہمارے پاس سے کچھ مرعوب ہی گئے۔ آس پاس کے اصحاب پوچھنے لگے "کیا بات ہوئی؟" احساس کمتری اور غلامانہ ذہنیت یہاں بھی باقی ہے۔

یکم اپریل سنہ ۱۹۵۳ء

اسی ماحول میں بعض قابل جوہر بھی ہیں۔ . . . . . کے ایک فوجی افسر کی شخصیت بڑی سادہ اور جاذب ہے۔ وہ پورے سپاہی ہیں، جہاں دیدہ اور حوصلہ مند ——— دین کا علم نہیں، مگر دل جذبہ سے معمور۔ دو چار گفتگوؤں ہی میں متاثر ہوئے۔ غازی صاحب کی انگریزی دانی نے بھی انھیں بڑی حد تک سوچنے پر مجبور کر دیا۔ وہ سمجھے کہ یہ لوگ عام . . . . . سے الگ ہیں، جلدی ہی ہمارے ساتھ جماعت سے نماز بھی پڑھنے لگے۔ ان کے علاوہ اس بارک کے تمام مقیمین بھی ہمارے ساتھ ہی نماز پڑھتے ہیں، مگر ایک صاحب ہیں جو الگ نماز پڑھتے ہیں اور اس کا ان سادہ دل لوگوں پر بُرا اثر پڑتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ جب ایک ساتھ نماز نہیں پڑھ سکتے، تو پھر کوئی تحریک کیا چلا سکتے ہیں؟

؎ کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا؟

۲ / اپریل سنہ ۱۹۵۳ء

اس بارک میں آج چھٹا روز ہے۔ ماحول سے مانوس ہو گئے تھے اور پروگرام مرتب ہو رہا تھا۔ لکھنے پڑھنے کے اوقات بھی نظم میں آ رہے تھے کہ یکایک اطلاع ملی کہ دوسرے وارڈ میں منتقل ہونے کا حکم ہوا اور آناً فاناً ہم دوسری جگہ اُٹھ آئے۔ اور پھر از سرِ نو نظم و نسق کی فکر دامن گیر ہوئی۔

۳ / اپریل سنہ ۱۹۵۳ء

یہ نئی دنیا ہے، سیفٹی ایکٹ کے زخمی یہاں علاج کے لئے جمع کئے جاتے ہیں، مریضوں میں علمائے کرام کی بڑی تعداد ہے۔ اذان اور نماز کا بڑا اہتمام ہے، مطبخ کا نظم بھی اجتماعی ہے۔ مگر اس ظاہری نظم و اجتماع کے پیچھے تفرق و انتشار کا عمل جاری ہے، دو چار نوجوان، جو اس قافلہ میں ہیں، ان پر ان کی اس روش کا بُرا اثر پڑتا ہے۔

پہلی اقامت گاہ میں عام لوگوں اور جدید تعلیم یافتہ لوگوں سے واسطہ تھا، تو سکون تھا اور دل مطمئن کہ یہاں بھی کام کے لئے مواد خام موجود ہے، مگر یہ دنیا ہی دوسری ہے۔ ہر آن نکتہ چینی، اپنے مشرب اور اسکول کی ثنا خوانی اور دوسروں پر طعن و تشنیع ان بزرگوں کا عام شیوہ ہے۔ جیل کے اندر بھی یہ "حضرات" اپنی جگہ پر ہیں، اللہ اللہ! جس قوم کے رہبروں کا یہ حال ہو، اس کی اصلاح کی راہ کس قدر دشوار گزار ہوگی؟

بہر کیف ہم اس ماحول سے اپنے کو مانوس کر رہے ہیں اور ان پابندیوں کے اندر جو کچھ ہو سکتا ہے، اس میں کوتاہی نہیں کی جائے گی۔

---

[1] سید شہیدؒ کے دست راست اور تحریک تجدید جہاد کے داعی و مفکر اور قائد مولانا اسمٰعیل شہید دہلوی شہید بالاکوٹ (سنہ ۱۲۴۶ھ)

آج جیل میں پہلا جمعہ تھا، مگر علما نے ظہر پڑھی - ہم تو جمعہ پڑھنا چاہتے تھے، مگر ان کے ہاں وجوب جمعہ کی شرطیں پوری نہیں ہوئیں - حدیث میں کوئی شرط نہیں، مگر متاخر فقہا نے بے شمار شرطیں بلا وجہ عائد کر رکھی ہیں، جمعہ اسلام کا شعار ہے، مگر ہمارے علماء "فقہی مذاہب" کے حدود سے باہر نکلنے کے لئے تیار نہیں -

۴ر اپریل سنہ ۱۹۵۳ء نظر بندوں میں گجرات سے آئے ہوئے کچھ ہمارے رفیق بھی ہیں، یہ قافلہ ایک رکن اور چند ہمدردوں پر مشتمل ہے، بعضوں سے تعارف تھا اور کچھ نئے چہرے نظر آئے، محسوس کیا کہ یہ حضرات بھی ماحول سے بلند نظر نہیں آ رہے ہیں، بالکل بے اصول اور غیر منظم زندگی نظر بندوں کا شعار معلوم ہوتی ہے، صرف وقت گزاری سے انہیں مطلب ہے، کوشش کی گئی کہ دعوت حق سے متاثر اور ہمارے طریق کار سے متفق اصحاب یہاں نظم و ترتیب کے ساتھ زندگی گزاریں اور دوسروں کے لئے نمونہ کا کام دیں - اثر اچھا ہوا - انشاء اللہ آگے چل کر اس کے اور زیادہ اثرات محسوس ہوں گے -

۵ر اپریل سنہ ۱۹۵۳ء کل ہماری پہلی "ملاقات" تھی - یہ جیل کی زبان میں لکھ رہا ہوں، جیل کی ایک خاص زبان (TERMINOLOGY) ہے "ملاقات" ان میں سب سے خوش آئند کلمہ ہے - اسیران قفص سے جب عزیز دوست ملنے آئیں، تو کیوں خوشی نہ ہو؟

ایک پرزہ ملا "تمہاری ملاقات ہے، فوراً تیار ہو جاؤ" ہم لوگ ڈیوڑھی پہونچے - "ڈیوڑھی" جیل اور بیرونی دنیا کے درمیانی برزخ کو کہتے ہیں - یہیں جیل کے دفاتر اور افسروں کے مستقر ہیں ہم ایک دفتر میں جہاں کلرک کام کر رہے تھے، لائے گئے - فوراً ہی عاصم بھی آ گئے - باتیں اطمینان سے ہوئیں - جو کچھ ضروری باتیں کہنا تھیں، کہدیں - بڑی فکر دارالعروبہ کے کاموں کی تھی - بے سان گمان، یک بیک گرفتاری عمل میں آئی - اس لئے عاصم صاحب کو اچھی طرح سمجھانا تھا - یہ امتحان کا وقت ہے - اسی میں صلاحیتیں ابھرتی ہیں - عاصم ہمیشہ میرے سہارے چلتے رہے - اللہ تعالیٰ نے یہ موقع دیا ہے - کیا عجب کہ اس سے ان میں خود اعتمادی پیدا ہو جائے اور تمام معاملات کو خود ہی نبٹانے لگیں -

عدو شرے بر انگیزد کہ خیر ما در آں باشد

عاصم میاں پر میری گرفتاری کا بہت اثر تھا - میری بیماری کے باعث دوستوں اور عزیزوں کی تشویش قدرتی ہے - مگر یہاں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے قلب ہر طرح مطمئن ہے - توقع ہے میری باتوں اور انداز بیان سے وہ خود بخود مطمئن ہو گئے ہوں گے -

۶ر اپریل سنہ ۱۹۵۳ء گجرات کے رفیقوں پر ہماری گفتگو کا اچھا اثر پڑا - ان میں جو دوسرے اصحاب ہیں، وہ بھی نسبتاً سنجیدہ اور لہو و لعب سے دور رہتے ہیں، اب ہم نے ان کے کمرے میں روزانہ نشست مقرر کر لی ہے، مختلف مسائل پر مذاکرہ ہوتا ہے -

۷ر اپریل سنہ ۱۹۵۳ء منگل کے دن سپرنڈنٹ جیل کا معائنہ ہوتا ہے، صبح ہی سے صفائی کا پروگرام بنتا ہے - سارا عملہ صفائی کرنے اور کرانے میں لگا رہتا ہے - ایک مرتبہ غازی صاحب نے ڈپٹی سپرنڈنٹ سے کہہ بھی دیا - "کاش آپ لوگ اسی طرح گاہے گاہے آجایا کریں - کم سے کم گندگی کی شکایت تو نہ ہو" ——

گندگی کا ذکر آ گیا، تو بیت الخلا کا ذکر بھی کر دیا جائے، اپنی زندگی میں ایسی گندگی سے کبھی مسلسل سابقہ نہ پڑا تھا - پانچ چھ پاخانے وہ بھی نیم پردہ دار اور تقریباً سو آدمی انہیں استعمال کرنے والے —— کیا حال ہوتا ہوگا؟ ہر شخص اچھی طرح اندازہ لگا سکتا ہے -

۸ر اپریل سنہ ۱۹۵۳ء اب تک تو طبیعت بہت اچھی رہی - صبح و شام کی تفریح بھی جاری ہے، حدیث کا مطالعہ بھی قائم ہے، مگر اب غذا کی خرابی کے باعث طبیعت جواب دے رہی ہے، تھوڑی بہت تکلیف تو ہمیشہ ہوتی تھی، مگر اب کرب بڑھنے لگا ہے - اللہ رحم کرے - ڈاکٹر صاحب کے اصول کے مطابق یہ دوا ایک ماہ کے لئے کافی تھی، مگر یہاں آٹھ دس روز ہی میں اثر ختم ہو رہا ہے - جس شخص نے سالہا سال سے مرچ اور بادی چیزیں نہ کھائی ہوں اس پر جیل کے کھانے کا جو اثر ہوگا، ظاہر ہے -

دو تین دن سے طبیعت بیٹھی بیٹھی سی ہے۔ تھوڑا بہت مطالعہ کر لیتا ہوں۔ مگر جی نہیں لگتا۔ کمزوری بھی معلوم ہوتی ہے۔ ناہموار زمین پر سونے سے مونڈھے اور پیٹھ میں درد الگ رہتا ہے —— مگر ان سب کے باوجود دل بالکل مطمئن ہے، یہ اللہ کا فضل ہے۔ آس پاس ساتھیوں کے چہرے دیکھتا ہوں، تو اپنے حال پر بے ساختہ زبان سے تشکر اور ممنونیت کے الفاظ نکلنے لگتے ہیں۔

۹ر اپریل سنہ ۱۹۵۳ء

آج بھی "ملاقات" تھی، پہلی ملاقات "غیر معمولی" تھی اور آج کی معمول کے مطابق ہر دو ہفتے میں ایک مرتبہ اعزا و احباب سے ملنے کی اجازت ہے، عام طور پر افسران جیل جمعرات کا روز پسند کرتے ہیں۔ ملاقات کی اجازت سپرنٹنڈنٹ پولیس سے لینا ہوتی ہے، اور سی آئی ڈی کا ایک آدمی گفتگو کے وقت موجود رہتا ہے۔

پہلی مرتبہ تو اطمینان سے گفتگو کا موقع مل گیا تھا، مگر اب کے بڑی افراتفری رہی، باری باری سے ہم میں سے ہر ایک کی ملاقات کرائی گئی۔ ہمارے علاوہ بھی تین چار نظربندوں کی ملاقاتیں تھیں۔ اس لئے سی آئی ڈی والوں نے بڑی جلدی کی اور بہت سی باتیں رہ گئیں۔

۱۰ر اپریل سنہ ۱۹۵۳ء

طبیعت زیادہ بگڑ گئی۔ سرخ مرچوں سے تکلیف تو روز ہی ہوتی تھی، مگر رات سے تکلیف بہت بڑھ گئی، ڈیڑھ بجے شب سے بار بار قدمچوں پر بیٹھنا پڑا۔ صبح کو بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ شہد بار بار استعمال کیا۔ پھر اسپغول سے مدد لی۔ آخر کہیں دس بجے کے بعد جا کر سلسلہ موقوف ہوا۔ دو وقت فاقہ کرنا پڑا۔ پھر کہیں جا کر مکمل آرام ہوا۔ البتہ اس دوران میں تنفس کی تکلیف نہیں رہی۔ یہ بڑی خیریت تھی۔

غازی صاحب نے بڑی ہمدردی اور تیمارداری کی۔ وہ بیچارے خود بیمار، مگر پھر بھی بڑی محبت اور خلوص سے اور دوسرے رفقائے جیل نے بھی ہمدردی اور مزاج پرسی میں کمی نہ کی۔

۱۱ر اپریل سنہ ۱۹۵۳ء

کل کا ضعف باقی ہے، مگر طبیعت روبصلاح ہے، حسنِ اتفاق سے دوا آ گئی اور میں نے اللہ کا نام لیکر ظہر کے بعد ایک خوراک لے لی۔ اللہ تعالیٰ شفا عطا فرمائے۔

کمزوری کے باوجود کچھ نہ کچھ پڑھتا رہا۔ فقہ السنۃ کی دوسری جلد قریب ختم ہے، کتاب مختصر اور خوب ہے۔ نیل الاوطار پڑھنے کے باوجود، اس میں کام کی باتیں مل جاتی ہیں۔ اچھا مفید مجموعہ مرتب کیا ہے، غازی صاحب بھی اس کا پہلا حصہ سبقاً پڑھ رہے ہیں۔ توقع ہے اس سے ان کی عربی پختہ ہو جائے گی۔

۱۲ر اپریل سنہ ۱۹۵۳ء

جیل میں کپڑوں کی دھلائی کا مسئلہ بڑا ٹیڑھا ہے، ہمارے جیسے کمزور لوگوں کے لئے تو بالکل 'عقدۂ لاینحل' ہی ہے۔ کچھ لوگ بیڑی سگریٹ پلا کر بعض اخلاقی قیدیوں سے کام لے لیتے ہیں ہمیں اس کا سلیقہ بھی نہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ بڑا کارساز ہے۔ گجرات کے ایک خدمت گزار اسیرِ زنداں، فتح محمد صاحب کے دل میں اللہ تعالیٰ نے بات ڈال دی اور وہ از خود باصرار ہم سے کپڑے مانگ کر دھونے لگے۔ پھر بھی کہنے کی ہمت نہیں پڑتی۔ وہ خود ہی اصرار کرتے ہیں، غازی صاحب اور مولوی صدرالدین صاحب کے کپڑے بھی انھوں نے دھوئے، وہ روزانہ کسی نہ کسی کام کرتے ہیں —— مجھے ان کے جذبۂ خدمت گزاری پر رشک آتا ہے، یہ گجرات میں برتنوں کا کاروبار کرتے ہیں اور غالباً وہاں کی مجلس احرار کے صدر بھی ہیں۔

ایک دوسرے دوست نے بھی اس سلسلے میں کرم فرمائی کی ہے۔ سلیمان شاہ صاحب ایک صالح نوجوان، پنڈی ہی کی کسی مسجد میں امام ہیں۔ انھیں عربی ادب کا شوق ہے، جیل سے نکلنے کے بعد باضابطہ تحصیل کا وعدہ ہے۔ سر دست کتابیں مطالعہ کے لئے لیتے ہیں۔ ان بے چارے نے بھی میرے کپڑے دھوئے۔ اور ہر خدمت کے لئے تیار رہتے ہیں۔

تیل مالش کا سلسلہ بھی بند تھا۔ آخر منظور خاں صاحب (گجرات) نے ایک دن خود ہی پیش کش کی۔ اور بڑی محبت سے پورے بدن کی مالش کی۔ مالش سے معلوم ہوا کہ وہ اس فن کے ماہر ہیں۔ اور ہمارے عاصم میاں اور ابراہیم ان کے سامنے طفلِ مکتب ہیں ——— منظور خاں صاحب بھی خوب آدمی ہیں، بڑے پُرجوش اور مخلص۔ انگریزی کی استعداد خاصی ہے۔ بے تکلف بول لیتے ہیں اور یہاں مولویوں کو انگریزی اخبارات کے ترجمے اور خلاصے سنایا کرتے ہیں، مگر مزاج میں خشونت ہے۔ اس کی اصلاح ہو جائے، تو دعوت دین کے لئے بڑے کام کے آدمی ہوں۔ ہم انہیں موقع موقع سے توجہ دلاتے رہتے ہیں۔

۱۴/ اپریل سنہ ۱۹۵۳ء اب تک نظربندوں کے لئے جیل میں دو کلاسیں ہوتی تھیں۔ I اور II۔ جب کسی کے حکم میں کلاس درج نہ ہو، تو وہ کلاس II میں شمار ہوتا تھا، یہ کلاس II عام B کلاس کے لگ بھگ ہے۔ بعض پہلوؤں سے ان پر زیادہ پابندیاں ہیں اور چند امور میں آسانیاں بھی ہیں، اب نظربندوں کی تعداد میں زیادتی کے باعث (غالباً) حکومت نے نظربندوں میں بھی کلاس III کا اضافہ کر دیا ہے۔ خواجہ (ایک اسسٹنٹ سپرنڈنٹ) نے باتوں باتوں میں کہا کہ ضلع وار نئی درجہ بندی (classification) ہو رہی ہے اور جلدی ہی اس کی اطلاع مل جائے گی۔

ایک نئی بات یہ دیکھنے میں آئی کہ آج خواجہ کا لہجہ بدلا ہوا تھا۔ بات بات میں اس نے اپنی سرکاری حیثیت جتانے کی کوشش کی۔ اس کا یہ انداز دیکھ کر غازی صاحب نے بھی بے اعتنائی سے کہہ دیا "جب تم غیر سرکاری حیثیت میں بات کروگے، تب ہم بھی کچھ کہہ سکیں گے، ورنہ کوئی ضرورت نہیں"

یہ بھی خبریں مل رہی ہیں کہ جیل میں تشدد کی پالیسی تدریجی طور پر اختیار کی جا رہی ہے، سی کلاس کے تمام سزا یافتہ سیاسی قیدیوں کو جیل کا عام لباس پہننے پر مجبور کیا گیا۔ مولوی عارف اللہ اور حافظ اسمٰعیل ذبیح کو بھی یہ کپڑے پہنائے گئے۔ جانے اس میں کیا رموز پوشیدہ ہے؟

۱۵/ اپریل سنہ ۱۹۵۳ء دن بھر کلاس III کا چرچا رہا۔ افواہ گرم رہی کہ ایک کے سوا سب لوگوں کو تیسری کلاس دی گئی ہے، طرح طرح کی چہ می گوئیاں ہوتی رہیں، ہم نے اولاً تو ان افواہوں پر یقین نہیں کیا۔ دوسرے پورے اطمینان کے ساتھ نئی صورتِ حال کا خیر مقدم کیا۔ ہمارے لئے تو II کلاس بھی ناقابل برداشت ہے۔ اگر کلاس III میں بھی رہنا مقدر ہے، تو کوئی حرج نہیں۔ اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب ہے۔ اس کی کارسازی سے پوری توقع ہے کہ کوئی نہ کوئی صورت زندگی قایم رکھنے کی نکل ہی آئے گی۔

آج جیل کے چھوٹے ڈاکٹر کا برتاؤ خاصہ تکبر آمیز تھا، ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں ایک خاص مشقتی[1] مل جائے، تو الگ کھانے کا انتظام کر لیں۔ جن چیزوں کی کمی ہو، وہ باہر سے منگوا لیا کریں۔ ورنہ کم سے کم اسٹوو کی اجازت مل جائے۔ خود ہی سالن پکا لیا کریں۔ مجھ جیسے بیمار کے لئے عام غذا پر رہنا ناممکن سا ہے۔ ان "اجازتوں" کے لئے طبی سرٹیفکٹ کی ضرورت تھی۔ اسسٹنٹ سپرنڈنٹ اور ڈاکٹر دونوں نے غور کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ آج ڈاکٹر کو یاد دلایا، تو اس نے بڑی بدتمیزی سے گفتگو کی۔ کہنے لگا "یہ جیل ہے۔ تم ہم سے علاج نہیں کراتے، تو ہم کوئی رعایت بھی نہیں دے سکتے۔ دمہ کا مرض خطرناک (DANGEROUS) نہیں ہے"۔ میں نے بھی بے نیازی کے ساتھ جواب دے دیا، غازی صاحب آ گئے۔ انھوں نے کھری کھری سنائی۔ اور ریٹے کیا کہ اب کچھ ہو، اس سے بات نہیں کریں گے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ میڈیکل افسر کو بھی سکھا پڑھا کر لایا۔ اس لئے آدمیت اور شائستگی سے گفتگو کی۔ مگر جواب وہی تھا۔ "ہم grounds

---

[1] مشقتی، وہ اخلاقی قیدی، جو سیاسی قیدیوں کو خدمت کے لئے ملتے ہیں۔

Recommendation پر کوئی سفارش نہیں کر سکتے۔" یہ ہیں اس قوم کے معالج اور ڈاکٹر۔ اللہ بہتر جانتا ہے۔ اسپتال میں غریبوں کا ان کے ہاتھوں کیا حال ہوتا ہوگا؟ مجھے تو اللہ تعالیٰ نے ان یورپ زدہ ڈاکٹروں کے دست شفقت سے اب تک محفوظ ہی رکھا ہے۔ جیل کی مجبوریاں ہیں، ورنہ اس قسم کے ڈاکٹروں سے بات کرنا بھی گوارا نہ ہوتا۔

۱۶/اپریل ۱۹۵۳ء ڈیوڑھی میں تصویر کشی کے لئے طلبی ہوئی۔ سی۔ آئی۔ ڈی کی نگرانی میں تصویریں لی گئیں۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اب نمبری مجرموں میں ہم لوگوں کا شمار ہوگا۔ اس راہ میں جو کچھ بھی ہو، بہر حال اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اجر کا باعث ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہماری نیتوں کو پاک اور خالص رکھے۔

شام کو کلاس III کی فہرست سنادی گئی۔ ہم کلاس II میں ہیں۔ پورے کیمپ میں چرچا ہے۔ طرح طرح کی باتیں سننے میں آرہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فتنہ اور شر سے محفوظ رکھے۔

۱۷/اپریل ۱۹۵۳ء کلاس III کے اعلان نے بڑی سراسیمگی پیدا کر دی ہے اور آپس میں شکر رنجی اور طعنہ زنی شروع ہوگئی ہے۔ ہم ہر طرح سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں، مگر نادان دوست اپنی لیڈری کے شوق میں کلاس III والوں کو ابھارتے ہیں۔ حالانکہ یہ حکومت کا فعل ہے۔ جیل میں جو سلوک بھی ہو، اسے صبر و تحمل سے برداشت کرنا چاہیئے۔ آئین کے اندر احتجاج بھی کیا جا سکتا ہے، مگر آپس میں تو تو میں میں کے کیا معنیٰ؟ اس سے تو پست ذہنیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

یہاں روزنامچہ ختم ہوتا ہے! یہ جیل کے ابتدائی ہفتے تھے۔ اس کے بعد صحت بھی اچھی ہوتی گئی اور بعض نازک موقع بھی آئے۔ خاص طور پر ۱۲/مئی کی شام نہیں بھولتی، جب مولانا مودودی کو سزائے موت کی خبر ہم اسیران قفص کو ملی۔ بڑے امتحان کا وقت تھا۔ جماعت کے مخالفوں کی آنکھیں بھی آب دیدہ ہوگئیں۔ پھوٹ پھوٹ کر رونے والوں کی بھی کمی نہ تھی۔ مگر ہم۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اپنا حال کیا لکھیں؟ ہمارے دوستوں میں غازی صاحب صبر و استقامت کے پیکر بنے ہوئے تھے، یہ گنہ گار، جسے اپنے دل کی قوت پر ناز ہے، بھی گھنٹہ دو گھنٹہ کے لئے پریشان ہوگیا تھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔

بہر حال ۲۴ گھنٹے یہ فضا رہی اور الحمد للہ ہم پر یاس اور نو میدی کی پرچھائیں بھی نہیں پڑی۔

وذلک من فضل اللہ!

اس کے علاوہ کہنے اور سننے کی باتیں بہت ہیں، مگر سنانے کی فرصت کسے، اور پھر یہ ہمت کر بھی لی جائے، تو صیاد کی اجازت کب ہے؟ ہم تو مولانا محمد علی مرحوم و مغفور کی زبان میں اب بھی جیل میں ہیں۔ پہلے چھوٹے جیل میں تھے۔ اب بڑے جیل میں۔!

رئیس امروہوی

مردِ امروز

روحِ اقبالؒ از برائیش می تپید	آخر آں دانائے راز آمد پدید
چشمِ حق بیں اندریں عصرِ جدید	ہمسرِ سیّد ابوالاعلیٰ ندید

گو بعہدِ کافری خوابیدہ ام
زیں دو چشم آں مردِ حق را دیدہ ام

فکرش از صدق و یقیں زریں قباست	کارِ او احیائے دینِ مصطفےٰ ست
حال و قالش بے نیاز از ماسواست	زانکہ خشتِ اولیں خوفِ خداست

مردِ حُر، دانائے رمزِ لا الٰہ
اندریں دورِ فتن او خضرِ راہ

مسلمِ خوابیدہ را گوید کہ خیز	خیز و با خود باش سرگرمِ ستیز
تا بیائی سوئے الّا تیز تیز	تخمِ لا در کشتِ پاکستاں بریز

"زندہ کن در سینہ آں سوزے کہ رفت
درجہاں باز آور آں روزے کہ رفت" (اقبال)

ایکہ داری برزباں آیاتِ حق	حق ہمہ نفی است بے اثباتِ حق
عام کن تعمیلِ ارشاداتِ حق	تا شوی حقدارِ انعاماتِ حق

حکمِ حق از گوشِ دل باید شنود
اُدخلوا فی السّلمِ وادفوا بالعہود!

میکند امروز نامِ حق بلند	چوں نباشد قسمتِ او قید و بند
پیش ازیں صد بندگانِ ارجمند	"بہرِ حق در خاک و خوں غلطیدہ اند"

اے خوشا مردیکہ بے تیغ و تفنگ
ہر نفس با غیرِ حق اعلانِ جنگ!

پائے او محکم ز تسلیم و رضاست
عشق را اندیشۂ طوفاں کجاست

کشتیِ ما ایمن از موجِ بلاست
ناخدائے ما چہ مردِ باخداست

مثلِ او یک پیکرِ فقرِ غیور
قرن ہا باید کہ آید در ظہور!

یکطرف طاغوتیانِ زور مست
باغیانِ دین و پیمانِ الست

یکطرف صاحبدلے قرآں بدست
در پسِ او کاروانِ حق پرست

ہر یکے زاں شاں پئے دیں سخت کوش
جوشِ او فرماں پذیر از عقل و ہوش

حق نما ہر صفحۂ خطباتِ اوست
وہ چہ تفہیمات و تنقیحاتِ اوست

نالہ کش باطل ز تنقیداتِ اوست
ہر مسلماں قائلِ خدماتِ اوست

از رخ و گیسوئے ختم المرسلین ؐ
فکرِ او روشن مقالش عنبرین!

بسکہ مشکل بود اندر جبر و زور
راہِ ناہموار را کردن عبور

رفت سوئے تشنگاں نزدیک و دور
کوثر و تسنیم چوں انہارِ نور

فیضِ او دانم کہ التنباء الحمید
تا بہ اقصائے جہاں خواہد رسید!

ایں چنیں مردِ جسور و ذی شعور
از میان ہمچو ما اہلِ قبور

او درونِ محبس و بے بانگِ صور
چار سویش منظرِ یوم النشور

اے ہلاکِ معجزاتِ ما و طیں!
چیست گر نصرٌ من اللہ نیست ایں؟

دق کے خلاف جنگ

ان سُولیوں کو

گرائیے

دق و سِل

کا

خاتمہ کیجیے

اچھے شہری

بنئے
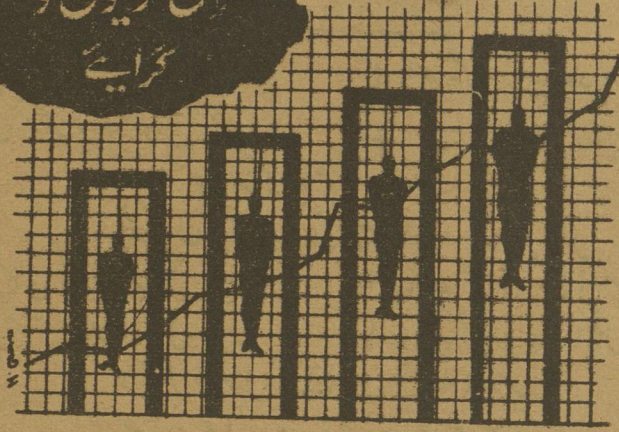
برسال کتنی ہی قیمتی جانیں تپِ دق کی بھینٹ چڑھ جاتی ہیں۔ اور اس کی تباہ کاریاں برابر بڑھ رہی ہیں۔ یہ مرض، جو ہماری مضرِ صحت عادتوں سے پھیلتا اور پرورش پاتا ہے، انسانیت کیلئے ایک عذاب بن کر رہ گیا ہے اور ترقی کے اس دور میں اس کی افزائش انسانی تہذیب کیلئے سخت باعثِ ننگ ہے۔ تاہم اس کی رفتار روکی جاسکتی ہے اور روکی جانی چاہیئے۔ یہ جبھی ہوسکتا ہے کہ ہم حفظِ صحت کے اصولوں پر زیادہ توجہ کریں یعنی چند ضروری ہدایات کہ بعض باتیں کیجیے۔ اور بعض ترک کردیجیے۔ یہ عادتیں نہ صرف صحت کیلئے لازم ہیں بلکہ خوش مذاقی اور خوش اخلاقی کا تقاضا بھی ہیں

- حد سے زیادہ کام نہ کیجیے
- متوازن غذا کھائیے
- تازہ ہوا اور سورج کی روشنی کو اپنا دوست سمجھیے۔
- جگہ جگہ نہ تھوکیے
- غم نہ کھائیے

جشنِ آزادی

صبا نعیمی

جشنِ آزادی کا پھر آئی صبا لے کر پیام
یاں ابھی تک دستِ گلچیں میں ہے گلشن کا نظام
ڈالے ڈالے پر بچھا رکھے ہیں صیادوں نے دام
ہے قفس میں اب بھی مرغانِ خوش الحاں کا مقام
ہم نے سمجھا تھا کہ ایامِ اسیری کٹ گئے
دیکھ کر ان نوگرفتاروں کو سینے پھٹ گئے

اب چمن پر جھوم کر کالی گھٹا چھاتی نہیں
اب نسیمِ صبح اٹھلاتی ہوئی آتی نہیں
نغمہ کوئی بلبلِ شیریں نوا گاتی نہیں
یاں بہار اب اپنا آنچل آ کے لہراتی نہیں
دیکھ کر یہ حال کتنے دل ہیں جو بے تاب ہیں
پھول مرجھائے ہوئے ہیں، خار و خس شاداب ہیں

خوں ہوا جاتا ہے دل خونِ بہاراں دیکھ کر
داغ جل اٹھتے ہیں سینے کے چراغاں دیکھ کر
رنگِ رخ اڑتا ہے یہ رنگِ گلستاں دیکھ کر
سہم جاتا ہوں در و دیوارِ زنداں دیکھ کر
ہر کوئی صیاد ہی کا ہم نفس بن جائے گا؟
رفتہ رفتہ سارا گلشن ہی قفس بن جائے گا؟

جس کو تم کہتے ہو آزادی وہ آزادی نہیں
یہ تو بزمِ تعزیت ہے محفلِ شادی نہیں
کونسی گردن ہے جس پر مشقِ جلادی نہیں
کون ہے وہ جو کہ شکوہ سنج و فریادی نہیں
جشنِ حریت نہیں یہ ماتمِ جمہور ہے
ہم سفر! منزل ابھی کالے کوسوں دور ہے

اور شاہیں ہیں کہ زیرِ دام ہیں

ماہر القادری

جن کی صبح و شام غرقِ جام ہیں
خیر سے وہ عاشقِ اسلام ہیں
زاغ و کرگس پر کوئی بندش نہیں
اور شاہیں ہیں کہ زیرِ دام ہیں
کتنے فرعونوں کو حاصل ہے عروج
کتنے چنگیز اب بھی خوں آشام ہیں
جاگ! اے ایمانِ ابراہیم جاگ
ہر طرف اصنام ہی اصنام ہیں
قصر و ایواں میں جو دفنائے گئے
آج وہ اسرارِ طشت از بام ہیں
یا وہ بت سچ مچ کا پتھر بن گیا
یا ابھی تک میرے نالے خام ہیں
ناخدا سے کوئی کچھ کہتا نہیں
موج و کشتی ہی فقط بدنام ہیں
احتجاج! اے خوئے ہنگامہ پسند
میرے دل کی دھڑکنیں پیغام ہیں

اسعد گیلانی

تنہائی کا گھر

میں لذتوں کو فنا کردینے والا مقام ہوں، میں غربت کا گھر ہوں۔ میں کیڑوں مکوڑوں کا گھر ہوں۔ میرے دن راتوں سے زیادہ وحشتناک ہیں۔ میری وسعت قبر سے کچھ زیادہ اور میری ویرانی اور تنہائی گورستان سے کسی صورت کم نہیں ہے۔

میرے ان تاریک دنوں اور تاریک تر راتوں کے رفیق انسانی معاشرے کے وہ راندے ہوئے افراد ہوتے ہیں۔ جن کی موجودگی مجھے خود اپنے وجود سے شرم دلاتی ہے۔ میں اندر ہی اندر گھٹن محسوس کیا کرتی ہوں۔ ان کی بے صبری کی وحشیانہ حرکات کا مجھے ہزاروں برس سے سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ کوئی کسی کا خون بہا کر خونیں ماضی لے کر اپنے تاریک حال کے ساتھ میری تنگی کو تنگ تر کرنے کے لئے آجاتا ہے اور کوئی کسی ایسے گھناؤنے جرم کا مرتکب ہوتا ہے کہ اس کی رفاقت سے میرے درودیوار کو بارہا گھن محسوس ہوئی ہے اور میرے فرش نے اپنی اس توہین پر بارہا خاموش فریاد کی ہے۔ دنیا بھر کے مجرم خونی۔ زانی۔ ڈاکو۔ لٹیرے گرہ کٹ۔ ظالم۔ حق فروش اور چور ہزاروں برس سے میرے سینے پر آ آکر مونگ دلتے رہے ہیں اور میری راتوں کو تاریک تر اور میرے دنوں کو سوگوار تر بناتے رہے ہیں۔ میں نے بارہا اپنے رب سے اپنی تذلیل مسلسل کی فریاد کی۔ بارہا میرے سینے کی آہوں نے میرے قلب و روح کو جھلس دیا۔ اور میں اندر ہی اندر کڑھتی رہی۔ میری یہ ازلی اور ابدی تذلیل میری روح کا ناسور بنتی رہی۔ اور میں ہزاروں برس سے اپنی پیدائش کے پہلے ہی روز سے ان ناپاک روحوں کی رفاقت میں اپنا سہاگ لٹاتی رہی۔

یہی وجہ ہے کہ میں تنہائی کا گھر ہوں۔ میں غربت کا گھر ہوں میرے دن میری راتوں سے زیادہ تاریک اور میری راتیں مجرم کے ضمیر سے زیادہ وحشتناک ہوتی ہیں۔

میں جیل کی ایک کال کوٹھری ہوں۔

لیکن میرے ان تاریک اور سوگوار۔ مکروہ۔ اور گھناؤنے۔ وحشتناک اور اذیت کوش شب و روز میں کچھ دن ایسے بھی ہیں جو میری تاریک زندگی میں ہیرے کی کنی کی طرح چمکتے ہیں۔ کچھ ایسی راتیں بھی ہیں جن کی ضیا باری پر سورج نے اکثر حجاب سے اپنے چہرے کو ڈھانپ لیا ہے۔ کچھ ایسے دن بھی ہیں جن پر مجھے اکثر مطلع صبح نشور کا دھوکا ہوا ہے۔ وہ شب و روز میری زندگی کا حاصل، میری روح کا سرمایہ اور میرے ہزاروں برس کے گھناؤنے ماحول کا بدل ہیں۔ ان دنوں کے بدلے اگر مجھے کوئی سورج کی تمام شعاعیں بھی دے تو نہ لوں اور ان راتوں کے عوض میں مجھے چودھویں کے چاند کی ضیا باری بھی منظور نہیں ہے۔

میری سیاہ کار زندگی کا یہی ایک اثاثہ ہے اور یہ میں نے اپنی روح کی گہرائیوں میں محفوظ کر رکھا ہے اور قیامت میں جس دن ہر ایک کے ہاتھ میں اس کا کارنامہ حیات تھمایا جائے گا اور ہر شخص ربِ باری کے سامنے اپنا عمل پیش کرے گا۔ تو میں نے اسی دن کے لئے ان دنوں اور راتوں کو محفوظ کر رکھا ہے جو میں اپنے رب کے حضور میں بخشش کے لئے پیش کروں گی۔ اور مجھے اپنے پیدا کرنے والے اس کائنات کے مالک کی قسم ہے کہ میرا قلب مطمئن ہے کہ وہ ان شب و روز کے بدلے میرے ہزاروں برس کے تاریک نامۂ اعمال پر اپنی رحمت کا سایہ ڈالے گا اور میرے شب و روز کو قہقہوں سے معمور اور جنت کی شادابی سے نوازے گا۔

ان دنوں میں مجھے وہ دن اچھی طرح یاد ہے جب اکیس بائیس برس کا ایک نوجوان کئی برس کے لئے میرے درودیوار میں اس لئے محبوس کیا گیا تھا کہ باہر کا ماحول اس کی فطرت کی پاکیزگی، اس کی عصمتِ نگاہ اور اس کی عفتِ کردار کا متحمل نہ ہو سکا تھا۔ اس

وقت میرا سینہ ہی اس کا امانت دار تھا۔ مصر کے رؤسا کی بیگمات نے اپنے اخلاق و کردار کا سارا سرمایہ اس نوجوان کے قدموں میں ڈالا تھا۔ اور وہ اسے ٹھکرا کر طہارتِ فکر اور ضبطِ نفس کے جرم کی سزا بھگتنے کے لئے میرے حوالے کر دیا گیا تھا۔ میں نے اس کے شب و روز کو برسوں تک دیکھا۔ میری زمین ان دنوں آسمان کا ہم پلہ تھی۔ یہ غالباً پہلا موقع تھا کہ میری راتیں روشن اور دن روشن تر تھے۔ اور میں نے خدائے واحد کا نام سنا جب اس نے اپنے دو غلام قیدی ساتھیوں سے کہا "اے زنداں کے ساتھیو تم خود ہی سوچو کہ بہت سے متفرق رب بہتر ہیں یا وہ ایک اللہ جو سب پر غالب ہے" ان دنوں میں نے اللہ رب العالمین کی خاص رحمتوں کو اپنے درو دیوار پر پرتو فگن دیکھا اور میں نے محسوس کیا کہ اللہ کی اس سرزمین پر انسان کے نام سے جو ایک مخلوق ہے اس میں فرشتوں سے بھی اونچی پرواز رکھنے والے افراد موجود ہیں۔

وہ دن بھی میں کبھی نہ بھولونگی جب قافلہ انسانیت کے امام نبی عربیؐ کا ایک رفیق چند دن کا بھوکا پیاسا میری گود میں ڈالا گیا تھا۔ وہ نبی عربیؐ جو ان دنوں انسانی قافلے کو جاہلیت سے اسلام کی طرف اور وحشت سے تہذیب و تمدن کی طرف اور شرک و بت پرستی سے خدا پرستی کی طرف لانے کے لئے جان ہتھیلی پر رکھے ہوئے تھے۔ آپ نے اپنے اس رفیق کو تبلیغ دین کے لئے روانہ کیا تھا۔ اور کفار نے دغا بازی سے گرفتار کر کے قید کر دیا تھا۔ اس کے شب و روز کو بھی میں نے غور سے دیکھا۔ کفر کے اس ماحول میں اس کی زبان اللہ کی حمد سے تر تھی۔ اس کا دل رسولؐ کی محبت سے معمور تھا۔ اس کی ہمت کو میں نے ہمالہ سے بلند پایا۔ جب اس سے کہا گیا،

"اگر تم اسلام کو چھوڑ دو تو تمہاری جاں بخشی ہو سکتی ہے"

اور اس نے پھانسی کے کھمبے کے عین نیچے کھڑے ہو کر کہا۔

"جب اسلام نہ رہا تو میں جان کو لے کر کیا کروں گا" اور وہ دو رکعت نماز پڑھ کر مرضی مولا کے مطابق نیزوں سے چھدا ہوا سولی پر لٹک گیا ——— اس کی غیرت نے یہ بھی گوارا نہ کیا کہ نماز کو طول دے مبادا اسے موت کا ڈر سمجھا جائے۔

آہ ان مقدس قدموں میں زنجیروں کی جھنکار اب تک میرے درو دیوار میں گونجتی ہے اور وہ دن بجلی کا کوندا بن کر میرے سیاہ خانے پر چمک جاتے ہیں۔

ان زنجیروں کا نغمہ بھی میرے لئے روح افزا ہے اور میرا سرمایۂ افتخار جب ایک مردِ حق پاؤں میں بیڑیاں اور ہاتھوں میں زنجیریں پہنے مجھے داغِ مفارقت دے کر مکہ سے مدینہ روانہ ہوا تھا۔ گویا ایک بچھڑا ہوا پنچھی ہے جو اپنے جھنڈ سے ملنے کے لئے بے تاب تھا وہ زنجیریں جھنجھناتا اور بیڑیاں گھسیٹتا عین اس وقت اپنے ساتھیوں کے پاس پہونچا تھا جب صلح حدیبیہ کا معاہدہ تکمیل پا رہا تھا۔ کفر کے سفیر نے بگڑ کر کہا "معاہدے کی رو سے اسے ہمارے حوالہ کیا جائے"

معاہدہ ابھی مکمل نہ ہوا تھا لیکن خلق عظیمؐ نے حکم دیا کہ اسے قریش کے حوالہ کر دیا جائے۔

یوں ایک مظلوم اپنے ساتھیوں کے سامنے تکریم عہد کے عوض مشکیں باندھے۔ زنجیریں پہنے کشاں کشاں میری طرف لوٹایا گیا ——— وہ دن میری زندگی کا سرمایہ ہیں جب وہ کفر کے گڑھ میں۔ قید و بند کے دن گزارتے ہوئے اللہ کی عظمت و جلال بیان کیا کرتا تھا۔ اور میرے درو دیوار کا ذرہ ذرہ ہمہ تن گوش ہو کر سنا کرتا تھا۔ اس طرح ایک سال کے اندر اس نے قریش میں سے تین سو سعید روحوں کو نبی عربیؐ کے پیغام کا ہمنوا بنا لیا تھا۔

میری زندگی کے وہ دن بھی میری تاریک قسمت کے آسمان پر چمکتے ہوئے تاروں کی مانند ہیں جب ایک مردِ حق ابن ہبیرہ اور ابو جعفر کے ظلم کا مقابلہ کرتا ہوا میری سونی زندگی کو تقدس سے معمور کرنے کے لئے ایک مہمان عزیز بن کر آیا تھا۔ اور اس طرح آیا کہ پھر زندگی کی آخری سانس تک مجھ سے کبھی جدا نہ ہوا۔ وہ سیدھا میرے ہاں سے اپنے پروردگار کے حضور میں پہونچ گیا۔ اس نے ابن ہبیرہ اور ابو جعفر کا آلۂ کار بننے سے انکار کر دیا تھا۔ اس نے حق پوشی کا مسلک اختیار کرنے والے علماء کے عظیم ہجوم میں سے نکال کر اپنے آپ کو حق پناہی کے منصبِ جلیل پر کھڑا کر دیا تھا۔ اس نے مصلحت کوشی اور مداہنت کو دھتکار کر اپنے ہاں سے نکال دیا تھا۔ اس کا جرم یہ تھا کہ اس نے حق فروشی سے انکار کیا تھا۔ اس نے قرآن کی آیات کا کاروبار کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس نے خدا سے ڈر کر انسانوں کے ڈر سے اپنے دل کو خالی کر لیا تھا۔ اور میری آنکھوں دیکھا ظلم مجھے یاد ہے جب میں اللہ کے ہاں ابن ہبیرہ اور ابن جعفر کے خلاف گواہی دینے کے لئے حضورِ حق میں کھڑی ہوں گی تو میں صاف صاف شہادت دوں گی کہ "اسے کوڑوں سے پیٹا گیا۔ اس کا جسم ننگا کر کے تازیانوں کی مسلسل مار ماری گئی۔ اسی کی پیٹھ زخموں سے خونچکاں تھی اور خون بہہ کر ایڑیوں تک پہونچ گیا تھا۔ اسے اذیتیں دی گئیں اور ظالموں نے اس پر زندگی تنگ کر دی لیکن وہ مردِ حق جانتا تھا کہ زندگی کی اصل کشادگی رب العالمین کی مرضی میں ہے اس لئے اس نے تمام جباروں کی مرضی کو ٹھکرا کر اپنے رب کی مرضی اختیار کر لی وہ میری بدنصیب آنکھوں کے سامنے جبراً فرش پر پٹخا گیا اور اس کے منہ میں زہر کا پیالہ انڈیل دیا گیا۔ آج تک میرے در و دیوار اس نظارہ کو اپنی چشم عبرت میں چھپائے ہوئے ہیں اور میرا فرش اس کے خون کے قطروں کو آبدار موتیوں کی طرح محفوظ رکھے ہوئے ہے۔ بارہا فرشتوں کے ایک ہجوم نے حضورِ حق میں پیش کرنے کے لئے مجھ سے ان خون کے قطروں کو طلب کیا ہے لیکن میں نے اس متاعِ بے بہا کو اپنی آخرت کا سرمایہ بنا کر محفوظ کر رکھا ہے۔

میرے پاس وہ شخص بھی لایا گیا جو امام دار الہجرت کہلاتا تھا۔ جس کے علم و عظمت کا سکہ پورے عالم اسلام میں رواں تھا۔ میں نے اسے اپنے پاس اس حال میں دیکھا کہ اس کی مشکیں کسی ہوئی تھیں اور اس کے پاؤں میں بیڑیاں تھیں۔ وہ بھی جرم حق گوئی کی پاداش بھگتنے کے لئے محبوس کیا گیا تھا۔ اس کی مشکیں اس زور سے کسی گئیں کہ ہاتھ بازو سے اکھڑ گئے تھے اور ستر کوڑوں کی ضربیں اس کے جسم پر میرے سامنے ایک ایک کر کے پڑیں۔ اسی حال میں وہ فریضۂ شہادت حق ادا کرنے کے لئے اسی اونٹ پر کھڑا ہو گیا جس پر تذلیل و تشہیر کے لئے اسے سوار کرایا گیا تھا۔ اس نے پکار پکار کر کہا۔

"جو مجھے جانتا ہے سو جانتا ہے اور جو نہیں جانتا تو وہ جان لے کہ میں مالک انس کا بیٹا ہوں اور اس مسئلے کا اعلان کرتا ہوں۔ جس کے اعلان سے مجھے جبراً روکا جا رہا ہے کہ جبری طلاق کوئی چیز نہیں"

میں نے دیکھا کہ اس کی عزیمت کے آگے شاہوں کی کلغیاں جھک گئی تھیں۔

اس کی رفاقت میں گزرے ہوئے وہ دن میری گنہگار زندگی کا حاصل ہیں۔ انہیں دنوں کی یاد میرے مستقبل کے لئے روشنی کا مینار ہے۔

وہ صبر و استقلال کا شہنشاہ وہ تحمل و بردباری کا ہمالہ وہ غربت و حق گوئی کا مجسم ظہور، وہ جس کی حق گوئی کے سامنے مامون معتصم اور واثق جیسے جابروں کے ظلم و تشدد کا زہرہ آب آب ہوتا تھا، وہ بیس سال تک میرا شریک شب و روز رہا۔ وہ دن میری کا سہاگ تھے۔ اور میری ویران آبادی کی رونق پر بہار تھے میں نے عز و ملت کی معراج کو ایک زمانے تک اپنے سینے میں امانت کا آبدار موتی بنا کر رکھا ہے۔ میں نے اُس معتصم کی بے چارگی اور درماندگی کو اس کے سامنے دست بستہ

دیکھا ہے۔ جس کی ہیبت و رعب سے قیصر روم لرزاں و ترساں رہا کرتا تھا کہ وہ بڑی منت اور خوشامد سے اس شخص سے مخاطب تھا جسے جلادوں کا ایک تازہ دم دستہ گھیرے ہوئے تھا۔

" واللہ میں تم پر اس سے بھی زیادہ شفقت رکھتا ہوں۔ جس قدر اپنے بیٹے کے لئے شفیق ہوں۔ اگر تم خلق قرآن کا اقرار کر لو۔ تو قسم خدا کی ابھی اپنے ہاتھوں سے تمہاری بیڑیاں کھول دوں" لیکن یہ شفقت پیکر حق پر بے اثر تھی۔ وہاں صرف ایک جواب تھا۔

" اللہ کی کتاب میں سے کچھ دکھلا دیا اس کے رسولؐ کا کوئی قول پیش کر دو۔ تو میں اقرار کروں اس کے سوا میں کچھ نہیں جانتا "

اور پھر میں نے دیکھا کہ چار چار بوجھل بیڑیاں اس کے پاؤں میں ڈالی گئیں۔ اس بوجھ سے وہ ہل نہ سکتا تھا۔ اٹھتا تھا اور گر پڑتا تھا۔ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں جبکہ دھوپ کھال کو جھلستی تھی۔ اسے میرے صحن میں جلتی دھوپ میں بٹھایا گیا۔ اور صرف بٹھایا ہی نہیں گیا۔ بلکہ لگاتار کوڑے مارے گئے ہر جلاد دو ضربیں لگا کر ہٹ جاتا تھا اور اس کی جگہ تازہ دم جلاد آتا تھا۔ اور وہ جواں مرد حق کی پشت پناہی کے لئے پہاڑ کی طرح قائم تھا۔ وہ روزہ رکھے ہوئے تھا اور پیٹھ کوڑوں کے زخموں سے خونچکاں تھی۔

" مجھے اللہ اور اس کے رسولؐ کا حکم ہی جھکا سکتا ہے "

اور واقعہ یہ ہے کہ اسے کوئی نہ جھکا سکا۔ جو صرف خدا کے سامنے جھکا ہوا تھا۔ اس کی پیشانی ہر جابر کے جبر سے بلند و بالا تھی۔ میں اگرچہ تنہائی کا گھر ہوں اور غربت کا گھر ہوں۔ لیکن میں نے ایسے ایسے شہنشاہوں کو بھی اپنی آغوش میں جگہ دی ہے اور انسانیت کی ایسی ایسی عظیم امانتوں کو بھی اپنے دامن میں رکھا ہے۔ میں انہیں دنوں کی یاد سے اپنے سیاہ خانے کو روشن رکھتی ہوں۔

پھر وہ حسین و جمیل صورت میری آنکھوں سے محو نہیں ہوتی جس نے ساری عمر میرے آغوش میں گزار دی۔ جو چہار دیواری میں محبوس رہ کر بھی بدعت و شرک کا دشمن رہا اور اس کا قلع قمع کرتا رہا۔ جس کی ہیبت سے اس کے دشمن اس وقت بھی کانپتے تھے۔ جبکہ وہ قید و بند کی سختیاں سہ رہا ہوتا۔ میں گواہ ہوں کہ اس نے میری موجودگی میں میری ہی چھت کے نیچے بیٹھ کر وہ کتابیں ترتیب دیں جنھوں نے اسلام کا چہرہ ہر گرد و غبار سے نکھار کر پیش کر دیا۔ اس کی عزیمت کو نہ مخالفوں کی یلغار روک سکی اور نہ جابروں کے قید و بند۔ جب ظالموں نے قید میں اس سے قلم دوات بھی چھین لی تو اس نے کتاب سازی چھوڑ کر کردار سازی شروع کر دی اور وہ لوگ جو قاتل رہزن اور ڈاکو تھے۔ وہ لوگ جو ذمائم اخلاق سے چور چور تھے ان کو چند ہی دنوں میں فرشتہ خصلت بنا دیا۔ میں نے یہ انقلاب بھی اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ جن لوگوں کو حکومت کی تقریریں سدھار نہ سکیں ان کی زندگیوں میں اس مرد حق کی ایک نظر نے انقلاب برپا کر دیا۔ اور آخر کار اس نے میری ہی گود میں جان دی۔ مجھے یہ فخر حاصل ہے کہ میں نے اس کی آخری رفاقت کا بھی حق ادا کیا۔ جس نے اس قدسی نفس کو دیکھا۔ کہ وہ اپنے پروردگار کے حضور جانے کے لئے کتنا صاف اور پاکیزہ ضمیر رکھتا تھا۔ اس کی یاد بھی میرے سینے کا بیش بہا خزانہ ہے اور اس کی معیت میں گزرے ہوئے شب و روز بھی میرے لئے بخشش کا سرمایہ ہیں۔ جسے میں نے زمانے کی دست برد سے محفوظ کر رکھا ہے۔

یہ نہ سمجھو کہ غربت اور تنہائی کا یہ گھر سرمایۂ حیات سے بالکل ہی دامن ہے۔ میرے پاس اس مرد حق کی یاد کا خزانہ بھی ہے جس نے جہانگیر کے جبروت اور بدعت نوازی کو چیلنج کیا تھا۔ جس کے بارے میں حضرت خواجہ باقی باللہ نے کہا

"میں چراغ نہیں ہوں۔ چقماق ہوں۔ آگ نکال دوں گا۔ چراغ تو شیخ احمد سرہندیؒ ہے" جس نے دین الٰہی کے فسق و فجور اور الحاد و زندقہ کے خلاف علم اٹھایا تھا۔ جب بڑے بڑے تاج العارفین اکبر کو خلیفۃ اللہ اور انسانِ کامل قرار دے رہے تھے۔ وہ شہادتِ حق کے جرم کا کھلم کھلا مرتکب ہوا۔ اس جرم کی پاداش میں اسے میرے حوالے کر دیا گیا۔ جہاں وہ چند برس رہا لیکن مجبور و محبوس شب و روز میں بھی وہ اپنے مورچے کا بہترین سالار تھا۔ اس نے بالآخر جہانگیر کو جھکا دیا اور اس طرح ثابت کر دیا کہ حق جہاں کشائی کی سب سے بڑی قوت ہے اس کا مقابلہ جبر و تشدد سے کرنا مغل اعظم کے بس میں بھی نہیں ہے۔

میں ان ایام کو یاد کرتی ہوں جب وہ میری چھت کے نیچے بیٹھ کر دعوت و تبلیغ کے لئے خطوط لکھا کرتا تھا۔ جن کے ذریعے اس نے بے شمار کفر زدہ اور جاہلیت گزیدہ دلوں کو حق کے لئے پھر مسخر کر دیا تھا۔ وہ میری زندگی کے بڑے روشن اور پُر نور دن تھے۔

وہ عاشقانِ حق جن کی سید اسمٰعیل شہیدؒ اور سید احمد شہیدؒ نے جتھہ بندی کی تھی۔ ان میں سے بہت سے صالحین کو مجھے بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ وہ انہیں میں سے ایک تھا جو تھانیسر سے گرفتار ہو کر آیا تھا۔ اور جسے زیورِ حق بیڑی۔ ہتھکڑی۔ طوق اور زنجیر سے پوری طرح آراستہ کیا گیا تھا۔ اس کی شبیں زندہ دار تھیں اور اس کے دن تسبیح و تحلیل کے دن تھے۔ وہ اپنے مقصدِ حق کا اتنا سچا عشق رکھتا تھا کہ راہ حق میں موت عین اس کے لئے حیات تھی اور وہ بھی اپنے دوسرے ساتھیوں کی طرح موت کا استقبال ایک دلنواز دلھن سے زیادہ ذوق و شوق سے کرتا تھا۔ جب اسے ناکردہ گناہوں کا اقبال کرنے کے لئے مجبور کیا گیا تو شدتِ ظلم و تشدد سے اسے یقین ہو گیا تھا۔ کہ ظالم اسے زندہ نہ چھوڑیں گے۔ چنانچہ اس کے چند روزے جو باقی تھے ان کی قضا رکھنی شروع کر دی۔ وہ دن بڑا ہی رنج و الم کا دن تھا۔ جب وہ روزے سے تھا اور اسے صبح آٹھ بجے سے رات کے آٹھ بجے تک مسلسل پیٹا گیا۔ لیکن اس کے لبوں سے یہی دعا جاری تھی۔

"اے رب یہی وقت امتحان کا ہے تو مجھے ثابت قدم رکھیو"

اور رات کو ۱۲ گھنٹے کی مسلسل زد و کوب کے بعد جب اسے چھوڑا گیا تو اس نے درخت کے پتوں سے روزہ افطار کیا۔ اور چشم فلک نے دیکھا کہ جس زمین پر جانوروں کے لئے بھی بھوک رفع کرنے کے ذرائع کھلے ہیں وہاں ایک مردِ حق کو افطار تک کے لئے ایک درخت اپنے برگِ سبز سے زیادہ کوئی تحفہ پیش نہ کر سکا۔ تب مجھے پتہ چلا کہ وہ جو میں نے بارہا ایسے ہی مردانِ حق کی زبانی سنا تھا۔ کہ جنت کانٹوں سے گھری ہوئی ہے۔ تو اس کی حقیقت کیا ہے۔ اور اس کے ساتھیوں میں سے ایک کی ڈاڑھی جب ظلم و تشدد سے کاٹی گئی تو وہ اپنی ڈاڑھی کے کترے ہوئے بالوں کو اٹھا اٹھا کر کہتا تھا "افسوس نہ کر تو خدا کی راہ میں پکڑی گئی اور اسی کے واسطے کاٹی گئی" ڈاڑھی کے وہ بال بھی میرے نامعلوم گوشوں میں محفوظ ہیں اور میں نے ان کو اپنے لئے سفرِ آخرت کا توشہ بنا کر رکھا ہوا ہے۔

آج بھی میں ایک بیش بہا دولت کی امانتدار ہوں آج بھی فخر سے میں اپنی گردن بلند کر سکتی ہوں۔ آج بھی میں کہہ سکتی ہوں کہ بڑے سے بڑے رئیسِ مملکت کے قصرِ بلند سے میرا تاریک سینہ زیادہ روشن زیادہ بلند بخت اور زیادہ خوش نصیب ہے۔

مجھے اس مردِ حق آگاہ کی آمد بھی یاد ہے جب وہ آیا تو میرے در و دیوار ایک نامعلوم ضیا سے چمک اٹھے تھے۔ اس کی آمد نے میری برسہا برس کی تہی دامنی کو حق پناہی کی دولت سے معمور کر دیا۔

وہ یہ کہتا ہوا میری چہار دیواری میں داخل ہوا کہ "خدا کی زمین پر خدا کی حکومت کے سوا اور کسی کی حکومت مجھے گوارا نہیں ہے اور میں ہر اس شخص کا باغی ہوں جو خدا کا باغی ہے" اس ایک کلمۂ حق نے اس کے ملک کی آزاد سرزمین اس پر تنگ کر دی اور وقت کی جابر قوتوں نے محسوس کر لیا کہ اصل خطرہ کہاں تھا۔ چنانچہ جب وہ میری آغوش میں اپنے جرم بے گناہی کی سزا بھگتنے کے لئے

آیا تو میرے در و دیوار کے بیرونی اطراف نے سنا کہ اس کے خلاف وہ وہ الزامات ہوا میں پھیلائے جا رہے تھے جن سے اس کا کوئی علاقہ نہ تھا۔ وہ صبر و سکون کے ساتھ آیا۔ اور میرے شب و روز کو حسین اور پُر رونق بناتا رہا۔ اس نے ملک کے "مصنوعی خداوندوں" سے صاف صاف کہہ دیا کہ میرا جرم اس کے سوا کوئی نہیں کہ میں اس ملک میں اسلامی نظام کا قیام چاہتا ہوں اور اس کا مطالبہ کرنے میں کوئی لالچ، خوف اور جبر و زیادتی مجھے باز نہیں رکھ سکتی، اس لئے کہ میرے نزدیک تشدد اور دھاندلی اور قید و بند کی دلیل کوئی وزن نہیں رکھتی۔

پھر اسے سزائے موت سنادی گئی۔ اور اسے پھانسی کے مجرموں میں محبوس کر دیا گیا، میں نے دیکھا کہ اس شخص کے چہرے پر ایک لازوال نور کھیل رہا تھا۔ وہ گویا اس زمین کے ان جباروں کی کم عقلی اور چھچھورے پن پر مسکرا رہا تھا۔ جن کام کو یہ لوگ ایک بھرپور وار سمجھ کر کر رہے تھے۔ وہ اسے اپنی منزل کی راہ میں ایک قدم سمجھ رہا تھا۔ مطمئن۔ مسرور۔ بے نیاز۔ متوکل۔ صابر اور سر بلند وہ میری آغوش میں بیٹھا ہوا دنیا والوں کی حرکات کا جائزہ لے رہا تھا۔ اور جب اسے موت کی خبر سنائی گئی تو اس نے کہا:-

"اگر میرے رب کی مرضی یہی ہے تو بندہ بھی بہت خوش ہے کہ اپنے رب سے جا ملے اور اگر اس کی مشیت یہ نہیں ہے تو پھر کسی کے بس میں نہیں ہے کہ مجھے پھانسی پر لٹکا سکے"

میں اگرچہ غربت کا گھر ہوں تنہائی کا گھر ہوں۔ لیکن آج میرا سینہ عرفانِ الٰہی کے انوار سے معمور ہے۔ میری زمین چاند ستاروں والے آسمان کے ہم پلہ ہے۔ اور میری چھت عرشِ الٰہی کی قدم بوسی کے لئے کوشاں ہے۔ میرے شب و روز کی روایتی تاریکی نے میرے گرد و پیش کو روشن کر رکھا ہے۔ اور میں سمجھتی ہوں کہ جنتِ عدن جسے کہا جاتا ہے۔ وہ شاید اسی خطۂ زمین کا نام ہے۔ جہاں ایک بندۂ حق اپنے مولا کی مرضی پوری کرتے ہوئے آباد ہو۔ آج میری تنہائی۔ اور غربت اور گورستان کی سی سنسانی اور ویرانی رشکِ ہزار رونق و آبادی ہے ——— اگرچہ حقیقتاً میں تنہائی کا گھر ہوں۔ غربت کا گھر ہوں کیڑوں مکوڑوں کا گھر ہوں۔ اور لذتوں کو فنا کر دینے والا مقام ہوں۔ لیکن مجھے اس مردِ حق پرست کی رفاقت میسر ہے جس کی سعئ عمل اور جد و جہد کے ساتھ فرشتے اُس کے ہم عنان ہوتے ہیں!

روحِ انتخاب

خلافتِ الٰہیہ

اسلامی حکومت کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس کی پوری عمارت خدا کی حاکمیت کے تصور پر قایم کی گئی ہے۔ اس کا بنیادی نظریہ[1] یہ ہے کہ ملک خدا کا ہے، وہی اس کا حاکم ہے، کسی شخص یا خاندان یا طبقہ یا قوم کو بلکہ پوری انسانیت کو بھی حاکمیت (SOVEREIGNTY) کے حقوق حاصل نہیں ہیں حکم دینے اور قانون بنانے کا حق صرف خدا کے لئے خاص ہے۔ حکومت کی صحیح شکل اس کے سوا کوئی نہیں کہ انسان خدا کے خلیفہ کی حیثیت سے کام کرے اور یہ حیثیت صحیح طور پر صرف دو صورتوں سے قایم ہو سکتی ہے، یا تو کسی انسان کے پاس براہِ راست خدا کی طرف سے قانون اور دستورِ حکومت آیا ہو، یا وہ اس شخص کی پیروی اختیار کرے جس کے پاس خدا کی طرف سے قانون اور دستور آیا ہے۔ اس خلافت کے کام میں تمام وہ لوگ شریک ہوں گے جو اس قانون پر ایمان لائیں اور اس کی پیروی کرنے پر تیار ہوں۔ یہ کام اس احساس کے ساتھ چلایا جائے گا کہ ہم بحیثیت مجموعی، اور ہم میں سے ہر ایک فرداً فرداً خدا کے سامنے جواب دہ ہے، اُس خدا کے سامنے جو ظاہر اور پوشیدہ ہر چیز کو جاننے والا ہے، جس کے علم سے کوئی چیز چھپی نہیں رہ سکتی، اور جس کی گرفت سے مر کر بھی ہم نہیں چھوٹ سکتے، خلافت کی ذمہ داری جو ہمارے سپرد کی گئی ہے۔ یہ اس لئے نہیں ہے کہ ہم لوگوں پر اپنا حکم چلائیں، اُن کو اپنا غلام بنائیں، اُن کے سر اپنے آگے جھکوائیں، ان سے ٹیکس وصول کر کے اپنے محل تعمیر کریں، حاکمانہ اختیارات سے کام لے کر اپنے عیش، اپنی نفس پرستی، اور اپنی کبریائی کا سامان کریں، بلکہ یہ بار ہم پر اس لئے ڈالا گیا ہے کہ ہم خدا کے قانونِ عدل کو اس کے بندوں پر جاری کریں۔ اس قانون کی پابندی اور اس کے نفاذ میں ہم نے اگر ذرا سی کوتاہی بھی کی، اگر ہم نے اس کام میں ذرہ برابر بھی خود غرضی، نفس پرستی، تعصب، جانبداری یا بددیانتی کو دخل دیا تو ہم خدا کی عدالت سے سزا پائیں گے، خواہ دنیا میں ہر سزا سے محفوظ رہ جائیں۔

اس نظریہ کی بنیاد پر جو عمارت اُٹھتی ہے وہ اپنی جڑ سے لیکر چھوٹی سے چھوٹی شاخوں تک ہر چیز میں دنیوی حکومتوں (Secular States) سے بالکل مختلف ہے۔ اس کی ترکیب، اس کا مزاج، اس کی فطرت کوئی چیز بھی ان سے نہیں ملتی۔ اس کو بنانے اور چلانے کے لئے ایک خاص قسم کی ذہنیت، خاص طرز کی سیرت اور خاص نوعیت کے کردار کی ضرورت ہے، اُس کی فوج، اُس کی پولیس، اُس کی عدالت، اُس کے مالیات، اُس کے محاصل، اُس کی انتظامی پالیسی، اُس کی خارجی سیاست، اُس کی صلح و جنگ کے معاملات، سب کے سب دنیوی ریاستوں سے مختلف ہیں، ان کی عدالتوں کے جج، چیف جسٹس، اُس کی عدالت کے کلرک بلکہ چپراسی تک بننے کے اہل نہیں ہو سکتے۔ ان کی پولیس کے انسپکٹر جنرل وہاں کانسٹبل کی جگہ کے لئے بھی موزوں نہیں ٹھہرتے۔ ان کے جنرل اور فیلڈ مارشل وہاں سپاہیوں میں بھرتی کرنے کے قابل بھی نہیں۔ ان کے وزرائے خارجہ وہاں کسی منصب پر تو کیا مقرر ہوں گے، شاید اپنے جھوٹ، دغا اور بددیانتیوں کی بدولت جیل جانے سے بھی محفوظ نہ رہ سکیں، غرض وہ تمام لوگ جو اِن حکومتوں کے کاروبار

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو میرا رسالہ "اسلام کا نظریہ سیاسی"

چلانے کے لئے تیار کئے گئے ہوں، جن کی اخلاقی و ذہنی تربیت ان کے مزاج کے مناسب حال کی گئی ہو، اسلامی حکومت کے لئے قطعی ناکارہ ہیں۔ اُس کو اپنے شہری، اپنے ووٹر، اپنے کونسلر، اپنے اہلکار، اپنے جج اور مجسٹریٹ اپنے محکموں کے ڈائرکٹر، اپنی فوجوں کے قائد، اپنے خارجی سفراء، اپنے وزیر، غرض اپنی اجتماعی زندگی کے تمام اجزا، اپنے انتظامی مشین کے تمام پُرزے بالکل ایک نئی ساخت کے درکار ہیں۔ اس کو ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جن کے دلوں میں خدا کا خوف ہو، جو خدا کے سامنے اپنی ذمہ داری کا احساس رکھتے ہوں، جو دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے والے ہوں، جن کی نگاہ میں اخلاقی نفع و نقصان کا وزن دُنیوی نفع و نقصان سے زیادہ ہو، جو ہر حال میں اُس ضابطہ اور اُس طرز عمل کے پابند ہوں جو ان کے لئے مستقل طور پر بنا دیا گیا ہے، جن کی تمام سعی و جہد کا ہدف مقصود خدا کی رضا ہو، جن پر شخصی یا قومی اغراض کی بندگی اور ہوا و ہوس کی غلامی مسلط نہ ہو۔ جو تنگ نظری و تعصب سے پاک ہوں، جو مال اور حکومت کے نشے میں بدمست ہو جانے والے نہ ہوں، جو دولت کے حریص اور اقتدار کے بھوکے نہ ہوں، جن کی سیرتوں میں یہ طاقت ہو کہ جب زمین کے خزانے ان کے دستِ قدرت میں آئیں تو وہ پکے امانتدار ثابت ہوں۔ جب بستیوں کی حکومت ان کے ہاتھ میں آئے تو وہ راتوں کی نیند سے محروم ہو جائیں اور لوگ ان کی حفاظت میں اپنی جان، مال، آبرو، ہر چیز کی طرف سے بےخوف رہیں، جب وہ فاتح کی حیثیت سے کسی ملک میں داخل ہوں تو لوگوں کو ان سے قتل و غارتگری، ظلم و ستم اور بدکاری و شہوت رانی کا کوئی اندیشہ نہ ہو بلکہ ان کے ہر سپاہی کو مفتوح ملک کے باشندے اپنی جان و مال اور اپنی عورتوں کی عصمت کا محافظ پائیں جن کی دھاک بین الاقوامی سیاست میں اس درجہ کی ہو کہ ان کی راستی، انصاف پسندی، اصول اخلاق کی پابندی اور عہد و پیمان پر تمام دُنیا میں اعتماد کیا جائے۔ اس قسم کے اور صرف اسی قسم کے لوگوں سے اسلامی حکومت بن سکتی ہے اور یہی لوگ اس کو چلا سکتے ہیں۔ رہے مادہ پرست، افادی ذہنیت (UTILITARIAN MENTALITY) رکھنے والے لوگ جو دنیوی فائدوں اور شخصی یا قومی مصلحتوں کی خاطر ہمیشہ ایک نیا اصول بناتے ہوں، جن کے پیش نظر نہ خدا ہو نہ آخرت، بلکہ جن کی ساری کوششوں کا مرکز و محور اور ساری پالیسیوں کا مدار صرف دنیوی فائدہ و نقصان ہی کا خیال ہو، وہ ایسی حکومت بنانے یا چلانے کے قابل تو کیا ہوں گے، ان کا اس حکومت کے دائرے میں موجود ہونا ہی ایک عمارت میں دیمک کی موجودگی کا حکم رکھتا ہے۔

اسلامی انقلاب کی سبیل

اسلامی حکومت کی اس نوعیت کو ذہن میں رکھ کر غور کیجئے کہ اس منزل تک پہونچنے کی کیا سبیل ہو سکتی ہے، جیسا کہ میں ابتداء میں عرض کر چکا ہوں، کسی سوسائٹی میں جس قسم کے فکری، اخلاقی، تمدنی اسباب و محرکات فراہم ہوتے ہیں ان کے تعامل سے اسی قسم کی حکومت وجود میں آتی ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ ایک درخت اپنی ابتدائی کونپل سے لیکر پورا درخت بننے تک تو لیموں کی حیثیت سے نشو و نما پائے مگر بار آوری کے مرحلے پر پہونچ کر یکایک آم دینے لگے۔ اسلامی حکومت کسی معجزے کی شکل میں صادر نہیں ہوتی۔ اس کے پیدا ہونے کے لئے ناگزیر ہے کہ ابتدا میں ایک ایسی تحریک اُٹھے جس کی بنیاد میں وہ نظریۂ حیات، وہ مقصدِ زندگی، وہ معیارِ اخلاق، وہ سیرت و کردار ہو جو اسلام کے مزاج سے مناسبت رکھتا ہے۔ اس کے لیڈر اور کارکن صرف وہی لوگ ہوں جو اس خاص طرز کی انسانیت کے سانچے میں ڈھلنے کے لئے مستعد ہوں۔ پھر وہ اپنی جدوجہد سے سوسائٹی میں اسی ذہنیت اور اسی اخلاقی روح کو پھیلانے کی کوشش کریں۔ پھر اسی بنیاد پر تعلیم و تربیت کا ایک نیا نظام اُٹھے جو اس مخصوص ٹائپ کے آدمی تیار کرے اس سے مسلم سائنٹسٹ، مسلم فلسفی، مسلم مورخ، مسلم ماہرین مالیات و معاشیات، مسلم ماہرین قانون، مسلم ماہرین سیاست، غرض ہر شعبۂ علم و فن میں ایسے آدمی پیدا ہوں، جو اپنی نظر و فکر کے اعتبار سے مسلم ہوں، جن میں یہ قابلیت موجود ہو کہ افکار و نظریات کا ایک پورا نظام اور عملی زندگی کا ایک مکمل خاکہ اسلامی اصول پر مرتب کر سکیں، اور جن میں اتنی طاقت ہو کہ دنیا کے ناخدا شناس ائمۂ فکر کے مقابلہ میں اپنی عقلی و ذہنی ریاست (INTELLECTUAL LEADERSHIP) کا سکہ جما دیں۔ اس دماغی پس منظر کے ساتھ یہ تحریک عملاً اس غلط نظام زندگی کے خلاف جدوجہد کرے جو گرد و پیش کی دنیا پر پھیلا ہوا ہو۔

اس جدو جہد میں اس کے علمبردار مصیبتیں اٹھاکر، سختیاں جھیل کر، قربانیاں کرکے، مار کھاکر اور جانیں دیکر اپنے خلوص اور اپنے ارادے کی مضبوطی کا ثبوت دیں۔ آزمائشوں کی بھٹی میں تپائے جائیں اور ایسا سونا بنکر نکلیں جس کو پرکھنے والے ہر طرح جانچ کر بے کھوٹ کامل المعیار سونا ہی پائیں۔ اپنی لڑائی کے دوران میں وہ اپنے ہر قول اور ہر فعل سے اپنی اس مخصوص آئیڈیالوجی کا مظاہرہ کریں جس کے علمبردار بنکر وہ اٹھے ہیں، اور اُن کی ہر بات سے عیاں ہو کہ واقعی ایسے بے لوث، بے غرض، راستباز، پاک سیرت، ایثار پیشہ، بااصول، خداترس لوگ انسانیت کی فلاح کے لئے جس اُصولی حکومت کی طرف دعوت دے رہے ہیں، اس میں ضرور انسان کے لئے عدل اور امن ہوگا۔ اس طرح کی جدوجہد سے سوسائٹی کے وہ تمام عناصر جن کی فطرت میں کچھ بھی نیکی اور راستی موجود ہے، اس تحریک میں کھنچ آئیں گے۔ پست سیرت لوگوں اور ادنیٰ درجہ کے طریقوں پر چلنے والوں کے اثرات تحریک کے مقابلہ میں دبتے چلے جائیں گے۔ عوام کی ذہنیت میں ایک انقلاب رونما ہوگا۔ اجتماعی زندگی میں اس مخصوص نظام حکومت کی پیاس پیدا ہو جائے گی اور اس بدلی ہوئی سوسائٹی میں کسی دوسرے طرز کے نظام کا چلنا مشکل ہو جائے گا، جس کے لئے اس طور پر زمین تیار کی گئی ہوگی، اور جونہی کر وہ نظام قائم ہوگا اس کو چلانے کے لئے ابتدائی اہلکاروں سے لیکر وزراء اور نظماء تک ہر درجہ کے مناسب کل پُرزے اس نظام تعلیم وتربیت کی بدولت موجود ہوں گے، جس کا ذکر میں ابھی کرچکا ہوں۔

حضرات! یہ ہے اس انقلاب کے ظہور اس حکومت کی پیدائش کا فطری طریقہ جس کو اسلامی انقلاب اور اسلامی حکومت کہا جاتا ہے۔ آپ سب اہل علم لوگ ہیں۔ دنیا کے انقلابات کی تاریخ آپ کے سامنے ہے، آپ سے یہ بات پوشیدہ نہیں رہ سکتی کہ ایک خاص نوعیت کا انقلاب اسی نوعیت کی تحریک، اسی نوعیت کے لیڈر اور کارکن اور اسی نوعیت کا اجتماعی شعور اور تمدنی واخلاقی ماحول چاہتا ہے۔ انقلاب فرانس کو وہی خاص خلاقی وذہنی اساس درکار تھی جو روسو، والٹیر، اور مانٹسکیو جیسے لیڈروں نے تیار کی۔ انقلاب روس صرف مارکس کے افکار، لینن اور ٹراٹسکی کی لیڈرشپ اور ان ہزارہا اشتراکی کارکنوں ہی کی بدولت رونما ہو سکتا تھا جن کی زندگیاں اشتراکیت کے سانچے میں ڈھل چکی تھیں، جرمنی کا نیشنل سوشلزم اُس مخصوص اخلاقی، نفسیاتی، اور تمدنی زمین ہی میں جڑ پکڑ سکتا تھا جس کو ہیگل، فشتے، گوئٹے، نیٹشے اور بہت سے مفکرین کے نظریات اور ہٹلر کی لیڈرشپ نے تیار کیا۔ اسی طرح سے اسلامی انقلاب بھی صرف اسی صورت میں برپا ہو سکتا ہے جبکہ ایک عمومی تحریک قرآنی نظریات وتصورات اور محمدی سیرت و کردار کی بنیاد پر اُٹھے اور اجتماعی زندگی کی ساری ذہنی، اخلاقی، نفسیاتی اور تہذیبی بنیادوں کو طاقتور جدوجہد سے بدل ڈالے۔ یہ بات کم ازکم میری سمجھ میں نہیں آتی کہ قوم پرستانہ نوعیت کی کوئی تحریک جس کا پس منظر یہ ناقص نظام تعلیم ہو جو اس وقت ہمارے ہاں پایا جاتا ہے، اور جس کی بنیاد افادی اخلاقیات (UTILITARIAN MENTALITY) اور مصلحت پرستی (......) پر ہو اسلامی انقلاب آخر کس طرح برپا کر سکتی ہے؟ میں اس قسم کے معجزات پر یقین نہیں رکھتا جس پر فرانس کے سابق وزیر موسیو رینو یقین رکھتے تھے۔ میں تو اس کا قائل ہوں کہ جیسی تدبیر کی جائے گی ویسے ہی نتائج برآمد ہوں گے ؛

(از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی)

ہماری نظر میں

"تاریخ مشائخ چشت"

"تاریخ مشائخ چشت" از:- خلیق احمد نظامی، ضخامت ۸۱۸ صفحات کاغذ، کتابت، طباعت ہر چیز دیدہ زیب! خوشنما اور پائیدار جلد، رنگین گردپوش کے ساتھ! قیمت غیر مجلد بارہ روپے، مجلد تیرہ روپے، ملنے کا پتہ:- ندوۃ المصنفین، اُردو بازار، دہلی!

جناب خلیق احمد نظامی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں شعبہ تاریخ کے اُستاد اور ندوۃ المصنفین کے رفیق ہیں، اُن کی علمی زندگی کا بہت بڑا حصّہ "تصوف" کے مطالعہ اور تحقیق و جستجو میں گزرا ہے، "تاریخ مشائخ چشت" موصوف کی اس محنت اور کاوش و تحقیق کی زندہ اور محسوس شہادت ہے۔

تصوف کا ذوق پروفیسر خلیق احمد نظامی کو نسلی طور پر ورثہ میں ملا ہے اس لئے انھوں نے جس زور شور کے ساتھ تصوف کی مدافعت کی ہے، وہ اُنھی کا حصّہ ہے، اس سے پہلے کم از کم اُردو میں کوئی ایسی جامع اور مبسوط کتاب ہماری نظر سے نہیں گزری، فاضل مصنف علم و فکر اور نفسیات و اجتماعیات کے جدید تقاضوں سے بھی باخبر ہیں، اس لئے انھوں نے "تصوف" کی مدافعت میں ان تمام باتوں کا لحاظ رکھا ہے!

اربابِ تصوف کے یہاں اصلاح و تربیت کے جو طریقے رائج ہیں، اُن کو لائق مصنف نے کس قدر علمی انداز میں پیش کیا ہے:-

"علم نفسیات میں انسان کی تین کیفیات سے بحث کی جاتی ہے، ادراک، احساس اور عمل (KNOWING FEELING + ACTION) ہر انسانی فعل ادراک و احساس کی منزل سے گزرتا ہے ــــــ سماج اور حکومت عمل پر مواخذہ کرتے ہیں، قانون تعزیرات کی کوئی دفعہ ادراک و احساس کی منزل پر جرائم کا احتساب نہیں کر سکتی، مشائخ کی اصلاح کا بنیادی طریقہ اور اصول یہ تھا کہ انسان کا عمل درست کرنے کے لئے ادراک و احساس کو درست کیا جائے، ان کا کہنا تھا کہ بُرا فعل بُرا ہے لیکن بُرا خیال اس سے بھی بُرا ہے، جسم کی جنابت پانی سے دور ہو جاتی ہے لیکن دل کی جنابت دور کرنے کے لئے یہ پانی کافی نہیں وہ آنکھوں کے پانی سے دُھلتی ہے اور نالہائے نیم شبی سے اس کے اثرات محو ہوتے ہیں، انسان کی صحیح تربیت وہ ہے جو اس کے ادراک، احساس اور عمل کو درست کرے وہ صرف بُرے عمل ہی سے پرہیز نہ کرے بلکہ بُرے خیالات اور بُرے احساسات سے بھی بچے، صرف اُس کی گردن سے زنار ہی دور نہ کر دیا جائے بلکہ اُس کی پیشانی میں چھپے ہوئے سجدہ ہائے صنم بھی نکال دیئے جائیں، ایک دن حضرت محبوب الٰہی رح نے فرمایا:-

اوّل خطرہ است یعنی اول چیزے در دل بگذرد، بعد ازاں عزیمت است یعنی برآں اندیشہ دل می بندد و بعد ازاں فعل است یعنی آں عزیمت را بہ فعل رساند، بعد ازاں فرمود کہ عوام را تا فعل نکنند نگیرند اما خواص را ہم در خطرہ مواخذہ باشد۔ (فوائد الفواد)

اوّل خطرہ ہے، یعنی وہ چیز جو دل میں گزرے اور بعد ازاں عزیمت ہے یعنی اس اندیشہ پر دل لگے، اور پھر فعل ہے یعنی وہ ارادہ فعل میں بدلتا ہے، بعد ازاں فرمایا کہ عوام سے جب تک فعل سرزد نہ ہو مواخذہ نہیں کیا جاتا، لیکن خواص سے خطرہ کی صورت ہی میں مواخذہ کر لیتے ہیں۔

تصوف اور اربابِ تصوف پر جو اعتراضات عام طور سے وارد کئے جاتے ہیں، اُن میں سے ایک ایک اعتراض کو لائق

مصنف نے رفع کرنے کی قابل قدر کوشش کی ہے ——— مثلاً صوفیائے کرام کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ وہ معقولات اور منقولات سے زیادہ شغف نہیں رکھتے بلکہ بہت سوں کی زندگیوں کے اوراق ہی علم وفضل کے اعتبار سے سادہ و بے رنگ ہیں ——— مگر "تاریخ مشائخ چشت" میں صوفیائے کرام کی علمی زندگی کو خوب روشن کرکے دکھایا گیا ہے اور مستند تاریخی حوالوں کے ساتھ یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ مشائخ کی اکثریت قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ اور دوسرے علوم میں درک رکھتی تھی :—

"شاہ کلیم اللہؒ جہاں آبادی کی علمی شہرت بہت جلد اکناف ملک میں پھیل گئی اور دور دور سے طلبا، تحصیل علم کیلئے ان کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔۔۔"

حضرت شاہ فخرالدین دہلویؒ اجمیری دروازہ کے مدرسہ میں طلبا، کو باقاعدہ علم حدیث کا درس دیتے تھے، شاہ صاحب قدس سرہٗ کا بیشتر وقت کتابوں کے مطالعہ میں صرف ہوتا اور کتابیں جمع کرنے کا شوق اتنا بڑھا ہوا تھا کہ قرض وام کرکے کتابیں خریدتے، آپ کا نہایت عمدہ کتب خانہ تھا۔

"ترکِ دُنیا" کا نظریہ بھی "تصوف" کے خلاف "فردِ جرم" میں داخل ہے مگر فوائد الفوائد میں اس نظریہ کی تشریح اس طرح فرمائی گئی ہے :—

"ترکِ دنیا کا یہ مطلب نہیں کہ انسان اپنے آپ کو ننگا کرے اور لنگوٹہ باندھ کر بیٹھ جائے بلکہ ترکِ دُنیا یہ ہے کہ لباس بھی پہنے اور کھائے بھی، لیکن جو کچھ اُسے ملے اُس کی طرف راغب نہ ہو اور اُس سے دل نہ لگائے۔۔۔"

"کشف وکرامت" تصوف کے لوازم سمجھے جاتے ہیں، مگر مکتوبات کلیمی اور سیر الاولیا میں لکھا ہے :—

"کشف وکرامات "حجابِ راہ" ہیں" ——— ایک دن مولانا حسام الدین رح نے اپنے پیر سے عرض کیا "مخدوم! خلق، طالبِ کرامت ہے"، فرمایا :- کرامت کے طالب نہ بنو، تم اپنے کام میں ثابت قدم رہو، استقامت ہی کرامت ہے!

"تاریخ مشائخ چشت" میں بہت سے واقعات ملتے ہیں، جن میں بتایا گیا ہے کہ صوفیا، کرام نے بادشاہوں کے یہاں آنے جانے اور اُن سے ربط وضبط رکھنے کو پسند نہیں فرمایا اور بعض تو سلاطین کے تحائف اور ہدیوں کو بھی قبول نہ کرتے تھے ——— اظہارِ حق کا یہ عالم تھا :—

"ایک قلندر نے چراغ دہلویؒ کے جسم کو چھریوں سے لہو لہان کردیا تو انہوں نے زبان سے اُف تک نہ کہا، لیکن جب محمد بن تغلق نے غصہ سے بات کی تو جان کا خیال کئے بغیر پکار اُٹھے :— اس جانوروں کے غصہ سے باز آؤ۔"

صوفیا، کرام کی "قلندریت" سوز وجذب اور محویت واستغراق کے سبب اُن کی زندگیوں کو لوگ غیر منضبط سا سمجھتے ہیں مگر شاہ کلیم اللہ رح ایک مکتوب میں فرماتے ہیں :—

"ضبطِ اوقات آنکہ ندارد، خسر الدنیا والآخرۃ است"

(جو اوقات کی پابندی نہیں کرتا وہ دنیا اور آخرت دونوں میں نقصان میں رہتا ہے)

زیر تبصرہ کتاب میں خاص طور سے اس بات کو بیان کیا گیا ہے کہ چشتیہ خاندان کے اکابر اتباعِ سنت کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے، آج "درود تاج" پر کوئی ذرا سی بھی لب کشائی کرے تو اُس پر "وہابیت" کی پھبتی چست کی جائے گی مگر فخر الطالبین میں ہدایت کی گئی ہے :—

درودے کہ در حدیث شریف آمدہ، ہموں را بخوانند	حدیث شریف میں جو درود آیا ہے، اسی کو پڑھیں ———

بطرف چیزہائے دیگر رجوع نہ کنند و بہ مذہب حنفی تعصب می کنند، بطرف حدیث بسیار رجوع دارند۔ دوسری چیزوں کی طرف رجوع نہ کریں، مذہب حنفی پر مضبوطی سے قائم رہیں، حدیث کی طرف کثرت سے رجوع کریں۔

حضرت شاہ فخر صاحبؒ شیعوں کو بھی بیعت فرماتے تھے، ایک مرتبہ شاہ عبدالعزیز رح نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ " ازیں جہت از سب و تبرا باز می آیند" (یعنی اس طرح وہ تبرا اور (صحابہ کو) گالی گلوچ سے باز آجاتے ہیں)

ہم نے بارہا اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ جو تصوف کتاب وسنت کے مطابق ہے اُس پر جو کوئی معترض ہوتا ہے وہ گمراہ کن عصبیت میں مبتلا ہے، ایسا تصوف جو "احسان" اور "تزکیہ" کی ضرورت کو کتاب وسنت کے حدود میں رہ کر، پورا کرتا ہو ہمارے سر آنکھوں پر اور ہم اس انداز کے اہلِ تصوف کی راہ میں دل ونگاہ بچھاتے ہیں (رحمہم اللہ تعالیٰ وبرد اللہ مضاجعہم)

؎ خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

دوسرا رُخ :— بیعت کی ضرورت، سماع اور وحدت الوجود کے سلسلہ میں جو کچھ لکھا گیا ہے اُس پر گفتگو کی جاسکتی ہے اور بعض مقامات یقیناً محلِ غور ہیں، اس ذکر کو ہم چھیڑیں گے تو بات بہت طولانی ہوجائے گی،

"تاریخ مشائخ چشت" میں جگہ جگہ ملتا ہے کہ فلاں صاحب نے فلاں بزرگ کے مزار پر اعتکاف کیا اور اتنے دن تک چلہ کھینچا، مگر کتاب وسنت اور آثارِ صحابہ اس قسم کی حاضریِ مزارات، وہاں اعتکاف و چلہ کشی اور طلبِ برکت کے ذکر و عمل سے خالی ہیں! بزرگوں کی قبروں کے ساتھ مشائخ کا یہ مبالغہ آمیز اظہارِ عقیدت رفتہ رفتہ طواف وسجدہ کی حد تک پہونچ گیا، یہاں تک کہ قبروں کو غسل دیا جاتا ہے اور اُس کے پانی کو عقیدت مند متبرک سمجھ کر پیتے ہیں، ان آنکھوں نے اجمیر القدس اور پیران کلیر شریف میں لوگوں کو مزاروں کی طرف سجدہ کرتے دیکھا ہے (عیاذاً باللہ)! یہ عُرس، چراغاں، مزاروں کی گل پوشی اور چادریں چڑھانا یہ سب بدعت کے کرشمے ہیں! اور بعض مشائخ چشت ان باتوں میں یا تو خود مبتلا تھے، یا کم سے کم ان پر احتساب نہ کرتے تھے! چنانچہ اسی کتاب میں لکھا ہے کہ حضرت شاہ فخر صاحبؒ کا ایک نہایت مخلص مرید نواب ضابطہ خاں تھا، جو حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے عُرس میں شامیانہ زرّین وسبز، چراغاں اور دیگر سامان بھیجا کرتا تھا! حالانکہ حدیث شریف میں قبروں پر میلے لگانے کی سخت ممانعت آئی ہے!

حضرت شاہ فخر الدین دہلویؒ کی منقبت میں سراج الدین شاہ ظفر کے چند اشعار مصنف نے درج کئے ہیں، جن میں اس قسم کے شعر بھی ہیں:—

ہے مدد تیری توانائی بخش	میں ہوں بے تاب وتوانِ فخر الدین
کیا کروں عرض عیاں ہے تم پر	میرا سب رازِ نہاں فخر الدین

نہ جانے خلیق احمد صاحب نظامی نے ان شعروں کا کیا سمجھ کر انتخاب کیا اور اُن پر کوئی نوٹ بھی نہیں دیا، وفات پائے ہوئے بزرگوں سے اس طرح فریاد کرنا اور اُن سے مدد چاہنا عقیدۂ توحید کے قطعاً منافی ہے، اور افسوس ہے کہ حال وقال، وجد وسماع اور جذب وشوق کے پردے ان لغویتوں پر ڈال دیئے گئے ہیں۔

"آج کل شاہ صاحب کے نواسے حضرت عزیز میاں صاحب سجادہ پر جلوہ فرما ہیں" (صفحہ ۵۷۳)

یہ وہی موروثی عقیدت ہے جو اس طرح ظاہر ہوئی ہے، اور ایک صاحبِ نظر پروفیسر کے قلم سے یہ جملہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی، اس خصوص میں اتنا ہی اشارہ کافی ہے، عقیدت کی یہ وہ مرعوبیت ہے جس نے دیوانوں کو "مجذوب" اور ملنگوں کو "قلندر" بنا دیا! اور سجادگی، طریقت اور ارشاد و تصوف کو خاندانوں کے نسلی ورثہ میں منتقل کر دیا۔

"اٹھارویں صدی کے مسلمانوں کے ہندو مذہب کے متعلق خیالات معلوم کرنے ہوں تو حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کا مکتوب چہاردہم غور سے مطالعہ کرنا چاہیئے، انھوں نے ہندوؤں کو "مشرکانِ عرب" کے مشابہ تسلیم کرنے سے صاف انکار کیا اور وید کو الہامی کتاب مانتے ہوئے اہلِ کتاب کا مرتبہ دیا ہے۔ ۔ ۔ ۔" (صفحہ ۳۵۱)

حالانکہ ہندو شرک اور بت پرستی میں عرب کے مشرکوں سے منزلوں آگے ہیں، سانپ، پیپل، گائے، بندر کی پوجا مشرکینِ عرب کو کہاں آتی تھی!

اس کتاب پر پیش لفظ ڈاکٹر ذاکر حسین نے اور تعارف پروفیسر محمد حبیب نے لکھا ہے، "تعارف" کے بعض جملوں نے خود تصوف کی پوزیشن کو کافی مجروح کر دیا ہے، شلاً:۔

"وحدت الوجود کی سب سے پہلے تعلیم اپنشدوں نے دی۔ ۔ ۔" (صفحہ ۳۱)

"شخصی ملکیت کے اصول کے تمام صوفیہ مخالف تھے ——— شیخ نظام الدین اولیاؒ کے جماعت خانہ میں تمام لوگ اشتراکی اصول پر زندگی بسر کرتے تھے ——"

اور کہیں اتفاق سے روس ہار جاتا اور ہٹلر کی جیت ہو جاتی اور "ہٹلریت" کا غلبہ ہوتا تو پروفیسر محمد حبیب کے سوچنے کا یہ انداز ہوتا:۔

مشائخ اور پیروں کی حیثیت "ڈکیٹر" کی ہوتی ہے کہ اُن کے حکم کا اتباع مریدوں کے لئے بہرحال ضروری ہے"

لائق مصنف صفحہ ۸۶ پر لکھتے ہیں:۔

"گو امام احمد بن حنبلؒ کو عموماً اس دور کے صوفیہ میں شامل نہیں کیا جاتا ——" احمد بن حنبلؒ ہی نہیں، "اہلِ باطن" اور "صاحبانِ دل" کی بزم میں امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام ابو یوسفؒ، امام بخاریؒ، جیسے اکابر کو کب شامل کیا جاتا ہے، اہلِ ظاہر اور اہلِ باطن کی یہ تقسیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے عہد میں نہیں ملتی، یہ سب بعد والوں کے اضافے اور جدت نوازیاں ہیں!

پروفیسر خلیق احمد نظامی کے قلم میں روانی ہے، زور ہے اور شگفتگی و دل آویزی بھی ہے، صرف ایک نمونہ:۔

"دہلی، اسلامی ہند کی ابتدا سے تہذیب و تمدن کا ایک بڑا مرکز رہی ہے، دجلہ و فرات سے علم و عرفان کی جو موجیں اُٹھیں وہ جمنا ہی کے کناروں سے آکر ٹکراتی ہیں، بغداد و بخارا سے جو علمی قافلے چلے ہیں وہ یہیں آکر ٹھیرے ہیں، کبھی اس کی رونق کا یہ عالم کہ چپہ چپہ پر خانقاہیں تھیں، قدم قدم پر مدرسے تھے، کوچہ کوچہ میں مسجدیں تھیں، تشنگانِ معرفت اپنی پیاس بجھانے کے لئے بڑی بڑی تکلیفیں برداشت کرتے تھے اور یہاں پہونچتے تھے، ہندوستان کا دار السلطنت رشکِ بغداد و عزتِ مصر بنا ہوا تھا۔" (صفحہ ۳۳)

(صفحہ ۸۷) "بعیدی طور پر بھی کبھی یہ خیال نہیں تھا" ——— کوئی شک نہیں کہ "قریبی" بولا جاتا ہے مگر (بعید سے) "بعیدی" کوئی نہیں بولتا ——— صفحہ (۸۹) پر "زانی محصن" کی جگہ "زانی محض" چھپا ہے یہ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے ——— صفحہ (۱۱۷) حیرت ہے کہ خلیق صاحب نے بھی "غیظ" کو "غیض" لکھا ہے ——— (صفحہ ۳۰۲) "شریعت کے تمام احکامات۔ ۔ ۔ ۔" "احکام" کی جمع الجمع "احکامات" وجدان پر گراں گزرتی ہے ———

(صفحہ ۲۰۹) "اُن کے فرزند ارجمند شیخ سراج الدین سجادہ شیخت پر بیٹھے" عربی گرامر کے اعتبار سے "شیخت" صحیح ہے مگر اُردو میں "شیخت" شیخی اور کبر و غرور کے معنیٰ میں بولا جاتا ہے۔!

لائق مصنف نے فارسی، عربی، اُردو اور انگریزی کی کم و بیش دو سو کتابوں سے اس ایک کتاب کی تالیف و تصنیف میں مدد لی ہے، قلمی مکتوبات ان کے علاوہ رہے! مصنف کی عرق ریزی، نکتہ سنجی اور خلوص ہزار بار تحسین و تبریک کا مستحق ہے، ناول و افسانہ کی اس رنگین اور سطحی فضا میں ایسی علمی اور تحقیقی کتابیں بہت ہی کم منظر عام پر آتی ہیں۔

جواہرِ رسالتؐ

"جواہرِ رسالتؐ" —— جامع :- ابو تمکین افتخار احمد، حجم ۱۲۸ صفحے، قیمت ایک روپیہ چار آنہ (سرورق رنگین اور دیدہ زیب) ملنے کا پتہ :- المطبوعات ۱۲/۴ بہار کالونی کلیٹن روڈ کراچی ۵

"جواہر رسالت" کے نام ہی سے ظاہر ہے کہ اس میں کیا ہوگا؟ مولانا ابو تمکین افتخار احمد نے مختلف عنوانات کے تحت پہلے قرآن کی آیت کو "سرنامہ" بنایا ہے اور اُس کے تحت احادیث، ترجمہ کے ساتھ درج کی ہیں، اور جہاں ضرورت محسوس کی ہے وہاں تشریحی نوٹس بھی دیدیئے ہیں، ترجمہ اور تشریحی اشارات کی زبان سلیس اور اندازِ بیان شگفتہ اور مفکرانہ ہے!

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال انما اخاف علی ھذہ الامۃ کل منافق یتکلم بالحکمۃ ویعمل الجور

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اس امت کے لئے ہر ایسے منافق سے خطرہ ہے جو باتیں تو حکیمانہ کرتا ہے مگر اس کا عمل (تعلیمات دینیہ سے) سرکشی و تمرد پر استوار ہے!

اس قسم کی حدیثوں میں ہم سب کے لئے کس قدر عبرت اور موعظت ہے! حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے استفادہ کے بغیر اخلاق اور تزکیہ نفس کی تکمیل ہو ہی نہیں سکتی، منکرینِ حدیث پر خدا کی پھٹکار کہ وہ دین و اخلاق کی اتنی بڑی ضرورت کا انکار کرتے ہیں اور اپنی اس جہالت اور گمراہی پر نازاں بھی ہیں!

"جواہر رسالت" پڑھنے اور عمل کرنے کی چیز ہے، اس کے جامع کو اللہ تعالیٰ دین و دنیا میں اپنی نعمتوں سے نوازے!

دستورِ قرآنی

"دستورِ قرآنی" —— حجم ۳۲ صفحے (سائز بڑا) جسے مولوی نور احمد صاحب ناظم دارالعلوم نانک واڑہ، کراچی ۲ سے مفت طلب کیا جا سکتا ہے۔

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب (رکن مجلس تعلیمات اسلام دستوریہ پاکستان) مسجد باب الاسلام (متصل آرام باغ کراچی) میں صبح کی نماز کے بعد درسِ قرآن دیا کرتے ہیں، یہ کتابچہ مفتی صاحب موصوف کے درسِ قرآن کی ایک تقریر پر مشتمل ہے، جس میں قرآنِ پاک کی وہ آیتیں پیش کی گئی ہیں، جن میں دستورِ اسلامی کے بنیادی مسائل مذکور ہیں!

مفتیوں اور مولاناؤں کی پاکستان میں کمی نہیں ہے مگر مفتی محمد شفیع صاحب کو اللہ تعالیٰ نے حمایتِ حق کی توفیق عطا فرمائی ہے، اس زمانہ میں جب کہ پاکستان میں دستور کا مسئلہ خاص و عام کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے، مفتی صاحب قبلہ کی یہ تقریر (دستور قرآنی) اعلاء کلمۃ الحق کی محسوس شہادت ہے، یہ تقریر بڑے وقت پر شائع ہوئی ہے اور مغرب زدہ طبقہ کے لئے اتمامِ حجت کی حیثیت رکھتی ہے! جب تک مفتی مولانا محمد شفیع صاحب جیسے صاحبانِ علم و عمل ہمارے درمیان موجود ہیں ملتِ اسلامیہ کو کوئی لالچ اور طاقت مرعوب اور گمراہ نہیں کر سکتی!

دستوری سفارشات

"دستوری سفارشات پر علماء کی ترمیمات کی تشریحات" از :- سید ابوالاعلیٰ مودودی، ضخامت ۴۰ صفحات (بڑا سائز) قیمت پانچ آنہ، ملنے کا پتہ :- مکتبہ چراغ راہ، وُٹیا بلڈنگ کراچی!

—— خواجہ ناظم الدین صاحب نے دستوری سفارشات کی جو رپورٹ اپنی وزارت عظمیٰ کے عہد میں دستور ساز اسمبلی میں پیش کی تھی، اُس پر تمام اسلامی فرقوں اور گروہوں کے نمائندہ علماء نے کراچی میں جمع ہو کر غور و

خوض فرمایا اور اپنی ترمیمات مُرتب کر کے منظرِ عام پر پیش کر دیں! اس کتابچہ میں علماءِ کرام کی اصل ترمیمات درج ہیں ——— اور اُن کے ساتھ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے ۳۰ جنوری ۱۹۵۳ء کو لاہور میں اپنی معرکہ آراء تقریر کے ذریعہ علماء کی ترمیمات کی جو تشریحات کی ہیں، وہ بھی شامل ہیں! ——— مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی دینی بصیرت، فکر و نظر اور طرزِ استدلال نے ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر لی ہے، اُن کی یہ تقریر ہر اعتبار سے جامع اور بصیرت افروز ہے، اس تقریر میں مولانا موصوف نے مثالوں اور دلیلوں کے ذریعہ بتایا ہے کہ بنیادی سفارشات کی رپورٹ میں کیا خامیاں رہ گئی تھیں اور علماء کرام کی ترمیمات نے اُن خامیوں کو کس طرح دور کیا ہے؟ تنہا یہی تقریر مودودی صاحب کی دینی بصیرت، فقیہانہ صلاحیت اور ایمانی فراست کا ناقابلِ تردید ثبوت ہے!

روئداد انجمن ادبی رسائل پاکستان

جناب رازق الخیری مدیر "عصمت" کی کوششوں سے انجمن ادبی رسائل پاکستان کا قیام عمل میں آیا ہے، اسی انجمن کی پہلی کانفرنس ۱۱ اگست سے ۱۳ اگست ۵۳ء تک لاہور میں منعقد ہوئی تھی، جس کی صدارت ملک فیروز خاں نون وزیر اعظم پنجاب نے فرمائی تھی!

اس کتابچہ میں کانفرنس کی کارروائی تفصیل کے ساتھ درج ہے، قراردادوں کا حصّہ سب سے زیادہ اہم ہے، حکومتِ پاکستان سے ہم توقع رکھتے ہیں کہ وہ "انجمن ادبی رسائل پاکستان" کی کانفرنس کی منظور شدہ تجاویز کو منظور کر کے پاکستان کے ادبی رسائل کو زندہ رہنے اور ترقی کرنے میں مدد دے گی، ادبی رسائل کے ساتھ حکومت پاکستان کا اب تک سلوک بیگانوں اور اجنبیوں جیسا رہا ہے، اب وقت آگیا ہے کہ اس کی تلافی کی جائے!

ماہنامہ "تذکرہ"

ماہنامہ "تذکرہ" مدیر:- بشیر محمد، قیمت فی پرچہ چھ آنہ، سالانہ چار روپے، ملنے کا پتہ:- دفتر "تذکرہ" آرام باغ، کراچی! ——— ماہنامہ "تذکرہ" سات مہینہ سے پابندی وقت کے ساتھ نکل رہا ہے، کتابت وطباعت سے لیکر مضامین تک ہر چیز خوب ہے، یہ مجلّہ خالص دینی اور اخلاقی ہے، اس لئے مسلمان گھرانوں میں بار پانے کے قابل ہے! جناب بشیر محمد صاحب بڑے سلیقہ کے ساتھ رسالہ مُرتب فرماتے ہیں، مضامین کا تنوع "تذکرہ" کی امتیازی خصوصیت ہے! "نظم" کے حصّہ کو بلند کرنے کی ضرورت ہے! ——— ستمبر کے شمارہ میں علامہ ابنِ قیم رحمۃ اللہ علیہ کے مضمون کا ترجمہ (کفرِ اعتقادی اور کفرِ عملی) شائع کیا گیا ہے، جو ہر اعتبار سے وقیع اور مفید ہے، اس انداز کے ترجمے ہر مہینہ شائع

"تذکرہ" سے ہم توقع رکھتے ہیں کہ وہ "اقامتِ دین" اور "شہادتِ حق" کا فریضہ جرأت کے ساتھ ادا کرے گا اور اُس کی پالیسی میں — "دعوت" کے ساتھ "عزیمت" کا رنگ بھی پیدا ہو جائے گا!

ہفتہ وار "روشنی"

ہفتہ وار "روشنی" قیمت فی پرچہ ایک آنہ، مدیر:- ابوصالح الخطیب، معاون:- ابوالبیان حماد، ہندستان میں ترسیلِ زر کا پتہ مالک و مدیر ہفتہ وار روشنی ۱/۲ بچرا اسٹریٹ (نزد لال مسجد) بنگلور ۱/۲ اور پاکستان میں ——— دفتر دارالعلوم صولتیہ (مکہ معظمہ) صولتیہ منزل ۱۱۱/۲ جمشید کوارٹر کراچی! ——— ہفتہ وار "روشنی" تعلیماتِ اسلامی کا نقیب و داعی ہے، جس کے مضامین میں اصلاح واخلاق کے ساتھ اسلامی انقلاب کی جھلک بھی پائی جاتی ہے، مولانا ابوصالح الخطیب قابلِ مبارکباد ہیں کہ وہ جنوبی ہند میں جرأت کے ساتھ حق کی آواز بلند کر رہے ہیں!

ہفتہ وار "روشنی" کے کئی خاص نمبر بھی شائع ہو چکے ہیں، کتابت وطباعت کی خاطر خواہ سہولتیں ابھی تک میسر نہیں آسکیں، مگر ان حالات میں جو کچھ بھی کام ہو رہا ہے وہ نہ صرف یہ کہ غنیمت بلکہ لائقِ تحسین ہے! ہم "روشنی" کی ترقی اور بقاء کی دعاء کرتے ہیں!

۱؎ یہ ترمیمات انگریزی میں بھی کتابی صورت میں شائع کی گئی ہیں اور ——— مکتبہ "چراغ راہ" سے یہ کتابچہ مل سکتا ہے!

فاران

کراچی

پاکستان

ماہر القادری

جلد ۵ ——— نمبر ۸

ماہنامہ

فاران

نومبر ۱۹۵۳ء ایڈیٹر:- ماہر القادری

چندہ سالانہ

۶ روپیہ (پاکستانی) ——— فی پرچہ آٹھ آنے

۸ روپیہ (ہندستانی) ——— فی پرچہ گیارہ آنے

مقام اشاعت ——— دفتر:- فاران کیمبل اسٹریٹ
کراچی نمبر ۱

نظم و ترتیب

صفحہ

حصۂ نظم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ اوّل

ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اسباب و علل کی پابند نہیں ہے، اور اُس کا نظامِ ربوبیت علم کلام کی بحثوں سے بلند اور ماوراء ہے، وہ چاہے تو پلک مارتے میں پربت کو رائی اور رائی کو پربت بنادے، عزتیں اور ذلتیں بھی اُسی کے ہاتھ میں ہیں، جس سر پر چاہے عزتوں کے تاج رکھ دے اور جس پیشانی کو چاہے خاک آلود بنادے، کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی فعل حکمت اور عدل سے خالی نہیں ہوتا مگر اُس کی ہر حکمت کی کُنہ ہماری سمجھ میں کب آتی ہے؟ جنابِ خضرؑ کے ذریعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عالمِ تکوین کی صرف چند جھلکیاں دکھائی گئی تھیں تو حضرت موسیٰؑ کے اضطراب اور حیرت کا یہ عالم تھا کہ قدم قدم پر ضبط و صبر کی گرفت ڈھیلی ہو ہوجاتی تھی، یہاں تک کہ —————
"ھٰذا فراق بینی و بینک" کی نوبت آ پہونچی۔

قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنی قدرتِ کاملہ، ربوبیتِ عامہ، صمدیت، جباریت اور شہنشاہی کا ذکر فرمایا ہے، وہاں بندوں کو عمل کے لئے بھی اُبھارا ہے، اور وہ خدا جو اپنی ذات سے "علیٰ کل شیٔ قدیر" ہے اُسی کا "لیس للانسان الا ما سعیٰ" بھی ارشاد ہے —————جس قادر و جبار کی یہ شان ہے کہ ایک ذرہ بھی اُس کے حکم و اجازت کے بغیر حرکت نہیں کرسکتا، اُس کی یہ سُنت بھی ہے کہ جب تک کوئی قوم خود اپنے کو بدلنا نہیں چاہتی، اللہ تعالیٰ بھی اُسے نہیں بدلتا۔

حرکت کے ساتھ برکت کا نزول ہوتا ہے، انسانی تاریخ میں اس کی اتنی مثالیں موجود ہیں کہ اُن کا شمار نہیں ہوسکتا، بدر کے میدان میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی فوجیں اُسی وقت بھیجی تھیں، جب صحابہ کرامؓ نے سرفروشی اور جاں نثاری کے لئے اپنے کو پوری طرح تیار کرلیا تھا، مصر و مدآین کے دروازے مسلمانوں پر اُسی وقت کھلے تھے

جب وہ ایثار، قربانی اور جدو جہد کی اُس منزل تک پہونچ گئے تھے، جہاں اللہ کی رضا کے لئے جینے سے زیادہ مرنے میں لُطف آتا تھا ——— اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں "رات کے اُن راہبوں" ہی کی دُعائیں قبول ہوتی ہیں جو "دن کے شہسوار" بھی ہوتے ہیں، بے عمل قوموں اور آرام طلب انسانوں کی تقدیر میں مشیت کا قلم "ذلّت" لکھ کر خشک ہوگیا!

اللہ تعالٰی کے فضل و رحمت سے بے نیاز ہوکر جدو جہد کرنا بھی بہت بڑی بد توفیقی ہے اور اُس کے کرم پر بھروسا کرتے ہوئے ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جانا بھی پرلے درجہ کی حماقت ہے، دُعا اور دوا بھی وتدبیر اور توکل علی اللہ ساتھ ساتھ چلتے ہیں، ان میں سے کسی ایک کو بھی نہیں چھوڑا جا سکتا ——

اگر صرف اوراد و وظائف، اعتکاف اور چلّوں سے انقلاب آجاتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر اور کس کی دُعائیں اور نمازیں قبول ہوسکتی تھیں، مگر تاریخ بتاتی ہے اور صحیح بتاتی ہے کہ فتح مکہ کی منزل تک پہونچنے کے لئے، طائف و مکہ کی مظلومیت اور اُحد و خندق کی خطرناک معرکہ آرائیوں سے حضورؐ کو گزرنا پڑا ہے، باطل کا زور اس وقت تک نہیں ٹوٹا اور خدا پرستوں کو کامیابی نصیب نہیں ہوئی، جب تک کہ خود رحمۃ اللعالمینؐ کے جسمِ اقدس سے لہو نہیں بہہ چکا! محمد رسول اللہ (ہماری جانیں آپ پر قربان ہوں) کے لئے جب اللہ کا قانونِ مکافاتِ عمل نہیں بدلا، تو وہ کون ایسا اللہ کا پیارا اور مقربِ بارگاہ ہے، جس کے لئے اللہ کے راستے میں فرشتوں نے ایک ایک کانٹے کو چن لیا ہو اور قدم قدم پر پھول بچھا دیئے ہیں۔

عمل و حرکت اور اللہ کی رحمت کے نزول کا بہت ہی چھوٹے سے پیمانہ پر ایک منظر ان آنکھوں نے پاکستان میں بھی دیکھ لیا، یہ ایک ایسی کھلی ہوئی حقیقت ہے جس کا اپنوں اور پرایوں سب نے مشاہدہ کیا ہے۔

سرکاری حلقوں میں ایک دھوم مچ رہی تھی کہ "عارضی دستور" (INTERIM-CONSTITUTION) پیش کیا جانے والا ہے بلکہ پیش ہوکر رہے گا، عارضی دستور کی ضرورت اور افادیت پر طرح طرح کی دلیلیں لائی جا رہی تھیں اور وہ لوگ جو ساحل پر کھڑے ہوکر اس طوفان کا نظارہ کر رہے تھے، اُن کا کہنا تھا کہ اربابِ حکومت کے پاس طاقت ہے، اقتدار ہے، رعب داب کے ساتھ بہت سے لالچ بھی ہیں! اس لئے "عارضی دستور" کو یہ حضرات لاکر رہیں گے، قوم کا احتجاج بس کاغذوں پر ہی ثبت ہوکر رہ جائے گا۔

بڑی نازک اور فیصلہ کن گھڑی تھی، نہایت ہی صبر آزما لمحات تھے، تاریک اور روشن دونوں پہلو سامنے آتے تھے، اور دل بیم و رجا کے طوفان میں ہچکولے کھا رہا تھا، بیم و اضطراب کا یہ پہلو بار بار سامنے آتا تھا کہ جو حکومت دو ڈھائی مہینہ تک لاہور پر مارشل لاء کے آہنی اقتدار کو مسلط رکھ سکتی ہے اُس سے کیا بعید ہے کہ وہ طاقت کے بل بوتے پر "عارضی دستور" کو بھی نافذ کردے،۔

اللہ کا فضل ہے کہ ان اندیشوں اور خطروں نے قوم کی ہمتوں کو پست نہ ہونے دیا، "عارضی دستور" کی مخالفت میں پوری قوم نے یک جہتی اور اتحاد کے ساتھ صدائے احتجاج بلند کی اور اس قوت کے ساتھ بلند کی کہ اونچے اونچے محل ہل گئے، "جماعتِ اسلامی" (کراچی) کے دفتر میں وہاں کے مخلص اور پرجوش کارکنوں کی مصروفیت کا منظر ہم نے ان آنکھوں سے دیکھا ہے، بس یوں سمجھ لیجئے کہ اس قدر شدید احساسِ ذمہ داری اور مصروفیت اگر ہوتی ہوگی تو محاذِ جنگ پر ہوتی ہوگی ——

ہمیں معلوم ہوا ہے کہ "عارضی دستور" کا مسودہ قریب قریب مرتب ہو چکا تھا اور "خداوندانِ نعمت" اُسے نافذ کرنے کے لئے پُوری طرح تیار تھے، مگر عوام کے احتجاج کی ہمہ گیری اور شدّت کو دیکھ کر انہیں اپنے ارادے کو بدل دینا پڑا اور وہ ہر طرح کی طاقت اور اختیار رکھنے کے باوجود قوم کے مطالبہ کو رد کرنے کی جُرأت نہ کر سکے۔

یہ جو کچھ ہوا "لطیفۂ غیبی" کے طور پر ظہور میں نہیں آیا اور نہ اس میں کسی معجزہ اور کرامت کو دخل ہے، قوم میں حرکت پیدا ہوئی، عوام اللہ تعالیٰ کے کرم پر اعتماد کرتے ہوئے میدانِ عمل میں آ گئے، پس اُن کی حرکت، سرگرمی اور عزم و جوش دیکھ کر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم نے بھی اُن کا ایک لمحے کے توقف و تاخیر کے بغیر ساتھ دیا، اور اربابِ اقتدار کی نگاہوں میں اُن کی اپنی طاقت کو کم اور عوام کی طاقت کو زیادہ کر کے دکھایا، اللہ تعالیٰ نے ہی ان "بڑے لوگوں" اور "عزت مآبوں" کے دلوں میں عوام کی طاقت کا رُعب ڈالا، اور اللہ تعالیٰ سب کچھ کر سکتا ہے ــــــــ یہاں تک کہ "عارضی دستور" ایک خوابِ بے تعبیر بن کر رہ گیا۔

ہم ہمیشہ سے یہی کہتے آئے ہیں اور اب بھی یہی عرض کرتے ہیں کہ پاکستان میں اسلامی انقلاب مار دھاڑ اور توڑ پھوڑ کے خطرناک راستہ سے نہیں بلکہ آئینی اور امن پسندانہ کوششوں کی راہ سے آئے گا، اور اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس پُر امن آئینی جد و جہد کی پہلی کامیابی ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔

یہ معمولی نہیں بہت بڑی کامیابی ہے اور اس کے لئے ہم اپنے اللہ کے سوا اور کسی کے سپاس گزار نہیں ہیں، اُس کی رحمت سہارا نہ دیتی تو اس منزل میں ہم ایک قدم بھی نہ چل سکتے تھے، ساری تعریفیں، شکر گزاریاں اور منت شناسیاں اُسی کی ذات بے ہمتا کو زیبا اور سزاوار ہیں، یہ مقامِ مسرت تو بے شک ہے مگر مقامِ فخر نہیں ہے اور اس جد و جہد کے کسی کارکن نے اگر اپنے اندر ذرا بھی فخر کا جذبہ محسوس کیا تو اُس کی نیکی اکارت چلی جائے گی، ضرورت اس کی ہے کہ اس کامیابی پر اللہ کے حضور اپنی کوتاہیوں اور لغزشوں کا اعتراف کرتے ہوئے پہلے کے مقابلہ میں اور زیادہ عجز و نیاز پیش کیا جائے ــــــــ سجدے، دُعائیں، آہیں، آنسو! رات کی تنہائیوں میں خدا کے سامنے گریہ و تضرع کے ساتھ عرض کرنے کی ضرورت ہے کہ بارِ الٰہا! یہ جو کچھ ہوا صرف تیرے ہی فضل و کرم سے ہوا، ہم ناکاروں اور گناہگاروں میں جد و جہد کی تڑپ پیدا ہوئی، وہ بھی تیرے ہی کرم کا صدقہ ہے، ہم کیا اور ہماری کوششیں کیا؟

پروردگارا! حق پر چلنے اور جمے رہنے کی اور زیادہ توفیق اور ہمت عطا فرما! یہ قدم جو تیری راہ میں اُٹھ چکے ہیں، چاہے ٹوٹ جائیں مگر ڈگمگانے نہ پائیں، تیری قدرت اور رحمت کی مساعدت کے بغیر تنہا ہماری حوصلہ مندیاں کچھ نہیں کر سکتیں، ہم ہر قدم پر تیرے سہارے اور دستگیری کے محتاج ہیں!

اس جذبہ، تمنا، عزم اور دعاؤں کے ساتھ کام ہوگا تو اللہ تعالیٰ اپنا مزید فضل فرمائے گا اور حق کی کامیابی کے لئے ایسی ایسی راہیں کھلتی جائیں گی، جن کا دل میں خطرہ بھی نہ گزرا ہوگا، بندۂ مومن کسی کامیابی اور فتح مندی پر اترا کر اپنے اخلاص اور عملِ خیر کو ملیا میٹ نہیں ہونے دیتا، بندگی نام ہی سپردگیٔ کامل کا ہے!

اللہ تعالیٰ کے اس فضل کی بھلا کوئی انتہا ہے کہ پاکستان کے وزیر اعظم مسٹر محمد علی کی زبان سے دستور ساز اسمبلی میں وہ باتیں کہلوا دیں، جو اس سے پہلے موصوف کی زبان پر کبھی نہیں آئی تھیں، کہاں وہ "سیکولر حکومت" کے طنطنے، اور کہاں، قرآن و سنت کی بنیادوں پر پاکستان کی دستور سازی کا مطالبہ! حیرت انگیز انقلاب، فکر و نظر کی بہت بڑی تبدیلی! بس یوں سمجھئے کہ ٹھیک آدھی رات کے وقت ایکا ایکی سپیدۂ صبح نمودار ہو گیا!

جو لوگ پاکستان میں اقامتِ دین کے لئے جد وجہد کر رہے ہیں، اُن کو اپنے کام کی رفتار تیز تر کر دینی چاہیئے، یہ تو جد وجہد کا بہت ہی ابتدائی مرحلہ تھا، اصل منزل تو اب آ رہی ہے، دستور ساز اسمبلی میں بنیادی سفارشات کی رپورٹ اور علماء کرام کی ترمیمات کے ساتھ نہ جانے کیا سلوک ہوتا ہے؟ اور دستور پورے کا پورا اسلامی بن جانے کے بعد پھر اُس کے نفاذ اور اجراء کار کی منزل شروع ہوگی، مسلمان کے لئے زندگی کی آخری سانس تک کام ہی کام ہے ——— یہ تو یورپ کا جاہلانہ تصور ہے کہ بعض لوگ کھلم کھلا اعلان کر دیا کرتے ہیں کہ "ہم سیاست سے ریٹائر ہو رہے ہیں۔ ۔ ۔" اسلام دین اور سیاست کی تفریق گوارا نہیں کر سکتا، پس ایک مسلمان آخر دم تک اقامتِ دین کے لئے تگ و دو کئے جاتا ہے اور اس منصب اور خدمت سے وہ "ریٹائر" ہو ہی نہیں سکتا۔

دستور ساز اسمبلی میں وزیر اعظم کے اعلان کے بعد، بعض لوگ اپنے نفاق کو نہ چھپا سکے اور دل کا جذبۂ بد سے ظاہر ہو کر رہا، راس المنافقین عبداللہ بن اُبی کی اُمت شاید ابھی تک زندہ ہے، جسے اسلام کی سربلندی کسی طرح گوارا نہیں ہے! اسلامی دستور سازی کے بعد پاکستان میں چونکہ اسلام کو غلبہ نصیب ہوگا اس لئے ان منافقین کو "اسلامی دستور" سے شدید کد ہے اور وہ طرح طرح سے اسلامی دستور سازی کی مخالفت کرتے ہیں، قوم کو ان منافقین، بغلی گھونسوں اور آستین کے سانپوں سے خبردار رہنا چاہیئے، اگر ملّت میں صحیح شعور ہو تو یہ اہلِ نفاق اس قابل نہیں کہ مسلمانوں کی معاشرت میں وہ گھل مل کر رہ سکیں۔

یہ مُسلم لیگ!!

تقسیم ہند سے قبل صوبوں میں کانگریسی حکومتوں نے مسلمانوں کے ساتھ جو معاندانہ برتاؤ کیا اُس نے مسلمانوں کو کانگریس اور ہندوؤں سے بدظن کر دیا، کانگریسی حکومتوں کی اس روش نے مسلم لیگ کو بہت تقویت پہونچائی اور مسلمان گروہ در گروہ مُسلم لیگ میں شامل ہوتے چلے گئے، مسلم لیگ نے اللہ رسولؐ قرآن اور اسلام کا نعرہ بلند کیا تھا اور اس نعرے کے سنتے ہی مسلمان پروانہ وار مسلم لیگ کے جھنڈے کے تلے جمع ہو گئے۔

مُسلم لیگ نے کردار سازی کا ذرا سا بھی کام نہیں کیا، اُس کے پروگرام میں "کردار" اور "سیرت" کے لئے سرے سے کوئی گنجائش ہی نہیں رکھی گئی، یہ اسی خامی اور کمزوری کا نتیجہ تھا کہ ہندوستان میں مسلم لیگ کے عہدوں کے لئے مسلم لیگی کارکنوں میں زبردست رسہ کشی ہوا کرتی تھی، اور چند مخلص کارکنوں کو چھوڑتے ہوئے مسلم لیگ کے کام کرنے والوں کی اکثریت منصب اور عہدوں کے حصول کے ہتھکنڈوں اور توڑ جوڑ سے واقف تھی۔

پاکستان بننے کے بعد یہ ہوس تیز تر ہو گئی، اور اس چھ سال میں پاکستان کے مسلم لیگیوں نے ہوسِ اقتدار کے ہاتھوں جو جو پینترے بدلے ہیں، وہ اب عالم آشکارا ہو چکے ہیں، کراچی حکومت کا دار الخلافہ ہے یہاں کی لیگ کو سب سے زیادہ مہذب اور شائستہ ہونا چاہیئے تھا مگر اس شاخ کے مسلم لیگیوں نے جیسی جیسی ناشائستہ

حرکتوں کا مظاہرہ کیا ہو اسے دیکھ کر تہذیب کی پیشانی شرم کے مارے پسینہ ہو ہو گئی ہو، خود مرکزی مسلم لیگ میں بھی عہدوں کے لئے جوڑ توڑ ہوتے رہے ہیں اور اُس کے جلسوں میں ہنگاموں تک کی نوبت آ گئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "جو عہدے کی خود طلب کرے اُسے عہدہ نہ دو" اور مسلم لیگ میں لوگ عہدوں پر جان دیتے ہیں، وہ عہدے حاصل کرنے کے لئے پانی کی طرح روپیہ خرچ کرتے ہیں اور ایک دوسرے کی پگڑی اُچھالنے اور زک پہونچانے کے لئے ہر اوچھی سے اوچھی حرکت پر اُتر آتے ہیں —— آج مسلم لیگ غرض پرستوں اور جاہ پسندوں کی ٹولی بن کر رہ گئی ہے، اُس میں اس قدر گھٹیا کردار کے بعض لوگ بھی شامل ہیں جن کو شاید گرہ کٹ بھی اپنے ساتھ رکھتے ہوئے خطرہ محسوس کریں گے کہ نہ جانے یہ لوگ کب کیا چال چل جائیں، اور ستم بالائے ستم یہ ہے کہ مسلم لیگ کے اکابر ان لوگوں کو اچھی طرح جانتے اور پہچانتے ہیں مگر ان کو علٰحدہ نہیں کر سکتے، کیوں؟ اس لئے کہ اس قسم کے لوگوں کی انھیں ضرورت ہے اور انتخابات کے موقع پر یہ اُن کے کام آتے رہتے ہیں —— سو باتوں کی ایک بات یہ ہے:-

؎ ایں خانہ تمام آفتاب است!

مسلم لیگ کی تطہیر بھی دشوار نظر آتی ہے کیونکہ اس کی کیفیت اُس دودھ کی سی ہے، جو بگڑ گیا ہو اور جس سے نہ مکھن ہی نکالا جا سکتا ہے اور نہ جس کی چھاچھ ہی بن سکتی ہے!

پاکستان میں مسلم لیگ کی قیادت نہ صرف یہ کہ ناکام ہو چکی ہے بلکہ اس نے قوم کے مزاج کو بگاڑ دیا ہے، مگر افسوس ہے کہ آج اقتدار انھی لوگوں کے ہاتھوں میں ہے، جو عہدوں سے بُری طرح چمٹے ہوئے ہیں اور جن کی ساری تگ و دو اپنے نام و نمود اور جلب منفعت کے لئے ہوتی ہے، مسلم لیگ کے وہ چند پرانے کارکن جو مُخلص ہیں اُن کو "بیرون انجمن" کر دیا گیا ہے اور اُن کے اخلاص کو یہ لوگ اپنے مفاد کی راہ میں سب سے بڑا سنگِ گراں سمجھتے ہیں!

اگر پاکستان کے عوام نے افراد اور جماعتوں کی قیادت میں مخلص اور غیر مخلص، سچے خدمت گزاروں اور غرض پرستوں، بودے اور مضبوط کردار والوں کا انتخاب نہیں کیا تو پاکستان اسی طرح ہوسِ اقتدار کی جولان گاہ بنا رہے گا۔

غیرمسلموں سے

دستور ساز اسمبلی کے غیر مُسلم ممبروں نے اسلامی حکومت کی تشکیل پر جو اعتراضات کئے ہیں، انھیں پڑھ کر افسوس ہوا، افسوس تو اس کا ہے کہ لکھے پڑھے غیر مسلم ابھی تک اسلام کے بارے میں شدید گمراہ کن غلط فہمیوں کا شکار ہیں! ان حضرات نے شاید بعض غلط کار مسلمان بادشاہوں کی حکومتوں کے حالات کو پڑھ کر یہ رائے قائم کی ہے کہ اسلامی حکومت اسی طرز کی ہوا کرتی ہے، یہ بڑی جہالت اور بے خبری کی بات ہے!

ہم ان غیر مسلم معترضین کی اطلاع کے لئے اس حقیقت کو ایک بار پھر دہراتے ہیں کہ مسلمان بادشاہوں کی حکومتوں پر اسلامی حکومت کا قیاس کرنا کسی طرح درست نہیں ہے، اسلامی حکومت کے لئے انھیں خلافت راشدہ کی تاریخ پڑھنی چاہیئے تاکہ اسلامی حکومت کے صحیح خدوخال سامنے آ سکیں۔

پاکستان کے غیر مسلم کیا یہ چاہتے ہیں کہ بھارت کی طرح پاکستان کی حکومت کا نام تو ہو "سیکولر گورنمنٹ" مگر یہاں اقلیت کے حقوق کو طرح طرح سے پامال کیا جائے، اور پاکستان کی اقلیتیں صرف اکثریت کے رحم

کرم پر زندہ رہ سکیں ـــــــ اگر وہ یہی بات چاہتے ہیں تو بہت بُری بات چاہتے ہیں اور وہ خود اپنی ذات اور اپنی قوم کے ساتھ دشمنی کر رہے ہیں!

اسلامی حکومت کی برکتوں کا ابھی انہیں تجربہ نہیں ہوا، جب یہاں کتاب و سنت کے تقاضوں کے مطابق اسلامی حکومت قائم ہوگی اور اُس کے چلانے والے بھی اپنی ذات سے صالح ہوں گے، تو غیر مسلم دیکھیں گے کہ اُن کے لئے یہ حکومت امن و عافیت کا گہوارہ ہوگی اور اس راج پاٹ کی ترقی کے لئے وہ الیشور سے پرارتھنا کریں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سعادت عہد اور خلافت راشدہ میں ایسے واقعات پیش آچکے ہیں!

عوام مسلمانوں سے

مسلمان عوام سے ہمیں یہ عرض کرنا ہے کہ پاکستان کے ارباب اقتدار نے عوام کے مطالبہ کی شدت، عزم کی پختگی اور اتحاد کو دیکھ کر "اسلامی حکومت" کی جانب قدم بڑھایا ہے:-

؎ میں خود آیا نہیں لایا گیا ہوں

والا معاملہ ہے، اس لئے اُن کو پوری استقامت اور پامردی کے ساتھ اپنے مطالبہ پر جمے رہنا چاہیئے' نہ جانے اس راہ میں کن کن مزاحمتوں کا سامنا کرنا پڑے گا اور کس کس طرح کے روڑے اٹکائے جائیں گے، یہاں بڑا بڑا اسلام دشمن اور منافق پڑا ہوا ہے، اور نفاق کا مقابلہ کرنے کے لئے بڑے احتیاط، انتہائی خلوص، اور صبر آزما استقامت کی ضرورت ہے!

وہ عوام جو واقعی اسلام سے عشق رکھتے ہیں اور پاکستان میں اسلامی حکومت کے قیام کے خواہشمند ہیں، انھوں نے کیا یہ بھی سوچا ہے کہ اسلامی حکومت ہواؤں اور پانی کی موجوں پر نہیں انسانوں پر چلے گی! ہر حکومت کے لئے عوام کا تعاون ضروری ہے! یعنی حکومت کے مقصد اور طریق کار اور عوام کے اعمال و افکار میں باہمی ربط ہونا چاہیئے! تو پاکستان کے عوام مسلمان اگر پاکستان کی "اسلامی حکومت" کو دنیا کے لئے ایک مثالی حکومت بنانا چاہتے ہیں تو اُن کا اوّلین فریضہ یہ ہے کہ اپنی زندگیوں کو بھی اسلام کے مطابق بنائیں، تاکہ اس ملک میں اسلامی احکام کو بروئے کار آنے میں کوئی دشواری نہ ہو ـــــــ سرمایہ داروں، حاکموں اور بڑے آدمیوں کی زندگیوں پر نکتہ چینی کرکے اپنے کو بھول جانا، یہ کسی صحت مند انقلاب کے آثار نہیں ہیں۔

پاکستان میں اسلامی انقلاب کے لئے "دستور و قانون" کے ساتھ ساتھ "معاشرت" میں بھی انقلاب کی شدید ضرورت ہے، اور معاشرت کا تعلق خواص سے زیادہ عوام سے ہے، عوام کے اخلاقی انحطاط کی یہ حالت ہوگئی ہے کہ مسجدوں کی چٹائیاں، بلب اور وضو کے پانی کے نل بھی چوروں کی دست بُرد سے محفوظ نہیں ہیں، اخلاقی گراوٹ کی بھلا کوئی حد ہے، مسجدوں کی دیواروں پر تختیاں لٹکی رہتی ہیں کہ:-

"نمازی اپنے جوتوں سے ہشیار رہیں"

عوام ـــــــ جن میں "فاران" کا ایڈیٹر بھی شامل ہے ـــــــ کو چاہیئے کہ وہ اپنے اندر خوفِ خدا پیدا کریں اور اپنی زندگیوں کو اسلام سے قریب تر کردیں، اللہ کی رحمتوں

سے آج ہم اس لئے زندہ ہیں کہ ہمارے اعمال مغضوب قوموں کے سے ہوگئے ہیں، وہ تو

حضورِ رحمۃ اللعالمینؐ کی ذات درمیان میں ہے

ورنہ ہمارا بھی وہی حشر ہو چکا ہوتا جو عاد و ثمود کی قوموں کا ہوا تھا!

تلافیٔ مافات کا وقت ہاتھ سے نہیں گیا، اگر ہم اپنے کو اب بھی بدل لیں تو وہ سعادتیں جو ہم سے چھین لی گئی ہیں، پھر عطا کی جا سکتی ہیں ——— اور یہی نہیں عوام کا زبانی احتجاج جب خواص و اکابر کو کتاب و سنت کی بنیاد پر اسلامی دستور سازی کے اعلان پر مائل کر سکتا ہے، تو عوام کی معاشرتی اور اخلاقی تبدیلی کو دیکھ کر یہ "بڑے لوگ" بھی اسلامی سوسائٹی کے درمیان زیادہ دن تک "اچھوت" بن کر نہیں رہ سکتے، آج عزت کا معیار جاہ و منصب اور دولت ہے، اسلامی معاشرے میں جب عزت کا معیار "تقویٰ" ہوگا، تو فساق و فجار چاہے اُن کے پاس قارون کے خزانے ہی کیوں نہ ہوں، سوسائٹی میں عزت کا مقام حاصل نہ کر سکیں گے اور انھیں لامحالہ اپنے کو بدلنا ہوگا۔

اللہ کا دین پورے کا پورا قائم ہی اُس وقت ہوگا، جب زندگی کے ہر شعبہ میں خالص اسلامی بنیادوں پر تبدیلی پیدا ہوگی، منبر و محراب سے لیکر حکومت کے ایوانوں تک ہر چیز بدل جائے گی یہاں تک کہ پاکستان کا تمام ماحول شہادتِ حق کا فریضہ انجام دیگا

(اِنشاءَ اللہُ العزیز!)

ماہر القادری
۲۰ رستمبر ۵۳ء

حفیظ اللہ
(پٹنہ)

سُلطانؔ ٹیپو شہید رح

درمیانِ کارزارِ کفر و دیں
ترکشِ مارا خدنگِ آخریں

سلطانؔ ٹیپو ایک جلیل القدر فرماں روا اور ایک زبردست فاضل بھی تھا۔ وہ ایک ہی وقت میں صاحب قلم بھی تھا اور مالک شمشیر بھی۔ سلطان علوم و فنون کے مختلف شعبوں میں معقول دستگاہ رکھتا تھا نثر و نظم دونوں میں اسے مہارت تھی۔ اسے زبان پر قدرت حاصل تھی واقعات نہایت خوبی۔ سادگی۔ صفائی اور بے تکلفی سے بیان کرتا تھا وہ ایک امتیازی تحریر کا مالک تھا۔ آر۔ ایچ۔ کیمبل لکھتا ہے کہ:۔

"سلطان نہایت آسانی سے نثر و نظم لکھتا تھا اور اس کے مضمون میں بھی ایک شان پائی جاتی تھی"

بورنگ لکھتا ہے کہ:۔

"ہر قسم کے علوم و فنون میں مہارت رکھتا تھا"

جان ہنڈرس نے سلطان کی قابلیت کا یوں اعتراف کیا ہے:۔

"ٹیپو کی قابلیت حیرت انگیز تھی"

کرنل کرک پیاٹرک جو سلطان کی سلطنت کے اختتام کے بعد شاہی کتب خانے کا محافظ تھا رقمطراز ہے:۔

"سلطان کی تحریر میں دوسروں کے بالمقابل ایک امتیازی شان پائی جاتی تھی۔ اس کی تحریر بیک نظر پہچان لی جاتی تھی۔ اس میں ایک خاص اندازِ تحکم پایا جاتا تھا"

ان خطوط میں جو سلطانؔ ٹیپو نے دوسرے حکمراں۔ اپنے دوستوں اور حکّام کو تحریر کئے تھے وہ کبھی زبردست حکمراں نظر آتا ہے۔ کبھی جنگجو سپاہی۔ کبھی طبیب حاذق۔ کبھی ملک التجار اور کبھی حکومت کی تنظیم و ترتیب۔ عدل پروری اور انصاف پسندی کے مسائل پر بحث کرتا ہے۔ وہ روزانہ اس قدر خط و کتابت اپنے ہاتھ سے کیا کرتا کہ دیکھ کر اس کی جفاکشی اور دل و دماغ پر حیرت ہوتی ہے۔

ٹیپو سلطان نے ۱۷۸۵ء میں سرنگاپٹم میں "جمیع الامور" کے نام سے ایک یونیورسٹی قائم کی تھی جہاں علم و فن کے چشمے اُبلتے تھے، یہ دار العلوم تعلیم کا مرکز اور مخزن تھا۔ اس میں علوم و فنون۔ صنعت و حرفت کی تعلیم کے علاوہ فوجی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ تشنگان علم و ہنر اس دار العلوم میں دور دور سے آکر اپنی پیاس بجھاتے اور سیراب ہو کر واپس جاتے۔

سلطان نے ایک معمل (Laboratory) بھی قائم کیا تھا۔ ٹیپو سلطان کے علمی ذوق کا پتہ اس کے کتب خانے سے بھی چلتا ہے جس میں اس نے ہزار ہا کتابیں فراہم کی تھیں۔ اس کتب خانے میں عربی۔ فارسی۔ تلنگی۔

اور اُردو کی کتابیں تھیں۔ یہ کتابیں زیادہ تر کرناٹک۔ بیجاپور اور گولکنڈہ کے کتب خانوں سے حاصل کی گئی تھیں۔ کتب خانے کے انتظام کے لئے ایک مہتمم مقرر تھا جو فہرستیں بناتا اور کتابوں کی آرائش کرتا۔ کتابیں بڑے سلیقے سے رکھی جاتیں۔ بعض کتابوں کی جلدیں ہیرے اور جواہرات سے مرصع تھیں۔ سلطان خود کتب خانے میں جایا کرتا تھا اور کتابوں کا مطالعہ کیا کرتا تھا جو کتاب اس کی نظر سے گزرتی اس پر مہر لگا دیتا تھا۔

جب میسور میں انگریزوں کا تسلط ہوا تو یہ کتب خانہ بھی انگریزوں کے قبضے میں آگیا۔ کتب خانے کی کچھ کتابیں تو ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانے میں موجود ہیں لیکن اس کا بڑا حصہ انڈیا آفس لندن کے کتب خانے میں منتقل کر دیا گیا تھا۔

میجر اسٹورٹ نے عربی۔ فارسی اور اُردو مخطوطات کی فہرست مرتب کی جو سنہ ۱۸۰۹ء میں کیمبرج میں چھپ کر شائع ہوئی۔

سلطان کو تصنیف و تالیف کا بھی شوق تھا۔ اس کے حکم اور فرمائش سے بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔ یہ کتابیں زیادہ تر فوجی اور دیوانی معاملات سے متعلق ہیں۔

سلطان نے اپنے اہتمام خاص سے اپنی نگرانی میں ایک کتاب قلم بند کرائی تھی جس کا نام "تحفۃ المجاہدین" یا "فتح المجاہدین" ہے۔ یہ کتاب آٹھ ابواب پر مشتمل ہے اور ہر باب میں کئی کئی عنوانات و مضامین ہیں۔ پہلے باب میں عقاید دینیہ۔ نماز۔ جہاد۔ ترکہ وغیرہ کے مسائل و ہدایات ہیں اور اسی کے ساتھ نواہی اور ممنوعات کے احکام بھی درج ہیں۔ باقی ابواب میں زیادہ تر فوجی قواعد۔ اقدام۔ محاصرہ۔ قلعہ سازی۔ حرب و ضرب کے اصول و احکام بتلائے گئے ہیں۔ نیز ایسے ابواب بھی ہیں جن میں انتظام مملکت اور دفاتر کے اسلوب و اصول مذکور ہیں۔ اس کتاب کے آخر میں ایک ضمیمہ بھی ہے۔ اس میں وہ ترانے بھی درج ہیں جو فوجی بینڈ اور بگل میں بجائے جاتے تھے۔ طلوع صبح کا یہ نغمہ ملاحظہ ہو:

تا سفیدہ شد و ماہ گردید ظلمت منتشر
از عروج دیں شدہ مخذول کفار جہاں

شب کے پہلے پہر کا نغمہ یہ تھا۔

از توپ شاہ گردد دل خستہ کافراں را
سوزاں تر است از برق برجان مشرکاں را

شتر سوار فوج کے لئے جو نغمہ کوچ مقرر تھا اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ حکومت و فرماں روائی کے متعلق سلطان ٹیپو کا نظریہ کتنا صحیح اور احساس کتنا عمیق تھا۔ نغمہ یہ ہے۔

خدایا جہاں پادشاہی تراست
ز ما خدمت آید۔ خدائی تراست

شتر سوار فوج کے نغمہ جنگ کے ذریعہ سپاہیوں میں عقیدہ قیامت کو کس طرح راسخ کرنے کی کوشش کی گئی ہے ملاحظہ ہو۔

بیائید اے زمرۂ مسلمیں — کہ در درک اسفل ہمہ مشرکیں
رسید واجر عظیم از خدا — بیائید بے شبہ روز جزا

ٹیپو سلطان نے "مویدالمجاہدین" کے نام سے خطبات جمعہ کی ایک کتاب لکھوائی تھی۔ جس میں جمعہ کے پچاس خطبات کے علاوہ عیدین کے خطبے بھی تھے۔

یہ خطبے منظوم اور فارسی زبان میں لکھے گئے تھے۔ ان خطبوں کی ترتیب و تدوین مخصوص مقاصد کے پیش نظر عمل میں آئی تھی۔ اس لئے فارسی زبان اختیار کی گئی تھی تاکہ عام طور پر لوگ سمجھ سکیں۔ حمد و نعت عربی میں ہیں۔ ایک خطبے کے کچھ اشعار بطور نمونہ درج کئے جاتے ہیں۔

برائے دین نبی جہد کن کہ در دو جہاں — شوی عزیز و نصیبت شود بہشت نعیم
غزاست فرض بار بابِ دینِ خصوص کہ — کہ آورند برا سلام زور فوج لئیم
خدا نکردہ اگر سستی کنی بجہاد — بہر دو کون شوی خوار و زار و زشت و ذمیم
گرفتم این کہ بیابی حیات جاوداں — چہ سود چوں کہ شود دیندار ی تو عدیم

سلطان کے ذہن رسا کی داد دینی پڑتی ہے کہ اس نے مسلمانوں میں مجاہدانہ روح پیدا کرنے کے لئے خطبہ جمعہ سے کتنا اچھا کام لینا تجویز کیا تھا۔

سلطان ٹیپو کے رات کے دستر خوان پر بڑی عمر کے شہزادے اور عمائد سلطنت حاضر رہتے کھانے کے بعد علمی مشغلہ رہتا۔ تاریخ اور شعر و ادب کا خصوصیت کے ساتھ تذکرہ رہتا۔

کرنل وزلی اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے کہ جب وہ محل سلطانی کے خاص کمرے میں داخل ہوا تو بستر کے قریب میز پر اقلیدس کا ایک نسخہ، چند کاغذات جن پر اقلیدس کے نقشے بنے ہوئے تھے اور پرکار وغیرہ کا ایک بکس رکھا ہوا تھا۔

سلطان ٹیپو کا تقریباً پورا عہد حکومت جنگ و پیکار میں گزرا۔ وہ تمام تر ایک سپاہی آدمی تھا۔ اس کا تکیہ کلام تھا
"گیدڑ کی سو سال کی زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے"

اس نے میدان جنگ میں لڑتے ہوئے شہید ہو جانا منظور کیا لیکن شکست و محکومیت گوارا نہیں کی۔ ایسے فرماں روا کی تجارتی سرگرمیاں دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف حکمراں اور صف شکن سپاہی تھا بلکہ ایک اچھا تاجر بھی تھا۔ تذکرہ نویسوں کے دماغ پر بھی یہی اثر پڑا ہے۔ جس تاثر کا میں اظہار کر رہا ہوں۔ میجر آلن لکھتا ہے کہ
"ٹیپو ایک فرماں روا ہی نہ تھا وہ ایک جلیل القدر تاجر بھی تھا"

بچانن کا قول ہے کہ
"سلطان ٹیپو ایک تجارتی دماغ لیکر پیدا ہوا تھا"

سلطان کو تجارت سے جو ذوق و شفقت تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس نے تجارت کے ضوابط مرتب کئے تھے اس کی رو سے سلطان کو صدر التجار کی حیثیت حاصل تھی۔ اس نے تجارت سے متعلق ایک مستقل محکمہ قائم کیا تھا۔ جس میں نو ٹریڈ کمشنر مقرر تھے۔ ان کی نگرانی میں غیر ممالک سے تجارت کی غرض سے سترہ کوٹھیاں قائم تھیں سلطان نے تجارت کو ترقی دینے کے لئے ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام "احکام" تھا۔ اس کتاب میں تجارت کے شوق کا یہ عالم تھا کہ اس کے محل میں بھی ہر قسم کی اشیاء، تجارت بھری رہتی تھیں۔ ٹیپو نے حدود سلطنت تجارت اور صنعت و حرفت کو فروغ و ترقی دینے کی انتہائی کوشش کی۔ وہ باہر کے تاجروں کو اپنے ملک میں آباد ہونے کی سہولتیں پہونچاتا تھا۔ تاکہ ملک میں خوش حالی بڑھے۔ شیخ احمد نام کے ایک تاجر کو خط لکھتا ہے۔

"تمہارے یہاں آنے کے بعد تمہارے حسب خواہ تاجرانہ معاملات کی گارنٹی دی جائے گی۔ کارخانے کے قیام کے لئے تمہیں جگہ بھی ملے گی اور پیشگی رقم بھی تاکہ تم کو کاروبار کے جاری کرنے میں آسانی ہو۔ تم دو

سال تک جو کچھ کماؤ گے اس میں تمہارے سوا کسی اور کا حصّہ نہ ہوگا۔ اس دوران میں تمہارے تجارتی مال پر کوئی ٹیکس بھی نہ لیا جائے گا۔"

تجارتی معاملے میں سلطان کے عزائم نہایت بلند اور حوصلے بہت وسیع تھے۔ وہ اسلامی ممالک سے بھی کاروباری تعلقات قایم کرنا چاہتا تھا۔ اس کے لئے اس کی تجویز تھی کہ سوئز اور عدن کے بجائے عمان اور بصرہ سے قسطنطنیہ کا راستہ قایم کیا جائے۔ مارچ ۱۷۸۶ء کے ایک سلطانی مکتوب سے جو غلام علی کے نام لکھا گیا تھا۔ سلطان کے عزائم پر روشنی پڑتی ہے جو اسلامی ممالک سے تجارتی تعلقات قایم کرنے کے متعلق تھے۔ سلطان لکھتا ہے۔

"ہم چاہتے ہیں کہ بصرہ کا بندرگاہ حاصل کر لیا جائے۔ ہمیں اس اطلاع سے خوشی ہوئی کہ براہ بصرہ قسطنطنیہ جانا چاہتے ہو۔ وہاں پہونچو تو بندرگاہ کے متعلق اچھی طرح پتہ چلاؤ کہ اس کی حالت کیا ہے نجف پہونچکر وہاں کے لوگوں سے دریافت کرنا اگر وہ پسند کریں تو فرات سے نجف تک ایک نہر نکالی جائے۔ اگر وہ رضامند ہوں تو یہاں سے روپیہ اور آدمی بھیجے جائیں۔"

جب تک کوئی ملک خود مختلف ضرورتوں کے مال تیار نہ کرتا ہو اسے تجارت میں کامیابی نہیں ہوسکتی۔ اس لئے سلطان ٹیپو نے صنعت و حرفت پر کافی توجہ کی تھی۔ اس غرض سے ملک کے مختلف مقامات میں تیس کارخانے قایم تھے۔ سلطان کو اس کا بڑا خیال رہتا تھا کہ ملک کی دولت باہر نہ جائے تاکہ اہلِ ملک کی خوش حالی میں اضافہ ہو۔ اس لئے اس کی کوشش تھی کہ زندگی کی ضرورتوں میں تاامکان ملک ہی کی پیداوار اور مصنوعات استعمال کی جائیں۔ سلطان کی کوشش کا نتیجہ یہ تھا کہ سلطانی مملکت سے افلاس اور ناداری کا قلع قمع ہوگیا تھا۔

قدرت نے بھی میسور کے ساتھ کچھ کم فیاضی سے کام نہیں لیا تھا۔ سونا۔ لوہا۔ صندل۔ اون۔ ریشم۔ نمک کے علاوہ کتنی چیزیں یہاں پیدا ہوتی تھیں۔ سلطان ٹیپو نے قدرت کی ان فیاضیوں سے فائدہ اٹھا کر صنعت و حرفت کے اعتبار سے اپنی مملکت کو وقت کا ایک ترقی یافتہ ملک بنا دیا تھا۔

سلطان نے سرنگاپٹم اور چک بالاپور میں مصری کے کارخانے کھلوائے جن میں اعلیٰ درجہ کی مصری اور شکر تیار ہوتی تھی۔ چن پٹن اور متعدد شیشہ سازی کے لئے مشہور تھے۔ مؤخر الذکر مقام میں چوڑی کے لئے شیشہ تیار ہوتا تھا۔ یہاں باریک تار بھی بنتا تھا جو باجے اور ساز میں استعمال ہوتا تھا۔ یہ تار یورپ اور امریکہ تک جاتا تھا۔ شیشے کی اشیاء کے سلسلے میں چینی کے برتن۔ کانچ کی صراحی۔ چراغ دان کے فانوس اور آئینے خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

میسور ہاتھی دانت کے کاموں کے لئے بھی مشہور تھا۔ صندل اور شیشم کی لکڑی کے سامان میں ہاتھی دانت کے نقش و نگار بنائے جاتے تھے۔ کاغذ پر سونے کا رنگ چڑھانا بھی یہاں کی صنعتوں میں خاص امتیاز رکھتا تھا۔ یہ کاغذ محلوں کی زینت میں استعمال ہوتا تھا۔ اس کا رنگ برسوں تک قایم رہتا تھا۔

لکڑی کے کام کے لئے بھی میسور کو خصوصیت حاصل تھی۔ چن پٹن وغیرہ میں آج کل بھی لکڑی کے عمدہ کھلونے بنتے ہیں۔ میسور میں چمڑے کی دباغت بھی ہوتی تھی اور چمڑے کا ہر قسم کا سامان تیار کیا جاتا تھا۔ روغن سازی کی صنعت بھی اچھی حالت میں تھی۔ میسور میں نمک بھی بنایا جاتا تھا۔

سلطان نے اپنی سلطنت میں پارچہ بافی کو بھی کافی عروج و ترقی دی۔ اون۔ ریشمی اور سوتی ہر طرح کا مال تیار ہوتا تھا۔ سرنگاپٹم اور بنگلور دونوں پارچہ بافی کے لئے مشہور تھے۔ سرنگاپٹم میں ریشمی کپڑے بھی تیار ہوتے تھے اور

سوتی بھی۔ یہاں کی ململ نہایت باریک اور نفیس ہوتی تھی اور چھینٹ بھی اعلیٰ درجہ کی ہوتی تھی۔ مختلف مقامات پر کمبل اور شال کے بھی کارخانے تھے۔ بنگلور میں اعلیٰ قسم کے قالین بھی تیار ہوتے تھے۔ بنگلور قالین بافی کا مرکز تھا۔ بنگلور میں گوٹہ کناری وغیرہ کا کام بھی ہوتا تھا۔

ریشم۔ اُون اور روئی کی پیداوار بھی اندرونِ ملک میں ہوتی تھی، ریشم کی رنگائی کا کام بھی وہاں کے پارچہ باف خود کر لیا کرتے تھے۔

ٹیپو سلطان خود بھی اپنے ملک کے بنے ہوئے کپڑے استعمال کرتا تھا اور امراء اور اعیان کو بھی یہی ہدایت تھی اس لئے ملک میں جتنا مال تیار ہوتا تھا۔ اس کا معتد بہ حصہ ملک ہی میں صرف ہو جایا کرتا تھا۔ یہاں کے بنے ہوئے کپڑے باہر بھی جاتے تھے۔ لیکن زوالِ سلطنت کے بعد حالت دگرگوں ہوگئی اور ملکی مصنوعات کی جگہ وہاں یورپ کے بنے ہوئے کپڑوں کا رواج ہوگیا۔

سلطان کو ایجاد و اختراع کا بھی شوق تھا۔ جب کبھی کارخانوں میں جاتا تو ضرور کوئی نہ کوئی اختراع کرتا۔ خصوصاً شال مخمل۔ کمخواب وغیرہ کے ہنر میں کوئی نہ کوئی اختراع ضرور کرتا۔ ببری کپڑا ٹیپو سلطان ہی کی ایجاد ہے۔

ڈاکٹر فرانسس بچانن نے اپنے سیاحت نامہ میں میسور کے متعلق معلومات افزا حالات قلم بند کئے ہیں۔ وہاں کی پارچہ بافی کے بارے میں لکھتا ہے۔

"پٹوگر اور کھتری قوم کے لوگ اعلیٰ درجے کے قیمتی ریشمی کپڑے تیار کرتے ہیں۔ ریشم کے رنگنے کا کام وہ خود کر لیا کرتے ہیں"

یہاں کپڑے بننے والوں کی حالت بہت اچھی ہے۔ وہ کوئی اور کام نہیں کرتے بلکہ ان میں ہر ایک متعدد ملازمین رکھ کر کام لیتا ہے۔ ریشم زیادہ تر باہر سے آتا تھا جس پر محصول بہت کم لیا جاتا تھا اور یہ معلوم ہونے پر کہ لوگ اس کام پر روپیہ لگا رہے ہیں محصول معاف بھی کر دیا جاتا تھا"

پارچہ بافی کے کاریگر اور کارخانہ دار اور لوگ تھے اور تاجر اور لوگ۔ تجار پارچہ بافوں کو حسب ضرورت پیشگی رقم دیتے تھے اور مال کی خریداری کے وقت اس رقم کو وضع کر لیا کرتے تھے۔

تلوار۔ بندوق۔ توپ اور گولے بھی کثرت سے بنائے جاتے تھے۔ اسلحہ سازی کا سب سے بڑا کارخانہ سرنگاپٹم میں قائم تھا۔ میجر ڈِکسن لکھتا ہے کہ:۔

"سرنگاپٹم میں توپیں ڈھالی جاتی تھیں جو کسی طرح یورپ کی بنائی ہوئی توپوں سے کم درجہ نہیں تھیں۔ بلکہ مار میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی توپوں سے بھی زیادہ فاصلے پر مارنے والی تھیں اور تعجب سے دیکھا جائے گا کہ توپوں اور بندوقوں میں سوراخ بنانے کے لئے جو مشینیں تھیں وہ پانی سے چلائی جاتی تھیں"

سرنگاپٹم کے قلعہ میں انگریزوں کو ایک ہزار توپ۔ پانچ لاکھ گولیاں۔ بارہ ہزار گولے اور ساٹھ ہزار بندوق ملے تھے۔ ان توپوں میں پانچ توپیں انگریزی ساخت کی تھیں۔ باقی سلطانی کارخانوں کی بنی ہوئی تھیں۔ انھیں تجربہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ ساخت کے لحاظ سے اعلیٰ درجہ کی تھیں۔

مدور کے قلعہ میں ۸۳۹ میدانی ۷۲ کوہستانی اور ۱۸ برنجی مکمل اور نامکمل توپیں۔ چار لاکھ ۲۴ ہزار گولیاں پانچ لاکھ بیس ہزار پونڈ پاؤڈر اور ۹۹ ہزار بندوقیں انگریزوں کو دستیاب ہوئے۔

سلطان نے ایک ایسی بجرہ بنائی تھی جس میں گولی کارگر نہیں ہوتی تھی سلطان نے اپنے کاریگروں سے گھڑیاں

بھی بنوائی تھیں۔ ڈاکٹر فرانسس بچانن لکھتا ہے کہ

"سلطان کے حکم سے یہاں (سرنگاپٹم) قسم قسم کے کپڑے۔ کاغذ۔ گھڑیاں۔ چاقو وغیرہ تیار ہوتے تھے اور ان کے بنانے کے طریقے بالکل راز میں ہیں۔"

سرجان شور گورنر جنرل نے سلطان کو بطور تحفہ دو گھڑیاں بھیجی تھیں۔ سلطان نے اپنے کاریگروں کو بلا کر اسی نمونہ کی گھڑیاں بنانے کا حکم دیا۔ چند دنوں میں کاریگروں نے گھڑیاں تیار کر دیں سلطان نے ایک گھڑی سرجان شور کو اور دوسری لارڈ ولز کو بطور تحفہ بھیجی تھی۔

سلطان ٹیپو نے زراعت کو ترقی دینے میں بھی بڑی کوشش کی طرح طرح کے درخت کے پودے دور دراز ملکوں سے منگوا کر لگائے جاتے اور ان پر تجربہ کیا جاتا۔

سلطانی حکومت کے قیام سے پہلے میسور میں سترہ زمینداریاں تھیں۔ جو لوگ ان زمینداریوں پر قابض و متصرف تھے وہ کسانوں پر بے حد ظلم ڈھاتے تھے۔ بے چارے کسانوں کی دادرسی کا بھی کوئی ذریعہ نہ تھا۔ سلطان نے اس سسٹم کو توڑ دیا اور کسانوں کا تعلق براہ راست حکومت سے قائم ہوگیا اور ان کی سہولت کے لئے بہت سے قانون بنائے گئے۔ اس تبدیلی انتظام کا نتیجہ یہ ہوا کہ کسانوں کی مصیبتیں ختم ہوگئیں اور وہ خوش حال ہوگئے۔

زمینیں جاگیرداروں کے قبضے سے نکال کر سلطانی انتظام میں لے لی گئیں تو فرمان جاری کر دیا گیا کہ جو لوگ زمین آباد کرنا چاہیں وہ درخواستیں دیکر مفت زمین حاصل کر سکتے ہیں۔ ان سے اس وقت تک مالگذاری نہیں لی جائے گی جب تک پیداوار اچھی نہ ہونے لگے۔

یہ قانون بھی نافذ کر دیا گیا کہ جب تک کسان زمین میں کاشت کرتا رہے اس سے زمین بے دخل نہ کی جائے اس طرح کسانوں کو آراضی پر دوامی قبضہ دے دیا گیا۔

ان آسانیوں کے باعث محنت مزدوری پر گزارہ کرنے والوں کی بڑی تعداد خوش حال کاشتکار بن گئی اور ملک کی تمام بنجر اور غیر آباد زمین آباد ہوگئی۔

مسٹر مارنس لکھتا ہے

"ٹیپو کی زیر حکمرانی میسور تمام ہندوستان میں سرسبز اور اس کے باشندے سب سے زیادہ خوش حال تھے۔"

سلطان نے "امرت محل" کے نام سے ایک محکمہ قایم کیا تھا۔ جس میں بیل۔ گائے۔ گھوڑے۔ خچر اور ہاتھیوں کی پرورش اور عمدہ نسل کشی کا انتظام کیا گیا تھا۔

سلطان ٹیپو کے زمانہ سلطنت میں مسلمان دین احکام اور مسائل کی طرف سے بہت غافل ہو رہے تھے۔ ان میں رسم پرستی کا دور دورہ تھا۔ ہندوؤں کی صحبت میں شادی۔ بیاہ اور پیدائش وفات کی کتنی ہندوانہ رسمیں مسلمانوں میں جاری ہوگئیں تھیں۔

مراسم محرم کے سلسلے میں بہت سی ایسی حرکتیں کی جاتی تھیں جو اسلام، ماہ محرم الحرام اور حادثہ کربلا کی روح کے بالکل منافی تھیں۔ پیری مریدی کے سلسلہ میں بہت سی غلط چیزیں رائج ہوگئی تھیں۔ سلطان نے ان سب کی اصلاح کے لئے بلیغ کوششیں کیں۔

تحفۃ المجاہدین کے نام سے سلطان نے جو کتاب لکھوائی تھی اس کے پہلے باب میں دین احکام و مسائل کے سوا

جہاد کے مسئلہ پر بھی زور دیا گیا تھا۔ اس کتاب میں مسلمانوں کو کتنا حیات پرور نکتہ سمجھایا گیا " نیکو نیست باج دادن بجفت باقدرۃ برجہاد " ـــــــ سلطان ٹیپو دنیا میں موجود نہیں۔ وہ مرد شہید جوار الٰہی میں اب بھی حیات ہے۔ لیکن اس کا یہ جاں بخش نسخہ شفا کا حکم رکھتا ہے۔ مسلمان اسے اختیار کرلیں تو ان کی محکومیت و غلامی کا سارا دکھڑا آج ہی سے دور ہونا شروع ہو جائے۔ سلطان مسلمانوں میں دینی جہاد کی روح پیدا کرنا چاہتا تھا۔ مسلمانوں کی پستی اور ذلت وخواری کی صحیح علت سلطان نے دریافت کرلی تھی۔ مسلمان جب تک جہاد کرتے رہے وہ قوموں کے سردار و فرماں روا تھے لیکن جب سے انھوں نے جہاد ترک کیا قوموں کے حملوں اور یورشوں کے مرکز اور آماجگاہ بن گئے۔

ٹیپو سلطان نے برسر حکومت آنے کے بعد اپنے ملک میں نشہ آور چیزوں کی خرید فروخت قطعاً موقوف کردی۔ اس میں کسی قوم و ملت کی تخصیص نہ تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر نشہ آور اشیاء کا استعمال صرف مسلمانوں کے لئے ممنوع قرار دیا جاتا تو مسلمانوں کو چوری چھپے ان کے حاصل کرنے کا موقع ملتا رہتا۔ اس لئے مسکرات کی عام مخالفت کے سوا کوئی صورت نہ تھی اور انسان کی فلاح و بہبود کے نقطہ نظر سے مسکرات کی عام بندش ہی صحیح ہے۔

سن اور خشخاش کی کاشت ناجائز ٹھہرادی گئی۔ صندلے درخت جن سے تاڑی نکلتی ہے کٹوادیئے گئے۔ مسکرات کے خلاف سلطان کے اس جہاد سے سلطنت کی آمدنی کو لازمی طور پر نقصان پہونچا لیکن اس کے جذبہ اصلاح نے اس نقصان کی کوئی پروا نہ کی۔ بورنگ کا یہ قول کتنا حقیقت آفریں ہے کہ " ٹیپو نے مسکرات کو ممنوع قرار دیکر ایک دانشمند مصلح کا کام کیا "

سلطان ٹیپو مساوات کا زبردست حامی تھا اور حسب نسب پر فخر کرنے کو نہایت بری نظر سے دیکھتا تھا۔ جن سادات کو محض سادات کی بنا پر وظیفے ملتے تھے ان کے وظیفے سلطان نے بند کردیئے اور انہیں تجارت اور شاہی ملازمت کی ترغیب دلائی جن لوگوں نے پیری مریدی کو اپنا پیشہ بنا رکھا تھا۔ ان پر پابندی عائد کردی۔

مسلمانوں کی اصلاح کے ساتھ ازراہ رعایا نوازی سلطان نے اخلاقی حد تک عام رعایا کی اصلاح کی۔ کورگ اور ملیبار کی ہندو عورتیں قدیم زمانہ سے سر و سینہ برہنہ باہر نکلتی تھیں۔ ایک مختصر تہ بند ان کا لباس تھا۔ سلطان نے عورتوں کا اس طرح نیم عریاں نکلنا ممنوع قرار دیدیا۔ چامنڈی پہاڑ پر ایک دیوی کا مندر تھا جس پر ہندو انسانوں کی قربانیاں کرتے تھے۔ سلطان نے اسے بھی ممنوع قرار دیدیا۔

مسلمانوں کے شرعی مقدمات کے فیصلے کے لئے شہروں میں قاضی مقرر تھے۔ ان قاضیوں کے سپرد یہ کام بھی تھا کہ جمعہ کی نماز میں مسلمانوں کی حاضری کی نگرانی کریں اور مسلمانوں کو مسکرات سے دور رکھنے کے لیئے ان کو محتسب کے فرائض بھی انجام دینا پڑتے تھے۔ خاص ہندوؤں کے مقدمات شاستروں کی رو سے پنڈت فیصلہ کرتے تھے۔

ٹیپو سلطان ایک طرف اپنے مذہب کا پورا پابند اور زبردست حامی تھا اور دوسری طرف وہ اپنی غیر مسلم رعایا کے ساتھ غیر معمولی رواداری اور ہمدردی سے کام لیتا تھا۔ سلطان کے عہد میں ہندو مندر جتنے خوش حال تھے اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ میسور کی تیسری جنگ کے موقعہ پر مرہٹوں نے سرنگری کو تاخت و تاراج کیا اور وہاں کی دیوی کا مندر بھی لوٹ لیا۔ اس مندر کی تباہی کے بعد وہاں کے گرو نے سلطان کو مرہٹوں کے فتنہ کے دفع کرنے کے لئے جو خط لکھا اس میں مندر کا ساٹھ لاکھ روپیہ کا نقصان لکھا تھا۔

سرنگاپٹم اور بنگلور میں سلطانی محل سے ملے ہوئے مندر تھے ان کو سلطان نے کبھی نقصان نہیں پہونچایا ـــــ گردش زمانہ کے ہاتھوں محل برباد ہوگئے لیکن مندر آج بھی موجود ہیں اور سلطان ٹیپو کی بے تعصبی اور رواداری کا

اعلان کر رہے ہیں۔ سرنگری۔ دیلور۔ ننجن گڑھ۔ بنگلور وغیرہ میں جو مندر ہیں ان کے گروؤں کو سلطان نے جاگیریں عطا فرمائی تھیں

سرنگری کی جس دیوی کا اوپر تذکرہ گزرا ہے۔ اس کا نام سارداد یوی تھا۔ اس مندر کو اور اس کے گرو کو جنوبی ہند میں عام مقبولیت و عزت حاصل تھی۔ اس ملک کے اکثر راجہ اسی مندر کے گرو کے حلقہ ارادت میں داخل تھے۔ جن میں رنجیانگرم کا راجہ بالخصوص قابل ذکر ہے۔ اس مندر کے گروسے سلطان ٹیپو کے زبردست تعلقات تھے۔ گرو جی اپنی ہر ضرورت اور ہر تکلیف و مصیبت کو سلطان کی خدمت میں عرض کرتے تھے اور سلطان بخندہ پیشانی ان کو پورا کرتا تھا۔ گرو جی نے مرہٹوں کی تاخت و دست اندازی کے بعد مندر کی از سر نو تعمیر کے لئے سلطان سے امداد چاہی اور سلطان نے امداد کی۔ ۴۸ روز تک ہونے والی پوجا کے لئے ایک ہزار برہمنوں کے روزانہ کھلانے اور نقدی دینے کا انتظام سلطان کے حکم سے اس کے حاکم نے کیا۔

ملیبار میں ہندوؤں کا ایک مندر "گرداور" کے نام سے مشہور تھا۔ ہندو اس مندر سے بیحد عقیدت رکھتے ہیں سلطان ٹیپو ملیبار فتح کرتا ہوا اس مندر کے پاس پہونچکر خیمہ زن ہوا اور فوج کو گرداور کی آبادی پر قبضہ کرنے کے لئے آگے بھیجا۔ مرہٹوں کی زیادتیوں نے مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو مشتعل کر دیا تھا۔ بعض مسلمانوں نے جذبۂ انتقام سے مغلوب ہو کر مندر کی دیوار میں آگ لگادی۔ لیکن خود مسلمان افسروں نے آگ بجھادی اور پجاریوں کو سپاہیوں کی شکایت کے لئے سلطان کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ سلطان نے موقع پر پہونچکر مجرم مسلمانوں کو سزا دی اور دیوار کی مرمت کرادی۔ نیز حکم دیا کہ شہر کی آمدنی اس مندر کی ضرورتوں پر صرف ہوا کرے۔

سرکاری خدمات و مناصب پر بھی ہندو فائز تھے۔ پورنیا[1] حکومت میسور کا دیوان تھا۔ سرنگاپٹم اور بنگلور سلطانی مملکت کے دو خاص ستون تھے۔ ان دونوں قلعوں کے حاکم ہندو تھے۔ یعنی کشن راؤ اور شتاب رائے، محکمہ ڈاک کا افسر اعلیٰ بھی ایک ہندو تھا جس کا نام شامیا تھا۔

اس سے اندازہ کیجئے کہ سلطان اپنی غیر مسلم رعایا پر کتنا اعتماد رکھتا تھا۔ اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ سلطان کا ان کے ساتھ اتنا اچھا سلوک تھا کہ سلطان ان کی طرف سے بالکل مطمئن رہتا تھا۔

گاندھی جی اپنے اخبار "ینگ انڈیا" میں لکھتے ہیں کہ

"ٹیپو نے ہندو مندروں کے لئے نہایت فیاضی سے جائیدادیں وقف کیں اور خود ٹیپو سلطان کے محلات کے گرد و پیش سری ونکٹا رامنا۔ سرینواس اور شری رنگناتھ کے مندروں کی موجودگی سلطان کی وسیع النظری اور رواداری کا ثبوت ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شہید ملت سلطان شہید کہ جس سے بڑھ کر کوئی دوسرا ثبوت نہیں مل سکتا۔ عبادتِ الٰہی میں ہندو کی پوجا پاٹ کی گھنٹیوں سے پریشان نہیں ہوتا تھا۔"

سلطان ٹیپو نے اپنے اصول جہانبانی اور مقاصد فرماں روائی میں رعایا پروری کا خاص لحاظ رکھتا تھا۔ اسے اپنی سلطان نے اپنی سلطنت کے انتظام میں رعایا کو حصہ دینے کے لئے پارلیمنٹ یا مجلس وطنی بھی قائم کی تھی اس مجلس کا نام "زمرۂ غم نباشد" تھا۔

کرنل ولکس لکھتا ہے کہ

"جمہوریت جس کی اس وقت فرانس میں دھوم تھی وہ یہاں ٹیپو کے پاس کوئی تعجب خیز بات نہیں تھی اس نے ہر شخص کو مساوات دے رکھی تھی۔"

---

[1] ایک غیر مسلم کو حکومت کا کلیدی عہدہ سپرد کر دینے کا یہ نتیجہ نکلا کہ پورنیا نے انگریزوں سے ساز باز کر کے غداری کی اور "سلطنت خداداد" کا نام صفحۂ ہستی سے مٹ گیا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

سلطان ٹیپو کے احوال و سوانح سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اندر شریعت کی روح کس شدت کے ساتھ کار فرما تھی۔ اس کی رفتار میں۔ گفتار میں۔ سیاست میں۔ حکومت میں۔ عادات میں اخلاق میں۔ اعمال میں ہر چیز میں دین داری کی جھلکیاں نظر آتی ہیں وہ خود بھی زبان سے کوئی فحش اور ناشائستہ لفظ نہیں نکالتا تھا۔ سلطان کی مجلس میں کسی کی مجال نہ تھی کہ جو مزاح وظرافت کے رنگ میں بھی کوئی ایسا کلمہ زبان پر لائے جس سے اسلام کی توہین و بے ادبی ہوتی ہو۔ وہ تمام دوسرے معاملات میں سادگی ملحوظ رکھتا تھا۔

امت مسلمہ میں جو اختلال وضعف پیدا ہو گیا تھا۔ اس کی بڑی وجہ سلطان کے نزدیک یہ تھی کہ مسلمانوں نے اسلام کی عربی سادگی ترک کرکے عجم اور ہند کی مصنوعی اور پر تکلف زندگی اختیار کر لی تھی۔ وہ مسلمانوں کی گم شدہ طاقت وعظمت کے از سر نو واپس لانے کے لئے اس کو بہت ضروری سمجھتا تھا کہ مسلمان پھر اپنی سابقہ زندگی اختیار کر لیں۔

سلطان نہ خود کسی کو ہاتھ اٹھا کر سلام کرتا تھا اور نہ اسے پسند کرتا تھا کہ کوئی اسے غیر شرعی طریقے پر ہاتھ اٹھا اٹھا کر سلام کرے۔ حالانکہ اس سے قبل مغل درباروں میں بے حد غلو سے کام لیا جاتا تھا۔ اور اس طرح ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا پڑتا تھا گویا انسان خدا کے حضور میں کھڑا ہے۔ خدا کی مسجدیں بھی انسانی عظمت وکبریائی کے مظاہرے سے خالی نہ تھیں۔ ٹیپو سلطان ان ناجائز مراسم سے اس درجہ متنفر تھا کہ وہ ایک علیحدہ دروازے سے مسجد میں داخل ہو کر نمازیوں میں شامل ہو جاتا۔

سلطان کے یومیہ مشاغل میں نماز فجر کے بعد ایک گھنٹہ قرآن مجید کی تلاوت بھی داخل تھی۔ اس سے پتہ چلتا ہے سلطان میں دین داری کا کتنا ذوق تھا۔ سلطان کی کوئی تحریر خواہ اس کی لکھی ہوئی ہو یا منشیوں کی، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے خالی نہ ہوتی تھی، منشیوں کی لکھی ہوئی کسی چیز پر سلطان دستخط کرتا تو سر تحریر پر بسم اللہ لکھ دیتا۔

سلطان کے احساس دینداری کا اس واقعہ سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ مسجد اقصیٰ کے افتتاح کے موقع پر علماء و مشائخ میں یہ طے پایا کہ پہلی نماز کی امامت وہ شخص کرے جو صاحبِ ترتیب ہو۔ اس میعار پر علماء و مشائخ میں کوئی پورا نہ اترا۔ ٹیپو سلطان صاحبِ ترتیب تھا۔ اس نے امامت کی۔

دیندار سلاطین میں سلطان ٹیپو کو امتیازی خصوصیت حاصل ہے۔ یہ اس کے دینی جذبے ہی کا اثر تھا جو اس نے اپنی سلطنت کا نام "سلطنت خداداد" رکھا تھا۔

سلطان ٹیپو کو شراب سے سخت نفرت تھی۔ وہ نہ صرف اس ام الخبائث سے دور تھا بلکہ اس نے ہر مذہب وملت کے لئے اپنی مملکت میں شراب نوشی ممنوع قرار دے دی تھی۔ سلطان ٹیپو کا یہ ایسا امتیاز تھا جس کی مثال دوسری سلطنتوں میں نہیں ملتی۔

ڈاکٹر جان۔ آر۔ نیڈرسن۔ سی۔ آئی۔ ای لکھتا ہے کہ

"ٹیپو ایک عظیم المرتبت شخص تھا۔ ایسی شخصیت کہ ہندوستان پھر اس کی نظیر نہیں دیکھ سکے گا۔ اس کے ارادے بہت بلند۔ اس کی قابلیت حیرت انگیز۔ اس کی سلطنت بہت وسیع تھی۔ وہ ایک بہادر انسان تھا اور جواں مردی کی موت حاصل کی۔"

جیمس مل نے تاریخ ہند میں ٹیپو کے متعلق لکھا ہے کہ

"ٹیپو کی طبیعت میں مذہبیت کا پہلو خاص طور پر نمایاں تھا۔ اس کے دل پر مذہب کا گہرا اثر پڑا تھا۔ وہ اپنا زیادہ وقت خدا کی عبادت میں صرف کیا کرتا تھا۔ اور اپنی سلطنت کو خداداد کہا کرتا تھا۔ خدا پر جو اس کا بھروسا تھا اس کا اثر اس کے ہر کام پر پڑا۔ اور جو امور اس کی تباہی کے باعث ہوئے ہیں۔ ان میں

اس کا خدا کی امداد پر یقین بھی تھا۔ وہ خدا کی امداد پر اس قدر بھروسہ رکھتا تھا کہ اپنی حفاظت کے دوسرے پہلوؤں کو نظر انداز کر دیتا تھا"

مادہ پرست جیمس خدا پرست ٹیپو کے جذبۂ ایمانی کی نسبت جو کچھ سمجھے اور جو چاہے لکھے۔ لیکن اس سے اتنا تو بہر حال واضح ہے کہ سلطان کس پایہ کا مذہبی فرماں روا تھا ——!

از:- محمد مارماڈیوک پکتھال
ترجمہ:- مہدی علی صدیقی

ثقافتِ اسلامی!

ذیل کا مضمون مشہور انگریز مسلمان اور مستشرق محمد مارماڈیوک پکتھال کے ایک لیکچر کا ترجمہ ہے۔ موصوف نے ۱۹۲۷ء میں مدراس کی ایک اسلامی انجمن کی درخواست پر اسلام کے ثقافتی پہلو سے متعلق آٹھ لیکچر دیئے تھے۔ یہ انھیں میں کا پہلا لیکچر ہے۔ پکتھال صاحب مرحوم میرے استاد تھے۔ ۱۹۳۲ء اور ۱۹۳۳ء میں وہ حیدرآباد سیول سروس اکاڈمی کے نگراں تھے اور میں وہاں زیر تربیت تھا۔ ان کی زبانی جو نجی حالات معلوم ہوئے وہ مختصراً یہ ہیں۔ وہ ایک آئرش خاندان سے تعلق رکھتے تھے جو جنوبی انگلستان میں آباد تھا۔ معمولی ابتدائی تعلیم کے بعد اُنھوں نے خاندانی اثرات کے تحت برطانوی ملازمت خارجہ میں خدمت حاصل کی اور ترکی میں سفارتی عملہ میں مقرر ہوئے۔ لیکن ملازمت کی پابندیوں نے اُنھیں زیادہ دن نہ روکا عربی زبان کا شوق جسے وہ ضرورۃً پڑھ رہے تھے، بالآخر انھیں عربوں سے ملنے جلنے پر مجبور کرتا رہا اور پھر طبیعت کی جولانی، جوانی کے جوش اور حوصلہ مندی نے ترک ملازمت اور مشرقِ وسطیٰ کی سیاحی پر مجبور کیا۔ وہ برسوں ترکی، شام، عراق، عرب اور مصر میں گھومتے رہے اور زبان، ثقافت، مذہب اور اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرتے رہے۔ نتیجہ ظاہر تھا۔ وہ مشرف بہ اسلام ہوئے اور مستشرق اور عالم بن کر پھر وطن واپس ہوئے۔ یہاں اُنھیں مشرقِ وسطیٰ کے تعلق سے صحافت نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور اُنھوں نے ناولوں اور دیگر تصنیفات کے ذریعہ اپنی معلومات اور تجربات، اسلامی تصورات اور ممالک اسلامی کے رجحانات سے انگلستان کو روشناس کیا۔ اُنھیں اسلام اور مسلمانوں سے بے پناہ عقیدت تھی، وہ تہجد گزار تھے، ان کا کوئی عمل خلاف شرع کبھی دیکھنے میں نہ آیا۔ میں نے اور میرے ساتھیوں نے اُنھیں اسلامی سیاسیات کے معاملے میں اپنی عیسائی بیوی سے جھگڑتے بھی دیکھا ہے۔ انگریزوں کی جو پالیسی پہلی جنگ عظیم کے بعد اسلامی ممالک میں رہی پکتھال نے ہر نوبت پر اپنے قلم اور زبان سے اس کی مخالفت کی۔ اسی وجہ سے اُنھیں ایک آزاد خیال صحافی سمجھا گیا اور بمبئی کرانیکل کے ایڈیٹر مقرر ہوئے اور ہندوستان بلائے گئے۔ لیکن جب

ہندوستان میں ہندو مسلمانوں کا مصنوعی اتحاد ختم ہونے لگا تو وہ پھر اپنے آپ کو بے جگہ محسوس کرنے لگے۔ اسی زمانے میں حیدر آباد کے مشہور وزیر اعظم سر اکبر حیدری اُنھیں حیدر آباد لے آئے اور وہ محکمہ تعلیم میں معزز عہدوں پر سرفراز رہے، یہیں سے وہ "اسلامک کلچر" نکالتے رہے جو اسلامی دنیا میں بڑا مفید اور مقبول رسالہ ثابت ہوا۔ ۱۹۳۲ء میں وہ وظیفہ حسنِ خدمت پر حیدر آباد کی ملازمت سے علیحدہ ہوئے اور ۱۹۳۶ء میں انگلستان میں اُن کا اچانک انتقال ہوگیا۔ انھوں نے تمام عمر اسلام کو اس طرح پیش کرنے کی کوشش کی کہ اس کی بنیادی تعلیمات اُجاگر ہوں، اس کی خوبیاں مغربی دنیا پر منکشف ہوں اور اسلام اپنی پورے حسن و خوبی کے ساتھ سب سے زیادہ مقبول طریقہ سے نئی دُنیا کے سامنے جلوہ گر ہو جائے۔ کئی ناول، متعدد تحقیقی مقالے اور لیکچر اُن کی یادگار ہیں مگر پکتھال مرحوم کی سب سے زیادہ قابلِ قدر یادگار کلام پاک کا ترجمہ ہے، جس کی وجہ سے ان کا نام ہمیشہ عزت و احترام کے ساتھ لیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ پکتھال مرحوم کی طرح یورپ کے دوسرے اربابِ تحقیق کو بھی قبولِ حق کی توفیق عطا فرمائے۔

(مترجم)

انسانی دماغ کی تربیت اور ارتقا کا نام "ثقافت" ہے ورنہ دراصل اس لفظ کے لغوی معنی فقط "کاشت" کے ہیں۔ آپ دریافت کریں گے کہ پھر اسلامی ثقافت اور تہذیب میں وجہ امتیاز کیا ہے۔ جواب یہ ہے کہ امتیاز صرف مقصد کی وجہ سے ہے۔ اسلامی ثقافت کا مقصد محض کسی شخص یا گروہ کا ذہنی ارتقا یا تہذیب نہیں۔ بلکہ اسلامی تہذیب اور ثقافت کی بنیادی دعوت نسل انسانی کی مجموعی تنظیم اور ترقی ہے۔ خاص قسم کی صنعت اور دستکاری کے لاکھوں نمونے، اور مخصوص طرز فکر کے لاتعداد شہ پارے، کسی ملک میں اسلامی ثقافت اور تمدن کی علامت نہیں ہو سکتے، جبکہ اس ملک میں تعصب، باطل پرستی اور ناانصافی کا دور دورہ ہو۔ بڑی سے بڑی کامیابیاں، میدان کی ہوں یا مدرسے کی، اسلام کا ثمرہ قرار نہیں دی جا سکتیں۔ اسلام کا میار بلند تر، اور مقصد وسیع تر ہے، اسلام، کل نسل انسانی کی اُخوت اور مساوات سے کم تر تو کوئی تصور قبول ہی نہیں کرتا۔ پھر اسلام دوسرے مذاہب سے کہیں زیادہ، شخصی اور نسلی ترقی کی مساعی کی ہمت افزائی بھی کرتا ہے۔ چنانچہ جب کبھی اسلامی حکومت حقیقی معنوں میں وجود میں آئی ہے وہ دُنیا کی دول عظمیٰ میں شمار ہوئی اور اس سے ایسے بے شمار تہذیبی علامات اور آثار ظہور پذیر ہوئے جو دوسرے فلسفوں، ثقافتوں اور مذاہب کی تعلیمات کے نتائج سے زیادہ اہم اور بہتر تھے۔ ادبی اور فنی شہ کار تو تہذیب اور ثقافت کے ضمنی مظاہر ہوتے ہیں۔ اسی لئے ایک مسلمان کے لئے مغربی طرز فکر کا یہ پہلو کہ ان علامات اور آثار کا وجود ہی مقصد اور حاصلِ حیات ہے، سخت حیرت انگیز ہے، یہ بالکل صحیح نہیں کہ مسلمان علمی، ادبی، اور فنی تحقیقات اور ترقی سے متنفر ہے یا ہو سکتا ہے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ مسلمان ہی تہذیب اور تمدن کی بیرونی علامات اور بدیہی نتائج کو اُنکا صحیح مقام دیتا ہے۔ وہ ان علامات اور نتائج کو ضمنی سمجھتا ہے اور انہیں اصل مقصد کے حصول میں ممد و معاون گردانتا ہے یا باعث تفریح جانتا ہے۔ وہ صرف فنونِ لطیفہ لباس، اور ایسے ہی ظاہری اشیا، کو مقصد زیست اور مطمح نظر نہیں قرار دے لیتا۔ علم، ادب یا فن کے شہ پارے کیا ہیں، یہی کہ آپ انھیں کسی تمدن اور ثقافت کے تفریحی یا فروعی مظاہر سمجھیں۔ مثلاً شاعری اور فن تعمیر! آپ تفریح اور دوسرے

اجزائے تہذیب کو بھی اس دائرے میں لا سکتے ہیں لیکن جب آپ اسلامی تہذیب پر بحیثیت مجموعی غور کرتے ہیں تو ہر قدم پر آپ کو ایک ہی راہبر، ایک ہی صراطِ مستقیم، اور ایک ہی رب العالمین کا تصور کارفرما نظر آتا ہے۔ ہمارا قائد اللہ کا رسولؐ ہے، ہمارا سرچشمۂ ہدایت کلام اللہ، اور ہمارا ملجا اللہ۔

اسلامی تہذیب سے ہمارا مقصود وہ تہذیب نہیں جو نام نہاد مسلمانوں کے ایک خاص گروہ نے اپنے زمانہ عروج میں حاصل کر لی تھی کیونکہ یہ بالکل ممکن ہے کہ انھیں اسلام کا صحیح تصور ہی نہ ہو بلکہ ہمارا مطلب اسلامی ثقافت اور تہذیب سے زندگی کا وہ معیاری نظریہ ہے جو مذہب اسلام، انسانی عروج کو مقصدِ حیات بنا کر پیش کرتا ہے، جس شخص نے قرآن پاک کو ذرا بھی غور سے پڑھا ہے وہ اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ قرآن اپنی تعلیم اور ہدایات پر عمل کرنے والوں کے لئے دونوں جہان کی کامیابی کا وعدہ کرتا ہے اور وہ پوری نسل انسانی کی مجموعی خوش حالی سے کم کوئی تصور قبول نہیں کرتا۔ لیکن ساتھ ہی آگاہ کرتا ہے کہ یہ سب کچھ اسی وقت حاصل ہوگا جب انسان اپنی فطری صلاحیتوں اور وہبی قوتوں کو پوری طرح پرورش کرے اور ترقی دے۔

اگر اسلامی معاشرے میں کوئی ایسا رجحان ترقی پاتا نظر آئے جس کی سند آپکو قرآن یا صحیح حدیث سے نہ ملتی ہو تو وہ رجحان غیر اسلامی ہے اور اس کی بنیاد آپ کو حکمت اور احکام اسلامی سے باہر تلاش کرنی چاہیئے۔ مسلمان ایسے رجحان کو قبول کر کے کبھی ترقی اور کامیابی کی توقع نہیں رکھ سکتے گو یہ لازمی نہیں کہ یہ رجحان ان کے لئے مضرت رساں ہی ہو۔

اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر اسلامی تہذیب یا معاشرے کے ایسے رجحان کو لیجئے جو کسی نصِ قرآنی یا ہدایت یا سنت رسولؐ کے خلاف ہو۔ یہ غیر اسلامی ہی نہیں کافرانہ رجحان ہے اور وہ لازماً مسلمانوں کی کامیابی کے لئے مضر ہوگا اور جو اسلامی معاشرہ بدقسمتی سے اسے قبول کرلے وہ اپنی تباہی کو دعوت دیگا۔

شروع شروع میں اسلام نے فنون لطیفہ کی بعض اقسام کو غیر مستحسن قرار دیا۔ وجہ یہ تھی کہ ان کی نوعیت میں کفارِ عرب کی لذت کوشی اور اصنام پرستی کی بڑی مماثلت پائی جاتی تھی اور اسلام قومی ترقی کی خاطر انہیں عیوب کی بیخ کنی کرنی چاہتا تھا۔ لیکن بعض فنون کی ہمت افزائی اور بعض کے ترک پر اصرار، تہذیب کی مروجہ علامتوں کی مانند، محض ایک فروعی امر تھا۔ تہذیبِ اسلامی کو متعلقات اور ضروریات زندگی کی آرایش اور نفاست سے اتنا سروکار نہ تھا جتنا حیاتِ انسانی کے تصور کی رفعت اور زندگی کے حُسن کی تکمیل سے!

آجکل مغرب میں اہلِ دانش کا ایک ایسا مکتبِ خیال موجود ہے جو اپنی جگہ اس بات پر مطمئن ہے کہ اگر کسی قوم میں ایک محدود تعداد ادبی اور فنی شاہکاروں کی تخلیق کرتی رہے تو پوری قوم اور معاشرہ تعریف کا سزاوار اور ترقی یافتہ قرار پانے کا مستحق ہے۔ بالفاظ دیگر یہ مفکر یہ سمجھتے ہیں کہ اگر کسی قوم کے چند افراد فنونِ لطیفہ میں چند اعلیٰ نمونے پیش کرتے رہے تو گویا پوری قوم کی غلامی، نکبت اور بدعنوانیوں کا کفارہ ہو گیا۔ اس ذہنیت کی ایک مثال وہ بحث ہے جو کچھ عرصہ قبل آپ کی نظر سے گزری ہوگی۔ فرض کیجئے کہ ایک بے نظیر خوبصورت یونانی مجسمہ جس کی کوئی اور نقل وجود میں نہیں آئی، کسی عمارت کے ایک کمرے میں ہے جس میں ایک شیر خوار بچہ بھی ہے۔ کمرے میں آگ لگ جاتی ہے اور دونوں میں سے صرف ایک ہی کو بچایا جا سکتا ہو۔ فرمایئے، آپ کسے بچائیں گے۔ بڑے باشعور اور فہمیدہ اشخاص کی رائے ہوئی تھی کہ مجسمے کو بچا لیا جائے اور بچے کو خدا کے حوالے کر دیا جائے بحث یہ تھی کہ بچے تو ہزاروں پیدا ہوں گے مگر یونانی فن کے ایسے نادر نمونے اب کہاں ہاتھ آسکتے ہیں، یہ تخیل، جو بت پرستی کی مہذب اور لطیف ترین صورت ہے، کسی مسلمان کے دماغ میں کبھی نہیں آسکتا، اسلام کی نظر میں انسانیت کا مستقبل بہت شاندار ہے اور مسلمان مسلسل اس کے حصول میں کوشاں اور مضطرب رہتا ہے، مسلمان راہِ خدا میں جو یقیناً خدمت خلق ہی کی راہ ہے، اپنی جان سے بھی دریغ نہیں کریگا، لیکن وہ بہر نوع انسانی جان، انسان کی بنائی ہوئی چیز پر نچھاور کرنے کو گناہِ عظیم سمجھیگا۔ فنون لطیفہ کے نمونوں کی اس درجہ قدردانی درحقیقت انسان کی عظمت اور مقصد پیدائش سے انکار کے مرادف ہے،

اس اجمال کی تفصیل پر ذرا غور کیجئے تو فنون کے پرستار کچھ اس طرح بحث اٹھائیں گے "دنیا میں حسن اور تناسب کی کمی ہوتی جا رہی ہے۔ یہ مجسمے اور تصویریں انسانی حسن کاری کی معراج سے کم نہیں۔ اسی سبب سے ہمیں انکی قدر کرنی چاہیئے۔ کیونکہ ان کے سوا ہمارے جمالیاتی ذوق کی تسکین ممکن نہیں" لیکن یہ حجت قنوطی ذہنیت کی نشانی ہے اور انسان سر تا سر رجائیت پسند ہے۔ یہ رجائیت پسندی کسی غیر ذمہ دارانہ ذہنیت کا نتیجہ نہیں کہ جو ہوگا اچھا ہی ہوگا۔ یہ رجائیت پسندی ہی کہاں ہوئی۔ یہ تو مجبوریت پسندی ہوئی۔ اسے کوئی بے عقل ہی رجائیت پسندی کہے گا۔ کیونکہ پھر اس میں اور قنوطیت میں فرق ہی کیا رہا۔ اسلام تو جبر اور قنوطیت دونوں کا مخالف ہے کیونکہ جبر پر رضامندی قنوطی ذہنیت کی نشانی ہے۔ میں پھر یہ اصرار کرونگا کہ شہرت خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو یا دی جائے اسلام مجبوری اور "تن بہ تقدیر" ذہنیت کا قائل نہیں۔ اسلام کی یہ تعلیم ہی نہیں کہ موجودہ حالات اور مشکلات کو لازمی مصیبت جان کر برداشت کیا جاتا رہے اس کے برعکس اسلام کا کا مشورہ ہے "السّعی منّی والاتمام من اللہ" اور اتمام کی حدود ساعی کے حوصلے پر منحصر کر دی گئی ہیں۔

اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس کا خاص مقصد انسانیت کی مجموعی ترقی ہے اور اسلام نے اس ترقی کے لئے ایسے قوانین اور ضوابط مدون کئے ہیں جو انسانی زندگی کے ہر شعبے اور انسانی خواہشات کے ہر مظہر پر حاوی ہیں۔ یہ احکام ایک خاص سماجی اور سیاسی نظام کی شکل میں مرتب اور زیر عمل رہے ہیں۔ اسلام ایک عملی نظام ہے اور اس کی عملی حیثیت سے کامیابی انسانی تاریخ کا محیر العقول معجزہ ہے۔ بعض مصنفین نے بڑی کوشش کی ہے کہ وہ اسلام کی غیر معمولی عظیم الشان کامیابی کے لئے ایسے بیرونی وجوہ تراش دیں کہ یہ کامیابی کوئی اچنبھے کی بات نہ رہے۔ مثلاً ہمسایہ قوموں کی ضعیف الاعتقادی یا کمزوری، یا اسلام کی جنگی فتوحات۔ لیکن بہر نوع اس حقیقت پر تو وہ کوئی پردہ نہیں ڈال سکتے کہ جب تک مسلمان کسی حکم شرعی کی پابندی کرتے رہے اس خاص مسئلہ کی حد تک کامیابی ان کے قدم چومتی رہی اور جب کبھی انہوں نے اسکی خلاف ورزی کی، انھیں ناکامی اٹھانی پڑی۔ یہی نہیں بلکہ اگر کسی غیر مسلم قوم نے اس خاص معاملے میں اسلامی مسلک اختیار کیا تو کامیابی سے ہمکنار رہی۔ اس لئے بلا چون وچرا تسلیم کرنا پڑیگا کہ قرآن اور حدیث کے احکام انسانی مفاد کی خاطر ہی مدون ہوئے ہیں، جو فطری اصولوں کو پیش کرتے ہیں، اور انکی خلاف ورزی نہ صرف شخصی بلکہ نسلی تباہی کا باعث ہوتی ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ فطری قاعدے محض شخصی تجربے پر مبنی نہیں ہو سکتے۔ شاذ صورتوں میں یہ ممکن ہے کہ کوئی عالم یا مفکر تاریخ عالم کے طویل اور گہرے مطالعہ کے بعد ان احکام سے مماثلت رکھتا ہوا کوئی جزوی اصول نامکمل طور پر اخذ کرنے کے قابل ہو سکے۔ انسانی مطالعہ اور قوت استنباط کی یہ بے بضاعتی ہی منصب نبوت کی ضرورت کو ثابت کرتی ہے۔ ورنہ مذہب اسلام کے اصول ایسے ہی فطری ہیں جیسے طبیعاتی قوانین، جن سے کوئی ذی عقل انکار کی جرأت نہیں کر سکتا۔

اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب انسان کو بتاتے ہیں کہ حیات بعد الممات کی کامیابی اور خوش بسری، اس زندگی کی تلخی پسندی، اور خشک مزاجی پر منحصر ہے۔ برخلاف ان کے اسلام کہتا ہے کہ اسلام کے سادہ قوانین اور اصولوں کی پابندی دونوں جہان کی آسودگی اور کامیابی کا اصلی راز ہیں۔ اسلام میں دونوں جہان کی کامیابی کے لئے کوئی علیحدہ علیحدہ راہیں تسلیم ہی نہیں کی گئی ہیں کیونکہ ایک سچے مسلمان کے واسطے اللہ تعالیٰ کونین کا مالک اور دونوں جہانوں کا حاکم مطلق ہے۔ مسلمان کے نزدیک دوسرے جہان کی زندگی در اصل اسی جہان سے شروع ہوتی ہے لیکن انھیں کے لئے جو یہیں سے مسلک "سپردگی" یعنی "اسلام" اختیار کرتے ہیں۔ وہ "سپردگی" جس کا مفہوم اپنی مرضی کو خدا کی مرضی کے تابع کر دینا ہے اور جس کی طرف سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں اشارہ فرمایا ہے "موتوا قبل ان تموتوا" یعنی "موت آنے سے پہلے فنا ہو جاؤ"۔

اسلام جس کامیابی کا ذکر کرتا ہے وہ کسی فرد کی دوسرے افراد کے مقابلے میں کامیابی یا کسی قوم کی دوسری قوم پر فتح یابی اور برتری نہیں ہوا کرتی بلکہ اس کا مفہوم انسانیت کی اجتماعی ترقی اور کامیابی ہوا کرتا ہے۔ اسلام کا موذن دن میں پانچ دفعہ پکارتا ہے "حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ۔ عربی لفظ فلاح کا مفہوم ہوتا ہے "تربیت اور رفاہ عام" اسی طرح عربی

کا ایک اور لفظ ہے زکوٰۃ۔ اس کے اصلی معنی بیشتر اوقات اصطلاحی مفہوم کی وجہ سے نظر انداز ہو جایا کرتے ہیں۔ زکوٰۃ کے اصلی معنی ہیں "قطع و برید کے ذریعہ پرورش" یا "پودے کا سیدھا اُگانا"۔ یہ اسلامی خیرات کا نام ہے اور اس کا مقصد ہے سماج کی متوازن ارتقاء۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ امراء سے محصول لیا جائے گا اور غریبوں کو دیا جائے گا۔ ان احکام کی تعمیل میں جب تک زکوٰۃ کا نظام عالم اسلام میں جاری و ساری رہا، حال یہ تھا کہ عمالِ حکومت مستحقین زکوٰۃ یعنی مفلس اور نادار مسلمانوں کو ڈھونڈھتے تھے اور نہ پاتے تھے۔ ناچار یہ رقم مفاد عامہ کے لئے صرف کی جاتی تھی۔

ہم قرآن پاک میں پڑھتے ہیں "قد افلح من زکّٰھا وقد خاب من دسّٰھا" یعنی وہ کامیاب ہے جو روح انسانی کو صحیح طور پر ترقی دیتا ہے اور وہ ناکام ہے جو اُسے غذائیت اور توانائی سے محروم رکھتا ہے۔

اور پھر ارشاد ہوتا ہے "قد افلح من تزکّٰی وذکر اسم ربہٖ فصلّٰی" یعنی وہ کامیاب ہے جو کاٹ چھانٹ کر پرورش کرتا ہے اور اللہ کا نام یاد رکھتا ہے اور یوں عبادت کرتا ہے۔

یہ خیال ہو سکتا ہے کہ یہ مذہبی تقاضے اور ہدایتیں زندگی سے بالکل غیر متعلق ہیں۔ لیکن یہ صحیح نہیں۔ اسلام کی روح عمل ہے اور یہ ہدایات صرف زبانی جمع خرچ نہیں۔ کیونکہ انہیں کی روشنی میں خیرات و مبرات کا ایک عظیم الشان نظام صورت پذیر ہوا جس نے صدیوں تک اسلامی معاشرے کو معاشی ناہمواریوں سے محفوظ رکھا۔ قرآن کی زبان میں اصلی اسلام ایک عملی نظام ہے جس میں نظریات اور رسوم کو بالکل دخل نہیں۔

لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق و المغرب ولکن البر من امن باللہ والیوم الاخر و الملائکۃ والکتاب والنبیین ج واتی المال علی حبہٖ ذوی القربیٰ والیتمیٰ والمسکین وابن السبیل و السائلین وفی الرقاب ج واقام الصلوٰۃ واتی الزکوٰۃ ج والموفون بعھدھم اذا عاھدوا ج والصبرین فی البأساء والضراء وحین البأس ط اولئک الذین صدقوا ط واولئک ھم المتقون ٥

"الا الذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰتِ"

"نیکی یہ نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق کی طرف کرو اور مغرب کی طرف بلکہ نیک وہ ہے جو ایمان رکھتا ہے اللہ پر اور آخرت پر اور فرشتوں، کتابوں، پیغمبروں پر اور دیتا ہے مال اس کی محبت پر رشتہ داروں کو، یتیموں کو، محتاجوں کو، مسافروں کو، سائلوں کو اور غلاموں کی آزادی کو (اور نیک وہ) جو قایم کرتا ہے نماز اور دیتا ہے زکوٰۃ اور وعدہ کرکے وفا کرتا ہے اور صبر کرنے والے سختی، تکلیف اور لڑائی میں۔ یہی لوگ ہیں سچے اور یہی ہیں پرہیزگار" "وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں اور جن کا عمل صالح ہے"۔ "وہ جو ایمان لائے اور کچھ نہیں کرتے" "ان کا اور" "جو ایمان لاتے ہیں اور بدکار ہیں" یہ تصور ہی اسلامی نہیں۔ کیونکہ اسلام کے معنیٰ سپردگی احکام اور مرضی خداوندی کے سامنے ہے، اور احکام اور مرضی خداوندی سعی و عمل کی جانب اشارہ کرتے ہیں نہ کہ بے عملی اور بد عملی کی طرف۔

اسلام کے زمانہ عروج میں دینی اور دنیوی تعلیم میں کوئی فرق نہ تھا۔ تمام علم مذہبی اور لازمی سمجھا جاتا۔ زمانۂ حال کے ایک یورپی مصنف نے لکھا ہے "یہ اسلام کا کارنامہ ہے کہ اس نے دوسرے علوم کو بھی وہی اہمیت دی جو قرآن حدیث اور فقہ کو دی گئی تھی اور ان سب کی تعلیم مسجدوں میں یکساں طور پر ہوتی۔ مسجدوں میں کیمیا، طبیعات، طب، ہیئت، نباتیات پر اسی طرح درس ہوتے جس طرح فقہ، قرآن اور حدیث پر ہوتے۔ نتیجہ یہ تھا کہ مسجدیں ہی جامعات (UNIVERSITIES) کہلانے لگیں تھیں۔ اور یہ صحیح بھی تھا اس لئے کہ مسجدوں کے دروازے ہر عالم کے لئے کھلے ہوئے تھے خواہ وہ دنیا کے کسی گوشے سے آئے، اسلام نے مختلف علوم و فنون کو جو یکساں اہمیت اور عظمت بخشی تھی اسی کا نتیجہ تھا کہ پرانے مسلمان علماء کی تصانیف میں اہل علم ہمہ گیری اور تبحر کی ایک مخصوص کیفیت آج تک محسوس کرتے ہیں۔

اسلام میں اس تقسیم کی کوئی گنجائش نہیں جسے آپ آج "دینی" اور "دنیوی" کی اصطلاحوں کو داخل اور استعمال کرکے اسلام کو بدنام کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ اصلی مذہب وہی ہو سکتا ہے جس میں اعتقاد اور اعمال، بحیثیت مجموعی ایک مرتب نظام کے تابع ہوں۔ اسلام میں اصل تفریق "حُسنِ عمل" (یعنی ایسا عمل جو انسانی ترقی کا ممد و معاون ہو) اور "بد اعمالی" (یعنی ایسا عمل جو انسانی ترقی کے لئے مضر ہو) کی ہے۔ اسلام سراسر ایک "برہانی" مذہب ہے۔ اسلام میں لیسے مقلد اور پیرو کی گنجائش نہیں جو سینٹ آگسٹائن کا ہم زبان ہو کر کہے "میں ایمان لاتا ہوں اسلئے کہ میں حیران ہوں"۔ قرآن بار بار بے دلیل اعتقادات کو "جھوٹا مذہب" کہتا ہے۔ اور بار بار عقلِ انسانی کو غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔

تاریخی تجربہ تبلاتا ہے کہ عام معاشرے کی ترقی کے لئے کافی آزاد خیالی کی ضرورت ہے اور تاریخ اس کی بھی شاہد ہے کہ جو قوم خدا کے اعتقاد سے منحرف ہوئی وہ رو بہ زوال ہو جاتی ہے۔ کیا یہ دونوں بنیادی اُمور یعنی خدا پر اعتقاد اور آزادی فکر، متبائن اور متضاد تصورات ہیں۔ بیشتر مغربی مکاتیبِ خیال اس کے قائل ہیں کہ یہ دونوں مسائل ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ لیکن اسلام نے ثابت کر دیا کہ یہ دونوں موافق اور مطابق تصورات ہیں اور ان میں کوئی تضاد یا تبائن نہیں۔ اسلام کے ابتدائی اور کامیاب ترین دور میں خدا کے وجود پر پورا عقیدہ اور دنیا بھر کے معاملات میں پُوری آزادی فکر یکجا پائی جاتی تھیں۔ اس کی ساری وجہ یہ تھی کہ اسلام میں کوئی معاملہ تحقیق و تنقید سے بالاتر نہیں سمجھا جاتا سوائے ایک مافوق الفطرت، برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم، واحد ہستی کے جس کے وجود اور وحدانیت میں کسی فکر یا شک کی گنجائش نہ تھی۔ وہ ذات واحد، اپنی ساری مخلوق کے لئے یکساں "رحمان" اور "رحیم" مانی جاتی، جس نے انسان کو حکمت کی خیر کثیر عطا فرمائی، اور جس کے استعمال پر کوئی پابندی نہیں لگائی سوائے اس کے کہ اس عقل و حکمت کو انسان کی بھلائی کے حصول اور بُرائی کے استیصال میں، خدا کی بیان کردہ ہدایات و حدود کے مطابق، استعمال کیا جائے۔

اسلام میں پیر پرستی کی گنجائش نہیں رکھی گئی۔ وہ تمام ذمہ داریاں اور امتیازات جو نام نہاد پیروں اور ملاؤں نے دوسرے مذاہب میں اپنے لئے مخصوص کر رکھے تھے اسلام نے ہر شخص کی اپنی عقل اور فہم سے متعلق کر دیئے۔ نتیجہ یہ تھا کہ ہر صاحب علم و حکمت بلا لحاظ جنس و نسل و رنگ قدرتی طور پر قابل عزت قرار پایا۔

یہ بدیہی بات ہے کہ ہر ذہن اس قابل نہیں تھا جو انسانوں کیلئے مشعلِ راہ بنتا اس لئے اسلام نے عقل پرستی کے ساتھ ساتھ عام تعلیم پر غیر معمولی زور دیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ — علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے!

گویا عام اور لازمی تعلیم مسلمانوں کے لئے اُس زمانے سے جب اس اصول کو مغرب نے اختیار کیا تیرہ سو سال پہلے فرض کی جا چکی تھی۔ ایک اور حدیث، جو کسی قدر ضعیف ہے، یہ بھی ہے کہ

اطلبوا العلم ولو کان بالصین — علم حاصل کرو چاہے وہ چین ہی میں کیوں نہ ہو!

لیکن ان دونوں سے زیادہ باوثوق اور وسیع المعنی حدیث وہ ہے جو حصول اور اشاعت علم کے فریضے کو بہت واضح کرتی ہے یہ ہے

ان اللہ لا یقبض العلم انتزاعا ینتزعہ عن العباد ولکن یقبض العلم بقبض العلماء حتی اذا لم یبق عالما اتخذ الناس رؤسا جھالاً فسئلوا فافتوا بغیر علم فضلوا واضلوا۔

بیشک اللہ علم کو اس طرح نہیں رکھتا گویا وہ اس کے بندوں کے لئے کوئی ممنوع شئے ہے بلکہ وہ اُسے علماء کو سونپ دیتا ہے۔ پس اگر وہ علماء میں سے کسی کو نہ چھوڑے تو جہالت کی گرم بازاری ہو اور جاہل غلط اور گمراہ کن فتوے دیں!

یہ تصویر ہے آجکل کے مسلمانوں کی۔ ہمارے علماء اس قدر تنگ نظر اور بے فیض ہیں کہ ہمیں علم کے وہ معنی جو ان احادیث میں لئے گئے ہیں، ان خسیسوں کے علم سے بالکل علیحدہ تصور کرنے پڑتے ہیں!

حدیث میں آیا ہے :-

عالم جو روشنائی استعمال کرتے ہیں خون شہدا سے زیادہ مقدس ہے۔

اور ارشاد ہوا ہے :-

تو امیس فطرت کے مطالعے اور فکر کا ایک گھنٹہ ایک سال کی عبادت سے افضل ہے۔

پھر ارشاد ہے :-

جو علم حاصل کرتا رہے وہ مرتا نہیں۔

اور ارشاد ہوتا ہے :-

سب سے پہلے حکمت اور عقل پیدا کی گئی

اور فرمایا ہے :-

خدا نے عقل سے بہتر کوئی چیز نہیں بنائی۔ جو نعمتیں خدا انسان کو عطا کرتا ہے وہ عقل ہی کے ذریعہ حاصل ہوتی ہیں اور دانائی عقل ہی سے آتی ہے اور عقل ہی بعض وقت خدا کی ناراضی کا موجب بنتی ہے۔ اور عقل ہی سے سزا اور جزا کا ادراک ہوتا ہے۔

اور ارشاد گرامی ہے :-

علماء کی باتیں سننا اور دوسروں کو علم و حکمت کی باتیں سکھانا عبادات سے افضل ہے۔

پھر فرمایا ہے :-

جو علم کی تلاش میں گھر سے چلا وہ خدا کے راستہ میں چلا۔

اور ارشاد فرمایا ہے :-

علم حاصل کرو کیونکہ علم صحیح اور غلط کی تمیز سکھاتا ہے اور جنت کی راہ دکھاتا ہے۔ یہ بے راہوں کا رہبر، تنہائی کا مونس، اور بے یاروں کا یار ہے۔ یہ مسرت کا سرچشمہ اور بے سہاروں کا سہارا ہے۔ یہ دوستوں کے لئے گرمیٔ محفل ہے اور دشمنوں کے خلاف زرہ کا کام دیتا ہے۔

اور ارشاد ہوا ہے :-

طالب علم کے لئے فرشتے اپنے بازو کشادہ رکھتے ہیں۔

ایک مقام پر فرمایا :-

کیا وہ لوگ جو علم نہیں رکھتے عالموں کے برابر ہو سکتے ہیں۔

پھر ارشاد ہے :-

عالم، عابد سے اتنا ہی افضل ہے جتنا میں ایک عامی سے افضل ہوں۔

اور ارشاد ہوتا ہے :-

بندے نے خواہ کتنی ہی نمازیں پڑھی ہوں اور روزے رکھے ہوں، خیرات دی ہو، حج اور مناسک مذہب ادا کئے ہوں اسے ثواب اپنی سمجھ کے تناسب سے ہی ملیگا۔

اور فرمایا ہے :-

جو عالم یہ نہیں جانتا کہ اپنے علم کو زندگی میں کس طرح برتے اس کی مثال یہی سمجھو کہ

چار پائے برد کتابے چند

نہ کلام اللہ میں نہ رسول اللہ کے ارشادات گرامی میں بے علم اور جاہل مسلمان کا کوئی تصور ملے گا۔ واقعہ تو یہی ہے کہ "جاہل مسلمان" ایک اصطلاحی تضاد ہے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ عروج اسلام کے زمانے میں جاہل یا مفلس مسلمان کہیں شاذ ہی نظر آتا تھا۔

یہ اسلام کا امتیاز ہے کہ وہ مذہب کو ایک بار پھر اس کے صحیح مقام پر لے آیا یعنی روزمرہ کی زندگی میں اللہ کا نورِ ہدایت جس کا قرآن میں بار بار تذکرہ آتا ہے اُس کی ماہیئت سے ہر مومن واقف ہے۔ یہ نورِ ہدایت روزانہ کی منزہ اور مرتفع زندگی کی ہی روشنی ہے جو اس تصور سے اور جگمگا اٹھتی ہے کہ خدا کی قدرت ہر شئے میں جاری اور ساری ہے۔ مذہب کی منزل مقصود کسی بعید مستقبل کی پوشیدہ زندگی نہیں بلکہ مذہب کا مقصد موجودہ زندگی کو سنوارنا اور بہبودیِ خلق میں اضافہ کرنا ہے۔ عرب کے بت پرست رسول اکرم سے آپ کی حقانیت کے ثبوت میں معجزات کی خواہش کیا کرتے تھے۔ قرآن میں ہے:۔

"وہ کہتے ہیں یہ کیسا رسول ہے جو کھانا پیتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔
اس کے ساتھ کوئی ڈرانے والا فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا"۔

"اس رسول کو خزانے کیوں عطا نہیں ہوئے یا ایسے باغ کیوں نہ ملے جن
سے وہ کھا سکتا اور ظالم کہتے ہیں کہ تم اطاعت نہیں کرتے مگر ایک مردِ مسحور کی"۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے خود ہی ان اعتراضات کا جواب دیا ہے اور ایسے الفاظ میں دیا ہے جو ظاہر کرتے ہیں کہ پیغمبری کا ثبوت معجزات نہیں کیونکہ پیغمبر کو عقل و ادراک پر حجت قائم کرنی تھی نہ کہ جذبات خوف و حیرت کو بیدار کرکے"۔ قرآن میں آیا ہے:۔

"ہم نے تم سے پہلے بھی کوئی ایسے رسول نہیں بھیجے جو کھانا نہ کھاتے ہوں اور بازاروں
میں نہ چلتے پھرتے ہوں"

گویا وہ انبیائے ماسبق جن کو لوگ مافوق الفطرت ہستیاں سمجھتے تھے صرف انسان ہی تھے اور عقلی اور نقلی دلائل ہی پر رشد اور ہدایت کو منحصر اور موقوف رکھتے تھے۔

اسلامی تعلیمات کے مطابق معجزے خدا کے وجود کی دلیل نہیں۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ معجزوں کو اُن قوانین قدرت کی استثنائی شکل تسلیم کیا جائے جو قادر مطلق نے خود مقرر فرمائے ہیں۔ معجزے دراصل ذہنِ انسانی کی ترقی کا وہ مقررہ درجہ ہیں جہاں پہنچکر قدرت کے بعض چھپے ہوئے قوانین عوام پر ظاہر کئے جاتے ہیں۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد معجزات ظہور میں آئے لیکن کوئی مسلمان انہیں آپکی رسالت کے ثبوت میں پیش کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ خود قرآن، حضورؐ کی تعلیمات، اور اُس کے عظیم الشان نتائج، آپ کا سب سے بڑا معجزہ ہیں جو کسی تشریح کے محتاج نہیں۔

یہ صحیح ہے کہ آجکل بیشتر نام نہاد مسلمان توہم جہالت، توہم پرستی، تعصب اور روایات میں کھو چکے ہیں لیکن جس ملت کے بنیادی تصورات اور قوانین میں عقلیت پرستی اور استدراک کو اعتقادات کے مماثل بلند مرتبہ دیا گیا ہو وہاں جھوٹے عقائد اور رواج کا کمزور نظام فراست مومن کی ایک آنچ سے جل کر خاکستر ہو سکتا ہے۔ یہ اس لئے کہ حقیقت میں یہ روایتی عقائد اور توہمات اپنے زمانے کی علمی اور تحقیقاتی پستی کی طرف صاف صاف اشارہ کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں یہ بات اصول کی حیثیت رکھتی ہے کہ مسلمان کا دماغ زندگی کے ہر شعبے میں غور و فکر کے لئے قطعی آزاد ہے بشرطیکہ وہ عمل میں چند ایسے قواعد کی پابندی کرتا رہے جو اس کی جسمانی، ذہنی اور روحانی فلاح کے لئے مقرر کئے گئے ہیں۔ مسلمان کا ایک مقدس فریضہ یہ ہے کہ وہ اپنے زمانے کی علمی اور تحقیقاتی ترقی سے پوری طرح واقف رہے اور جس نتیجے پر اُس کا

ذہن[1] پہونچے اُسے قبول کرے چاہے اس میں ایسے ہزاروں عقائد اور اوہام کو خیرباد کہنا پڑے جنھیں بیشتر مسلمان آج تک مانتے چلے آئے ہیں۔ کیونکہ کوئی بھی تحقیقات ہمارے اس بنیادی عقیدے کو چھو نہیں سکتی کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰهِ یہ ایک ایسا عقیدہ ہے جسے گین ([illegible]) جیسے منٹگی نے "ایک زبردست حقیقت اور ایک ضروری افسانہ" سے تعبیر کیا ہے۔ لیکن یہ منٹگی بھی تاریخی متن میں بھی اس نام نہاد "افسانے" کو ضروری کہے بغیر نہ رہ سکا۔ لیکن شکر ہے آجکل مسلمانوں میں یہ رجحان ترقی کر رہا ہے کہ اسلام کے زندہ بنیادی حقائق اور عقائد میں اور ضعیف افسانوی روایتوں میں تمیز اور تفریق کی جائے۔ ان روایتوں اور افسانوں کو ترک کرنے کے بعد بھی اسلام کی اصلی روح بالکل غیر متاثر رہتی ہے۔ اس واقعہ پر تعجب صرف انھیں کو ہوگا جو یہ سمجھتے ہیں کہ عیسائیت کی طرح اسلام میں بھی رسوم اور عقائد میں کوئی فرق نہیں۔

قرآن میں انسان کو دعوت دی گئی ہے کہ وہ شئون قدرت کا مطالعہ کرے۔ دن اور رات کے بدلنے کو دیکھے۔ زمین، ہوا، پانی اور آگ کے خواص کو پرکھے۔ زندگی اور موت، نمو اور انحطاط کے رازوں پر غور کرے۔ اُسے ان معاملات میں ایک ایسے ناقابلِ تبدیل نظام اور قانون کا ظہور ملے گا جو انسان کا بنایا ہوا نہیں اور نہ جسے انسان ایک سر مُو روک یا موڑ سکتا ہے۔ اُسے قائل ہونا پڑیگا کہ انسان اس کائنات کا حاکم مطلق نہیں۔ وہ محسوس کریگا کہ خود اُس کی مساعی، تلاش، تحقیق اور اختیار کا دائرہ کسی قادرِ مطلق، خالقِ کائنات، رب العالمین کی غیر محدود قدرت و اقتدار سے ایک محدود اور نپا تلا عطیہ ہے۔

آدمی بالعموم نظام قدرت کی محیر العقول ہم آہنگی کا احساس یوں نہیں کرتا کہ قادر مطلق کا بنایا ہوا یہ نظام کہیں جزوی طور پر بھی تو بے آہنگ نہیں ہوتا۔ یہ کائنات ایک ایسی قوتِ تخلیق کا شاہکار ہے جو سست نہیں پڑتی، ایسے قوانین کے ماتحت ہے جو کبھی نہیں ٹوٹتے۔ لیکن انسان، اور وہ انسان جو بغیر ان قوانین سے فائدہ اُٹھائے ایک اُنگلی نہیں اٹھا سکتا، ایک لفظ نہیں کہہ سکتا، ایک چیز نہیں سوچ سکتا، ان عظیم الشان حقیقتوں پر توجہ نہیں کرتا، بلکہ بالعموم اپنے محدود دائرہ عمل و اقتدار میں ایک معمولی کیڑے کی طرح مگن رہتا ہے۔ انسان کو اپنا یہ محدود حلقہ اثر اتنا محبوب ہے کہ وہ خدا اُسی کو ماننے لگتا ہے جو اُس کے خود ساختہ معیارِ عروج و حصول میں مدد کرتا ہو اور اس بے بضاعت شخصیت کے علاوہ پوری خدائی اور مقصدِ تخلیق کی مطلق پروا نہ کرے۔ حالانکہ بداہتہً یہ بالکل غلط ہے۔ جب ہم یہ تسلیم کر لیں کہ تمام کائنات اور مخلوق کا رب ایک ہے تو ہمیں خود کسی امتیازی سلوک کی توقع نہ رکھنی چاہئیے۔ بلکہ اُس کے مقرر کردہ نظام اور قوانین کے آگے راضی برضا رہنا چاہئیے اور یہی حقیقی کامیابی ہے۔

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۙ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۞	بے شک انسان نافرمان ہے کہ وہ اپنے کو مستغنی جانتا ہے۔ حالانکہ
اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ۞	بلاشک تجھے اپنے رب کے پاس لوٹنا ہے۔

چند دن ہوئے اسکاٹ لینڈ کے ایک عالم نے ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام تھا "روحانیت کے فطری قوانین"۔ یہ کتاب کچھ غیر دلچسپ سی تھی لیکن انگریزی بولنے والی دنیا میں اس نے کسی قدر ہلچل پیدا کر دی۔ گر مجھے تو مطلب صرف اس کے نام سے ہے۔ کیونکہ اسلام جن تعلیمات کو عام کرنا چاہتا ہے ان کو بآسانی اور بصحت "روحانیات، اخلاقیات، اور سیاسیات کے فطری

---

[1] ذہن و فکر کی یہ تمام تگ و تاز حدود اللہ کے اندر رہ کر ہی ہونی چاہئیے، عقل و فکر پر تمام تر اعتماد نہیں کیا جا سکتا! مسلمان آج تک عذاب قبر، حشر و نشر، جنت و دوزخ اور حساب آخرت کو مانتے چلے آئے ہیں اور صحیح مانتے چلے آئے ہیں' اس قسم کے بنیادی عقاید پر اگر انسانی تحقیق و اکتشاف کی زد آکر پڑتی ہے تو اُس تحقیق و اکتشاف کو رد کر دیا جائے گا۔ (م - ق)

قوانین" کے القاب سے واضح کیا جا سکتا ہے۔ اسلام خدا کی حاکمیتِ مطلق ثابت کرنے کے لئے انھیں قوانین کا حوالہ دیتا ہے جو ہم اس عالم محسوسات میں جاری وساری پاتے ہیں۔ اور پھر دکھلاتا ہے کہ ایسے ہی مماثل قوانین انسان کی ذہنی اور اجتماعی زندگی کو منظم رکھتے ہیں۔ ان قوانین کی عظمت کا یہ عالم ہے کہ اسلام کے لئے کسی خرقِ عادت یا معجزے پر ایمان لازمی نہیں۔ لازمی جو ہے وہ یہ کہ خدا کی حاکمیتِ مطلق، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین، اور تمام مرسلین کی پیغمبری پر ایمان ہو۔ اسلام کی انھی عین مطابق فطرت وعقل، بنیادی تعلیمات کا یہی تقاضا تھا کہ سب سے بڑا جرمن مفکر، فلسفی اور شاعر گوئٹے قرآن کا ترجمہ پڑھنے کے بعد کہہ اٹھا۔ اگر یہی اسلام ہے، تو ہم میں سے ہر صاحب فکر و نظر مسلمان ہے۔"

میں جانتا ہوں کہ اسلامی ثقافت اور تہذیب پر آجکل سب سے بڑا اعتراض کیا ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ جو طبقہ یہ اعتراض اٹھاتا ہے وہ ملک کا بڑا ازبان آور طبقہ ہے۔ وہ اعتراض یہ ہے کہ اسلامی ثقافت اور تمدن کی بنیاد سرمایہ داری، فسطائیت، یا جمہوریت پر نہیں بلکہ خالص مذہبیت اور دینداری پر قائم ہے اور یہ نظریہ زمانہ جدید کے حالات اور تصورات سے کوئی مطابقت نہیں رکھتا۔ یہ بات کہنے والے اوّل تو یہ بھول جاتے ہیں کہ سرمایہ داری، فسطائیت اور جمہوریت کے نظام موجودہ زمانے میں بار بار آزمائے جاتے رہے ہیں اور اُن میں مسلسل خامیاں ظاہر ہوتی رہی ہیں۔ وہ یہ بھی غور نہیں کرتے کہ اسلامی دینداری کوئی ایسا نظری مسئلہ نہیں کہ صرف عبادت کے اوقات میں یاد کر لیا جائے بلکہ یہ دینداری ایسی مکمل چیز ہے جو بطور واقعہ زندگی کے ہر شعبے میں اور ہر فعل میں ہر وقت عملی طور پر پیش نظر رکھی جاتی ہے۔ کسی بڑے یورپین مُدبّر کا یہ قول اکثر نقل کیا جاتا ہے کہ "عملی سیاسیات میں قادرِ مطلق کا کوئی حصّہ نہیں"۔ لیکن جن لوگوں نے دورِ جدید کی تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا ہے انھیں یورپ کی سیاست میں بعینہٖ یہی کمی محسوس ہوتی ہے۔ کیونکہ یورپین مُدبّر اور سیاست داں یہ خیال اور رعایت بالکل ملحوظ نہیں رکھتے کہ ان کے مکمّل احتیاط سے بنائے ہوئے منصوبے کہیں کسی غیر متوقع حادثے سے بالکل اُلٹ نہ جائیں۔ خدا کا بنایا ہوا علت ومعلول کا قانون ہر وقت اور ہر زمانے میں یکساں نافذ رہتا ہے۔ یعنی اس دورِ جدید میں بھی، جلد یا بدیر، اچھائی کا نتیجہ اچھا، اور برائی کا بُرا نکلتا ہے، یہ اور بات ہے کہ انسان اپنی آنکھیں ہی بند کرلے۔ خود ہماری آنکھوں کے سامنے روسی انقلاب کی کامیابی اور ترکی کے خلاف یونانیوں کے بے پناہ حملوں کی ناکامی، غیر متوقع خدائی تقدیر کے ایسے مظاہرے تھے جنھوں نے مدبّروں کے اُن پختہ منصوبوں کو ناکام کر دیا جن کی تکمیل کے لئے کوئی انسانی تدبیر اُٹھا نہ رکھی گئی تھی۔

بہرحال میرا اپنا خیال تو یہ ہے کہ جہاں تک مملکت اور حکومت کے اسلامی نظریہ کا تعلق ہے، اور جس کی اسلام میں تلقین ہی نہیں کی گئی بلکہ روبعمل لانے کی کامیاب کوشش کی جاتی رہی ہے، اس کے متعلق زمانہ جدید کی دنیا کا تصور اور عمل ازمنۂ وسطیٰ کے تصور اور عمل سے کچھ زیادہ مختلف نہیں۔ معترضین صرف ایک مغالطہ آمیز مماثلت پر بحث کی بنیاد رکھتے ہیں۔ ازمنۂ وسطیٰ میں یورپ کو جس قسم کی مذہبی حکومت سے سابقہ تھا اور جسے بطور مثال فرض کر لیا جاتا ہے، اُس میں معجزاتی قصوں، کلیسائی رسوم، اور معمولی خطا کار انسانی دنیا سے فرار کو اتنی اہمیت دی جاتی تھی کہ اب مذہبی حکومت کے مخالف یہی سمجھتے ہیں کہ ہر دین دار حکومت، متعصب ملّاؤں اور خانقاہی فقرا کا وہ خواب ہوگی جو سچا ہو گیا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ موجودہ سائنس نے نام نہاد معجزات کا بازار سرد کر دیا ہے اور لوگ دنیوی مسائل سے پورا فائدہ حاصل کرنے کو اور دنیوی ترقی کو زندگی کا سب سے بڑا فریضہ سمجھنے لگے ہیں۔ بہتر سے بہتر انسان بہت کرتا ہے تو یہ کرتا ہے کہ وہ اپنے ذاتی مفاد سے زیادہ قومی، یا انسانی مفاد کو ترجیح دینے لگتا ہے۔ کوئی تعجب نہیں کہ ایسی فضا میں وہ دین دار حکومت جس کی بنیاد معجزات کی نمائش، انسانی ضروریات سے لاپروائی، فطرت انسانی سے مایوسی، دنیا کی خوش حالی اور تفریحات یا معمولی دلچسپیوں کو گناہ کہہ کر اُن سے فرار پر رکھی گئی ہو، ناموزوں اور فرسودہ سمجھی جائیں گی۔ لیکن یہ تصور

ایسی مذہبی اور دین دار حکومت کے متعلق بالکل صحیح نہ ہوگا جس میں دنیوی ترقی کے امکانات اور فطرتِ انسانی کے تقاضوں کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہو اور جسے نہ موجودہ سائنس کی تحقیقات جھٹلا سکتی ہو نہ فکر انسانی کی بلند پروازیاں اور اکتشافات! کیونکہ یہ سب مظاہر فطرت ہیں اور اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے اس لئے ایسا مثالی نظریہ تو موجودہ زمانے کی سب سے بڑی ضرورت ہے کہ وہ دنیا کو آجکل کی انسانیت کش خود غرضی سے روک سکے جوں جوں سائنس کی ترقی کرتی ہوئی مساعی عجائباتِ قدرت سے پردہ اٹھاتی جاتی ہیں اسی تناسب سے ایک مسلمان پر اللہ تعالیٰ کی صفات قدرت، ربوبیت، ملوکیت بہتم الشان طریقے سے ثابت ہوتی جاتی ہیں۔ جب تک قوانین قدرت اپنی جگہ صحیح اور قائم ہیں، جب تک افراد اور اقوام کے مقررہ اعمال کے مقررہ نتائج، خواہ اچھے ہوں یا برے، بلا فرق و استثناء برآمد ہوتے رہتے ہیں، لازم ہوگا کہ انسان اپنے اعمال کا ایک بلند تر محرک اور مقصد قبول کرے اور ایک زیادہ بہتر معیار پر جانچے جانے کا، حسبِ عمل، توقع یا اندیشہ رکھے۔ اور یہ بھی ضروری ہوگا کہ اس بلند تر صاحبِ مقصد و معیار کی مرضی مطلق پر سرِ تسلیم خم کرنے کو تیار رہے جو صحیح اسلام ہے۔

اسلام تو اشتراکیت، اشتمالیت، فسطائیت، یا سنڈیکلازم (syndicalism) کے مقابلے میں ایک متبادل مکمل سیاسی نظام پیش کرتا ہے اور ان میں سے شاید ہی کوئی نظریہ خامیوں سے پُر ثابت نہ ہو چکا ہو۔ ان سب کے مقابلہ میں اسلام کو یہ فوقیت حاصل رہی ہے کہ اس نظام پر بڑی کامیابی سے عمل ہو چکا ہے اور جس قدر مکمل پابندی سے عمل ہوا ہے اسی قدر کامل کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ ہر مسلمان کا اعتقاد ہے کہ بالآخر تمام قومیں خواہ وہ مسلمان ہوں یا اصطلاحی طور پر غیر مسلم، اسلام کے بنیادی عقاید قبول کرنے پر مجبور ہو جائیں گی کیونکہ اسلام کے قوانین انسانی فطرت کے تقاضوں کے عین مطابق ہیں اور ان کی پابندی میں انسانیت کی ترقی مضمر ہے۔ ہمارا یہ بھی عقیدہ بلکہ مشاہدہ ہے کہ انسان، وحی خداوندی سے روگشی کے باوصف بھی، تجربہ، ترک اور انتخاب کے تکلیف دہ اور طویل مدارج سے گزر کر اسلامی اصولوں تک پہونچے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جہاں موجودہ دنیا کے نئے نظام ہائے حیات نے سماج میں طبقاتی صف آرائی اور قوموں میں سیاسی اور فوجی کش مکش برپا کر رکھی ہے وہاں اسلام اسی دنیا کے لئے متوازن معاشرے اور مکمل امن کا پیش کش کرتا ہے۔ تو اب محض یہ کہکر کہ یہ نظام وحدانیت اور رسالت کے تصور پر مبنی ہے اس کے مطالعے تجزیے اور تجربے سے انکار اس کے حُسن و قبح کو جانچنے سے گریز، نری حماقت ہے اور تعصب کے علاوہ کچھ نہیں۔

لیکن اسلامی کے سماجی اور سیاسی تصورات سے جو نفرت پیدا کی جا رہی ہے وہ صرف اس وجہ سے نہیں کہ اس پر دینداری اور مذہبیت کا ٹھپّہ لگا ہوا ہے۔ اسلام پر ایک الزام یہ بھی ہے کہ آجکل اور آجکل سے پیشتر کے مسلمانوں نے کوئی عمدہ نمونہ عمل پیش نہیں کیا۔ یورپ میں ازمنۂ وسطیٰ کی جاہل اور متعصب عیسائیت اس مذہب کے متعلق غور و خوض سے اس لئے محروم تھی کہ خود عیسائی مذہب کلیسیا اور پادریوں کے چنگل میں گرفتار تھا اور یہ لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ "جھوٹا نبی" کہا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ کوئی شخص یہ خیال ہی دل میں کیوں لائے کہ اس مذہب میں انسان کے لئے صلاح و فلاح کا بھی تصور ہے۔ یوں تعصب کی قیادت کے ساتھ ساتھ اسلام اور عیسائیت میں صلیبی جنگیں شروع ہو گئیں جن کے فوری اور دور رس اثرات تعصب اور بلاوجہ تعصب کا حجاب بن کر دونوں مذاہب کے پیرووں کے درمیان صدیوں حائل رہے۔ اور آج بھی جب تعصب کی یہ دیواریں مسمار ہو رہی ہیں بد قسمتی بلکہ بداعمالی کی وجہ سے مسلمانوں کا دنیوی موقف ایسا نہیں جو اوروں کے دماغ میں یہ تصور بھی آنے دے کہ اس مذہب کے لوگوں کو دنیوی ترقی کا راز معلوم تھا۔ مسلمان قوموں کی آجکل جو عام حالت اور اعمال ہیں وہ در اصل اسلامی تعلیمات کی بڑی بدنامی اور نارسی کا باعث ہیں۔ کوئی تعجب نہیں کہ ہمیں دیکھ کر غیر قومیں غلط فہمی کا شکار ہوں اور ہمارے مذہب کو اس زبوں حالی کی وجہ قرار دیں۔ مسیحی مذہب میں پادریوں کا ایک مستقل درجا اور مکمل گرفت تھی اور آزادیٔ خیال کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ نتیجہ یہ کہ جس زمانے میں مسیحیت عروج پر رہی اُسے آجکل خود عیسائی قومیں یورپ کے ایام

جہالت کا نام دیتی ہیں۔ اس کے برعکس اسلام میں ملائیت نہیں تھی نہ اسلام میں آزادی فکر پر کسی قسم کی پابندی تھی۔ اور جن ایام میں حقیقی اسلام اپنے عروج پر تھا وہ علوئے اخلاق، پاکیزگیٔ عمل، بلندیٔ کردار اور قومی شکوہ کی روشنی سے آج تک جگمگا رہے ہیں۔ درحقیقت مسلمانوں کے زوال کی ذمہ داری خود اُن پر یوں ہے کہ انھوں نے خالص اسلامی اصولوں پر عمل ترک کر دیا۔ انھوں نے پادریوں سے بہت کچھ ملتا جلتا ملاؤں کا ایک طبقہ بنا لیا (جو قرآن کے الفاظ میں خدا کے سوا اور ہادی بنانے کے مساوی تھا)، ان کو لفظی اور منطقی بحث میں شغف ہو گیا، انھوں نے ان تمام ہدایات کو نظر انداز کر دیا جن میں اُن پر ہر ہر گوشے سے علم حاصل کرنے کا مذہبی فریضہ عائد کیا گیا تھا، انھوں نے آزاد خیالی سے بیزاری اور عقلیت سے انحراف کو شیوہ بنا لیا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اپنی تاریخ کی ایک خاص منزل پر پہونچکر انھوں نے اپنی نصف شریعت نظر انداز کر دی، وہ نصف شریعت جس میں انھیں علوم اور معلومات کے حصول اور اسرار اور نوامیس فطرت کے مطالعے کا حکم تھا۔ ٹھیک اسی زمانے میں مغربی مسیحی اقوام نے مسلمانوں کے ٹھکرائے ہوئے اس جزو شریعت کو اپنا لیا اور اُس پر عمل پیرا ہو گئے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ وہ اپنے مذہبی پیشواؤں کی مخالفت کے باوصف شاہراہ ترقی پر رہ نورد ہو گئے۔

حقیقی اسلامی احکام میں کوئی طبقہ علماء اسی وجہ سے قائم نہیں کیا گیا ہے کہ اس قسم کی علمی اجارہ داری انسانی ترقی کی مخالفت ہوا کرتی ہے اور قرآن میں مذہب کا تصور ہی یہ ہے کہ وہ انسان کی کامل آزادی اور انتہائی ترقی کا ایک ذریعہ ہے نہ کہ انسانی غلامی اور عقلی بے بسی کا منشور!

شکر ہے کہ آج کل تمام دنیا کے مسلمانوں نے اس غلطی کو محسوس کر لیا ہے۔ وہ سمجھنے لگے ہیں کہ یہ ادبار خود اُن کا اپنا لایا ہوا ہے۔ وہ یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہو چکے ہیں کہ مسلمان دنیا میں اپنا مقام اپنے مذہب کے حقیقی اصولوں پر کاربند ہو کر ہی حاصل کر سکتے ہیں۔

شاید آپ کو یہ خیال گزرے کہ میں اس درس میں اپنے موضوع ثقافت اسلامی سے ہٹ کر مذہبی مباحث میں اُلجھ گیا ہوں۔ لیکن اسلام میں ثقافت، اور تمدن کے اصول اور مذہب کے بنیادی احکام کا ایسا امتزاج ہے۔ اور خالقِ عالم کے مالک کونین ہونے کا تصور اس میں مندرج گیا ہے کہ ثقافت کی کوئی بحث اس مذہبی تشریح کے بغیر شروع نہیں کی جا سکتی۔ خواہ اسلام کا عہد عروج آپ کے پیش نظر ہو یا زمانۂ زوال، ثقافت اسلامی کا علمی، ادبی پہلو موضوع بحث ہو یا فنی اور معاشرتی، اسلام کا یہ مذہبی مزاج ہر رُخ سے اور ہر وقت جلوہ گر نظر آئے گا۔ اسلام یا مسلمانوں کی کوئی اور کسی قسم کی تخلیق کو لیجئے، خواہ اصطلاحی طور پر وہ مذہبی نہ ہو، مگر اس میں آپ کو یہ چیز ضرور دراندازی ملے گی۔ کیا یہ فطری اور بنیادی رجحان، اسلامی ثقافت کو محدود قومی تقاضوں سے بالاتر بین الاقوامی تقاضوں کے مطابق اور انسانیت کے لئے زیادہ موزوں اور مفید و مطابق ظاہر نہیں کرتا۔ کیا اللہ تعالیٰ کو خلاقِ عالم و عالمیان ماننے والا اس بدیہی نتیجے سے انکار کر سکتا ہے کہ تمام انسانیت ایک ہی برادری ہے!

"فاران":- فاضل مضمون نگار نے "ملائیت" اور "ملاؤں" پر شدید تنقید کی ہے اور بجا کی ہے، مگر اس کی زد میں ہر وہ شخص نہیں آسکتا جو اپنی سیرت اور کردار کے اعتبار سے سچا مسلمان ہے اور علم دین رکھتا ہے اور دنیا کی کسی ترقی کے لالچ میں دین کے کسی ایک جُز کو بھی ترک نہیں کر سکتا —— تنگ نظر ملاؤں کے ہم بھی مخالف ہیں مگر وہ علماء، جن کو قرآن "راسخون فی العلم" کہتا ہے اُن کا ہم احترام کرتے ہیں اور دینی معاملات میں اُن کے مشوروں کے محتاج ہیں۔

ہمارے زمانہ کے یہ "مغربی مُلّا" جو "ملائیت" پر طنز کیا کرتے ہیں تو اس

ہے اُن کی مراد خود "اسلام" پر مشق تند اندازی ہوتی ہے، اور اُس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ فکر و عمل اور اخلاق و عقائد کے اعتبار سے مغرب زدہ، اور جاہلیت کے علمبردار واقع ہوئے ہیں، اس لئے اپنی ان کمزوریوں کو چھپانے کے لئے وہ اسلام پر تو کھلم کھلا تنقید کرنے کی جرأت نہیں رکھتے، اس کے لئے انھوں نے "ملائیت" کی ٹٹی بنا رکھی ہے جس کی اوٹ سے اسلام پر ناوک فگنی کرتے رہتے ہیں!

اسلام یقیناً دین فطرت ہے اس لئے سائنس اور تمدن و ایجاد کی ہر ترقی کے لئے وہ اپنے اندر گنجائش رکھتا ہے، اسلام سے بڑھ کر "ترقی" کا خواہشمند کوئی دوسرا مذہب ہے ہی نہیں ——

مگر یہ تمام ترقیاں کتاب و سنت کے احکام اور حدود اللہ کے اندر ہونی چاہئیں، مسلمانوں کے لئے وہ ترقی پیغام ہلاکت ہے، جس کی زد کسی دینی تصور یا اسلامی حکم پر آکر پڑتی ہو!

اسلام ایسے "نیوٹن" اور "ایڈیسن" چاہتا ہے، جو سیرت کے اعتبار سے "صہیبؓ" اور "بلالؓ" بھی ہوں!

اسلام میں دین اور دنیا ساتھ ساتھ چلتے ہیں! اسلام نہ تو "رہبانیت" کو پسند کرتا ہے اور نہ "چنگیزیت" کو! جس نے اس راز کو سمجھ لیا، وہ انشاء اللہ زمانہ کی ان ترقیوں کے طوفان میں ثابت قدم رہے گا!

فلم اور سینما

مورخہ ۲۷ ستمبر ۱۹۵۳ء

بخدمت ایڈیٹر فاران کراچی - سلام مسنون!

سینما ٹو گرافی کی نسبت مولانا مودودی کی رائے (مندرجہ ترجمان القرآن بابتہ اگست ۵۲ء) اور آپ کا خیال (مندرجہ فاران بابتہ اکتوبر ۵۲ء) میرے سامنے ہیں۔ افسوس ہے کہ ترجمان قریباً ایک سال سے میں نہیں دیکھ سکا اس لئے نہیں کہا جا سکتا کہ مولانا نے آپ کے مضمون کے سلسلہ میں مزید کوئی اظہار خیال فرمایا ہے یا نہیں؟ تاہم اس مسئلہ پر میں اپنے خیالات آپ تک پہونچانا ضروری سمجھتا ہوں۔ اگرچہ یہ ایک خالص علمی مبحث ہے لیکن ظاہر ہے کہ بحث و تنقیح ہی سے مسائل صاف ہوتے ہیں اور ان کے متعلق کسی صحیح نتیجہ پر پہونچنے میں مدد ملتی ہے۔ جب ان سائنٹفک طاقتوں کو صحیح طور پر استعمال کرنے کا وقت آئے گا تو انشاء اللہ ہمارے یہ مباحث اچھی رہنمائی کر سکیں گے۔

سب سے پہلے مجھے آپ کے طریق بحث پر گفتگو کرنی ہے۔ زیر نظر مضمون میں آپ کا انداز بحث اور طریق استدلال آپ کی دوسری تحریروں سے مجھے بالکل مختلف نظر آتا ہے۔ آپ مولانا مودودی کی ایک رائے پر تنقید کر رہے تھے، اس کے لئے صحیح طریق یہی ہو سکتا تھا کہ آپ اپنی گفتگو کو نفس مسئلہ تک محدود رکھتے، مولانا کے دلائل کا تشفی بخش جواب دیتے اور سینما ٹو گرافی اور اس کے موجودہ طریق استعمال کی بحث کو گڈ مڈ نہ کر دیتے۔ آپ کے مضمون میں بہت سی غیر متعلق باتیں آ گئی ہیں جن کے بیان کی نفس مسئلہ کو سمجھنے کے لئے کوئی ضرورت نہیں اور کچھ باتیں ایسی ہیں جن کا جواب صراحتاً مولانا کے مضمون میں موجود ہے — مزید براں آپ کے مضمون میں نہ ربط ہے نہ تسلسل بس ایک ایک پیراگراف میں چند منتشر اور متفرق باتیں کہتے چلے گئے ہیں۔

مولانا نے ایکٹنگ کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس پر آپ فرماتے ہیں: "یہ اس بات کا کھلا ہوا ثبوت ہے کہ مولانا مودودی 'فلم' کی اخلاقی مضرتوں کا شدید احساس رکھتے ہیں" ——— حالانکہ یہ 'فلم' کی نہیں 'فلمی ڈراموں' کی اخلاقی مضرتیں ہیں جن کی وجہ سے مولانا نے فرمایا ہے کہ سینما کی طاقت کو فلمی ڈراموں میں استعمال نہیں کیا جا سکتا۔

پھر آپ کہتے ہیں: "مولانا مودودی کی ان تصریحات نے 'سینما' کی تین چوتھائی اباحت کی تو خود ہی نفی کر دی" ——— حالانکہ یہ تصریحات 'سینما' کی اباحت کی نفی نہیں کرتیں بلکہ اس کے موجودہ طریق استعمال کے جواز کی نفی کرتی ہیں اور تین چوتھائی نہیں بلکہ سو فیصدی نفی کرتی ہیں،

آگے چل کر آپ نے "لگے ہاتھوں چند نفسیاتی اشارے" بھی کر دیئے ہیں حالانکہ یہ اشارے بالکل غیر متعلق ہیں اور سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک علمی و فنی مسئلہ کی تحلیل و تحقیق کے لئے اس قسم کے "لگے ہاتھوں نفسیاتی اشاروں" کی کیا ضرورت ہے؟ آپ نے لکھا ہے کہ "علماء کے طرز عمل کی تنگی اور ان کے غیر معمولی تقشف کو دیکھ کر مولانا مودودی کے ذہن و فکر پر یہ ردِ عمل ہوا کہ اس تنگی میں وسعت پیدا کی جائے اور قلم اسی جذبۂ توسع کی حد میں آ گیا" ——— میں مولانا کی طرفداری کا کوئی ادنیٰ سا جذبہ بھی لئے بغیر پوری ذمہ داری کے ساتھ یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ آپ کا یہ "تجزیہ" درست نہیں ہے اور

بقول آپ کے محض "قیاس کی تخلیق" ہے۔ مولانا کی سینکڑوں تحقیقی آرا گواہ ہیں اور جس نے بھی اُن کی ان آرا، کا گہرا اور وسیع مطالعہ کیا ہے وہ گواہی دیگا کہ مولانا محض کسی کے "ردِّ عمل" میں کوئی بات نہیں کہتے اور لکھتے۔ ہر علمی یا فنی مسئلہ میں وہ خود اپنی ایک مستقل اور باقاعدہ رائے رکھتے ہیں اور وہ ان کے اپنے مطالعہ و تحقیق اور غور و فکر ہی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ بشریت کے تقاضہ سے وہ اپنے غور و تحقیق ہی میں لغزش کر جائیں لیکن وہ مخالفانہ دلائل کو سننے، ان کو حق بجانب پاکر ماننے اور اپنی رائے میں ترمیم، تنسیخ یا تبدیلی کرنے کے لئے بھی ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ البتہ آپ کے اپنے زیر نظر مضمون کو گواہ بناتے ہوئے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ سینما کے مسئلہ میں آپ کی رائے خود "ردِّ عمل" کا نتیجہ ہے۔ آپ اپنے قرب و مشاہدہ کی بنا پر موجودہ فلمی مکروہات کا ایسا شدید احساس رکھتے ہیں کہ آپ نے فلم انڈسٹری ہی کو سرے سے اس کی لپیٹ میں لے لیا اور بیتاب ہوکر اس کے خلاف شدت سے رائے قائم کر لی ورنہ آپ جیسے ذکی و ذہین اصحاب کے لئے اس مسئلہ کو ٹھنڈا ہو کر سمجھ کر اسلامی نقطۂ نظر سے اس پر رائے قائم کرنا کچھ مشکل نہیں۔

آپ نے لکھا ہے: "شریعت کا یہ اصول ہر حالت میں پیش نظر رہنا چاہیئے کہ جس چیز کو شریعت ناجائز بتاتی ہے اس چیز کی چاہے زمانہ کی ترقی و انقلاب کے ہاتھوں ہیئت کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے مگر اس میں شر کا عنصر ضرور باقی رہے گا اور اس پر قیاس اسی مضرت کا ہوگا جس کی بنا پر شئے مذکور کو ناجائز کہا گیا ہے" ——— آپ کی یہ رائے نظر ثانی کے لائق ہے، آپ نے اس سلسلہ میں جو مثالیں دی ہیں وہ سب غیر متعلق ہیں۔ بنکوں، انشورنس کمپنیوں اور تجارتی امور میں جتنی شکلیں سود کی پائی جاتی ہیں وہ یقیناً ناجائز ہیں لیکن اسے "ہیئت کچھ ہی کیوں نہ ہونا" نہیں کہتے، علتِ حرمت باقی ہے لہٰذا وہ حرام ہیں اسی طرح معمّے اور گھوڑ دوڑ وغیرہ جب تک میسر کی اسپرٹ رکھتے ہیں یقیناً حرام ہوں گے۔ فوٹو اور موقلم کی بنائی ہوئی تصویریں اور مجسّمے وغیرہ سب اس وقت تک حرام رہیں گے جب تک ان کے اندر علتِ حرمت موجود ہے لیکن ان تمام چیزوں کو زیر بحث مسئلہ سے کیا تعلق؟ آپ کہتے ہیں "فوٹو صرف فلم اور سینما کا نام رکھدینے سے کس طرح جائز ہو جائے گا" حالانکہ فلم اور سینما محض فوٹو کا نام نہیں ہے۔ ساکت و جامد تصویروں اور متحرک و ناطق تصویروں میں اصولاً بڑا فرق ہے اور پہلی چیز میں جو علتِ حرمت موجود ہے وہ دوسری میں نہیں ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اس کو پہلی چیز کے حکم سے الگ کر دیا جائے۔ رہ گئی یہ بات کہ ساکت اور جامد تصویروں ہی سے متحرک تصویریں بنائی جاتی ہیں اس لئے ان کی بنیاد ہی غلط ہے اور ان سے کوئی کام نہ لینا چاہیئے تو یہ بات بھی صحیح نہیں ہے۔ ہمیں 'فلم' کی طاقت سے کام لینا ہے نہ کہ تصویروں سے، سائنس کی ترقی سے ہزاروں چیزیں ہمارے سامنے بن بن کر آرہی ہیں، ہمیں ان کے اندر فی نفسہٖ علتِ حرمت و حلت تلاش کرنا چاہئے۔ ہر ناجائز چیز میں جس کی ہیئت زمانہ کی ترقی و انقلاب سے کچھ کی کچھ ہو گئی ہو، شر کا عنصر موجود ہونا کچھ ضروری نہیں۔ ہمیں دیکھنا ہوگا کہ وہ "ہیئت" کیا ہے اور اس کے استعمال کی صورت کیا ہے۔ اس لحاظ سے فرداً فرداً ہر ایک شئے کے بارے میں ہم شریعت کی رو سے جواز یا عدم جواز کی رائے قائم کر سکتے ہیں لیکن بطور کلیہ یہ "اصول" قرار دیدینا کہ "ہیئت کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے اس میں شر کا عنصر ضرور باقی رہے گا" بالکل غلط ہے۔

آپ لکھتے ہیں کہ "مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کو فلم اسٹوڈیو میں جانے کا اتفاق نہیں ہوا مگر مجھ گنہ گار نے 'نگارخانوں' کی سیر کی ہے" ——— کیا واقعی یہ کوئی دلیل ہے؟ مجھے حیرت ہے کہ آپ نے یہ بات کیوں لکھی؟ اگر آپ یہ بتانا چاہتے تھے کہ "جس طرح کیمرے کے ذریعہ فوٹو لیا جاتا ہے بالکل اسی طرح فلمی تصویریں بنائی جاتی ہیں" تو یہ بات تو بالکل واضح اور عام ہے۔ اس کے لئے کسی کا فلم اسٹوڈیو میں جانا کیا ضرور ہے؟ آج یہ بات تو ہر چھوٹا بڑا عالم و جاہل جانتا ہے کہ فلم تصویروں ہی کا مجموعہ ہے چنانچہ فلمی تماشوں کو تصویر یا پکچر کہا بھی جاتا ہے اور فلم کا جو PROCESS آپ نے بتایا ہے اس سے تو وہ لوگ بھی اچھی طرح واقف ہو سکتے اور واقف ہیں جن کو فلم اسٹوڈیو میں جانے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا۔ یہ چیز تو فنی تحقیق و

مطالو پر منحصر ہے اور سینما کے عام ہونے کی وجہ سے لوگ بڑی تعداد میں اسے جانتے ہیں۔

آپ کا یہ لکھنا کہ "تصویر جب ناجائز قرار دی گئی تھی تو وہ ایک ساکت اور جامد چیز تھی اور اب فلم میں تصویر بولتی، حرکت کرتی اور چلتی پھرتی ہے لہذا اس کی مضرت فوٹو کی ترقی کے ساتھ اور زیادہ بڑھ گئی ہے ——— تو فلم نے تصویر کی مضرت اور برائیوں کو معراج کمال پر پہونچا دیا ہے" ——— دراصل یہی محورِ بحث ہے اور اسی پر آپ کو زور دینا چاہئیے تھا مگر آپ نے ان مضرتوں اور برائیوں کی کوئی نشان دہی نہیں کی جو 'فلم' کی صورت میں معراج کمال پر پہونچ سکتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ آپ کے پیشِ نظر موجودہ فلمیں ہی ہیں اسی لئے آپ نے ان کی برائیوں اور مضرتوں کی طرف صرف اشارہ کر دینا کافی سمجھا ہے حالانکہ یہ بات بحث سے بالکل الگ ہے۔ نفسِ صنعت کے نقطۂ نظر سے اس میں نہ صرف یہ کہ کوئی برائی یا مضرت نہیں ہے بلکہ اس میں فوائد ہی فوائد ہیں۔ اگر آپ کو اس سے اختلاف ہے تو جس طرح مولانا مودودی نے سینما کے مفید استعمالات کی ایک فہرست دی ہے آپ کو بھی ان نقصانات کی کافی وضاحت کرنی چاہئیے جو شرعی نقطۂ نظر سے واقع ہوتے ہیں۔

آگے آپ نے فلم کے 'ناگزیر' اور مفید ہونے پر بحث کی ہے مگر یہ صرف اسی صورت میں قابل توجہ ہو سکتی ہے جب فلم کو حرام قرار دے دیا جائے۔ اگر فلم بجائے خود مباح ہے تو پھر افادیت ہی کی بحث کی جائے گی اور اس کے جتنے مفید پہلو ہو سکتے ہیں ان کو پیش کیا جائے گا۔

پھر آپ نے لکھا ہے: "آج حالات نے عورت کی بے پردگی کو کتنا ضروری قرار دیا ہے مگر اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے بے پردگی سے جو برائیاں پھیل رہی ہیں وہ سب پر ظاہر ہیں" ——— یہ مثال بھی عجیب و غریب ہے تاہم اگر اس کا تعلق ہو سکتا ہے تو ناگزیر اور مفید کی بحث سے ہو سکتا ہے مگر وہ بحث ہی سرے سے قابل توجہ نہیں ہے۔

آگے چل کر بچیوں کی تربیت گاہ کی جو مثال دی گئی ہے اور استانیوں اور لڑکیوں کے چہروں سے خطرات پیدا ہونے کا جو ذکر کیا گیا ہے، یہ اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ آپ نے اس مسئلہ پر نہ خود غور کیا ہے اور نہ مولانا کے مضمون کو غور و توجہ سے پڑھا ہے۔ بس یہ مسئلہ سامنے آتے ہی نہایت عجلت کے ساتھ اپنے مافی الذہن کو کاغذ پر رکھ دیا ہے۔ مولانا نے اپنے مضمون میں صراحت سے لکھا ہے کہ فلم میں عورت کا پارٹ رکھنے کی کوئی شرعی صورت سرے سے ہے ہی نہیں اور ان کے مضمون کا یہ اقتباس آپ نے اپنے جواب میں نقل بھی کیا ہے اس کے باوجود آپ عورتوں کی مثال لاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "فلم نگاہ کے اس فتنہ کو بہت زیادہ تقویت دیتی ہے جس کی شریعت میں سخت ممانعت آئی ہے" ——— میں نہیں سمجھ سکا کہ اس طریقِ بحث سے کسی علمی یا فنی مسئلہ کا حل کیسے نکل سکتا ہے؟ آپ کے سامنے بار بار موجودہ فلمیں اور ان کے فلمی چہرے آ جاتے ہیں اور باوجود تصریح و توضیح کے آپ سینماٹوگرافی اور اس کے موجودہ استعمال میں فرق نہیں کر سکتے۔ حالانکہ لمبی چوڑی بحثوں سے قطع نظر مولانا کا ایک نہایت مختصر اور جامع فقرہ ہی اس بحث کو ختم کر سکتا ہے ——— "سینما بجائے خود جائز ہے البتہ اس کا ناجائز استعمال اس کو ناجائز کر دیتا ہے" (یہ فقرہ خود آپ نے بھی اپنے جواب میں نقل کیا ہے)

میں معذرت خواہ ہوں کہ مجھے آپ کے طریقِ بحث سے جو اختلاف تھا اس کو ظاہر کرتے ہوئے میں نے کسی حد تک طوالت اختیار کی ہے مگر میں اس کے لئے مجبور تھا کیونکہ میں نے آپ کی اس تحریر کو واقعی آپ کے علم و فہم اور طریقِ بحث و فکر کے معیار سے بہت ہی فروتر پایا اور اسی لئے اس پر متنبہ کرنا ضروری سمجھا۔

اب میں نفسِ مسئلہ پر اظہار خیال کرتا ہوں:-

مولانا مودودی نے زیرِ نظر مضمون سے پہلے متعدد مرتبہ اس خیال کا اظہار فرمایا تھا کہ سینما بجائے خود جائز

ہے لیکن جواز کے دلائل بیان کرنے کا انہیں موقع نہ ملا تھا۔ اب ان کے دلائل ہمارے سامنے ہیں اور اگرچہ وہ بہ ظاہر بہت مختصر اور ناکافی نظر آتے ہیں لیکن میرے نزدیک وہ بہت جامع اور کافی ووافی ہیں۔

سب سے پہلے اس عکس کی حقیقت پر غور کرنا چاہیئے جو فلم کے اندر ہوتا ہے۔ اس کی نسبت مولانا فرماتے ہیں کہ اس تصویر کا اطلاق نہیں ہوتا اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ وہ ان کاموں میں سے کسی کام کے لئے استعمال نہیں کیا جا سکتا جن سے باز رہنے ہی کی خاطر شریعت میں تصویر کو حرام کیا گیا ہے۔ ہاں جب وہ کاغذ یا کسی دوسری چیز پر چھاپ لیا جائے تو بلاشک اس پر تصویر کا اطلاق ہوگا۔ مولانا کی یہ دلیل کافی وزنی اور معقول ہے اور میں باوجود غور و فکر نہیں سمجھ سکا کہ اس کو کس طرح رد کیا جا سکتا ہے؟ اگر کسی طرح کھینچ تان کر اس عکس کو "تصویر" قرار ہی دے لیا جائے تب بھی مولانا کی دلیل اپنی جگہ پر قائم ہے کہ وہ ان کاموں میں استعمال نہیں کی جا سکتی جن سے بچنے کی خاطر شریعت نے اسے حرام کیا ہے، یہ عکس فلم کے اندر ہی ہوتا ہے اور جب تک برقی مشین کے ذریعہ اسے پردہ پر منعکس نہ کیا جائے وہ کسی کام نہیں آتا یہاں تک کہ فلم کی پٹی (camera) کو اس کی Reel سے علٰحدہ کر کے بھی دیکھا جائے تب بھی آنکھ سے، روشنی کے بغیر صاف دکھائی نہیں دیتا۔ ایسی صورت میں اسے "تصویر" کہئے یا نہ کہئے بہر حال علتِ حرمت اِس کے اندر قطعاً موجود نہیں۔ رہ گئیں وہ چیزیں جو سینما کے پردہ پر نظر آتی ہیں تو انہیں مولانا نے پرچھائیں پر قیاس کیا ہے، آپ اسے پرچھائیں کہئے یا کچھ اور بہر حال اسے "تصویر" کہنے کی جرأت کسی طرح نہیں کی جا سکتی۔ متحرک تصویروں کا یہ عکس بالکل وہی نوعیت رکھتا ہے جس طرح ہم اپنی آنکھوں سے لوگوں کو رات دن چلتے پھرتے اور کام کرتے ہوئے دیکھتے ہیں اور اپنے کانوں سے ان کو باتیں کرتے، مباحثے اور تقریریں کرتے ہوئے سنتے ہیں، اصل اور نقل کے سوائے ان دونوں حالتوں میں یک سر مو فرق نہیں لہٰذا اس کی بحث ہی ہمارے موضوع سے خارج ہے۔

میرا خیال ہے کہ سینماٹوگرافی پر اس کے موجودہ طریقِ استعمال سے ہٹ کر غور کرنے سے یہ باتیں بالکل صریحی طور پر سمجھ میں آتی ہیں اور اس نتیجہ تک پہونچنے میں ذرہ برابر دقت نہیں ہوتی۔ میں چاہتا ہوں کہ جو لوگ اس مسئلہ پر اظہارِ رائے کرنا چاہتے ہیں وہ اسی انداز میں غور و فکر کریں اور خواہ مخواہ خلط مبحث کر کے ناظرین وسامعین کی فکر کو پراگندہ نہ کریں۔

آج تصویر اور سینما لازم و ملزوم بنا کر رکھدیئے گئے ہیں بلکہ یہ دونوں ایک ہی چیز کا نام بن کر رہ گئے ہیں۔ جو عکس فلم کے اندر ہوتا ہے وہی کاغذ پر مختلف سائزوں کے ساتھ چھاپا جاتا ہے اور سوسائٹی میں اس کی اشاعت اس کثرت سے ہوتی ہے کہ کسی شخص کی نظر اس پر پڑنے سے بچ نہیں سکتی۔ پھر یہ تصویریں مردوں سے کہیں زیادہ عورتوں کی ہوتی ہیں اور انہیں مختلف poses میں اس قدر شہوت انگیز اور عریاں طریقے سے پیش کیا جاتا ہے کہ ان پر نظر ڈالنے والے کے لئے اپنے آپ کو شہوانی تحریک یا پراگندہ خیالی سے بچانا سخت مشکل ہو جاتا ہے۔ پھر ان کی اشاعت بھی اِس وقت اتنی زیادہ ہے کہ شائد کسی اور چیز کی اشاعت اتنی عام نہیں ہے۔ دوسری چیز جو سینما کا جزولاینفک بن کر رہ گئی ہے وہ موسیقی ہے۔ اول تو فلموں میں پیش کی جانے والی موسیقی نہایت کمالِ فن کے ساتھ پیش کی جاتی ہے جس سے آدمی کا بایں ہمہ جذبات واحساسات متاثر نہ ہونا سخت مشکل ہے، پھر انہیں چیزوں کو ریکارڈوں میں بھر دیا جاتا ہے اور وہ گھر گھر، ہوٹل ہوٹل اور دکان دکان رات دن بجا کرتے ہیں جن کی آوازوں سے کسی کے کان محفوظ نہیں رہ سکتے۔ اس طرح عورت اور موسیقی نے موجودہ فلموں کو سخت گمراہ کن اور فساد انگیز بنا رکھا ہے اور بس اِسی لحاظ سے اسے "تہذیبِ حاضر کی خطرناک جادوگری" کہہ سکتے ہیں، نہ کہ سینما خود ہی کوئی "خطرناک جادوگری" ہے!

آج سینما کی طاقت کو بیشتر بلکہ تقریباً تمام تر فلمی ڈراموں میں استعمال کیا جاتا ہے اور ہر ڈرامہ میں عورت اور موسیقی کا وجود ضروری ہے۔ بہت سی کہانیاں اپنے نتیجہ اور اپنی افادیت و معنویت کے لحاظ سے نہایت سبق آموز

ہوتی ہیں لیکن انھیں لازماً عورت اور موسیقی سے آلودہ کردیا جاتا ہے، نتیجۃً تماشائی ان سے حقیقی استفادہ نہیں کرسکتے اور یہی وجہ ہے کہ جن فلموں کو اخلاقی اور اصلاحی فلمیں کہا جاتا ہے ان سے بھی کوئی قابلِ لحاظ مفید نتیجہ نہیں نکلتا کیونکہ ان میں عورت اور موسیقی انسان کے سفلی جذبات کو اپیل کرنے کے لئے ضرور موجود ہوتی ہیں اور انسانی فطرت کا خاصہ ہے کہ وہ عموماً روحانی و اخلاقی جذبات سے دیر میں متاثر ہوتی ہے لیکن سفلی جذبات اُسے فوراً متاثر کردیتے ہیں۔

یہ ہے سینما کی طاقت کا موجودہ استعمال۔ اس کی بُرائی اتنی عام ہے کہ اس کو بُرائی کی حیثیت سے متعارف کرانے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ اسے تو ہر کس وناکس جانتا ہے اور اپنے حواسِ خمسہ کے ذریعہ اسے محسوس کرتا ہے لیکن اس کے اس ناجائز استعمال کی وجہ سے ہم صنعتِ فلمسازی کو ناجائز نہیں ٹھیرا سکتے۔ یہ قدرت کی طاقتوں میں سے ایک بڑی طاقت ہے اس لئے اس کو انسان کی بھلائی اور حق کی خدمت میں لازماً صرف ہونا چاہیئے۔

اِس خط یا مضمون کی اشاعت آپ مفید سمجھتے ہیں تو ضرور فاران میں شائع کریں اور اس پر مزید اظہارِ خیال کی ضرورت محسوس کرتے ہیں تو ضرور اظہارِ خیال کریں، میں اس کا منتظر رہوں گا۔

مضمون کی رسید کا متمنی

شیخ احمد۔ بھوکر (ضلع ناندیڑ دکن)

بھارت

گزارش

اس مکتوب کو پڑھ کر گونہ مسرت ہوئی کہ لائق مکتوب نگار نے جو کچھ کہا ہے شائستگی کی حدود میں رہ کر کہا ہے، اُن کا اندازِ تحریر اور اسلوبِ نگارش حریفانہ اور مخاصمانہ نہیں بلکہ ہمدردانہ ہے اور انھوں نے جس بات کو حق سمجھا اُس کے اظہار میں ذرا سی بھی جھجک سے کام نہیں لیا، اور پھر بھی لہجہ میں تلخی اور درشتی پیدا نہیں ہونے پائی! یہ بہت بڑی بات ہے اور حق شناسوں اور حق پرستوں کا یہی شیوہ ہونا چاہیئے!

جناب شیخ احمد صاحب نے میرے جس مضمون پر تنقید فرمائی ہے، اُس میں اپنے مافی الضمیر کو کافی وضاحت کے ساتھ ادا کرچکا ہوں اور اُس کا اعادہ مناسب نہیں سمجھتا، یہاں چند باتیں مجھے عرض کرنی ہیں اور وہ بھی اختصار کے ساتھ! بات کو خواہ مخواہ اُلجھانا اور طول دینا ہرگز مقصود نہیں ہے، اور نہ میں اُن لوگوں میں سے ہوں جو اپنی بات کی پچ کے لئے حق و ناحق کی پروا نہیں کرتے!

جب "فلم" اور "سینما" کا لفظ بولا جاتا ہے تو اُس سے مُراد وہ ڈیڑھ دو انچ چوڑی پٹی (tape) ہی نہیں ہوتی جس پر واقعی تصویر یا عکس صاف دکھائی نہیں دیتا[1]۔ "فلم" اور "سینما" سے مراد وہ "عکس آرائی" ہے جو پردہ پر نظر آتی ہے ——— اور اس پر "تصویر" اور "فوٹو" کا چونکہ اطلاق ہوتا ہے، اس لئے وہ ناجائز ہے!

یہ کہنا کہ "متحرک تصویروں کا یہ عکس بالکل وہی نوعیت رکھتا ہے جس طرح ہم اپنی آنکھوں سے لوگوں کو رات دن چلتے پھرتے اور کام کرتے ہوئے دیکھتے ہیں ——— اس لئے غلط بلکہ قیاس مع الفارق ہے کہ لوگوں کو چلتے

[1] جس طرح فوٹو سے مراد صرف " NEGATIVE " نہیں ہوتا۔

پھرتے دیکھنا تو جائز ہے مگر لوگوں کے اس چلنے پھرنے کی " تصویر " لینا اور اُس تصویر کا دیکھنا اور استعمال کرنا ناجائز ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہیں نہیں فرمایا کہ فلاں مقصد کی افادیت کے لئے " تصویر " کا استعمال جائز ہے، اس لئے " فلم " اور " سینما " چونکہ تصویر اور فوٹو ہی ہے لہذا ہمیں اپنی طرف سے " افادیت " کا نظریہ تراش کر، حلت و جواز کا فتویٰ دینے کا حق ہرگز حاصل نہیں ہے۔
لائق مکتوب نگار کی اطلاع کے لئے میں یہ عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ میں نے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے مضمون کو سرسری نہیں، پورے غور و خوض کے ساتھ مطالعہ کرنے کے بعد ہی اظہارِ خیال کی جرأت کی تھی، اور اپنی دانست میں تمام پہلوؤں کو اچھی طرح سوچ سمجھ لیا تھا۔
میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کس قسم کا فلم ہوگا جس کی " حلت " پر دلیلیں لائی جا رہی ہیں، کیا ان میں مردوں اور عورتوں کا چلنا پھرنا، کام کرنا، نماز پڑھنا وغیرہ نہیں دکھایا جائے گا، اگر دکھایا جائے گا تو عورتوں کو فلمی پردہ پر مردوں کا انھیں نماز پڑھتے دیکھنا کیا " فتنۂ نگاہ " کی تعریف میں نہیں آتا۔
شیخ احمد صاحب نے یہ عجیب بات کہی ہے کہ " ہمیں فلم کی طاقت سے کام لینا ہے نہ کہ تصویروں سے " یہ تو ایسی ہی بات ہے جیسے کوئی کہے کہ ہمیں تو چاقو کی طاقت سے کام لینا ہے نہ کہ لوہے سے! حالانکہ " لوہے " کے بغیر چاقو کی طاقت کا مجرد تصوّر ہی محال ہے!
یہ بالکل بدیہی بات ہے کہ " فلم " حقیقت میں " فوٹو " ہی ہوتا ہے اپنے " PROCESS " ہی نہیں عمل و ہیئت کے اعتبار سے بھی! اور فوٹو چونکہ شریعت میں ناجائز ہے اس لئے " فلم " کو ہم کھینچ تان کر " حلت " کی حدود میں لے بھی آئے تو یہ آج کل کی عدالتوں کے وکیلوں اور بیرسٹروں کے انداز کی قانونی مہارت کا مظاہرہ ہوگا، شریعت کا مزاج " سمع و اطاعت " کا مطالبہ کرتا ہے!
میں نے اپنے گزشتہ مضمون میں بھی عرض کیا تھا اور اب پھر اُسے دُہراتا ہوں کہ شریعت جس چیز کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتی، وہ چیز کسی حالت میں بھی سببِ خیر اور موجبِ فلاح نہیں بن سکتی!

ماہر القادری

شاعر لکھنوی

محسوساتِ شاعر

سمجھنا ہے ہمیں مفہوم بادہ — کریں گے اُس نظر سے استفادہ
خوشا رعنائیٔ احساسِ منزل — قدم اُٹھنے لگے ہیں بے ارادہ
کہاں ممکن ہے شرحِ چشمِ ساقی — بہت رنگین لیکن پھر بھی سادہ
سمٹ آیا غمِ کون و مکاں بھی — ذرا سا دل مگر کتنا کشادہ
خراماں ہے تبسّم ان لبوں پر — کہاں پہونچی ہے اُڑ کر موجِ بادہ
ترے غم نے بھرا ہے رنگ ورنہ — محبت تھی فقط اک نقشِ سادہ
نظر سے اک نظر کے مرحلے تک — بہت کم فاصلہ پھر بھی زیادہ

غمِ محبوب سے کرتا ہے شاعر
غمِ دوراں بھی اکثر استفادہ

رشید گوالیاری

جذباتِ رشید

جتنا جتنا ہوا نگاہ کا خوں — رنگ آتا گیا نظاروں میں
وہ نظر ناشناسِ منزل ہے — جو نظر کھو گئی ستاروں میں
اُتنے ہی زخم ہو گئے تازہ — جتنے غنچے کھلے بہاروں میں

وہ جو ہوتے نہیں شریکِ سفر
خاک اُڑتی ہے رہگزاروں میں

احساسِ فرض

عبدالمجید حیرت

سو رہے ہیں وہ جنہیں بیدار رہنا چاہیئے
اپنے گرد و پیش سے ہشیار رہنا چاہیئے

حق کی خاطر برسرِ پیکار رہنا چاہیئے
ہر کشاکش کے لئے تیار رہنا چاہیئے

وائے بدبختی کہ سرتابی میں آگے ہے وہی
جس کو پابندِ رضائے یار رہنا چاہیئے

آپ کی منطق طرازی کے تو یہ معنیٰ ہوئے
برگِ گل کو زیرِ نوکِ خار رہنا چاہیئے

اک حقیقت کو حقیقت ماننے کے بعد بھی
کیا کسی کو برسرِ انکار رہنا چاہیئے

کارِ دنیا، ہم نے یہ مانا، کہ مشکل ہے، مگر
کیا اُسے دشوار ہی دشوار رہنا چاہیئے

کاوشِ آلامِ الفت ہو کہ فکرِ روزگار
اک نہ اک دل کے لئے آزار رہنا چاہیئے

باغ و بستانِ جہاں آباد یا برباد ہوں
دل، بہر صورت، گل و گلزار رہنا چاہیئے

سچ اگر پوچھو، تو اُس کی تندرستی ہے یہی
نرگسِ بیمار کو بیمار رہنا چاہیئے

شادمانی کی تمنا ہے، تو اے حیرت نہیں
سینہ بریان و جگر افگار رہنا چاہیئے

افکارِ آزاد

آزاد مظفر پوری

دھواں سا اُٹھ رہا ہے رہگذر سے
نہ جانے کون گزرا ہے اِدھر سے

زمانہ بڑھ گیا آگے مگر ـــــ ہم
اُلجھ کر رہ گئے شام و سحر سے

اُٹھاؤ بڑھ کے ساغر تشنہ کامو!
ٹھکانا کیا گھٹا برسے نہ برسے

پڑی ہیں آپ پر جب سے نگاہیں
یہ دنیا گر گئی میری نظر سے

اک نظر میں جو کسی کے دل میں کرلیتا ہے گھر
اک زمانہ چاہیئے اُس کو بھلانے کیلئے

آئے تھے آزاد دُنیا کا تماشا دیکھنے
اور تماشا بن گئے خود ہی زمانے کیلئے

مرے خیال میں شاید یہی ہے رمزِ حیات
سنور گئی تو حقیقت نہیں تو افسانہ

ملے کچھ اس طرح مدت کے بعد ہم دونوں
نہ میں نے یاد دلایا نہ تم نے پہچانا

اسی بہار کا کیا انتظار تھا سب کو
بنا کے رکھ دیا جس نے چمن کو ویرانہ

اسعد گیلانی

فریاد

"اے اللہ! میں برباد ہوگیا ہوں۔ تو دیکھ رہا ہے"

زیرلب بڑبڑاتا ہوا۔ وہ ضعیف میکلوڈ روڈ کی سنگین فٹ پاتھ پر چلا جارہا تھا۔ تنہا چلتے چلتے اپنے اللہ سے وہ اس طرح باتیں کررہا تھا۔ جس طرح اس کا ننھا پوتا اس سے لڑکھڑا لڑکھڑا کر لیکن انتہائی انس و محبت اور اعتماد سے باتیں کیا کرتا تھا۔
ان الفاظ میں کوئی ایسی شوکت نہ تھی۔ لیکن قریب سے گزرتے ہوئے جب میں نے وہ الفاظ سنے۔ تو ہیبت کے مارے میں کانپ گیا۔ خوف سے میں نے آسمان کی طرف دیکھا۔ زمین کی طرف جھک کر دیکھا۔ اور گرد و پیش میں ایک عجیب اضطراب سے دیکھا۔ گویا کوئی غیر معمولی واقعہ ہوجانے والا تھا۔ کہنے والا بالکل بے خبری اور محویت میں بڑبڑاتا ہوا گزرا چلا جارہا تھا۔

ایک کمزور ڈھانچہ۔ گاڑھے کی قمیص جو دونوں شانوں سے پھٹی ہوئی تھی۔ ایک ملگجا پاجامہ۔ پاؤں میں پھٹا ہوا جوتا۔ جس میں سے اس کے پاؤں کے پیچھے نمایاں تھے۔ گھستی ہوئی ایڑی۔ سر پر ایک پھٹا ہوا تولیہ۔ ڈاڑھی سفید اور پریشان۔

اسے کچھ خبر نہ تھی۔ کہ اس کے قریب سے گزرنے والا شخص اس کے بارے میں کیا سوچ رہا تھا۔ اسے اس فٹ پاتھ پر چلتے ہوئے اپنے اللہ سے اتنی حضوری حاصل تھی۔ جتنی کسی زاہد شب زندہ دار کو شب بھر تنہائی اور سکون میں جاگنے کے باوجود حاصل نہ ہوسکتی تھی۔ اس کے الفاظ کہہ رہے تھے۔ کہ وہ کسی بالاتر ہستی کو دیکھ رہا ہے۔ اور اگر وہ دیکھ نہیں رہا تھا۔ تو اس بات کا اپنے وجود کی موجودگی سے بھی بڑھ کر یقین رکھتا تھا کہ کوئی اس کی بات کو بہت قریب سے سن رہا تھا۔ اتنا قریب سے جس قدر اس کا اپنا تنفس تھا۔ یہی وجہ تھی۔ کہ جب وہ گزر رہا تھا اور زیرلب بڑبڑا رہا تھا۔ اس کی آواز یوں تھی جیسے سرگوشی ہوتی ہے۔ اور اس کے الفاظ خزاں کے جھونکے کی طرح تھے۔ اس کے الفاظ میں وہ گہرا جذبہ تھا۔ جو کسی قریب ترین ہستی کے لئے ہی الفاظ میں پیدا ہوسکتا ہے۔ کوئی بناوٹ نہ تھی۔ کوئی تکلف نہ تھا۔ کسی دور کی ہستی سے وہ مخاطب نہ تھا کسی بے جانی بوجھی ہستی کا غائبانہ ذکر نہ تھا۔

اتنا قرب۔ اتنی حضوری۔ اتنی بے تکلفی۔ اتنا خلوص۔ اتنا اعتماد اور اتنا یقین کہنے والے کو سننے والے سے کبھی ایک دوست کو کبھی دوسرے دوست سے حاصل نہ ہوا تھا۔ جتنا فٹ پاتھ پر چلنے والے اس ضعیف آدمی کو حاصل تھا۔

"اے اللہ میں برباد ہوگیا ہوں۔ تو دیکھ رہا ہے"

اور ان الفاظ میں کہنے والے کی ساری داستان پوشیدہ تھی۔ اسے داستان سنانے کی ضرورت نہ تھی۔ وہ جانتا تھا کہ جس سے وہ بات کررہا تھا۔ وہ داستان کی تفصیلات سے بے نیاز تھا۔ وہ سینوں میں چھپی ہوئی باتوں کو بھی اتنی ہی قربت سے جانتا تھا۔ جس قدر لاؤڈ اسپیکر پر کہی ہوئی بات کو۔ وہ ان خیالات سے بھی آگاہ تھا۔ جو ایک تتلانے والے معصوم بچے کے ذہن میں پرورش پاتے ہیں۔ اور ان سے بھی آگاہ تھا۔ جو مرنے والے کی گنگ زبان سے ادا نہ ہوسکتے تھے وہ اسی قادر مطلق سے اپنی دو حرفی داستان کہہ رہا تھا۔

"اے اللہ میں برباد ہوگیا ہوں۔ تو دیکھ رہا ہے"

مجھے ڈر ہورہا تھا۔ کہ جس سے وہ بات کہہ رہا تھا۔ اس کی مٹھی میں تو یہ ساری کائنات تھی۔ اس کی مٹھی میں تو ان برباد کرنے

والوں کی پیشانی کے بال تھے۔ جنھوں نے اسے درد مند کیا تھا۔ اس فریاد کرنے والے کی آواز میں ۔۔۔ میں نے انتقام کو بھڑکا دینے والا وہ عجز محسوس کیا۔ جو "اللہ کی مدد کب آئیگی" کے جملے پر اعداء کے حصے میں آیا کرتا ہے۔ اس کے اس قوی ترین عجز نے۔ اس کی اس انتقام انگیز فریاد نے اس کی اس بے لفظ داستانِ درد نے میرے اندر ایک گہرا گھاؤ لگایا۔ میں نے محسوس کیا۔ کہ قلب پر ایک برف کی سل تھی۔ جو اس کی گرمئ فریاد سے پانی پانی ہوکر بہ گئی۔ پاش پاش ہوگئی۔ بے حسی کی ایک چٹان تھی۔ جو ریزہ ریزہ ہوگئی۔ اور اس چٹان کے نیچے میں نے اپنے عجز اور بندگی کو تازہ دم پایا۔ میں نے محسوس کیا۔ کہ جو بندگی میری قوت تھی اسے میں نے ایک عرصے سے جمود بے حسی بلکہ سنگدلی کے نیچے دفن کر رکھا تھا۔ اور اس کی قوت سے بے خبر تھا۔

اس کا اپنے اللہ سے اتنا قریب اور اعتماد انگیز طرزِ عمل دیکھ کر میرے اندر بھی ایک خروش بیدار ہوگیا۔ وہ شخص کتنی بڑی طاقت کو متحرک کر رہا تھا۔ کتنی بڑی پناہ کو آواز دے رہا تھا۔ کتنے بڑے ذریعے کو بلا رہا تھا۔ کتنے بڑے وسیلے کو متحرک کر رہا تھا۔ وہ اپنے دشمنوں کے مقابلے میں اسے لا رہا تھا۔ جس کی مٹھی میں پہاڑوں کے سلسلے اور جس کے اشارے پر اجرام فلکی کے گولے حرکت کرتے تھے۔ اس کے لئے قلب میں اس گداز کی۔ اعتماد میں اس توکل کی اور سعی میں اس بھروسے کی ضرورت تھی۔ جو فریادرس کو اگر دیکھ نہ سکے۔ تو کم از کم اس کے وجود کو اپنے قلب سے بھی زیادہ قریب محسوس کر سکے۔

ایک خروش میرے سینے میں اُبلنے لگا۔ ایک فریاد جو بے لفظ تھی۔ لیکن داستانِ درد داستاں تھی۔ جو کربلا سے شروع ہوتی تھی اور بالاکوٹ تک پھیلتی چلی جاتی تھی۔ جس میں امام حسینؓ سے لیکر حسن البناء تک اُبھرتے نظر آتے تھے بے لفظ اور بے آواز سینے میں اُبلنے لگی۔ مجھے بھی اپنے رب سے فریاد کرنا تھی۔ مجھے بھی اپنے رب سے کچھ کہنا تھا۔ بہت کچھ کہنا تھا۔ اتنا کچھ جس کے لئے الفاظ کے انبار بھی کافی نہ تھے۔ اتنا کہنا تھا۔ جتنے میرے جسم پر بال تھے۔ جتنے آسمان پر تارے تھے۔ جتنے سمندر میں قطرے تھے۔ جتنے صحرا میں ذرّے تھے۔ لیکن میرے پاس الفاظ نہ تھے۔ صرف ایک غبار تھا جو قلب سے آسمان تک پھیل گیا تھا۔ اور میں اس غبار میں خزاں دیدہ پتے کی طرح اُڑ رہا تھا۔

"میرے اللہ تیرا دین مغلوب ہے اور تو دیکھ رہا ہے؟"

یہ الفاظ میرے ہونٹوں سے پھسل کر نکل گئے۔ جیسے چڑھی ہوئی کمان سے تیر نکل جائے۔ لیکن وہ غبار تھا جو قلب تک چھایا جا رہا تھا۔ اس بگولے سے اس میں کوئی کمی نہ ہوئی۔ آندھی چڑھتی رہی بے لفظ داستان سینے میں اُبلتی رہی بے آواز فریاد سینے میں پیچ و تاب کھاتی رہی۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ کہ میرا قلب قبلہ رُخ ہوکر میرے سینے میں سجدہ ریز تھا۔ عجز اور بندگی کو دعوت دے رہا تھا۔ کہ آئے اور اس کے وجود کو مالکِ حقیقی کے سامنے پوری عاجزی سے پیش کرے۔ غبار پھر الفاظ میں ڈھل رہا تھا۔

"میرے اللہ تیری زمین پر تیرا نام لینے کے جرم میں پھانسیاں گڑنے لگی ہیں"

اور میرے ذہن میں لاہور کا ایک جیل خانہ گھوم گیا۔ جہاں ایک مردِ خدا اور اس کے بہت سے ساتھی اس جُرم کی سزا بھگت رہے تھے۔ اور جن کے لئے آزادی کے دروازے اس لئے بند تھے کہ ان کی گردنیں تیرے سوا کسی کے سامنے نہ جھکتی تھیں۔ جن کی نیکی۔ تقویٰ اور شرافت پر ان کے دشمن بھی قسم کھا سکتے تھے۔

"کیا یہ وہی وقت ہے۔ جب تیرا نام لینا مٹھی میں انگارا پکڑنے کے مانند ہو جانے والا تھا۔ اگر یہ وہی وقت ہے۔ تو مجھے ان انگاروں میں دفن کر دے۔ اس لئے کہ یہ وہی آگ ہے۔ جو ابراہیمؑ کے لئے بھڑکائی گئی تھی"

"میرے اللہ تاریخ پھر ایک زمانے کے بعد معرکۂ بدر کو دہرانے کے لئے آئی ہے۔ ایک مٹھی بھر جاں نثار جو صرف تیرے لئے جینا اور مرنا جانتے ہیں۔ اور جن کو اس بانجھ معاشرۂ انسانی نے صدیوں کے بعد جنا ہے۔ جن کے لئے صدیوں بعد تاریخ اپنا سینہ کھول کر آئی ہے کہ اس پر بڑھ کر یا تیرا نام لکھ دیا جائے یا طاغوت کا۔ اس وقت جبکہ برسوں خون کو پسینہ بنا کر بہانے کے

بعد تیرے بلند نام کو چار دانگِ عالم میں پکارنے کے لئے ایک مینار کی ابتدا سے تعمیر ہوئی ہے۔ اور طاغوت کے ساتھی بڑھ بڑھ کر اس تعمیر کو گرا دینے کے لئے حملے اور سازشیں کر رہے ہیں۔ تو دیکھ رہا ہے۔ کہ ایک طرف ساز و سامان ہے اور دوسری طرف صرف تیرے نام کی قوت اور تیرے رسولؐ کی غیرت کا سہارا ہے، اور تو دیکھ رہا ہے۔ کہ تاریخ کے اس دور نے سیکڑوں ابو جہل اور ابو لہب جنم دے ہیں۔ بیسیوں کے سروں پر منافقت کا تاج رکھ دیا ہے۔ اور ایک بڑے زور کی کشمکش سر پر کھڑی ہے۔ ماموں اور بھانجا، بھائی اور بھائی۔ چچا اور بھتیجہ۔ باپ اور بیٹا۔ یوں آمنے سامنے آئے ہیں۔ جیسے تب آئے تھے۔ جب تیرا نام پکارنے کے لئے (بلا تشبیہ) ایک رسولؐ آیا تھا۔ جیسے مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک معرکہ ہوا تھا۔ اگر اس دور میں تیری مشیت کی سنت یہ ہے۔ کہ آرے سے جسموں کو چیریں۔ تو یہ جسم تیری راہ میں بچے ہوئے ہیں۔ اگر یہ مقدر ہے۔ کہ لہو کی کنگھیاں اپنا فرض ادا کریں۔ تو یہ تیرا ہی مال ہے۔ تو اسے جس قصاب کے چاہے حوالے کر دے۔ لیکن تو بہتر جانتا ہے۔ اور تجھ سے بڑھ کر کس میں جاننے کی ہمت ہے۔ کہ یہ مٹھی بھر انسان صرف تیرے ہی نام کا مینار تعمیر کر رہے ہیں۔ اور تیری ہی اذانِ حق بلند کرنا چاہتے ہیں اور تجھے ہی سنانے کے لئے سارے جہاں سے روٹھے ہوئے ہیں۔ اور تیری ہی چشمِ التفات کا ایک گوشہ ان کے لئے بہار زندگی ہے تو انہیں برباد نہ ہونے دے۔ انکی دستگیری فرما۔ تو دیکھ رہا ہے۔ کہ وہ اس لئے طوفان میں کودے ہیں۔ کہ تو ڈوبتے سفینوں کو ترانے والا ہے۔ ان کے پاس تجھے راضی کرنے کے لئے اپنی متاعِ زندگی اور عجز کے سوا کچھ نہیں ہے۔ یہی وہ تیرے حضور میں پیش کرتے ہیں۔"

یہ بے صوت داستاں میرے سینے اور ہونٹوں کے درمیان کانپتی رہی۔ اور میں گرد و پیش سے بے خبر چلتا رہا، یہاں تک کہ گرم گرم آنسوؤں کے دو قطرے ڈھلک کر اپنی بندگی اور عجز کا اظہار کرتے ہوئے سنگین فٹ پاتھ پر جا پڑے۔ غبار چھٹ گیا۔ طوفان گزر گیا۔ اور میں نے محسوس کیا۔ کہ کہنے والے کو جو کچھ کہنا تھا۔ وہ بے کہے سننے والے نے سن لیا اور اتنا قریب سے سنا۔ کہ شاید اتنا قریب خود کہنے والے کو اپنا بھی حاصل نہ تھا۔

روحِ انتخاب

سلطان فیروز شاہ تغلق ——— حضرت شرف الدین احمد منیریؒ، حضرت چراغ دہلیؒ اور حضرت قطب الدین منورؒ کے پند و نصائح سے بھی مستفیض ہوتا رہا، اور ان تمام بزرگانِ دین ہی کے فیوض و برکات کی وجہ سے اس میں شریعت اور سنت کی پابندی کا جذبہ پیدا ہوا، اور اس نے اپنے دورِ حکومت میں شریعت کے احیاء اور بدعات کے قلع قمع کرنے میں پوری کوشش کی، اسی سلسلہ میں اس نے ایک رسالہ فتوحاتِ فیروز شاہی قلمبند کیا، اس کا آغاز اس طرح کرتا ہے:-

"حمد بے حد اور شکر بے شمار اس خالق غفور و شکور کا ہے جس نے مجھ بے چارے مسکین فیروز بن رجب محمد شاہ بن تغلق شاہ کے غلام کو سنتِ رسولؐ کو زندہ کرنے، بدعتوں کو مٹانے، بُری باتوں کو دور کرنے، حرام چیزوں کو روکنے اور فرائض و واجبات کی پابندی کی توفیق بخشی"۔

فیروز شاہ نے شریعت کی پابندی کی خاطر جو اقدام کئے، اس کی پوری تفصیل فتوحاتِ فیروز شاہی میں ملے گی، ایک جگہ رقمطراز ہے:-

گزشتہ زمانے میں بیت المال میں نامشروع اور حرام مال جمع کیا جاتا تھا، مثلاً ترکاریوں کی منڈی دلالوں کے بازار، قصاب، طرب و نشاط، پھولوں کی فروخت، پان، غلہ، مچھلی، ندافی، صابون سازی، ریسمان فروشی، روغن گری، خشک چنے، تہ بازاری، قمار بازی، دادبیگی، چرائی وغیرہ پر چنگی لی جاتی تھی، ہم نے دفاتر و دیوان کو خاص ہدایت کردی کہ ان تمام چنگیوں کی وصولی کو ختم کردیں، اور کوئی وصول کرے تو اس کو سزا دیں، اور بیت المال میں جو مال آئے وہ شرع مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور کتب دینیہ کے مطابق ہو، اور وہ یہ ہیں، خراج آراضی، عشور، زکوٰۃ جزیہ، لاوارثوں کا مال، غنیمت اور معدنیات کا خمس اور جو مال کلام پاک کے حکم کے مطابق نہ ہو، وہ بیت المال میں جمع نہ کیا جائے،

معاشرتی اصلاح کے سلسلہ میں اس کی مساعی جمیلہ ملاحظہ ہوں:-

شہر کے مسلمانوں میں ایک ایسا رواج ہوگیا ہے جس کو اسلام جائز نہیں رکھتا ہے، متبرک دنوں میں عورتیں پالکی، چھکڑے، ڈولے، گھوڑے اور اونٹ پر سوار ہوکر اور پاپیادہ جوق جوق شہر سے باہر آتی تھیں اور مزاروں پر جاتی تھیں، بدمعاش اور اوباش لوگ اپنی نفسانی خواہشوں کی خاطر ان عورتوں کو چھیڑ کر فتنہ و فساد پیدا کرتے، عورتوں کا باہر جانا شرعاً ممنوع ہے، ہم نے حکم دیا کہ کوئی عورت مزار کی زیارت کو نہ جائے، اگر کوئی جائے تو اس کو سزا دی جائے، حق تعالےٰ کی عنایت سے اب مخدرات اور مستورات باہر نہیں آتی ہیں اور نہ زیارت کو جاتی ہیں، اب یہ بدعت دور ہوگئی ——

کھانے، پینے، لباس و پوشاک اور روزمرہ کی دوسری چیزوں میں بھی شریعت کی پابندی کا لحاظ رکھا، چنانچہ لکھتا ہے :-

"گزشتہ زمانے میں دستور یہ تھا کہ چاندی اور سونے کے برتنوں کو دسترخوان پر استعمال کرتے تھے، اور تلواروں کے قبضہ اور ترکش کو سونے سے مُرصع کرتے تھے، اس کی ممانعت کر کے میں نے اپنے ہتھیاروں کو شکاری جانوروں کی ہڈی سے مُرصع کیا اور وہ برتن استعمال کئے جو شریعت میں جائز ہیں۔"

"گزشتہ زمانے میں دستور تھا کہ کپڑوں پر تصویر بناتے تھے، اور ان کو شاہی خلعت کے طور پر لوگوں پہناتے تھے، اسی طرح لگام، زین سواری کے پٹے، عود کی انگیٹھیوں، طشت پیالہ، صراحی، لوٹا، خیموں، پردوں، تخت کرسی اور تمام ساز و سامان پر تصویریں بناتے تھے، خدا کے حکم و ہدایت کی بنا پر میں نے حکم دیا کہ ان چیزوں سے ان تصویروں کو مٹادیں اور جو چیزیں شریعت میں جائز ہیں ان کو بنائیں، اور گھروں اور محلوں اور دیواروں پر جو تصویریں بنائی گئی ہیں اُن کو بھی مٹادیں۔"

"اس سے پہلے بڑے لوگوں کا لباس ریشمی اور زردوزی کا ہوتا تھا، جو شرعاً جائز نہیں خدا کی توفیق سے تمام لباس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے موافق ہوگئے، اور زردوزی کے جھنڈے اور زربفت کی ٹوپیاں جن کا عرض چار انگل سے زیادہ نہ ہو، جائز قرار دی گئیں اور جو لباس خلاف شریعت اور ناجائز تھے وہ مٹادیئے گئے۔"

مندرجہ بالا تمام حقائق کی تصدیق شمس سراج عفیف بھی کرتا ہو، اپنی تاریخ فیروز شاہی میں رقمطراز ہے :-

"سلطان فیروز شاہ نے خدا کی عنایت و مہربانی سے ممالک محروسہ سے تمام غیر شرع اُمور کو جو خلاف احکام شرع ملک میں رائج تھے، دور کیا، فیروز شاہ نے ہر رسم و رواج کو جو خلافِ شرع نظر آیا، قطعاً موقوف کر دیا،

"سلاطین کے خلوت خانہ میں مصوّر نقاشی کیا کرتے تھے تاکہ خلوت کے وقت بادشاہ کی نظر ان تصاویر پر پڑے، فیروز شاہ نے خوفِ خدا کی وجہ سے حکم دیا کہ اس خلوت خانہ اس قسم کی نقاشی نہ کی جائے، بلکہ بجائے تصاویر کے باغات و مناظر قدرت کے نقش و نگار بنائے جائیں۔"

"سلاطین قدیم کے محلات میں لوہے، تانبے، چاندی اور سونے کے بُت اور دوسری مورتیں رکھی جاتی تھیں، بادشاہ نے ان کو خلاف شرع خیال فرما کر ان کو دُور کیا۔"

"اسی طرح پہلے سلاطین سونے اور چاندی کے ظروف میں خورد و نوش کرتے تھے، لیکن فیروز شاہ نے ان کو بھی خلاف شرع خیال کر کے اپنے یہاں سے علیحدہ کر دیا، اور پتھر اور مٹی کے برتن استعمال کرنے شروع کئے، اسی طرح مراتب کے علم و نشانات پر تصویریں بنائی جاتی تھیں، بادشاہ نے اس رسم کو بھی قطعاً موقوف کر دیا، وجہ یہ ہو کہ علماء و مشائخ ہر وقت بادشاہ کے قریب رہتے تھے، اسی لئے فیروز شاہ کو ہمیشہ

مکروہ و حرام اشیاء و افعال کا علم رہتا تھا، بلکہ یہ مقدس گروہ ممالک محروسہ کے ہر محصول کے متعلق جواز و عدم جواز کی رائے سے بادشاہ کو مطلع کرتا تھا، اور فیروز شاہ ہر نا شرع محصول سے دست کش ہو جاتا اور اس طرح بیحد نقصان برداشت کرتا۔" (بزم صوفیہ)

اسلام جس پاکیزہ زندگی کی راہیں انسانیت پر کھولنے کے لئے آیا ہے اس کی اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ ہمارے افعال و اعمال گفتار و کردار، قلب و نظر اور روح و جسد کی جملہ حرکات و سکنات، خود غرضی و خودنمائی، عجب و ریا، اور کبر و ناز کی کثافتوں سے پاک ہوں اور ہماری ہر ہر حرکت کا کعبہ مقصود وہ ذاتِ جمیل بن جائے، جس کی رضا کونین کا حاصل اور جس کی محبت حضرتِ انسان کے لئے سرمایۂ افتخار ہو، جس کے سامنے کائنات کا وجود عدم مخلوقات کی حقیقت گم، ذی ارادوں کے ارادے ختم اور صاحبِ نطق گنگ ہیں، اسی حیّ قیوم کے وجود سے کائنات کی ہستی قائم، اس کے ہنگامے آباد اور اس کی مجلسیں پُر رونق ہیں، کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی محبت میں سرگرداں ہے کہ اس جمیل مطلق کے سوا کوئی قابل التفات نہیں اور انسان کا منتہائے کمال بھی یہی ہو، کہ سب سے کٹ کر اسی کی محبت میں مست اور اسی کے جمال میں محو ہو کر رہ جائے، نہ نگاہوں میں اس کے سوا کوئی سمائے اور نہ قلب کی گہرائیوں میں کوئی اور بار پائے۔ وہ محیط بے کراں اس کے روح و جسم پر اس طرح چھا چکا ہو کہ اس کی ہر ادا اس فاعل حقیقی کے اشاروں کا عکس اور اس کا ہر عمل اسی کا پرتو ہو۔ کہ اسلام کی حقیقت ہی یہی ہو، کہ اپنے کو قلباً، جسداً تشریعاً و تکویناً اسی ایک کے سپرد کر دیا جائے۔

کیونکہ اسلام تفویض و تسلیم کا مترادف ہو کہ اپنے کو اسی ایک کے حوالے کر دیا جائے تکویناً اس کی رضا پر راضی اور تشریعاً اس کے اوامر و احکام کی پابندی اختیار کی جائے اور تمام عمر انقیاد و تسلیم کی مخلصانہ جد و جہد کے وظیفے میں گزر جائے کہ زندگی و جان خلق و امر دونوں لحاظ سے اس جان بخشنے والے خالق و آمر کی ملک ہو اور بندہ کا انتہائے کمال یہ ہے کہ دینے والے آقا کے لئے خود کو مٹا دے کہ اس مٹنے کا نتیجہ ابھرنا اور فنا کا حاصل بقا ہے۔

اسی لئے سرور عالم، خیر الانبیاء و سید ولد آدم علیہ السلام کی رہنمائی اس مقامِ محمود کی طرف ان الفاظ میں کرائی گئی۔ قل اِن صلوٰتی و نسکی و محیای و مماتی للہ رب العٰلمین ۝ لا شریک لہٗ ج و بذٰلک اُمرت و انا اول المسلمین ۝ (الانعام)

تو کہہ کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ ہی کے لئے ہے جو پالنے والا ہے، سارے جہان کا، کوئی نہیں اس کا شریک اور یہی مجھ کو حکم ہوا اور میں سب سے پہلے فرماں بردار ہوں۔

توحید و تفویض کا یہ مقام بلند ہمارے آقا فخر الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کو روز ازل سے اسی لئے مرحمت فرما دیا گیا تھا، کہ یہ حاصل کونین زندگی اپنی نہ رہی تھی بلکہ اپنے رب العزت کے کلیتاً سپرد کر کے صفاتِ الٰہی کے کامل ترین رنگ (جو عالمِ امکان میں ممکن ہو سکتا تھا) میں نکھر چکی تھی اور آپ کی مناجاتیں اس چیز کی گواہی دے رہی تھیں:-

"یا اللہ تیرے لئے ہے میری نماز، اور میری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا اور تیری ہی طرف ہے میرا رجوع، اور تیرا ہے جو کچھ میں چھوڑ جاؤں گا۔

وہ پاک ذات (صلی اللہ علیہ وسلم) الحاح وتضرع کے ساتھ اپنے آقا سے یہ دعائیں مانگتی تھی کہ مجھے میرے نفس کے لمحہ کے لئے بھی حوالے نہ کیا جائے۔ کہ یہ مقام تفویض وفنا کے منافی ہے چنانچہ نسائی وحاکم اور بزار حضرت انس رض سے آپ کی یہ دُعا نقل کرتے ہیں:۔

یا حی یا قیوم برحمتك استغیث اصلح لی شانی کله ولا تکلنی الیٰ نفسی طرفة عین

اے زندہ! اے تھامنے والے، تیری رحمت کے واسطے سے تیری طرف فریاد لاتا ہوں، اے اللہ میرے تمام احوال کو درست کردے اور مجھے میرے نفس کی طرف ایک لمحہ کے لئے بھی نہ چھوڑ۔

تفویض وسپردگی کے اس منظر کا اندازہ مقربین بارگاہِ قدوسیت کے امام ہمارے آقا ومولا صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دُعا سے کچھ نہ کچھ ہو سکتا ہے جو ہر رات استراحت کے وقت زبانِ وحی والہام سے ادا ہوتی تھی۔ امام بخاری ومسلم حضرت براء بن عازب رض سے روایت کرتے ہیں کہ آپ جس وقت استراحت کے لئے اپنے فرشِ خواب پر تشریف لاتے تھے تو یہ دُعا پڑھ لیا کرتے تھے:۔ اَللّٰھُمَّ اسلمت نفسی الیك ووجهت وجهی الیك وفوّضت امری الیك والجأت ظھری الیك رغبةً ورھبةً الیك لا ملجاء ولا منجا منك الا الیك اٰمنت بکتابك الّذی انزلت ونبیك الّذی ارسلت۔

اے اللہ میں اپنے نفس کو تیرے حوالے کرتا ہوں اور اپنے چہرے (ذات وقلب) کو تیری ہی طرف متوجہ کرتا ہوں۔ اور اپنا معاملہ (تمام امور خارجی وباطنی کما قال الطیبی) تیرے سپرد کرتا ہوں۔ اپنا پشت پناہ تجھے ہی بناتا ہوں، اُمید بھی تجھی سے ہے اور خوف بھی صرف تیرے سے ہے۔ کہ میرا امن کا ٹھکانا اور تجھ سے میری جائے پناہ سوا تیری ذات کے کہیں بھی نہیں، میں ایمان لایا تیری نازل کردہ کتاب پر اور تیرے بھیجے ہوئے رسول پر۔

زبانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایک لفظ بندے کی عاجزی اور درماندگی اور ربّ العزّت کی طرف اپنی سپردگی اور تفویض کا مظہر ہے، اسلام کی جو حقیقت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مبارک سے ظاہر ہوئی یہی تھی کہ اپنی جانوں کو بالکل رب العزّت کے حوالے کردیا جائے، اپنے ظاہری اور باطنی امور کو اسی قاضی الامور کو سونپ دیا جائے۔ مخلوقات سے قطعاً بے نیاز ہوکر اسی غنی مطلق کا نیازمند اور سارے سہاروں کو چھوڑ کر اسی کا سہارا قبول کیا جائے کہ ذات عزیز ہی وہ "رکن شدید" ہے جس کی پناہ کے بعد خوف نہیں۔ اور جس کی مدد کے بعد ناکامی نہیں، ہمارے تمام امور اسی سے طے پا رہے ہیں، ہمارے تمام کاموں میں اسی سے جان اور ہمارے تمام اسباب میں اسی سے تاثیر آرہی ہے ہمارے اعمال وافعال کی ہر حرکت اسی سے ہے اور ہمارے ارادوں کی رنگ آمیزیاں اور تنوع اسی کے دم سے ہیں۔ وہی ذاتِ اقدس کونین کے ہر ہنگامہ اور ہماری ہر جنبش کا باعث وسبب ہے ــــ!

(الفرقان)

ہماری نظر میں

نَظرةٌ إجمالية فى تاريخ الدّعوة الإسلامية فى الهند وپاكستان (عربی)

(ہند و پاکستان میں دعوت اسلامی کی تاریخ پر ایک سرسری نظر)
تالیف:- مولانا مسعود عالم ندوی، شائع کردہ:- لجنة الشباب المسلم، قاہرہ، مصر
ضخامت ۱۶۰ صفحات، چھوٹی تقطیع، قیمت ۷ قرش مصری (تقریباً ۱۲ آنے)، پاکستان میں غالباً دارالعروبۃ، راولپنڈی کے پتہ پر دستیاب ہو سکے گی!

سرزمین ہند و پاکستان میں عرب مسلمانوں کی آمد سے لیکر اب تک دعوتِ اسلامی کو جو مراحل پیش آئے ہیں، زیر نظر کتاب ان کی ایک مختصر تاریخ ہے، جو خاص طور پر عالم عرب کو یہاں کی دینی تحریکات سے روشناس کرانے کی غرض سے عربی زبان میں لکھی گئی ہے۔ بقول مؤلف وہ اس موضوع پر ایک جامع اور مفصل کتاب بھی لکھ چکے ہیں جو عنقریب زیور طباعت سے آراستہ ہو جائے گی، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ حالات کے تقاضوں کے پیش نظر انھوں نے اس بات کی شدید ضرورت محسوس کی ہے کہ مفصل کتاب کے طبع ہونے سے پہلے اس کا ایک مناسب خلاصہ مرتب کر کے شائع کر دیا جائے۔ اس میں ایک مصلحت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ آج کل کے تیز گام زمانے میں بہت ہی کم لوگوں کو اتنی فرصت میسر آتی ہے کہ مفصل اور ضخیم کتابوں کا مطالعہ کر سکیں، اس لئے کسی کتاب کو رواج عام دینے کے لئے یہ ناگزیر ہے کہ اسے ایک ایسی مختصر اور دلکش شکل میں شائع کیا جائے کہ وہ بآسانی خریدی اور پڑھی جا سکے۔

کتاب کے شروع میں مصر کے محقق عالم، جہاں دیدہ صحافی اور دردمند مسلمان محب الدین الخطیب نے لجنة الشباب المسلم کی طرف سے پیش لفظ لکھا ہے، اس میں انھوں نے فاضل مؤلف کا تعارف کرانے کے بعد اس امر پر تعجب اور مسرت کا اظہار کیا ہے کہ پاکستان کے عجمی ملک میں ایک ادارہ (دارالعروبۃ) اس یقین کی بنیاد پر قائم ہے کہ عربی زبان و ثقافت اسلام کی زبان اور اس کا قالب ہے، اور اس کے ساتھ لازم و ملزوم کا تعلق رکھتی ہے، اور بعض دوسرے اسلامی ممالک کے برعکس پاکستان کے اہل دل مسلمانوں کو اس بات کا بڑا قلق ہے کہ ان کے وطن کے بڑے حصے کو صدر اول کے صحابہ یا تابعین کے قدوم کا شرف حاصل نہ ہو سکا جو آکر یہاں کے باشندوں کو پوری طرح اسلام کے رنگ میں رنگ دیتے۔ آخر میں انھوں نے یہ امید ظاہر کی ہے کہ مؤلف کی یہ دونوں کتابیں (یعنی مختصر اور مفصل) مسلمانان عالم کے درمیان تعارف پیدا کر کے ان کو ایک دوسرے کے قریب لانے اور آپس میں متحد کرنے میں بہت مددگار ثابت ہوں گی۔ خصوصاً جبکہ وہ ایک ایسے انصاف پسند اور غیر جانبدار شخص کے قلم سے لکھی گئی ہوں جسے جذبۂ حب الوطنی بھی اس بات پر مجبور نہیں کر سکا کہ وہ اپنے وطن کی تاریخ کے بعض کمزور پہلوؤں کو چھپا دیتا۔ اس کے برعکس جہاں اس نے اپنے ملک کی تاریخ کے اچھے پہلوؤں کو بطور نمونہ و مثال پیش کیا ہے، وہاں اس کے غلط پہلوؤں کو بھی واضح کر کے پڑھنے والوں کے لئے درس و عبرت کا سامان مہیا کیا ہے۔

اس کے بعد مقدمہ کے طور پر مؤلف کے چند تعارفی کلمات ہیں، اور کتاب "سرزمین ہند میں اسلام کی اشاعت" کے عنوان سے شروع ہوتی ہے۔ ہندوستان میں اسلام کن ذرائع سے پھیلا؟ چوتھی صدی ہجری اور اس کے بعد جو مسلمان فاتح یہاں آئے ان کی دینی اور اخلاقی حالت کیا تھی اور ان کے زمانے میں کس طرح دعوت اسلامی کے راستے میں رکاوٹیں پیدا ہوئیں اور اس کے چشمۂ صافی میں جہالت و بدعت کی گندگی پرورش پانے لگی؟ —— پھر مغل بادشاہوں کا عہد اور دعوتِ اسلامی کا مزید انحطاط، عہدِ اکبری اور اس کی لعنتیں، اور علمائے سوء کے ہاتھوں اسلام کا مسخ! —— پھر مجدد سرہندی علیہ الرحمۃ کا ظہور، دعوتِ اسلامی کا احیاء اور دین اسلام کی تجدید —— مجدد الف ثانیؒ کے بعد اہل حق کا دور! شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور علم حدیث کی نشر و اشاعت میں ان کی بے مثال خدمات، بادشاہ اورنگ زیب اور عہد اکبری کی بدعتوں اور ضلالتوں کے نیست و نابود کرنے میں ان کے عظیم الشان کارنامے! اُن کے شخصی اخلاق اور تقویٰ کے باوجود ان کے عہد کے نظام حکومت کا عدم تغیر! —— پھر امام ولی اللہ دہلوی علیہ الرحمۃ اور ان کی اولاد اور تلامذہ کے تجدیدی کارنامے خصوصاً سید احمد شہید اور شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہما کی نظام اسلامی کے احیاء کی خاطر عظیم الشان جدوجہد اور جہاد بالسیف! اور اُن کی اِن مساعی جلیلہ کی ظاہری ناکامی کے اسباب! —— یہ وہ موضوع ہیں جن پر مولف نے کتاب کے ابتدائی تہائی حصے میں ایک ایسے مورّخ اور ناقد کی حیثیت سے بحث کی ہے جس کے نزدیک حق اور باطل کا معیار صرف اسلام ہے۔ اسلام کے پیمانے سے وہ تاریخ کے اس دور کے حکمرانوں سے لیکر گوشہ نشین صوفیاء و علما کے کارناموں کا طول و عرض ناپتے ہیں، جو حق ثابت ہوتا ہے اُسے حق کہتے ہیں اور جو باطل نظر آتا ہے اسے باطل قرار دیتے ہیں۔ جہاں انہوں نے میدانِ جہاد کے شہسواروں کے عظیم الشان کارناموں کو نمایاں طور پر پیش کیا ہے وہاں انہوں نے ایسے حق پرست صوفیاء اور مشائخ کی مساعی جمیلہ کا بھی اعتراف کیا ہے جن کی بدولت سرزمین ہند میں شرک اور بدعات کی آندھیوں کے درمیان دین کا چراغ روشن رہا۔ چنانچہ ایک جگہ جاہ و جلال کے شیدائی فاتحوں کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:-

> "آج اس ملک میں اسلام کی جو بُو باس نظر آتی ہے اس کا سبب اُن علما و مشائخ کا وجود مسعود ہے جو اپنے وطنوں کو خیر باد کہہ کر دعوت و تبلیغ کی خاطر ہندوستان آئے، اس ملک کے باشندوں کے ساتھ گھُلے ملے اور انہیں دین حق کے اصول اور اسلام کے آداب سکھائے۔ ۔ ۔"

اس کے بعد کتاب کے تقریباً نصف حصے تک مؤلف نے ہندوستان کی بغاوت ۱۸۵۷ء سے لیکر ۱۹۳۳ء تک کے عرصے میں دعوت اسلامی کے حالات و واقعات پر اظہار خیال کیا ہے۔ اس دور کے اہم عنوانات ہیں:- ۱۸۵۷ء کی عظیم الشان بغاوت سرسید احمد خاں اور طبقہ مجددین کا ظہور، سرسید اسکول کے بالمقابل دیوبند اسکول کا قیام اور ان کا باہمی تصادم، ان دونوں انتہا پسند مدرسہ ہائے فکر کے درمیان ایک اعتدال پسند اسکول "ندوۃ العلماء" کی تاسیس اور عربی زبان اور دیگر علوم دینیہ کی اشاعت میں اس کی قابلِ قدر خدمات! —— ۱۹۱۱ء سے ۱۹۲۰ء تک کی سیاسی تحریکیں، طرابلس الغرب اور بلقان کے مظالم پر مسلمانان ہند میں بے چینی اور اضطراب کی لہر۔ سلطان عبدالحمید کی معزولی، —— اسلامی مفکرین علامہ اقبال، مولانا ابوالکلام اور مولانا محمد علی اور مسلمانوں میں دینی روح کے بیدار کرنے میں ان کی جلیل القدر خدمات! —— ۱۹۲۴ء سے ۱۹۳۰ء تک کے عرصے میں حالات کی کایا پلٹ، ترکی خلافت کا خاتمہ اور اسلامی وحدت کا انتشار، مصطفیٰ کمال اور اس کی اسلام دشمنی، امان اللہ خاں اور اس کی مغرب پرستی، فتنۂ انکار حدیث —— پھر ہندوستان کی سیاسی اور قومی تحریکیں! انڈین نیشنل کانگرس اور مسلم لیگ، اور گزشتہ انقلاب کی پیش بندی!! —— ان سب موضوعات پر اس مختصر کتابچے میں جو کچھ کہا جا سکتا ہے مولف نے کہہ ڈالا ہے اور بلاغتِ ایجاز کا حق ادا کر دیا ہے!

سنہ ۱۹۳۳ء سے سرزمین ہند میں خالص اسلامی دعوت کا آغاز ہوتا ہے جو شروع میں رسالہ ترجمان القرآن کے ذریعہ ذہنوں اور دلوں کی اصلاح تک محدود رہی اور سنہ ۱۹۴۱ء سے ایک باقاعدہ اور منظم جماعت کی شکل میں ظہور پذیر ہوئی۔ اس دعوت کو مولف نے تین مراحل پر تقسیم کیا ہے:۔

پہلا مرحلہ سنہ ۳۳ء سے سنہ ۴۱ء تک افکار و نظریات کی اصلاح کا مرحلہ ہے جس میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے ایک طرف دین اسلام کے پورے نظام کا نقشہ پیش کیا اور شواہد و استدلال کے ساتھ ثابت کیا کہ یہ انسان کی پوری زندگی کا نظام ہے، دوسری طرف ہندوستان کی رائج الوقت سیاسی تحریکوں پر خالص اسلامی نقطۂ نظر سے عالمانہ تنقید کی اور سیاست کے ہر اہم موڑ پر مسلمانوں کو خطرات سے آگاہ کیا اور راہِ حق کی نشان دہی کی،

دوسرا مرحلہ سنہ ۴۱ء سے سنہ ۴۷ء تک جماعتِ اسلامی کی تاسیس، تنظیم، اس کے ارکان اور ہمدردوں کی تربیت اور نشوو نما، اور تصنیف و تالیف کا مرحلہ ہے۔

تیسرے مرحلے (سنہ ۴۷ء سے اب تک) سے جماعت دو الگ حصوں میں منقسم ہو گئی، ایک حصہ ہندوستان میں رہ گیا دوسرے حصے کی از سرِنو پاکستان میں بنا ڈالی گئی، پاکستان چونکہ اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا اور قوم نے اتنی گراں اور عظیم الشان قربانیاں محض اسلامی حکومت کے وعدوں پر اعتبار کرتے ہوئے پیش کی تھیں، اس لئے پاکستان کے ارباب امر کا یہ اولین فرض تھا کہ اس مملکت کے وجود میں آتے ہی اس میں اسلامی نظام قایم کرنے کی طرف قدم بڑھاتے، لیکن شروع کے ایک ڈیڑھ سال کے عرصہ میں ان کے بیانات اور طرز عمل نے یہ ثابت کر دیا کہ وہ اسلام کو برسرِ اقتدار لانے کے لئے کسی طرح تیار نہیں ہیں۔ اس پر جماعت اپنی پوری تنظیم کے ساتھ میدانِ عمل میں اتر پڑی۔ قیام پاکستان سے لیکر اب تک جماعت نے اس ملک میں اسلامی نظام کے قیام کی جد و جہد میں جو کام انجام دیئے ہیں، انہیں مولف نے قدرے تفصیل سے ایک سائینٹفک ترتیب کے ساتھ بیان کیا ہے، اور یہ بحث کتاب کے آخری تہائی حصے پر پھیلی ہوئی ہے۔

کتاب کے آخری آٹھ دس صفحات میں "لجنۃ الشباب المسلم" والوں نے کتاب کے خلاصے (Resume) اور اس کے مطالعہ سے حاصل شدہ اہم معلومات کو مختصر نکات کی شکل میں پیش کیا ہے۔ ایسا ایک خلاصہ وہ اپنے ہاں شائع ہونے والی تقریباً ہر کتاب کے آخر میں دیا کرتے ہیں۔

کتاب کے اہم موضوعات ہم نے گنوا دیئے ہیں، ان سے اندازہ ہوگا کہ یہ کتاب مسلمانانِ عرب کے لئے ہند و پاکستان کی اسلامی تحریکوں کے بارے میں کس قدر گراں قدر معلومات کی حامل ہوگی اور اس سے عالم عرب اور پاکستان کے رشتۂ اخوتِ اسلامی کو کس قدر تقویت پہونچے گی، یہاں پھر اس حقیقت کی طرف اشارہ کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ زیر نظر کتاب خالص اسلامی نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہے۔ اس میں اگر کسی انفرادی یا اجتماعی کوشش کو بالتفصیل بیان کیا گیا ہے تو محض اس لئے کہ مولف کے نزدیک، صحیح اور پورے اسلام کے احیاء کے لئے وہ مقابلۃً زیادہ مؤثر اور ہمہ گیر تھی اور اگر کسی موقعہ پر مؤلف نے اختصار اور اجمال سے کام لیا ہے تو محض اس لئے کہ وہاں اسے اسلام کے پورے نظام کے احیاء کا ولولہ اور جد و جہد نظر نہیں آئی۔

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اسلامی تاریخ پر جتنی کتابیں اس وقت مختلف زبانوں میں ملتی ہیں، ان کے پیچھے متعدد نقطہ ہائے نظر کارفرما نظر آتے ہیں۔ اگر نہیں نظر آتا تو ایک خالص اسلامی نقطۂ نظر! اہل تشیع نے تاریخ کو اپنے خیالات و اعتقادات کے رنگ میں رنگنے کی جو کوشش کی وہ آج کوئی مخفی شے نہیں ہے، اسیطرح یورپ کے مستشرقین نے اپنے نظریات و مفروضات کو سامنے رکھ کر تاریخ کو جس طرح ترتیب دیا وہ بھی ایک واضح حقیقت ہے، بعضوں نے اگر غیر جانبداری سے تاریخ

نگاری کا کام سرانجام دیا بھی ہے تو اس میں ان کا زاویۂ نظر محض سیاست اور صلح و جنگ کے واقعات میں محدود ہو کر رہ گیا ہے، ایسی کتابوں میں آپ کو یہ پتہ چل جائے گا کہ فلاں خلیفہ کے زمانے میں کہاں کہاں اور کون کونسی فتوحات ہوئیں اور نظم مملکت کس طرح چلا! مگر یہ مشکل سے ہی ملے گا کہ اس کے عہد میں نظام اسلام کا کونسا ستون منہدم ہوگیا یا اس کے کس گوشے کی تجدید و اصلاح ہوئی ؟ اور دعوت اسلامی کی رفتار کیا رہی ؟ —— اسلامی تاریخ کا یہ ایک نہایت ہی ناقص پہلو ہے جس کی طرف اہل نظر کو جلد توجہ کرنے کی ضرورت ہے، اگرچہ تاریخ اسلام کی از سر نو تدوین کا عظیم الشان کام کسی ایک شخص یا چند منفرد اشخاص کے بس کی بات نہیں، اس کے لئے ایک مستقل ادارے کی ضرورت ہے اور یہ کام حکومتوں ہی کے کرنے کا ہے تاہم جس صاحب نظر کو بھی اللہ تعالیٰ اس تاریخ کا کچھ حصہ لکھنے کی توفیق بخشے، تو اسے زیر نظر کتاب میں اسلامی ہند اور پاکستان کی تاریخ کے بارے میں بہت کارآمد نکتے (Phenomena) ملیں گے۔ نیز اس میں اسے اسلامی نقطۂ نظر سے تاریخ لکھنے کے فن کا بھی اچھا نمونہ ملے گا۔

مولانا مسعود عالم ندوی کی ذات گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں، جن لوگوں نے ان کا عربی رسالہ الضیاء (سنہ ۱۹۳۱ء تا سنہ ۱۹۳۵ء) پڑھا ہے، وہ انہیں ایک بلند پایہ عربی ادیب اور انشاء پرداز کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ جنہیں ان کی کتاب "اشتراکیت اور اسلام" پڑھنے کا موقعہ ملا ہے وہ اُن سے ایک مصنف اور اسکالر کی حیثیت سے آشنا ہیں۔ "ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک" اور "محمد بن عبدالوہاب" ان کے ایک محقق تاریخ نگار ہونے کی آئینہ دار ہیں۔ اور "دیار عرب میں چند ماہ" میں وہ ایک دردمند مصلح اور اداشناس مبلغ کی صورت میں جلوہ گر نظر آتے ہیں۔ اُن کا عربی اسلوب علمی متانت اور ادبی چاشنی کا نہایت ہی دل کش امتزاج ہے۔ عربی زبان و ادب کے طالب علموں کے لئے اس کتاب کا مطالعہ اس حیثیت سے بھی مفید رہے گا کہ اس میں انہیں ایسی معیاری زبان کا نمونہ ملے گا جس کی تعریف عرب کے چوٹی کے ادبا اور اہل قلم نے کی ہے —— مولانا مسعود عالم ندوی نے اس کتاب کو لکھ کر ادبی اور علمی اعتبار سے بھی پاکستان کے سر افتخار کو بلند کر دیا ہے!

(م ۔ ک ۔ سباق)

"سہیل نمبر" محمد حسن کالج میگزین

"سہیل نمبر" محمد حسن کالج میگزین جون پور —— ضخامت ۱۷۶ صفحے سائز، کاغذ کتابت اور طباعت دار المصنفین (اعظم گڑھ) کی کتابوں کے انداز پر، ملنے کا پتہ:- محمد صدیق صدیقی ایم۔ اے، محمد حسن انٹر کالج جون پور (بھارت) !

شعر و ادب کی یہ عجیب ٹریجڈی بلکہ یوں کہئے کہ تنقید نگاروں کی تغافل پیشگی اور بدمذاقی ہے کہ تذکروں اور تنقیدی مضامین میں سطحی قسم کے شاعروں کا ذکر آجاتا ہے مگر اقبال سہیل جیسے نامور اور باکمال شاعر کا نام تک نہیں آتا —— جناب اقبال سہیل اپنے مزاج کی افتادِ طبیعت کے رنگ، اندازِ فکر اور اظہارِ خیال کے اعتبار سے سو فی صدی "حقیقی شاعر" واقع ہوئے ہیں، انھوں نے بلا کی لا اُبالی طبیعت پائی ہے، اُن کے ہزاروں شعر اسی لا ابالی پن کی نذر ہوگئے اور آج ڈھونڈے نہیں ملتے، شہرت سے وہ کوسوں دور بھاگتے ہیں، جناب نیاز احمد صدیقی ایم۔ اے پرنسپل محمد حسن کالج جون پور کا علمی دنیا کو شکر گزار ہونا چاہیئے کہ اُن کی کوششوں کی بدولت اقبال سہیل کا کلام "سہیل نمبر" کی صورت میں یکجا ہوا۔

اقبال سہیل کی شخصیت کا تھوڑا بہت اندازہ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں کے اس "اعتراف" سے ہوسکتا ہے:-

"شعر و سخن سے قطع نظر ان جیسا ذہین شخص اب تک کہیں دیکھنے میں نہیں آیا، بلا مبالغہ کہہ سکتا ہوں

کہ طالب علمی کے زمانہ میں جن شخصیتوں نے مجھ پر سب سے زیادہ اثر کیا اُن میں سہیل کسی سے پیچھے نہیں"
"سہیل نمبر" میں مولانا سید سلیمان ندوی اور ڈاکٹر ذاکر حسین خاں کے مختصر تاثرات کے بعد مولانا شاہ معین الدین ندوی، پروفیسر رشید احمد صدیقی اور آلِ احمد سرور کے قابل قدر مقالے درج ہیں! ——— رشید احمد صدیقی کا مقالہ خاصہ طویل اور دلچسپ ہے اور انھوں نے اپنے مخصوص انداز میں بڑی اچھی کردار نگاری کی ہے ———

——— اس جملہ کا انداز دیکھئے اور لطف اُٹھائیے:-
" مولانا کو ہر کھیل سے دلچسپی تھی اور جسے جتنا کم جانتے تھے، اتنا ہی اُس سے زیادہ شغف تھا"

مولانا معین الدین ندوی کے ان جملوں سے :-
" طلاقتِ لسانی پر آجائیں تو بڑے بڑے چرب زبانوں کی زبانیں بند کر دیں اور حق کو باطل اور باطل کو حق ثابت کر کے چھوڑیں"

کوئی شک نہیں کہ جناب اقبال سہیل کا زورِ وکالت اور قانونی مہارت ثابت ہوتی ہے مگر یہ اُن کے کردار کا دھندلا نقش بھی ہے!

پروفیسر آلِ احمد سرور نے صفحہ (۲۹) پر :-
" غالب کے تفلسف سے پھر دو راہیں پھوٹتی ہیں" ——— لکھا ہے
حالانکہ راستوں، راہیوں اور پگڈنڈیوں کے لئے "پھوٹنا" نہیں "پھٹنا" بولتے ہیں!

جہاں تک شعر و ادب کے صحیح ذوق کا تعلق ہے مولانا شبلی نعمانی کا ذوق معیاری ذوق تھا، شعر و ادب کے ہزاروں ناقد ایک طرف اور شبلی نعمانی تنہا ایک طرف! جناب اقبال سہیل نے اپنے نامور استاد شبلی نعمانی کے وجدانِ شعری کا خاصہ اثر قبول کیا ہے:-

ع وہ تابستاں کے بعد ابرِ سیہ کا جوشِ تردستی
ع محمد وہ کتابِ کون کا طغرائے پیشانی
ع محمد یعنی وہ حرفِ تحتیں کلکِ فطرت کا
ع فرقِ نیاز کو ملے جس سے عروجِ فرقدی
ع نہ پوچھ اسیرِ محبت کی لذتِ تعزیر ——— ہر ایک دامِ بلا ہے شکنجِ طرۂ حور
ع تیر بارانِ حوادث کی مجھے پروا ہو کیوں ——— صبر کی خو جوشنِ درگستواں سے کم نہیں

ان شعروں میں "جوشِ تردستی" ——— "طغرائے پیشانی" ——— "حرفِ تحتیں" ——— "عروجِ فرقدی" ——— "شکنجِ طرۂ حور" اور "جوشنِ درگستواں" جیسی حسین اور پُر جوش ترکیبیں صاف بول رہی ہیں کہ ہم شبلی کے ساز کی صدائے بازگشت ہیں ـ

جناب اقبال سہیل نے ہمہ گیر طبیعت پائی ہے، شعر کی کسی صنف میں بھی اُن کی طبیعت بند نہیں ہے بلکہ اپنی روانی اور شوخیاں دکھاتی ہے، مگر اُن کی طبیعت کو "قصیدہ" سے خاص مناسبت ہے، اور بعض قصائد میں تو وہ انوری اور عرفی کے دوش بدوش نظر آتے ہیں، معراج پر جو قصیدہ ہے، اُس کے ان دو شعروں کی شگفتگی، اثر انگیزی اور منظر آرائی کو دیکھئے:-

وہ شفاف و شفق گوں رنگ جیسے حل ہو کوثر میں ——— تباشیرِ سحر، سیم قمر، یاقوت رمانی

چمن میں اشکِ شبنم کی جگہ درِ نجف غلطاں
روِش پر سنگریزوں کے عوض لعلِ بدخشانی

کچھ اور "شہ پارے" بھی :-

وہ جس کی ذات سے ہستی کی زینتِ آغاز
وہ جس کے نام سے مختوم وحی کا منشور

عمرؓ کی آمد کا غلغلہ ہے تو قصرِ کسریٰ میں زلزلہ ہے
عجم کے والی لرز رہے ہیں، حرم کے بُت تھرتھرا رہے ہیں

ناصیہ وقفِ آستاں، سر تہِ تیغ امتحاں
شان ہے یہ سجود کی، رنگ ہے یہ نماز کا (منقبت سیدنا امام حسین علیہ السلام)

جو قدم راہِ طلب میں اُٹھ گیا وہ اُٹھ گیا
پیچھے ہٹنا معصیت، دم بھر ٹھہر جانا عذاب

مصیبت پر مسلماں شکوہ سنجِ آسماں کیوں ہو
مصائب ہی سے ہے آبادیٔ کاشانۂ ہستی
لہو کی چند بوندیں جو نہ دے سکتا ہو ملت کو

نہ ہو یہ آنچ تو کھوٹے کھرے کا امتحاں کیوں ہو
یہ ہنگامے نہ ہوں تو رونقِ بزمِ جہاں کیوں ہو
وہ بزدل آرزو مندِ حیاتِ جاوداں کیوں ہو

کفن سادہ پہننا ننگ ہے رنگیں مزاجوں کو
ہم اس پر داغہائے خوں سے گل بوٹے بنا دیں گے

ایک ٹھوکر مار دیتا ہے جہاں پائے طلب
خود ابلتا ہے وہاں سیلِ روانِ زندگی

ہر سحر ایک درسِ نو، ہر شام ہے اک انقلاب
جو نشیمن خود بنایا جائے تنکے جوڑ کر
دانۂ خردل جو اپنے دست و بازو سے ملے
آتشِ دوزخ سے رُسوا تر غلامی کی حیات

دہر خود اک نامکمل داستاں سے کم نہیں
مسندِ جمشید و قصرِ خسرواں سے کم نہیں
قدر و قیمت میں وہ گنجِ شائگاں سے کم نہیں
مرگِ آزادی بہشتِ جاوداں سے کم نہیں

صبا کا رقص ابھی ناسزا ہے آہنگ عشرت سے
گلوں کے لب پہ ہے موجِ تبسم مستعار اب تک

پہونچی وہاں بھی شیخ و برہمن کی کشمکش
اب میکدہ بھی سیر کے قابل نہیں رہا

دلِ برباد، محرومی پہ جس کی آج ہنستے ہو
یہی ویرانہ کرتا تھا کبھی لعل و گہر پیدا

اے گرفتارِ قفس ! وقتِ پرافشانی ہے
پھر ملے شاخِ نشیمن تو غزلخواں ہونا

سب غم تھے فراموشِ جہاں تجھ کو کیا یاد ہر درد کی ہے مجھ کو یہی ایک دوا یاد
صیاد نے اس طرح سجایا ہے قفس کو آتی نہیں اب مجھ کو نشیمن کی فضا یاد

کمال یہ ہے کہ مثلِ گوہر نہ ہوتہ آب دامنِ تر رہے ملک بے گنہ فلک پر تو کون سی پاک دامنی ہے

چشمک کرے مجھی سے یہ ایسی کہاں کی ہے بجلی تو خانہ زاد مرے آشیاں کی ہے

کیوں بڑھایا آپ نے جامِ تہی میری طرف اور اس سے تیز میری تشنہ کامی ہوگئی

قفس میں دیتے ہو کیا طعنِ سست پردازی فضا کھلی ہوئی ہوتی تو امتحاں ہوتا

صد آفریں سہیل کہ جانِ ادب ہے آج
تیرے قلم کی لغزشِ مستانہ وار تک

مولانا اقبال سہیل نے جہاں نعت و منقبت میں اپنی ذہانت اور توانائی صرف کرکے سعادت و برکت سے اپنے دامنوں کو بھر لیا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور حضورؐ کی شفاعت کے سزاوار بن گئے ہیں —— وہاں ان کے قلم سے پنڈت جواہر لال نہرو کی تعریف میں:-

اخلاق کی صورتِ مجسم ٭ ایمان کا شعلۂ مصور —— اور گاندھی جی (آنجہانی) کے لئے:-

تری شان کون گھٹا سکے، اسے خود خدا نے بڑھا دیا کہ تجھے بقائے دوام دی، تجھے منصبِ شہدا دیا

جیسے غیر محتاط اور مبالغہ آمیز اشعار دیکھ کر سخت ذہنی اذیت ہوئی، اقبال سہیل کو کسی تاویل اور توجیہ کے بغیر اس قسم کے اشعار پر اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ و ندامت پیش کرنی چاہیئے!

چاند کس قدر روشن اور حسین ہے مگر اس کے چہرے پر بھی جھائیاں ہوتی ہیں، اقبال سہیل کی شاعری کا بھی یہی حال ہے:-

پھر زمیں پر آسمانی جشن کی تمہید ہو پھر جہاں میں رسمِ استخلاف کی تجدید ہو (صفحہ ۱۷)

اگر مصرعہ ثانی اس انداز پر ہوتا ؎ یعنی پھر رسمِ خلافت کی یہاں تجدید ہو —— تو "استخلاف" جیسے بوجھل لفظ کے مقابلہ میں شعر سبک تر ہو جاتا!

صفی مصطفیٰ ہو تم علیٔ مرتضیٰ ہو تم سمیعِ کبریا ہو تم، قسم تمہارے نام کی (صفحہ ۳۳)

"سمیعِ کبریا" کی ترکیب ہی سمجھ میں نہیں آئی۔

رعایا کو تو سائے کے لئے چھپّر نہیں ملتا منقش پر ادھر چھت بن رہی ہے فیل خانوں کی (صفحہ ۷۳)

"پر" وجدان پر کس قدر گراں گزرتا ہے "پرادھر" کی جگہ "اس طرف" ہوتا تو یہ نقص دور ہو جاتا۔

؎ کلی ناقوس یا سیپارۂ توحیدِ یزداں ہے (صفحہ ۸۴)

کلی اور "ناقوس" کے درمیان آخر وجہ شبہ کیا ہے؟

وہ آئے بھی لحد پہ تو یہ شان ہے حجاب کی ہم آئیں اور کھلے نہ آنکھ حد ہے ذوقِ خواب کی (صفحہ ۱۲۴)

کاش! "ذوق" کی جگہ "کیف" یا "لطف" ہوتا

جناب اقبال سہیل کی فارسی نظمیں بھی نہایت شگفتہ، بلند اور پُر جوش ہیں، بعض اشعار پر قدماء کے کلام کا دھوکا ہوتا ہے —— کوئی شک نہیں کہ "سہیل نمبر" نے اُردو شاعری کے سرمایہ میں اضافہ کر دیا ہے!

عقائد و اعمال

"عقائد و اعمال" از:۔ محمد مظہر الدین صدیقی، ضخامت ۶۸ صفحے ملنے کا پتہ:۔ ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور!

جناب مظہر الدین صدیقی نے اس کتاب میں یہودیوں اور عیسائیوں کے تصورِ توحید اور مذہبی معتقدات کا اجمالی طور پر جائزہ لیکر بتایا ہے کہ اُن میں وہ کیا خرابیاں تھیں جس نے معاشرے کو متاثر کیا، اس کے بعد فاضل مصنف نے اسلام کے تصورِ توحید کو پھیلا کر بیان کیا ہے اور اُس تعلق کو جو اس تصور (توحید) کا انسانی زندگی کے تمام شعبوں سے ہے بڑی خوبی کے ساتھ دکھایا ہے۔ مظہر الدین صدیقی دین اور سیاست کی تقسیم کو غیر اسلامی بتلاتے ہیں —— اُن کی کتاب کے یہ اقتباسات کس قدر بصیرت افروز ہیں:۔

—— اسلامی توحید کا سب سے زیادہ انقلابی کارنامہ یہ تھا کہ اُس نے عبادت کے رائج الوقت مفہوم کو بالکل تبدیل کر دیا اور اُس میں اتنی وسعت اور گہرائی پیدا کی کہ عملی زندگی کا کوئی شعبہ اس کے دائرہ اثر سے خارج نہیں رہا۔

—— جب قرآن نے یہ دعویٰ کیا کہ انسان کو صرف عبادت کی غرض سے پیدا کیا گیا ہے تو اُس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ اسے نماز، روزہ اور دوسری معروف عبادات میں اپنا سارا وقت صرف کر دینا چاہئیے بلکہ یہ اس بات کا اعلان تھا کہ اپنے دینی نصب العین اور اخلاقی اقدار کے حصول کے لئے وہ جو کام بھی انجام دے گا اُسے داخل عبادت سمجھا جائیگا۔

—— خالص مذہبی عبادات اور نوع بہ نوع کی ریاضتوں اور مجاہدات کا جو زور و شور ہمیں خلافت راشدہ کے اختتام کے بعد نظر آتا ہے، قرنِ اول کے مسلمانوں میں اُس کا کوئی نشان نہیں ملتا۔

—— جو شخص خالص مذہبی عبادات و فرائض کی تکمیل پر قناعت کر لیتا ہے اور اپنے معاشرتی اور سیاسی فرائض سے غفلت برتتا ہے وہ اُس سپاہی کے مانند ہے جو فوجی مشق اور تربیت کے دوران میں بڑی مستعدی دکھاتا ہے لیکن عین لڑائی کے وقت میدانِ جنگ سے فرار ہو جاتا ہے۔

—— ہمارے تعلیم یافتہ اشخاص کی یہ حالت ہے کہ وہ کسی اجتماعی مقصد کے لئے زندگی بسر کرنے یا اُس کے حصول میں اپنی جسمانی اور ذہنی طاقتیں صرف کرنے کے خوگر نہیں رہے ہیں، انہیں تعلیم ختم کرنے کے بعد اس سے بحث نہیں رہتی ہے کہ کونسا اجتماعی مقصد صحیح ہے اور کونسا غلط! وہ ہر اس مقصد کی خدمت پر آمادہ ہو جاتے ہیں جس سے فوری طور پر مادی نفع کی توقع ہو، خواہ اخلاقی حیثیت سے وہ کتنا ہی ضرر رساں ہو، غرضکہ جلب منفعت اور زر پرستی کی دبا نے ہماری تعلیم یافتہ سوسائٹی کو اندر سے کھوکھلا کر دیا ہے، اس کے اخلاق کردار میں کوئی فضیلت باقی نہیں رہی ہے اور محض دولت کی طلب، شہرت کی خواہش یا جھوٹی عزت کی ہوس اس کے تمام اعمال کی محرک ہو گئی ہے، اس صورت حال کی ذمہ داری موجودہ نظامِ تعلیم پر ہے۔

لائق مصنف نے اس بات پر زور دیا ہے کہ نماز روزہ اور حج و زکوٰۃ کا فریضہ ادا کر کے یہ سمجھ لینا کہ عبادت کا مفہوم پورا ہو گیا، اس محدود نظریہ عبادت کا مسلمانوں کے اخلاقی انحطاط اور تمدنی زوال میں بڑا حصہ ہے! یہ تمام فرائض یقیناً ادا ہونے چاہئیں مگر معاشرت کی اصلاح اور ماحول کے تغیر کی ذمہ داری بھی مسلمان پر عاید ہوتی ہے۔

آراضی، ملکیت اور سرمایہ کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے اُن کے بعض اجزاء سے اختلاف کیا جا سکتا ہے مگر مجموعی طور پر یہ کتاب مفید ہے، اور مصنف کی تنویرِ فکر جگہ جگہ جھلکتی ہے۔

اسلامی زندگی

"اسلامی زندگی" ــــ مرتبہ:- محمد احتشام الحسن کاندھلوی، ضخامت ۳۲ صفحے، قیمت چار آنہ (دیدہ زیب سرورق) ملنے کا پتہ:- کتب خانہ انجمن ترقی اُردو جامع مسجد دہلی نمبر ۶ (بھارت)

یہ کتاب دراصل حضرت مولانا شاہ محمد الیاس قدس سرہٗ العزیز کے ارشادات سے عبارت ہے جن کو مولانا احتشام الحسن کاندھلوی نے مرتب کیا ہے! اس کتاب کے عنوانات حسب ذیل ہیں:-

شریعت کا مقصد ــــ محبت نفسانی ــــ محبت عقلی ــــ محبت ایمانی کی توضیح ــــ حُبِ ایمانی کے حصول کا طریقہ ــــ کلمہ کا مفہوم ــــ نماز کی حقیقت ــــ نماز پڑھنے کا طریقہ ــــ پوری کتاب ذکرِ الٰہی اور تعلق باللہ کے مضامین پر مشتمل ہے جن کے پڑھنے سے یقیناً دل میں گداز پیدا ہوتا ہے، اگر یہ گداز قلب اور خشیت اقامتِ دین کے کام آئے تو اُس کی افادیت اور سعادت کا کون اندازہ کر سکتا ہے!

زبان سادہ ہے ــــ مگر کہیں کہیں "چھوٹی دبڑی" ــــ "عظمت دبڑائی" بھی پڑھنا پڑا اور "انوار" کی جمع الجمع "انوارات" دیکھ کر حیرت ہوئی!

بھارت کی نئی تعمیر اور ہم

"بھارت کی نئی تعمیر اور ہم" از:- ابو اللیث اصلاحی ندوی، ضخامت ۶۰ صفحات، کاغذ کتابت اور سرورق ہر چیز دیدہ زیب، قیمت چھ آنے، ملنے کا پتہ:- مکتبہ جماعتِ اسلامی ہند رام پور (یو۔پی)

ہندستان میں جماعتِ اسلامی جس اخلاص، جوش اور استقامت کے ساتھ شہادتِ حق کا فریضہ انجام دے رہی ہے وہ اس صدی کا حقیقت میں عظیم الشان دینی کارنامہ ہے!

جماعتِ اسلامی ہند کا سالانہ اجتماع ۲۷ نومبر ۱۹۵۲ء کو حیدر آباد دکن میں منعقد ہوا تھا، اور اُس میں مولانا ابو اللیث ندوی امیر جماعتِ اسلامی ہند نے جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا، وہ "بھارت کی نئی تعمیر اور ہم" کے نام سے کتابی صورت میں شائع کیا گیا ہے، پورا خطبہ اسلامی فکر اور دینی بصیرت کا شاہکار ہے! اور عزیمت کی شان تو ایک ایک سطر سے نمایاں ہے!

جماعتِ اسلامی ہند کے سالانہ اجتماع میں غیر مسلم بھی شریک تھے اور فاضل مقرر نے اپنے مخصوص انداز میں اُن کو بھی خطاب کیا۔

"مذہب ایک پرائیویٹ معاملہ ہے" ــــ اس غلط تصور کی مولانا ابو اللیث صاحب نے پُرزور دلائل کے ساتھ تردید کی ہے ــــ فرماتے ہیں:-

ــــ اگر واقعی خدا ہے تو پوری زندگی کا خالق و مالک وہی ہے اس لئے اصولاً ہر شعبہ زندگی میں اُسی کے احکام کی اتباع ہونی چاہئے کسی چیز کو اس سے مستغنی رکھنا بے دلیل بات بھی ہے، اور خلافِ حق بھی! مالک کوئی اور ہو اور حکم کسی اور کا بجالایا جائے، اس سے بڑی بے انصافی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے ــــ"

اس خطبہ کا انداز سلیس، سلجھا ہوا اور عام فہم ہے، تحریر میں دل نشینی اور اثر انگیزی ہے، اللہ تعالیٰ حق و صداقت کے ان مخلص خدمت گزاروں کی زبان اور قلم کی اثر انگیزی میں اضافہ فرمائے، اور ان کو ہر شر سے محفوظ رکھے (آمین)

ؔ صفحہ ۲۴ پر "بھلائی دبُرائی" وجدان کو کھٹکا!

فاران

کراچی

پاکستان

ماہر القادری

جلد ۵ — نمبر ۹

ماہنامہ

فاران

دسمبر سنہ ۱۹۵۳ء

ایڈیٹر:- ماہر القادری

چندہ سالانہ

۶ روپیہ (پاکستانی) — فی پرچہ آٹھ آنے

۸ روپیہ (ہندستانی) — فی پرچہ گیارہ آنے

مقام اشاعت — دفتر فاران کیمبل اسٹریٹ کراچی نمبر (۱)

نظم و ترتیب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ اوّل

پاکستان اسلام کی وحدت اور اُمتِ اسلامیہ کی سالمیت اور ایک جہتی کی بُنیاد پر وجود میں آیا تھا، اس لئے قدرتی طور پر پاکستان کے تمام مسلمانوں کو متحد اور یک رنگ ہو جانا چاہیئے تھا، لیکن آج ہم جس مقام پر کھڑے ہیں، وہاں اختلاف و پراگندگی کا اس قدر ہجوم ہے کہ تقسیم ہند سے پہلے اس ہجوم کی پرچھائیں بھی نظر نہ آتی تھی۔ پاکستان بن جانے کے بعد جن مسائل کو سلجھ جانا چاہیئے تھا وہ اور اُلجھ گئے ہیں اور ایسے ایسے خطرناک اختلافات اُبھر آئے ہیں، جو قیامِ پاکستان سے قبل کہیں دکھائی نہ دیتے تھے۔

جس قسم کی پریشان کُن افواہیں آج کل اُڑ رہی ہیں اگر اُن کا سوواں حصّہ بھی درست ہے، تو پھر اس کے یہ معنیٰ ہیں کہ پاکستان خطرناکیوں کے آتش فشاں پر کھڑا ہے اور نہ کہیں کہا جا سکتا کہ کب کیا ہو جائے؟ بڑا ہی نازک دور ہے، انتہائی سخت گھڑی ہے اور شاید یہ وہی مقام ہے جہاں موت اور زندگی میں قدم دو قدم کا فاصلہ رہ جاتا ہے، مصائب کے بادل اُمنڈتے اور پریشانیوں کی گھٹائیں گھرتی چلی آرہی ہیں، ہر طلوع ہونے والی صبح ایک نئی اُلجھن کا اضافہ کر دیتی ہے اور ہر غروب ہونے والی شام حالات کو اور بگاڑ دیتی ہے۔

کیا یہ مصائب زمین سے سبزے کی طرح اُگے ہیں اور یہ پریشانیاں آسمان سے اوس کی مانند برسی ہیں، یا یہ سب کچھ کسی الفاقیہ حادثہ کا سبب ہے، یا اس کو صرف "شایٔبہ خوبی تقدیر" کہہ کے

صبر کیا جا سکتا ہے!

واقعہ یہ ہے کہ اب کوئی چیز راز اور پُر اسرار نہیں رہی، حقائق پوری طرح نکھر کر منظرِ عام پر آ چکے ہیں، قصر و ایوان میں جو کچھ ہوتا رہا ہے اُس پر اب کوئی پردہ پڑا نہیں رہا، پہلے جن باتوں کو "شاید" کہا جاتا تھا اب وہ "یقینی" بن چکی ہیں، شک و ریب کے لئے کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہی۔

پاکستان کی ان تمام مصیبتوں، پریشانیوں، اُلجھنوں، پراگندگیوں اور خطرناکیوں کا ذمہ دار ہمارے اربابِ اقتدار کا وہ مفاد پرست طبقہ ہے جس نے جان بوجھ کر پاکستان میں اسلام کی راہ روکی ہے اور پاکستان کے کسی ایک شعبہ میں بھی اسلام کو داخل نہیں ہونے دیا! ان "خداداد نداں نعمت" "عزت مآبوں" اور "بڑے لوگوں" نے مُطربوں اور رقاصوں کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی کی ہے مگر اقامتِ دین کے لئے جد و جہد کرنے والوں کو طرح طرح کی پریشانیوں، دشواریوں اور مصیبتوں میں مبتلا کیا ہے، یہاں تک کہ یہ لوگ دین کے مخلص خدمت گزاروں کو موت اور قید و بند کی سزائیں دینے سے بھی نہیں چوکے!

یہ "بڑے لوگ" اور "صاحبانِ اختیار و اقتدار" اللہ کے فضل سے مُسلمان ہیں —— مگر ایسے مسلمان ہیں کہ پاکستان کے لئے "حسبنا اللہ ونعم الوکیل" کا طغریٰ بنوا دیں گے، اور جو نظامِ دکن کی طرح سال کے سال احترامِ رمضان کے لئے فرمان جاری کر دینگے، اور اسلام پر سب سے بڑا اکرم یہ کریں گے کہ جلسوں، پارٹیوں، کارخانوں اور فیکٹریوں کے افتتاح کے وقت قرآنِ پاک کی چند آیتیں سماعت فرما لیں گے —— مگر جب اقامتِ دین اور اسلام کے نفاذ کا سوال آئے گا تو پھر یہ "عاشقانِ اسلام" (؟) طرح طرح سے پہلو بدلیں گے اور اقامتِ دین کی راہ کو زیادہ سے زیادہ دشوار بنانے کی کوشش کریں گے۔

ہم اتنی مبالغہ آمیز جسارت نہیں کر سکتے کہ یہ "حضرات" سرے سے اسلام کے دُشمن ہیں —— مگر ہاں! یہ ضرور کہیں گے کہ ان حضرات کو اپنا مفاد، اپنی خواہشیں اور اپنی ذات اس قدر محبوب اور عزیز ہے کہ جب اسلام کے کسی حکم کا ان کے ذاتی مفاد اور شخصی خواہش سے تصادم ہوتا ہے تو یہ لوگ اللہ کے حکم اور اُس کے تقاضوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور ان کی ساری کوششیں اپنی ذات کی نمود، سربلندی اور بقا، ہی صرف ہوتی ہیں۔

یہ ہمارے "اکابر" ایسے "اسلام" کو چاہتے ہیں جو ان کی تمناؤں، خواہشوں، عیش و آرام اور اختیار و اقتدار کی راہ میں ذرہ برابر مزاحم نہ ہو بلکہ اُن کی من مانی خواہشوں اور راحت سامانیوں کے لئے اور رُخصتیں اور سہولتیں مہیا کر دے، جس "اسلام" کی زد اُن کے عیش و آرام، اسراف و تبذیر اور شاہانہ اقتدار پر آ کر پڑتی ہے اُسے وہ "ملاؤں کا اسلام" کہتے ہیں اور "اسلام" کے جس جُز کو وہ ناپسند کرتے ہیں اُس پر "ملائیت" کا لیبل لگا دیتے ہیں۔ ان کو سب سے زیادہ گھمنڈ اپنی طاقت پر ہے، اس لئے طاقت کے نشہ میں، حق و انصاف کی اونچی سے اونچی دیوار کو پھلانگتے ہوئے بھی وہ نہیں ہچکچاتے۔

ان اقتدار کے ٹھیکیداروں، "حضوروں" اور "جناب عالیوں" نے اپنی کرسیوں کی حفاظت اور بقا کے لئے مرکز سے لیکر صوبوں تک پارٹیاں بنائیں۔ اُنھوں نے اپنے حاشیہ برداروں کو ذمہ دارانہ خدمات پر جمائے رکھنے کی کوشش کی اُنھوں نے حکومت کے انتظام میں توڑ جوڑ اور ساز باز کی پالیسی کو روا رکھا، انھوں

نے پولیس کے عہدیداروں کو نظم ونسق کے کلیدی عہدوں پر مامور کیا، یہ لوگ اپنی زبانوں سے "صوبہ پرستی" کی برائی کرتے رہے مگر ان کا طرزِ عمل "صوبہ پرستی" کے جراثیم کو پرورش کرنے میں سب سے زیادہ ممد و معاون ثابت ہوا، انھوں نے اپنے عزیزوں قریبوں اور دوستوں کے مفاد کی خاطر ہر بڑی سے بڑی بے عنوانی کو نظر انداز کیا۔ ان کو اس سے سروکار نہیں رہا کہ پاکستان بگڑتا ہے یا بنتا ہے، یہ تو اپنے اقتدار اور اختیار کی عمر بڑھانے کی فکر میں لگے رہے۔

ذاتی اقتدار کی کشمکش اور آپس کی اس رسہ کشی کا نتیجہ وہی نکلا جو قدرتی طور پر نکلنا چاہیئے تھا، کسی باغ کے مالی اگر باغ کے سینچنے کی فکر چھوڑ کر اپنی اپنی "چودہراہٹ" کی فکر میں لگ جائیں تو ظاہر ہے کہ پودوں کی بڑھوار رک جائیگی باغ کی پھلواری سوکھ جائے گی، روشوں اور کیاریوں میں خاک اڑنے لگے گی، پرند میوہ کی فصل کو اجاڑ دیں گے اور خود باغ کو سینچنے والے بیل پودوں اور درختوں کی ہری ہری کونپلوں کو اپنا چارہ بنا لیں گے، پاکستان میں ٹھیک یہی ہوا اور ہو رہا ہے، ملکی زندگی کا کونسا شعبہ ہے جس میں ابتری نہیں پائی جاتی، ہر طرف بگاڑ ہی بگاڑ دکھائی دیتا ہے "سنوار" کے آثار بہت ہی کم نظر آتے ہیں۔

پاکستان میں ہمیں بہت بڑا اطمینان غلّہ کی طرف سے تھا مگر یہ اطمینان بھی جاتا رہا، اب تو امریکہ ہمارا "ان داتا" بنا ہوا ہے اور نہیں کہا جا سکتا کہ اس "نوازش وکرم" کی غریب پاکستان کو کیا قیمت ادا کرنی پڑے گی، اس سلسلہ میں طرح طرح کی خبریں سننے میں آتی رہتی ہیں، اللہ کرے! یہ سب کی سب افواہیں اور خبریں غلط ہوں، اور پاکستان کسی دوسری طاقت کا زیر دست بن کر نہ رہے —— مگر یہ تو ہماری تمنائیں اور دعائیں ہیں، اور صرف تمناؤں اور خالی دعاؤں سے حقائق کو نہیں بدلا جا سکتا، دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے اونچا ہی ہوتا ہے، اور آج پاکستان اور امریکہ اسی اونچ نیچ میں مبتلا ہیں!

پاکستان کے "بڑے لوگوں" کو کسی مقصد اور پروگرام سے محبت نہیں ہے اُن کی ساری محبت، ہمدردی اور غمگساری سمٹ سمٹا کر اپنی ذات تک محدود ہو کر رہ گئی ہے، وہ جب دیکھتے ہیں کہ کسی صوبے کے انتخابات کا زمانہ آرہا ہے تو انتخابات جیتنے اور عوام کو بے وقوف بنانے کے لئے نئے نئے مسائل کھڑے کر دیتے ہیں یا پرانے اور دبے ہوئے مسائل میں جان ڈال دیتے ہیں —— اور ان "کونسلروں" "دانشوروں" اور "سفید پوشوں" میں ایسے بھی ہیں کہ جو ہوا کا رُخ دیکھتے رہتے ہیں، اُن کو جب تک "حزبِ مخالف" میں رہنے میں فائدہ نظر آتا ہے وہ "حزبِ مخالف" سے چمٹے رہتے ہیں، مگر جب دیکھتے ہیں کہ حالات بدل رہے ہیں اور اب فائدہ حکومت اور اُس کی پارٹی کا ساتھ دینے میں ہے، تو وہ اپنی جماعتوں سے کٹ کر، توبہ کرتے ہیں اور حکومت کی پارٹی میں شامل ہو جاتے ہیں، اس مفاد پرستانہ ذہنیت اور بودے کردار کے لوگوں سے کون احمق توقع رکھ سکتا ہے کہ وہ اسلام اور پاکستان کو اپنی صلاحیتوں سے کوئی فائدہ پہونچا سکتے ہیں —— پاکستان میں اس سیرت اور کردار کے لوگ بھی پائے جاتے ہیں کہ جب تک وہ عہدوں اور کرسیوں پر فائز اور متمکن رہتے ہیں تو حکومت کے کسی ناجائز سے ناجائز فعل کے مقابلہ میں اُن کی زبان سے کوئی صدائے احتجاج بلند نہیں ہوتی اور حکومت کی کسی غلط روش کے خلاف اُن کی طرف سے کوئی مخالف آواز نہیں سُنی جاتی، مگر جب اُن کو کرسیوں اور عہدوں سے ہٹا دیا جاتا ہے تو حکومت کے خلاف تنقید و احتساب کے وہ پُل توڑ دیتے ہیں اور حق و انصاف کی سوئی ہوئی طاقتیں آناً فاناً بیدار ہو جاتی

ہیں! فکر و نظر کا یہ عجیب انقلاب اور مزاج و ذہنیت کی یہ نادر و غریب تبدیلی ہے۔

اسی پاکستان میں ایسے "لیڈرانِ کرام" بھی پائے جاتے ہیں، جو کبھی کبھار عوام کی تھوڑی بہت خدمت بھی کر دیتے ہیں اور اس اپنی مقبولیت، ہر دل عزیزی اور پبلک سروس کی طرح طرح سے خدمت وصول کرنا بھی جانتے ہیں ــــــ کچھ نہ ہو گا قومی اور سیاسی جلسوں کی صدارتیں تو مل جائیں گی، اخبارات میں فوٹو تو چھپ جائیں گے، سرکاری تقاریب میں شریک ہونے کا موقعہ تو مل جائے گا، اس ذہنیت کے افراد اسلام اور پاکستان کے وسیع نقطۂ نگاہ سے مسائل کو نہیں سوچتے، اُن کے سامنے اپنا مفاد، اپنی شہرت اور اپنا مستقبل ہوتا ہے، لہذا یہ لوگ اس قسم کے مسائل کھڑے کرتے رہتے ہیں کہ فلاں خطہ کو کامل خود اختیاری دو، اور فلاں علاقہ کو مستقل صوبہ بناؤ ــــــ اس غمگساری کی تہ میں یہ جذبہ کار فرما ہوتا ہے کہ جب یہ علاقے صوبوں میں تبدیل ہوں گے تو کلیدی عہدے ہمارے ہی حصّہ میں آئیں گے۔

اب رہا "حزبِ مخالف"، تو حکومتِ پاکستان کے "حزبِ مخالف" میں سیّد شہید سہروردی اور میاں افتخار الدین جیسے لوگ شامل ہیں جو اپنے کردار و سیرت اور فکر و عمل کے اعتبار سے خود اسلام کے "حزبِ مخالف" بنے ہوئے ہیں، اور پاکستان کی اسلامی حکومت کی زمامِ اقتدار سنبھالنے کے کسی صورت بھی اہل اور حقدار نہیں ہیں، ہاں کوئی لادینی اور اشتراکی حکومت ان لوگوں کو مل جائے تو اُس مشین میں یہ پُرزے فٹ آ جائیں تو آ جائیں مگر اسلامی حکومت کے مزاج اور ان لوگوں کی ذہنیت میں کوئی دور کی مناسبت بھی نہیں ہے۔

ہم نے اس احساسِ ذمہ داری کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ہمیں ایک ایک لفظ کی جواب دہی کرنی ہے پاکستان کے صحیح حالات کا ایک خاکہ کھینچ دیا ہے، ہم نے نرم سے نرم الفاظ میں حالات کا جائزہ لیا ہے، اور جو کچھ ہم نے کہا ہے اُس کے لئے ہمارے پاس شواہد موجود ہیں!

ان تاریکیوں میں اُمید و مسرّت کی یہی ایک کرن نظر آتی ہے کہ ہماری دستور ساز اسمبلی نے قرآن و سنت کو دستور کا مآخذ تسلیم کر لیا ہے اور ان بنیادوں پر دستور سازی کا تھوڑا بہت کام ہوا بھی ہے! مگر جب تک دستور پُوری طرح بن نہ جائے اُس وقت تک اُن "منافقین" سے ہشیار ہی رہنا چاہئے جو اسلام کو سر بلند ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتے اور جو اسی کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ اسلامی دستور سازی کا جو خاکہ اب تک بنا ہے، وہ کسی طرح غتر بود ہو جائے! پاکستان دستور ساز اسمبلی کے ہندو ارکان نے جو "واک آوٹ" کیا تھا، اُس کو ہم اِن اہلِ نفاق کی "عناں گیری" سے آزاد نہیں سمجھ سکتے ــــــ وہ جو غالبؔ نے کہا ہے:-

؎ غنچہ تا شگفتن ہا برگِ عافیت معلوم!

تو پاکستان کا دستور بننے تک وہ طبقہ جس کی رگ و پے میں مغربیت سرایت کر گئی ہے، نہ جانے کیا کیا فتنے اُٹھاتا اور کیسے کیسے شوشے چھوڑتا ہے۔

دعوتِ حق

اس صورتِ حال کو دیکھ کر ایک خدا ناشناس پکار اُٹھے گا کہ حالات حد درجہ یاس انگیز ہیں ــــــ مگر ایک حق پرست کے دل میں یاس و نومیدی کا گزر نہیں ہو سکتا! مسلمان کے تن میں جب تک سانس ہے اس کے ساتھ کام بھی موجود ہے!

پس ضرورت ہے کہ وہ تمام لوگ جو پاکستان میں اللہ کے دین کو سر بلند دیکھنا چاہتے ہیں ایک محاذ پر جمع

ہو جائیں، اور محاذ پر جمع ہو جانے سے ہمارا یہ مقصد نہیں ہو کہ یہاں ہتھیار لیکر کوئی جنگ کرنی ہو یا کمیونسٹوں کے انداز پر کوئی دہشت انگیز پارٹی بنانی ہے، گزارش یہ ہو کہ وہ لوگ جو اسلام پسند ہیں اور اسلام کی ترقی اور برتری کے دل سے خواہش مند ہیں، وہ اپنے عزم، یقین، خلوص، پاکیزگی، عشق رسولؐ اور خشیتِ الٰہی کی متاع کو لیکر یکجا ہو جائیں اور اس اتحاد و اجتماع میں اُن کا اپنا نفس اور اُس کی خواہشات ذرّہ برابر شریک نہ ہوں، مقصد صرف رضائے الٰہی کا حصول ہو! جینا اور مرنا صرف اللہ کے لئے!

تماشائی بن کر دیکھتے رہنے کا وقت بہت دن ہوئے کہ گزر چکا، پاکستان بڑے سخت خطروں میں گھرا ہوا ہے اور اس ملک میں اسلام مظلومیت کے دور سے گزر رہا ہے، باطل حق کو مفلوج اور بیکار بنانے کے لئے ہر طرح کے ہتھکنڈے استعمال کر رہا ہو، قدم قدم پر مکر و فریب کے جال بچھائے جا رہے ہیں اور جگہ جگہ دھوکے اور لالچ کی خندقیں کھود دی گئی ہیں!

پاکستان کے عوام مسلمانوں کا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ وہ جماعتوں، پارٹیوں اور اُن کے رہنماؤں میں کسی اصولی جماعت اور صالح رہنماؤں کا انتخاب کریں، وہ ہر اُس شخص کو جو حکومت کے خلاف نعرہ بلند کرتا ہے اپنا لیڈر اور خیر خواہ نہ سمجھیں، پاکستان میں مفاد پرستوں اور غرض کے بندوں کی کمی نہیں ہو، یہاں بڑا بڑا اچھنکیت قسم کا لیڈر پڑا ہوا ہو جس سے عوام کی غمگساری کے عجیب و غریب سوانگ بھرنے آتے ہیں۔

قیام پاکستان کی چھ سالہ مدّت میں بہت سی نئی نئی پارٹیاں وجود میں آئی ہیں اور کچھ جماعتیں اور پارٹیاں پہلے سے موجود تھیں، عوام کو چاہیئے کہ وہ ان تمام پارٹیوں، جماعتوں اور اداروں کے کاموں کا جائزہ لیکر دیکھیں کہ اس عرصہ میں کس جماعت نے کیا انجام دیا؟ اُن کے لیڈروں اور کارکنوں کی زندگیاں کیسی رہیں؟

انتخاب کا یہ کام کچھ مشکل نہیں ہو، پاکستان کی تمام جماعتوں اور اُن کے لیڈروں اور کارکنوں کی زندگیاں اور اُن کے کارنامے منظر عام پر آ چکے ہیں، بہت آسانی سے معلوم کیا جا سکتا ہو کہ کس جماعت اور پارٹی کا کیا پروگرام ہے؟ اور اُس نے اپنے پروگرام کو کامیاب بنانے کے لئے اب تک کیا کیا؟ کوئی قربانی دی، کسی ایثار سے کام لیا؟ خدا اور بندوں کے ساتھ اُس پارٹی کے ارکان کے کیسے معاملات رہے؟ اُس جماعت کو کسی سخت آزمائش سے گزرنا پڑا؟ اگر گزرنا پڑا تو اُس جماعت کے ارکان نے کس حد تک ثبات و عزیمت کا ثبوت دیا؟

اس معیار پر پاکستان کی تمام جماعتوں اور پارٹیوں کو جانچا اور پرکھا جائے گا تو صرف ایک جماعت ہو جو اس کسوٹی پر ہر حیثیت سے کھری ثابت ہوگی —— اور وہ "جماعتِ اسلامی" ہے!

"جماعتِ اسلامی" اقامت دین کے جس عالمگیر پروگرام کو لیکر اُٹھی ہو وہ اسلام، اخلاق، انسانیت اور فطرت و زندگی کے تقاضوں کے عین مطابق ہو، اس میں نہ کوئی رازداری ہو اور نہ پیچیدگی! جماعتِ اسلامی کا ہزاروں صفحوں کا لٹریچر موجود رہی، جسے پڑھ کر معلوم کیا جا سکتا ہو کہ جماعت کیا چاہتی ہو؟ اس لٹریچر میں جذبات سے کم اور عقل سے زیادہ سے زیادہ اپیل کی گئی ہو، اور تہذیب و دانش اور سائنس و تمدّن کے اس دور میں عقلی استدلال کے ذریعہ دل و دماغ کو اطمینان دلایا گیا ہو کہ اسلام کے سوا اور کوئی شاہراہِ نجات اور منزلِ فلاح ہو ہی نہیں!

جماعتِ اسلامی کھُلے خزانے ڈنکے کی چوٹ کہتی ہے کہ اسلام کے سوا دنیا کا ہر نظام، غیر حق ہو، دوسرے

نظام ہائے زندگی میں ریت کے ذرّوں کی طرح حق کے منتشر اجزاء تھوڑے بہت ہو سکتے ہیں مگر جو نظام پورے کا پورا حق ہو وہ صرف "اسلام" ہے، پس یہی نظام (اسلام) اس کا حق رکھتا ہے کہ ساری دُنیا میں اسے برپا کیا جائے تاکہ دُکھی اور مظلوم انسانیت کو امن و عافیت میسر آسکے!

پاکستان میں اللہ کے فضل سے نظامِ اسلامی کو برپا کرنے کے مواقع حاصل ہیں، اس لئے کہ پاکستان کو نہ کسی بادشاہ نے اپنی تلوار سے فتح کیا ہے اور نہ یہ ملک کسی کی موروثی جاگیر ہے، پاکستان اسلام اور صرف اسلام کے نام پر بنا ہے، یہاں کی اکثریت مسلمان ہے اور خود پاکستان کی دستور ساز اسمبلی "قرارداد مقاصد" منظور کر کے اپنے "اسلام" کا اعلان کر چکی ہے۔

"جماعتِ اسلامی" نے اس مقصد کے حصول کے لئے جو کوششیں کی ہیں، وہ سب کے سامنے ہیں، اُس نے صالح افراد کو اسمبلیوں میں بھیجنے کے لئے انتخابات لڑے ہیں، اور جس دیانت، عدل اور خدا ترسی کے ساتھ لڑے ہیں اُس کی نظیر اس سیاسی دُنیا میں مشکل ہی سے ملیگی اور شاید نہ بھی ملے ——— یہ دلیل ہے اس بات کی کہ جماعتِ اسلامی کا مزاج اور اُس کی جبلت "اسلامی" واقع ہوئی ہے، اور وہ اپنے حریفوں کے مقابلہ میں بھی اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی حدوں کو نہیں توڑ سکتی، صدیقؓ و فاروقؓ کے عہد میں یہ بہت بڑی بات نہ تھی ——— مگر آئزن ہوور، مالنخوف، اور چرچل کے دور میں یہ یقیناً غیر معمولی بات ہے۔

جماعتِ اسلامی نے پاکستان میں "اسلامی دستور سازی" کے لئے جس انداز پر رائے عامہ کو اُستوار کیا ہے وہ بھی ـــ تنظیم، امن پسندی، اخلاقی احتیاط اور خلوص و عزم کی اپنی آپ مثال ہے، اس سلسلہ میں جماعت کے پروگرام "فراستِ مومن" کے آئینہ دار رہے ہیں اور بڑے بڑے "گلیڈسٹونوں" "بسمارکوں" اور "بقراطوں" کے مکر اور تدبیریں دھری کی دھری رہ گئی ہیں۔

جماعتِ اسلامی نے اپنے انتہائی محدود ذرائع کے باوجود خدمتِ خلق کے سلسلہ میں جو کام انجام دیئے ہیں، وہ اُس کے خلوص اور احساسِ فرض کے عینی شاہد ہیں! جماعت کے تمام کاموں میں ایک خاص تنظیم، سلیقہ، ہم آہنگی، ربط بلکہ حُسن و توازن پایا جاتا ہے! جماعتِ اسلامی نے دُنیا کو بتایا ہے کہ دین صرف نماز روزے کی تنظیم ہی کا نام نہیں ہے بلکہ یہ زندگی کے ہر شعبہ کو درست کرتا ہے، اہلِ دین کے مصلّوں، سجادوں اور تسبیحوں ہی میں نہیں، اُن کے دفتر کی فائلوں میں بھی تنظیم اور سلیقہ پایا جانا ضروری ہے دین دار لوگ جب کوئی جلوس نکالیں گے اور جلسہ ترتیب دیں گے تو اُس میں بھی امتیازی شان پائی جائے گی!

وہ حضرات جو خالص عباداتی نقطۂ نگاہ سے لوگوں کے اعمال جانچنا چاہتے ہیں وہ جماعتِ اسلامی کے کارکنوں کی نماز روزے کو بھی دیکھ سکتے ہیں اور اس نظارے سے بھی اُن کی آنکھوں کو ٹھنڈک ملے گی!

وہ لوگ جن کے دلوں میں خدا کا خوف ہے، جو اسلام کی سربلندی کے خواہشمند ہیں، جو آخرت کی جوابدہی پر یقین رکھتے ہیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کو دین و دُنیا کے فلاح کا واحد ذریعہ سمجھتے ہیں اور جو پاکستان میں اسلامی انقلاب دیکھنا چاہتے ہیں، اُن کا فرض ہے کہ وہ "جماعتِ اسلامی" کے ہاتھ مضبوط کریں! اس لئے کہ پاکستان کی تمام جماعتوں اور پارٹیوں کے مقابلہ میں جماعتِ اسلامی ہی وہ جماعت ہے جو پاکستان میں اسلامی انقلاب لانا چاہتی ہے اور جو اسی نیک مقصد کیلئے جدو جہد کر رہی ہے!

جماعتِ اسلامی جس قدر زیادہ مضبوط ہوگی، اسی قدر پاکستان میں اسلامی انقلاب کے زیادہ سے زیادہ امکانات پیدا ہونگے، جماعتِ اسلامی "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" کا پروگرام لیکر اٹھی ہے وہ نیکی کو پھیلانا اور برائی کو مٹانا چاہتی ہے، اگر آپ نیکی کو پسند اور برائی کو ناپسند کرتے ہیں تو آپ کا فرض ہے کہ جماعتِ اسلامی کے دست و بازو بن جائیں!

جماعتِ اسلامی اُن دیندار لکھے پڑھے لوگوں کی جماعت ہے، جو ایک طرف کتاب و سنت کو جانتے ہیں اور دوسری طرف سائنس تمدن سیاست اور تہذیب کے تمام تقاضوں کو پہچانتے ہیں ——— اس لئے مغرب زدہ منافقین اُن کو دھوکا نہیں دے سکتے، جماعتِ اسلامی کے کارکن تدبیر و سیاست کے میدان میں بھی اہلِ نفاق کو شکست دینے کے گُروں سے واقف ہیں اور اُن کی ایمانی فراست اِن خدا ناشناسوں کی ڈپلومیسی، پینتروں، چلتروں اور داؤں گھات کی رگ رگ کو جانتی اور پہچانتی ہے۔

وہ ضمیر فروش اہلِ قلم جو تنخواہوں اور معاوضوں پر ایسے مضامین لکھتے ہیں، جن کو پڑھ کر اسلامی انقلاب اور اسلامی دستور کے بارے میں شکوک اور شبہات پیدا ہوتے ہیں ——— اُن کے توڑ کیلئے بھی جماعتِ اسلامی کے متفقین انشاپردازوں نے صحافت و ادب کے ہر محاذ پر کام کیا ہے بلکہ اللہ کے فضل سے اِن کو شکست دی ہے۔

جماعتِ اسلامی کی قوت کو کمزور کرنے کے لئے ہمارے اربابِ اقتدار نے کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی، اس کے آمیر کو سزائے موت سنائی گئی اور پھر اُسے چودہ سال کی قید میں بدل دیا گیا، اُس کے ارکان کو جیلوں میں محبوس رکھا، اُس کے اخبارات بند اور اُس کے فنڈ ضبط کئے گئے، اُس کے ارکان سرکاری ملازمتوں سے نکالے گئے مگر آفریں ہے جماعتِ اسلامی کو کہ ان تمام شدائد کے مقابلہ میں اُس نے ذرا سی بھی کمزوری کا ثبوت نہیں دیا بلکہ ہر "تعزیر و عقوبت" کے بعد "ذوقِ طلب" اور بڑھتا ہی چلا گیا ——— اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ حکومت کی طرف سے یہ تمام زیادتیاں ہوتی رہیں مگر جماعتِ اسلامی نے امن پسندی اور احترامِ ضبط و قانون کی حد سے اب تک تجاوز نہیں کیا، اپنے مخالفین کے مقابلہ میں اُس کا لب و لہجہ تک انتہائی شریفانہ رہا۔

کوئی شک نہیں کہ بہت دنوں کے بعد ایک ایسی جماعت وجود میں آئی ہے جو اللہ کے دین کو پورے کا پورا برپا اور قایم کرنا چاہتی ہے اور جو عقل و فکر اور منطق و استدلال کے ہر محاذ پر دُنیا کے ہر نظامِ فکر سے نبرد آزما ہونے کے لئے تیار ہے ——— پاکستان کی بڑی خوش قسمتی ہے کہ اس ملک میں "جماعتِ اسلامی" موجود ہے جو پاکستان کے مقصدِ وجود کی داعی اور علمبردار ہے۔

کاروانِ حق جادہ پیما ہو چکا ہے، رہرووں کے نقشِ پا صاف نظر آ رہے ہیں، اللہ کے نیک بندے اپنا سب کچھ لیکر میدان میں آ چکے ہیں، حق اور باطل میں اب التباس نہیں رہا اُن کے کیمپ الگ الگ قایم ہو چکے ہیں ——— اسلامی انقلاب کی جدوجہد کے لئے جماعت بن چکی ہے، پروگرام بن چکا ہے ——— اہلِ حق کو پھر کس بات کا انتظار ہے، آئیں پروانہ وار آئیں اور اس ارادے کے ساتھ آئیں کہ اللہ کے دین کو غالب اور سربلند کر کے رہیں گے چاہے اس جدوجہد میں اُن کی جان ہی کیوں نہ چلی جائے، اللہ کے خوف کے سوا ہر خوف دل سے نکال دینا چاہیئے، مقصود نہ فتح ہو نہ شکست بلکہ "رضائے الٰہی" ہو!

ماہر القادری

[illegible] نومبر ۵۵ء

مرتبہ :- اسعد گیلانی

تحریکِ اسلامی

"اپنے لٹریچر کے آئینے میں"

ہماری دعوت

" جماعتِ اسلامی کی دعوت تین نکات پر مشتمل ہے۔
(۱) یہ کہ ہم بندگانِ خدا کو بالعموم اور جو پہلے سے مسلمان ہیں ان کو بالخصوص اللہ کی بندگی کی دعوت دیتے ہیں۔
(۲) یہ کہ جو شخص بھی اسلام قبول کرنے یا اس کو ماننے کا دعویٰ یا اظہار کرے اس کو ہم دعوت دیتے ہیں کہ وہ اپنی زندگی سے منافقت اور تناقض کو خارج کرے اور جب وہ مسلمان ہے یا بنا ہے تو مخلص مسلمان بنے اور اسلام کے رنگ میں رنگ کر یک رنگ ہو جائے۔
(۳) یہ کہ زندگی کا نظام جو آج باطل پرستوں اور فساق و فجار کی رہنمائی اور قیادت میں چل رہا ہے اور معاملاتِ دنیا کے انتظام کی زمام کار جو خدا کے باغیوں کے ہاتھ میں آ گئی ہے۔ ہم یہ دعوت دیتے ہیں کہ اسے بدلا جائے اور رہنمائی و امامت نظری اور عملی دونوں حیثیتوں سے مومنین صالحین کے ہاتھ میں منتقل ہو۔[۱]"

انفرادی اصلاح

" اس سلسلے میں سب سے مقدم اور اہم کام یہ ہے کہ اس دعوت کے داعی دین کو اپنی زندگیوں میں قایم کریں۔ اس سلسلہ کا سب سے کٹھن کام بھی یہی ہے۔ اسلام کی حمایت میں مقالات لکھنا۔ تقریریں اور تنقیدیں کرنا آسان ہے۔ لیکن دین کو اپنی پوری زندگی میں قایم کرنا بہت دشوار اور کہیں مشکل ہے مگر دنیا میں اللہ کا دین قایم وہی لوگ کر سکتے ہیں جو اپنی زندگیوں میں اسے قایم کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ دین کو قایم کرنے کا کام کوئی نیا کام نہیں ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام اسی مقصد کے لئے تشریف لاتے رہے ہیں۔ اور ان کے مقدس ساتھیوں نے اسی کو مقصدِ حیات بنایا تھا۔ ان برگزیدہ انسانوں کی سیرتوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دین کی جدوجہد کے سلسلے میں ان کا پہلا کام یہی ہوتا تھا کہ سب سے پہلے وہ اس دین کی تعلیم کو اپنی زندگیوں میں اس طرح جذب کرتے تھے کہ وہ خود اس کا بہترین نمونہ بن جاتے تھے وہ اپنی تمام حرکات و سکنات میں اللہ کے احکام کی کامل پیروی کرتے اور اللہ کی بندگی کا جو کام بھی کرتے انتہائی حسن و خوبی اور ذوق و شوق سے کرتے اور اس سلسلے میں اپنے

---

[۱] دعوتِ اسلامی اور اس کے مطالبات (مولانا مودودی)

نفس کو کسی قسم کی ڈھیل دینا گوارا نہ کرتے اور اس طرح کی ڈھیل کو اپنے لئے سب سے زیادہ ہلاکت کا باعث خیال کرتے۔ حق پرست اور نام نہاد مصلحین کے طرز اصلاح میں یہی ایک بنیادی فرق ہوتا ہے۔"[51]

" پھر جب ایک داعی یہ کہتا ہے کہ اپنی پوری زندگی خدا کی بندگی میں دے دو۔ اپنی زندگی سے تضاد اور منافقت کو دور کرو۔ اور جاہلیت کے ایک ایک اثر کو اپنے اندر سے نکالو۔ تو اس کے گرد و پیش کی دنیا میں سینکڑوں نگاہیں خورد بین لگا لگا کر اس کی پوری زندگی کا جائزہ لینا شروع کر دیتی ہیں۔ اور اس کی کوئی خامی ایسی نہیں رہ جاتی جس کی نشان دہی کرنے سے زبانیں چوک جائیں۔ اس طرح ایک آدمی کو مانجھنے اور صاف کرنے میں بہت سے بندگان خدا۔ دانستہ یا نادانستہ لگ جاتے ہیں۔ جو اپنے معترضین کی اس خدمت بے مزد سے فائدہ اٹھاتا ہے اس کی تکمیل آپ سے آپ ہوتی چلی جاتی ہے اور جو اس تنقیدِ عام سے شکست کھا کر بھاگ نکلتا ہے وہ خود ہی ثابت کر دیتا ہے کہ وہ دعوت حق کے کام کا آدمی نہیں ہے۔"[52]

دوسرا تربیتی مرحلہ

" اس مرحلے سے کامیابی کے ساتھ گزرنے کے لئے ضروری ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کی حقیقت آپ کے قلب و روح میں اس قدر جاگزیں ہو جائے کہ آپ کے تخیلات و افکار اور اخلاق و معاملات سب پر اسی کا غلبہ ہو۔ آپ کی ساری زندگی اسی کلمہ طیبہ کے معنوی قالب میں ڈھل جائے آپ کے ذہن میں کوئی ایسا خیال راہ نہ پائے جو اس کلمہ کے معنی سے مختلف ہو۔ اور کوئی ایسا عمل سرزد نہ ہو جو اس کلمہ کے مقتضیٰ کے خلاف ہو لا الٰہ الا اللہ کو زبان سے ادا کرنے کا نتیجہ یہ ہونا چاہیئے کہ آپ کی زندگی میں اس کے ساتھ ایک انقلاب برپا ہو جائے۔ آپ کی رگ رگ میں تقویٰ کی روح سرایت کر جائے۔ اللہ کے سوا آپ کی گردن کسی طاقت کے آگے نہ جھکے۔ اللہ کے سوا آپ کا ہاتھ کسی کے آگے نہ پھیلے۔ اللہ کے سوا کسی کا خوف آپ کے دل میں نہ رہے۔ آپ کی محبت اور آپ کا بغض اللہ کے سوا کسی اور کے لئے نہ ہو۔ اللہ کے قانون کے سوا آپ کی زندگی پر کسی اور کا قانون نافذ نہ ہو۔ آپ اپنے نفس اور اس کی ساری خواہشوں اور اس کے تمام مرغوبات و محبوبات کو اللہ کی خوشنودی پر قربان کر دینے کے لئے ہر وقت تیار رہیں۔ اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام کے مقابلہ میں آپ کے پاس سمعنا و اطعنا کے سوا کوئی اور قول و فعل نہ ہو۔ جب ایسا ہوگا تو آپ کی قوت صرف آپ کے اپنے نفس اور جسم کی قوت نہ ہوگی بلکہ اس احکم الحاکمین کی قوت ہوگی جس کے آگے زمین و آسمان کی ہر چیز طوعاً و کرہاً سر بسجود ہے اور آپ کی ذات اس نور السمٰوٰت والارض کے جلووں سے منور ہو جائے گی جو تمام عالم کا حقیقی محبوب ہے۔"[53]

ذاتی جائزہ

" اس مقصد کے لئے ضروری ہے کہ آپ اپنے نہاں خانۂ دل کا بے لاگ نظر سے جائزہ لیں اور دیکھیں کہ کیا آپ کے دل و دماغ کی ساری قابلیتیں، آپ کے جسم اور جان کی ساری قوتیں، آپ کے اوقات اور آپ کی محنتیں کیا اسی کوشش میں صرف ہو رہی ہیں کہ خدا کی مرضی آپ کے ہاتھوں پوری ہو اور آپ کے ذریعے سے وہ کام انجام پائے جو خدا اپنی امتِ مسلمہ سے لینا چاہتا ہے۔ پھر کیا آپ نے اپنی اطاعت اور بندگی کو خدا کے لئے مخصوص کر دیا ہے کیا نفس کی بندگی، خاندان کی بندگی، برادری کی بندگی، دوستوں کی، سوسائٹی کی اور حکومت کی بندگی آپ کی زندگی سے بالکل خارج ہو گئی ہے، کیا آپ نے اپنی پسند اور ناپسند کو سراسر رضائے الٰہی کے تابع کر دیا ہے؟ پھر دیکھئے کہ واقعی آپ

[51] دعوتِ اسلامی اور اس کے مطالبات (مولانا اصلاحی) [52] روداد جماعتِ اسلامی (مولانا مودودی) [53] تنقیحات

جس سے محبت کرتے ہیں خدا کے لئے کرتے ہیں؟ جس سے نفرت کرتے ہیں خدا کے لئے کرتے ہیں؟ اور اس نفرت اور محبت میں آپ کے نفس کے میلان کا کوئی حصہ شامل نہیں رہا ہے؟ پھر کیا آپ کا دینا اور روکنا بھی خدا کی خاطر ہو چکا ہے؟ اپنے پیٹ اور اپنے نفس سمیت دنیا میں آپ جس کو جو کچھ دے رہے ہیں اسی لئے دے رہے ہیں کہ خدا نے اس کا حق مقرر کیا ہے۔ اور اس کو دینے سے صرف خدا کی رضا آپ کو مطلوب ہے؟ اور اسی طرح جس سے آپ جو کچھ روکے ہوے ہیں وہ بھی اسی لئے روک رہے ہیں کہ خدا نے اسے روکنے کا حکم دیا ہے اور اس کے روکنے میں آپ کو خدا کی خوشنودی حاصل ہونے کی تمنا ہے؟۔ اگر آپ یہ کیفیت اپنے اندر پاتے ہیں تو اللہ کا شکر ادا کیجئے کہ اس نے آپ پر نعمت ایمان کا اتمام کر دیا۔ اور اگر اس حیثیت سے آپ اپنے اندر کمی محسوس کریں تو ساری فکریں چھوڑ کر بس اسی کمی کو پورا کرنے کی فکر کیجئے اور اپنی تمام کوششوں اور محنتوں کو اسی پر مرکوز کر دیجئے کیونکہ اسی کسر کے پورے ہونے پر دنیا میں آپ کی فلاح اور آخرت میں آپ کی نجات کا مدار ہے۔ آپ دُنیا میں خواہ کچھ بھی حاصل کر لیں اس کے حصول سے اس نقصان کی تلافی نہیں ہو سکتی جو اس کسر کی بدولت آپ کو پہونچے گا۔ لیکن اگر یہ کسر آپ نے پوری کر لی تو خواہ آپ کو دُنیا میں کچھ حاصل نہ ہو پھر بھی آپ خسارے میں نہ رہیں گے۔"[1]

ضروری صفات

"اس راہ کا پہلا لازمی تقاضا حمیتِ حق اور غیرتِ حق ہے ایک آدمی اگر ایک امر کو حق سمجھ گیا ہے تو اس کا فرض ہے کہ اس حق کے لئے ہر طرح کی زحمتیں اٹھائے اور ساری صعوبتیں جھیلے۔ جو شخص حق کو پامال ہوتے دیکھتا ہے اور اس کے لئے اس کے دل میں حمیت نہیں پیدا ہوتی ہے وہ دو حالتوں سے خالی نہیں یا تو اس پر حق کی اصلی قدر و قیمت واضح نہیں ہوئی ہے اور یہ علم و معرفت کی خامی ہے یا اس کے اندر باطل کا رعب بیٹھا ہوا ہے اور یہ دل کا فساد ہے ایک عاقل اور سلیم الطبع انسان سے سب سے پہلے جس بات کی توقع ہونی چاہیئے وہ یہی ہے کہ وہ کبھی کسی حق کو مظلوم اور پامال دیکھنے پر راضی نہ ہو۔ جو شخص حق کی مظلومیت پر راضی ہے وہ انسانیت کے جوہر سے خالی ہے اور جو شخص انسانیت کے جوہر سے خالی ہے اگر وہ پیدا ہوا اور اس سے بڑھ کر افسوس اس بات کا ہے کہ وہ زندہ ہے۔ اگر آدمی میں علم کی کمی ہے تو اس کا فرض ہے کہ اللہ کی کتاب کے ذریعہ سے اپنے علم کو بڑھائے اور اگر ہمت کی کمی ہے تو چاہیئے کہ اللہ سے دُعا کرے کہ خدا اس کو توفیق عمل دے اور پست ہمتی اور بُزدلی کی بیماریوں سے نجات بخشے۔"[2]

انکشافِ حق کا تقاضا

"انکشافِ حق کی خاصیت یہ ہے کہ وہ آدمی کو کبھی اس مقام پر نہیں ٹھہرنے دیتا جہاں وہ انکشاف سے پہلے تھا۔ بلکہ وہ اس کو کشاں کشاں اس مقام کی طرف کھینچے جاتا ہے جدھر حق کی روشنی اسے نظر آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ کسی تحریک کی صداقت کے معترف ہو کر اسے قبول کرتے ہیں۔ ان کی زندگیوں کا رنگ بدل جاتا ہے وہ پہلے سے بالکل مختلف ہو جاتے ہیں۔ ان سے ایسی باتوں کا ظہور ہوتا ہے جن کی توقع عام حالات میں انسان سے نہیں کی جاتی۔ وہ اپنے اصول کی خاطر دوستیوں اور خونی و قلبی رشتوں تک کو قربان کر دیتے ہیں وہ اپنے کاروبار، اپنی پوزیشن، اپنے منافع اور اپنی ہر چیز کا نقصان گوارا کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ قید و بند کی تکالیف اور موت کے خطرات تک سہنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ ان کے خصائل میں تغیر آ جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ان کی شکل و صورت۔ لباس خوراک اور عام طرزِ زندگی پر بھی اس کے اثرات ایسے نمایاں ہوتے ہیں کہ گرد و پیش کے لوگوں میں وہ اپنی

---

[1] روداد حصہ اوّل (مولانا مودودی) [2] روداد حصہ سوم (مولانا اصلاحی)

ہر ادا سے الگ پہچان لئے جاتے ہیں، ہر شخص ان کو دیکھ کر کہہ دیتا ہے کہ وہ جا رہے ہیں فلاں تحریک کے حامی:[۵]

اخلاقی انقلاب

یہی وجہ ہے کہ جب اسلامی انقلاب اپنی ساری خصوصیات کے ساتھ آیا تو وہاں صرف ملک کا طریقِ انتظام ہی تبدیل نہیں ہوا بلکہ ذہنیتیں تک بدل گئیں، نگاہ کا زاویہ بدل گیا، سوچنے کا طریقہ بدل گیا، زندگی کا طرز بدل گیا، اخلاق کی دنیا بدل گئی، عادات اور خصائل بدل گئے، غرضکہ ایک پوری قوم کی کایا پلٹ کر رہ گئی۔ جو زانی تھے وہ عورتوں کی عصمت کے محافظ بن گئے جو چور اور اُچکے تھے ان کا احساس دیانت اتنا نازک ہو گیا کہ دوستوں کے گھر کھانا کھانے میں بھی ان کو اس بنا پر تامل تھا کہ مبادا ناجائز طریقہ پر مال کھانے کا اطلاق اس فعل پر بھی ہو جائے حتیٰ کہ قرآن میں خود اللہ تعالیٰ کو انھیں اطمینان دلانا پڑا کہ اس طرح کے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں جو ڈاکو اور لٹیرے تھے وہ اتنے متدین بن گئے کہ ان کے ایک معمولی سپاہی کو پایۂ تخت ایران کی فتح کے موقع پر کروڑوں کی قیمت کا شاہی تاج ہاتھ آیا وہ رات کی تاریکی میں اپنے پیوند لگے ہوئے کمبل میں اسے چھپا کر سپہ سالار کے حوالے کرنے کے لئے پہونچا تاکہ اس غیر معمولی واقعہ سے اس کی دیانت کی شہرت نہ ہو جائے اور اس کے خلوص پر ریاکاری کا میل نہ آ جائے، وہ جن کی نگاہ میں انسانی جان کی کوئی قیمت نہ تھی جو اپنی بیٹیوں کو آپ اپنے ہاتھ سے زندہ دفن کرتے تھے۔ ان کے ا[illegible]ان کا اتنا احترام پیدا ہو گیا کہ کسی مُرغ کو بھی بے رحمی سے قتل ہوتے نہ دیکھ سکتے تھے۔ وہ جن کو راستبازی اور انصاف کی ہوا تک نہ لگی تھی ان کے عدل اور راستی کا یہ حال تھا کہ خیبر کی صلح کے بعد جب ان کا تحصیلدار یہودیوں سے سرکاری معاملہ وصول کرنے گیا تو یہودیوں نے اس کو ایک بیش قرار رقم اس غرض کے لئے پیش کی کہ وہ سرکاری مطالبہ میں کچھ کمی کر دے مگر اس نے رشوت لینے سے انکار کر دیا۔ اور حکومت اور یہودیوں کے درمیان پیداوار کا آدھا آدھا حصّہ اس طرح تقسیم کیا کہ دو برابر کے ڈھیر سامنے لگا دیئے اور یہودیوں کو اختیار دیا کہ دونوں ڈھیروں میں سے جس کو چاہیں اٹھا لیں۔ اس نرالی قسم کے تحصیلدار کا یہ طرزِ عمل دیکھ کر یہودی انگشت بدنداں رہ گئے اور بے اختیار ان کی زبان سے نکلا کہ اسی عدل پر زمین و آسمان قائم ہیں۔ ان کے اندر وہ گورنر پیدا ہوئے جو گورنمنٹ ہاؤسوں میں نہیں بلکہ رعایا کے درمیان انہی جیسے گھروں میں رہتے تھے۔ بازاروں میں پیدل پھرتے تھے۔ دروازوں پر دربان نہ رکھتے تھے۔ رات دن میں ہر وقت جو چاہتا تھا ان سے انٹرویو کر سکتا تھا۔ ان کے اندر وہ قاضی پیدا ہوئے جن میں سے ایک نے ایک یہودی کے خلاف خود خلیفہ کا دعویٰ اس بنا پر خارج کر دیا کہ خلیفہ اپنے غلام اور اپنے بیٹے کے سوا کوئی گواہ پیش نہ کر سکے۔ ان کے اندر وہ سپہ سالار پیدا ہوئے جن میں سے ایک نے دورانِ جنگ میں ایک شہر خالی کرتے وقت پورا جزیہ یہ کہہ کر اہل شہر کو واپس دے دیا کہ ہم اب تمھاری حفاظت سے قاصر ہیں۔ لہٰذا جو ٹیکس ہم نے حفاظت کے معاوضہ میں وصول کیا تھا اسے رکھنے کا ہمیں کوئی حق نہیں۔ ان میں وہ سفیر پیدا ہوئے جن میں سے ایک نے سپہ سالار ایران کے بھرے دربار میں اسلام کے اصول مساوات انسانی کا ایسا مظاہرہ کیا اور ایران کے طبقاتی امتیازات پر ایسی برمحل تنقید کی کہ خدا جانے کتنے ایرانی سپاہیوں کے دلوں میں اس مذہبِ انسانیت کی عزّت و وقعت کا بیج اسی وقت پڑ گیا ہو گا۔ ان میں وہ شہری پیدا ہوئے جن کے اندر اخلاقی ذمّہ داری کا احساس اتنا زبردست تھا کہ جن جرائم

---

[۵] سیاسی کشمکش حصّہ سوم (مولانا مودودی)

کی سزا ہاتھ کاٹنے اور پتھر مار مار کر ہلاک کر دینے کی صورت میں دی جاتی تھی انکا اقبال خود آکر کرتے تھے - اور تقاضا کرتے تھے کہ سزا دیکر انھیں گناہ سے پاک کر دیا جائے تاکہ وہ چور یا زانی کی حیثیت سے خدا کی عدالت میں پیش نہ ہوں - ان میں وہ سپاہی پیدا ہوئے جو تنخواہ لیکر نہیں لڑتے تھے بلکہ اس مسلک کی خاطر جس پر وہ ایمان لائے تھے اپنے خرچ سے میدانِ جنگ میں جاتے اور پھر جو مالِ غنیمت ہاتھ لگتا وہ سارے کا سارا سپہ سالار کے سامنے لاکر رکھ دیتے" [۱]

اسلامی اور وطنی تحریک کا فرق

" اسلام دراصل ایک اصولی تحریک ہے - قومی یا وطنی تحریک نہیں ہے - جو لوگ مغرب کے قومی نظریات کو اپنا کر ایک غیر ملکی سیکولر حکومت کے بجائے ایک قومی سیکولر اسٹیٹ کی بنیاد ڈالنا چاہتے ہیں اور اسی کو دانستہ یا نادانستہ طور پر اسلام کی خدمت سمجھتے ہیں وہ نہیں جانتے کہ ایک جھوٹ کے ہٹ جانے اور اس کی جگہ دوسرے جھوٹ کے آجانے سے حقیقت میں کوئی فرق بھی واقع نہیں ہوتا اس قسم کی تبدیلی سے طفل تسلی تو ہوسکتی ہے مگر غیر حق پر زندگی کی عمارت قائم کرنے کا جو نقصان ایک صورت میں تھا وہی دوسری صورت میں بھی علیٰ حالہ باقی رہتا ہے - اس نقصان کو دور کرنے اور انسانی زندگی کو حقیقی فلاح وسعادت سے ہم کنار کرنے کی کوئی دوسری صورت اس کے سوا نہیں ہے کہ غیر اللہ کی حاکمیت سے کلیۃً انکار کیا جائے اور اس کی حاکمیت تسلیم کی جائے جو فی الواقع مالک الملک ہے - ہر اس نظام حکومت کو رد کر دیا جائے جو انسانی اقتدار اعلیٰ کے باطل نظریہ پر قایم ہو اور صرف اس نظام حکومت کو قبول کیا جائے جس میں اقتدار اعلیٰ اسی کا ہے جو فی الحقیقت مقتدر اعلیٰ ہے - ہر اس حکومت کے حقِ حکمرانی کو ماننے سے انکار کر دیا جائے جس میں انسان بذاتِ خود حاکم اور صاحبِ امر و نہی ہونے کا مدعی ہو اور صرف اس حکومت کو جائز قرار دیا جائے جس میں انسان اصلی اور حقیقی حاکم کے ماتحت خلیفہ ہونے کی حیثیت قبول کرے" [۲]

اسلامی ریاست اور قومی ریاست کے کارکنوں کا فرق

" اس وقت ایک قومی خطوط پر چلنے والی ریاست میں جو لوگ سب سے آگے کی صف میں نظر آتے ہیں - اسلامی ریاست اور اس کے نظم ونسق میں ان کا صحیح مقام سب سے پیچھے کی صف ہے - بلکہ بعض تو وہاں بھی برعایت ہی جگہ پا سکتے ہیں - اس قسم کے لوگوں کو پیشوا بنانا بالکل ایسا ہی ہے جیسے ریل کے سب سے پچھلے ڈبے کو انجن کی جگہ لگا دینا - جس چڑھائی پر آپ جانا چاہتے ہیں - یہ نام نہاد انجن آپ کی گاڑی کو اس طرف ایک انچ بھی لیکر نہیں جا سکتا - البتہ گاڑی اپنے وزن سے آپ نشیب کیطرف لڑھک رہی ہے اور آپ لوگ کچھ مدت تک اس غلط فہمی میں مبتلا رہ سکتے ہیں کہ ماشاء اللہ ہمارا انجن اسے خوب اڑائے لئے جارہا ہے - اس حقیقت کو جتنی جلدی سمجھ لیا جائے اتنا ہی بہتر ہے - کیونکہ ہر لمحہ جو گزر رہا ہے وہ آپ کو اوپر کے بجائے نیچے کی طرف لئے جارہا ہے - جو لوگ آپ کی تہذیب کو جانتے ہی نہیں وہ اس کا تحفظ کیا کریں گے؟ جو اس سے علانیہ برسر بغاوت ہیں کس طرح امید کی جاسکتی ہے کہ ان کے ہاتھوں سے اس کا احیاء اور ارتقاء ہو" [۳]

اسلام کا لیبل

" وہ اسلام اسلام پکار کر اپنی قومی حکومت پر اسلام کا لیبل لگانا چاہتے ہیں اور اس طرح اسلامی انقلاب کا راستہ روکنے میں اس سے بھی زیادہ جری اور بے باک ہیں جتنی

---

[۱] و [۲] و [۳] سیاسی کشمکش حصۂ سوم (مولانا مودودی)

کوئی غیر مسلم حکومت ہو سکتی ہے۔ غیر مسلم حکومت جن کاموں پر قید کی سزا دیتی ہے یہ "مسلم قومی حکومت" ان کی سزا پھانسی اور جلا وطنی کی صورت میں دے گی اور پھر بھی اس حکومت کے لیڈر جیتے جی غازی — اور مرنے پر رحمۃ اللہ علیہ ہی رہیں۔

اسلامی تحریک کی قوتِ نفوذ

"اس کے مقابلہ میں اسلام ایک خالص اصولی تحریک ہے۔ اس کے ہاں قوم کا تصوّر مغرب کے قومی تصوّر سے بالکل جُدا ہے۔ یہ اصولی تحریک پوری دنیا پر چھانے کی قوت رکھتی ہے۔ یہ انسان کو بحیثیت انسان کے خطاب کرتی ہے اور اس کے سامنے خود اس کی اپنی فلاح کے اصول پیش کرتی ہے اس طرح قومیت کے برعکس ایسی تحریک ایک تبلیغی طاقت ہوتی ہے۔ قومیت کے حصار، نسلوں کے تعصبات قومی ریاستوں کے مضبوط بند کوئی چیز بھی اس کا راستہ نہیں روک سکتی۔ وہ ہر طرف ہر جگہ نفوذ کرتی چلی جاتی ہے۔ اس کی طاقت کا انحصار اپنے پیروؤں کی تعداد یا ان کے وسائل پر نہیں ہوتا۔ ایک اکیلا آدمی اس کو اُٹھانے کے لئے کافی ہے۔ پھر وہ خود اپنے اصولوں کی طاقت سے آگے بڑھتی ہے۔ وہ اپنے دشمنوں میں سے دوست پیدا کرتی ہے۔ سب قوموں میں سے آدمی ٹوٹ ٹوٹ کر اس کے جھنڈے کے نیچے آنے لگتے ہیں۔ اور وسائل اپنے ساتھ لاتے ہیں جو فوجیں اس سے لڑنے آتی ہیں ان پر وہ صرف اپنی توپ و تفنگ سے ہی آتش باری نہیں کرتی بلکہ اپنی تعلیم اور اپنے اصول کے تیر بھی چلاتی ہے۔ خون کے پیاسے دشمنوں میں سے اپنے سرگرم حامی ڈھونڈ لاتی ہے۔ سپاہی۔ جنرل۔ ماہرین فنون۔ سرمایہ دار، صناع اور کاریگر سب انھی میں سے اس کو مل جاتے ہیں اور بے سروسامانی میں سے ہر قسم کا سامان نکلتا چلا آتا ہے۔ قومیتیں اس کے سیلاب کے مقابلہ میں کبھی نہیں ٹھیر سکتیں۔ بڑے بڑے پہاڑ اس کے سامنے آتے ہیں اور نمک کی طرح پگھل پگھل کر اس آب رواں میں جذب ہو جاتے ہیں۔" (سیاسی کشمکش حصہ سوم صفحہ ۱۰۹)

لادینی ریاست کے کارکن اسلامی ریاست میں

"ایسی اصولی تحریک جب اپنے نظریہ کی بنیاد پر ایک عمارت اُٹھاتی ہے تو وہ اپنی جڑ سے لیکر چھوٹی سے چھوٹی شاخوں تک ہر چیز میں دنیوی حکومتوں (Secular States) سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ اس کی ترکیب۔ اس کا مزاج۔ اس کی فطرت۔ کوئی چیز بھی ان سے نہیں ملتی۔ اس کو بنانے اور چلانے کے لئے ایک خاص قسم کی ذہنیت، خاص طرز کی سیرت اور خاص نوعیت کے کردار کی ضرورت ہے۔ اس کی فوج، اس کی پولیس، اس کی عدالت، اس کے مالیات، اس کے قوانین، اس کے محاصل، اس کی انتظامی پالیسی، اس کی خارجی سیاست، اس کی صُلح اور جنگ کے معاملات سب کے سب دنیوی ریاستوں سے مختلف ہیں، ان کی عدالتوں کے جج اور چیف جسٹس، اس کی عدالت کے کلرک بلکہ چپراسی تک بننے کے اہل نہیں ہو سکتے۔ ان کی پولیس کے انسپکٹر جنرل وہاں کانسٹبل کی جگہ کے لئے بھی موزوں نہیں ٹھیرتے۔ ان کے جنرل اور فیلڈ مارشل وہاں سپاہی کے قابل بھی نہیں۔ ان کے وزرائے خارجہ وہاں کسی منصب پر تو کیا فائز ہوں گے شاید اپنے جھوٹ، دغا اور بد دیانتیوں کی بدولت جیل جانے سے بھی محفوظ نہ رہ سکیں — غرض وہ تمام لوگ جو ان حکومتوں کے کاروبار چلانے کے لئے تیار کئے گئے ہیں۔ جن کی اخلاقی و ذہنی تربیت ان حکومتوں کے مزاج کے مناسب حال کی گئی ہو اسلامی حکومت کے لئے قطعی ناکارہ ہیں۔ اس کو اپنے شہری اپنے ووٹر۔ اپنے کونسلر۔ اپنے اہل کار۔ اپنے سپاہی۔ اپنے جج اور مجسٹریٹ اپنے محکموں کے ڈائرکٹر اپنی فوجوں کے قائد اپنے خارجی سفراء اور اپنے وزیر، غرض اپنی اجتماعی زندگی کے تمام اجزا

اپنی انتظامی مشین کے تمام پرزے، بالکل ایک نئی ساخت کے درکار ہیں۔ اس کو ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جن کے دلوں میں خدا کا خوف ہو، جو خدا کے سامنے اپنی ذمہ داری کا احساس رکھتے ہوں۔ جو دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے والے ہوں جن کی نگاہ میں اخلاقی نفع و نقصان کا وزن دنیوی نفع و نقصان سے زیادہ ہو۔ جو ہر حال میں اس ضابطہ اور اس طریق عمل کے پابند ہوں۔ جو ان کے لئے مستقل طور پر بنا دیا گیا ہے۔ جن کی تمام سعی و جہد کا ہدفِ مقصود خدا کی رضا ہو، جن پر شخصی یا قومی اغراض کی بندگی اور ہوا و ہوس کی غلامی سلطنہ نہ ہو۔ جو تنگ نظری و تعصب سے پاک ہوں۔ جو مال اور حکومت کے نشے میں بدمست ہو جانے والے نہ ہوں۔ جو دولت کے حریص اور اقتدار کے بھوکے نہ ہوں جن کی سیرتوں میں یہ طاقت ہو کہ جب زمین کے خزانے ان کے دستِ قدرت میں آئیں تو وہ پکے امانت دار ثابت ہوں۔ جب بستیوں کی حکومت ان کے ہاتھ میں آئے تو وہ راتوں کی نیند سے محروم ہو جائیں۔ اور لوگ ان کی حفاظت میں اپنی جان، مال، آبرو، ہر چیز کی طرف سے بے خوف رہیں۔ جب وہ فاتح کی حیثیت سے کسی ملک میں داخل ہوں تو لوگوں کو ان سے قتل و غارت گری۔ ظلم و ستم اور بدکاری و شہوت رانی کا کوئی اندیشہ نہ ہو۔ بلکہ ان کے ہر سپاہی کو مفتوح ملک کے باشندے اپنی جان، مال اور اپنی عورتوں کی عصمت کا محافظ پائیں۔ جن کی دھاک بین الاقوامی سیاست میں اس درجہ کی ہو کہ ان کی راستی، انصاف پسندی اصولِ اخلاق کی پابندی اور عہد و پیمان پر تمام دنیا میں اعتماد کیا جائے۔" (سیاسی کشمکش صفحہ ۱۶۰-۱۶۱)

اسلامی تحریک کا دورِ زوال

"اسلامی تحریک اسی قسم کے لوگوں کو لیکر اٹھی تھی اور دنیا پر چھا گئی تھی، لیکن آج وہی تحریک منجمد ہو کر ایک پست قوم کے درجے پر آ گری ہے۔ صدیوں کے مسلسل انحطاط سے اس میں کیرکٹر کی وہ طاقت بہت ہی کم باقی رہ گئی ہے، جس کی مضبوط چٹان پر اٹل فیصلے۔ مستقل ارادے۔ ثابت عزائم اور بھروسے کے قابل عہد و میثاق قائم ہوتے ہیں۔ اس میں مدت ہائے دراز سے یہ کمزوری پرورش پا رہی ہے کہ ایک چیز کو حق جانیں اور دل سے اسے حق مانیں مگر اس کے لئے کوئی قربانی گوارا نہ کریں۔ نہ وقت کی نہ مال کی نہ خواہشاتِ نفس کی۔ نہ اپنے مرغوب افکار و نظریات کی۔ نہ اپنے جاہلیت کے اذواق اور دلچسپیوں کی اور نہ کسی اور چیز کی۔ انہیں وہ حق پرستی تو بہت اپیل کرتی ہے۔ جس میں حق کو زبان سے حق کہنا اور اس پر لفظی عقیدتوں کے پھول نچھاور کرنا اور اس کے لئے چند نمائشی کام کر دینا کافی ہو اور اس کے بعد انہیں اس حق کے خلاف ہر طرح اپنے کاروبار۔ اپنے ادارے اور اپنی زندگی کے سارے معاملات چلانے کی پوری آزادی حاصل رہے۔ اسی لئے وہ نام نہاد مذہبیت کے ان راستوں کی طرف خوشی خوشی لپک جاتے ہیں جن کی دین داری اور سعی و عمل کا سارا مدار اسلام اور جاہلیت کی مصالحت (....) پر ہے لیکن ایسی حق پرستی ان کے لئے ایک ناقابل تحمل بارِ گراں ہے جو کفر و اسلام۔ حق و باطل اور اطاعت و بغاوت کے درمیان دوٹوک فیصلہ چاہتی ہو اور جس میں ہر اس شخص سے جو حق کو ماننے کا اقرار کرے۔ پہلا مطالبہ یہ ہو کہ وہ یکسو ہو جائے اور پھر مزید مطالبہ یہ ہو کہ جس چیز کو اس نے حق مانا ہے اس کے لئے اپنی پوری شخصیت کو تج دے اور عمر بھر کے لئے تج دے۔ وقت کی۔ مال کی۔ خواہشاتِ نفس کی مرغوبات اور دلچسپیوں کی۔ امنگوں اور تمناؤں کی توقعات اور امیدوں کی۔ گہرے سے گہرے تعلقات کی۔ قوتوں اور قابلیتوں کی غرض ہر قسم کی قربانیاں گوارا کرے اور ایک دو دن کے

کے لئے نہیں، کسی مقررہ مدت کے لئے نہیں - بلکہ جب تک جیتا ہے اس وقت تک گوارا کرتا رہے - اس گئے گزرے زمانے میں بھی آپ ایسے مسلمان بہت پا سکتے ہیں جو خوشی خوشی جان دینے کے لئے تیار ہو جائیں گے - سینے پر گولیاں کھالیں گے - سروں پر لاٹھیوں کی بارش سہ لیں گے - جیل کی سختیاں برداشت کر لیں گے - یہ سب ان کے لئے چھوٹے اور ہلکے کام ہیں - جنھیں یہ بآسانی برداشت کر سکتے ہیں - لیکن اپنی زندگی کو ایک ضابطہ میں کس دینا، عمر بھر ایک مقصد کے لئے صبر سے کام کئے چلے جانا، جیتے جی اپنی خواہشات پر ایک بریک لگائے رکھنا اپنی عادتوں، اور ذہنیتوں کو بدل ڈالنا اور کسی خارجی دباؤ کے بغیر اخلاقی ذمہ داریوں کو قبول کرنا اور نباہنا - یہ فی الحقیقت ان کی برداشت سے بہت بھاری بوجھ ہے جس کی سہار ان کے لئے سخت دشوار ہے - یہ نمائشی ہنگاموں میں ایک عمر گزار سکتے ہیں، مگر کسی ایثار طلب عہد کو سال دو سال بھی بمشکل نباہ سکتے ہیں - ان کے ارادے کمزور ہو چکے ہیں - ان کی قوت فیصلہ ڈھیلی پڑ گئی ہے - ان میں عادات اور خواہشات کے انضباط اور اعتقاد و عمل کی مطابقت اور کسی نظام کی پابندی میں مسلسل کام کرنے کی قوت باقی نہیں رہی ہے - ان کی مثال اس جنگلی گھوڑے کی سی ہے جو روز پیدائش سے آزاد پھرنے کا عادی رہا ہو اور کسی گاڑی میں جت کر ایک مقرر راستہ پر سیدھا چلنے کے لئے تیار نہ ہو - ایسے گھوڑے کو اگر کسی طرح رام کر کے باندھ بھی لیا جائے تو بہت جلدی وہ بندشوں سے اُکتانے لگتا ہے حتیٰ کہ ایک دن رسی تڑا کر ایسا بھاگتا ہے کہ پہلے سے بھی کچھ زیادہ دور نکل جاتا ہے" (سیاسی کشمکش - حصہ سوم)

منافقانہ طرزِ عمل

"کسی قوم کے افراد کے کردار کی یہ کمزوری اور ناپائیداری ہنگامی انجمنوں کے لئے مفید ہو تو ہو لیکن ایک اصولی تحریک کے لئے تو بڑی سنگلاخ زمین ہوتی ہے ایک معقول آدمی ذمہ داری کے ساتھ کسی نظام جماعت کے ساتھ دو ہی طرز عمل اختیار کر سکتا ہے - اگر وہ اس میں داخل ہو تو اس کے اساسی اصول پر پورا پورا اعتقاد رکھے اور اس کے قانون و ضابطہ کی پوری پوری پابندی کرے اور اگر ایسا نہیں کر سکتا تو اس میں داخل نہ ہو یا ہو چکا ہے تو بالاعلان اس میں سے نکل جائے ان دونوں کے درمیان کوئی تیسری صورت معقول نہیں ہے - اس سے زیادہ نامعقول کوئی طرز عمل نہیں ہو سکتا کہ کچھ لوگ ایک نظام میں شریک بھی ہوں اس کے ایک جزبن کر بھی رہیں - اس نظام کے تابع ہونے کا دعویٰ بھی کریں اور پھر اس کے اساسی اصولوں سے کلاً یا جزاً انحراف بھی کریں - اس کے قانون کی خلاف ورزی بھی کریں - اور اپنے آپ کو اس کے آداب اور اس کے ضوابط کی پابندی سے مستثنیٰ بھی رکھیں اس طرز عمل کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ان میں منافقانہ خصائل پیدا ہوں - خلوص نیت سے ان کے دل خالی ہو جائیں - ان کے قلوب میں کسی مقصد کے لئے گرم جوشی اور فدائیت نہ پیدا ہو سکے، سے وہ عادی ہو جائیں اور ان میں یہ صلاحیت باقی نہ رہے کہ کسی نظام کے کارآمد کارکن بن سکیں - ان کمزوریوں اور بدترین عیوب کے ساتھ وہ جس جماعت میں بھی شریک ہوں گے اس کے لئے لعنت بن جائیں گے - جس نظام میں بھی داخل ہوں گے اسے درہم برہم کر دیں گے - جس تہذیب کے جسم میں بھی داخل ہوں گے اس کے لئے جذام کے جراثیم ثابت ہوں گے - جس مذہب کے پیرو بنیں گے اسے مسخ کر کے چھوڑیں گے"

ہوا پرست لوگ

"آخر جو لوگ اپنے خیالات - اخلاق - معاشرت - معیشت - تعلیم و تربیت کسی چیز میں بھی مسلمان نہ رہ گئے ہوں اور نہ مسلمان رہنا چاہتے ہوں - ان کے برے

نام مسلمان رہنے سے اسلام کا قطعاً کوئی فائدہ نہیں۔ بلکہ سراسر نقصان ہے۔ ایسے لوگ خدا پرست نہیں، ہوا پرست ہیں اگر دنیا میں بت پرستی کا غلبہ ہو جائے تو یقیناً وہ بتوں کو پوجیں گے اگر دنیا میں برہنگی کا رواج عام ہو جائے تو وہ یقیناً وہ اپنے کپڑے اتار پھینکیں گے۔ اگر دنیا نجاستیں کھانے لگے تو یقیناً وہ کہیں گے کہ نجاست ہی پاکیزگی ہے۔ اور پاکیزگی تو سراسر نجاست ہے۔ ان کے دل و دماغ غلام ہیں اور غلامی ہی کے لئے وہ گھڑے گئے ہیں۔ آج فرنگیت کا غلبہ ہے۔ اس لئے اپنے باطن سے لیکر ظاہر کے ایک ایک گوشے تک وہ فرنگی بننا چاہتے ہیں۔ کل اگر حبشیوں کا غلبہ ہو جائے تو یقیناً وہ حبشی بنیں گے اپنے چہروں پر سیاہیاں پھیریں گے۔ اپنے ہونٹ موٹے کریں گے۔ اپنے بالوں میں حبشیوں کے سے گھونگر پیدا کریں گے۔ ہر اس شے کی پوجا کریں گے جو حبش سے ان کو پہونچے گی۔ ایسے غلاموں کی اسلام کو قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ بخدا اگر کروڑوں کی مردم شماری میں سے ان سب منافقوں اور غلام فطرت لوگوں کے نام کٹ جائیں اور دنیا میں صرف چند ہزار مسلمان رہ جائیں جن کی تعریف یہ ہو۔ کہ

يحبهم ويحبونه اذلة على المومنين اعزة على الكفرين يجاهدون فى سبيل الله ولا يخافون لومة لائم ○ (وہ اللہ کے محبوب ہوں اور اللہ ان کا محبوب ہو مسلمانوں کے لئے نرم اور کافروں پر سخت ہوں اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہوں اور کسی ملامت کرنے والے کا خوف انہیں نہ ہو۔)

تو اسلام اب سے بدرجہا زیادہ طاقتور ہوگا اور ان کروڑوں کا نکل جانا اس کے حق میں ایسا ہوگا جیسے کسی مریض کے جسم سے پیپ اور کچ لہو نکل جائے۔ (تنقیحات۔ صفحہ ۱۷۲) (مولانا مودودی)

مذہب گوسفنداں

"آج دین میں نئی نئی ترمیمات اور اضافے کرنے کی کوشش بھی جاری ہے اور اس کے لئے بھانت بھانت کی آوازیں سنائی جاتی ہیں۔ کبھی کہا جاتا ہے کہ اسلام میں برہمنیت نہیں ہے ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ جس چیز کو چاہے اسلام سمجھ کر قبول کرے کبھی کہا جاتا ہے کہ اس کے افراد اسلام سے کتنے ہی نابلد ہوں ان کو بھی اختیار ہے کہ اسلام کے بارے میں فیصلے کریں اور جو فیصلہ وہ کریں اسے عین اسلام تسلیم کیا جائے۔ اور یہ کہ آج زمانے کا تقاضا بھی یہ ہے کہ اسلام کو ماڈرن بنایا جائے اس لئے کہ زمانے کا رنگ یہی ہے اور ماحول کا تقاضا یہ ہے۔ یہ آج کوئی نئی آواز نہیں ہے۔ بہت پرانی آواز ہے جو منافقوں کی زبان سے بلند ہوتی رہی ہے۔ یہی آواز نفاق کی اس بیماری کا پتہ دیتی ہے جو دلوں میں چھپی ہوئی ہے۔ اسی آواز کو بلند کرنے والے ہمیشہ مخالفین اسلام کے کیمپ کی طرف لپکتے رہے ہیں۔ ہمیشہ سے انھوں نے اللہ کی قائم کی ہوئی حدوں کو پاؤں کی بیڑیاں اور گلے کا طوق ہی سمجھا ہے۔ ہمیشہ سے ان کو احکام خدا و رسولؐ کا اتباع گراں ہی گزرتا رہا ہے۔ اطاعت میں جان و مال کا زیاں اور نافرمانی میں حیاتِ دنیا کی ساری کامرانیاں ہمیشہ سے ان کو نظر آتی رہی ہیں۔ پس ان کی خاطر خدا کی شریعت کو نہ ابتدا میں بدلا گیا تھا۔ نہ اب بدلا جا سکتا ہے۔ اور نہ کبھی بدلا جائے گا۔ یہ شریعت بزدلوں اور نامردوں کے لئے نہیں اتری ہے۔ نفس کے بندوں اور دنیا کے غلاموں کے لئے نہیں اتری ہے۔ ہوا کے رخ پر اڑنے والے خس و خاشاک اور پانی کے بہاؤ پر بہنے والے حشرات الارض اور ہر رنگ میں رنگ جانے والے بے رنگوں کے لئے نہیں اتری ہے"۔

یہ شریعت ان بہادر شیروں کے لئے اتری ہے جو ہوا کا رخ بدل دینے کا عزم رکھتے ہوں جو دنیا کی روانی

سے لڑنے اور اس کے بہاؤ کے پھیر دینے کی ہمت رکھتے ہوں۔ جو صبغۃ اللہ کو دنیا کے ہر رنگ سے زیادہ محبوب رکھتے ہوں اور اسی رنگ میں تمام دنیا کو رنگ دینے کا حوصلہ رکھتے ہوں مسلمان جس کا نام ہے۔ وہ دریا کے بہاؤ پر بہنے کے لئے پیدا نہیں ہوا ہے۔ اس کی آفرینش کا مقصد ہی یہ ہے کہ زندگی کے دریا کو اس رستہ پر رواں کردے جو اس کے ایمان واعتقاد میں راہ راست اور صراط مستقیم ہے۔ اگر دریا نے اپنا رخ اس راستے سے پھیر دیا ہے تو اسلام کے دعوے میں وہ شخص جھوٹا ہے۔ جو اس بدلے ہوئے رُخ پر بہنے کے لئے راضی ہو جائے حقیقت میں جو سچا مسلمان ہے وہ اس غلط رو دریا کی رفتار سے لڑیگا۔ اس کا رخ پھیرنے کی کوشش میں اپنی پوری قوت صرف کردے گا۔ کامیابی اور ناکامی کی اس کو قطعاً پروا نہ ہوگی وہ ہر اس نقصان کو گوارا کریگا جو اس لڑائی میں پہونچے یا پہونچ سکتا ہے حتیٰ کہ اگر دریا کی روانی سے لڑتے لڑتے اس کے بازو ٹوٹ جائیں۔ اس کے جوڑ بند ڈھیلے ہو جائیں اور پانی کی موجیں اس کو نیم جاں کرکے کسی کنارے پر پھینک دیں۔ تب بھی اس کی روح ہرگز شکست نہ کھائے گی۔ ایک لمحہ کے لئے بھی اس کے دل میں اپنی اس ظاہری نامرادی پر افسوس یا دریا کی رو پر بہنے والے کافروں اور منافقوں کی کامرانیوں پر رشک کا جذبہ راہ نہ پائے گا۔"

(تنقیحات صفحہ ۱۷۳) (مولانا مودودی)

تحریک کی قوت

"اس لئے کہ قوت ڈھل جانیکا نام نہیں ڈھال دینے کا نام ہے۔ مڑ جانے کو قوت نہیں کہتے ہیں۔ موڑ دینے کو کہتے ہیں۔ دنیا میں کبھی نامردوں اور بزدلوں نے کوئی انقلاب پیدا نہیں کیا۔ جو لوگ اپنا کوئی اصول۔ کوئی مقصدِ حیات۔ کوئی نصب العین نہ رکھتے ہوں۔ جو بلند مقصد کے لئے قربانی دینے کا حوصلہ نہ رکھتے ہوں جو خطرات و مشکلات کے مقابلہ کی ہمت نہ رکھتے ہوں۔ جن کو دنیا میں محض آسائش اور سہولت ہی مطلوب ہو جو ہر سانچے میں ڈھل جانے اور ہر دباؤ سے دب جانے والے ہوں ایسے لوگوں کا کوئی قابل ذکر کارنامہ انسانی تاریخ میں نہیں پایا۔"

(تنقیحات صفحہ ۱۷۵) (مولانا مودودی)

ہمارا تعلق

"بحیثیت ایک مسلم جماعت کے ہمارا تعلق اس تحریک سے ہے جس کے لیڈر انبیاء علیہم السلام تھے۔ ہر تحریک کا ایک خاص نظام فکر اور ایک خاص طریق کار ہوتا ہے۔ اسلام کا نظام فکر اور طریق کار وہ ہے جو ہم کو انبیاء علیہم السلام کی سیرتوں میں ملتا ہے ہم خواہ کسی ملک اور کسی زمانے میں ہوں اور ہمارے گرد و پیش زندگی کے مسائل و معاملات خواہ کسی نوعیت کے ہوں۔ ہمارے لئے مقصد و نصب العین وہی ہے جو انبیاء کا تھا۔ اور اس منزل تک پہونچنے کا راستہ وہی ہے جس پر انبیاء ہر زمانے میں چلتے رہے۔" (سیاسی کشمکش حصہ ۳ صفحہ ۹۸)

ہمارا منصب

"ہمارا منصب یہ ہے کہ ہم کھڑے ہو کر تمام دنیا سے غیر اللہ کی حاکمیت مٹا دیں اور خدا کے بندوں پر خدا کے سوا کسی کی حاکمیت نہ رہنے دیں۔ یہ شیر کا منصب ہے اور اس منصب کو ادا کرنے کے لئے کسی قسم کی خارجی شرائط درکار نہیں ہیں بلکہ صرف شیر کا دل درکار ہے وہ شیر شیر نہیں جو اگر پنجرے میں بند ہو تو بکری کی طرح ممیانے لگے اور شیر وہ بھی نہیں جو بکریوں کی کثرت تعداد کو دیکھ کر یا بھیڑیوں کی چیرہ دستی دیکھ کر اپنی شیریت بھول جائے؟" (سیاسی کشمکش حصہ سوم، صفحہ ۹۹)

اسلامی تحریک کی رنگینیت

"اب ظاہر ہے کہ ایسی ایک اصولی۔ تبلیغی اور انقلابی تحریک کی رنگینیت کوئی معمولی کھیل نہیں ہے۔ یہ جان کی بازی لگا کر کھیلا جانے والا

کھیل ہو۔ بہت سے لوگ اس جماعت کی رکنیت اور عام انجمنوں اور پارٹیوں کی رکنیت کے فرق کو نہیں سمجھتے۔ انہوں نے پوری طرح محسوس نہیں کیا ہو کہ اس جماعت کی شرکت کیا معنی رکھتی ہے۔ وہ ابھی تک اس گمان میں ہیں کہ یہ بھی کوئی انجمن ہے جس میں کسی ادنیٰ وجہ کشش کی بنا پر شامل ہو جانا اور شامل ہو کر دلچسپی نہ لینا۔ اور پھر کسی چھوٹی یا بڑی وجہ ناپسندیدگی کی بنا پر الگ ہو جانا آدمی کے دین و ایمان سے کوئی علاقہ نہیں رکھتا ہے، حالانکہ فی الحقیقت اس جماعت کی نوعیت عام انجمنوں کی نوعیت سے بالکل مختلف ہے۔ یہ جماعت خالصتہً دینِ حق کی اقامت کے لئے قائم ہوئی ہے۔ اس کا نصب العین وہی ہے جو قرآن کی رو سے اسلام کا حقیقی نصب العین ہے۔ اس کے پیشِ نظر وہی کام ہے جس کے لئے انبیاء علیہم السلام دنیا میں بھیجے گئے تھے۔ اس میں داخل ہوتے وقت ہر شخص سے پورے شعور کے ساتھ وہی عہد لیا جاتا ہے جسے اللہ تعالےٰ نے اپنی کتاب میں معاملہ بیع سے تعبیر فرمایا ہے:-

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ ۔۔۔۔۔۔ ایسی جماعت میں داخل ہونے کا جو شخص ارادہ کرے۔ اسے پہلے اچھی طرح جانچ پڑتال کرکے دیکھ لینا چاہیئے کہ آیا فی الحقیقت اس کی یہی غرض اور یہی نوعیت ہے اور یہی کام اس کے پیشِ نظر ہے؟ اگر تحقیق سے اس کو ان امور پر اطمینان حاصل نہ ہو تو سرے سے جماعت کی شرکت ہی غلط ہے۔ لیکن اگر اسے اطمینان حاصل ہو جائے اور وہ یہ یقین رکھتے ہوئے داخلِ جماعت ہو کہ اس جماعت کی غرض و غایت یہی ہے جو دستور میں بیان کی گئی ہے اور اس یقین کی بنا پر وہ اللہ سے خوب سوچ سمجھ کر بیع کا معاہدہ کرے تو اس کے بعد آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ ایسی شرکت اور ایسے معاملہ بیع کی یہ حیثیت ہرگز نہیں ہو سکتی کہ ایک کوٹ ہے جسے جب چاہا پہنا اور جب چاہا اُتار دیا۔ ادھر قدم بڑھانے سے پہلے اپنی واپسی کی کشتیاں جلا دیجئے۔ یہ سمجھتے ہوئے آگے بڑھئے کہ اب پلٹ کر جانے کے لئے کوئی جگہ آپ کے لئے نہیں ہے۔ خدا سے عہد باندھنے کے بعد جس جان و مال کو آپ بیچ چکے ہیں اسے اب آپ واپس نہیں لے سکتے ہیں۔ اس معاہدہ کے ساتھ ہی آپ سر دھڑ کی بازی لگا چکے ہیں۔ اب آپ کو جان لڑا کر یہ کام کرنا ہے خود اس راہ پر چلنا ہے۔ اور دوسروں کو چلانا ہے۔ کوئی خرابی رونما ہوتی نظر آئے تو بھاگنے کی فکر نہ کیجئے بلکہ کم از کم اسی جذبے کے ساتھ اسے دور کرنے کی فکر کیجئے جس طرح آپ کے گھر میں آگ لگ جائے تو اسے بجھانے کی کریں گے۔ آگے والا اگر نہ چلے تو پیچھے سے سرک نہ جائیے بلکہ یا تو اسے چلنے پر مجبور کیجئے یا اسے ہٹا کر پھینک دیجئے اور خود آگے بڑھئے۔ یہاں اگر آپ اس کام میں دلچسپی نہ لیں گے۔ یا وقت مال۔ محنت۔ دل و دماغ اور جسم و جان کی قوتیں صرف کرنے سے جی چرائیں گے یا دوسرے کاموں کو اس کام پر مقدم رکھیں گے تو اپنے خدا سے بے وفائی کریں گے۔ آپ کا عہد کسی انسان سے نہیں۔ خدا سے ہے۔ شرکت کے وقت جو آپ نے عہد کیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی آپ اپنا سب کچھ اور خود اپنے آپ کو خدا کے ہاتھ بیچ چکے ہیں۔ اب آپ کی ہر چیز پر پہلا اور مقدم حق خدا اور اس کے کام کا ہے۔ باقی تمام چیزیں اس سے مؤخر ہیں۔　　(روداد حصہ دوم صفحہ ۱۱-۱۲)

اس راہ کا ابتدائی قدم

"محض دماغی طور پر کسی شخص کا اس تحریک کو سمجھ لینا اور اس پر صرف عقلاً مطمئن ہو جانا تو اس راہ کا محض ابتدائی قدم ہے۔ اس تاثر سے کام نہیں چل سکتا یہاں تو اس کی ضرورت ہے کہ دل میں ایک آگ بھڑک اٹھے زیادہ نہیں تو کم از کم اتنی آگ تو شعلہ زن ہو جانی چاہیئے جتنی اپنے بچے کو بیمار دیکھ کر ہو جاتی ہے اور آپ کو کھینچ کر ڈاکٹر کے پاس لے جاتی ہے۔ یا اتنی جتنی گھر میں غلہ نہ پاکر بھڑکتی ہے

اور آدمی کو تنگ ودو پر مجبور کردیتی ہے اور چین سے نہیں بیٹھنے دیتی۔ سینوں میں وہ جذبہ ہونا چاہیئے جو ہر وقت آپ کو اپنے نصب العین کی دُھن میں لگائے رکھے دل ودماغ کو یکسو کردے اور توجہات کو اس کام پر ایسا مرکوز کردے کہ اگر ذاتی یا خانگی یا دوسرے غیر متعلق معاملات کبھی آپ کی توجہ کو اپنی طرف کھینچیں بھی تو آپ سخت ناگواری کے ساتھ ان کی طرف کھینچیں۔ کوشش کیجیئے کہ اپنی ذات کے لئے آپ قوت اور وقت کا کم سے کم حصہ صرف کریں اور آپ کی زیادہ سے زیادہ جدوجہد اپنے مقصد حیات کے لئے ہو۔ جب تک یہ دل کی لگن نہ ہوگی اور آپ ہمہ تن اپنے آپ کو اس کام میں جھونک نہ دیں گے محض زبانی جمع خرچ سے کچھ نہ بنے گا۔"

بہت بڑا دعویٰ

"جماعت کے ارکان کو سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ ایک بہت بڑا دعویٰ لیکر بہت بڑے کام کے لئے اُٹھ رہے ہیں۔ اگر ان کی سیرتیں ان کے دعوے کی نسبت سے اس قدر پست ہوں کہ نمایاں طور پر ان کی پستی محسوس ہوتی ہو۔ تو وہ اپنے آپ کو اور اپنے دعوے کو مضحکہ بنا کر رکھدیں گے اس لئے ہر شخص کو جو اس جماعت میں شامل ہو اپنی دہری ذمہ داری محسوس کرنی چاہیئے۔ خدا کے سامنے تو وہ بہرحال ذمہ دار ہے ہی مگر خلق خدا کے سامنے بھی اس کی ذمہ داری بہت سخت ہے۔ جس بستی میں بھی آپ لوگ موجود ہیں وہاں عام آبادی سے آپ کے اخلاق بلند تر ہونے چاہئیں بلکہ آپ کو بلندیِ اخلاق، پاکیزگیِ سیرت اور دیانت وامانت میں ضرب المثل بن جانا چاہیئے آپ کی ایک معمولی لغزش نہ صرف جماعت کے دامن پر بلکہ اسلام کے دامن پر دھبہ لائے گی اور بہت سے لوگوں کے لئے سبب گمراہی بن جائے گی۔"

ذمہ داریاں اور نظم جماعت

"ہمارے ہاں جماعت کی شرکت میں تو کوئی دشواری نہیں ہے مگر شرکتِ جماعت سے ذمہ داریوں کا جو بارِ گراں اٹھانا پڑتا ہے۔ اس کے وزن کو آگے بڑھنے سے قبل محسوس کرلینا چاہیئے۔ رکنیت کی ذمہ داریوں کا صحیح صحیح اندازہ کئے بغیر جو لوگ ہماری طرف بڑھ آتے ہیں۔ وہ نصب العین میں متحد ہونے کے باوجود زیادہ دیر تک ہمارا ساتھ نہیں دے سکتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابتداءً طریق کار کے اختلاف پر گہری نظر نہیں ہوتی لیکن جوں جوں وقت گزرتا جاتا ہے یہ اختلاف ابھرنے لگتا ہے اور لوگ اپنے اپنے پسندیدہ طریقِ کار کی محبت کے جوش میں آکر نظم جماعت کی خلاف ورزی کر بیٹھتے ہیں۔ اور بسا اوقات نصب العین تک سے غافل ہوجاتے ہیں۔ اگر آپ حضرات نے بہت اچھی طرح سے ہمارے طریق کار کو سمجھ لیا ہے اور اس کے ساتھ دوسرے طریقہائے کار اور ہمارے طریق کار کا فرق ذہن نشین ہوگیا ہو نیز آپ برضا ورغبت دوسرے طریقوں کو چھوڑ کر ہمارا طریقہ کار اختیار کرنے پر آمادہ ہوں تو آئیے بسم اللہ ورنہ جلدی نہ کیجئے ہمارے لٹریچر کا بغور مطالعہ کرتے رہیئے اور ہمارے کام کو مزید کچھ عرصہ دیکھ کر آخری رائے قائم کیجئے۔"

کرنے کا کام

"جماعت اسلامی کے کرنے کا جو کام ہے اس کا کوئی محدود تصور اپنے ذہن میں نہ رکھئے۔ دراصل اس کے کرنے کے کام کا کوئی ایک ہی میدان نہیں ہے۔ بلکہ پوری انسانی زندگی اپنی تمام وسعتوں کے ساتھ اس کے دائرۂ عمل میں آتی ہیں۔ اسلام تمام انسانوں کے لئے ہے۔ اور ہر چیز جس کا انسان سے کوئی تعلق ہے۔ اس کا اسلام سے بھی تعلق ہے لہذا اسلامی تحریک ایک ہمہ گیر نوعیت کی تحریک

ہے۔ اور یہ خیال کرنا غلط ہے کہ اس تحریک میں کام کرنے کے لئے صرف خاص قابلیتوں اور خاص علمی معیار کے آدمیوں ہی کی ضرورت ہے، نہیں یہاں ہر انسان کے لئے کام موجود ہے۔ کوئی انسان بیکار نہیں ہے۔ جو شخص جو بھی قابلیت رکھتا ہو اس کے لحاظ سے وہ اسلام کی خدمت میں اپنا حصہ ادا کر سکتا ہے۔ عورت۔ مرد۔ بوڑھا۔ جوان۔ دیہاتی۔ شہری۔ کسان۔ مزدور۔ تاجر۔ ملازم۔ مقرر۔ محرر۔ ادیب۔ ان پڑھ اور فاضلِ اَجل۔ سب یکساں ہیں۔ بشرطیکہ وہ جان بوجھ کر اسلام کے عقیدے کو اختیار کر لیں اور اس کے مطابق عمل کرنے کا فیصلہ کر لیں اور اس مقصد کو جسے اسلام نے مسلمان کا نصب العین قرار دیا ہے۔ اپنی زندگی کا مقصد بنا کر کام کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔"

میدان جنگ سے فرار کی حیثیت

"یہ بات ہر اس شخص کو جو جماعتِ اسلامی میں آئے اچھی طرح سمجھ لینی چاہیئے کہ جو کام اس جماعت کے پیشِ نظر ہے وہ کوئی ہلکا اور آسان کام نہیں ہے۔ اسے دنیا کے پورے نظام زندگی کو بدلنا ہے۔ اسے دنیا کے اخلاق سیاست تمدن، معیشت، معاشرت ہر چیز کو بدل ڈالنا ہے۔ دنیا میں جو نظامِ حیات خدا سے بغاوت پر قائم ہے اسے بدل کر خدا کی اطاعت پر قائم کرنا ہے۔ اور اس کام میں تمام شیطانی طاقتوں سے اس کی جنگ ہے۔ اس کو اگر کوئی ہلکا کام سمجھ کر آئے گا تو بہت جلدی مشکلات کے پہاڑ اپنے سامنے دیکھ کر اس کی ہمت ٹوٹ جائے گی۔ اس لئے ہر شخص کو قدم آگے بڑھانے سے پہلے خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ کس خارزار میں قدم رکھ رہا ہے۔ یہ وہ راستہ نہیں ہے جس میں آگے بڑھنا اور پیچھے ہٹنا دونوں یکساں ہوں۔ نہیں۔ یہاں پیچھے ہٹنے کے معنی ارتداد کے ہیں اس کا یہ مطلب نہیں ہے۔ کہ اس جماعت سے نکلنا ارتداد کا ہم معنی ہے بلکہ اصل مطلب یہ ہے کہ خدا کے راستے میں پیش قدمی کرنے کے بعد مشکلات، مصائب، نقصانات اور خطرات کو سامنے دیکھ کر پیچھے ہٹ جانا اپنی روح اور اپنی حقیقت کے اعتبار سے ارتداد ہے ——— لہٰذا قدم اٹھانے سے پہلے خوب سوچ لیجئے جو قدم بڑھائیں اس عزم کے ساتھ بڑھائیں کہ اب یہ قدم پیچھے نہیں پڑے گا جو شخص اپنے اندر ذرا بھی کمزوری محسوس کرتا ہو بہتر ہے کہ وہ اسی وقت رک جائے۔ (روداد حصہ اول ۷-۸)

ایک اور قربانی

"پھر جماعتی زندگی میں ایک اور قربانی بھی دینی پڑتی ہے۔ وہ آزادئ رائے کی حد بندی ہے۔ اس کے لئے بہرحال کچھ حدود متعین ہو جاتی ہیں۔ جماعتی زندگی نظم اور ڈسپلن کا نام ہے اور اس نظم کو قائم رکھنے کے لئے جماعت کے تمام افراد کو اپنی ذاتی خواہشوں اور انفرادی رایوں کی قربانی کرنی پڑتی ہے۔ اس زندگی میں کسر و انکسار ضروری ہے۔ عام افراد بکھری ہوئی اینٹوں کی مانند ہیں۔ ان کو ایک عمارت کی صورت اختیار کرنے کے لئے لازماً اس بات پر آمادہ ہونا پڑتا ہے کہ تھوڑا سا زخم گوارا کریں اگر ہر اینٹ اس بات پر اصرار کرے کہ وہ کوئی زخم گوارا نہ کرے گی تو عمارت نہیں بن سکے گی۔ اسی طرح اگر آپ میں سے ہر فرد اپنی رائے پر اصرار کرنے اور اپنی آزادی میں کسی قسم کی مداخلت نہ گوارا کرے تو جماعت نہیں بن سکتی اور اگر بن جائے تو قائم نہیں رہ سکتی یہ نہیں خیال کرنا چاہیئے کہ جماعتی زندگی آزادئ رائے کو برباد کرنے والی چیز ہے بے شک اس کے لئے آدمی کو اپنی آزادی کا ایک حصہ قربان کرنا پڑتا ہے۔ لیکن اس تھوڑے حصہ کو قربان کر کے آدمی اپنی پوری آزادی کو محفوظ کر لیتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص اس تھوڑی قربانی پر آمادہ نہیں ہوتا تو اسے اپنی پوری آزادی کھونی پڑتی ہے جس طرح ایک خزانہ کا مالک اگر اپنے خزانہ کا

کچھ حصہ پہریداروں اور پاسبانوں کی نذر کرے تو اس کا پورا خزانہ خطرے میں رہتا ہے۔ اسی طرح افراد کی پوری آزادی خطرے میں ہے اگر وہ جماعت کے حق میں اپنی آزادی رائے کو ایک حد تک قربان کرنے پر آمادہ نہ ہوں۔ (سیاسی کشمکش حصہ سوم صفحہ ۷۰)

آج کا سب سے بڑا پیچیدہ مسئلہ

"آج جن حالات میں ہم کام کرنے اُٹھے ہیں یہ حالات اپنی نوعیت کے لحاظ سے بڑے خطرناک اور پیچیدہ ہیں۔ اس وقت سب سے بڑا پیچیدہ مسئلہ وہ عوام ہیں جو کروڑوں کی تعداد میں ہزاروں مربع میل وسیع رقبہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کے پاس صرف اسلام کا نام باقی ہے جس سے ان کو غیر معمولی محبّت ہے۔ نہ علمی حیثیت سے یہ غریب اس چیز سے واقف ہیں جس پر یہ اس طرح جان دے رہے ہیں اور نہ عملی حیثیت سے کوئی ایسا نظامِ زندگی موجود ہے۔ جو انہیں غیر اسلامی اثرات سے محفوظ رکھ سکے۔ ان کی جہالت سے فائدہ اٹھا کر ہر گمراہ کرنے والا ان کے عقائد کو اور انکی زندگی کو اسلام کی صراطِ مستقیم سے ہٹا سکتا ہے۔ بس انہیں یہ اطمینان دلانا کافی ہے کہ یہ ضلالت جو ان کے سامنے پیش کی جا رہی ہے یہی عین ہدایت ہے۔ یا کم از کم اسلام کے خلاف نہیں ہے۔ اس کے بعد آپ جس راستے پر چاہیں انھیں بھٹکالے جا سکتے ہیں۔ خواہ وہ قادیانیت کا راستہ ہو۔ یا اشتراکیت کا۔ یا فسطائیت کا۔ خصوصاً اس صورت میں جبکہ ان کے روز افزوں افلاس یا انکی ہولناک خستہ حالی نے جو مسائل پیدا کر دیئے ہیں ان کو موجودہ بے نظمی کی حالت میں اصول اسلام کے مطابق حل کرنے کی کوئی کوشش بھی نہ ہو رہی ہو۔"

(تنقیحات ۲۰۱)

ایک اطمینان بخش حقیقت

"اگرچہ یہ ایک اطمینان بخش بات ہے کہ ہمارے عوام فرنگیت اور ملحدانہ بغاوت کی زد سے محفوظ ہیں۔ ابھی تک ان کے دلوں میں خدا اور رسولؐ کے احکام کا احترام باقی ہے۔ اور قوانین اسلامی کی پابندی تھوڑی بہت انھی میں نظر آتی ہے۔ لیکن خواص کی روش جس طرح پہلے ان کے اخلاق اور معاملات پر اثر انداز ہو چکی ہے۔ اسی طرح اندیشہ ہے کہ یہ نئی روش کہیں ان کے ایمان پر بھی رفتہ رفتہ اپنا مہلک اثر نہ ڈال دے۔ عامۃ المسلمین میں جس رفتار کے ساتھ ترکِ صوم وصلوٰۃ، منکرات و منہیات کا ارتکاب، فرنگی اطوار کی تقلید کا شوق اور فرنگی تہذیب کو خوشنما بنا کر دکھانے والے کھیل تماشوں کی طرف میلان بڑھ رہا ہے۔ وہ در اصل اس آنے والے خطرے کا الارم ہے۔ اگر ہمارے مترفین کے خیالات کی اصلاح نہ ہوئی اور اسلام کی صراطِ مستقیم سے ان کا انحراف اسی طرح جاری رہا تو وہ دن دُور نہیں جب ساری قوم اس ضلالت میں مبتلا ہو جائیگی اور اللہ کی یہ سنّت پُوری ہو کر رہے گی۔"

(تنقیحات صفحہ ۱۳۲ - از مولانا مودودی)

علماء اور مشائخ کا فرض

"ایسے حالات میں قوم کے علماء اور مشائخ پر سب سے بڑی ذمہ داری ہے کہ وہ صرف اپنے اعمال کے جواب دہ نہیں بلکہ پُوری قوم کی جوابدہی بھی ایک بڑی حد تک ان پر عائد ہوتی ہے۔ ظالم جفاکار اور عیش پرست اُمراء، اور ایسے اُمراء کی خوشامدیں کرنے والے علماء، اور مشائخ کا تو خیر کہنا ہی کیا۔ ان کا جو حشر خدا کے یہاں ہوگا اس کے ذکر کی حاجت نہیں لیکن جو اُمراء اور علماء و مشائخ اپنے محلوں اور گھروں میں اور اپنی خانقاہوں میں بیٹھے ہوئے زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت کی داد دے رہے ہیں وہ بھی خدا کے ہاں جوابدہی سے بچ نہیں سکتے۔ کیونکہ جب ان کی قوم پر ہر طرف سے گمراہی

اور بداخلاقی کے طوفان اُمڈے چلے آرہے ہوں تو ان کا کام یہ نہیں ہے کہ گوشوں میں سر جھکائے بیٹھے رہیں۔ بلکہ ان کا کام یہ ہے کہ مردِ میدان بن کر نکلیں اور جو کچھ زور اور اثر اللہ نے ان کو دیا ہے۔ اس کو کام میں لاکر اس طوفان کا مقابلہ کریں۔ طوفان کو دُور کرنے کی ذمہ داری بلاشبہ ان پر نہیں۔ مگر اس کے مقابلہ میں اپنی پوری امکانی قوت صرف کر دینے کی ذمہ داری تو یقیناً ان پر ہے۔ اگر وہ اس میں دریغ کریں گے تو ان کی عبادت وریاضت اور شخصی پرہیزگاری ان کو یوم الفصل کی جوابدہی سے بری نہ کر دیگی۔ آپ محکمۂ صفائی کے اس افسر کو کبھی بری الذمہ قرار نہیں دے سکتے۔ جس کا حال یہ ہو کہ شہر میں وبا پھیل رہی ہو۔ اور ہزاروں آدمی ہلاک ہو رہے ہوں مگر وہ اپنے گھر میں بیٹھا خود اپنی اور اپنے بال بچوں کی جان بچانے کی تدبیر کر رہا ہو، عام شہری اگر ایسا کریں تو چنداں قابلِ اعتراض نہیں۔ لیکن محکمۂ صفائی کا افسر ایسا کرے تو اس کے مجرم ہونے میں شک نہیں کیا جاسکتا۔" (تنقیحات۔ صفحہ ۱۴۱)

ناقابلِ برداشت جرم

"بلاشبہ وہ دور نمرود کی ملوکیت کا ہو یا چرچل و آئزن ہاور کی جمہوریت کا لیکن جب ایک بندۂ حق یہ آواز لیکر اُٹھے کہ میرا کوئی بادشاہ یا فرماں روا نہیں ہے، کوئی حکومت میں تسلیم نہیں کرتا۔ کسی قانون کو میں نہیں مانتا کسی عدالت کے حدود و اختیارات —— (Jurisdiction) مجھ تک نہیں پہونچتے کسی کا حکم میرے لئے حکم نہیں ہے کوئی رواج اور کوئی رسم مجھے تسلیم نہیں، کسی کے امتیازی حقوق، کسی کی ریاست، کسی کا تقدس، کسی کے اختیارات میں نہیں مانتا، ایک اللہ کے سوا میں سب سے باغی ہوں اور سب سے منحرف ہوں، تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس صدا کو کہیں بھی ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہیں کیا جاسکتا۔ آپ خواہ کسی سے لڑنے جائیں یا نہ جائیں دنیا خود آپ سے لڑنے آجائے گی۔ یہ آواز بلند کرتے ہی آپ کو خود محسوس ہوگا کہ یکایک زمین و آسمان آپ کے دشمن ہوگئے ہیں اور ہر طرف آپ کے لئے سانپ، بچھو اور درندے ہی درندے ہیں۔" (سیاسی کشمکش (۳) صفحہ ۱۷۵-۱۷۶)

یہی وجہ ہے کہ تحریک اسلامی کا راستہ کانٹوں سے بھرپور اور مصائب سے معمور ہے۔ چنانچہ جس کی یہ راہ ہے اس نے خود اپنے کلام پاک میں فرما دیا:—

"کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ محض یہ کہکر کہ "ہم ایمان لائے" چھوڑ دیئے جائیں گے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا؟

(العنکبوت)

"حالانکہ اس سے پہلے بھی جس نے ایمان کا دعویٰ کیا اس کو ہم نے آزمایا ہے پس ضرور ہے کہ اللہ دیکھے ایمان کے دعوے میں سچے کون ہیں اور جھوٹے کون

(العنکبوت)

"کیا تم نے یہی سمجھ لیا ہے کہ تم یونہی چھوڑ دیئے جاؤگے حالانکہ ابھی اللہ نے یہ نہیں دیکھا ہے کہ تم میں سے کون ہیں جنھوں نے جہاد کیا اور کون ہیں جنھوں نے اللہ

اور رسولؐ اور مومنوں کو چھوڑ کر دوسروں سے اندرونی
تعلق نہیں رکھا " (التوبہ)

جوہرِ خالص کی ضرورت

" اس لئے کہ اسلام کو تانبے کے ان سکوں کا خزانہ مطلوب نہیں جن پر اشرفی کا ٹھپّہ لگایا گیا ہو۔ وہ سکّہ کے نقوش دیکھنے سے پہلے یہ دریافت کرتا ہے کہ ان نقوش کے نیچے خالص سونے کا جوہر بھی ہے یا نہیں۔ ایسا ایک سکّہ ان جعلی اشرفیوں کے ڈھیر سے اس کے نزدیک زیادہ قیمتی ہے۔

جو لوگ ٹھنڈے ٹھنڈے طریقے سے ہنستے کھیلتے منزلِ مقصود تک پہونچ جانے کا تصوّر لئے بیٹھے ہوں اور ایسی کسی کھکھیڑ سے دوچار ہونے کے لئے تیار نہ ہوں جو انہیں مشقت میں ڈالے انہیں معلوم ہو کہ دینِ حق کو جب بھی قایم کرنے کی کوشش کی جائے گی کوئی نہ کوئی دینِ باطل قوت اور زور کے ساتھ قایم شدہ تو پہلے سے موجود ہوگا ہی۔ طاقت بھی اس کے پاس ہوگی۔ رزق کے خزانے بھی اسی کے قبضے میں ہوں گے۔ اور زندگی کے سارے میدان پر بھی وہی مسلّط ہوگا۔ ایسے ایک قائم شدہ دین کی جگہ دوسرے دین کو قائم کرنے کا معاملہ بہرحال پھولوں کی سیج نہیں ہوسکتا آرام اور سہولت کے ساتھ میٹھے میٹھے قدم چل کر یہ کام کبھی نہ ہوا نہ ہوسکتا ہے، کوئی چاہے کہ جو کچھ فائدے دینِ باطل کے ماتحت زندگی بسر کرتے ہوئے حاصل ہوتے رہیں، یہ بھی ہاتھ سے نہ جائیں اور دینِ حق بھی قائم ہوجائے تو یہ قطعاً محال ہے۔ یہ کام تو جب بھی ہوگا اسی طرح ہوگا کہ آپ ان تمام حقوق کو۔ ان تمام فائدوں کو اور ان تمام آسائشوں کو لات مارنے کے لئے تیار ہوجائیں جو دینِ باطل کے ماتحت آپ کو حاصل ہوں اور جو نقصان بھی اس مجاہدے میں پہونچ سکتا ہے۔ اس کو ہمّت کے ساتھ انگیز کرلیں، جن لوگوں میں یہ کھکھیڑ اٹھانے کی ہمّت ہو۔ اللہ کی راہ میں قدم بڑھانا اقامتِ دینِ الٰہی کا کام ہے اور ایسے لوگ ہمیشہ کم ہی ہوا کرتے ہیں، رہے وہ لوگ جو دینِ حق کی پیروی تو کرنا چاہتے ہیں مگر آرام کے ساتھ۔ ان کے لئے بڑھ بڑھ کر بولنا مناسب نہیں، ان کا کام تو یہی ہو کہ آرام سے بیٹھے ہوئے اپنے نفس کی خدمت کرتے رہیں۔ اور جب خدا کی راہ میں مصیبتیں اُٹھانے والے آخر کار اپنی قربانیوں سے دینِ حق کو قائم کردیں تو وہ آکر کہیں۔ اِنَّا کُنَّا مَعَکُمْ ہم بھی تمھاری ہی جماعت کے آدمی ہیں۔ ہمیں بھی اپنی سرفرازیوں میں سے حصّہ دو۔" (خطبات)

" تحریک اسلامی کی راہ میں جو مشکلات آتی ہیں ان کے لئے تیار کرتے ہوئے حضرت عیسیٰؑ نے جو ہدایات اپنے پیرووں کو دیں وہ جو اس راہ کا بہترین توشہ ہیں ——— فرمایا:-

" یہ نہ سمجھو کہ میں زمین پر اصلاح کرانے آیا ہوں بلکہ تلوار چلانے آیا ہوں میں اس لئے آیا ہوں کہ آدمی کو اس کے باپ سے اور بیٹی کو اس کی ماں سے اور بہو کو اس کی ساس سے جدا کردوں۔ اور آدمی کے دشمن اس کے گھر ہی کے لوگ ہوں گے جو کوئی باپ ماں کو مجھ سے زیادہ عزیز رکھتا ہے وہ میرے لائق نہیں اور جو کوئی ۴۴ میرے سبب اپنی جان کھوتا ہے اسے بچائے گا "

(متی ۱۰ : ۳۴ - ۳۹)

پھر فرمایا :-

"بھائی کو بھائی قتل کے لئے حوالے کرے گا اور بیٹے کو باپ اور بیٹے اپنے ماں باپ کے خلاف کھڑے ہو کر انہیں مروا ڈالیں گے۔ اور میرے نام کے باعث سب لوگ تم سے عداوت کریں گے مگر جو آخر تک برداشت کرے گا وہی نجات پائے گا۔"

(متی ۱۰ : ۲۱-۲۲)

"دیکھو میں تمہیں بھیجتا ہوں گویا بھیڑوں کے بیچ میں۔ ۔ ۔ ۔ آدمیوں سے خبردار رہو کیونکہ وہ تمہیں عدالتوں کے حوالے کردیں گے اور اپنے عبادت خانوں میں تمہارے کوڑے ماریں گے اور تم میرے سبب حاکموں اور بادشاہوں کے سامنے حاضر کئے جاؤ گے۔"

(متی ۱۰ : ۱۶ - ۱۸)

انفاق فی سبیل اللہ کے بارے میں فرمایا :-

"اپنے واسطے زمین پر مال جمع نہ کرو جہاں کیڑا اور زنگ خراب کرتا ہے اور جہاں چور نقب لگاتے ہیں اور چراتے ہیں بلکہ اپنے لئے آسمانوں پر مال جمع کرو۔" (متی ۶ : ۱۹-۲۰)

اللہ کی رزاقی اور اس پر توکل کا سبق دیتے ہوئے فرمایا :-

"اپنی جان کی فکر نہ کرو کہ ہم کیا کھائیں گے یا کیا پئیں گے۔ اور نہ بدن کی کہ کیا پہنیں گے۔ ۔ ۔ ہوا کے پرندوں کو دیکھو کہ نہ بوتے ہیں، نہ کاٹتے ہیں نہ کوٹھیوں میں جمع کرتے ہیں پھر بھی تمہارا آسمانی باپ ان کو کھلاتا ہے۔ کیا تم ان سے زیادہ قدر نہیں رکھتے؟ تم میں کون ہے جو فکر کرکے اپنی عمر میں ایک گھڑی بھی بڑھا سکے؟ اور پوشاک کے لئے کیوں فکر کرتے ہو؟ جنگلی سوسن کے درختوں کو دیکھو کہ وہ کس طرح بڑھتے ہیں۔ وہ نہ محنت کرتے ہیں اور نہ کاتتے ہیں۔ پھر بھی تم سے کہتا ہوں کہ سلیمانؑ بھی باوجود اپنی شان و شوکت کے ان میں سے کسی کے مانند پوشاک پہنے ہوئے نہ تھا۔ پس جب خدا میدان کی گھاس کو جو آج ہے اور کل تنور میں جھونکی جائے گی ایسی پوشاک پہناتا ہے تو اے کم اعتقادو! تم کو کیوں نہ پہنائے گا۔ تم اس کی بادشاہت اور اس کی رضامندی

کی تلاش کرو تو یہ سب چیزیں بھی تمہیں مل جائیں گی۔
(متی ۶ : ۲۴ - ۳۳)

قرآن میں فرمایا گیا :-

"ہم ضرور تم کو خطرات اور فاقوں سے اور جان و مال اور کمائیوں کے نقصانات سے آزمائیں گے۔ اور کامیابی کی بشارت دے دو ان مستقل مزاج لوگوں کو جنھوں نے ہر مصیبت کی کی آمد پر کہا کہ ہم اللہ ہی کے ہیں اور آخر اُسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔ ایسے لوگوں پر ان کے رب کی طرف سے مہربانیاں ہیں اور رحمت ہے اور یہی لوگ راہ راست پانے والے ہیں۔ (بقرہ)

اُصول پرستی کا تقاضا

"تحریک بہرحال ایک بے لاگ اصول پرستی کا کام ہے اور جہاں اصول پرستی ہو، وہاں بے اصولوں سے ٹکراؤ یقینی ہے۔

حضورؐ نے فرمایا :——"جنت ناگوار شدائد سے گھیر دی گئی ہے"——ہمیں لامحالہ جان و مال کی بازی کھیلنی پڑے گی۔ اس طرح کی (Easy going) سہل پسند" قسم کی زندگی صرف ایک شکل میں اختیار کی جا سکتی ہے کہ آدمی کا کوئی اصول نہ ہو۔ لیکن جب کوئی اصول اختیار کیا جائے گا تو زندگی کی راہ کانٹوں سے بھر جائے گی یا تو ہر تیز رو کے پیچھے بھاگئے یا ایک اصول اختیار کرنے کے بعد اس کے لئے تن من اور دھن کی قربانی کیجئے دو دو مل کر چار ہوتے ہیں اگر آپ اتنی سی بھی بات مان لیتے ہیں تو حساب درست کرنے کے لئے راتوں کو کتنی نیند خراب کرنی پڑتی ہے۔ اور کتنا تیل جلانا پڑتا ہے۔ لیکن اگر آپ کا یہ خیال ہو کہ دو اور دو مل کر چار بھی ہوتے ہیں اور چھ بھی آٹھ بھی ہوتے ہیں اور سولہ بھی تو پھر دوسری کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ غور تو کیجئے جب مسلمان اتنے مُسلّمات مانتا ہے تو اسے کتنا خون جلانا پڑے گا۔

اس راہ میں یہی کافی نہیں ہے کہ مخالفتوں سے مرعوبیت کم ہو جائے یہ تو اس راہ کا پہلا مطالبہ ہے۔ اس کے بغیر تو آپ اس راستے میں ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتے۔ اس راہ کا اصل مطالبہ اس سے بہت زیادہ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہم میں مخالفتوں کے خیر مقدم کرنے کا جذبہ پیدا ہو جائے۔ - - - جس طرح ریاضی کا ایک طالب علم کسی مشکل سوال سے خوش ہوتا ہے۔ کہ اس کو اپنی جودتِ طبع کے آزمانے کا ایک اور موقع ہاتھ آیا ہے۔ اس طرح ایک صادق العزم مومن کو کسی نئی آزمائش سے مقابلہ کر کے خوشی ہوتی ہے۔ کہ اس کو حق کے ساتھ اپنی وفاداری کے ثبوت دینے کا ایک اور موقع بہم پہنچا۔ ٹمٹماتے ہوئے دیئے بے شک ہوا کے جھونکے سے گل ہو جاتے ہیں۔ لیکن بھڑکتے ہوئے تنور کو ہواؤں کے جھونکے اور زیادہ بھڑکا دیتے ہیں۔ آپ اپنے اندر یہ صلاحیت پیدا کیجئے کہ جس طرح ایک بھڑکتا ہوا تنور گیلی لکڑیوں سے بجھنے کے بجائے ان کو اپنی غذا بنا لیتا ہے۔ اس طرح آپ مخالفتوں سے دبنے کی بجائے ان سے غذا اور قوت حاصل کریں"

(دعوت اسلامی کے مطالبات - مولانا اصلاحی)

10335

شہادت گہہِ الفت

"پھر اس راہ میں جب ہم نے قدم اٹھایا ہے تو یہ کام تو بہر حال ہمیں کرنا ہی ہے آج حالات ناساعد ہیں تو ہوا کریں دنیا میں کب حق کا خیر مقدم کیا گیا ہے؟ کب ایسا ہوا ہے کہ اہلِ حق چلے ہوں اور چوبداروں نے ان کے آگے "ہٹو بچو" کی صدائیں بلند کی ہوں۔ حق کی راہ میں طائف اور غارِ ثور، خندق اور احزاب کا ہونا ضروری ہے۔ حق کی خاطر رسولؐ کے راستے میں کانٹے بچھائے گئے۔ دندان مبارک شہید کئے گئے۔ سر پر اوجھ ڈالی گئی۔ ہر طرح کی اذیت پہونچائی گئی۔ بدقسمت ہیں ہمارے وجود اگر ہماری ایک ہڈی بھی نہ ٹوٹے" (دعوت کے تقاضے مولانا اصلاحی)

دعوت کے متفقین

"میں اپنے ان دوستوں سے بھی عرض کروں گا جو اس مقصد سے اتفاق رکھتے ہیں لیکن ان کا اتفاق زبانی حدود سے عمل کی دنیا میں ابھی تک نہیں آیا کہ اگر کرنے کا کام یہی ہے تو پھر اس کے کرنے کا وقت کب آئے گا؟ کیا اس وقت کے حالات آپ کو عمل پر ابھارنے کے لئے کافی نہیں ہیں؟ کیا ہر سو پھیلی ہوئی تاریکی آپ کو دعوت ضیاء پاشی نہیں دیتی؟ کیا گمراہی کا شدید تسلّط آپ کے احساسِ ذمہ داری کو بیدار نہیں کرتا؟ کیا آپ اس وقت کام کا حوصلہ فرمائیں گے جب کام کا زمانہ ختم ہو جائے گا؟ کیا آپ کی حق پرستی اس وقت جوش میں آئے گی، جب باطل کا تسلّط مکمل ہو جائے گا۔ کیا آپ اپنی اور دنیا کی اصلاح کی فکر اس وقت فرمائیں گے جب دنیا تباہی کی نذر ہو چکی ہوگی اور اس کے ساتھ آپ بھی؟ کیا آپ کو اس کا اندیشہ نہیں کہ آپکی سہل انگاری کہیں آپکی مہلتِ عمل اور مہلتِ عمر کو ہمیشہ کے لئے ختم نہ کردے؟ برائے خدا سوچئے کہ آپ کا یہ رویہ کہاں تک آپ کے لئے صحیح ہے۔ اور آپ ہاتھ پر ہاتھ دھرے آخر کس دن کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔ براہ کرم تحریک کو پھر سمجھئے اس کی ذمہ داریوں کو اچھی طرح ذہن نشین کیجئے۔ کتاب و سنت کا گہرا مطالعہ کیجئے اور ان سے اسلام و ایمان کے تقاضوں کو معلوم کیجئے۔ اور اپنے عزم اور ایمان کو مستحکم کرکے اقامتِ دین کے کام میں ذمّہ داری اور فدا کاری سے لگ جائیے" (روداد۔ رام پور۔ مولانا حامد علی)

زمانہ دراز کے بعد پھر ایک قافلۂ حق مرتب ہوا ہے اور اپنی منزل کی طرف چل پڑا ہے۔ اللہ کے کچھ بندے اقامتِ دین کے لئے سَر دھڑ کی بازی لگا کر اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ اور انھوں نے اپنے رَبّ سے عہد کر لیا ہے کہ وہ سب سے پہلے اپنے ملک میں کفر کے قدم جمنے نہ دیں گے اور جس کو کفر کی پاسبانی کا فریضہ انجام دینا ہوگا اسے ان راہیانِ حق کی لاشوں پر سے گزر کر جانا ہوگا—" اگر نیتوں میں خلوص ہے۔ تو جس وقت شیطان اپنی فوج لیکر نکلے گا تو ہم اس مبارک ذات کے اُسوہ کی پیروی کریں گے۔ جس نے ہزاروں غرق آہن جنگجوؤں کے سامنے تین سو تیرہ بے سروسامان لاکھڑے کئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں کے ذریعہ سے حق کا بول بالا کیا تھا"

کامیابی ہی کامیابی

"پھر اگر ہم نے اس جدوجہد میں بازی پالی تو فہو المراد اور اگر دوسری بات ہوئی تب بھی تمام راستوں میں ایک حق ہی کا راستہ ایسا راستہ ہے جس میں ناکامیابی کا کوئی سوال نہیں۔ اس میں اوّل قدم بھی منزل ہے اور آخر بھی ناکامی کا اس کوچہ میں گزر نہیں ہے۔ اس

کو جان لینے اور اس پر چلنے کا عزم راسخ کر لینے کی ضرورت ہے، پھر اگر تیز سواری مل جائے تو فبہا۔ یہ نہ سہی تو چھکڑے ملیں گے، انہیں سے سفر ہوگا، یہ بھی نہیں تو دو پاؤں موجود ہیں ان سے چلیں گے، پاؤں بھی نہ رہیں تو آنکھیں تو ہیں، ان سے نشانِ منزل دیکھ لیں گے، آنکھیں بھی اگر بے نور ہو جائیں تو دل کی آنکھ تو ہے جس کی بصارت کو کوئی سلب نہیں کر سکتا بشرطیکہ ایمان موجود ہو

اِنَّ صَلوٰتِی وَنُسُکِی وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِی لِلّٰہِ رَبِّ العَالَمِین۔

(دعوت اسلامی اور اس کے مطالبات۔ مولانا اصلاحی)

از:- جے ٹوئن بی

تلخیص و ترجمہ:- سید ہاشمی فرید آبادی

"اسلام، فرنگستان اور مستقبل"

[یہ مضمون آرنلڈ جے ٹوئن بی کی کتاب "سِوِی لزے شن اون ٹرائل" (طبع ۵۳ء) کے دسویں باب کی اردو تلخیص و ترجمہ ہے۔ باب کا انگریزی عنوان "اسلام، دی ویسٹ اینڈ دی فیوچر" ہے۔ کتاب کے اکثر ابواب علاحدہ مضامین کی صورت میں شائع ہوئے تھے۔ یہ دوسری جنگِ عظیم کے بعد، بیش تر ۱۹۴۷ء کے لکھے ہوئے ہیں جب کہ فتح کے باوجود برطانیہ، فرانس اور ولندیزیہ (ہالینڈ) جان و مال کے کثیر نقصانات کی وجہ سے اپنی کم زوری سے پریشان تھے۔ جرمانیہ اور اطالیہ کی دو بڑی طاقتیں بالکل تباہ حال تھیں اور ادھر اشتمالی روس مغربی یورپ کی ملوکیت اور سرمایہ داری کا حریف بن کر سر اٹھا رہا تھا۔ اِن مضامین اور اس کتاب کا مقصد یہ ہے کہ مصنف اپنے اہلِ وطن کو اُن خطرات سے آگاہ کرے جن سے مغربی تمدن کی بربادی کا امکان پایا جاتا ہے۔ ان میں بعض اہلِ یورپ ایک خطرہ اسلام کو تصوّر کرتے ہیں۔ ٹوئن بی "اے اسٹڈی اوف ہسٹری" کی ضخیم کتاب کا مولف ہے، برطانیہ میں فلسفۂ تاریخ کا بڑا استاد مانا جاتا ہے، اسلامی، خصوصاً ترکی تاریخ سے خوب واقف ہے۔ زیرِ نظر مضمون میں اس نے موجودہ اسلامی دنیا کا ناقدانہ مطالعہ کیا ہے۔ ہم اس کے بعض پیش کردہ واقعات و نتائج سے اختلاف کرسکتے ہیں لیکن مغربی یورپ کے ایسے ممتاز مفکر کے خیالات کو ضرور غور سے پڑھنا چاہیئے جس میں پرانے اور نئے خیال کے مسلمانوں پر بے لاگ تنقید کی گئی ہے اور پتہ چلتا ہے کہ مغربی دنیا ہمیں کس نگاہِ تحقیر سے دیکھ رہی ہے۔ خاص طور پر چند مذہبی خیال کے تعلیم یافتہ احباب ہی نے مجھ سے فرمائش کی کہ اس

مضمون کے مطالب اُردو خواں حضرات کے سامنے پیش کئے جائیں۔ رسالہ ماہِ نو میں اسی مضمون کا (بلا حوالۂ کتاب) ترجمہ چھپا ہے لیکن بے نام کے مترجم صاحب نے کہیں کہیں بڑی آزادی سے کام لیا، اور مصنّف کے نام سے بظاہر اپنے ذاتی یا جماعتی افکار کی اشاعت فرمائی ہے ۔۔۔ س ہ]

مصنّف لکھتا ہے (صفحہ ۱۸۶) کہ جدید مغرب نے اسلامی دُنیا پر گزشتہ دو صدی سے اپنی ساری قوّتوں کے ساتھ جو حملہ بول رکھا ہے، وہ دو تہذیبوں کی جنگ ہے اور حقیقت میں یہ ایک وسیع تر اور حریص تر اقدام کا جُز ہے جس کا منشا یہ ہے کہ اہلِ فرنگ تمام نوعِ انسان کو ایک تمدّن کی زنجیر میں باندھ لیں اور برّ و بحر بلکہ ہَوا پر بھی اپنا قبضہ جمائیں کہ مغربی علم و فن کے زور سے جو چیز کام کی ہو اُن کے تصرّف میں آجائے۔ یورپ جو سلوک اسلام کے ساتھ کر رہا ہے، وہی دُنیا کی دوسری باقی ماندہ تہذیبوں اور نیز غیر متمدّن قوموں کے ساتھ اس کا عمل ہے۔ ان میں راسخ العقیدہ عیسائی، (برہمنی) ہندو اور مشرقِ بعید کے باشندے شامل ہیں بلکہ وہ بدوی گروہ تک اس کا ہدف بن رہے ہیں جو ابھی تک سلامت رہ گئے۔ منطقہ حارّہ کے افریقی ممالک اِن کا آخری مامن ہے جہاں وہ فرنگی شکاریوں میں گھرے ہوئے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔ الغرض، اسلام سے یورپ کی زیرِ نظر طاقت آزمائی پہلے معرکوں سے کہیں زیادہ گرم اور تہ تک اُتری ہوئی ہے، کیونکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ فرنگی اب ساری دُنیا کو اپنے رنگ میں رنگ دینے کے درپے ہیں ۔۔۔ ۔۔۔ صلیبی جنگوں میں انتہائی خطرے کے وقت بھی ملّتِ اسلامی کو ایسی مایوسی نہ ہو سکتی تھی، جیسی اس مرتبہ نظر آ رہی ہے کیونکہ جدید یورپ نہ صرف جنگی اسلحہ میں اُن سے فائق ہے بلکہ مالی اور مادّی وسائل کی بہم رسانی میں بھی زیادہ مہارت رکھتا ہے جن پر آخر میں خود فنِ حرب کی ترقّی منحصر ہوتی ہے۔ "سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنی روحانی تربیت میں یورپ مسلمانوں سے بازی لے گیا ہے اور یہی وہ باطنی طاقت ہے جو تہذیب و تمدّن کے ظاہری لوازم پیدا کرتی اور انہیں قائم رکھتی ہے۔"

(جن الفاظ کے نیچے یہاں مترجم اُردو نے لکیر کھینچ دی ہے وہ ہمارے مسلمان قارئین کے غور کے قابل ہیں۔ ہم لوگ سمجھتے ہیں کہ یورپ میں مادّہ پرستی کی وجہ سے روحانی تربیت اور مذہب کا جوش مفقود ہو گیا ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ہزاروں مسیحی داعی اپنے دین کی تبلیغ میں مصروف ہیں۔ ممکن ہے دنیاوی مصلحتیں پیشِ نظر رکھتے ہوں۔ لیکن وہ بھی مُلک و ملّت کے فائدے کے لئے ہوں گی نہ کہ اپنی ذات کے لئے۔ یہ لوگ اعلیٰ درجہ کی علمی قابلیت حاصل کرتے ہیں غیر مذاہب اور دوسری زبانوں کا تفصیلی مطالعہ اُن کا شبانہ روز کا شغل ہوتا ہے۔ حال آنکہ مسلمانوں میں خود اپنے مذہب کا مطالعہ کرنے والے بہت کم پائے جاتے ہیں۔ ریاضات و مجاہدات کی تعلیم و تربیت کے سلسلے موقوف ہو گئے۔ مذہبی مدارس میں محدود کتابی تعلیم دی جاتی ہے،

اسی کا نتیجہ ہے کہ معمولی پڑھے لکھے فقط ذہانت اور زبان و قلم کے زور سے مسلمانوں میں امام و مجتہد بلکہ اس سے بھی اونچے مرتبے کا دعویٰ کرنے لگتے ہیں!)

مصنف لکھتا ہے کہ ایسے نازک وقت میں قوموں کے سامنے دو ہی راستے ہوا کرتے ہیں اور مسلمانوں نے بھی یورپ کے مقابلے میں یہی راستے اختیار کئے ہیں۔ ان کے لئے مصنف دو قدیم اصطلاحیں استعمال کرتا ہے جو اہلِ رومہ کے تسلط کے زمانے میں یہود کے دو گروہوں کے لئے بولی جاتی تھیں: یعنی (۱) "زی لوت" اور (۲) "ہیرودین"۔ پہلے سے مراد وہ راسخ العقیدہ گروہ، جو قابو یافتہ اغیار کے نئے اور جارحانہ وسائل کا اپنے پرانے ہتیاروں سے مقابلہ کرنا چاہتا ہے۔ مسلمانوں میں اس کی نظیر افریقہ کے سنوسی اور عرب کے وہابی تھے۔ مصنف واضح کرتا ہے کہ یہ گروہ ایسے غیر آباد علاقوں میں تیار ہوئے جن تک اہلِ یورپ کی زیادہ آمد رفت نہ ہوئی تھی۔ پیٹرول کا اس وقت تک عرب میں پتہ نہیں چلا تھا اور دوسرے تجارتی فوائد کی چنداں توقع نہ تھی۔ لیکن افریقہ میں اہلِ یورپ کے قدم آگئے تھے۔ سوڈان دریائے نیل کی بالائی وادی ہے جس پر انگریزوں نے دست تصرّف دراز کیا تھا۔ اُنیسویں صدی کے اخیر میں یہاں "مہدوی" تحریک پیدا ہوئی۔ سید محمد احمد مہدی سوڈانی کا اثر ملک میں پھیلا اور یہ پُرجوش مذہبی جماعت انگریزوں سے ٹکرا گئی۔ مگر اُن کے پُرانے ہتیار جدید توپ و تفنگ کے سامنے بیکار ثابت ہوئے، انہیں سخت نقصان اُٹھانے پڑے اور آخر کامل ہزیمت کا مُنہ دیکھنا پڑا۔۔۔۔۔۔۔۔ قریب زمانے میں امریکہ والوں نے ملک عرب میں پیٹرول نکالنا شروع کر دیا ہے اب اگر وہاں کے وہابی اُنہیں پریشان کریں تو امریکہ یا اور کوئی یورپی طاقت وہابیوں کو تہ و بالا کر سکتی ہے۔ بہ الفاظ دیگر، پیٹرول کی نہفتہ دولت کا ریگستانِ عرب میں انکشاف عرب کی آزادی کے حق میں قطعی خطرناک بات ہے کیونکہ اہلِ مغرب اپنی نئی ایجادوں کے زور سے کوہ و صحرا کو مسخر کرنا جان گئے ہیں، اُن کی ریلیں، موٹریں موٹر ٹھیلے ریت کے ٹیلوں پر کھن کھجوروں کی طرح چڑھ سکتے ہیں اور اُن کے ہوائی جہاز گدھوں کی طرح ان آسمانوں پر چھا سکتے ہیں۔ مراکش کے ریف اور کوہستانِ اطلس نیز ہندوستان کی شمال مغربی سرحد پر یورپ نے ثابت کر دیا کہ وہ صحرائی بدّوؤں سے بھی زیادہ سخت قسم کے زیلوت (= مذہبی) مسلمانوں کو زیر کرنے کی قابلیت رکھتا ہے۔ ان پہاڑی موچوں میں فرانسیس اور انگریز ایسے کوہستانی حریف کو لڑا کر شکست دے چکے ہیں جو یورپ کے چھوٹے اسلحہ فراہم کر لایا تھا اور اپنے پہاڑوں میں ان سے بہت اچھا کام لینا جانتا تھا۔

[یہاں مصنف کی کسی قدر غلط فہمی یا غلط گوئی پائی جاتی ہے۔ کم سے کم ہمارے سرحدی پٹھانوں کو انگریز بزور و طاقت مغلوب نہیں کر سکے۔ کہیں کہیں جو کامیابیاں حاصل کیں وہ بھی خود ان کے صاف گو مورخوں کے قول کے مطابق "سپاہیوں کی بجائے اہلِ دفتر کا کارنامہ تھیں۔ یعنی روپے کا لالچ دے کر یا آپس میں لوگوں کو لڑا کر ـــــ مترجم]

مصنّف نے مذہبی خیال کے مسلمانوں کو طعنہ دیا ہے کہ وہ یورپ کے جدید اسلحہ سے کام لیتے ہیں پھر لکھتا ہے کہ یہ چیزیں ان میں آئیں گی تو یورپی تہذیب کے دوسرے لوازم سے بھی وہ نہیں بچ سکیں گے۔

(یہ عمومی رائے صریحاً غلط اور نا قابلِ قبول ہے ـــــ مترجم)

قدامت پسند مسلمانوں کی کمزوریاں بتانے کے بعد مصنّف "ہیرودیین" (یعنی یورپ کے مقلدین یا متفرنجین) مسلمانوں کی کیفیت لکھتا ہے۔ ان کی پہلی مثالیں سلطان سلیم ثالث اور محمد علی پاشا تھے جو یورپ کے طور طریق اختیار کرنا چاہتے تھے۔ اس گروہ کو استنبول وقاہرہ کے خوش حال اور ترقی یافتہ مرکزوں میں فروغ ہوا کیونکہ جب سے یورپ نے دنیائے اسلام پر زغہ کرنا شروع کیا تو سب سے بڑھ کر یہی ملک (یعنی مصر و ترکی) اُسے اپنی طرف کھینچتے تھے۔ یہاں ہر قسم کی تجارت کا موقع تھا اور جنگی اعتبار سے ان کا محلّ وقوع بڑی اہمیت رکھتا تھا۔

مصنّف کے نزدیک (صفحہ ۱۹۴) مذکورہ بالا گروہوں میں ہیرودیین کی مدافعانہ تدبیر کہیں زیادہ کارگر ہے: ..... "جس طرح شتر مرغ ریت میں اپنا سر چھپا کر سمجھتا ہے کہ شکاریوں سے چھپ جائے گا، اسی طرح قدامت پسند (زی لوت) اپنی پناہ ماضی میں ڈھونڈتا ہے مگر مقلدینِ فرنگ زمانۂ حال کا، سامنا، اور مستقبل کی فکر کرتے ہیں۔ قدامت پسند محض فطری جذبے کے ماتحت کام کرتا ہے اور متفرنجین عقل کے مطابق چلتے ہیں۔ انہیں اپنے جوش کو قابو میں رکھنا پڑتا ہے کیونکہ دشمن کے مقابلے میں، جوش و اشتعال کا پیدا ہونا فطرت کا معمول ہے۔ لیکن وقتی مصلحت سے دشمن کی تقلید کرنا، خاصی ہمّت کا کام ہے اگرچہ پسندیدہ نہ ہو ـــــ" مصنّف نے جاپانیوں کی مثال دی ہے کہ اٹھارویں صدی تک انہیں یورپ سے بڑا تعصب تھا لیکن جب انہوں نے دیکھ لیا کہ قدامت پرستی سے کام نہیں چل سکتا تو چاروناچار تقلید فرنگ کی راہ اختیار کرلی اور "زی لوت" سے "ہیرودیین" بن گئے۔

متفرنجین کی یہ فضیلت تسلیم کرنے کے باوجود، مصنّف لکھتا ہے کہ تقلید فرنگ کا یہ مسلک بھی یورپ کے استیلا کا کوئی قطعی تدارک نہیں پیش کرتا:

"چڑھی ندی پار کرتے ہوئے، ایک کشتی سے دوسری کشتی میں اُلانگنا جوکھوں سے خالی نہیں اور اچھی طرح قدم نہ ٹکنے کی صورت میں ہیرودیین کا انجام بھی یقینی ہلاکت ہے جس طرح زی لوت کا، جو ڈھال تلوار لے کر مشین گن سے لڑنے آتا ہے، مارا جانا یقینی ہے۔ اس قسم کی تبدیلی میں بہت لوگ جان سے جاچکے ہیں، مصر و ترکی میں تقلید یورپ کی تحریک سب سے پہلے شروع ہوئی۔ مگر مسلکِ ہیرودیین کے ان علم برداروں کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور انیسویں صدی کے رُبع آخر میں سخت پسپائی نصیب ہوئی جس کے بُرے اثرات دونوں ملکوں میں ابھی تک طرح طرح سے ظہور کرتے رہتے ہیں۔"

ترکی کے تازہ ترواقعات پر نظر ڈالئے تو تقلیدِ فرنگ کی دواور خرابیاں مشاہدہ ہونگی چونکہ یہ ناگزیر ہیں اسلئے زیادہ ...

کمال اتاترک نے جو تحریک یہاں چلائی وہ اس قدر تیز اور ہمہ گیر تھی کہ اس کی نظیر (جاپان میں بھی)

مسلمانوں کا ایمان ...

نہیں ملتی - یعنی یورپ میں جو انقلاب، مذہب، سیاسیات، معاشیات اور جمالیات کے شعبوں میں الگ الگ رونما ہوئے تھے، ترکی میں بوقت واحد عمل میں لائے گئے جس سے ترکی قوم کی پوری زندگی تہ و بالا ہوگئی۔" ترکوں نے فقط دستورِ حکومت ہی نہیں بدلا بلکہ اُن کی نوخیز جمہوریہ نے خلیفۃ المسلمین کو معزول اور پھر منصب خلافت ہی کو معدوم کردیا - مذہبی اوقاف ضبط کرلئے —— خانقاہوں کا نظام توڑدیا - عورتوں کے چہرے سے برقعے اُتار پھینکے اور بُرقعے کے ساتھ اُس کے (اخلاقی) مضمرات کا خاتمہ کردیا - مردوں کو مجبور کیا کہ چھجّے والی ٹوپی اوڑھ کر (فرنگی) غیر مسلموں میں رل مل جائیں - یہ ٹوپی پہن کر آدمی اسلامی نماز خاطر خواہ ادا نہیں کرسکتا جس کا لازمی رُکن سجدہ ہے - قانونِ شریعت کو ایک دم یُوں کالعدم کیا کہ لفظ بہ لفظ سوئٹستان کا دیوانی اور خفیف ترمیم کے ساتھ اطالیہ کا فوجداری قانون مجلس ملّی کی ایک ہی دفعہ رائے لے کر ترکی میں نافذ کردیا - عربی رسم الخط کو لاطینی سے بدل ڈالا جس سے لازماً ترک قوم اپنے ادبی ترکے کے بڑے حصّے سے محروم ہوگئی ......
مگر سب سے بڑھ کر قابلِ تعجب تغیر یہ کہ اپنی عسکری اور زمینداری کی حاکمانہ روایات کو چھوڑ کر یہود اور یونانی اور ارمینی قوموں کی تجارت وصناعت میں ریس کرنے کی ترغیب دی ..... ان سب تبدیلیوں کو گنا کر مصنّف لکھتا ہے (صـ ۱۹۷) کہ اس راستے میں ترکوں سے جو حماقتیں یا جرائم سرزد ہوئے، ان پر اہلِ یورپ کا حرف گیری کرنا ناقدری کی بات معلوم ہوگی کیونکہ ترکوں نے اپنی انہی (اسلامی) عادات و اطوار کو ترک کیا جن کی ہم اہلِ فرنگ سب سے زیادہ مذمت کرتے تھے - وہ ترکی کو پوری طرح فرنگی قوم اور فرنگی مملکت کا نمونہ بنانے کی کوشش کررہے ہیں لیکن حق یہ ہے کہ جب اس تقلید فرنگ کی منزل مقصود کو ہم دیکھتے ہیں تو سوچ میں پڑ جاتے ہیں کہ اس تمام ردّ و بدل اور محنت مشقّت کا فائدہ کیا ہے؟ ...... کیونکہ ان ہردِدَیَن ترکوں کا مقصد (یعنی فرنگی قوموں کا نمونہ بن جانا) پورا ہوجائے، تو بھی اُس سے انسانی تہذیب و تمدّن کی متاع میں اضافہ کیا ہوگا؟ یہاں پہنچ کر مذہب تقلید کی دو طبعی کمزوریاں خود بخود عیاں ہوجاتی ہیں :-

(۱) پہلی تو یہ کہ وہ کوئی تعمیری چیز نہیں ہوسکتی بلکہ نری نقّالی ہے - لہٰذا کامیاب ہو تو بھی انسانی دماغ کی کسی اختراعی قابلیت کو نشوونما نہیں دیتی - فقط مشینی مصنوعات کی مقدار میں بیشی کردینے کا مادّہ رکھتی ہے -

(۲) دوسرا نقص یہ کہ ایسی بے رُوح کامیابی بھی قوم کی صرف ایک چھوٹی سی جماعت کو اتنا خوش حال بناسکے گی کہ وہ یورپ کے مہنگے تمدّن سے لُطف اندوز ہوسکیں - ورنہ عوام یہ آرزو تک نہیں کرسکتے کہ اس نقلی تمدّن کے طبقۂ اعلیٰ میں شامل ہوجائیں گے - " اُن کی قسمت میں صرف (یورپ کے اِس) نقلی تمدّن کے مزدوروں میں اضافہ کرنا لکھا ہے " (صـ ۱۹۹) غرض مصنّف کی رائے میں اگر غیر فرنگی ہردِدَین اپنے ملکوں کو یورپی نمونے کے مطابق آزاد حکومتیں بنانے میں کامیاب ہوجائیں اور بین الاقوامی مجالس میں فرنگی قوموں کے پہلو بہ پہلو بٹھائی جانے لگیں، تو بھی اُن کی

قومیں غالباً یورپ کے چاکروں ہی کے زُمرے میں داخل ہوں گی!

ساری بحث کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اسلامی دُنیا اور اہلِ یورپ میں جو مقابلہ ہو رہا ہے اس میں زی لوت" یعنی قدامت پسند اور "ہرودئین" یعنی متفرنجین دونوں ہی قسم کے مسلمان کسی خاص مزاحمت کے قابل نہیں نظر آتے۔ ان میں پہلا گروہ کم ہوتا جاتا ہے اور اس کے خال خال افراد بچے رہ جائیں گے تو بھی وہ ایسے تمدن کے آثار باقیہ ہوں گے جو بالیدگی سے محروم ہو چکا ہے۔ ان کے مقابلے میں مقلدینِ فرنگ کی تعداد بڑھے گی لیکن یہ ایک زندہ تمدن کے محض نقال ہوں گے اور ایسے لوگ تمدن کی نشو و نما میں کوئی تخلیقی حصہ نہیں لے سکتے۔ یہاں مصنف نے ایک اور مشاہدہ یہ پیش کیا ہے کہ مسلمانوں کے یہ دو گروہ آپس میں ٹکراتے رہے ہیں اور قابو یاب متفرنج اپنے قدامت پسند بھائیوں کے ساتھ ایسے بے رحمانہ تشدد کا سلوک کر سکتا ہے کہ کفارِ فرنگ نے بھی اتنی شقاوت نہ دکھائی ہوگی۔ راسخ العقیدہ مسلمانوں کی سابقہ شورشیں عرب اور سوڈان میں دبا دی گئیں۔ قریب زمانے میں افغانی زی لوت امان اللہ خاں پر غالب آئے کیونکہ وہ بہت تیزی سے تفرنج کی طرف چلا تھا۔ لیکن امان اللہ کے جانشین اس مقصد کو بہ تدریج بروئے کار لے آئیں گے اور یہ پٹھان زی لوت تھوڑے دن میں یا تقلیدِ فرنگ کا مسلک قبول کریں گے اور یا فنا ہو جائیں گے۔ (صفحہ ۲۰)

. . . .

مصنف قدیم تاریخ سے بعض مثالیں لاتا ہے، خصوصاً مسیحیت کی حقیر ابتدا کا ذکر کرتا ہے کہ پہلی صدی عیسوی میں کوئی نہیں خیال کر سکتا تھا کہ آگے چل کر وہ سارے یورپ کا مذہب بن جائیگی۔ اسلامی دنیا کے دبے ہوئے طبقوں میں مغرب کی ٹکر سے کچھ نہ کچھ ہل چل پیدا ہو رہی ہے اور ممکن ہے آج کی کوئی حقیر تحریک چند صدی کے بعد دنیائے تمدن میں پھیل جائے۔ لیکن اس وقت کوئی اتنی بڑی پیش گوئی کرنا عقل و علم کے خلاف ہوگا۔ البتہ نئی دنیا پر جو یورپ کے زیرِ اثر مرتب ہو رہی ہے آج کل بھی اسلام کے بعض اصول مفید اثر ڈال سکتے ہیں۔ ہماری مغربی معاشرت سے ارتباط نے دنیا کے مزدور طبقوں کو دو نمایاں خطروں سے دوچار کر دیا ہے۔ ایک نفسی خطرہ تو نسل پرستی ہے اور دوسری مادّی (یا جسمانی) آفت شراب خواری ہے۔ نسل و رنگ کا امتیاز مٹانا اسلامی تعلیم کی نمایاں فتح مندی ہے۔ اہلِ یورپ، خصوصاً انگریزی بولنے والی قومیں نسل پرستی کے مرض میں مبتلا ہیں اور انھوں نے اسی قسم کی ذہنیت بنالی ہے جس نے قدیم ہندستان میں اونچی نیچی جاتیوں کی مذموم تفریق پیدا کر دی تھی۔ انگریز قوموں ہی کو آج کل اقتدار حاصل ہے اور ان کی دوسری قوموں سے ناروا داری نوعِ انسان کے حق میں ایک ناگوار مسئلہ بن گئی ہے۔ کچھ اہلِ فکر اس ذہنیت کے خلاف جس نے بعض بدوی قوموں کو فنا کیا اور بعض ادنیٰ درجے کے لوگوں سے نفرت اور قطع تعلق سکھایا، جد و جہد کر رہے ہیں مگر ابھی تک انہیں غلبہ نہیں ہو سکا۔ البتہ کوئی زبردست قوت جو ابھی تک محفوظ رہی ہے۔ حامیانِ مساوات کے ہاتھ آ جائے تو ان کا پلڑا بھاری ہو جانا ممکن ہے۔

میرے تصور میں عجب نہیں کہ یہ قوت اسلامی تعلیم کی امن درواداری کی رُوح سے بنی آدم کو دوبارہ میسر آ جائے !

اسی طرح شراب خواری کی بلا ہے کہ منطقۂ حارّہ کی نیم متمدن قومیں یورپ کے زیر اثر آنے کے بعد سب سے زیادہ اس بلا کا شکار ہو رہی ہیں۔ ہرچند یورپ کے روشن خیال عمّال اس موذی عادت کی روک تھام کرنا چاہتے ہیں اور بین الاقوامی معاہدات سے بھی اُن کو مدد مل رہی ہو، تاہم یہ کوششیں محدود قسم کی ہیں اور جب تک خود لوگوں میں اس آفت سے بچنے کی دلی خواہش بیدار نہ ہو، حکومت کے امتناعی قواعد و قوانین ایسی عام خرابی کا انسداد نہیں کر سکتے۔ لوگوں کے طبائع میں واقعی تبدیلی پیدا کر دینا یورپی حکّام، کم سے کم برطانی حکّام کے بس کی بات نہیں ہے جو نسلی غرور کے باعث دیسی باشندوں سے الگ تھلگ رہتے ہیں۔ ان حالات میں ممکن ہے کہ اسلام ہی کی تعلیم سے حلّ مشکلات کی صورت نکل آئے . . . . دو حارّی خطّوں میں، یعنی وسطِ افریقہ اور جزائرِ شرق الہند (= انڈونیشیہ) میں اہلِ یورپ مادّی تمدّن لائے لیکن روحانی خلا چھوڑ دیا تھا اسلام کو یہ خلا پُر کرنے کا موقع مل گیا اور قرینہ کہتا ہے کہ ان خطّوں کے باشندوں میں اگر واقعی کوئی مذہبی رُوح پیدا ہوگی کہ وہ اپنی انسانیت کا آزادی سے ادراک کرسکیں تو وہ اسلامی رُوح ہوگی جو متعدّد عملی صورتوں میں ظہور کرے گی اور نہی میں شراب نوشی سے اجتناب ہوگا۔ یعنی جس آفت کا فرنگی حکومت کے ظاہری قوانین سدّ باب نہ کرسکے تھے، وہ مذہبی عقیدے کے زور سے متروک و مسدود ہو جائے گی؛

اس طرح مصنّف کے نزدیک مستقبل قریب میں تو اسلام دو مفید کام یہی انجام دے سکتا ہے کہ اہلِ یورپ کے غلبے سے دنیا بھر میں جو مزدور طبقہ پیدا ہو رہا ہے، اس میں نسل پرستی اور شراب خواری کا انسداد کرے۔ مگر مستقبل بعید کے متعلق ہم صرف قیاس دوڑا سکتے ہیں کہ شاید مذہب کے دوبارہ فروغ پانے کی صورت میں اسلام بھی ایسی تحریک میں معاون ہو جائے۔ یہ تو وہ امکانات ہیں جو دنیا کے امن و اعتدال سے چلتے رہنے پر خیال میں آتے ہیں لیکن یورپ کا بزورِ قوت دُنیا کو اپنے حسب مُراد ایک نئی معجون مرکب بنا لینا محض مفروضہ ہے۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ مختلف عناصر و مفردات واقعی شیر و شکر ہو جائیں گے یا ان میں آئندہ کوئی تصادم واقع ہوگا۔ اس دوسری صورت میں ممکن ہے کہ اسلام بالکل مختلف شکل میں اپنا جلوہ دکھائے۔ یعنی فرنگی آقاؤں کے خلاف دنیا بھر کی دبی ہوئی قوموں میں نفرت کی آگ بھڑک اُٹھے تو اس کا شتابہ اسلام ثابت ہو!

" یہ درست ہو کہ ابھی تک ایسا تباہ کُن قرینہ نہیں پایا جاتا۔ "اتحاد بین المسلمین" کو سلطان عبدالحمید کی حکمتِ عملی نے یورپ کے کشورستانوں کے لئے ہوّا بنا دیا تھا۔ اب اس تحریک کا زور ٹوٹ گیا ہے . . . . . . حقیقت میں ایسی کثیر ملّت جو مراکش سے فلی پائن تک اور داکسنگا سے زیم بزی —— (= جنوبی افریقہ) تک بکھری ہوئی ہے اس کے مذہبی اتحاد سے عملی کام لینا اسی قدر مشکل ہے، جتنا خیالی

منصوبہ بنا لینا سہل ہے۔ ایسے منصوبے قدامت پسند (= مذہبی) گروہ کے واسطے بڑی کشش رکھتے ہیں لیکن مواصلات کے جدید آلات و وسائل ان پرانے خیال کے مسلمانوں کے قبضے میں نہیں ہیں۔ (مقلدین فرنگ روشن دین مسلمان ان مغربی وسائل سے تھوڑا بہت کام لینا سیکھ گئے ہیں مگر وہ انہیں یورپ سے مخالفت کی بجائے اپنی زندگی یورپ کے نمونے کے مطابق ڈھالنے میں استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ مسلمانوں میں انقلاب افکار کی سب سے عجیب نشانی یہ ہے کہ ترکی جمہوریہ نے اتحاد اسلامی کی روایات کو علانیہ ٹھکرا دیا پھر بھی دنیائے اسلام ترکوں کی نئی قوم پرستی کی کامیابی کو سراہنے لگی ہے۔ عرب، ایرانی، حتیٰ کہ قدامت پرست افغانی اسی "وطنیت" کی ڈگر پر پڑ گئے ہیں۔ گویا اتحاد کی بجائے "فراق بین المسلمین" کا دور آ گیا ہے حالانکہ اس کا ناخوشگوار مگر قطعی نتیجہ یہی ہوگا کہ مسلمان عوام ہر جگہ یورپ کے چاکر بن کر رہ جائیں گے!) (ص ۱۱۱)

جب کمال اتاترک نے خلافت کو تقلید فرنگ کے راستے میں حارج دیکھا اور ختم کیا تو دوسرے مسلمانوں کو یہ بیباکانہ حرکت بہت ناگوار گزری۔ ۱۹۲۶ء میں انھوں نے قاہرہ میں ایک بین الملی مجلس بھی منعقد کی تھی کہ ہو سکے تو منصب خلافت کو نئے دور کے مقتضیات کے مطابق قائم رکھا جائے۔ ..... لیکن اس مجلس کی روداد کا مطالعہ کرنے والا لازماً یہی یقین لے کر اٹھے گا کہ اتحاد بین المسلمین کا جذبہ حالت جمود میں ہے۔ لہذا خلافت مردہ ہو گئی ہے ـــــ بایں ہمہ مصنف تنبیہ کرتا ہے کہ اگر آئندہ فرنگیوں کی مغلوب و مرعوب دنیا کے ادنیٰ طبقوں میں اس تسلط کے خلاف بغاوت کی نوبت آئی اور اس کے لئے رہنما تلاش کئے گئے تو اس کا مسلمانوں پر عظیم نفسی اثر پڑے گا اور ممکن ہے کہ صدیوں کے سوئے ہوئے مسلمان اپنے عہد کشور کشائی کی یاد تازہ کر دکھائیں۔ قرن اول کی فتوحات اور بعد میں صلیبی مجاہدین اور پھر چنگیزی مغول کی یورش روکنے میں اسلام سرفروشی اور فتح و ظفر کا نشان بن کر لہرا چکا ہے۔ "اب اگر موجودہ صورت حال نے نوع انسان کو ایک اور نسلی جنگ میں ٹکرا دیا تو ہو سکتا ہے کہ خدا نہ کردہ ایک دفعہ پھر ملت اسلامی وہی تاریخی کارنامہ کر گزرے!"

مظہر صدیقی

پاکستان کے اسلام پسند طلبہ

اسلامی انقلاب کے نقیب!

ایک قوم کی دولت کا اصل خزانہ اس کے کوئلے اور لوہے کی کانیں معدنیات کے ذخائر، کھیت اور صنعتی کارخانے نہیں ہوا کرتے بلکہ وہ بلند ہمت نوجوان ہوتے ہیں جن کے دل و دماغ سے تعمیری افکار اور انقلابی عزائم کے چشمے پھوٹتے ہیں اور کوہ شکن عزائم کی جوالا ابلتی ہے ——— انہیں نوجوانوں کے خونِ جگر سے زندگی کے نقشِ سادہ میں دلآویزی پیدا ہوتی ہے، انہیں کی پیہم کاوشوں، ان تھک کوششوں اور سرفروشانہ جدوجہد کے طفیل ذلت کی پستیوں میں ڈوبی ہوئی قومیں ابھر کر تاریخ کے صفحات پر انمٹ نقوش ثبت کر دیتی ہیں ——— اور انہیں کے سینے کی گرمی سے ارتقاء کی شاہراہ پر رواں دواں ہونے کے لئے قوموں کو اسٹیم ملا کرتی ہے!

وہ قوم سخت بدنصیب ہوگی جو اس گراں بہا سرمائے کو غفلت کی وجہ سے ضائع کر دے اور اپنے نوجوانوں کی توانائیوں کو غلط راہوں میں صرف ہونے دے، بالخصوص اس قوم کے لئے جس نے خون کے دریا بہا کر، ہزارہا عورتوں کے سہاگ اور عصمت کی قربانی دے کر اور بے شمار انسانوں کے لاشے خاک اور خون میں تڑپا کر ایک وسیع و عریض ملک حاصل کیا ہو، یہ امر انتہائی اندوہ ناک ہے! — آج کی صحبت میں ہم اس تکلیف دہ حقیقت کی نقاب کشائی کرنا چاہتے ہیں کہ ہم نوجوانوں کی توانائیاں کس طرح ضائع یا غلط راستوں میں صرف ہو رہی ہیں، ہم اپنے ایک ایک مرض اور اپنی ایک ایک اہم کمزوری کا تجزیہ کرنا چاہتے ہیں۔

سب سے پہلی اور سب سے بنیادی خامی جس کی طرف ہم کو سب سے پہلے توجہ کرنیکی ضرورت ہے وہ ہم طالب علموں کی بے مقصدیت ہے! ——— جس فاسد نظامِ تعلیم نے ہمارے ذہن و فکر اور سیرت و کردار کی تعمیر کی ہے اس نے جو سب سے عظیم نقصان ہم کو پہونچایا ہے وہ یہی ہے کہ ہمارے ذہن میں کسی نصب العین کے لئے جینے اور مرنے کی امنگ باقی نہیں چھوڑی۔ یہ نظامِ تعلیم دراصل رائج ہی اس لئے کیا گیا تھا کہ ملت کے نوجوانوں کی شاہینی چھین لے اور ان کی ملی خودی کو گہری نیند سلا دے، ان کے سینے کو تمام بلند مقاصد کی محبت سے خالی کر کے انہیں محض بندۂ نفس اور بندۂ شکم بنا کر رکھ دے اور ان کے احساسات کو اس قدر مردہ کر دے کہ وہ ضمیر کی کسی چبھن کے بغیر برطانوی سامراج کی چاکری

بجا لاتے رہیں — آج پاکستان بننے کے چھ سال بعد بھی یہی بے مقصدیت ہے جو ہم طلباء کو جمود میں مبتلا کئے ہوئے ہے۔

قوموں کی زندگی اور ان کا عروج کسی نصب العین کے عشق سے ہی وابستہ ہوا کرتا ہے۔ یہی عشق ان کی قوتوں کو برابر مہمیز کرتا ہے، ان کی خوابیدہ صلاحیتوں کو جگاتا ہے، اور ان میں عزم و ارادہ کی وہ عظیم قوت پیدا کر دیتا ہے کہ اس سے ٹکرا کر بڑے سے بڑے پہاڑ بھی پاش پاش ہو جاتے ہیں — نصب العین کا یہی عشق تھا جس کی قوت سے صدر اول کے مسلمانوں نے بے سروسامانی کے باوجود روم و ایران جیسی زبردست سلطنتوں کے پرخچے اڑا کر رکھ دیئے تھے، ہر ظالم و سرکش کے کس بل ڈھیلے کر دیئے تھے اور دنیا کے تہائی حصے پر عالمگیر اخوت اور عدل و مساوات کا تابانی نظام قائم کر دکھایا تھا — لیکن افسوس اس نصب العین کے عشق کی آگ ٹھنڈی پڑتی گئی، ان کا جوش و خروش گھٹتا گیا، ان کے قوائے عمل سرد پڑتے گئے اور ان کے قدم زوال کی طرف بڑھنے لگے۔

کسی نصب العین کے والہانہ عشق کے بغیر زندگی کی حرارت برابر زائل ہوتی رہتی ہے اور کاوش و جدوجہد اور ایثار و قربانی کی اُمنگ پیدا ہی نہیں ہوتی، وہ چبھن اور تڑپ نہیں پیدا ہوتی جو انسان کو گردن کٹانے اور خون بہانے پر آمادہ کرتی ہے اور وہ جذبہ نہیں بھڑکتا جس جذبے کی سرمستی میں آدمی آگ اور خون کے طوفانوں کا مردانہ وار مقابلہ کرتا ہے اور اگر ضرورت پڑے تو مسکراتا ہوا تختۂ دار پر چڑھ جاتا ہے۔

بلند مقصدِ زندگی کی اُس کمی نے ہم نوجوانوں کو اس پر مجبور کر دیا ہے کہ ہم انتہائی پست مقاصد کو اپنی زندگی اور اپنی تگ و دو کا مرکز و محور بنا لیں — اسی چیز نے ہمارے کیرکٹر کو بے انتہا کمزور اور کھوکھلا بنا دیا ہے۔ صرف یہی نہیں کہ ہم نوجوان برطانیہ کے سامراجی تسلط کے دور میں اپنی تمام صلاحیتیں ایک کافرانہ اور سامراجی قوت کی جڑیں مضبوط کرنے میں صرف کر رہے تھے اور اپنی سنگینوں سے اس کا تحفظ کر رہے تھے اور اس کے عطا کردہ اعزاز اور منصب پر کتوں کی طرح جھپٹ رہے تھے، بلکہ ذہن اور قلم اور ضمیر آج بھی خریدے جا سکتے ہیں، اور آج بھی وہ ذہنیت موجود ہے جو انسان کو محض پیسہ کا پجاری اور مادی آسائشوں کا بندہ بنا دیتی ہے۔ اسی کی وجہ سے آج خود غرضی کی وبا چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے۔ لوگ اس قدر مُردہ ضمیر ہوتے جا رہے ہیں کہ رشوت خوری کے ذریعہ اپنے ہی ابنائے وطن کے خون پر پل رہے ہیں اور اپنی بہنوں کی عصمت و جوانی سے کھیل رہے ہیں۔

دینی شعور اس قدر مضمحل ہو چکا ہے کہ مرنے کے بعد خدا کے سامنے جواب دہی کا سوال ذہنوں کے سامنے آتا ہی کم ہے اور اگر آتا بھی ہے تو اس میں اس قدر قوت نہیں کہ وہ بُرائی کی جانب ہمارے بڑھتے ہوئے قدموں کو روک سکے — جو اسلام ہمیں اپنے آباؤ اجداد سے ورثے میں ملا ہے اس میں وہ زندگی موجود نہیں جو صرف شعوری ایمان اور پختہ یقین سے پیدا ہوتی ہے اور جو انسان کو اخلاقی پستی کے گڑھے میں گرنے سے بچا لیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم برابر نفس پرستی اور دُنیا پرستی میں غرق ہوتے چلے جا رہے ہیں اور زندگی کے بلند تر تقاضوں

کا دامن ہمارے ہاتھوں سے چھٹتا چلا جا رہا ہے اور یہی وجہ ہو کہ اوپر سے لیکر نیچے تک اخلاقی جرائم کا ایک لامتناہی سلسلہ جاری ہے!

انھیں عوامل سے مل جل کر ایک اور خلا جو ہماری قومی زندگی میں پیدا ہوا ہے اُسے مردانہ صفات کے خلا سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ دنیا میں صرف وہی قومیں آگے بڑھنے کا حق رکھتی ہیں جو اگر کسی چیز کو حق جان لیں تو اس کو سربلند کرنے کی خاطر اپنے ماتھے سے پسینہ اور اپنی گردن سے خون کا فوارہ بہا دینے پر رضامند ہو جائیں۔ قبل اسلام کے عربوں میں ہمیں یہی خصوصیت نظر آتی ہے۔ لیکن ان کی یہ شجاعت اور غیرت اور ان کے یہ قیمتی مردانہ اوصاف غلط راہوں میں صرف ہو رہے تھے۔ اسلام نے آکر ان کی صلاحیتوں کے استعمال کا رُخ موڑ دیا۔ ان بدوؤں میں ہمیں یہ خصوصیت نظر آتی ہے کہ اگر وہ اسلام کی مخالفت کرتے تو پھر حضرت عمرؓ کی طرح تلوار سونت کر محمدؐ کے خون سے اسے رنگنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے تھے لیکن اگر ان کے دل اسی اسلام کی صداقت پر مطمئن ہو جاتے تو پھر انہیں اس کی پروا نہ ہوتی تھی کہ انھیں گرم گرم ریت پر گھسیٹا جائے، ان کے سینے پر بھاری بھرکم پتھر لاد دیئے جائیں یا انہیں انگاروں پر لٹایا جائے۔ ایک بار جب اسلام کی سچائی کا یقین ان کے دل میں گھر کر چکا تو پھر اس کی راہ میں گردن کٹانا ان کی سب سے بڑی تمنا ہو جاتی تھی۔ ان میں یہ صفت موجود تھی کہ ایک بار جب وہ اپنے خدا سے پوری زندگی کا سودا کر لیں تو پھر ان کے دل میں کسی طرح کی بزدلی راہ نہ پائے۔

ایک اور چیز جو ہمارے لئے سخت نقصان دہ ہے وہ وحدتِ فکر کی کمی ہے۔ ذہین نوجوانوں کی اکثریت شعوری طور پر کسی آئیڈیالوجی سے وابستہ نہیں بلکہ ہر طرف سے بھانت بھانت کی بولیاں سننے میں آتی رہتی ہیں۔ در اصل ہمارے نوجوانوں کو ایک شدید فکری کشمکش میں مبتلا کر دیا گیا ہے۔

اس فکری کشمکش کی بنیاد یہ ہے کہ ایک طرف تو ہم اسلام کی شاندار روایات کے وارث ہیں اور اس کی محبت ہماری رگوں میں پیوست ہے اور دوسری طرف کئی سو سال کے انحطاط و غلامی کے دور میں ہمارے دماغوں میں مغرب کی ملحدانہ اور خدا ناشناس تہذیب اور اس کے مادہ پرستانہ فلسفوں اور انسانیت آزار نظاموں کا زہر اُتارا جاتا رہا ہے۔ اور اس کی ہر ہر چیز کو حد درجہ جاذبِ نظر اور خوش نما بنا کر پیش کیا جاتا رہا ہے۔ جس نظام تعلیم کے تحت ہماری فکر پروان چڑھی ہے اس نے ہماری نگاہوں کو اس حد تک خیرہ کر دیا ہے کہ ہم ان چیزوں کی طرف بھی بے تابانہ لپک پڑتے ہیں جن سے خود مغربی ممالک بیزار ہو چلے ہیں

گزشتہ پچیس سال کے دوران میں یہ کشمکش اور بھی بڑھ گئی کیونکہ ایک طرف ہمارا نظامِ تعلیم برابر ہمارے ذہنوں میں اسلام کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کئے چلا جا رہا تھا اور دوسری طرف خود اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے آثار اُبھر رہے تھے اور ملّت میں زندگی کے نئے آثار نظر آ رہے تھے۔ اس کی ایک مثال علامہ اقبال جیسے عظیم شاعر کی وہ حیات افروز شاعری ہے جس میں انھوں نے نوجوانوں کو اسلام کی روشنی میں ایک جہانِ تازہ کی تخلیق کی دعوت دی ہے۔ لیکن اقبالؒ اس میدان میں اکیلے نہ تھے۔ برصغیر ہندوستان اور دنیائے اسلامی کے مختلف خطّوں میں مکمل اسلامی انقلاب کی صدائے بازگشت برابر

سُنائی دے رہی تھی اور ایسے لوگ اُبھر کر سامنے آرہے تھے جنھوں نے حیرت انگیز عقلی وفکری توازن
سے کام لے کر مغرب سے مرعوبیت کے طلسم کو پاش پاش کر ڈالا اور اسلام کی تعلیمات کو اس دل نشین اور موثر
انداز میں پیش کیا کہ ان ممالک میں وہ تحریکیں قوت پکڑنے لگیں جو مغرب کی ذہنی غلامی کے جوئے کو
اُتار کر اسلام کے انقلابی مشن کی تکمیل کے لئے میدانِ عمل میں اُتری تھیں اور ان کی طرف نوجوان تیزی سے لپکنے لگے

ہمارے ملک میں بھی دونوں طرزِ فکر پروان چڑھتے رہے، یہاں تک کہ مسلمانوں نے ایک علیحدہ قومی
وطن کا مطالبہ کر دیا اور اس کے حصول کی ساری جد و جہد اس دعوے کے ساتھ کی کہ اسلام سے وابستگی کی
بناء پر وہ ایک علیحدہ قوم ہیں اور غیر مسلم اکثریت کے پنجوں سے نکل کر اسلامی اصولوں پر ایک مثالی ریاست
قائم کرنا چاہتے ہیں اس طرح اسلامی رجحانات اور آگے بڑھ گئے —— اور جب مسلمان قوم نے ایک بھاری
قربانی کے بعد اپنے لئے ایک آزاد قومی وطن کی تشکیل کر لی تو فطری طور پر اسلامی نظامِ زندگی کو برپا کرنے کی تڑپ
میں اور اضافہ ہوگیا۔ لیکن آج بھی ایسے لوگوں کی کمی نہیں جن کے ذہن و فکر اور اخلاق و کردار پر دورِ غلامی کی گہری
چھاپ موجود ہے —— اسی وجہ سے ہم فکر و عمل کے میدان میں دو متصادم نظریات رکھنے والوں کے درمیان ایک
شدید کشمکش دیکھ رہے ہیں۔ مغربیت پسند طبقہ ملّت کو پیچھے ڈھکیل کر لے جانا چاہتا ہے لیکن ملّت کے
اندر اسلامی رجحانات اتنے قوی ہیں کہ قرارداد مقاصد کی صورت میں اس نے اسلامی نشاۃ ثانیہ کی جانب ایک اہم
قدم بڑھا دیا ہے اور اب وہ اسے پیچھے نہیں ہٹانا چاہتی —— مغرب پسند طبقہ اب کھل کر سامنے آنے کے بجائے
اسلام کی من مانی تعبیر پیش کر کے اور اسے اپنی خواہشات کے سانچے میں ڈھال کر اصل اسلام کی جڑ کاٹ دینا
چاہتا ہے —— اس فکری کشمکش کی بناء پر نوجوانوں کے ذہنوں میں مختلف سمتوں سے کھینچا تانی ہو رہی ہے،
کعبہ اور کلیسا دو متضاد سمتوں پر ملّت کو لے جانے کی سعی کر رہے ہیں —— جب تک ہم اس ذہنی انتشار کو دور
نہیں کر دیتے اس وقت تک ہمارے قومی اتحاد کی عمارت کسی مضبوط سہارے پر کھڑی نہیں ہو سکتی۔

اس کشمکش کے علاوہ جو چیز ہماری قومی زندگی کے لئے دق سے زیادہ مہلک ہے وہ مغرب کی وہ شعوری
یا غیر شعوری مرعوبیت ہے جو نوجوانوں میں کافی سرایت کر چکی ہے۔ یہ لوگ قومی خودداری کے احساسات سے
قطعی محروم ہو چکے ہیں اور ان کی نگاہیں مغربی تہذیب کی ظاہری چمک دمک سے چکاچوند ہو چکی ہیں، یہ
لوگ آزادانہ غور و فکر کی صلاحیتوں سے محروم ہو چکے ہیں، ان کے دل اس شرف کو ذرّہ برابر محسوس نہیں کرتے
جو مسلمان کو اس نظامِ زندگی کی علم برداری کی بناء پر حاصل ہے جس میں انسانیت کے ہر درد کا درماں موجود ہے۔
یہی وجہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ اسی حصار میں اپنے ذہن کو محبوس رکھتے ہیں جو ان کے انگریز آقاؤں
نے ان کے گرد کھینچ دیا تھا اور دنیا کے باطل نظاموں کے مقابلے میں جو نوعِ انسانی کو موت و تباہی کی جانب
لئے چلے جا رہے ہیں، کسی نئے نظامِ زندگی کا علم بلند کرنے کی صلاحیت اور ہمت نہیں رکھتے۔ اس قسم کے مرعوب
ذہن اور مفلوج دماغ کے لوگ دنیا میں کوئی عظیم کارنامہ سرانجام نہیں دے سکتے۔

اس میں شبہ نہیں کہ یورپ نے انتہائی قابلِ قدر سائنٹفک اور فنی ترقی کی ہے اور یہ ہمارے نزدیک
ہمارا وہ "گم شدہ سرمایہ" ہے جسے ہمیں ہر قیمت پر حاصل کرنا چاہئے، لیکن ہمارے "مغربی ملاؤں" کو جس چیز

پر اصرار ہے وہ یہ ہے کہ ہم ان نظریات کو بھی قبول کرلیں جو انیسویں صدی کے سائنس دانوں نے انکار خدا اور انکار آخرت کے سلسلے میں پیش کئے تھے اور جن کی آج کوئی علمی حیثیت باقی نہیں رہی۔ ان کو اس پر بھی اصرار ہے کہ ہم اس قسم کی مخلوط سوسائٹی کو اپنے یہاں رواج دیں جس میں نسوانیت مرد کی حیوانی خواہشات کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھ جاتی ہے، جس میں عورت مرد کی ہوس کا ایک کھلونا بن کر رہ جاتی ہے اور جس کی وجہ سے آج پورا یورپ ایک شدید معاشرتی بحران کے بھنور میں پھنس چکا ہے۔ ان کا اصرار یہ بھی ہے کہ ہم مغرب سے درآمد کئے ہوئے نظاموں ـــــ سرمایہ داری یا اشتراکیت کو بھی قبول کرلیں اور اس چیز سے آنکھ بند کرلیں ان کے تحت انسان کا خون چوس لیا جاتا ہے اور انسان کی زندگی اجیرن ہو کر رہ جاتی ہے اور اس بات کو بھول جائیں کہ ہم خود ایک صحت مند معاشی نظام کی اسکیم رکھتے ہیں ـــــ یہ جامد اور اندھی تقلید، یہ فکری اور ثقافتی غلامی، یہ ذہنی اور علمی دیوالیہ پن اگر کسی قوم میں بھی موجود ہو تو خواہ وہ دنیا کی بڑی قوموں کی خیمہ برداری کا منصب حاصل کرلے لیکن دنیا کی لیڈرشپ کی باگیں اس کے ہاتھ میں کبھی نہیں آسکتیں۔

ایک اور شدید خامی جو ہمیں اپنے اندر نظر آتی ہے وہ قومی مسائل سے بے نیازی کی خامی ہے۔ ہمارے یہاں ملک کے انتہائی اہم مسائل پر غور و فکر کرنے کے لئے ذہین افراد بہت کم آگے بڑھتے ہیں، پاکستان کے مختلف صوبوں میں جو انتخابات ہو چکے ہیں۔ ان سے یہ حقیقت بالکل نکھر کر سامنے آچکی ہے کہ تعلیم یافتہ انسانوں کی صرف ایک اقلیت ہی تھی جس نے ووٹوں کا استعمال کیا، اور ان لوگوں کی تعداد تو اس سے بھی کم ہے جنھوں نے ووٹ روپے کی جھنکار پر نہیں بلکہ اپنے ضمیر کی آواز کے مطابق استعمال کئے ہوں، اگرچہ جمہوریت کے تحت یہی ووٹ قوم کے مستقبل پر فیصلہ کن اثرات ڈالتے ہیں۔ تعمیر ملت کے سلسلے میں جو کام درپیش ہوتے ہیں ان میں بھی دلچسپی لینے والوں کی تعداد مایوس کن حد تک کم ہے۔ تعلیم بالغان ہو یا مظلوموں اور معذوروں کی امداد ہو یا سوشل سروس کا کوئی اور کام، تو یا تو اس کے لئے کارکن ہی دستیاب نہیں ہوتے یا اگر ہوتے بھی ہیں تو پیشہ ور قسم کے سیاسی ورکر جن کی بددیانتی اور ناخدا ترسی اس مرحلے کو پہونچ چکی ہوتی ہے کہ یہ "خادمانِ قوم" انتہائی نازک اور سنگین حالات میں بھی مظلوم خواتین کی عصمت دری تک کرنے سے باز نہیں آتے۔ ۱۹۴۷ء میں لاہور کے والٹن کیمپ میں جو شرم ناک واقعات پیش آچکے ہیں۔ اُن کی تلخ یاد ہر غیور مسلمان کا سر شرم سے جھکا دینے کے لئے بہت کافی ہے۔

ایک اور اہم خامی جس کی طرف اشارہ کردینا ضروری ہے وہ ٹھوس علمی اور تحقیقی کاموں میں صبر و سکون اور پتّا ماری کے ساتھ منہمک ہو کر کام کرنے کی کمی ہے! ـــــ ہماری قوم نے پچھلے بیس تیس سال میں (چند معروف مستثنیات کو چھوڑ کر) علم کی دنیا میں شعر و ادب اور افسانہ و ناول کے علاوہ مشکل سے ہی کوئی ٹھوس اضافہ کیا ہے ـــ فلسفہ و سائنس، تاریخ اور معاشیات، انجنیرنگ اور اسی قسم کے دوسرے ٹھوس موضوعات پر ریسرچ کرنے والوں کی کمی انتہائی نمایاں طور پر محسوس ہوتی ہے۔ اس کی ذمہ داری اس نظامِ تعلیم پر ہے جو ہم پر رائج ہے اور اس ذہنیت پر ہے کہ تعلیم کو محض روٹی کمانے کے لئے حاصل کیا جائے اور پھر اس کی ذمہ داری ان سیاسی تحریکوں پر ہے جنھوں نے طلباء کو اپنی اغراض کے لئے

تو استعمال کیا لیکن انھیں تحقیقی کاموں کی اہمیت نہ دلائی اور ان کے مزاج کو شورشی اور ہنگامی بنادیا۔
کسی نئے نظام کی علم برداری کرنے والوں کو فکری بلندی کے جس مقام پر کھڑا ہونا چاہیئے، افسوس کہ ہم اس کے مقابلے میں انتہائی پست مقام پر کھڑے ہیں، حال ہی میں یہ افسوس ناک واقعہ پیش آچکا ہے کہ بیرونی ممالک میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے ۲۸ وظائف کا اعلان کیا گیا تھا، لیکن ہمارے یہاں کا ایک فرد بھی اس معیار پر پورا نہ اُتر سکا! ——

یہ ہے ہماری خامیوں کا سرسری جائزہ! —— ہم نے ان خامیوں کی پُوری بے رحمی کے ساتھ نشان دہی کر دی ہے، اگرچہ اس سے کتنے ہی ماتھوں پر بل پڑجاتے اور کتنی ہی نگاہوں کے غضب آلود ہو جانے کا اندیشہ ہے —— لیکن اس جائزہ سے یہ اندازہ لگانا غلط ہوگا کہ ہمارے ماحول پر صرف اندھیرے ہی طاری ہیں —— ایسا نہیں ہے بلکہ ان دبیز تاریکیوں میں ہمیں روشنی کی کچھ سیمیں شعاعیں جھلملاتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں، اور روشنی کی ان کرنوں کا وجود وتاریکی کے تسلط کو ایک مستقل چیلنج ہے اور ہمارے تاب ناک مستقبل کی ایک قوی ضمانت! روشنی کی یہ کرنیں یہاں کے اسلام پسند طلبہ میں جنھوں نے اپنی زندگی کے لئے ایک واضح مقصد چُن لیا ہے —— خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اسلامی انقلاب کی مسلسل جدوجہد!

اس مقصد نے ان کے سینے میں ایک آگ بھڑکا دی ہے اور اُنھوں نے اپنی نگاہیں زمین سے اٹھا کر آسمان کی بلندیوں پر گاڑدی ہیں۔ اس مقصد کے عشق اور خدا کے خوف و محبت نے ان کو نفس کے حیوانی تقاضوں کی غلامی سے نجات دلا کر اعلیٰ تقاضوں کی تکمیل کی جانب متوجہ کر دیا ہے اور اس نے انھیں اس جاں گُسل کشمکش کے راستے پر ڈال دیا ہے جس پر انسانیت کی عظیم ترین ہستیاں گامزن ہو کر، نہ مٹنے والے نقوش چھوڑ چکی ہیں —— ان اسلام پسند نوجوانوں نے اپنے مالک کے ہاتھ اپنی زندگیاں اور اپنا سب کچھ بیچ دیا ہے اور اس کے صلہ میں ان کے پاس جو کچھ موجود ہے اُس پر رضامند ہو گئے ہیں، انھوں نے عہد کر لیا ہے کہ اسلام کی ہمدردی اور ملت کی غم گساری میں صرف زبان و قلم کو حرکت دے کر ہی خاموش نہ ہو جائیں گے بلکہ اس راہ میں ہر بڑی قربانی دینے کو اپنی سعادت سمجھیں گے —— انھوں نے مغرب کے فلسفوں اور نظاموں کو خوب اچھی طرح سوچ سمجھ کر اور پرکھ کر باطل قرار دیا ہے اور اُس کی برتری اور بالادستی کے ایک ایک نقش کو کھرچ ڈالا ہے اور اسلام کی حقانیت کا شعور اپنے دل کی گہرائیوں میں اُتار لیا ہے اور اللہ کے بھروسے پر اپنا سفر شروع کر دیا ہے، گزرنے والا ہر لمحہ ہر دن اور ہر سال اُن پر فتح مندی کے دروازے کھول رہا ہے اور اُن کا میدانِ عمل بڑھتا چلا جا رہا ہے —— ان کے قدموں کی دھمک سے باطل کا دل دہل رہا ہے اسلامی انقلاب کی صبح ان کے خیر مقدم کے لئے آگے بڑھ رہی ہے، پاکستان کا روشن مستقبل اُن کا انتظار کر رہا ہے اور اسلام کی تاریخ ایک نہایت تاب ناک ورق کے اضافے کی منتظر ہے!

نذیر حسین
(ایم۔ اے)

امیر شکیب ارسلان

اکثر اہلِ علم امیر شکیب ارسلان کو وحدتِ اسلامیہ اور اتحادِ عرب کے داعی کی حیثیت سے جانتے ہیں وہ نہ صرف مجاہد اور عظیم مفکر تھے بلکہ عربی زبان کے بے مثل انشا پرداز بھی تھے۔ اِس برصغیر ہند و پاکستان میں جہاں کہ عربی ادب کی کساد بازاری ہے اور جہاں کہ عربی کو بھی سنسکرت اور لاطینی جیسی مردہ زبانوں کی طرح پڑھا اور پڑھایا جاتا ہے کم لوگ ان کی ادبی منزلت کا اندازہ کرسکتے ہیں، سطور ذیل میں ان کی جامع الصفات شخصیت کا مختصر سا خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔

امیر شکیب ارسلان لبنان کے ایک عرب خاندان سے تعلق رکھتے تھے جس کا شجرۂ نسب منذر بن السماء شاہ حیرہ سے جا ملتا ہے۔ خلیفہ ثانی کے عہدِ حکومت میں ان کے جدِ امجد داخلِ اسلام ہوئے ان کے خاندان کے متعدد افراد عباسی خلافت سے لیکر خلافت عثمانیہ تک اعلیٰ عہدوں پر متمکن رہے ہیں اُن کے بڑے بھائی امیر نسیب ارسلان مشہور شاعر اور سیاسی لیڈر تھے۔ ان کے چھوٹے بھائی امیر عادل ارسلان بھی مشہور ادیب و مجاہد اور سیاسی رہنما کی حیثیت سے معروف رہے ہیں۔ آج کل وہ حکومت سوریہ کے سفارتی عہدے پر مامور ہیں۔

اِسی خاندان کے رُکن امیر مجید ارسلان امریکہ میں عثمانی سفیر رہ چکے تھے جاہ و حشمت کے لحاظ سے بھی اُن کا خاندان نوابوں کا خاندان ہے۔ امیر شکیب ۱۸۶۹ء میں لبنان کے ایک قصبہ شویفات میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر پائی۔ اس کے بعد مدرسۃ الحکمۃ بیروت میں تحصیل علم کرتے رہے جہاں کہ شیخ عبداللہ البستانی مشہور ادیب کے فیض تعلیم اور صحبت سے اُن کی ادبی صلاحیتیں جلد چمک اُٹھیں امیر کو شعر و شاعری کا شوق بچپن سے تھا، مفتی محمد عبدہ ایک تقریب کے سلسلے میں جب مدرسہ میں آئے تو امیر نے مفتی صاحب کے خیر مقدم میں ایک نظم پڑھی مفتی صاحب نے جواب میں فرمایا میں آپ کو پہلے سے جانتا ہوں آپ ایک دن بڑے شاعر ہوں گے۔ اس کے بعد امیر موصوف مفتی صاحب کی خدمت میں رہنے لگے اور ان کے اصلاحی خیالات کا اثر قبول کرنے لگے!

۱۸۹۰ء میں امیر شکیب ارسلان مفتی صاحب کے ساتھ مصر آئے اور اُس وقت کے اکابر رجال میں ڈاکٹر یعقوب صروف مدیر المقتطف۔ سعد زغلول۔ مفتی نا   سے ملے اِن لوگوں سے اُن کا رشتہ مودت عمر بھر قائم رہا۔ مصر کے قیام کے بعد وہ آستانہ چلے گئے۔ جہاں سید جمال الدین افغانی مقیم تھے وہ ان کی خداداد ذہانت سے بے حد متاثر ہوئے اور دُعا دی سقیا لارض انتک (خداوند تعالےٰ

امیر موصوف نے "حاضر العالم الاسلامی" کی پہلی جلد میں اِس ملاقات کا دلآویز پیرائے میں ذکر کیا ہے وطن واپس آکر حکومت کے ایک عہدہ پر فائز ہوگئے لیکن جلد ہی اُکتا کر چھوڑ دیا۔ جنگ طرابلس (۱۹۱۱ء) میں انجمن ہلال احمر مصر کی طرف سے ایک والنٹیر کی حیثیت سے شرکت کی جس قصبہ یا قریہ سے گزرتے عظیم الشان استقبال ہوتا۔ میدان جنگ میں پہونچ کر غازی انور پاشا مرحوم کے دوش بدوش دادِ شجاعت دی۔ انور پاشا اُن کی اصابت فکر اور حسن مشورہ سے بے حد متاثر تھے۔ سلیمان پاشا البارونی زعیم طرابلس کا قول ہے کہ اگر دولت عثمانیہ امیر کے مشورہ کے مطابق عمل کرتی تو طرابلس اور برقہ ہمارے ہاتھ سے نہ نکلتے اور جنگ مزید تین چار سال تک جاری رکھی جا سکتی تھی۔ جنگ بلقان (۱۹۱۲ء) میں مختلف وفود کی آستانہ میں سربراہی کی۔ ۱۹۱۴ء میں جب پہلی جنگ عظیم چھڑی تو ترکی جرمن کے حلیفوں میں تھا، احرار عرب کا ایک طبقہ جو دولتِ عثمانیہ سے نالاں تھا عربی خلافت کے قیام کے خواب دیکھ رہا تھا۔ امیر شکیب ارسلان کا یہ موقف تھا کہ اس وقت دولت عثمانیہ کا وجود ہی خطرے میں ہے، عربوں کے حقوق کا تصفیہ بعد میں بھی ہو سکتا ہے۔

(۲) اکثر اعدائے اسلام جرمنی کے خلاف صف بستہ ہیں لہٰذا دشمن کے دشمن کی مدد میں باک نہیں ہونا چاہیئے۔ جنگ کے زمانے میں جمال پاشا جس کو عرب اُس کے مظالم کی وجہ سے سفاح کہتے ہیں شام کا والی تھا اُس کو انور پاشا کی طرف سے تاکید تھی کہ امیر شکیب ارسلان سے ملکی اُمور میں صلاح و مشورہ لے لیکن سارا ملک جلد ہی جمال پاشا کی سخت گیری سے چیخ اُٹھا، بہت سے عرب امراء اور رہنما پھانسی پر چڑھا دئے گئے بعض جلاوطن کردئے گئے، امیر نے بہت سے بے گناہوں کو اپنے اثر و رسوخ سے بچا لیا۔

امیر شکیب کو ترکوں سے نہ صرف محبت تھی بلکہ آستانہ خلافت اور آل عثمان سے عشق تھا اُن کے خاندان کے بہت سے افراد عثمانی عہد حکومت میں اعلیٰ عہدوں پر متمکن رہے تھے ان کا خیال تھا کہ خلافت عثمانیہ اسلام کی عظمت اور جاہ و جلال کی آخری نشانی ہے اگر یہ جاتی رہی تو پھر دنیائے اسلام کی خیر نہیں انھوں نے اِس زمانہ میں ایک مشہور نظم کہی تھی جس کا ایک شعر یہ ہے؛

سیعلم قومی اننی لا اغشهم
ومهما استطال اللیل فالصبح واصلہ

(میری قوم عنقریب جان لے گی کہ میں اُن سے خیانت نہیں کر رہا۔ رات کتنی ہی دراز ہو جائے سپیدۂ صبح نمودار ہو کر رہے گا)

ادھر حجاز میں شریف حسین اور اُس کے لڑکوں نے اتحادیوں کے دامِ فریب میں آکر بغاوت کردی۔ جارج انطونیوس نے (The Arab Awakening) میں لکھا ہو کہ ابتدائے عمل میں انگریز عربی بغاوت میں دخل دینے سے ہچکچاتے تھے مگر شریف حسین اور ان کے لڑکوں عبد اللہ اور فیصل نے انگلش سفیر متعینہ قاہرہ کی وساطت سے مسٹر چرچل کو یہ پیغام دیا کہ وہ ان کی بغاوت کی سربراہی کریں اور ترکی حکومت کے پنجۂ استبداد سے نکلنے میں مدد دیں۔ واللہ اعلم! بہرحال جنگ عظیم میں ترکوں کو

شکستِ فاش ہوئی۔ عربی صوبے ایک ایک کرکے ان کے ہاتھ سے نکل گئے جنگ کے اختتام پر اتحادیوں نے عربوں سے آنکھیں پھیر لیں عہد و مواثیق فراموش کردیئے عراق اور فلسطین پر انگریزوں نے قبضہ کرلیا۔ فرانسیسوں نے امیر فیصل کو دمشق سے بیک بینی دوگوش نکال کر شام پر قبضہ کرلیا اس پر احرار عرب کی آنکھیں کھلیں اور انھیں امیر شکیب ارسلان کی رائے کی صداقت معلوم ہوئی۔ اس اثنا میں وہ آستانہ میں مقیم رہے یہاں تک کہ مصطفےٰ کمال نے ردائے خلافت کو پارہ پارہ کرکے جمہوریت قائم کردی اور حکومت کا کعبہ مشرق سے پھیر کر مغرب کی طرف کردیا بعد میں امیر موصوف کمالی ترکوں کے شدید ترین ناقد بن گئے اور جنیوا میں رہنے لگے۔ جہاں سے انھوں نے عربوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے ایک فرانسیسی ماہنامہ (عرب قوم) (La Nation Arable) جاری کیا اس رسالہ نے انگریزی۔ فرانسیسی اور اطالوی استعمار کے بخیے ادھیڑ کر رکھ دیئے اور انگریزوں اور فرانسیسوں نے اس رسالہ کا داخلہ عراق۔ مصر اور فلسطین میں بند کردیا۔

۱۹۳۰ء میں امیر شکیب نے اندلس (اسپین) کی زیارت کی اور واپسی پر وہاں کے تاریخی آثار پر ایک کتاب تین جلدوں میں شائع کی ۱۹۳۴ء میں سلطان ابن سعود اور امام یحیٰی کے باہمی تنازعات نے جنگ کی شکل اختیار کرلی تھی ان دونوں کے باہمی اختلافات کو دور کرنے کے لئے اکابر اسلام کا ایک وفد حجاز گیا تھا اس وفد کے ایک رکن امیر موصوف بھی تھے اکابر اسلام کی مساعی کامیاب رہیں اور دونوں حکمرانوں میں جنگ و جدال کا سلسلہ رک گیا۔ دوسری جنگِ عظیم (۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۵ء) میں انھوں نے کوئی سرگرم حصہ نہیں لیا لیکن معلوم ہوتا ہو کہ ان کی ہمدردیاں یکسر جرمنوں کے ساتھ تھیں ایک دفعہ جنگ کے دوران میں مسولینی نے انھیں روما بلا بھیجا اور اُن سے اعانت کا خواہاں ہوا، امیر نے جواب دیا مدد کے لئے حاضر ہوں۔ بشرطیکہ طرابلس آزاد کردیا جائے۔ ۱۹۴۶ء میں جب کہ شام اور لبنان فرانسیسی اور حلقۂ انگریزی اقتدار سے آزاد ہوگئے تو ان کو وطن واپس آنے کی اجازت مل گئی۔ ۷/ اکتوبر ۱۹۴۶ء میں پچیس سال کی جلاوطنی کے بعد وطن تشریف لائے لیکن ان کی واپسی پر دو ماہ بھی نہ گزرے تھے کہ خفقانِ قلب کے عارضہ سے دسمبر ۱۹۴۶ء میں بیروت میں انتقال فرمایا ——— یہ ہو اُس مجاہدِ اعظم کی زندگی کا مختصر سا خاکہ جس کا ہر ہر لمحہ اور ہر ہر لحظہ اسلام اور مسلمانوں کی خدمت میں صرف ہوا ہے۔ جس کو مسلمانوں کا دکھ اور درد ہر دم بے چین رکھتا تھا جس نے۔ انگریزی۔ فرانسیسی۔ اطالوی۔ ولندیزی استعمار کی جڑیں ہلادی تھیں، اُن کے سیاسی مخالف اُنہیں جرمنوں کا تنخواہ دار ایجنٹ کہتے تھے لیکن حقیقت میں وہ اِن آلودگیوں سے پاک دامن تھے۔ اگر وہ چاہتے تو اتحادیوں کا ساتھ دے کر دنیا کے بڑے سے بڑے منصب اور عہدہ کو حاصل کرسکتے تھے لیکن ان کے ضمیر نے ان کو اثم اور طغیان سے تعاون کرنے میں اجازت نہ دی۔ وہ دنیاوی طمع لالچ۔ ڈر اور خوف کا لحاظ کئے بغیر اپنے جادۂ عمل پر گامزن رہتے تھے۔ شام میں ان کی آبائی املاک تھیں جن کو وہ بیچ بیچ کر اپنی زندگی گزارتے تھے۔ واقفینِ حال کا کہنا ہو کہ بعض اوقات ان کی مالی حالت اتنی خراب ہو جاتی ہو کہ ہوٹل کا کرایہ بھی نہ دے سکتے تھے۔ جینوا میں اُن کا مسکن عربوں کا قلعہ سمجھا جاتا تھا جہاں سے مغربی استعمار کے خلاف منصوبے تیار کئے جاتے

تھے۔ ان کی آرزو تھی کہ ان کا ملک ان کی زندگی میں آزاد ہو جاتے۔

اسلوب انشا اور تصانیف

امیر شکیب ارسلان نہ صرف ایک عظیم مفکر اور مجاہد تھے بلکہ عربی زبان کے معجز نگار انشا پرداز تھے۔ تاریخ۔ جغرافیہ۔ بین الاقوامی سیاست میں ان کا پایہ بہت بلند ہے۔ دنیائے اسلام کے ہر حصہ سے سیکڑوں خطوط اُن کے پاس آتے تھے جن کا وہ جواب دیا کرتے تھے۔ اندازہ کیا جاتا ہے کہ اُنہیں ہر سال دو ہزار کے لگ بھگ خطوط اور اخبارات کے لئے دو ڈھائی سو چھوٹے بڑے مضامین لکھنے پڑتے تھے۔ تصنیف وتالیف کا کام اس پر مستزاد ہے۔ ان کا اسلوب بیان متانت اور بلاغت کا جامع ہے اور متقدمین کی طرح سادہ اور فصیح ہے۔ ڈاکٹر محمد احمد الغمراوی کی کتاب "النقد التحلیلی لکتاب الادب الجاھلی"[1] پر ان کا مقدمہ اُن کے طرز انشا کا بہترین آئینہ دار ہے۔ حُسن بیان میں ابن خلدون کے مشابہ ہیں۔ ایک جگہ وہ خود لکھتے ہیں کہ انھوں نے ابن خلدون کی تحریروں کا بڑے غور سے مطالعہ کیا ہے اور اُس کے طرز انشا سے بہت متاثر ہوئے ہیں لیکن ہمارے خیال میں ابن خلدون بڑے بچے تلے الفاظ استعمال کرتا ہے اور امیر ہر چیز کو کھول کر اور پھیلا کر لکھتے ہیں۔ راقم السطور کی رائے میں امیر شکیب حُسن بیان اور سلاست میں دورِ عباسی کے بڑے سے بڑے ادیب اور انشا پرداز سے کم نہیں اُن کی مشہور تصانیف یہ ہیں:۔

(۱) "آخری نبی سراج" —— شاتو بریان کے ایک فرانسیسی ناول کا ترجمہ ہے۔

(۲) "حاضر العالم الاسلامی" —— ایک امریکن مصنف لوتھرپ سٹاڈرڈ نے (The New World of Islam) کے نام سے دنیائے اسلام کی سیاست پر ایک کتاب لکھی تھی اس کا عربی ترجمہ ایک عرب اہل قلم عجاج نویہض نے کیا تھا جب اِس ترجمہ کا دوسرا ایڈیشن شائع ہونے لگا تو مترجم نے امیر موصوف سے درخواست کی کہ اس ترجمہ پر فٹ نوٹس لکھ دیں یہ فٹ نوٹس (تعلیقات) اصل کتاب سے بھی تین گنا زیادہ بڑھ گئے، یہ کتاب دنیائے اسلام کی علمی۔ دینی۔ اصلاحی۔ اور سیاسی تحریکوں کی انسائکلو پیڈیا ہے —— "حاضر العالم الاسلامی" میں امیر ضمنی مسئلوں میں پڑ کر اصل موضوع سے دور جا نکلتے ہیں، لیکن انداز بیان اس قدر دلچسپ ہے کہ گراں نہیں گزرتا۔ اصل کتاب کا اُردو ترجمہ مسٹر عبد القیوم پرنسپل لا کالج لاہور کے قلم سے جدید دنیائے اسلام کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

(۳) "السید رشید رضاء او اخاء اربعین سنة" —— عالم اسلام کے مشہور مُصلح مفسر قرآن اور المنار کے ایڈیٹر کے حالاتِ زندگی اور ان کے مکاتیب کا مجموعہ (کتاب پر مفصل تبصرہ مسعود عالم صاحب ندوی کے قلم سے معارف بابت نومبر۔ دسمبر ۳۳ء میں شائع ہو چکا ہے)

---

[1] طٰہٰ حسین کی ہرزہ سرائیوں کی تردید میں بے مثال کتاب ہے

(۴) "الارتسامات اللطاف فی خاطر الحاج الی اقدس مطاف" — آپ ۱۳۵۴ھ میں حج اور زیارت سے مشرف ہوئے تھے یہ کتاب اُن کا سفرنامہ ہے۔

(۵) "تاریخ غزوات العرب فی فرنسہ وا طالیہ" — جنوبی فرانس۔ اٹلی میں عربی فتوحات کی تاریخ اور وہاں کے عربی آثار کا تذکرہ!

(۶) "الملل السندسیہ فی الاخبار و الآثار الاندلسیہ" — آپ نے اندلس (اسپین) کی سیاحت کی تھی واپسی پر انھوں نے وہاں کے جغرافیہ اور تاریخ پر یہ کتاب تین جلدوں میں شائع کی اِس میں اکابر رجال کے تراجم ہیں۔ مغربی مورخین کی غلط بیانیوں کی تصحیح کی ہے — حقیقت میں اس کو اندلس کا اٹلس (Atlas) کہنا چاہیئے۔

(۷) "لماذا تاخر المسلمون و لماذا تقدم غیرھم" — (مسلمان کیوں پیچھے رہ گئے اور غیر کیوں آگے بڑھ گئے) — جاوا کے ایک عالم نے المنار میں ارباب علم سے استفسار کیا تھا کہ زمانہ حال میں مسلمانوں کی زبون حالی اور جاپان اور مغربی اقوام کی ترقی کے کیا اسباب ہیں۔ جواب میں امیر نے اس عنوان سے مضمون لکھا تھا جس میں مسلمانوں کو ایثار اور جان و مال کی قربانی کرنے کی دعوت دی ہے۔ کتاب کا اُردو اور انگریزی میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔

(۸) "تکملہ تاریخ ابن خلدون" — ابن خلدون کی مشہور عالم تاریخ پر تعلیقات لکھے ہیں — کتاب کا امتیازی وصف یہ ہے کہ ضمناً سسلی (Sicily) اور دولت عثمانیہ کی تاریخ ۱۹۱۴ء تک آگئی ہے۔ بہت سے کتابوں کے مسودے چھوڑ گئے ہیں جن میں اُن کی خودنوشت سوانح اور مذاکرات قابل ذکر ہیں انھوں نے اخبارات اور رسائل میں سینکڑوں مقالات لکھے تھے، اگر کوئی اللہ کا بندہ ان کا انتخاب ہی شائع کر دے تو عربی ادب کی بڑی خدمت ہو گی — !

ارشد کاظمی

فکر و پیام

نہ چھیڑ صبحِ تعیش کے دلنشیں قصّے
مجھے تو شامِ غریباں کی بات کرنے دے

میں جانتا ہوں کہ ایواں میں عیش ہے رقصاں
کسی کے اُجڑے شبستاں کی بات کرنے دے

بجا ہے، قصر میں روشن چراغ ہیں لیکن
مجھے تو صرصرِ طوفاں کی بات کرنے دے

ابھی سے حُسنِ تبسم کا ذکر کیا معنی؟
ابھی تو حالِ پریشاں کی بات کرنے دے

عزیزِ مصر کا مانا کہ اقتدار سہی!
وقارِ یوسفؑ زنداں کی بات کرنے دے

سمٹ رہا ہے اندھیرا سیاہ راتوں کا
نمودِ مہرِ درخشاں کی بات کرنے دے

عبدالمجید حیرت

مدارات باہم دگر کچھ نہیں
کسی کو کسی کی خبر کچھ نہیں

بلا فیض و بخشش بشر کچھ نہیں
کہ جیسے شجر، بے ثمر کچھ نہیں

کبھی غور اس پر بھی فرمائیے
اِدھر کچھ نہیں، یا اُدھر کچھ نہیں

جہاں تک بھی ہے فکرِ آغاز ہے
نظر، یعنی انجام پر کچھ نہیں

تمنّا بھی مانا کہ ہے ایک شے
تمنّا سے حاصل مگر کچھ نہیں

جنونِ وفا مستقل چاہیئے
ذرا دیر کا دردِ سر کچھ نہیں

نہ روئے تو کیا آنکھ بیکار ہے
نہ برسے تو کیا ابرِ تر کچھ نہیں

سبق ہی سبق ہے، جدھر دیکھئے
ہماری ہی لیکن نظر کچھ نہیں

اُدھر فتنہ سامانیاں زور پر
اِدھر الاماں، الحذر کچھ نہیں

ہمیں مضطرب ہیں، ہمیں منقلب
زمانہ تو زیر و زبر کچھ نہیں

ہمارا بھی، حیرت، عجب حال ہے
اُدھر دیکھتے ہیں، جدھر کچھ نہیں،

غزل

شفیق صدیقی (جون پوری)

خوشی ہو یا الم کب زندہ دل غمناک ہوتا ہے
ہنسی جاتی نہیں پھولوں کی سینہ چاک ہوتا ہے

بھلا شبنم کا رتبہ نرگسِ خوابیدہ کیا جانے
بڑی مشکل سے حاصل دیدۂ نم ناک ہوتا ہے

حیاتِ جاودانی کا مزہ دیتی ہے پامالی
سلام اُس پر جو اُن کی رہ گزر کی خاک ہوتا ہے

بری ہوں گے نہ گُل الزام سے خونِ عنادل کے
کہیں شبنم ترے دھونے سے دامن پاک ہوتا ہے

اگر فطرت میں آرائش ہو بنتا کیا بگڑتا کیا
کلی کھلتی ہی رہتی ہے گریباں چاک ہوتا ہے

بُرا ہوتا ہے ہنگاموں سے دامن کا بچانا بھی
انہیں فتنوں میں پل کر آدمی چالاک ہوتا ہے

ہے جس پر منکشف رازِ خود آرائی و خود فہمی
وہی رمز آشنائے معنئ لولاک ہوتا ہے

دو شعر

شفا گوالیاری

چھپائی حُسن سے بھی عشق کی آشفتگی میں نے
نظر جب اُن کی اُٹھی تو نظر خود پھیر لی میں نے

کئی سورج نکھارے ہیں، کئی صبحیں سنواری ہیں
نہ دیکھی صرف آئینہ سمجھ کر زندگی میں نے

شعلہ و شبنم

ڈاکٹر اختر

ہے تعمیر و تخریب میں کشمکش سی
بنانے کی خاطر مٹانے کی خاطر

دنیا ہی سامنے ہے نہ عقبیٰ ہی سامنے
کیا جانے کس مقام پہ ہم لوگ آ گئے

چمن میں ہر طرف اپنے خزاں کا دور دورا ہی
بہار آئی تو پھر کلیاں کھلیں گی پھول مہکیں گے

زمانہ راہزنوں سے تھا بدگماں اختر
میں رہنماؤں سے دامن بچا کے آیا ہوں

رہزنوں کی رہزنی کا ذکر ہی بیکار ہے
رہبروں کا وقت پر دامن بچانا دیکھئے

روحِ انتخاب

اَمر بالمعروف وَنہی عَنِ المنکر

کُنتُم خَیرَ اُمَّۃٍ اُخرِجَت لِلنَّاسِ تَامُرُونَ بِالمَعرُوفِ وَتَنہَونَ عَنِ المُنکَر

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم
من رأی منکم منکرا فلیغیرہ
بیدہٖ، فان لم یستطع فبلسانہٖ
فان لم یستطع فبقلبہٖ وذالک اضعف
الایمان۔
(مسلم بروایت حضرت ابوسعید الخدری رضؓ)

رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ تم میں سے
جو شخص کسی منکر کو دیکھے تو اسے چاہیئے کہ اس کو اپنے ہاتھ
سے (معروف سے) بدل دے اور اگر ہاتھ سے تبدیلی کی استطاعت
نہ رکھتا ہو تو پھر زبان سے اس کی اصلاح کرے اور اگر
اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو دل سے اس کو بُرا جانے
(اور اس سے الگ تھلگ رہے) اور یہ ایمان کا سب سے ادنیٰ درجہ ہے۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم
ما من رجل یکون فی قوم یعمل فیھم
بالمعاصی یقدرون علیٰ ان یغیروا
علیہ ولا یغیرون الا اصابھم اللّٰہ
منہ بعقابٍ قبل ان یموتوا۔
(مشکوۃ بحوالہٗ ابوداؤد بروایت حضرت جریر ابن عبد اللّٰہ رضؓ)

حضور اقدس صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس قوم
کا کوئی فرد ان کے درمیان معاصی کا ارتکاب کئے جا رہا
ہو اور قوم اس پر قادر ہو کہ وہ اس شخص (کی معصیت
کاریوں) کو (نیکوکاری سے) بدل دے، اور پھر بھی لوگ
اس کی اصلاح و تبدیلی نہ کریں تو اللّٰہ تعالیٰ ان لوگوں کی
موت سے پہلے سب کو اپنے عذاب میں مبتلا کر دے گا۔

عن ابی بکر الصدّیق رضی اللّٰہ عنہ
قال سمعت رسول صلی اللّٰہ علیہ وسلم
یقولُ انّ الناس اذا رأوا الظالم فلم
یاخذوا علیٰ یدیہ اوشک ان یعمھم
اللّٰہ بعقاب من عندہٖ
(الترغیب لترہیب بحوالہٗ ابوداؤد و ترمذی وغیرہ)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللّٰہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے
آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سُنا
ہے کہ لوگ جب ظالم کو (ظلم کرتے ہوئے) دیکھیں اور اس
کا ہاتھ نہ پکڑیں تو بہت جلد اللّٰہ تعالیٰ پوری قوم کو اپنے
عذاب کی لپیٹ میں لے لے گا۔

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تزال لا الٰہ الا اللہ تنفع من قالھا وترد عنھم العذاب والنقمة مالم یستخفوا بحقھا قالوا، یا رسول اللہ، ما الاستخفاف بحقھا؟ قال یظھر العمل بمعاصی اللہ فلا ینکر ولا یغیر

(الترغیب والترہیب بحوالۂ اصبہانی بروایت حضرت انس بن مالک رض)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کلمۂ لا الٰہ الا اللہ الخ اپنے قائلین کو نفع پہنچاتا رہے گا اور ان کو خدا کے عذاب و گرفت سے بچاتا رہے گا جب تک کہ (اس کے قائلین) اس کلمہ کے حق کا استخفاف نہ کرنے لگیں، لوگوں نے کہا، یا رسولؐ اللہ، اس کلمہ کے حق کا استخفاف کیا ہے؟ آپؐ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اللہ کے معاصی پر عمل علانیہ ہونے لگے اور اس پر نہ نکیر کی جائے اور نہ اس کی اصلاح کی جائے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من نبی بعثہ اللہ فی امتہ قبلی الا کان لہ من امتہ حواریون واصحاب یاخذون بسنتہ ویقتدون بامرہ ثم انھا تخلف من بعدھم خلوف یقولون مالا یفعلون ویفعلون مالا یؤمرون فمن جاھدھم بیدہ فھو مومن ومن جاھدھم بلسانہ فھو مومن ومن جاھدھم بقلبہ فھو مؤمن، لیس وراء ذٰلک من الایمان حبة خردل۔

(مسلم بروایت حضرت عبداللہ بن مسعود رض)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھ سے پہلے (بھی) جس اُمت میں اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو مبعوث فرمایا ہے، اس اُمت میں اس کے حواری اور صحابی ہوتے رہے تھے جو اس نبی کے اُسوہ کی پیروی اور اُن کے احکام کی اتباع کرتے تھے (اسی طرح تم بھی کرتے رہوگے) پھر ایسے ناخلف ہوں گے کہ باتیں وہ کریں گے جن پر خود ان کا عمل نہ ہوگا، اور کام وہ کریں گے جن کا حکم اللہ نے ان کو نہیں دیا ہے تو جس نے ایسے لوگوں کے خلاف ہاتھ سے جہاد کیا وہ مومن ہے، اور جس نے ان کے خلاف دل سے جہاد کیا وہ مومن ہے اس سے نیچے رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں ہے۔

٭ ٭ ٭ ٭ ٭

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا مدح الفاسق غضب الرب تعالیٰ واھتزلہ العرش۔

(مشکوٰۃ بحوالۂ بیہقی بروایت حضرت انس رض)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب فاسق کی مدح سرائی کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ (مدح کرنے والے پر) غضبناک ہوتا ہے، اور اس (کے اس فعل مدح) سے عرش الٰہی کانپ اُٹھتا ہے۔

٭ ٭ ٭ ٭ ٭

(از جواہر رسالت)

ہماری نظر میں

العلم والعلماء

"العلم والعلماء" مترجم :- عبدالرزاق ملیح آبادی، ضخامت ۲۹۶ صفحات، کاغذ، کتابت اور طباعت کی تمام خوبیوں کے ساتھ! مجلّد قیمت پانچ روپیہ آٹھ آنے، غیر مجلّد چار روپے آٹھ آنہ، ملنے کا پتہ :- ندوۃ المصنفین، اُردو بازار، دہلی!

پانچویں صدی ہجری کے مشہور عالم علامہ ابن عبدالبر کی گراں قدر تصنیف "جامع بیان العلم وفضلہ" کو مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی نے اُردو میں منتقل کیا ہے، ترجمہ نہایت شستہ، رواں اور بامحاورہ ہے اور کتاب پڑھتے میں اس کا احساس تک نہیں ہوتا کہ "ترجمہ" پڑھا جارہا ہے ——— شروع میں خود لائق مترجم نے تیس صفحہ کا فاضلانہ مقدمہ لکھا ہے جس میں غیر مسلم محققین کی شہادتیں پیش کی ہیں کہ یہ مسلمان تھے، جنھوں نے یورپ کے اندھیرے میں علم وتہذیب کی شمعیں روشن کیں اور انسانیت کے سامنے تمدن و ثقافت اور فکر و عمل کی نئی نئی راہیں کھول دیں

اصل کتاب کی اہمیت اور افادیت کے لئے صرف یہی کہدینا کافی ہے کہ یہ علامہ ابن عبدالبر کی لکھی ہوئی ہے، کس قدر علمی مواد ہے، کیا تحقیق ہے، علم و فضل، کتنے بہت سے گوشوں کی نقاب کشائی کی ہے!

متقدمین علماء کی دیانت کا یہ عالم رہا ہے کہ جو روایتیں اُن تک پہونچتی تھیں، چاہے وہ متضاد ہی کیوں نہ ہوں، اُن کو نقل کرنے میں نہیں ہچکچاتے، یہ بات اس کتاب میں بھی موجود ہے، اب یہ کتاب پڑھنے والے کی بصیرت اور وجدان پر موقوف ہے کہ وہ اس تضاد میں یا تو مطابقت پیدا کرے یا متضاد اور بوقلموں روایتوں میں نقطۂ اعتدال تلاش کرے ——— دینی کتابوں کے مطالعہ سے دل میں خشیت اور کتاب و سنت کے اتباع کی طرف زیادہ سے زیادہ میلان پیدا ہونا چاہئیے، اور اس کتاب میں یہ خصوصیت پائی جاتی ہے!

ندوۃ المصنفین کی علمی اور دینی خدمات میں "العلم والعلماء" نے اضافہ کر دیا ہے-

تسہیل البیان

"تسہیل البیان فی توضیح القرآن" از :- سلطان محمود، ضخامت ۴۴ صفحات قیمت بارہ آنہ ملنے کا پتہ :- سلطان محمود ناظم مدرسہ خادم علوم نبوت کوٹھالہ شیخان ضلع گجرات مغربی پنجاب!

جناب مولانا سلطان محمود صاحب (سابق صدر مدرس مدرسہ عالیہ فتحپوری (دہلی) نے عام فہم انداز

لہ صفحہ (۴۲) پر "عاطس" سہو کتابت کے سبب "عاطش" چھپ گیا ——— اور صفحہ (۶۶) پر کاتب نے بڑی فاحش غلطی کی ہے کہ "ابوالزناد" کو "ابوالزناء" لکھدیا! (م-ق)

ہیں سورۂ فاتحہ کی تفسیر لکھی ہے اور شروع میں اس بات کو دلیلوں سے واضح فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ عرب ہی کو قرآن پاک کی تعلیم و اشاعت کے لئے کیوں منتخب کیا ؟

(صفحہ ۹) "رونے وچلّانے" ——— اور "مدعیانِ اسلام میں یہ غلطی آگئی ہے" (صفحہ ۳۸) جیسی زبان کی غلطیاں کہیں کہیں ملتی ہیں ——— "ایاک نستعین" کی تفسیر میں لائق مفسر کو دو ٹوک انداز میں لکھنا چاہیے تھا کہ بعض مسلمان انبیاء اور اولیاء سے جو مدد چاہتے ہیں، یہ نظریۂ توحید کے قطعی منافی ہے !

قصص النبیین

(۱) قصص النبیین حصہ اوّل ضخامت ۶۲ صفحات قیمت دس آنہ (۲) قصص النبیین حصہ دوم صفحات ۵۹ ، قیمت دس آنہ، تالیف :- سید ابوالحسن علی الحسنی الندوی، ملنے کا پتہ :- ندوۃ العلماء، لکھنؤ (بھارت)

اُردو ہو، انگریزی ہو، ہندی ہو یا خود عربی ہو، اب تک بچّوں کے لئے جو ریڈریں لکھی گئی ہیں، اُن میں عام طور پر بلّی، کتّے، چوہے اور کچھوے کی کہانیاں ہوتی ہیں، مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی نے روشِ عام سے ہٹ کر عربی پڑھنے والے بچّوں کے لئے دو ریڈریں عربی زبان میں لکھیں ہیں اور انبیاء کرام کے سچّے قصوں سے اُن کو مُزیّن کیا ہے ! پہلے حصّہ میں حضرت سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت سیدنا یوسف علیہ السلام کے پاک، سچے اور ایمان افروز قصّے ہیں اور دوسرے حصّہ میں حضرت نوحؑ، حضرت ہودؑ اور حضرت صالح علیہم السلام کے قصوں کو پیش کیا ہے، کتاب کی زبان اور ادب و انشاء پر سب سے بڑی سند جامعہ ازہر کے پروفیسر شیخ احمد الشرباہی کی تقریظیں ہیں !

فاضل مؤلف نے بچّوں کی نفسیات کی مکالموں میں پوری پوری رعایت رکھی ہے، کس قدر سہل اور دلنشین فقرے ہیں اور کتنا دلچسپ اور عام فہم اندازِ بیان ہے ! پھر لکھنے والے کے خلوص کی ایک ایک لفظ سے تراوش ہو رہی ہے ! ان کتابوں کو جو طلباء سبقاً سبقاً پڑھ لیں گے اُن کو قرآنِ پاک سے خاص مناسبت پیدا ہو جائے گی ! ——— کیونکہ صاحب تالیف نے جگہ جگہ قرآن کی آیتیں قصّہ کے پلاٹ کے ساتھ بڑے قرینہ اور سلیقہ سے نگینہ کی طرح جڑ دی ہیں !

یہ کتابیں مصر میں خوشنما ٹائپ پر چھپی ہیں، کاغذ سفید اور چکنا ہے، ان ریڈروں کا پڑھنا زبان، ادب اور اخلاق و ایمان کے اعتبار سے سو فی صدی نفع بخش ہے ! اللہ تعالیٰ مولانا علی میاں کو دارین میں اجرِ جزیل عطا فرمائے کہ اس مردِ قلندر نے خدمتِ دین کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا ہے !

مُعلّم الانشا

"معلم الانشا" (حصہ اوّل) از :- عبدالماجد ندوی، ضخامت ۱۸۰ صفحات، قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ، ملنے کا پتہ :- دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ !

دارالعلوم ندوۃ العلماء (لکھنؤ) کے فاضل اُستاد مولانا عبدالماجد ندوی نے یہ کتاب اس غرض سے لکھی ہے کہ طلباء میں عربی بول چال، عربی ترجمہ و انشاء اور عربی ادب سے مناسبت پیدا ہو اور عربی بولنے چالنے اور لکھنے پڑھنے میں وہ کچے نہ رہ جائیں، ترجمہ کی تمرینات (exercises) کے ساتھ صرف و نحو کے ضروری قواعد بھی بیان ہوتے چلے گئے ہیں ! کتاب تعلیم و تدریس کے تازہ ترین

اسلوب پر لکھی گئی ہے، اس کتاب کو جو طالب علم سمجھ کر پڑھے گا وہ عربی زبان میں معمولی خط و کتابت کرنے کے قابل ہو جائے گا ——— مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی نے مقدمہ میں ٹھیک لکھا ہے:-

"جملوں اور الفاظ کے انتخابات میں بھی اسلامی ذہنیت اور دینی خیال نمایاں ہے، بکثرت جملے قرآن و حدیث سے ماخوذ ہیں۔ .. یہ اُن مسلمان طلبہ کی درسی کتاب ہے جن کو مستقبل میں دین کا داعی اور اسلام کا سپاہی بننا ہے اور زبان کے حصول سے اُن کو دین کی خدمت لینا ہے۔" ———

کتاب کے آخر میں مشکل الفاظ کی فرہنگ ہے، جس نے اس کتاب کی افادیت میں اور اضافہ کر دیا ہے!

قابل کے سو شعر

"قابل کے سو شعر" از:- قابل اجمیری، پاکٹ سائز، رنگین سرورق حجم ۸۰ صفحے، شاعر کی تصویر کے ساتھ (قیمت درج نہیں) ملنے کا پتہ:

"خالد" رسالہ روڈ، حیدر آباد سندھ

جناب قابل اجمیری کے سو منتخب شعروں کا حسین مجموعہ ہمارے سامنے ہے، جس کو "ڈاکٹر محمد اسمٰعیل نامی" سے منتسب کیا گیا ہے اور حضرت جگر مراد آبادی نے جس پر مختصر سا تعارف لکھا ہے!

قابل اجمیری برسوں سے بیمار ہیں مگر اُن کی زبان اور فکر صحت مند ہے! اُن کی غزلوں میں بڑی زندگی اور تازگی پائی جاتی ہے، قابل محسوس کر کے شعر کہتے ہیں، اُن کے اشعار میں "نغمہ و فریاد" کا امتزاج پایا جاتا ہے ——— ان چند اشعار کو پڑھئے اور شاعر کی صحت و شفاء کے لئے دعا کیجئے:-

چاہتا ہے نظم محفل اک مکمل انقلاب چند شمعوں کے بھڑکنے سے سحر ہوتی نہیں

———

ساغر چھوا بھی ہو تو مرے ہاتھ ٹوٹ جائیں ناصح میں کیا کروں وہ نظر سے پلا گئے

———

بے کسی سے بڑی اُمیدیں ہیں تم کوئی آسرا نہ دے جانا

———

شراب ناب ہی سے ہوش اُڑ جاتے ہیں انساں کے ترا کیفِ نظر بھی ہو گیا شامل تو کیا ہوگا

———

راستے صاف پائے جاتے ہیں اب ذرا دیکھ بھال کر چلئے

———

تم نے پیمانِ محبت تو کیا تھا لیکن اب تمھیں یاد نہیں تو مجھے شکوا بھی نہیں

———

وہی اضطرابِ فراق ہے، وہی اشتیاق وصال ہے تری جستجو میں جو حال تھا، تجھے پا کے بھی وہی حال ہے

———

محبت منزلِ یک گام بھی ہو ! محبت کو ہے عمرِ خضر بھی کم

تمھیں نے عالمِ دیوانگی دیا تھا مجھے تمھیں کو آج تکلف ہے مُسکرانے میں

آج ہی تیری مدارات بہت یاد آئی آج ہی شکوۂ بیداد کا آیا تھا خیال

اچھا ہوا کہ آپ لبِ بام آ گئے بڑھتے ہی جا رہے تھے نگاہوں کے حوصلے

حادثہ ایک دم نہیں ہوتا وقت کرتا ہے پرورش برسوں

مجبور ہے شبنم رونے پر ہنسنے کا اُسے مقدور نہیں
ہم اپنی خوشی سے روتے ہیں، شبنم کی طرح مجبور نہیں

تذکرہ مشائخ بنارس

"تذکرہ مشائخ بنارس" مُرتبہ :- ابوالاثر عبدالسلام، ضخامت ۱۰۴ صفحات، قیمت ایک روپیہ —— ملنے کا پتہ :- ندوۃ المعارف کچی باغ، بنارس (یو۔ پی) بھارت

اس کتاب میں چھٹی صدی ہجری سے لیکر چودھویں صدی ہجری تک بنارس کے تقریباً بانوے ۹۲ مشاہیر علماء اور بزرگانِ دین کے حالات درج ہیں اور ان بزرگانِ دین میں شیخ علی حزیں مشہور ایرانی شاعر کو بھی شامل کرلیا گیا ہے، بعض تذکرے چار چار، پانچ پانچ سطروں ہی میں ختم ہو جاتے ہیں —— مثلاً

مولانا یار محمد

آپ حضرت مولانا نعمت اللہ ساکن جمال الدین پورہ کے فرزند تھے، جو میرے والد صاحب کے فارسی کے اُستاد تھے، تعلیم مدرسہ مطلع العلوم میں ہوئی، عزلت پسند تھے، عوام سے تعلق کم رکھا، آخری زندگی سخت مصائب میں گزار کر ۱۲؍ ربیع الثانی ۱۳۷۰ھ مطابق ۲۱؍ جنوری ۱۹۵۱ء کو انتقال کیا!

' اُردو زبان اور ادب بہت وسیع اور بلند ہو چکے ہیں، لہٰذا اس قسم کی کتابوں کو افسوس ہے کہ کوئی مقام نہیں دیا جا سکتا'

افکارِ معظم

"افکار معظم" از :- حاجی محمد عمر خلیل، حجم ۱۶ صفحے، معمولی کاغذ، قیمت چار آنہ، ملنے کا پتہ:- سلیمان بک ڈپو کلاتھ مارکیٹ اسٹریٹ نزد کاغذی بازار میٹھادر کراچی !

یہ جناب حاجی محمد عمر خلیل صاحب کے کلام کا مجموعہ ہے، جسے سید حسین شاہ صاحب کی فرمائش پر شمیم بک ڈپو نے شائع کیا ہے، اس کتابچہ کی اشاعت نے اُردو ادب کی کمیت میں تو بے شک اضافہ کیا ہے مگر "کیفیت" میں اضافہ نہیں کیا۔!

امن کس طرح قائم ہوسکتا ہے!

"امن کس طرح قائم ہوسکتا ہے" از:- مولوی حبیب اللہ و مولوی حامد حسین، حجم ۵۲ صفحے، قیمت چھ آنہ، ملنے کا پتہ :- مکتبہ جماعت اسلامی کانپور!

یہ دو تقریریں ہیں جو جماعت اسلامی (ہند) کے کل ہند اجتماع منعقدہ رام پور (بتاریخ ۲۱ اپریل ۱۹۵۱ء) میں کی گئی تھیں۔ تقریروں کے عنوانات ہیں ——— (۱) امن کس طرح قائم ہوسکتا ہے اور (۲) ایک صالح نظام کی ضرورت!

یہ تقریریں حقیقت میں حرز جان بنانے کے قابل ہیں، آغاز سے لیکر اختتام تک اسلامی فکر اور ایمانی عزیمت ہی عزیمت نظر آتی ہے، اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ بعض مذہبی حلقوں کی مخالفت کے باوجود جماعت اسلامی کا کام ——— جو در اصل دین کا کام ہے. پھیلتا اور بڑھتا چلا جا رہا ہے!

کالے قانون

"کالے قانون" مرتبہ :- اسعد گیلانی، حجم ۳۰ صفحات قیمت آٹھ آنے، ملنے کا پتہ :——— مکتبہ جہانِ نو، یلرسٹی، کراچی!

اس کتابچہ میں پاکستان کے سیفٹی قوانین کا جائزہ لیا گیا ہے، اس جائزے کو پڑھ کر بھی ارباب اختیار کی آنکھیں نہ کھلیں تو پھر اُن کو اللہ کے فیصلہ کا انتظار کرنا چاہیئے!

کتاب کے آغاز میں چند سطریں اُس مجاہد اور عظیم مفکر کے قلم کی ہیں جو حق گوئی کے جرم میں ——— قید کاٹ رہا ہے۔

"سیفٹی ایکٹ اپنی روح اور حقیقت کے اعتبار سے قانون کی نفی ہے جسے مصنوعی طور پر قانونی شکل دے دی گئی ہو۔ اس قسم کے قوانین صرف وہ حکومتیں استعمال کرسکتی ہیں جن کے وجود کے لئے کوئی اخلاقی جواز باقی نہیں رہتا، جو صرف زبردستی کے بل پر ہی اپنے آپ کو قائم رکھ سکتی ہیں، جنھیں خود بھی یہ احساس ہوجاتا ہو کہ انصاف اب ان کی جانب نہیں ہو اگر ان حکومتوں نے اس حد تک گر جانے کا ارادہ کرلیا ہو تو ہم ان کو پیغام تعزیت دینے کے سوا اور کچھ نہیں کرسکتے۔"

(سید ابو الاعلیٰ مودودی)

یہ کتاب اب سے ڈیڑھ سال پہلے مُرتب کی گئی تھی، اور اس مدت میں پاکستان کے ارباب اختیار اس قسم کے قوانین اور آرڈی ننس بنانے اور اُن کو مسلط کرنے میں کافی مشاق ہوچکے ہیں، اگر طاقت کا یہ نشہ جلد نہ اُترا تو ہمیں اچھے آثار نظر نہیں آتے، اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو معاف نہیں کرتا جب کہ ندامت اور تلافی مافات کی رمق بھی اُن میں نہ پائی جاتی ہو!

جناب اسعد گیلانی نے اس کتاب کو مرتب فرما کر، اتمام حجت کا فرض پورا کردیا ہے!

"انکار"

"انکار" (ڈرامہ) از :- مجتبیٰ حسین ضخامت ۴۸ صفحات (رنگین گرد پوش) قیمت دس آنے، ناشر :- مرکز ادب بندر روڈ، کراچی!

اُردو ادب میں ناولوں اور افسانوں کی تو کافی بہتات ہے مگر ڈراموں کا قحط ہے، یہ واقعہ ہے کہ ہمارے یہاں کامیاب ناولسٹوں اور باکمال افسانہ نویسوں کے پایہ کے ڈرامہ نگار ابھی تک پیدا نہیں ہوسکے، جناب مجتبیٰ حسین نے غالباً اسی کمی کو پورا کرنے کے لئے یہ قدم اُٹھایا ہے جو ٹیکنک کے اعتبار سے کامیاب ہے!

"انکار" کا پلاٹ شروع سے لیکر آخر تک مربوط ہے، زبان بھی منجھی ہوئی ہے اور مکالمے نفسیاتی طور پر اثر انگیز ہیں:-

——"میں ایک آوارہ گرد، بیکار اور بیزار آدمی تھا، مگر تمہاری صحبت نے مجھے زندگی کی گرمی دی ——— وہ زمین دی جس پر میں ابھی تک نہیں چلا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں نے اب تک دکھ درد کو دور سے دیکھا تھا۔ ۔ ۔ ۔ مگر

تمہارے ساتھ میں نے انہیں بہت قریب سے دیکھا ۔ ۔ ۔ ۔"

یہ جملہ کس قدر اثر انگیز اور فلسفیانہ ہے ۔۔۔

" گھر کے معنیٰ دیواریں نہیں ہوتیں، گھر کے معنیٰ بال بچے، آرام کے سامان کھانے پینے کی چیزیں اور رہنے کی جگہ ہے ۔ ۔ ۔ ۔ "

(صفحہ ۱۱) " پہاڑ ایسی زندگی بسر کرنی ہے" ۔۔۔۔۔ " کاٹنی ہے" ہوتا تو جملہ زیادہ اثر انگیز ہو جاتا ۔۔۔۔ (صفحہ ۱۱)
" میں انھیں مناسب رشتہ دلا دوں گا" ۔۔۔۔ " رشتہ دلا دوں گا" وجدان پر گراں گزرتا ہے، اس خیال کو دوسرے لفظوں میں ادا کرنا چاہیئے تھا ۔۔۔ (صفحہ ۲۱) " بڑی کٹی کٹی باتیں کر رہے ہو" ۔۔۔۔ " جلی کٹی" لکھنا چاہیئے تھا ۔۔۔۔
(صفحہ ۳۱) " جکڑی ہوئی، مگر دراد بے حق" ۔۔۔۔ " بے حق" یہاں اکھڑا اکھڑا سا لگتا ہے ۔۔۔۔ (صفحہ ۳۵) " زیادہ ذرا دیر تک جاگ گیا تھا" ۔۔۔۔ " جاگا تھا" کا محل تھا! (صفحہ ۴۰) " بشارت مولوی صاحب کو سہارے سے لے جاتا ہے" ۔۔۔ مصنف غالباً کہنا یہ چاہتا ہے کہ بشارت مولوی صاحب کو سہارا دے کر یا اُن کا بازو تھام کر لے جاتا ہے، بعض وقت اختصار نویسی کی بدولت مفہوم ٹھیک طرح ادا نہیں ہو پاتا، اور یہ نقص اس جملہ میں موجود ہے۔

کارواں چلتا رہا

" کارواں چلتا رہا" از :- ریاض روفی، ضخامت ۱۳۷ صفحات، مجلد رنگین گرد پوش کے ساتھ، قیمت ایک روپیہ دس آنے، ملنے کا پتہ :- مرکز ادب ۔۔۔۔ روڈ کراچی

یہ کتاب جناب ریاض روفی کے پانچ افسانوں کا مجموعہ ہے، یہ افسانے دلچسپ ہیں اور لکھنے والے کی مشاقی اور نفسیات شناسی کی زندہ شہادت ہیں، ریاض روفی اپنے مقصد کو افسانہ میں سمونا جانتے ہیں، یہ آرٹ ہر افسانہ نگار کو نہیں آتا۔

(صفحہ ۱۸) " اُس نے گردن کے ایک خفیف خم سے اثبات میں جواب دیا" پورا جملہ ترجمہ سا معلوم ہوتا ہے
صفحہ " ۲۸ " " بچہ مستقل رو رہا تھا" ۔۔۔ " مستقل" یہاں وجدان کو کھٹکتا ہے " بچہ روئے چلا جا رہا تھا" یا اسی انداز کا جملہ لکھنا چاہیئے تھا ۔۔۔۔ (صفحہ ۵۸) " وہ سلیمان سپاہی کون تیرا سگّا ہے" ۔۔۔۔ " سگا " کے " گ " پر مصنف نے جو تشدید لگائی ہے وہ غلط ہے اہلِ زبان " سگا " کو مشدد نہیں بولتے اہاں دکن میں ہم نے البتہ " سگّا بولتے سنا ہو اور سامعہ نے اذیت محسوس کی ہے ۔۔۔۔ صفحہ " ۶۵ " پر افسانہ نگار نے جو " بانس کی قمچیوں" لکھا ہے، تو وہ غلط نہیں ہے مگر اچھا ہوتا کہ وہ " بانس کی کھپچیوں" لکھتے ! " قمچی " در اصل بچوں اور نوکروں کی تادیب اور جانوروں کے مارنے کے لئے بنائی جاتی ہے، یہ نازک فرق ملحوظ رہنا چاہیئے۔

صفحہ " ۱۰۷ " پر " وجیہ " کو " وجیح " لکھا ہے اس غلطی کا ذمہ دار نہ جانے کاتب ہے یا خود افسانہ نگار ! ۔۔۔۔

(صفحہ ۱۳۴) " شملہ کی برفیلی پہاڑیوں پر" ۔۔۔ عام طور پر " برفانی " بولا جاتا ہے !

" انکار " اور " کارواں چلتا رہا" ۔۔۔۔ مرکزِ ادب کی یہ دو کتابیں ہمارے سامنے آئی ہیں، ہم پوری ذمہ داری کے ساتھ یہ کہنے کو تیار ہیں کہ ان کتابوں کے مصنف اشتراکیت سے متاثر ہیں، اور انھوں نے اپنے اس مسلک کو اپنی تحریروں میں سمونے کی کوشش کی ہے۔

مرکزِ ادب پر اگر اشتراکی خیال رکھنے والوں کا قبضہ ہے تو ہمیں اُن سے کچھ کہنا نہیں ہے، ہر شخص کو اپنے خیال اور مسلک کی اشاعت اور اظہار کا حق حاصل ہے، لیکن " مرکزِ ادب" میں اگر کچھ ایسے لوگ بھی شامل ہیں جو خدا، رسولؐ، کتاب و سنت جنت و دوزخ، آخرت اور اسلامی اخلاقیات پر ایمان رکھتے ہیں، تو وہ اس انداز کی کتابیں چھاپ کر اسلام کے مخالف کیمپ کو نادانستہ طور پر کمک پہنچا رہے ہیں، زبان و ادب کی خدمت ہی اگر مقصود ہے تو اسلامی اخلاق، دینی انقلاب اور سچائی کے عالمگیر اصول اور نظریوں کے موضوعات پر بہتر سے بہتر کتابیں لکھوائی جا سکتی ہیں !

فاران کراچی

پاکستان

مالک ۔ مولانا محمد عمر صاحب فاروقی

جہانیاں ضلع ملتان

ماہر القادری

جلد ۵ —————— نمبر ۱۰

ماہنامہ

فاران

جنوری ۱۹۵۴ء ایڈیٹر :- ماہر القادری

چندہ سالانہ

۶ روپیہ (پاکستانی) —————— فی پرچہ ۸/

۸ روپیہ (ہندستانی) —————— فی پرچہ ۱۱/

مقام اشاعت :- دفتر فاران کیمبل اسٹریٹ کراچی نمبر ۱

نظم و ترتیب

صفحہ

حصۂ نظم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ اوّل

"فاران" کی گزشتہ اشاعت میں مجھے اپنی بیماری کا کسی نہ کسی عنوان سے تذکرہ کرنا چاہیئے تھا مگر میں نے جان کر نہیں کیا، اندازہ یہ تھا کہ علالت کا یہ سلسلہ زیادہ طول نہ کھینچے گا اور یہ طوفان جلد گزر جائے گا، پھر میں اپنی بیماری کا ذکر چھیڑ کر "فاران" کے قدردانوں کو بلاوجہ تشویش میں کیوں مبتلا کروں ——— مگر میرا اندازہ غلط نکلا، علاج اور دوا دارو کے ساتھ مرض اور بڑھتا گیا، یہاں تک کہ مجھے ہسپتال میں داخل ہونا پڑا، چند دن سخت گزرے اور ایک رات تو موت و حیات میں کشمکش کی نوبت آگئی، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل فرمایا اور کشتیِ حیات کو گرداب سے نکال لیا، مستقبل کا حال تو اللہ ہی جانتا ہے لیکن اس وقت تو مرض بالکل دب چکا ہے، اور صحت تیزی کے ساتھ عود کرتی چلی آرہی ہے، مگر ابھی صحت کے "——— NORMAL" ہونے تک ابھی کافی آرام و سکون اور احتیاط و پرہیز کی ضرورت ہے۔

بیماری اس اعتبار سے "رحمت" بھی ہے کہ اہلِ ایمان کے لئے یہ کفارۂ سیئات کا سبب اور حیلہ بن جاتی ہے اور صحت کے زمانہ میں جو غفلت ہوتی ہے اُس کے مقابلہ میں بیماری کی شدت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط ہوتا چلا جاتا ہے علالت کے دوران میں اپنا ایک ایک گناہ اور ایک ایک لغزش یاد آرہی تھی، میرے تیمار دار شاید سمجھتے ہوں گے کہ میں موت کے ڈر سے

رو رہا ہوں یا شدّتِ کرب و اذیت کے سبب آنسو نکلے چلے آرہے ہیں لیکن یہ توبہ و ندامت کے آنسو تھے جن کو میں اپنی زندگی کی گراں قدر متاع سمجھتا ہوں، اگر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ آنسو قبول ہوگئے تو میری بیماری بڑے کام کی چیز نکلی!

میں نے ابھی ابھی "بیماری" کو "رحمت" کہا تھا مگر یہ ایسی رحمت ہے جس کی طلب نہیں کرنی چاہیئے، اللہ تعالیٰ ہر کسی کو امتحان اور ابتلاء سے محفوظ رکھے، اللہ سے دُعا صحت و عافیت ہی کی کرتے رہنے کی ضرورت ہے، غالباً حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ نے ایک بار حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ میں بیماری کو صحت پر اور مصیبت کو راحت و آرام پر ترجیح دیتا ہوں، اس پر امام عالی مقام نے فرمایا کہ بیماری اور مصیبت کی تخصیص کیوں؟ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے جو بھی ملے اُس پر راضی رہنا چاہیئے۔

زوالِ نعمت کے بعد ہی نعمت کی صحیح طور پر قدر ہوتی ہے، حقیقت یہ ہے کہ صحت اور تندرستی اللہ پاک کی بہت بڑی نعمت، فضل، نوازش اور عطیہ ہے، اور اس نعمت کی صحیح قدردانی یہ ہے کہ صحت اور تندرستی اللہ تبارک و تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے صرف کی جائیں، جس نے صحت کو خدا فراموشی، غفلت و سرشاری اور ہوا و ہوس میں اُڑا دیا اُس نے ایسی تجارت کی جس میں سو فیصدی خسارہ ہے، ایسی زندگی انسانوں کی نہیں چوپایوں کی زندگی ہے، افسوس ہے کہ دورِ حاضر کا تمدن اور یہ مادی تہذیب انسانوں کو بہائم و وحوش بنائے جارہی ہے اور لوگ ہیں کہ خوشی خوشی درندے اور چوپائے بنے جارہے ہیں۔

ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہئے

بیماری کے دنوں میں بار بار یہ خیال آتا تھا کہ اللہ کے فضل سے میرے پاس تیمارداروں کا ہجوم رہتا ہے، کھانے کے لئے بڑی سے بڑی نعمت، پینے کے لئے ہر دوا، علاج معالجہ اور دیکھ بھال کے لئے ڈاکٹر اور نرسیں تک موجود ہیں، ہسپتال کا اسپیشل وارڈ ہے، نرم و گداز بستر ہے، بجلی کی روشنی اور پنکھا ہے — مگر اسی کراچی میں ایسے اپاہج بھی ہیں جو سڑکوں پر گھسٹتے پھرتے ہیں اور کوئی اُن کو سہارا دینے والا تک نہیں ہے، اسلامی مملکت کے اس دارالخلافہ میں ایسے بیمار بھی پائے جاتے ہیں جن کو دودھ کی ایک پیالی اور دوا کا ایک گھونٹ بھی میسر نہیں آسکتا، کیا ایسے بیماروں کی ناداری اور کس مپرسی کے لئے حکومت کے اربابِ حل و عقد سے قیامت کے دن باز پُرس نہ ہوگی؟

اللہ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں جماعتِ اسلامی پر کہ اُس نے اس ضرورت کا احساس کر کے جن جن شہروں میں بھی حالات نے مساعدت کی، گشتی شفاخانے قائم کردیئے، جن سے نادار مریض بلا کسی قیمت کے دوا اور طبی امداد حاصل کرتے ہیں ——— ایک اسلامی حکومت کے فرائض میں داخل ہے کہ وہ ہر بے روزگار کے لئے روزگار کا اور ہر نادار مریض کے لئے مفت طبی امداد کا انتظام کرے، اگر وہ ایسا نہیں کرتی تو ایک مجرمانہ فروگزاشت کا ارتکاب کرتی ہے۔

میری علالت کے زمانہ میں دُور کے لوگوں نے خط اور تار کے ذریعہ اور کراچی کے جن حضرات نے خود زحمت فرما کر بیمار پرسی کی ہے، میں اُن سب کا سپاس گزار ہوں، آنے جانے والوں کا مسلسل تانتا بندھا رہا ہے،

اس سے پہلے مجھے اس کا اندازہ نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اتنے بہت سے دلوں میں مجھ ہیچمدان اور ناکارہ کی محبت ڈال دی ہے، یہ مقامِ فخر نہیں مقامِ شکر ہے، ہمدردی اور غم گساری کی انتہا ہے کہ مشہور مزاح نگار شاعر جناب سید محمد جعفری نے اپنا خون تک میرے لئے پیش کردیا، سینٹرل جناح ہسپتال کے بڑے ڈاکٹروں سے لیکر نیچے کے عملہ تک ہر متعلق فرد کا سلوک میرے ساتھ ہمدردانہ رہا ——— مگر بدمزہ دواؤں اور انجکشنوں کی چبھن کے لئے وہ مقدر تھے، اور جن چیزوں سے میں نے ہمیشہ کوسوں دور رہنے کی کوشش کی ہے، اللہ کا کرنا دیکھئے کہ انھی سے کامل ایک ماہ تک دن رات واسطہ رہا اور انھی ناگوار چیزوں کو گوارا کرنے کے باعث اللہ تعالیٰ نے صحت عطا فرمائی۔

المناک سانحہ

میں نے بستر علالت پر علامہ سید سلیمان ندویؒ کی وفات کی اندوہناک خبر سُنی تھی، کوئی شک نہیں کہ سید صاحب (نور اللہ مرقدہٗ) کی وفات علمی دُنیا کا بہت بڑا حادثہ ہے، سید صاحب مرحوم جیسی شخصیتیں روز روز پیدا نہیں ہوا کرتیں ——— میں انشاء اللہ اُن پر ایک مفصّل مضمون لکھوں گا، جو سب سے پہلے "فاران" ہی میں چھپے گا!

بھارتی حکومت کی بدحواسی

پاکستان کو امریکہ سے جنگی ہتھیاروں کی امداد لینی چاہیئے یا نہیں چاہیئے؟ اس موضوع پر بہت کچھ گفتگو کی جاسکتی ہے اور یہ ہم پاکستانیوں کے سوچنے اور غور کرنے کا مسئلہ ہے ——— مگر جب سے یہ خبر بیس میں آئی ہے بھارت کی حکومت پر ایک عجیب و غریب بدحواسی طاری ہوگئی ہے، دلیش پانڈے، کھرے اور تارا سنگھ جیسے تنگ نظر، سطحی بیں اور اینٹی پاکستان لیڈروں سے تو ہمیں اسی قسم کے بیانات کی توقع تھی جس قسم کے طفلانہ بیانات وہ دے رہے ہیں، مگر حیرت اس پر ہے کہ پنڈت جواہر لال نہرو جیسا ہوش مند وزیر اعظم بھی اپنی بلند سطح سے اُتر کر بہت نیچے آگیا ہے۔

پنڈت جی موصوف فرماتے ہیں کہ پاکستان کو امریکہ اسلحہ کی امداد دے گا تو اس سے ایشیائی طاقتوں کے "توازن" میں فرق آجائے گا ——— یہ "ایشیائی طاقتوں کا توازن" ایک ایسا مفروضہ، واہمہ اور عنقا صفت تصور ہے جو پنڈت نہرو کے ندرت آفریں دماغ کی اختراع ہے، اور یہ وہی چالیں ہیں جو یورپ کے سیاسی شاطر چلا کرتے ہیں، ہم پنڈت جی سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا ایشیائی طاقتوں کا توازن پاکستان کے کمزور اور آلاتِ حرب وضرب میں مفلس رہنے سے قایم رہ سکتا ہے؟ اور کیا اس اندیشہ سے کہ طاقتوں کا توازن بگڑ جائے گا پاکستان کو نہ تو اپنی فوجی طاقت میں اضافہ کرنا چاہیئے اور جب کہ اُس کے یہاں جدید ترین اسلحہ بنانے کے کارخانے نہیں ہیں، کسی دوسرے ملک سے جدید وضع کے اسلحہ بھی حاصل نہیں کرنے چاہئیں، یہ عجیب منطق اور نرالا فلسفہ ہے!

پاکستان ایک آزاد اور خود مختار مملکت ہے، اُس کو دوسری سلطنتوں سے ہر قسم کے معاہدے کرنے اور روابط رکھنے اور نہ رکھنے کا حق حاصل ہے، پاکستان نے ہندستان سے ایسا کوئی معاہدہ نہیں کیا کہ وہ جب کسی دوسری حکومت سے کسی قسم کا ربط قایم کرے گا، تو اُس کی پہلے ہندستان کو اطلاع دی جائے گی!

کیا ہندستان اپنے خارجی روابط اور تعلقات کی پاکستان کو اطلاع دیتا رہتا ہے؟

یہ بات اب راز نہیں رہی کہ بھارت نے افغانستان میں کروڑوں روپیہ بکھیرا ہے، اور دولت کے زور پر اس نے حکومتِ افغانستان کو اپنا حلیف اور پاکستان کا حریف بنا رکھا ہے، افغانستان مسلمانوں کی حکومت ہے مگر صرف

بھارت سے تعلقات و روابط ہونے کی بنا پر حکومتِ افغانستان، پاکستان کی مخالفت میں ایسی اوچھی حرکتیں کرتی رہتی ہو جو کسی شریف اور اصولی حکومت کو زیب نہیں دیتیں —— اتنا کچھ ہونے پر بھی پاکستان نے بھارت سے احتجاج نہیں کیا کہ تم نے افغانستان کو مالی امداد دے کر طاقتوں کے "توازن" کو بگاڑ دیا ہے اور تمہاری اس پالیسی سے پاکستان کو خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن کی کوششوں سے پاکستان کے مقابلہ میں ہندستان نے انگلستان سے بہت زیادہ آلاتِ حرب خریدے ہیں اور اس "انگریزی جوڑے" کے ساز باز کی بدولت انگلستان سے تجارت میں بھی ہندستان کا پلّہ پاکستان سے بہت بھاری رہا ہے، لیکن پاکستان نے اس پر کوئی احتجاج نہیں کیا۔

اب سے چند سال قبل جب بھارت نے انگلستان کی دیکھا دیکھی اپنے روپیہ کی قیمت کو گرا دیا تھا اور پاکستان نے اپنے سکہ کی قیمت کو جوں کا توں رہنے دیا تھا، تو اُس وقت بھی بھارت حکومت نے اسی قسم کا پروپیگنڈا کیا تھا کہ پاکستان اپنی اس پالیسی سے بھارت کو نقصان پہونچانا چاہتا ہے! ان تہمتوں اور الزاموں سے بچنے کی ایک ہی صورت نظر آتی ہے کہ پاکستان اپنے داخلی اور خارجی معاملات میں ہندستان کی رہنمائی قبول کرلے اور افغانستان کی طرح بھارت کے "حلقہ بگوشوں" میں داخل ہو جائے!!

لیاقت نہرو معاہدے کے بعد پاکستان میں فرقہ وارانہ فساد تو کجا، ہندوؤں اور مسلمانوں میں ذرا سی چھیڑ چھاڑ بھی نہیں ہوئی، مگر ہندوستان میں فرقہ وارانہ فسادات آئے دن ہوتے رہتے ہیں، مسلمانوں کی ذلت اور مظلومیت کے بیشمار واقعات ایسے ہیں جو اخبارات میں نہیں آتے، قتل و غارت گری کے بڑے بڑے حادثے اخبارات میں آجاتے ہیں، یہ اکثر ہوتا رہتا ہے کہ بھارت میں مسلمان ہی قتل ہوتے اور لٹتے پٹتے ہیں اور پھر اُلٹا انھی کو گرفتار کیا جاتا ہے، اور اب تو جنوبی ہند کے وہ علاقے جو فرقہ وارانہ فسادات کی زد سے محفوظ تھے وہاں بھی سنگھیوں اور مہاسبھائیوں کی کوششوں کی بدولت دنگے فساد کی چنگاریاں پہونچ چکی ہیں! بھارت میں مسلمانوں کے مقدس پیغمبرؐ اور انسانیت کے اُس محسنِ اعظم کی توہین کی گئی ہے جس سے بہتر انسان پر آج تک آفتاب طلوع نہیں ہوا، وہاں اسکولوں اور کالجوں کے نصاب میں ایسی کتابیں رکھی گئی ہیں، جن کے بعض مضامین سے اسلام اور مشاہیر اسلام کی اہانت ہوتی ہے، تاریخ کے واقعات کو اس طرح غلط سلط طریقہ پر توڑ موڑ کر بیان کیا گیا ہے کہ ہندو طلباء کے دل میں مسلمانوں کی طرف سے عداوت اور نفرت جاگزیں ہو جائے، بھارت میں ایک دن کے لئے بھی "اینٹی پاکستان تحریک" بند نہیں ہوئی، مہا سبھائی ہی نہیں بعض کانگریسی نیتا تک پاکستان کے خلاف زہر اُگلتے رہے ہیں!

چھ سال کی مسلسل مظلومیت اور پیہم ذلت و نکبت کے بعد علی گڑھ مسلم کنونشن میں مسلمانوں نے صدائے احتجاج بلند کی تھی، سو اُس پر ایک شور مچ گیا، یہاں تک کہ پنڈت نہرو نے اُس کنونشن کو "شرارت آمیز" جیسے لفظوں سے یاد کیا اور ہمیں یاد پڑتا ہے کہ اخباروں میں یہ خبر ہم نے پڑھی تھی کہ بشیر احمد صاحب کو جو اس اجتماع کے کنوینر تھے، سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کرکے جیل خانہ بھجوا دیا گیا —— اُردو کی حمایت میں لکھنؤ کی بارہ دری میں جو کانفرنس ہوئی تھی، جس میں بعض ہندو ادیب اور شعراء تک شریک تھے، اُس کے ایک ممتاز مسلمان کارکن کو دن دھاڑے چاقو سے زخمی کر دیا گیا۔

بھارت میں مسلمانوں کے ساتھ جو یہ ظالمانہ برتاؤ ہو رہا ہے اُس کے دو ہی سبب ہو سکتے ہیں، یا تو بھارت حکومت ان شرمناک واقعات کو روکنا نہیں چاہتی اور اُس کے کارکن ایک طرف تو شانتی اور پریم کے دیا کھیان دیتے ہیں اور دوسری طرف مفسدہ پردازوں کی حرکتوں سے بھی اغماض برتتے ہیں اور جان بوجھ کر ڈھیل دیتے رہتے ہیں۔ —— یا پھر بھارت حکومت اس قدر کمزور ہے کہ وہ شرارت پسندوں اور دنگا فساد کرنے والوں کو روک نہیں سکتی، اور ظاہر ہے کہ ایسی کمزور حکومت کب تک قائم رہ سکتی ہے، ایک دن مفسدہ پردازوں ہی کا غلبہ ہو کر رہے گا۔

پاکستان میں کافی تعداد میں ہندو موجود ہیں مگر یہاں ہر طرح سے اُن کی عزت، آبرو، جان، مال اور حقوق محفوظ ہیں، اُن کے لیڈروں کا یہ عالم ہے کہ وہ "اسلامی دستور" پر خفا ہو کر دستور ساز اسمبلی سے واک آؤٹ کر جاتے ہیں، اور انھوں نے کانسٹی ٹیونٹ اسمبلی میں اسلامی قانون پر چوٹیں کی ہیں، مشرقی پاکستان میں اُردو کی مخالفت اور بنگلہ کی حمایت میں جو ہنگامہ برپا ہے اُس سے ہندو بے تعلق نہیں ہیں، اُن کی اس روش کے باوجود کوئی ایک ہنگامہ تو کیا، ایک مظاہرہ بھی اُن کے خلاف نہیں ہوا جب وہ اسلامی دستور پر نکتہ چینی کرتے ہیں، تو پاکستان کے علماء سے لیکر وزیر اعظم اور گورنر جنرل تک انتہائی نرم اور دوستانہ لہجہ میں اُن کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اسلامی حکومت خالص عدل و انصاف پر قائم ہوتی ہے اور اُس میں غیر مسلموں کے حقوق، عزت و آبرو اور جان و مال کی مسلمانوں کی عزت اور جان و مال کی طرح حفاظت کی جاتی ہے، ہندؤں نے اسلامی دستور سازی کے خلاف جو معاندانہ روش اختیار کر رکھی ہے، اُس کے باوجود اُن کو نہ تو کسی طرح کی دھمکی دی گئی اور نہ اُن کی وفاداری میں کوئی شبہ کیا گیا —— اس رواداری، وسعتِ ظرف، بے تعصبی اور احترام انسانیت کا سبب یہ ہے کہ اس گئی گزری حالت میں بھی پاکستان کی حکومت اور اُس کے عوام کی اکثریت اسلام سے بہرحال دینی نسبت رکھتی ہے، اور اسی مقدس نسبت کا یہ سب ظہور ہے۔

ہندوستان کے بیچارے مسلمان عجیب و غریب مصیبت کا شکار ہیں، پاکستان اور ہندوستان کے مابین جب ذرا سی بھی کشیدگی اور تلخی پیدا ہوتی ہے تو اُس کا اثر اُن پر ضرور پڑتا ہے، اُن کی مظلومیت کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ یہ جانتے ہوئے کہ پاکستان میں مہاجرین بے گھر اور بے در ہیں اور اُن کے ساتھ حکومت کا سلوک بیگانوں کا سا ہے، ہزاروں مسلمان ہر مہینہ کھوکھرا پار سے پاکستان میں ہجرت کر کے آتے رہتے ہیں، اور اب ہندو مہا سبھا نے شدھی کی تحریک ہندوستان میں شروع کر دی ہے۔

ساری دُنیا جانتی ہے کہ انگریز کے زمانہ میں جب ہم غلام تھے تو ہم نے سات سمندر پار بسنے والے ترکوں کی حمایت اور امداد کی ہے، اُن کے بیماروں اور زخمیوں کے لئے طبی وفد بھیجے ہیں، لاکھوں روپیہ چندہ اُن کے لئے فراہم کیا ہے —— "سمرنا فنڈ" کی یاد آج بھی لوگوں کے دلوں میں تازہ ہے، ایک ترکی ہی پر کیا موقوف ہے، طرابلس الغرب اور فلسطین کے مسلمانوں کی حمایت کے لئے ہم نے کیا کچھ نہیں کیا؟ ہندوستان کے مسلمانوں سے دینی رشتہ ہونے کے باوجود ہمسایگی کا حق بھی ہے اور وہ تو ہمارے گوشت پوست ہیں! اس حالت میں کہ ہم ایک اسلامی حکومت کے مالک ہیں، ہر طرح آزاد اور مختار ہیں اور ہر قسم کی طاقت ہمارے پاس ہے، ہم ہندوستانی مسلمانوں کے حالات سے غافل کیسے رہ سکتے ہیں،

یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم اُن کو مُرتد ہوتا دیکھیں اور خاموش رہیں! روئے زمین کی سونے چاندی کی تمام کانیں بھی ایک مسلمان کے ایمان کی قیمت نہیں ہو سکتیں ـــــــ حکومت پاکستان اور پاکستانی مسلمان کان کھول کر سُن لیں کہ اگر انھوں نے ہندستان کے مظلوم مسلمانوں کے حالات سے غفلت برتی تو قیامت کے دن اس غفلت کی انھیں سخت جوابدہی کرنی ہوگی!

یہ کیا ہو رہا ہے؟

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی رہائی کے لئے نہ صرف پاکستان بلکہ تمام اسلامی ممالک میں جس انداز پر ہمہ گیر احتجاج کیا گیا ہے اُس کی نظیر ملنی مشکل ہے، آئینی احتجاج کے جس قدر گوشے اور پہلو ہو سکتے تھے وہ سب کے سب اس سلسلہ میں بروئے کار آئے ہیں، نہ معلوم پاکستان کی مرکزی حکومت کو کس قسم کے احتجاج کا انتظار ہے، ایک طرف مرکزی حکومت کی یہ روش اور دوسری طرف پنجاب حکومت کا یہ ظلم کہ مولانا موصوف کو قرآن کریم کی تفسیر لکھنے تک کی اجازت نہیں دی جاتی اور اسلامی دنیا کے اتنے بڑے مفکر کے علمی اور دینی فیض سے کروروں انسانوں کو محروم کر رکھا ہے۔

انگریز اپنے جور و استبداد کے لئے کافی بدنام ہے، مگر اُس کے عہد کا یہ واقعہ بھی تاریخ میں محفوظ ہے کہ بال گنگا دھر تلک کو جب باغیانہ سرگرمیوں کا الزام لگا کر گرفتار کیا تھا، تو انھوں نے قید خانہ میں گیتا کی شرح لکھی تھی ـــــــ کیا سر فیروز خاں نون کی حکومت، انگریزی حکومت سے بھی گئی گزری ہے، برطانوی گورنمنٹ کے جیل خانہ میں مسٹر تلک (آنجہانی) گیتا کی شرح لکھ سکتے ہیں اور پاکستان کی اسلامی حکومت کے قید خانہ میں ابوالاعلیٰ مودودی قرآنِ پاک کی تفسیر نہیں لکھ سکتے! یہ کیا اندھیر ہے، یہ کیسی دھاندلی ہے، یہ کہاں کا انصاف ہے، یہ کونسی پالیسی ہے؟

ہمیں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ میانوالی جیل سے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اپنے بعض دوستوں اور بیوی بچوں کے نام جو خطوط بھیجے تھے، اُن کو نہیں پہونچنے دیا گیا، حکومت کو اندیشہ یہ تھا کہ "مکاتیبِ زنداں" کی کہیں دوسری جلد تیار نہ ہو جائے ـــــــ ایسی اوچھی باتوں سے مولانا مودودی کا تو کچھ نہ بگڑے گا بلکہ ہر زیادتی کے بعد اللہ تعالیٰ اُن کے درجہ کو اور بلند فرمائے گا اور آنے والی نسلیں مولانا موصوف کو اور زیادہ تحسین و عقیدت کے ساتھ یاد کریں گی مگر ہمارا حکمراں طبقہ سوچ سمجھ لے کہ تاریخ میں اُن کو کیا مقام ملے گا؟ اور جن اربابِ اقتدار نے امام مالکؒ، احمد بن حنبل، امام ابو حنیفہ اور مجدد الف ثانی (رحمہم اللہ تعالیٰ) پر زیادتیاں کی ہیں، اُن کو خلقِ خدا کن ناموں سے یاد کرتی ہے؟

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

وہ بڑے لوگ جو "اسلامی حکومت" کا نام سُن کر بگڑ جاتے تھے اور بیچارے "ملاؤں" کو ملّا جیاں سناتے تھے، اب پاکستان کے "اسلامی حکومت" ہونے کا خود اعلان فرما رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ پاکستان کے عوام مسلمانوں کا متفقہ احتجاج رائگاں نہیں گیا اور بڑے بڑوں کو اپنی اسکیمیں، ارادے اور منصوبے بدل دینے پڑے! عوام کا آئینی احتجاج بڑی قوت رکھتا ہے!

مگر اس اسلامی حکومت کے سفارت خانوں میں ابھی تک شراب نوشی پر کوئی پابندی عاید نہیں ہوئی اور بلبل چودھری کے رقص و سرود کے جلسوں کی بعض سفیروں نے سرپرستی کی ہے اور اس شیطانی آرٹ کو پاکستانی آرٹ سے تعبیر فرمایا گیا ہے ـــــــ خود پاکستان کی ریاست بھاولپور میں "ریڈ کراس" کے سلسلہ میں دوسرے پروگراموں کے ساتھ ناچ گانے کا بھی پروگرام رکھا گیا تھا، جس پر حکومت کے ہوا خواہوں اور نفس کے بندوں نے خوب واہ واہ کی مگر اُن غیرت مند مسلمانوں نے جو اسلام کے تقاضوں اور اُس کے مزاج کو پہچانتے ہیں اس بے حیائی کے مظاہرہ پر شدید

احتجاج کیا۔

حیدرآباد سندھ میں بھی یہی ہوا کہ اسکولوں کی بچیوں سے رقص کرایا گیا، مولانا سید وصی مظہر امیر جماعتِ اسلامی (حیدرآباد سندھ) نے اس سلسلہ میں احتجاج آمیز بیان اخباروں کو دیا اور قاضی محمد اکبر صاحب وزیر صوبہ سندھ نے اُس کی پُرزور تردید فرمائی، مگر خود حیدرآباد سندھ کے اخبار اور وہاں کے باشندوں کے بیانات نے مولانا وصی مظہر کے بیان کی تصدیق اور قاضی محمد اکبر صاحب کے "ارشادات" کی تکذیب و تردید کر دی، حیرت ہے اور ساتھ ہی افسوس بھی کہ پاکستان کے "عزت مآب" اس سطح تک بھی اُتر آتے ہیں۔

اسکولوں اور کالجوں کی طالبات میں رقص و سرود اور ایکٹنگ کا یہ شرمناک شوق اپوا کی "بیگمات" کا پیدا کیا ہوا ہے، اور ہماری "اسلامی حکومت" (؟) کسی نہ کسی عنوان سے اس رنگین مزاج اپوا کی سرپرستی کرتی رہتی ہے۔

ہم بے حیائی اور فحاشی کے ان تمام مظاہروں کے خلاف شدید احتجاج کرتے ہیں، سیکولر حکومتوں کے یہاں ممکن ہے کہ یہ باتیں "آرٹ" سمجھی جاتی ہوں، مگر اسلامی نقطہ نگاہ سے تو یہ شیطان کے لگائے ہوئے پھندے اور ابلیس کے بچھائے ہوئے دام ہیں، ایسی غیر اسلامی، جاہلانہ اور بدتمیزی کی باتوں سے پاکستان کے مقصدِ وجود کی درحقیقت نفی ہوتی ہے!

پاکستان صرف زبان سے "اسلامی حکومت" کہہ دینے سے "اسلامی حکومت" نہیں بن سکتا، یہاں کا دستور، قانون، ماحول اور معاشرہ اسلامی ہونا چاہیئے، اُس وقت اس پر "اسلامی حکومت" کا اطلاق ہوگا! ہمارے حکمرانوں کا فرض ہے کہ وہ منکرات و فواحش اور اُن باتوں کو جن کو اسلام ناپسند کرتا ہے، مٹانے کی کوشش کریں اور اُن کے خلاف موثر ترین قدم اُٹھائیں، ایسی باتیں پاکستان میں نہیں چل سکتیں اور اُن کو نہیں چلنے دیا جائے گا!

"امر بالمعروف اور نہی عن المنکر"

پاکستانی حکومت کے اصلاحی اور تعمیری پروگرام کا سب سے پہلا جُز (Item) ہونا چاہیئے!

ماہر القادری
۳۰ دسمبر ۵۳ء

حسن محمود عروج

ایڈیٹر ماہنامہ سائیکولوجی، کراچی

میں نظر کو زبان دیتا ہوں

(منتخب نظمیں — تنقید کی کسوٹی پر)

غالباً نومبر کی تیس تھی جب میرے کرم فرما جناب مسعود جاوید صاحب نے جناب کوثر نیازی کا مرتب کردہ "کتابچہ" "منتخب نظمیں" برائے تنقید مجھے عطا فرمایا۔ تنقید "بے عیار" ممکن نہیں اور مجھے اسلامی ادب کے متعلق کچھ زیادہ معلوم نہیں پھر تنقید میرا میدان نہیں۔ لیکن "جبر دوست" سمجھ جبر دوست ہوتا ہے اور یہاں "سر دوستان سلامت کہ تو خنجر آزمائی" کہہ کر سر جھکا دینے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ بقدر ظرف "طبع آزمائی" کی سعی کرتا ہوں اگر "پسند خاطر احباب" ہو تو میری خوش نصیبی ورنہ میری محنت اور آپ کا وقت! "عوض معاوضہ گلہ ندارد" میرے ذہن میں "ادب" سے متعلق کچھ تصورات ہیں اور ظاہر ہے کہ میں انھیں کی روشنی میں کچھ کہہ سکتا ہوں۔

پہلے ان کے متعلق کچھ سن لیجیے تاکہ میں جو کہوں اس کی بنیاد آپ کے ذہن میں رہے اور آپ "میری رائے" پر ایک صحیح محاکمہ کر سکیں۔

آدمی کائنات کے اور جانداروں کی طرح جذبات و خواہشات کا مجموعہ ہے اور اس کی ساری انسانیت یہی ہے کہ وہ اپنے جذبات و خواہشات کو قابو میں رکھتا ہے اور ان کو بے طرح بہکنے بھٹکنے نہیں دیتا اسی بات کو دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ آدمی جذبات و خواہشات کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنکر نہیں رہتا بلکہ ان کو حسب منشا استعمال کرتا ہے اور جذبات کی یہ فطرت ہے کہ وہ ظاہر ہوتے اور تکمیل پائے بغیر نہیں رہتے ان کو بالکل دبا دیا جائے تو وہ نفس میں ایک گڑبڑ پیدا کر دیتے ہیں اور آدمی کے شعور کو دھوکا دیکر مختلف دوسری شکلوں میں ظاہر ہو جاتے ہیں۔ جذبات کے اس انداز کے اظہار کو نفسیاتی اصطلاح میں "علامت" اور اس گڑبڑ کو نفسیاتی الجھن یا نفسی کشمکش کہا جاتا ہے —!

آدمی کا ہر جذبہ ہر وقت برانگیختہ نہیں ہوتا بلکہ کبھی کوئی باطنی طلب و تقاضہ اور کبھی کوئی "بیرونی اثر" جذبات کو بھڑکاتا ہے۔ مثلاً ہماری جنسی جبلت کا تقاضہ ہمارے جذبہ صنفی کو ہوا دیتا ہے۔ لیکن کبھی کبھی اور کبھی کبھی کا ہیکو اس "عہد تصنع" میں اکثر و بیشتر ایسا ہوتا ہے کہ صنف مخالف کا حسن یا کشش یا اس کی طلب ہمارے اس جذبہ کو بھڑکا دیتی ہے یا کوئی ایسا نظارہ یا مشاہدہ بھی یہی رد عمل ظاہر کرتا ہے۔ اس کو یوں سمجھیے کہ ایک تو ہمیں بھوک لگتی ہے کہ جو کچھ بھی ملے کھا جائیں لیکن ایسا بھی ہوتا ہے کہ دستر خوان پر لذیذ اشیا دیکھ کر ہماری اشتہا چمک جاتی ہے — اور ہم کھانے لگتے ہیں۔

ہمارا ہر جذبہ ہماری طبیعت پر اپنا کوئی نہ کوئی "اثر" چھوڑتا ہے — اور اس سے ہماری شخصیت متاثر ہوتی ہے۔ اور یہ شخصیت ہمارے کردار کا تعین کرتی ہے۔

انسانی نفس کی کرشمہ کاریاں بھی عجیب ہیں — آپ ڈرتے ہیں اس لئے بھاگتے ہیں۔ (جذبہ خوف و جبلت فرار)۔ آپ بھاگتے ہیں۔ اس لیے ڈرتے ہیں — کبھی جبلت جذبہ کو متاثر کرتی ہے۔ کبھی جذبہ جبلت کو۔ احساسات جذبات کو اکساتے ہیں اور جذبات احساسات پیدا کر دیتے ہیں — "میں ہوں نقطہ درد جس پہلو سے الٹو درد ہے"

جذبات کی ایک اور بھی خصوصیت ہے۔ وہ یہ کہ جذبات متعدی ہوتے ہیں — خوف زدہ آدمی کو دیکھ کر دوسرا آدمی بھی خوف زدہ ہو جاتا ہے اگر اس پر پہلے سے کوئی زیادہ توانا جذبہ طاری نہ ہو۔ مغموم آدمی دوسروں کو بھی مغموم بنا دیتا ہے شاید ہی کوئی ہو جو اس مصرعے سے ناواقف ہو۔

"افسردہ دلے افسردہ کند انجمنے را"

ہر "محسوس" ہمیں متاثر کرتا ہے اور ہمارے کسی نہ کسی جذبے کو کم و بیش بھڑکاتا ہے۔ اور اس طرح ہمارے پورے نظام نفس کو متاثر کرتا ہے —!

"ادب اور جذبے" کا بڑا گہرا تعلق ہے۔ یہ دراصل فرد کا ایک جذباتی ردعمل ہوتا ہے جو ایک تاثر بنکر ظاہر ہوتا ہے۔ کبھی حرف و صوت کی صورت میں کبھی خط و خال کے روپ میں —!

(اہل نظر مجھے معاف فرمائیں کہ میں نے جسمانی بے ساختہ حرکات اور حرکات رقص کو لفظ "ادا" سے ظاہر کرنا چاہئے اور خط تو نقش کے معنوں میں رائج ہے ہی جس میں تصویر بھی آجاتی ہے۔)

فرد کا یہ انفرادی تاثر دوسروں یا صحیح لفظوں میں جماعت کو متاثر کرتا ہے اور کسی نہ کسی حد تک اس کے جذبات کو دباتا یا اکساتا ہے اور اس طرح ادب جماعت کے افراد کی شخصیت و کردار پر اثر انداز ہوتا ہے اور ان کی ایک خاص انداز میں تربیت کرتا ہے جو یا تو تعمیری ہو سکتی ہے (فرد یا جماعت کے لئے مفید) یا تخریبی (فرد یا جماعت کیلئے مضر) —!

ادب ایک انسانی ضرورت ہے اور انسانیت کا امتیاز بھی۔ آدمی کو ادب سے مفر قطعی ممکن نہیں ضرور ہے کہ وہ کسی نہ کسی شکل میں اس سے دوچار ہو۔ اگر ہم ادیب نہ بھی ہوں تو لاشعوری طور پر ہم اس سے متاثر ضرور ہوتے ہیں — اور یہی وہ مقام ہے جہاں ادب پر ایک "احتساب" کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ کوئی ایسا تاثر پیدا نہ کرے جو فرد یا جماعت کے لئے مضر ہو —!!!

اور یہ "احتساب" ہی ادب کی قدروں کا تعین کرتا ہے اور انھیں قدروں پر کسی کو جانچا جا سکتا ہے ادب زندگی ہی کی ترجمانی کرتا ہے۔ اور زندگی کی قدریں ہی ادب کی صحیح قدریں ہو سکتی ہیں — اسلام پسند ادیب ان "اقدار حیات" ہی کو صحت مند اور صالح اقدار حیات قرار دیتا ہے جو اسلام نے پیش کی ہیں۔ اگر کوئی ادب ان اقدار حیات کا صحیح صحیح احترام نہیں کرتا تو اسلام پسند ادیب اس ادب کو "جاہلی ادب" گردانتا ہے۔ اور اس ادبی کفر کو کسی قیمت پر گوارا کرنے کو تیار نہیں ہوتا خواہ وہ کتنا ہی دلکش دل آویز اور حسین کیوں نہ ہو۔

یہی وہ اصل کسوٹی ہے جس پر ہم ادب کو پرکھتے ہیں اور یہی وہ مشعل ہے جس کی روشنی میں ہم ادیب کو چلانا چاہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ پابندیاں کسی کو پسند نہ آئیں لیکن اس کو کیا کیجیے کہ بہت سے لوگ سرے سے اسلام ہی کو ناپسند فرماتے ہیں ؎

مجھے تو ہے مرغوب مجنوں کی لیلیٰ
پسند اپنی اپنی نظر اپنی اپنی

میں جو یہ سب کچھ کہتا چلا آرہا ہوں اس کے قطعاً یہ معنی نہیں ہیں کہ اسلامی ادب میں وہ ادبی نزاکتیں اور لطافتیں نہ ہونی چاہئیں جو ازل سے ادب کا مقسوم رہی ہیں۔ اسلام پسند ادیب کا عقیدہ ہے کہ اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔ مسلمان حسن کو اپنی میراث سمجھتا رہا ہے۔

فطرت کی جوانی ہے جوانی میری

اسلامی ادب میں اس پابندی کے باوجود بھی وہ سارا جمال و کمال موجود ہے جو کسی بھی فن کا طرۂ امتیاز اور سرمایۂ فخر و غرور ہو سکتا ہے۔

قرآن حکیم میں فصاحت و بلاغت لطافت اور نزاکت کے جو معجزانہ انداز موجود ہیں ان کے بعد تو اسلامی ادیب پر یہ بھی ایک فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے ادب کو غیر اسلامی نقطۂ نظر سے بھی اتنا اونچا لیجائے کہ ہر دل میں گھر کرے کافر و مومن دونوں کے قلوب اس کی نظر کے نخچیر اور اس کی زلف کے اسیر ہوں اور الحمد للہ کہ اسلامی ادب کبھی اس میں ناکام نہیں رہا ؎

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

"اسلام پسند ادبا" بڑا کام کر چکے ہیں۔ ان کے ہاں خلوص ہے فن ہے اور انسان کا درد ہے اور آج بھی "اسلام پسند ادبا" ادب کی بڑی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

جگر تو بہ کے بعد اپنے تغزل کو جس موڑ پر لے آیا ہے اس کی مثال اردو کی موجودہ ادبی دنیا میں شاید ہی کوئی پیش کر سکے۔ یہ موقع نہیں ہے کہ ہم اس انداز میں اسلامی ادب کا جائزہ لیں اور اس پر کوئی محاکمہ کریں۔ البتہ چلتے چلتے اتنا ادر کہہ چلوں کہ اسلامی ادب کے لئے ضروری نہیں کہ وہ صرف مسلمان کی تخلیق ہو۔ اسلام کی طرح اسلامی ادب بھی فطرت کی تائید کرتا بلکہ صحیح لفظوں میں عرض کروں کہ فطرت کی ترجمانی کرتا ہے ——— اسلام پسند نقاد کمیونزم یا برہمن ازم کی طرح کبھی یہ نہیں دیکھتا کہ کس نے کہا ہے بلکہ ہمیشہ اس پر نظر رکھتا ہے کہ کیا کہا گیا ہے ؎

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی
کہ درایں راہ فلاں بن فلاں چیزے نیست

اگر کوئی دیوانہ بھی کوئی اچھی بات کہے تو ہم اس کو پسند کر لیتے ہیں اور عالم بھی کوئی غلط بات کہے تو اسے رد کر دیتے ہیں۔ ہمارے ہاں کبھی یہ نہیں ہوا کہ فلاں نے کہا لہٰذا درست ہے ہمارا اچھے برے اور درست و غلط کا معیار ہی جداگانہ ہے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ ہر آدمی بنیادی طور پر مسلمان ہوتا ہے اور اس کا ماحول غلط ذہنی تربیت اور ہنگامی خود غرضیاں اسے نامسلمان کر دیتی ہیں۔ اسلام فطرت انسانی پر بھروسہ رکھتا ہے۔ علم انسانی پر نہیں ———!

فراق گورکھپوری صاحب شوق سے "نامسلمان" رہیں لیکن ان کی اپنی فطرت مجبور کرتی ہے کہ وہ بھی جذب و شوق کے عالم میں ہوں تو "اسلامی ادب" ہی پیش کریں۔ اس گفتگو کو بڑھانے کا یہ موقعہ نہیں لیکن میں یہ جو کچھ عرض کر رہا ہوں وہ ایک ایسا چمکتا ہوا سورج ہے جس کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔

بہر حال "اسلامی ادب" کا یہ تصور ہے میرے ذہن میں جس پر میں اس کتابچے اور اسکی نظموں کو پرکھنا چاہتا ہوں۔

سب سے پہلے میری نگاہ گرد پوش پر اٹکی ہے اور جیسے الجھ سی جاتی ہے ———!

گرد پوش پر بنا ہوا آرٹ میری سمجھ سے باہر ہے اور باوجود سعی و کوشش میں اس سے کچھ حاصل نہیں کر پایا:———

"کرۂ زمین ——— آسمان پر چھٹکے ہوئے تارے ایک بڑا تارہ دو اس سے چھوٹے اور باقی مبہم سی علامتیں۔ گویا رات دنیا پر مسلط ہے۔ ایک بے برگ و بارندہ شاخہ ڈالی ٹوٹی ہوئی زمین پر پڑی ہے۔ اور اسکی شاخیں خلاؤں میں پہنچ گئی ہیں اور اس کا سایہ زمین پر پھیل گیا ہے۔ ڈالی پر نہ جانے کہاں سے ایک سمت روشنی پڑ رہی ہے غالباً یہ نور بڑے تارے سے خارج ہوا ہے ——— چھوٹے تارے پر ایک جانب "منتخب نظمیں" لکھا ہے ——— کرے پر نچلی سمت "مرتب کوثر نیازی" یہ ہے وہ نقش جو گرد پوش پر بنایا گیا ہے اگر یہ ایک عام ناشرانہ رسم اور کتب فروشانہ ذہنیت ہے تو۔ خیر لیکن اگر واقعی یہ کوئی فن ہے تو ———

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

سے زیادہ کچھ نہیں نظر آتا شاید کسی نے سچ کہا ہے کہ "پختہ فن" وہی ہے جو ناقابل فہم ہو" ——— اور میں فن کے متعلق کچھ بھی تو نہیں جانتا۔ اب میں فہرست دیکھتا ہوں "منتخب نظمیں" یہ نام مجھے یقین دلاتا ہے کہ نظموں کا انتخاب کیا گیا ہوگا لیکن فہرست بزبان حال فرما رہی ہے کہ اس کتابچہ میں شعراء کا انتخاب

کیا گیا ہے۔ ہمیں اس فہرست میں پندرہ " اسلام پسند شعراء" ملتے ہیں۔

ترتیب میں غالباً شعراء کے مقام و رتبے کا لحاظ رکھا گیا ہے ہو سکتا ہے کہ صاحب ترتیب اس " تعین مقامات" میں حق بجانب ہوں۔ اس مجموعہ کی جو خصوصیت ہے وہی اس کا اہم ترین نقص بن گیا ہے جس کا اظہار مرتب نے ان لفظوں میں فرمایا ہے:۔

" زیر نظر انتخاب میں ہمارا ذاتی ذوق شامل نہیں ہر شاعر نے اپنی منظومات خود منتخب کی ہیں۔ ہمارے آپ کے نزدیک ان کے کلام میں اس سے بہتر چیزیں بھی مل سکتی ہیں "۔

میرا بھی یہی خیال ہے کہ اگر کوثر صاحب خود انتخاب فرماتے تو یہ مجموعہ زیادہ جاندار اور وزنی ہوتا۔ اور زیادہ مفید بھی ——— صاحب تخلیق اپنی کسی تخلیق کو کمتر درجہ کا سمجھنے کے لئے تیار نہیں ہوتا ——— کوثر صاحب نے اس کے بعد ہی ایک اور جملہ لکھ کر اس سقم کو مٹانا چاہا ہے جسے وہ خود بھی محسوس کر رہے تھے:۔

" لیکن صاحب تخلیق ——— اپنی تخلیقات کو جو مدارج اور مراتب دینا چاہے اس سے روکنے والے ہم اور آپ کون ؟"

بے شک ——— !

مگر بڑی مصیبت یہ آپڑتی ہے کہ یہ مجموعہ پڑھنا ہمیں ہے خود صاحب تخلیق کو نہیں ——— اور شاید ہی دنیا میں کوئی ایسا آدمی موجود ہو جو کسی شاعر کو خوش کرنے کے لئے اپنے ذوق کو ذبح کر دے کسی چیز کی اشاعت صرف کسی کی ہمّت افزائی کے لئے نہیں کی جا سکتی اور بہت کم ایسے شاعر دنیا میں مل سکیں گے کہ وہ صحیح معنوں میں خود اپنے کلام کا انتخاب کر سکیں۔

رہی " ہر شاعر کے مخصوص شعری ذوق " والی بات صرف یہ کہہ دینا ہی کافی ہے کہ شاعر کا ہر شعر اس کے " مخصوص شعری ذوق " ہی کی پیداوار ہوتا ہے ——— !

بہر حال کوثر صاحب نے ابتدائیہ کے عنوان سے جو دو صفحات لکھے ہیں وہ " اغذا " سے زیادہ کچھ نہیں جس کا اظہار انہوں نے خود ہی کر دیا ہے:۔۔۔

" قاعدے کی رو سے اس کتابچہ کا ایک مفصل دیباچہ ہونا چاہئے تھا جس میں اسلامی شاعری پر بحث کر کے اس کی خصوصیات اور موضوعات کو اجاگر کیا جاتا لیکن ہمیں افسوس ہے کہ مجموعے کی ضخامت کے پیش نظر ہم ایسا نہیں کر سکے "۔

اس کتابچہ کا مقصد بھی ہمیں کوثر صاحب بتلاتے ہیں:۔۔۔

" اس مجموعہ کی ہر ہر نظم خود پکارے گی کہ اسلامی شاعری اور غیر اسلامی شاعری میں کیا بنیادی اختلافات ہیں! اور اس میں کی ہر ہر غزل خود بتلائے گی کہ زمانے کی ہوا سے ہٹ کر مسلمان ادیبوں نے جو ادبی اور شعری چراغ جلائے ہیں وہ قلب و دماغ کو کتنی خوبی سے روشن کر سکتے ہیں "۔

یقیناً مقصد بڑا نیک ہے اور ایک بلند ادبی خدمت بھی ——— اگر اس مجموعے سے یہ مقصد پوری طرح حاصل نہیں ہوتا تو بھی اس راہ میں ایک اہم قدم ضرور ہے!

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے ہزارہا شجر سایہ دار راہ میں ہیں۔

پھر اسلامی ادیب ہو یا مسلمان اس کا کام بہ قدر جرأت و ظرف " جد و جہد " ہے وہ ہر شعبۂ زندگی میں " جہاد " کو عزیز رکھتا ہے اسے جد و جہد میں جو لذت ملتی ہے وہ فتح و کامرانی میں بھی نہیں ملتی۔

جو کبوتر پر جھپٹنے میں مزا ہے اے پسر
وہ مزا شاید کبوتر کے لہو میں بھی نہیں

اور اس کے لئے میں کوثر نیازی صاحب کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

ماہر القادری

اس مجموعے میں جو بنیادی غلطی ہوئی ہے وہ یہی ہے انتخاب کلام میں صاحب تخلیق کے ذوق پر بھروسہ کر لیا گیا چنانچہ اس مجموعے کے پہلے ہی شاعر سے ہمیں مایوسی ہوتی ہے "ماہر" برصغیر کا قادر الکلام شاعر اور پختہ فنکار ہے اس کے اشعار اپنے اندر "رنگ رس اور روپ" سب ہی کچھ رکھتے ہیں اس کے اشعار ہمیں گم کر دیتے ہیں اور ہم ذوق و مستی کے عالم میں جھومنے لگتے ہیں۔

لیکن اس مجموعے کے لئے "ماہر" نے اپنی جو چند نظمیں منتخب کی ہیں ان سے ہم "ماہر" کو ایک شیریں نوا شاعر سمجھنے کی بجائے "واعظ خشک بیان" سمجھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں جیسے وہ اسٹیج پر کھڑا ہوا ایک گمراہ جماعت کو مخاطب کر رہا ہے

ان نظموں سے "ماہر" کی عظمت میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا اگر میں "ماہر" کو نہ جانتا ہوتا تو اسے شاعر سمجھنے کی بجائے ایک "ماہر عروضی" سمجھنے لگتا "ضرورت ہے" کے تحت وہ اپنی تقریر شروع کر دیتا ہے:۔

امیروں کی ضرورت ہے نہ سلطان کی ضرورت ہے
زمانہ کو فقط مرد مسلمان کی ضرورت ہے

اس شعر کو آپ نثر کرکے پڑھ لیجیے تو کوئی فرق نہ پائیں گے اس شعر میں ممکن ہے اسلامیت ہو لیکن ادب و شاعری تو سرے سے موجود ہی نہیں۔ یہی حال اس کی دوسری نظموں کا بھی ہے "نوائے جبریل" میں تھوڑی سی جان ملتی ہے ورنہ اور دوسری نظموں میں وہ ایک ایسا "پختہ کار عروضی" اور "صاحب زبان" بنکر رہ جاتا ہے جس نے اپنے اوپر مقصد طاری کر لیا ہے "نوائے جبریل" میں بھی "ماہر" نے فلسفہ بھر دیا ہے اور ادب میں یہی نہ میدان ہے جہاں پھلنا پھولنا "اقبال" ہی کا مقدر تھا۔ "ماہر" ایک رومانی شاعر ہے وہ اپنا یہ رنگ چھوڑ کر پنپ نہیں سکتا۔ کاش وہ اپنی اس متاع عزیز کو ضائع نہ کرے اس طرح وہ نہ صرف خود کو نقصان پہنچا رہا ہے بلکہ ادب کو بھی ——!!

"ماہر" جب جھوم کر کہتا ہے "صبح بہاراں صبح بہاراں" تو ایک مستی برساتا ہوا نظر آتا ہے —— اسلامی شاعری روکھی پھیکی اور تمام تر خشک وعظ تو نہ ہونی چاہیئے اور واقعی ایسا ہے بھی نہیں اس کا ثبوت ہمیں فوراً ہی بعد مل جاتا ہے "نعیم صدیقی" بھی ایک اسلامی شاعر اور ادیب ہے۔ اسی کتاب میں جب ہم اس کی نظم "مالی! مالی!" پڑھتے ہیں تو جھوم اٹھتے ہیں:۔

برسوں سویا اُٹھ اب مالی فصل بہاری آئی آلی

مالی! مالی!

پوری نظم ایک "مدھر رسیلا" گیت ہے جو ایک میدانی ندی کی طرح آہستہ آہستہ بہہ رہی ہے اور اپنے بہاؤ میں قاری کو بہلائے جا رہی ہے۔ جس کی ہر لہر قاری کو آہستہ سے اچھال دیتی ہے جیسے کسی بچے کو جھولا جھلایا جاتا ہے ——

جنگل تک میں پھول کھلے ہیں تیرا چمن ہے سنا لی خالی
مسلی روندی جائیں کلیاں کانٹوں کا یاں رتبہ عالی

سوز درد گداز کسک سے یہ بھرپور گیت اپنے اندر وہ سب کچھ رکھتا ہے جس کی کسی ادب سے توقع کی جا سکتی ہے ——

"ماہر" اس رنگ میں سوچتا تو نہ جانے کہاں پہونچتا کہ یہی اس کا خاص رنگ تھا —— حاشا میں اس طرح "ماہر" کی توہین نہیں کر رہا ہوں۔ نہ اسے "نعیم" کے مقابلے میں کمتر ثابت کرنا چاہتا ہوں "ماہر" کا مقام بہت اونچا ہے مجھے تو اس سے صرف ایک شکایت ہے کہ وہ "اقبال پسندی" میں اس درجہ غلو کیوں کرتا ہے کہ اپنی انفرادیت گم کر بیٹھتا ہے "ماہر" "نوائے جبریل" میں دعویٰ کرتا ہے:۔

متاعِ عیش و مسرت کے ڈھونڈنے والو   سوائے درد میری شاعری میں کچھ بھی نہیں

لیکن اس مجموعے میں اس کی جتنی نظمیں شامل ہیں ان میں ہمیں درد نہیں ملتا۔ نوائے جبریل میں بھی نہیں بلکہ وہ "عشرت کامرانی و امید" میں ڈوب کر "مصروفِ انجمن آرائی" ہے:۔

موج طوفان کے مقابل نظر آتی ہے مجھے   ہر طرف عشرت ساحل نظر آتی ہے مجھے

کامیابی سرِ منزل نظر آتی ہے مجھے   صبح آزادی کا محل نظر آتی ہے مجھے

اب دھندلکے نہ اندھیرے ہیں نہ تنہائی ہے

مطلع نور ہے اور انجمن آرائی ہے

اس نظم میں وہ ایک دردناک مقام سے بھی گذرتا ہے جہاں ماؤں کا تقدس، "بیٹوں کی جان"، "بہنوں کی جوانی"، "بیٹیوں کی عصمت" اور ملت کی دولت لٹ چکی ہے لیکن وہ "عروس آزادی" کی ہمکناری میں اس درجہ مدہوش و مخمور ہے کہ ان "دردناک سانحات" کو بھی "گزشت آنچہ گزشت" کہہ کر گذر جاتا ہے:۔

کتنے دشوار مقاموں سے گذر کر آئے   کس قدر چشم فسوں ساز نے دھوکے کھائے

مرکز دید رہے کتنے اچھوتے سائے   ہم مگر حرفِ شکایت نہ زباں پر لائے

جان و مال ہی کیا عصمت و عزت دی ہے

ہم نے مٹی کے گھروندوں کی بھی قیمت دی ہے

کیا ایک اسلامی ادیب دیانتداری سے یہ سمجھتا ہے کہ صبح آزادی طلوع ہو چکی ہے حالانکہ ماہر کو خود بھی اس کا یقین نہیں ہے:۔

ابھی پیغام محمد کی ہے باقی تکمیل   فکر و دانش کو یہ اجمال ہے خود ہی تفصیل

ابھی ماحول کو ہونا ہے بہت کچھ تبدیل   ابھی کردار کے سانچے میں ڈھلے گی تخئیل

حسن اخلاق ہی آئین سیاست ہو گا

حکم قرآن ہی منشور حکومت ہو گا

آمین — خدا کرے ایسا ہی ہو —— لیکن کیا یہ "طلوع صبح آزادی" کا بطلان نہیں ہے۔ ماہر سے مجھے بڑی عقیدت ہے۔ مگر میں مجبور ہوں یہ کہنے کے لئے کہ اس نے اس کتابچے کے لئے اپنی اچھی نظمیں نہیں منتخب کیں لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ وہ نہایت دیانتداری سے اپنی اچھی نظمیں انھیں کو سمجھتا ہے کہ وہ اب "غزل خوانی" کے بجائے "رجز خوانی" کی ضرورت محسوس کرنے لگا ہے —

خدا کا دین کفر و جاہلیت کے ہے نرغے میں   غزل خوان کی نہیں ہے اب رجز خوانی کی ضرورت ہے

ماہر اب مجاہد بننے کا خواہش مند ہے۔ شاعر نہیں۔ وہ ادب کو اس لئے سنبھالے ہوئے ہے کہ بندوق اور تلوار اس کو میسر نہیں آرہی ہیں

نعیم صدیقی:۔

"ماہر" کے بعد ہی ہمیں اس مجموعے میں "نعیم صدیقی" نظر آتا ہے۔ نعیم صدیقی اسلامی ادیبوں میں ایک اچھا مقام رکھتا ہے۔ وہ چراغ راہ کا ایڈیٹر ہے اور ایک صحافی کی حیثیت سے اسے اکثر موضوعات پر قلم اُٹھانا پڑتا ہے —— وہ افسانے بھی لکھتا ہے اور شاعری بھی کرتا ہے۔ نقاد بھی ہے۔ اور مقالہ نگار بھی —— اس عالم میں فرد کا عجیب حال ہوتا ہے وہ سب کچھ بن جاتا ہے اور کچھ بھی نہیں لیکن نعیم صدیقی غالباً مستثنیات میں سے ہے۔ یا کم از کم اس مجموعے میں وہ ایسا ہی نظر آرہا ہے۔ وہ "اندوہ مہاجرت" سے متاثر ہو کر ملت کے اس طبقے کو جگانا چاہتا ہے جو ہم میں سے ہونے کے باوجود

ہم سے دور رہے ایک ضمیر کو جھنجوڑ دینے والا عنوان رکھتا ہے "کہاں گئی وہ میت"

کتنی جان ہے اس عنوان میں جو ماضی کو یاد بھی دلاتا ہے اور حال کو "دعوت بیداری" بھی دیتا ہے پھر اشعار اس کے قلم سے نکلنے لگتے ہیں:۔

اڑی وہ گرد وہ حرکت میں آئے کچھ سائے
نکھر رہے ہیں فضا میں بجھے بجھے چہرے

اس شعر سے وہ ذہن کے لئے ایک مخصوص فضا پیدا کرتا ہے اور فوراً ہی کہتا ہے:۔

بلا کشوں کا نیا قافلہ نکل آیا　　خود اپنے دیس کے کچھ رہزنوں کے نرغے سے

پھر اس قافلہ کی تصویر دکھاتا ہے۔ ان کے درد اور کرب و اذیت کا تذکرہ کرتا ہے اور "حدود کفر سے ایمان بچا کے لاتے ہیں" کہہ کر ہمیں نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچا دیتا ہے۔ اور ابھی ہم اس پر سجدۂ شکر بھی نہیں بجا لا پاتے کہ وہ دلوں پر بجلی گرا دیتا ہے:۔

وہ ایک دختر ملت کہ جس سے پوچھئے تو　　بہائے اشک مگر مُنہ سے کچھ بھی کہہ نہ سکے
غریب ماں نے بالآخر کہا تو اتنا کہا　　وہ لے گئے اسے زیور اُتارنے کے لئے
تمام رات تلاش میں اس کی بیت گئی　　ستارے شرم سے آنکھوں کو میچتے ہی رہے
قصائیوں نے کیا قیمہ رات بھر اس کا　　اگل دیا اسے مذبح نے صبح پانچ بجے

کتنا عجیب مقام ہے جہاں نعیم اپنی پوری فنکاری سے کام لیتا ہے بندش میں کبھی ڈھیلا پن پیدا نہیں ہونے دیتا تاثر میں کمی نہیں آنے پاتی کوئی بات غیر فطری انداز نہیں اختیار کرنے پاتی ۔۔۔ ایک گھناؤنی عریاں لاش جس پر نہ جانے کتنی مکھیاں بھنک رہی ہیں "ارباب عیش و نشاط" کے سامنے ڈال دیتا ہے ۔۔۔ "اب بھی نہ دیکھو گے؟" "یہ تمہاری بیٹی ہے؟؟" ۔۔۔ اب بھی نہ سوچو گے؟؟؟"

معاملہ یہ نہیں ایک جوان بچی کا　　اڑے ہیں پرزے تو نسوانیت کے آنچل کے
تمام قوم کی توہین کی ہے وحشت نے　　تمام قوم کی عصمت پہ آئے ہیں حملے

اور جب دیکھتا ہے کہ "ارباب نشاط" کسی طرح ہوش میں نہیں آ رہے ہیں تو خدا کے واسطے دیتا ہے اور پھر اپنا آخری حربہ استعمال کرتا ہے ۔۔

یہ بات رہتی ہے آخر میں غور کے قابل　　عدو کے سامنے کیسے اٹھاؤ گے دیدے

نعیم کو ماہر کی طرح زبان پر قدرت حاصل نہیں وہ بے تحاشہ غلطیاں کرتا ہے اور قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتا ہے "دیدے اٹھاؤ گے" "چر کے آتے ہیں" مجھے تو عجیب سا معلوم ہوتا ہے۔ وہ اپنے مخاطب کو ایک ہی نظم میں کہیں تم تمہارے اور کہیں آپ سے مخاطب کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ جیسے اس نے طے کر لیا ہے کہ ہر شعر اپنا الگ مقام رکھتا ہے ۔۔ "تمہارے عہدہ و منصب کی خیر ہو یا رب" ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے وہ کہہ رہا ہے "اے خدا تیرے عہدہ و منصب کی خیر ہو" حالانکہ اس کا مفہوم یہ نہیں ہے۔ اسی طرح جب وہ لکھتا ہے "تمہارے رقص گھروں کی ہما ہمی قائم" تو اس کی متمنا ہوتی ہے "تمہارے رقص گھروں کی ہما ہمی قائم رہے" یا "معاملہ یہ نہیں ایک جوان بچی کا" میں "یہ" کا "معاملہ" کے بعد آنا ذوق پر گراں گذرتا ہے۔ یا "خدا کا شکر کہ ایسے نہیں عوام کہ جو" مجھے یقین ہے کہ اگر ماہر یہی لکھتا تو "کہ" کی یہ تکرار نہ ہونے پاتی۔

ایک خاص مکتبۂ فکر کے طلبا آجکل زبان کو اہمیت نہیں دے رہے ہیں لیکن نعیم صدیقی کو تو "عصمت زبان" سے اس طرح نہ کھیلنا چاہیئے۔ "روس پرستوں" سے تو ہم شکوہ کر نہیں سکتے لیکن اسلامی ادبا سے ہمیں باز پرس کرنی ہی پڑے گی کہ یہ سلف کی یاد گار ہے۔

یوں نعیم ایک اچھا فنکار ہے اسے اپنی بات پیش کرنے کا بڑا اچھا سلیقہ آتا ہے۔ اس کی دوسری نظم "مالی تجارت" ایک آزاد نظم ہے۔ آزاد نظم اردو کے مزاج سے ہم آہنگ نہیں ہے اور اس کا ستارہ جلد ہی غروب ہو جائیگا بلکہ غروب ہو چکا ہے اور ادب کا یہ تجربہ اپنی

ناکامی کی داستان سنا رہا ہے ـــــ میرا اپنا خیال ہے کہ نعیم کی یہ نظم اپنے خیال اور پیام کی بنا پر "اسلامی شاعری" نہیں شاعر کے سوچنے کا انداز بہ ظاہر اسلامی نظر آتا ہے لیکن ہے نہیں ـــــ !

اللہ مجھے معاف فرمائے میں نعیم صدیقی پر کوئی الزام نہیں عائد کر رہا ہوں ۔ بلکہ اس نظم کو پڑھ کر مجھے اندازہ ہی یہ ہوا ہے ۔ شاعر کے اپنے بچے ہیں ۔ لیکن وہ صرف ہمسائے کے بچے کو دیکھ کر سب کچھ سوچتا ہے ۔ وہ گندے گھناؤنے ماحول سے بیزار ہے یہاں ہر چیز بک جاتی ہے اس منڈی میں : ـــــ

میرے ہمسائے کا معصوم بھی بک جائے گا ۔ اور پھر میری اولاد بھی خود بک جائے گی اس لئے کہ یہاں کا دستور ہی یہ بن چکا ہے ۔ پھر شاعر سوچتا ہے : ـــــ

کاش ان ماؤں کی گودیں نہ ہری ہو سکتیں ۔ کاش باپوں کو نہ جوڑے ملتے "عمر بھر مرد کنوارے رہتے" ـــــ اور اگر یہ بھی ممکن نہیں تو : ـــــ

کاش اتنا سا تو بیباک یہ انساں ہوتا
اپنے بچوں کا گلا گھونٹ کے نازاں ہوتا
لوگ اولاد کو زندہ ہی اگر گاڑ آتے

اور یہ سب کچھ اس لئے کہ : ـــــ

آدمی دھر میں اتنا تو نہ ارزاں ہوتا

یہ نعیم صدیقی کا تصور تو نہیں ہو سکتا ـــــ نہیں ہونا چاہئیے ۔ یہ اسلامی قدروں کے منافی ہے ۔ اس کی کوئی تاویل نہیں کیجا سکتی ۔ اس تصور کا ذہن میں پیدا ہونا ہی غلط ہے پھر یہ "جھنجلاہٹ" یہیں نہیں ختم ہو جاتی بلکہ "جلوۂ یار کا بار ابھی دیکھا گیا ہے" ـــــ ملاحظہ ہو

جی میں آتی ہے کہ خونی بن کر
جی میں آتی ہے کہ لیکر خنجر
اس پہ ایک وار کروں
ایک ہی بار فقط ایک ہی وار
اور پھر ایک پکار
ایک مظلوم سی چیخ
اور پھر خون کی دھار

اور یہ قتل وغارت صرف اس ہمدردی میں ہے کہ : ـــــ

کل یہ لگ جائیگا ابلیس کی مزدوری میں
کل گناہوں کا سپاہی اسے بن جانا ہے

اور صرف اس لئے کہ : ـــــ

یہ فرشتہ ہے تو طاغوت کے کام آتے کیوں !

اس منزل تک آجانے کے بعد شاعر کو پھر اسلامی اقدار حیات کا خیال پیدا ہو جاتا ہے اور وہ اپنے اس تصور کا جواز پیش کرتا ہے : ـــــ

اسوہ خضر کی تجدید کروں !

اردو والے تو اس طرح بولتے نہیں ممکن ہے یہ بنگالی اردو ہو ۔

حضرت خضر نے بھی تو مستقبل کے خوف سے ایک بچے کو مار ڈالا تھا حالانکہ ہم صرف "آئینِ محمدؐ" کے پابند ہیں "بندۂ خضر" نہیں اور اگر اس تاویل کو تسلیم بھی کر لیجئے تو اس کا کیا جواز :—

اپنے سمہلاتے کے بچے سے مجھے کیا مطلب!
زندگانی کے قضیئے سے مجھے کیا مطلب
جیسے چلتی ہو یہ گاڑی یونہی چلتی جائے
بیٹھ کر سوچتا رہتا ہوں میں اکثر یوں ہی
سوچ ہی سوچ میں صدیاں گذریں
سوچ ہی سوچ میں نسلیں بیتیں
یوں ہی اپنی بھی تو کٹ جائے گی عمر
چند بیچارے سے سال

دراصل یہ نظم شاعر کے "ترقی پسند ادب" سے متاثر اور مرعوب ہو جانے کا نتیجہ ہے۔ یہاں نعیم صدیقی تقلید میں مار کھا گیا ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ صاحب ترتیب نے یہ نظم مجموعے میں شامل ہی کیسے کی دوسری نظم "ایک سوال چار جواب" اسلامی ادب کا ایک اچھا نمونہ ہے اس میں "گیت" کا سا انداز ہے بڑا اچھا تاثر پیدا کرتی ہے۔ لفظوں اور بحر کے انتخاب میں بڑا اچھا سلیقہ دکھایا گیا ہے۔ نظم بڑے "مدھم مدھرا ور کومل" انداز سے شروع ہوتی ہے :—

تاریخ نے پوچھا اے لوگو یہ دنیا کس کی دنیا ہے
شاہی نے کہا —— یہ میری ہے
اور دنیا نے یہ مان لیا

اور پھر اپنی تیز شدید حرکت سے جیسے خون کو گرما دیتی ہے اور دل میں سنسنی پیدا کر دیتی ہے :—

پھر تخت بچھے ایوان سجے گھڑیال بجے دربار لگے
تلوار چلی اور خون بہے انسان لڑے انسان مرے

نغمے کی لے کسی قدر پھر نیچی ہو جاتی ہے :—

دنیا نے بالآخر شاہی کو پہچان لیا پہچان لیا

ایسے ہی چار بند چار جواب پیش کرتے ہیں۔ یہ نظم اپنے اندر بڑا تاثر رکھتی ہے اور پڑھنے کے ایک خاص ڈھنگ کا تقاضا کرتی ہے یہاں نعیم صدیقی کی غنایت انگڑائی لیتی نظر آتی ہے اور اپنی نغمگی میں قاری کو جذب کر لیتی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ نظم لکھ کر شاعر نے "مال تجارت" کا کفارہ ادا کیا ہے اور یہ نیکی اس غلطی سے کئی گنا بڑھ گئی ہے۔

"اگر میں چاہوں" —— نعیم صدیقی کی اچھی نظم ہے اور واقعی "مئے کہنہ بجام نو" کی حامل ہے میں پہلے بھی کہہ آیا ہوں کہ نعیم صدیقی کو اپنی بات پیش کرنے کا بڑا اچھا سلیقہ آتا ہے۔ وہ ایک خاص انداز رکھتا ہے فضا کی تیاری ماحول کی عکاسی اور ان ساز گاریوں کے بعد اپنا مقصد اس طرح کہہ گذرتا ہے کہ ہم محسوس ہی نہیں کرتے اور اس کی ہمنوائی کرنے لگتے ہیں —— میں سوچنے لگتا ہوں نعیم کتنا اچھا "کنولسیر" ہے —— وہ اپنے مخاطب

۱۔ ایک ہندی صنف شاعری جو بڑی تیزی سے پڑھی جاتی ہے۔

کے دل میں اتر جانے کے انداز سے واقف ہے۔ لیکن اس کی یہ نظم "اس کی نظم کہاں گئی وہ جمعیت" کا سا انداز و تاثر نہیں رکھتی شاید اس لئے کہ "جدید طرز شاعری" اس کے اپنے مزاج سے مطابقت نہیں رکھتی وہ شعوری اور ارادی طور پر خود کو مجبور کرتا ہے لیکن اس کا لاشعور اس سے بغاوت کرتا ہے ممکن ہے کہ اپنی اس "مسلسل ترغیب" کے بعد وہ اس صنعت شاعری میں بھی اچھے نمونے پیش کرنے لگے ——— "مالی! مالی!" نعیم صدیقی کا ایک گیت ہے۔ جس کے متعلق میں پہلے عرض کر آیا ہوں البتہ کہیں کہیں اس کی روانی میں اس لئے کمی آجاتی ہے کہ شاعر الفاظ کے "اتار چڑھاؤ" کا صحیح اندازہ نہیں کر پاتا ممکن ہے اس کے سامنے کوئی اور مقصد ہو مثلاً "جنگل تک میں پھول کھلے ہیں" اور "جنگل جنگل پھول کھلے ہیں" میں معنًا جو ایک فرق ہے اس نے نعیم کو مجبور کیا کہ وہ پہلا مصرعہ ہی استعمال کرے اور اس مد و جزر سے بے نیاز ہو جائے جو الفاظ اپنے اندر رکھتے ہیں اس طرح "کانٹوں کا یاں رتبہ عالی" میں "یاں" کے بجائے "ہو سکتا تھا۔ لیکن غالباً کسی مقصد کے باعث اس نے گوارا نہیں کیا یا "آئی آئی" میں ایک ترنم اور رس ضرور ہے اس کی لے بڑی اچھی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن "آئی" "آ چکی" کے معنوں میں اردو زبان پر جبر معلوم ہوتا ہے پھر "آئی" نفی کا انداز رکھتا ہے سوالیہ انداز کی نفی۔ کم از کم عام بول چال میں میں نے اس کو اسی طرح سنا ہے یا "رت یہ ہنو کی جا رہی دن" ہے ——— "آ ناً فاناً جانے والی" میں اس کی لے میں بہ تو ضرور جاتا ہوں۔ لیکن جب سمجھنا چاہتا ہوں تو اس کا "اور چھور" کچھ سمجھ نہیں پاتا جب تک کہ اس میں ایک آدھ لفظ کا اضافہ نہ کر دوں اس کے باوجود اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ نعیم صدیقی نے ادب کو اور اسلامی ادب کو بہت کچھ دیا ہے وہ راہبر بھی ہے اور راہرو بھی۔ سپاہی بھی ہے اور سالار بھی۔ اس نے اپنے سر پہ بہت سے فرائض لاد رکھے ہیں وہ احساس اور جذبات کی آگ پر جلتا تڑپتا بھی ہے اور "سیاسیات کے محبس" میں اسیر بھی ہوتا ہے وہ "ہے مشق سخن جاری اور چکی کی مشقت بھی" کا ایک نمونہ ہے نعیم ایک بڑا آدمی ہے جس کی چھوٹی چھوٹی باتیں بھی اہم ہوتی ہیں اس لئے اسے اپنی طبع آزمائیوں میں بہت محتاط ہونے کی ضرورت ہے ——— کہ اس کا ہر قدم زمانے کی نگاہوں میں آئیگا اور اپنے متوالی اثرات جاری رکھے گا۔ میری طول بیانی "بار خاطر احباب" تو ہو ہی چکی ہے عافیت اسی میں ہے کہ "ناگواری" "خاطر احباب" بننے سے پہلے اس سلسلے کو ختم کر دوں ——— کتابچہ کی طلب اور تنقید و تبصرہ کا تقاضا برجا صحیح لیکن "خیال خاطر احباب" بھی تو ایک مقام رکھتا ہے۔

اس کتابچہ میں نظم و غزل کے وہ تمام نمونے موجود ہیں جو آج کی ادبی دنیا میں رائج اور نافذ ہیں نئے اسلامی شعراء نے ہر صنف سخن میں تجربات کئے ہیں وہ ان تجربات میں نہ صرف کامیاب رہے ہیں بلکہ انھوں نے اپنی ندرت فکر اور اپنے نئے تصورات سے اردو ادب میں اضافہ کیا ہے۔ "آزاد شاعری" میں اگر نعیم صدیقی کسی وجہ سے صحیح طور پر کامیاب نہیں ہوا تو اعظم ادیب اسی "طرح" میں وہ سب کچھ دے گیا ہے جس کی کسی ادیب اور شاعر سے توقع کی جا سکتی ہے۔

اردو شاعری کوئی بھی رنگ کیوں نہ اختیار کرے لیکن غزل کی اہمیت میں کبھی کوئی کمی نہیں آ سکتی غزل اپنے اندر بڑی نزاکتیں اور لطافتیں رکھتی ہے۔ نئے اسلامی شعراء نے اس صنف میں تغزل کا پورا پورا لحاظ اور احترام رکھتے ہوئے وہ وہ موتی رولے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے ان شعراء نے اس نوع سخن کو اس طرح اپنا لیا ہے کہ جیسے اس کی تخلیق ہی ان کے مقاصد کے پیش نظر کی گئی تھی وہ ہمیں میدان تغزل میں بہت بلند اور اونچے نظر آتے ہیں۔ "اقبالیاتی طرز تغزل" میں عاصی۔ قابل۔ اعظم ادیب "رکوثر نمایاں دکھائی دیتے ہیں ملاحظہ ہو ———

میں صدف ہی کے تکلف کا نہیں ہوں قائل　　میں نے آنکھوں میں بھی ڈھلتے ہوئے دیکھے ہیں گہر

(عاصی کرنالی)

شام و سحر سے بے خبر دشت و چمن سے بے نیاز　　جوش نمو میں چل پڑا نکہت گل کا کارواں

(قابل اجمیری)

آپ سے آپ نہ اٹھتا تھا چراغوں سے دھواں　　کسی سازش کا نتیجہ تھی میری بے خبری　　(اعظم ادیب)

زہے نصیب محبت قبول ہو جائیں تیرے حضور میرے آنسوؤں کے نذرانے (کوثر نیازی)

اس مجلس میں قبلہ نصر اللہ خاں عزیز بھی جلوہ فرما ہیں برصغیر ہند و پاک کے مشہور صحافی اور کہنہ مشق ادیب ۔ ظفر علی خاں قبلہ کے مدرسہ صحافت کی یادگار ۔ زبان و بیان فن اور قادر الکلامی ادب جدید ہو کہ قدیم دونوں کے ماہر ۔ میری تو جرأت نہیں کہ کچھ عرض کروں ۔

اگر یک سر موئے بر تر پرم فروغ تجلی بسوزد پرم

اس رنگ سے ہٹ کر کوثر نیازی مسعود جاوید ۔ عاصی ضیائی ۔ ارشد کاظمی اور طالب حجازی نے پرانی زمین ہی میں نئے باغ لگائے ہیں اور اپنے خوش رنگ مہکتے ہوئے پھولوں سے ادب کا دامن بھر دیا ہے انتخاب دشوار ہے کہ ہر تجلی نگاہ کو خیرہ کرتی ہے اور ہر جلوہ دامن دل کھینچ لیتا ہے جدید انداز شاعری میں شمیم جاوید ضیا محمد ضیا ۔ محمد یعقوب طاہر اور ارشد کاظمی اپنی نوائے گرم سے دلوں کو گرماتے ہیں ان میں شمیم نمایاں نظر آتا ہے اعظم ادیب کا نام میں نے ارادتاً نہیں لیا کہ اس کا بانکپن اس کی شاعرانہ عظمت اور اس کی انفرادیت تفصیلات کا حق رکھتی ہیں ۔ اور یہاں زبان قلم گنگ ہے ۔

تیرے جلوؤں کے آگے ہمت شرح و بیاں رکھ دی زبان بے نگہ رکھ دی نگاہ بے زبان رکھ دی

"رنگ محل" میں چلئے "مینا بازار" دیکھئے "جھاڑیوں کے پیچھے" پہنچئے اس کی "فکر و نظر" اس کے "جائزے" ۔۔۔ ؟ وہ بیدردی سے نشتر چلاتا ہے اور اس انداز سے مرہم دکھ دیتا ہے کہ "اذیت" "لذت" بن جاتی ہے اگر کبھی ہوش میں آسکا تو اس پر کچھ ضرور لکھوں گا فی الحال اس پورے مضمون کو ختم ہی سمجھئے ۔

(حلقہ ادب اسلامی ۔ کراچی میں پڑھنے کے لئے لکھا گیا)

ابوالخطیب

کمیونسٹ پارٹی سے مجھے کیا نہ ملا

اور

اب میں کیا چاہتا ہوں

ایک نجی خط کا جواب

(یہ خط برادر محترم ابوالخطیب صاحب نے اپنے ایک ہم وطن، دوست اور سابق رفیق کے نام انکے ایک خط کے جواب میں لکھا ہے ابوالخطیب صاحب کمیونسٹ پارٹی میں کام کر چکے ہیں اور اس مقصد کی خاطر قید و بند کی صعوبت بھی گوارا کر چکے ہیں۔ اب کمیونزم کو خیرباد کہہ دیا ہے اور اسلام کی خدمت کو زندگی کا اصل نصب العین سمجھتے ہیں۔ اس طویل نجی خط میں انہوں نے اس پر روشنی ڈالی ہے کہ وہ کمیونزم کی تاریکی سے اسلام کے اُجالے کی طرف کس طرح آئے —— مرتب)

محبی منظور لطیف! سلام واحترام۔

بہت دنوں کے بعد تم سے گفتگو کا موقع ملا۔ جذبات عود کر آئے ہیں اور قلم سے دل کا بوجھ سنبھالا نہیں جا رہا۔ اس لئے اگر عبارت میں کہیں بے ربطی پیدا ہو جائے تو اسے دل کی بے صبری سمجھنا جو تم سے گفتگو کے شوق میں بیتاب و مضطرب ہے۔ اس لئے اپنے گذشتہ خط کا جملہ پھر دھراتا ہوں کہ "قلم اس وقت میرے دل کے ہاتھ میں ہے" کیونکہ دماغ کے مقابلے میں اس وقت اس کے تقاضے شدید تر ہیں۔ دل کی گرفت میں قلم کا آ جانا تمہیں سادگی پر ایک بار محسوس ہوتا ہے تو ہوئیں اسے عالم بالا کی خن فہمی پر محمول کرنے کے بجائے اور کیا کر سکتا ہوں۔

تمہارے خط کے اس جملہ کو پڑھ کر میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ تمہیں میرے خلوص پر اعتبار ہے باوجودیکہ میری اور تمہاری منزلیں اب جدا جدا ہیں عزیزم! تمہیں اسی خلوص کے متاع بے بہا کی ضرورت ہے۔ اگر مل رہی ہے تو اسے لو اور اس کا خیال نہ کرو کہ کن الفاظ کے جامے میں مل رہی ہے۔ اسے اختلاف ذوق پر چھوڑ دو۔ آخر کیا مصیبت ہے۔ سوسائٹی میں تم کس حد تک یکسانیت پیدا کر دگے تمہارے خط کی تحریر کو فرصت کے لمحات میں کئی بار پڑھتا رہا ہوں اور یہ تلاش کرتا رہا ہوں کہ تمہارے فطری کردار میں کمیونسٹ آئیڈیالوجی IDEOLOGY نے کن عناصر کا اضافہ کیا۔ مطلب یہ ہے کہ زندگی کو جانچنے پرکھنے میں تم کس حد تک مارکسسٹ ہونے کا ثبوت دیتے ہو۔ تمہارے فطری کردار کی اس میں کیا حیثیت ہے۔ تمہارے طرز فکر پر کن تصورات کا غلبہ ہے۔ کمیونسٹ آئیڈیالوجی کا یا تمہارے اپنے تصورات کا جو تمہاری اپنی فطرت اور تجربات نے تمہارے کردار میں سمو دیئے ہیں۔ منظور! اس مقام پر میں نہایت ایمانداری سے تمہارا تجزیہ کر رہا ہوں۔ تمہارے کردار میں ابھی تک انھیں تصورات کو غلبہ حاصل ہے جو تمہاری فطرت اور تمہارے تجربہ نے تم کو بخشے ہیں۔ اس تجربہ نے جو بگڑی ہوئی مسلم تہذیب کی صحت مند قدروں میں پروان چڑھے ہیں کیونکہ پہلے کی طرح تمہاری تحریر میں اصول پسندی وسیع الخیالی رواداری اور مجرد انسان دوستی موجود ہے مادی زندگی کی حشیانہ آلائشوں سے تم آج بھی بیزار ہو۔ اس جوانی کے عالم میں تمہاری پارسائی کی یہ کیفیت۔ بخدا اس مقام پر تمہیں گلے لگا لینے کو جی چاہتا ہے کہ تمہاری نیک فطرت نے ابھی تک حیوانی خواہشات کے آگے سر نہیں جھکایا۔ تم آج بھی مہ وشوں کے جھرمٹ میں رہ کر بدمعاشی کے اڈوں کا دیکھتے ہوئے، شراب کے کھنکتے پیالوں کو دیکھ کر بھی تم اس طرف سے اپنی نظریں پھیر لیتے ہو۔ اور اپنی کلفتوں کو دور کرنے کے لئے دوسرے

بدمست انقلابیوں کی طرح ادھر نہیں جاتے۔ تم اپنی بھوک کو مٹانے ادھر کیوں نہیں جاتے۔ اس کو جاننے کے لئے تمہارے پورے حالات میرے سامنے نہیں اور نہیں معلوم کہ تم اپنی ارمانوں بھری جوانی کو لئے کس دن کا انتظار کر رہے ہو۔ حالانکہ اب تمہیں اس طرف جانے سے روکنے والا کوئی نہیں اب دیکھنا یہ ہے کہ تم کب تک خدا کے تصور سے بے نیاز رہ کر مادہ پرست سماج کی اس غلاظتوں سے دور رہتے ہو جسے آج بھی تم برا سمجھتے ہو۔ لیکن جہاں سیاسی مسائل اٹھتے ہیں۔ وہاں تم قطعاً اسی ذہنیت کا ثبوت دیتے ہو جو پروپیگنڈہ سے تشکیل پاتی ہے اس ذہنیت میں اتنی یکسانیت ہے کہ ایک ہی مسئلے پر ایک ہی طرح کی مختلف لب ولہجے میں آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ ہر وہ شخص جو کمیونزم اور کمیونسٹ بلاک کا مخالف ہے۔ وہ امریکہ کا ایجنٹ ہے اور آج تم اس ذہنیت کی موجودگی میں یہ بھی تصور نہیں کر سکتے کہ کمیونزم اور کمیونسٹوں کی مخالفت نیک نیتی پر بھی مبنی ہو سکتی ہے۔

میری ذات کے معاملے میں تم نے دو جگہ صاف گوئی سے کام لیا ہے۔ جس سے مجھے بڑی خوشی ہوئی تمہیں حق ہے کہ تم مجھ سے میری زندگی کے بارے میں سوال کرو ——— اور میں اس جذبے کی موجودگی میں اس کا جواب دے رہا ہوں۔

طہیرہ[1] کو چھوڑ کر میں پاکستان بھاگ نہیں آیا۔ بلکہ میں ان نظریات کی اشاعت کے لئے پاکستان آیا ہوں جنہیں آج کل تم میری تحریروں میں دیکھتے ہو۔ میرے نزدیک اسلام کا تصور انفرادی زندگی تک محدود نہیں ہے بلکہ میں اسے ایک مکمل نظام حیات تصور کرتا ہوں۔ تم یہ بھی جانتے ہو کہ مجھے اپنے سے زیادہ ہمیشہ دوسرے انسانوں کا خیال رہا ہے اور میں تمہیں آج بھی یقین دلا رہا ہوں کہ اسلام کے اخلاق کی چھاؤں میں میرا یہ جذبہ یقین اور سرشاری کی کئی منزلیں طے کر چکا ہے اور آج مجھے اپنی نجات کے ساتھ ساری انسانیت کی نجات کی فکر ہے اسی جذبے کو لیکر میں پاکستان آیا۔ اور اس لڑائی میں شریک ہو گیا۔ جو اسلام کے اقتدار کے لئے یہاں لڑی جا رہی تھی۔ منظور! اس موقعہ پر میں تمہیں ایک اطلاع دے رہا ہوں کہ اس لڑائی کے پہلے ۱۹۵۳ء میں پاکستان کے اسلام پسندوں کی جیت ہوئی ہے اس کا سب سے بڑا ثبوت پاکستان کا دستور ہے۔

ہو سکتا ہے کہ حسب عادت تم اسے ملائیت کی فتح قرار دے کر اس کی کسی اور طرح تعبیر کرو۔ لیکن یہاں تم سے میں ایک درخواست اور کروں گا کہ تم کچھ جمہوریت پسند واقع ہوئے ہو اپنے تجزیہ میں ذرا اسکا خیال رکھنا اور اس وقت میں تمہارے اس جذبے کو مخاطب کر رہا ہوں کہ تم عوام کی اسلام پسندی کو نظر انداز نہ کرنا۔ کیونکہ یہی جمہوریت کی بنیادی اینٹ تصور کئے جاتے ہیں۔ پاکستان میں اسلام کے تجربے کو غور سے دیکھو کہ آج کی جدید دنیا میں یہ کس قسم کا انسان اور سماج پیش کرتا ہے ——— اور وہ انسان اپنی دوسری دنیا کو کس نگاہ سے دیکھتا ہے آیا وہ پاکستان سے باہر کی دنیا کو بھی برادرانہ اسپرٹ میں دیکھ کر اس کی بھلائی کے لئے سوچتا ہے ——— یا وہ مغربی تہذیب کی طرح حرص و ہوس کا بندہ اور دوسروں کو غلام بنانے کا خواہاں ہے ——— پاکستان کے متعلق ایک بات اور بتا دوں کہ آج اسلام پسند طاقتوں کو یہاں جو فتح حاصل ہوئی ہے وہ کسی سیاسی جوڑ توڑ کا نتیجہ نہیں ——— اس میں کسی توڑ پھوڑ کی دھمکی کا بھی شائبہ نہیں بلکہ یہ ایک طاقتور عوامی تحریک کا ہے۔ ہمارے ملک کے دونوں حصوں کے کروڑوں عوام نے اسلام کے لئے آواز اٹھائی اور الحمد للہ آج خدا نے انھیں انکے مقصد میں ایک حد تک کامیابی بخشی ہے۔

ہاں تو میں تمہارے حکم کی تعمیل میں اپنے بارے میں بتا رہا تھا۔ طہیرہ کو میں ہندوستان اس لئے چھوڑ آیا کہ پاکستان آکر میں اپنا ٹھیک ٹھاک کر لوں۔ اور اس کے بعد اپنے خاندان کو یہاں بلا لوں۔ لیکن آج ڈھائی سال ہو گئے۔ کراچی نے میرے خاندان کے لئے ابھی اتنی سی بھی جگہ نہیں دی کہ جہاں آکر وہ سر چھپا سکتے ——— خیر جگہ کا مسئلہ بھی حل ہو جاتا اگر میری معاش کا ہی مسئلہ طے ہو جاتا جیسے میں نے اپنے پہلے خط میں لکھا تھا کہ زندہ رہنے کے لئے جوتوں کا کاروبار کرتا ہوں۔ سرمایہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ کہ پڑھنے لکھنے کے ساتھ اس کام کے لئے بھی دوڑ دھوپ کرنا پڑ رہی ہے۔ جس سے صحت تباہ ہو رہی ہے۔ کیونکہ جتنی توانائی دوڑ دھوپ اور لکھنے پڑھنے میں صرف ہوتی ہے اس کی تلافی کے لئے اتنے پیسے اس کام

---

[1] مضمون نگار کی اہلیہ

سے حاصل نہیں کر پاتا کہ کھانے پینے کا معقول انتظام کر سکوں۔ اس لئے اس مستقل صبر کی وجہ سے میں ان لذیذ چیزوں کا ذائقہ بھی بھول گیا ہوں۔ جن چیزوں کو کھا کر ان کے ذائقہ کو میں نے اپنے منہ میں بسا لیا تھا۔ جب کبھی جوتوں کے دام مل جاتے ہیں تو بھوکے کی طرح کسی مٹھائی کی دوکان میں گھس جاتا ہوں۔ جی بھر کے مٹھائی کھا لیتا ہوں کیونکہ مجھے ہوتا ہے کہ پھر کافی عرصہ کے بعد یہ دن نصیب ہوگا۔ یہی حالت زندگی کے دوسری آسائشوں کی ہے۔ پلنگ سونے کو نہیں ملتا۔

ایک کھجور کی چٹائی پر اپنا گون پہن کر لیٹ جاتا ہوں تکان سے چور۔ کمر اور سر روئی کے گدوں کے طالب ہوتے ہیں۔ لیکن انھیں میں کہاں سے لاؤں۔ یہاں تو زندہ رہنے کے لئے بھی پورے پیسے نہیں ملتے ــــ اس لئے جب کبھی میں اپنے کسی دوست کے بنگلہ میں کسی کے ساتھ چلا جاتا ہوں اور وہاں کے سوفوں کو دیکھتا ہوں تو ہاتھ چھوڑ کر کچھ دیر تک اس پر پڑ کر سامنے کی ہری ہری گھاس کو ٹکٹکی باندھ کر گھورا کرتا ہوں جس پر چڑیاں کبھی کبھی پھدک رہی ہیں۔ گدوں پر پڑے رہنے سے مجھے گذرے ہوئے دن یاد آجاتے ہیں۔ اور جی چاہتا ہے کہ اینٹوں کے فرش کے بجائے آج اس پر ہی اپنی رات گذار دوں۔ لیکن جب ان باتوں سے دل بھر جاتا ہے تو اس سوفے کو چھوڑ کر چلا جاتا ہوں۔ یہ میری موجودہ زندگی کی ایک جھلک سا ہے۔

ظہیرہ عرصہ سے مجھے ہندوستان بلا رہی ہے۔ لیکن بتاؤ میں وہاں جا کر کیا کرونگا۔ میں صرف اس باپ کی حیثیت سے زندہ رہنا نہیں چاہتا جس کے کچھ بچے ہوں اور وہ انہیں پرورش کرنے کے لئے اس سرمایہ دارانہ نظام کا صرف ایک بے جان آلہ بن جائے۔ لیکن اس خواہش کے ساتھ ساتھ ایک احساس اور بھی ہے جو مجھے چین سے بیٹھنے نہیں دیتا۔ کہ جس اسلام کو میں نے قبول کیا ہے۔ وہ انسان پر بیوی کے حقوق، بچوں کے حقوق، والدین کے حقوق، اور دوسرے معاشرتی حقوق بھی عائد کرتا ہے۔ یہ سب اسلام کے نزدیک بندوں کے حق ہیں اس لئے میں اس خیال سے کانپ جاتا ہوں کہ روز آخرت خدا کے حضور میں اس کے متعلق کیا جواب دوں گا۔ اپنی صلاحیتوں کے متعلق تو لب کشائی کی شاید کچھ گنجائش ہو سکے لیکن سوسائٹی میں جو میری دوسری حیثیتیں ہیں۔ ان کے بارے میں میرے پاس کیا جواب ہے سوائے شرمندگی کے۔ میں اسیلئے آج ذہنًا مسلمان ہوں لیکن ایک کامیاب مسلم باپ ایک کامیاب مسلم تاجر اور ایک کامیاب مسلم شہری نہیں بن سکا پچھلی جہالتیں ابھی تک میری زندگی سے چمٹی ہوئی ہیں ــــ یہ زمانہ میرے لئے شدید ذہنی کشمکش کا ہے۔ میری علمی اور فن کارانہ حیثیت ایک طرف ہے ــــ اور حقوق العباد دوسری طرف ایک طرف فن کا بلاوا ہے اور دوسری طرف فرض کی پکار ــــ اور میں اپنی کمزوریوں کی بدولت ٹھٹکا کھڑا ہوں۔ شاید میری اس پریشانی کو پڑھکر تم یہ سمجھو کہ یہ سب کچھ سرمایہ دارانہ نظام کی لوٹ کھسوٹ کا منطقی نتیجہ ہے کہ وہ اپنے منافع کے لئے افراد کو اس طرح نچوڑ لیتا ہے اور اسکے بعد تم کمیونزم کا نسخہ تجویز کر دو!

مجی! تمہاری طرح میں سرمایہ داری کو لعنت ضرور سمجھتا ہوں۔ لیکن میں معاشی بدحالی کو سماج کے بنیادی خرابی قرار نہیں دیتا۔ کیونکہ انسانی معاشرے میں میرے نزدیک بنیادی خرابی مادہ پرستی میں ہے۔ اس پیڑ سے جو پھل نکلے گا اس کا مزا کچھ ایسا ہی ہوگا۔

بنیادی اعتبار سے خرابی کی اصل وجہ سوسائٹی کا معاشی تفاوت نہیں۔ بلکہ معاشی تفاوت تو نتیجہ ہے خدا سے بے نیاز ہو کر زندگی گذارنے کا۔ اس لئے سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اس کائنات میں انسان کیا چاہتا ہے۔ تم کہوگے کہ زندہ رہنا اور زندہ رہنے کے لئے معاش حاصل کرنا چاہتا ہے۔ میں اس کے زندہ رہنے کی اس خواہش کو تسلیم کرتا ہوں۔ لیکن وہ زندہ کیوں رہنا چاہتا ہے؟ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہوں گا کہ زندہ رہنے کی اس خواہش کے ساتھ اس کی دوسری خواہشات بھی ہیں۔ جو ہر لمحہ اس کی ہر حرکت سے ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔ اعلیٰ صفات کو اختیار کرنے کی خواہش ــــ یعنی پستی سے بلندی کی طرف بڑھنا جنسی بھوک جمالیاتی بھوک کسی اعلیٰ تر ہستی کے آگے اطاعت کے لئے جھکنے کا جذبہ وغیرہ دوسرے فلاسفہ اور ماہرین نفسیات کے نزدیک تو انسان کی اور بھی جبلتیں ہیں۔ میں اس وقت اس جھگڑے میں پڑھنا نہیں چاہتا کہ افراد کی

اجتماعیت کا محرک معاشی قدر ہے یا جنس یا کوئی اور مہیت اجتماعی کے سوسائٹی میں محرکات کیا ہیں کس طرح سماج میں انقلاب ہوتے ہیں عمرانیات کا یہ نہایت پیچیدہ مسئلہ ہے۔ اس مقام پر لا پرواہی نہ برتو۔ بلکہ اسے علمی اور تحقیقی کام سمجھو۔ اس تحقیق کی کمیونسٹ ہوتے ہوتے بھی تمہیں ضرورت ہے سطحی نعرے بازی سے گذر کر اس سمندر میں کود جاؤ اور دیکھو کہ دوسرے ماہرین عمرانیات کے نزدیک اجتماعی محرکات کیلئے کون کون سی اقدار ہیں۔ اگر اس نظر سے تم نے دوبارہ مطالعہ شروع کیا تو سوسائٹی کی مفید خدمت کر سکتے ہو۔ اور اس طرح تم میں علمی توازن بھی پیدا ہو جائے گا۔ کمیونسٹ نقطۂ نظر کوئی سائنٹفک حقیقت scientific FACT نہیں بلکہ ایک نظریہ ہے۔ اسی طرح جس طرح دوسرے نظریئے ہیں۔ اور اگر میں یہ کہوں تو شاید تمہیں اس سے دکھ نہ ہوگا کہ کمیونسٹ پروپیگنڈا باز اسے سائنٹفک نظریہ کہہ کر نئی نسل کو مرعوب کرتے ہیں۔ اس کی حیثیت علمی دنیا میں زیادہ مضبوط تصور نہیں کی جاتی۔ سائنس کی جدید تحقیقات نے مادیت کو شدید نقصان پہونچایا ہے۔ اس وقت بھی میں تم کو کم سے کم ان کتابوں کو پڑھنے کا مشورہ ضرور دوں گا۔ HUMAN. DESTINY. BY LE COMTE-DE-NUOY

MAN THE UNKONWN BY. ALEXIS. CARREL. THE CRISIS OF CIVILIZATION-BY. SOROKIN.

مکالمات برکلے۔ آئن اسٹائن کے نظریۂ اضافیت کا بھی مطالعہ کرو۔ یہ وہ سائنسداں ہے جس نے سائنس کی دنیا میں ایک حد فاصل قائم کر دی ہے۔ ایک طرف وہ مادیت ہے۔ نیوٹن اور ڈارون کے نظریوں نے تقویت پہونچائی — اور دوسری طرف وہ سائنٹفک اسکول ہے جس سے آئنسٹائن وابستہ ہے اور ہر کائنات کے مافوق الفطری تصور کی سائنٹفک بنیاد مضبوط کر رہا ہے۔ جب تم تقابلی مطالعہ کروگے۔ تو تمہیں معلوم ہوگا۔ کہ بیسویں صدی کی سائنس تحقیقات کی روشنی میں اب مادیت کا کیا مقام کیا ہے۔ جن دلائل پر وہ اٹھارویں اور انیسویں صدی میں انسان اور اس کے سماجی علوم سے خراج عقیدت وصول کر رہی تھی آج مادے کے انرجی میں تبدیل ہو جانے سے وہ مادیت کی بنیادیں ڈھے گئی ہیں۔ اور آج سائنس کی موجودہ تحقیقات کی روشنی میں مادیت کی حالت وہی ہو چکی ہے جو کبھی تصوریت (idealism) کی یا ان مذاہب کی تھی جن کی مسلمات اور بنیادوں کو سائنس نے ہلا دیا تھا۔

تم نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ وقت ملنے پر تم مطالعے میں زیادہ وقت صرف کرتے ہو کیا۔ اچھا ہو کہ ایک آزاد ذہن کے ساتھ تم کمیونزم اور اس کے ساتھ ساتھ دوسرے موضوعات کا مطالعہ کرو۔ یک طرفہ مطالعہ تمہیں پارٹی کا وفادار تو بنا سکتا ہے لیکن صداقت پسند نہیں۔ کیونکہ صداقت کو تم نے اپنے دل پسند زاویئے سے دیکھا ہے — اس دل پسند زاویئے سے جیسے تم نے تقابلی مطالعہ کے بعد حاصل نہیں کیا۔ بلکہ صرف وقتی نعروں — اور معاشی بدحالی کے دباؤ سے مجبور ہو کر اپنایا — صرف اس بنا پر دنیا کی نجات کے لئے تمہارے سامنے کوئی دوسری تحریک نہیں تھی جو تمہیں کچھ سوچنے پر مجبور کرتی — مجھے وہ بات اب بھی یاد ہے۔ کہ کمیونسٹ پارٹی میں جو تم گئے تو ایک مسلمان کی حیثیت سے — ایسے مسلمان کی حیثیت سے جو خدا کو بھی مانتا تھا۔ اور دین کی دوسری صداقتوں سے بھی اتفاق کرتا تھا۔ شاید اس موقع پر تمہیں وہ باتیں یاد ہوں کہ جب خدا تک بات پہنچی تھی تو تم اس معاملے میں سخت ہو جاتے تھے اور کھلے بندوں کہا کرتے تھے کہ میں خدا کو ماننے کے باوجود کمیونسٹ پارٹی کے معاشی پروگرام کے ساتھ ہوں۔ لیکن پارٹی نے تمہارے اس ذہنی تضاد کو تاڑ لیا ذہن تمہارا عقلیت پسند تھا اسلئے انھوں نے چپکے چپکے تمہیں ایسی کتابیں دیں — جو تمہارے روایتی مذہبی خدا کو ذہن سے نکال کر تمہارا طرز فکر قطعًا مارکسٹ بنا دیں۔ کیونکہ ان لوگوں کو تم بڑے کام کے آدمی نظر آرہے تھے۔ اور جو کام وہ تم سے لینا چاہتے تھے — وہ اس ذہنی تضاد کی صورت میں تکمیل نہیں پا سکتا تھا — ہوا وہی جو ہونا تھا۔

تمہارا روایتی خدا دھڑام سے گرا اور عقلیت نے اس کی جگہ مادے کو بٹھا دیا۔ اس تمہید سے میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ مادیت کو تم نے عقلی بنیادوں پر لیا۔ لیکن اس فیصلے کے وقت تم نے اللہ کے وجود کے لئے بھی عقلی دلائل تلاش کئے کہ مادیت کے مقابلے میں مذہبیت وجود باری

تعالیٰ پر کیا۔ سائنٹفک دلائل کتنے ہیں۔ مجھے دکھ اس کا ہے کہ تم اس تقابل سے نہ گزرے بلکہ جلد ہی پر جھاڑ کر کھڑے ہوگئے۔ اور آج مادیت کا پرچار کر رہے ہو۔ لیکن اس پرچار سے صاف یک طرفہ مطالعہ کی جھلک نظر آرہی ہے۔

مذہبیت اور تصوریت نے وجود باری تعالیٰ یا مافوق الفطرت طاقت کے حق میں جو دلائل فراہم کیے ہیں اس کے مطالعہ کی ذرا بھی جھلک تمہاری تحریر میں نہیں ملتی ورنہ تم ان دلائل کو رد کرنے کی کوشش کرتے۔ میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ اگر تقابلی مطالعے کیلئے تم تیار ہو تو کانٹ اور آئن اسٹائن وغیرہ کو قطعی نظر انداز نہ کرنا۔ اور اگر موقع ملے تو شبلی کا الکلام حصہ دوم بھی پڑھ لینا اس میں مسلم متکلمین کے وجود باری پر تمہیں دلائل مل جائیں گے —— اور ہاں جدید اسلامی رجحانات کو پڑھو تو اقبال اور مودودی کو قطعی نظر انداز نہ کرنا۔

اب میں تمہارے اس رویئے کو (جو میری کمیونسٹ پارٹی سے علیحدگی سے متعلق ہے۔) پیش نظر رکھ کر اپنی پوری زندگی تمہارے سامنے رکھتا ہوں —— جس کا کچھ حصہ تمہاری آنکھوں نے دیکھا۔ کمیونسٹ پارٹی اور کمیونسٹ نقطۂ نظر سے علیحدگی کمیونسٹ حضرات کے نزدیک صرف تین ہی وجوہ سے پیش آسکتی ہے۔

(۱) یا وہ غدار ہوگیا اور اسے سرمایہ داروں نے خرید لیا (۲) بورژوا تھا —— یعنی ابن الوقت —— ڈر کر کمیونسٹ پارٹی سے الگ ہوگیا۔ (۳) جگر کی بیماری یا کسی اور بیماری کی وجہ سے عقیدہ بدلنے پر مجبور ہوگیا۔

کمیونسٹ پارٹی سے علیحدگی کے ان تین اسباب میں سے ایک سبب تم نے مجھ پر بھی چسپاں کیا ہے۔ میں خوف اور دہشت کی وجہ سے کمیونسٹ پارٹی سے علیحدہ ہوگیا۔ اور شاید اب اپنی تحریروں کے ذریعہ امریکہ اور برطانیہ کی حاشیہ برداری کر رہا ہوں۔ منظور! مجھے یقین ہے۔ کہ تم کل کی طرح آج بھی ایک ایماندار آدمی سمجھتے ہو اگر ضمیر فروشی اور مادی آسائش ہی میرا مقصود ہوتیں تو اپنے قلم کو گروی رکھنے سے مجھے یہاں کس نے روکا تھا۔ آج میرے ملک میں ایسے قلم کار اپنے ضمیر کو بیچ کر صحافت اور ادب میں پاکستان کے حکمراں طبقے کی سیاسی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ بتاؤ کیا میں اپنی نگارشات لے کر ان کے حضور میں جاکر اپنے ضمیر کا سودا نہیں کر سکتا تھا؟ لیکن تم اور وہ جو میرے قریب ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ میں کیسی نامراد زندگی گذار رہا ہوں۔ میرے پاس کچھ بھی نہیں سوائے اس اسلامی آئیڈیل کے۔ لیکن واللہ مجھے اس نامرادی کا قطعاً افسوس نہیں کیونکہ نقطۂ نظر کی صحت کا یقین میری کلفتوں کے احساس کو مٹا دیتا ہے۔

اور جب میں اس نقطۂ نظر کو پاکستان میں ایک سیاسی اور سماجی طاقت کی حیثیت متحرک پاتا ہوں تو مجھے اس کا بھی یقین ہو جاتا ہے کہ ایک دن یہ ضرور ریاستی طاقت بنکر ابھرے گا میرا سماج جہالت کی نیند سے چونکے گا۔ پھر وہ اپنے فن کاروں کو پہچانے گا —— اور جب ہمیں وہ اس حالت میں دیکھے گا تو وہ لرز اٹھے گا۔ کیونکہ ہم ہی تو اس کی صحت تہذیب اور توانائی کے نمائندے ہیں۔ پھر ہماری یہ حالت نہ ہوگی۔ ہمیں بھی کوئی ندی کے کنارے ایک چھوٹا سا جھونپڑا مل جائیگا جس میں ایک ریڈیو سیٹ ہوگا۔ دودھ دینے والی گائے ہوگی۔ سامنے گوبی کا ایک کھیت ہوگا۔ الغرض زندگی کی ساری ضروریات ہمارے پاس ہوں گی۔ اور ہم اس کے لئے وہ کام کریں گے جو کسی آئیڈیل سماج میں فنکاروں اور دانش کاروں کے کرنے کا ہوتا ہے یعنی اس کی قوت حیات کو اپنے فن میں مقید کر کے اس کے لئے اور آئندہ نسلوں کے لئے محفوظ کر دیں گے۔ تاکہ ان چراغوں کی روشنی میں انسانیت اپنی منزل کی طرف سیدھی چلی جائے۔

لیکن بالفرض میری آنکھوں نے اس دنیا کو نہ دیکھا تو میری تسکین کے لئے یہ خیال و جذبہ ہی کافی ہے اور آج میرا محرک بھی یہی ہے کہ بحیثیت ایک مسلم فنکار کے میں اپنا اجتماعی فریضہ ادا کر رہا ہوں۔ بتاؤ سکون کے لئے کیا یہ دولت کیا کم ہے۔ منظور! کل کی طرح تم مجھے آج بھی ایماندار سمجھو! میں کمیونزم سے خوف کی وجہ سے نہیں پلٹا۔ کیونکہ یہی صورت پاکستان میں اسلامی تحریک کے ساتھ بھی ہے۔ یہاں یہ تحریک بڑے ظلم و جبر کی چکی میں پس رہی ہے۔ اور میں اس قافلے کے پیچھے پیچھے قدم سے قدم ملا کر چلا جا رہا ہوں۔ کمیونسٹ پارٹی سے میں کیوں علیحدہ ہوا۔ اس کا

تعلق میرے ضمیر سے ہے۔ اگر تم مجھے سچا سمجھتے ہو تو سنو:۔

(۱) کمیونسٹ پارٹی کے ممبر شپ (۲) اس کے بعد اس وقت کی پارٹی پالیسی (۳) کمیونسٹ آئیڈیالوجی سے میرا تعلق یہ تم ان تین خانوں میں میرے رویئے کو تقسیم کر لو۔ اور پھر میرے اس سیاسی رویئے کو دیکھو جو آگرے میں تمہاری آنکھوں کے سامنے گذرا۔ پارٹی کی ممبر شپ سے علیحدگی کے بعد کیا میں نے اس کی ہمدردیوں سے بھی ہاتھ کھینچ لیا تھا شاید تم اس حقیقت سے انکار نہ کر سکو گے کہ ممبر شپ سے علیحدگی اختیار کرنے کے بعد بھی میں نے پارٹی کو چندہ دیا۔ اپنی لیڈر کی کارپوریشن سے تیس روپیہ ماہوار پارٹی کو دیتا رہا —— اس کارپوریشن سے جس کے حصہ دار میں، تم اور ذکاء اللہ تھے۔ کارپوریشن کا دفتر پارٹی کی زمین دوز سرگرمیوں کا ایک مرکز رہا۔ مفرور کامریڈس وہاں آکر چھپتے غیر قانونی پوسٹر وہاں لکھے جاتے تمہیں معلوم ہے کہ یہ سب کچھ وہاں ہوتا رہا جو میرے رہنے کی جگہ تھی۔ اس رویئے کی تمہارے پاس کیا توجیہ ہے۔ اگر خوف نے مجھے پارٹی سے علیحدہ کیا تھا۔ تو ان سرگرمیوں سے مجھے کس نے منسلک رکھا۔ اگر تم ہی کی ان سیاسی سرگرمیوں کا تجزیہ کر کے تم سمجھ دو تو میں ان محرکات پر دوبارہ غور کرنے کے لئے تیار ہوں)۔

..یہی نہیں بلکہ بمبئی آکر اس تصور میں ایک سال تڑپا وہاں جا کر پوچھو کہ کیا میری نظریاتی وفاداری میں کچھ کمی آئی —— حالانکہ ترقی پسند مصنفین میں سے کیفی اعظمی اور محمد علی ٹونڈ سے والے میرے متعلق کچھ مشکوک تھے کیونکہ وہ دور ہی ایسا تھا کہ پارٹی کامریڈ سائے سے بھی چونک رہے تھے۔ بمبئی آکر میرا واسطہ کمیونسٹ پارٹی سے زیادہ ترقی پسند مصنفین سے رہا۔ اور اس تجربے نے ان چنگاریوں کو ہوا دی۔ جو عرصہ سے کامریڈوں کے اخلاقی اور سماجی رویئے سے متاثر ہو کر لاشعور میں سلگ رہی تھیں۔ شاید تمہیں آگرہ کمیون کی زندگی کے متعلق کچھ معلوم ہو —— ایک اہم کامریڈ کی بیوی کے متعلق کمیون کے ساتھیوں کو کیا شکایات تھیں۔ ایک دوسرا کامریڈ کمیون میں رہنے کے لئے کیوں رضامند نہیں ہوا۔ وہ کل وقتی کارکن جو مزدوروں کے محاذ پر اپنی زندگی گذار رہے تھے۔ کیا وہ ہر اعتبار سے ان کامریڈوں کے برابر تھے جو سینیئر تھے —— ان کامریڈوں کے برابر جو پارٹی لیڈرشپ میں تھے۔ بشن کپور کے خیالات سے تو تم واقف ہی ہو گے —— اس کے بعد اسٹوڈینٹ فیڈریشن کے دلی کے اجلاس میں جو میں شریک ہوا اور پارٹی کامریڈوں نے میرے ساتھ جو سلوک کیا۔ اور وہاں کے آپس کے سماجی تعلقات میں جو گھناؤنی قسم کی خود غرضی نظر آئی ہے اس نے میرے دل کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ اور میرے ذہن پر سخت چرکہ لگا۔ اس وقت سے میں نے یہ سوچنا شروع کیا کہ اگر ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں سماج کی باگ ڈور دیدی جائے تو دنیا کا کیا بنے گا۔

اسی دن اور اسی لمحہ میرے ذہن نے بغاوت کی کہ نہیں ایسے لوگوں کے ہاتھ میں ایک آئیڈیل سوسائٹی کی زمام اقتدار نہ جانی چاہیئے ——
لیکن ابھی میں کمیونزم سے متنفر نہیں تھا۔ ایک انسانیت کی نجات کا ذریعہ اس کے معاشی پروگرام کو سمجھتا تھا۔ بہر حال میری اس بغاوت کو اس امید افزا خیال نے دبا دیا کہ یہ لوگ بورژوا سوسائٹی کی پیداوار ہیں —— لہٰذا یہ ابھی اتنے اونچے نہیں ہو سکتے۔ اگر اونچے کردار کو دیکھنا ہے تو اس طبقاتی سماج کو اکھاڑ پھینکو۔ میری صداقت پسندی پھر اس لوری سے ہو گئی اور میں غیر طبقاتی سماج کے تصور میں ڈوبا زندگی کے دن کاٹتا رہا۔
ان تلخ احوال کی موجودگی میں اگر تم مجھے ڈرپوک امریکی ایجنٹ یا ایک ابن الوقت بورژوا ثابت نہ کر سکو تو شاید دوسرے کامریڈوں کی طرح تم مجھے جگر کی بیماری —— اسی قسم کی سے ملتی جلتی کسی اور بیماری کا شکار قرار دو گے کہ ان کے اثرات کی وجہ سے میں دوسرے راستے پر چل پڑا۔ لیکن اگر تمہاری اس منطق کو بھی صحیح تسلیم کر لیا جائے اور دنیا میں ہر شخص کے تبدیلی مذہب یا تبدیلی طرز فکر کو جگر کی خرابی کا نتیجہ قرار دیا جائے تو سب سے پہلے منطق کی زد میں تم آتے ہو کیونکہ تم نے باپ دادا کے مذہب کو چھوڑ کر کمیونزم کا راستہ اختیار کیا اب بتاؤ طرز فکر کی اس تبدیلی کو کیا کہوں۔ یہی صورت کارل مارکس کے ساتھ پیش آئی کیونکہ وہ بھی اپنے سابقہ مذہب سے منحرف ہوا۔

(اس مقام پر میں نے غلط بیانی یا نادانستہ طور پر حقیقت کو غبار آلود کرنے کی کوشش کی ہو تو اس سے بھی مجھے آگاہ کرنا —— ا س

آگاہی کی مجھے ضرورت یوں بھی ہے کہ میں حق سے محبت کرتا ہوں —— اور اسے قبول کرنے کے لئے میرے دل کی ہر کھڑکی کھلی رہتی ہے۔

نہ جانے میں کہاں سے کہاں پہونچ گیا۔ اتنی طویل مدت کے بعد تم سے گفتگو کا موقع ملا۔ جی تو یہ چاہ رہا ہے کہ شکایات کا پورا دفتر لیکر بیٹھ جاؤں۔ کچھ اپنی سناؤں —— اور اس کے بعد تمہاری سننے کا انتظار کروں۔

آگرے کا ذکر کرکے تم نے میری عمر کے اس حصے کو جگا دیا۔ جو دبے پاؤں گذر گیا تھا —— اور جب گذر گیا تو احساس ہوا کہ وہ گذر چکا ہے۔ خدا کی قسم آگرے کی جس جس گلی کوچے کا نام لیکر تم نے مجھے یاد کیا —— اس کو پڑھ کر میں اپنے دل کو تھام کر رہ گیا ہوں پوری زندگی تصور میں آچکی ہے منظور۔ جب وقت گذرتا ہے تو احساس نہیں ہوتا۔ لیکن جب اس کے گذرنے کے بعد اس کی کوئی یاد دلاتا ہے تو ایک دبی ہوئی چوٹ ابھر آتی ہے —— اور اس نقش میں حقیقت سے زیادہ کشش بڑھ جاتی ہے۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ تمہیں میں پارٹی کامریڈس سے زیادہ میرا تعلق ترقی پسند مصنفین سے رہا اور اس وقت بمبئی میں ترقی پسند مصنفین کی ہفتہ وار ادبی نشستیں صابو صدیق انسٹی ٹیوٹ میں ہوتی تھی میں پہلی مرتبہ اس میں شریک ہو ان سب کو دیکھ کر مسرت حاصل ہوئی —— اور مسرت دو وجہ سے ایک تو یہ کہ میرے ساتھی تھے —— اور دوسرے میں انھیں ڈھونڈ رہا تھا ایک سیٹ پر چپکے سے بیٹھ گیا غالباً اداکار رومانی نے کسی ہندی کہانی کا ترجمہ کرکے سنایا تھا جس میں مقصدیت واضح نہ تھی —— اور خصوصاً وہ سیاسی مقصدیت جسکی اس وقت ہندوستانی کمیونسٹ پارٹی کو ضرورت تھی۔ ان کے خیال میں چونکہ دوسری جنگ عظیم کے بعد سے دنیا کے محنت کش بیدار ہو رہے تھے۔ اور پھر ہندوستان کے عوام بہت آگے بڑھ چکے تھے۔ اس لئے پارٹی کو جہاں اس ہراول دستے کے ساتھ چل کر سوشلزم کی راہ دکھانی تھی۔ وہاں ترقی پسند ادب کو ہندوستان کے مزدور کو ایک لڑاکا طبقے کی حیثیت سے پیش کرنا تھا۔ تاکہ کمیونسٹ سیاست اور ترقی پسند مصنفین کی تخلیقات منزل کی طرف ایک ساتھ چلیں اور بیچارے اداکار رومانی صاحب اتنی سیاسی سوجھ بوجھ کے آدمی کہاں تھے۔ ان پر تنقید ہوتی۔ اور لوگوں کا سلوک تو میرے ذہن میں اس وقت نہیں۔ البتہ راجندر سنگھ بیدی صاحب کی تنقید میں بے رحمی غیر شائستگی اور کرختگی کے عناصر بہت زیادہ تھے ان کی تنقید سن کر مجھے بڑا دکھ ہوا اور اس وقت میرے دل نے اس اداس کیفیت میں مجھ سے کہا کہ یہ طریقہ درست نہیں اس فقرے کا دل سے نکلنا تھا کہ پھر وہ شعلے بھڑک اٹھے جنھیں غیر طبقاتی سماج کی موہوم امیدوں نے دبائے رکھا تھا۔ اور مجھے ابھی تک یاد ہے۔ کہ اس کا احساس مجھے دنوں تک رہا۔

ظلم —— کسی طرح کا ظلم میں نے کبھی کسی پر برداشت نہیں کیا کامریڈوں کے خلاف منافرت جو میرے دل میں پیدا ہوئی۔ اس میں جہاں تک مجھے یاد ہے اپنی ذات کی وجہ سے نہیں بلکہ دوسروں کی وجہ سے اور بے اصولے پن سے ہوتی۔ اداکار رومانی بھی بڑا دلچسپ کردار کا مالک تھا۔ پستہ قد بڑی بڑی کٹورہ سی خوبصورت آنکھیں ناک نقشہ بھی بھلا سا اور بدن چھریرا۔ جب بات کرتا تو دلچسپی اس میں اور بڑھ جاتی۔ بات ٹھیر ٹھیر کر کرتا۔ پروفیسروں کی طرح کرتا ترقی پسند مصنفین کی نشستوں میں اکثر آتا اس سے اس کی گفتگو کو وہیں سننے کا موقع ملتا۔ لیکن یہ کٹر ترقی پسند نہیں تھا۔ اگر اس جگہ میں مطالعہ کی بنا پر یہ کہوں تو شاید بیجا نہ ہوگا کہ وہ ترقی پسند نہ تھا۔ بلکہ ترقی پسند ادب اور ادیبوں سے مرعوب تھا۔

بہرحال ان میں اور بھی بہت سی خصوصیات تھیں ہاں آخر میں اسکی دو خصوصیتوں کا اور ذکر کر دوں۔ وہ کچھ آزاد خیال بھی تھا۔ راشد الخیری اور قرۃ العین حیدر کی بڑائی یا ستائش ترقی پسندوں میں بھی کر لیتا تھا۔ غالباً کامریڈوں نے جو سیاسی سلوک اس کے ساتھ روا رکھا تھا اس میں ان دو باتوں کا بھی بڑا دخل ہوگا۔ اور کس کس کی کہانی لیکر بیٹھوں۔ بمبئی کی زندگی میں ان چوٹی کے فنکاروں کی زندگی میرے سامنے فلم کی طرح پھر رہی ہے۔ میں ان میں سے اکثر و بیشتر لوگوں کی علمی، ادبی، سماجی اور سیاسی زندگی کو لے کر بیٹھوں تو واللہ

اس کے لئے کتنے ناول ہو جائیں۔ میں نے تقریباً ہر زاویہ سے انہیں دیکھا کوشش کی ہے اور ان کے علمی اور شخصی مقام کو جاننے کی کوشش کی ہے۔

ترقی پسند مصنفین کی ادبی نشستوں کو میں تقریباً سال سوا سال تک ان کے قریب بیٹھ کر دیکھتا رہا ہوں۔ وہاں کے آداب، وہاں کی بحثیں، پارٹی بازی، گلم گلوچ (جو ساغر نظامی اور نیاز حیدر کے درمیان ہوتی تھیں) احمد عباس کا حشر سب ہی کچھ میرے ذہن میں محفوظ ہے۔ اور مختصراً یوں سمجھو کہ ان کی زندگیاں ان کے اخلاق آپس کے تعلقات کو دیکھ کر میں بڑا نا امید ہو گیا۔ وہ چنگاریاں اب کسی طریقے سے نہ دب سکیں۔ جیسے میں کتنے سالوں سے دبا کر مستقبل کی طرف دیکھ رہا تھا —— اور یہاں آ کر میرے ذہن اور دل ایک زاویے پر پہونچ گئے کہ یہ لوگ اس قابل نہیں کہ ملک کی زمام اقتدار ان کے ہاتھ میں دیدی جائے —— لیکن کمیونزم اور کمیونسٹ بلاک سے میری دوستی پھر بھی قائم رہی —— اور ذہن میں اس بے یقینی کے پیدا ہو جانے کی وجہ سے اس وقت میں صرف اپنے آئیڈیل کو پکڑے رہا۔

مجھے وہ دن یاد ہے جب چین کی عوامی کمیونسٹ فوجوں کو فتح نصیب ہوئی تھی تو انجمن کی نشست میں میں نے چین عوامی حکومت کو مبارک باد دینے کی کوئی تجویز پیش کی تھی —— وہ تجویز کیا تھی اس وقت وہ یاد نہیں البتہ وہ ردعمل ذہن میں محفوظ ہے۔ جو میری اس تجویز کے بعد پیدا ہوا۔

انجمن میں تنقیدیں کرنے سے میری حیثیت وہاں عجیب قسم کی ہو گئی تھی۔ اس مرغزار میں میں ایسا پکھیرو بن گیا تھا جس کی طرح طرح کی آوازوں پر لوگوں کو حیرت ہوتی اور بعض کو ہنسی آتی لیکن میری اس آزاد روش کو کامریڈ حضرات گہری نظر سے دیکھ رہے تھے۔ کیونکہ اس وقت میری تنقیدوں میں آزاد عناصر اور چوٹی کے ادیبوں پر تنقید اور پارٹی سیاست سے بے نیازی ابھر رہی تھی جو انھیں بری طرح کھٹک رہی تھی۔ لیکن دوسرے حضرات کے رویئے میں جو ٹھٹول اور تمسخر شامل تھا اس کی ایک بنیادی وجہ اور بھی تھی۔ میں بے باکی سے تنقید تو سب پر شروع کر دیتا لیکن بہت تیز بولنے کی کوشش میں اپنے مافی الضمیر کو واضح طور پر ادا نہ کر پاتا اس لئے لوگ کچھ نہ سمجھ پاتے اور یہ واقعہ بھی ہے۔ اس وقت میری تنقیدوں میں کوئی واضح نقطۂ نظر نہ تھا۔ بلکہ میں اس وقت ہر اس چیز کو توڑ رہا تھا جو مجھے بری معلوم ہوتی —— یا جہاں میں بے انصافی محسوس کرتا۔ یوں سمجھو وہ میری انکار پسندی کا زمانہ تھا۔ ان تنقیدوں سے عام سامعین کو کوئی واضح بات تو نہ ملتی اس لئے میری باتوں کو وہ حیرت اور ٹھٹول سے دیکھتے ——

لیکن میری اس جرأت سے کامریڈوں کو ایک شدید نقصان پہونچنے کا اندیشہ تھا —— یعنی میں اپنی تنقیدوں کے ذریعے اس ہیرو پرستی کے احترام کو مجروح کر رہا تھا۔ جس کی وجہ سے کمیونسٹ تحریک آگے بڑھتی ہے۔ کمیونسٹ ٹکنک کی یہ ایک خاصیت ہے کہ جب وہ سوسائٹی کے کسی حصہ میں نفوذ کرنا چاہتی ہے تو اس سوسائٹی کے پنچوں کو پکڑتی ہے انھیں اچھالتی ہے ٹریڈ یونینوں میں بھی یہی روش ہے۔ ادب میں جب آئے تو سب سے پہلے ان لوگوں کو پکڑا جو ادب میں اپنا مقام رکھتے تھے۔ پریم چند مولوی عبدالحق وغیرہ تو ادبی تحریک کے ابتدائی سہارے تھے لیکن جب یہ تحریک کچھ آگے بڑھی تو ان تمام عناصر سے سمجھوتہ کیا جس میں سماج بیزاری اور مذہب بیزاری عام تھی۔

کرشن چندر راجندر سنگھ بیدی، سعادت حسن منٹو ....

اور ایسے تمام نئے لکھنے والے جو جدید اردو ادب میں ایک مقام پیدا کر چکے تھے کمیونسٹ سیاست نے ادب برائے زندگی کے نام پر انھیں اپنی طرف کھینچا اور فن کاروں کی اس کمزوری سے خوب فائدہ اٹھایا کہ انھیں ضروریات زندگی سے زیادہ شہرت اور تحسین چاہئے۔ کمیونسٹ پریس نے انھیں اتنے بلند مقام پر پہونچایا کہ جہاں کا شاید وہ تصور بھی نہ کر سکتے تھے۔ کرشن چندر صاحب کو ایشیا کے بڑے فنکار ہونے کا سرٹیفکٹ مل گیا بیدی ہندوستانی گورکی ہو گئے۔ مختصر یہ کہ ادب اور صحافت میں جس جس فنکار کی جو حیثیت تھی اس کے اعتبار سے انھیں جگہ دی گئی۔

اور اس کے بعد پھر صف بندی شروع کی اور اب ادب برائے زندگی کا مطلب ادب برائے سوشلسٹ سماج کے ہو گیا جس نے ذرا بھی روگردانی کی اسے دھرتی کا پیوند بنانے کی کوشش کی گئی اس وقت تقریباً سارے نئے رسائل پر اسی طرح قبضہ ہو چلا تھا جیسے روس میں پریس پر کمیونسٹ

آمریت ہے اس لئے جو فنکار ذرا بہکتا تو رسائل پر زور ڈالا جاتا کہ اسے نہ چھاپا جائے۔ نئے لکھنے والوں کی اکثریت اس وقت ان کے قبضہ میں تھی اس لئے رسالے والوں کو دبنا پڑتا کیونکہ ان کی حکم عدولی وہ کرتے تو انھیں مواد کہاں سے ملتا اور فنکار اپنی شہرت اور تحسین کے لئے ضمیر کے خلاف لکھتے۔ اور واہ واہ حاصل کرتے اس طرح کچھ عرصہ تک کمیونسٹ انقلاب کی گونج اردو ادب میں سنائی دیتی رہی۔ اس جبر کو غلط فہمی کی بنا پر ان حضرات نے پاکستان میں بھی چلانا چاہا۔ لیکن یہاں ان کی دال کب گلنے والی تھی۔ ان کی دھونس نہ چل سکی اور آج پاکستان میں ان کی یہ حالت ہو چکی ہے کہ چھپنے کے لئے جو پرچہ نکلتا ہے اس سے سمجھوتہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ پاکستان سے اب یہ ناامید ہو چکے ہیں ۔ صرف سرخ فوجوں کا انتظار ہے! اور سنو اب دیر صرف اس کی ہے کہ کوئی سیلاب اور اس بچی بچائی دکان کو اکھاڑ پھینکے ـــــ

منظور! پاکستان میں سیلاب امڈ پڑا ہے (یعنی اسلام) ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ میں نے ان سب کو بڑے قریب سے دیکھا ہے ان میں اگر کسی کی انسان دوستی اور علمیت نے مجھے متاثر کیا تو وہ علی سردار جعفری تھا۔ سردار ایک اچھا انسان ہے ۔ اسکا اخلاق اچھا ہے۔ بلا تکلف آدمی ہے سب سے محبت سے ملتا ہے۔ عام فنکاروں کی طرح اس کے کردار میں نفسیاتی پیچیدگی نہیں۔ اس کی بحثیں سنیں تو علم بھی زیادہ پایا۔ لیکن اب میں اس کی بحثوں کو تصور میں رکھ کر تجزیہ کرتا ہوں تو سردار جعفری کی علمیت کے متعلق مجھے اپنی رائے بدلنا پڑتی ہے نشستوں میں وہ بولتے زیادہ لیکن ان کی بحثوں میں خالص علمی دلائل کے بجائے سیاسی داؤ پیچ کا استعمال زیادہ نظر آتا تھا ـــــ اور اب۔ جب میں کبھی کبھی ان کی تحریریں پڑھتا ہوں تو میری مذکورہ بات اور بھی مضبوط ہو جاتی ہے لیکن اس کی انسان دوستی کا اثر ابھی میرے دل میں باقی ہے اس کی یہ انسان دوستی ـــــ اپنی فطرت کی آواز تھی یا کمیونسٹ آئیڈیالوجی نے اسے یہ کردار بخشا تھا اسے واضح طور پر میں نہ سمجھ سکا کیونکہ زیادہ عرصے میری اس سے ملاقات نہ رہی۔

کرشن چندر صاحب سے بھی میں بخوبی واقف ہوں لیکن منظور ان کی شخصیت کا کوئی پہلو مجھے متاثر نہ کر سکا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ آج کمیونسٹ پریس نے انھیں جس مقام پر پہونچایا ہے دراصل ان کی فنکارانہ حیثیت ابھی اتنی نہیں۔ بعض لوگ انھیں ایشیا کا بڑا فنکار بتاتے ہیں لیکن ان سیاسی مداحوں میں سے ایک نے بھی یہ نہیں بتایا کہ ان کے فن کی کس قسم کی عظمت ہے جسکا ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے اس کی خصوصیات کیا ہیں۔ جدید اردو ادب اور خصوصاً کمیونسٹ ترقی پسند ادب کو اس نے کیا دیا؟ اس کو ابھی تک کوئی واضح نہیں کر سکا یا اگر کر سکا ہے تو کم سے کم میں نے نہیں پڑھا۔ یہ سوال میں آج نہیں کر رہا بلکہ کرشن چندر صاحب کے سامنے اس سوال کو میں نے ایک دوسرے انداز میں پیش کیا تو کیفی اعظمی نے ناراض ہو کر جواب دیا "کرشن چندر کو پڑھو"

میں نے کہا "کس اعتبار سے؟" کیفی اعظمی صاحب مجھے اس کا کوئی جواب نہ دے سکے۔ البتہ اس زمانے میں ایک روز محمد علی روڈ پر کیفی صاحب مجھے مل گئے۔ ہم جا کر ہوٹل میں بیٹھ گئے۔ تو بڑے درد اور محبت سے کیفی نے مجھ سے کہا۔

"خطیب ہمیں خطرہ پیدا ہو رہا ہے کہ تم کہیں دوسرے کیمپ میں نہ چلے جاؤ" اس کے بعد دوسری طرح کی گفتگو ہوتی رہی پوری گفتگو تو میرے ذہن میں اس وقت نہیں البتہ یہ مفہوم ذہن میں موجود ہے کہ میں آئیڈیل کا وفادار رہوں گا ـــــ اور منظور! تم اس کی تصدیق کرو گے کہ میری آئیڈیل وفاداری کبھی مشکوک نہ تھی ـــ کامریڈ شکلا مجھے پارٹی بھگت کہہ کر میری اس وفاداری کو اور مضبوط کیا کرتے تھے۔ اس وقت شکلا صاحب بھی یاد آگئے۔ منظور واقعی وہ بھی انسان تھے عیش و عشرت اور زمینداری اور ڈاکٹری کو چھوڑ کر وہ اس طرف آتے تھے اور ہمیشہ پریشان رہے لیکن انسان کی محبت کو ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ آجکل ان کے مزاج کیسے ہیں ہو اگر کبھی آگرے جاؤ تو ان سے میرا سلام کہنا۔ ڈاکٹر کنٹے" راجندر سنگھ سے بھی میرا لال سلام نہیں بلکہ نمسکار کہہ دینا۔ لال سلام میں یوں پیش نہیں کر رہا ہوں کیونکہ یہ لفظ میرے احترام اور محبت کی پوری ترجمانی نہیں کرے گا۔ کیونکہ لال سلام جن تصورات اور روایات کا اب حامل ہے۔ آج میں ان میں یقین نہیں رکھتا۔ کبھی ڈاکٹر کنٹے سے ملنا ہو تو ان کے مزاج پوچھنا وہ کیسے ہیں۔ بچے تو اب بڑے ہو گئے ہوں گے۔ ڈاکٹر کنٹے آج بھی میرے سامنے کھڑے مسکرا رہے ہیں۔ ان کی انسان دوستی ایک روشنی کا مینار ہے۔ کبھی

وقت ملا تو میں ان پر کہانی لکھوں گا۔ ادب میں ایسے شریف کرداروں کو پیش کرنا چاہیئے تاکہ سوسائٹی کو شرافت اور نیکی پر اعتبار آجائے۔
منظور! آج مادیت انسان کی فطرت کو معلوم کرنے میں ناکام ہو چکی ہے۔ اس کا ثبوت آج کی بے چینی اور مایوسی ہے اس کے بعد اسلام کے دیئے ہوئے اصولوں پر کاربند کرداروں کو دیکھو جو آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے نبی کریم اور خلفائے راشدین کے زمانے میں جنم لے چکے ہیں۔ تاریخ میں ان کی شخصیت کا تجزیہ کرو۔ شرافت اور نیکی کا راج اس زمانے میں، ہی نہیں رہا بلکہ ہماری دھرتی نے کسی خداپرست تخلیقی تمدن کی بہاریں دیکھی ہیں لیکن اس کی تفصیل میں اس وقت یوں پیش نہیں کر سکتا کہ اسکی تفصیلات اس طرح میرے سامنے نہیں جسطرح خلفائے راشدین کا یہ عہد زریں یہ تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کل گذر گیا ہو اسی تجربے کی بنا پر اسلام کو میں دین فطرت کہتا ہوں —— تجربہ کو اہمیت یوں دیتا ہوں کہ وہی کسی نظریئے کے اچھے یا برے اثرات کو انسان پر منکشف کرتا ہے۔

میں بات کرشن چندر صاحب کے متعلق کر رہا تھا کہ میں نے خود بحیثیت انسان ایک اچھا انسان نہیں پایا۔ ایک مرتبہ بمبئی میں دیو در ہال کے قریب کے ہوٹل میں وہ میں اور دوسرے ترقی پسند فنکار بیٹھے چائے پی رہے تھے، کرشن صاحب سے گفتگو کا یہ پہلا موقعہ تھا۔ انہوں نے کافی بن کر بزرگانہ انداز میں گفتگو کی اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ کرشن اور کمیونسٹ پریس نے انھیں جو عزت اور شہرت بخشی ہے اسکا احساس انہیں ہر وقت رہتا ہے۔

لیکن بعض کامریڈوں نے مجھے یہ بھی بتایا کہ کرشن چندر صاحب اپنی کمائی کا ایک بڑا حصہ ان فنکاروں کی امداد پر خرچ کرتے ہیں جنہیں زمانہ بھوکا اور ننگا رکھتا ہے۔ اس بات کو سن کر میرے دل میں ان کے لئے کچھ جگہ پیدا ہو گئی۔ کیونکہ عمل میرے یہاں ایک بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ میں ہر اس شخص کا احترام کرتا ہوں جو اپنے آئیڈیل کو عمل میں لانے کی کوشش کرے کیونکہ اس کے اس رویئے سے اس کے خلوص اور سنجیدگی کا پتہ چلتا ہے۔ اور کبھی کبھی میراجی مرحوم سے بھی ملاقات ہو جاتی تو ان سے کافی گھٹتی۔ کبھی کبھی میراجی بھی انجمن کی نشست میں آجاتے تو اپنا کوئی اشعارہ چھوڑ دیتے پھر کیا تھا۔ کامریڈ بیکتے اور نشست پر سے ان کے اثرات کو زائل کرنے کی کوششیں کرتے رہتے اور میراجی خاموش بیٹھے مسکراتے رہتے۔ کبھی ان کے سامنے میری بھی پگڑی اچھلتی۔ وہ اسے بھی دیکھتے اس وقت مجھ میں اتنی اخلاقی جرأت نہ تھی کہ ان عادات کی مخالفت کرتا۔ لیکن ایک دن جب میراجی کے پاس جا کر میں نے اس دکھڑے کو سنایا تو وہ بگڑ گئے اور کہا "آپ یہ سب کچھ میرے سامنے کیوں کہتے ہیں وہاں کیوں نہیں کہتے" اپنی اس اخلاقی بزدلی پر میں گھبرا گیا اور اس کیفیت میں میں نے کہا "کیا آپ دیکھتے نہیں کہ میں وہاں بھی مخالفت کرتا ہوں" میراجی نے اس بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ لیکن میں اپنی اس اخلاقی پستی سے بہت متاثر ہوا۔ مجھے یاد ہے کہ ان کے اس انتباہ کا میرے عمل پر اثر ہوا۔ میراجی کبھی کبھی جب اپنی بیماری سے بہت تنگ آجاتے تو زمانے کو برا بھلا کہتے اور ان کے رویئے میں بڑی مایوسی بھری رہتی۔ میں اسے دور کرنے کی کوشش کرتا۔ کچھ امید کی باتیں کرتا۔ لیکن میراجی رجائیت کی طرف نہ آتے بلکہ اور باتیں کرتے۔ ایک دن مجھے انہوں نے بتایا کہ جب میں بیکار تھا تو یہ انسان دوست ترقی پسند مجھے روز خرچ کے لئے روپیہ دیتے۔ شرابیں پلاتے لیکن کام نہیں دلاتے (کام سے مطلب ان کا فلمی کام تھا) (جو کچھ دوسروں کی باتوں کو میں یہاں بیان کر رہا ہوں۔ یہ ان کے الفاظ نہیں اور نہ یہ ممکن ہے اس لئے ان کے مفہوم کو اپنے الفاظ میں بیان کرنیکی کوشش کر رہا ہوں۔) خدا گواہ ہے میں نے کہیں بھی افترا سے کام نہیں لیا ——————— ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ میراجی کی اشاریت سے میں یہ سمجھ سکا کہ وہ کرشن چندر صاحب کے متعلق شکایت کر رہے ہیں کہ وہ خرچ اور شراب کیلئے روپئے تو دیتے ہیں لیکن کام یوں نہیں دیتے کہ فلمی لائن میں مقابل میں ایک حریف پیدا ہو جائیگا۔

کمیونسٹ پارٹی اور کمیونزم کے "صحیح راستے" سے میں کیوں ہٹا اس کے پورے اسباب میرے ذہن میں محفوظ ہیں۔ جن میں سے کچھ اوپر بیان کر دیئے ہیں اور کچھ اور سنو —— یہ تو میں تمہیں بتا ہی چکا ہوں کہ جب آئیڈیل کی جھلک مجھے ان میں نظر نہ آئی ——— جب میں نے ان میں مساوات اور رفاقت نہ دیکھی —— جسکی امید لیکر میں کمیونسٹ پارٹی میں آیا تھا تو میں ناامید ہو گیا اور بے یقینی کی سی حالت پیدا ہو گئی۔

جو مجھے کاٹنے کو دوڑتی کمیونسٹ پارٹی سے میری توقعات پوری نہیں ہوئی تھیں۔ اس لئے میں ان میں کم اٹھنے بیٹھنے لگا۔ اور اب اپنا زیادہ وقت مطالعے میں صرف کرنے لگا۔ اس مطالعے میں میں ہر طرح کی کتابیں پڑھتا لیکن پھر سنو اس وقت بھی میں پارٹی کے معاشی پروگرام سے ناامید نہ تھا۔ اور نہ اس وقت مجھ میں کمیونسٹ بلاک سے نفرت پیدا ہوئی تھی اس کا ثبوت تم میرے اس مضمون سے لگا سکتے ہو جو میں نے ایشیا میں جہان نما ڈائجسٹ —— پر تنقید کرتے ہوئے لکھا تھا۔ اس مضمون میں میں نے روسی فلم کی تعریف کی تھی۔ یہ مضمون اس وقت کی میری پوری ذہنیت کو آشکار کرتا ہے۔ وہ ساری توقعات تمہیں تنقید میں ملیں گی، جسے آج اسلام کے تصورِ حیات نے غذا فراہم کر کے ایک یقین کی صورت میں بدل دیا ہے۔ لیکن ایک بات اور سنو —— میرا مطلب یہ نہیں! ایک کامریڈ اور عام آدمی میں کوئی فرق نہیں ہوتا ——

نہیں! ایک عام آدمی اور پارٹی کامریڈ میں نمایاں فرق ہوتا ہے —— دونوں کی پبلک لائف بہت مختلف ہوتی ہے پبلک لائف میں ایک کمیونسٹ عموماً اس بے ھودے پن کا اظہار نہیں کرتا۔ جو عام آدمی اپنی منفعت کے لئے کر جاتا ہے مجھے ابھی تک وہ واقعہ یاد ہے کہ جنگ کے زمانے میں بلیک مارکیٹ شباب پر تھی اور شاید آگرے کے کامریڈس کے سامنے کسی ایسے ممبر کا سوال اٹھا تھا تو پارٹی کے سینیر کامریڈس نے سختی سے بلیک مارکیٹ کی مذمت کی اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہا کہ اس تجارت کو ختم کر دیا جائے۔ ہم بلیک مارکیٹ کیسے برداشت کر سکتے ہیں جب ہم اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ اس کے بعد پارٹی سکریٹری کامریڈ تنکلا کا مجھے وہ حکم بھی یاد ہے کہ SATURDAY CLUB کلب میں نہ جاؤ۔ اس پر میں نے پوچھا کہ کیوں اس لئے کہ اس میں شراب اور نیم برہنہ اینگلو انڈین اور یورپین لڑکیاں ہوتی ہیں۔ تو انہوں نے کہا نہیں منع کرنے کی وجہ یہ نہیں بلکہ وجہ صرف یہ ہے کہ جس سوسائٹی میں ہم رہتے ہیں اس میں وہاں جانا برا خیال کیا جاتا ہے غور کیا تم نے کہ اس سے کیا بات مترشح ہوتی ہے۔ تنکلا جی اسے برائی سمجھ کر کامریڈس کو نہیں روک رہے تھے۔ بلکہ صرف اس لئے کہ سوسائٹی اسے برا سمجھتی ہے۔ روس کے تجربے کے بعد شاید دنیا کی کمیونسٹ پارٹیوں کو سوسائٹی کے معتقدات کا زیادہ خیال پیدا ہو گیا ہے۔ کیونکہ انھوں نے دیکھ لیا کہ انکی مخالفت کر کے وہ اپنے راستے میں کانٹے خود بوتے ہیں اور پھر ان کے خیال میں مخالفین کا پروپیگنڈا خوب کامیاب رہا ہے کہ کمیونسٹ مذہب کے دشمن ہیں۔ اس لئے اپنے سیاسی اقتدار کی جدوجہد کے دوران میں رائج الوقت سماجی قوانین اور رسم و رواج کا خیال رکھتے ہیں کہ ان کے راستے میں کوئی نئی مشکل نہ کھڑی ہو جائے۔ لیکن یہ بتاؤ کیا واقعی اقتدار حاصل کرنے کے بعد کمیونسٹ حضرات اس رواداری کے ساتھ دوسرے مذاہب کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ روس، چین اور ان ممالک کی مثالیں تمہارے سامنے موجود ہیں۔ مجھے بتاؤ کہ انہوں نے اپنی مخالف قوتوں کو کیا بے دردی کے ساتھ ختم نہیں کیا۔ بتاؤ تمہارے ذہن اور ضمیر کے پاس اس فعل کے لئے کونسا لفظ ہے؟ تم جانتے ہو کہ میں اور تم کس قوم سے تعلق رکھتے ہیں اس قوم کی تعلیمی اور تہذیبی حالت کیا ہے۔

میرے اور تمہارے درمیان بڑی حد تک مماثلت ہے لیکن اس کے باوجود میں تم سے زیادہ گہرے غار میں پڑا رینگ رہا تھا —— تجاروں کے گھر میں جنم ضرور لیا تھا لیکن وہ چاندی سونے کے دن میں نے کتنے دن دیکھے۔ دادا کے اندھے ہونے سے خاندان کا زوال شروع ہو گیا تھا۔ دادا کی تجارت تقریباً ختم تھی۔ دکھ اور اندیشے میرے خاندان کو خوف زدہ کر رہے تھے —— اس حالت میں میرے بچپن نے آنکھیں کھولیں۔ میرے ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ کوئی چیز مجھے ایسی نظر نہیں آتی تھی جسے پکڑ کر میں صداقت کی طرف بڑھ سکوں۔ مجھے اسوقت اپنے ضمیر کی آواز زیادہ آئی جس نے بچپن میں بھی میری انگلی پکڑی —— دکھوں میں رہتے ہوئے مجھے انسان کے دکھوں سے قریب کیا مجھے اپنے بچپن کے وہ دن یاد ہیں جب میری انسان دوستی ایک طاقت بن کر مصیبت زدہ لوگوں کو ڈھونڈا کرتی اور جب میں کسی کے کام آتا تو دل ایسا سرور محسوس کرتا کہ اسے بیان نہیں کر سکتا —— اس وقت میری فطرت کسی تہذیب اور فلسفے سے غذا حاصل نہیں کر رہی تھی۔ کیونکہ مجھے ایسے مواقع ہی کہاں حاصل تھے —— میری حالت تو بس ایسی تھی جیسے خود رو پودا —— اور اپنے ماضی کو میں پلٹ کر دیکھتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہاں دھواں ہی دھواں ہے۔ جو کسی چیز کے جلنے کے بعد اٹھ رہا ہو اس لئے مجھے کچھ نہیں معلوم کہ میرے آباواجداد کون تھے کیا تھے مجھے کچھ نہیں معلوم اسلئے آج جب میرے ہاتھ میں قلم ہے تو میں سوچ میں پڑ گیا ہوں کہ دوسرے مصنفین کی طرح اپنا شجرہ نسب میں کس سے ملاؤں

کچھ سنی سنائی باتیں ذہن میں آرہی ہیں۔ فرید کے والد منشی نذر الدین بتایا کرتے تھے کہ ہمارے آباؤ اجداد ریاست بھرت پور کے فوجی توپ خانے میں توپچی تھے۔ اس بات کو فخریہ بیان کرتے تھے کہ ہم اصلی ونسلی قصائی نہیں ہمارے حسب و نسب میں کوئی فرق نہیں مطلب یہ ہے کہ ہم ناک کے بال ہیں یہ باتیں اس وقت بھی مجھے کوئی زیادہ اپنی طرف متوجہ نہ کر پاتی تھیں اور آج تو اس کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ میرا ضمیر ایسے سہاروں کو قبول نہیں کرتا جو انسانیت کے بجائے رنگ نسل حسب ونسب کی ترازو میں آدمی کو تول کر دیکھیں میں اسے جہالت سمجھتا ہوں اسلئے اس کی تفصیل قلم زد کر کے متحرک آئیڈیل سے اپنا ناطہ جوڑ کر اپنی تاریخ خود سے شروع کرتا ہوں۔ اور کہتا ہوں کہ میں خود اپنا ماضی ہوں — خود ہی حال اور خود ہی مستقبل!۔ میں نازاں صرف اس صداقت پر ہوں جسکو لئے میں آج پاکستان میں کھڑا ہوں۔!

ذرا میرے ماضی پر غور تو کرو جہالت کینہ پروری بربریت تنگ نظری رسم پرستی ظلم وزیادتی کے اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں تباؤ میں کیا کر سکتا تھا کہاں جا سکتا تھا مجھے نظر کیا آرہا تھا میرے سامنے بھی وہی راستہ تھا جو غریب قصائی بچوں کا مقدر بن چکا ہے۔ چھری لیکر کمیلے جاؤں یا کوئی اور مزدوری کروں لیکن میں نے وہ راستہ اختیار نہیں کیا کیونکہ میرے میلان طبع اور میرا احساس اور میرا ضمیر کسی اور ہی طرف چلنے کا اشارہ کر رہے تھے: آخر کار میں اس راستہ پر ہی چل پڑا جدھر میرے احساس اور ضمیر نے رہنمائی کی جیسا کہ میں نے ابھی کہا کہ دکھوں سے نفرت تھی دنیا میں اسے دیکھنا نہیں چاہتا تھا اس لئے بچپن میں جب کسی دکھی کو دیکھتا تو ہر طریقے سے اس کی مدد کر کے اپنی روح اور اخلاقی حس کو تسکین دے لیتا لیکن جیسے جیسے عمر بڑھتی گئی اور ندوے کے بعد بھی مصیبت زدہ لوگوں کو مصیبت میں دیکھا تو پھر ملکی سیاست نے مجھے لپک لیا کانگریس میں یہی جذبہ لے گیا جب وہاں مطمئن نہ ہوا تو پھر کمیونسٹ پارٹی میں آیا اس نے بھی میرے ضمیر کی دھڑکنوں پر کان نہ رکھا تو پھر مذہب کی طرف رخ کیا۔ مذہب کی طرف میں شکست خوردہ ذہنیت لیکر نہیں آیا۔ بلکہ وہ بچپن کی خواہش جو دکھیاروں کی مدد پر مجھے اکسایا کرتی اب اسلام کے در پر آئی ——

اس مقام پر میں تمہیں یہ بتاؤں کہ وہ جذبہ جو بچپن میں دکھی لوگوں کے کام آتا رہا۔ کانگریس میں ملک کی آزادی کی جد وجہد کی شکل میں ظاہر ہوا اور جب وہاں بھی سکون نہ تو وہ کمیونسٹ پارٹی میں آکر تمام دکھوں کو دور کرنے کی جد وجہد میں شریک ہو گیا۔

عزیزم! مجھے اسلام کے اخلاق کی چھاپ نے سمجھایا کہ وہ زمانے سے اخلاقی مطالبہ تھا کیونکہ میں اپنے آس پاس کے تعلقات کو محبت خلوص مساوات ہمدردی پر استوار دیکھنے کا آرزو مند تھا۔ میرا دل بچپن سے یہ کہتا تھا کہ محبت ہمدردی مساوات سب کے لئے ہونا چاہیئے۔ اور جہاں میری آرزو مجروح ہوئی —— یا میری اس آرزو کا مستقبل تاریک نظر آیا میں وہیں سے کنارہ کش ہو گیا اور دوسرے راستے کی تلاش میں سرگرداں رہنے لگا —— پھر آخر کار میں وہیں آکر رکا جو میری اندھی روح کی پکار تھی اور آج اس اخلاقی مطالبے نے فلسفیانہ رنگ اختیار کر کے یہ صورت اختیار کر لی ہے کہ ہیئت اجتماعی کا متحدہ عمل اور ارتقا اخلاقی بنیادوں پر ہوتا ہے پیداوری قوتیں میرے نزدیک بنیادیں نہیں کیونکہ وہ ذریعہ ہیں! اس لئے ایک مثالی سماج وہ ہے جس میں اخلاق اپنی صحیح اسپرٹ میں ہو، وہ ایک سماجی قوت ہو! یہ نقطۂ نظر مجھے قرآن نے دیا! غور کرو میری اور تمہاری بنیادوں میں کس درجہ بعد ہے مجھے سمجھنے کے لئے تمہیں میرے طرز فکر کو ضرور سمجھنا پڑیگا اور یہ میرے لئے مخصوص نہیں بلکہ ہر شخص کے ساتھ تمہیں یہی رویہ اختیار کرنا چاہیئے ورنہ آدمی کو سمجھنے میں تم ہمیشہ ٹھوکر کھاؤ گے سب کو ایک لکڑی سے ہانکنا درست نہیں۔

بمبئی میں کامریڈوں اور ترقی پسند فنکاروں سے جب میں ناامید ہو گیا تو مطالعہ میں مصروف ہو گیا اور اس شغل کے لئے مکتبہ جامع بمبئی کی شاخ میں بیٹھا کتابیں پڑھتا اور لوگوں سے بحث میں الجھا رہتا —— اور ایک دن ایک مرد خدا مجھے جماعت اسلامی کی ہفتہ وار میٹنگ میں لے گیا وہاں خدا پرستوں کی باتیں سنی —— اسی نشست میں ان پر اعتراضات کئے! میرے اعتراضات کو وہ سنتے رہے اور محبت اور سنجیدگی کے انداز میں مسکراتے رہے۔ دل اجڑ چکا تھا اس قسم کی ہنسی چہروں پر کبھی دیکھی نہ تھی۔ دل کو لگ گئی —— ان کی نشستوں میں جاتا رہا ان سے ملتا رہا —— ان کے ساتھ کھاتا پیتا رہا۔ ان سے لڑتا جھگڑتا رہا —— کبھی کبھی جذبات میں آکر انہیں برا بھلا بھی کہتا رہا۔ لیکن۔ ان کی محبت گھنے پیڑ کی طرح مجھے اپنی چھایا میں لئے پڑی رہی۔

اس ضمن میں ایک بات یہ تمہیں اور بتا دوں - میں اس زمانے میں پڑھنے لکھنے میں جتا ہوا تھا - لیکن اسلام کے سماجی تصور پر میں نے ابھی پڑھنا شروع نہیں کیا تھا بلکہ مذہب کے متعلق میرا وہی نقطۂ نظر تھا کہ یہ ایک انفرادی معاملہ ہے اور کمیونزم دراصل اسلام ہی کے منشا کو پورا کر رہا ہے لیکن جب میں ان کے خلاف سے متاثر ہوا تو پھر اس نوع کی کتابیں پڑھیں جو اسلام کو بحیثیت ایک مکمل نظام زندگی کے پیش کرتی ہیں - اس میں زیادہ کتابیں مودودی صاحب کی تھیں - ان کتابوں نے مجھ میں بڑا انقلاب پیدا کیا ایک طرف اس مطالعہ سے اپنے ماضی کا احترام مجھ میں پیدا ہوا دوسری طرف میری خواہش بھی ان کتابوں سے تسکین پاتی رہی - کہ کس تصورِ حیات سے انسان شیر و شکر ہو جاتے -

منظور! بمبئی میں صرف پانی کا سمندر ہی نہیں بلکہ وہ علم کا بھی سمندر ہے - مطالعہ جاری تھا اس دوران میں اسد صاحب سے میری ملاقات ہو گئی انھوں نے دوسرا پہلو میرے سامنے رکھا اور وہ تھا روس میں کمیونزم کا تجربہ میں نے اس لائن پر دونوں طرف کی کتابیں پڑھنا شروع کیں - روس کی جماعت میں جو کتابیں پڑھنے کو ملتیں وہ دو طرح کی ہوتیں یا تو اسے کوئی کمیونسٹ لکھتا --- یا اس کا کوئی ہمدرد - لیکن دونوں کی ٹکنک تقریباً یکساں ہوتی - وہ اصولی اعتراضات کے جواب میں اکثر یا تو مخالفین پر حملہ کرتے اس کے بعد ان کارناموں کو اطلاعاتی طور پر قاری کے ذہن میں ٹھونسنے کی کوشش کرتے جو کمیونسٹ نظام کے تحت روسیوں نے حاصل کئے ہیں - اور اس طرح ان کے پروپیگنڈا میں وہ اعتراضات دب جاتے جنکا اصولی طور پر جواب دینا ضروری ہوتا - ان کتابوں میں بڑی یکسانیت ہوتی - اور ان کی خصوصیت یہ تھی - کہ بات کسی قسم کی اٹھائی جاتے جواب میں زیادہ وقت ACHIEVEMENTS کی اطلاع پر صرف کیا جاتا - پھر ان ایک ہی طرح کی کتابوں کی یکسانیت کو پڑھتے پڑھتے میں تنگ آ گیا اور BORE ہو کر پھر میں نے ان کتابوں کو پڑھنا چھوڑ دیا پھر میں نے اس بات کا کھوج لگایا کہ کمیونسٹ نظام نے دوسری تہذیبوں کے ساتھ برسر اقتدار آنے کے بعد کیا سلوک کیا - تو مجھے بڑی مایوسی ہوئی اور اس طرح کے مطالعے نے کمیونسٹ نظام سے محبت کے جذبے کو بالکل ہی بجھا دیا - اس کے بعد میں نے کمیونزم کی بنیادی کتابوں کو دوبارہ پڑھنا شروع کیا - ایک فلسفیانہ مشغلے کے طور پر بعد میں کمیونزم پر تنقیدیں پڑھیں تو کمیونزم کا رہا سہا اثر بھی میرے اوپر سے ختم ہو گیا اور میں اس وقت ایمانداری سے یہ سمجھنے لگا کہ دنیا کے لئے یہ ایک بہت بڑی لعنت ہے - اگر دنیا اس کے شکنجے میں کس گئی تو صدیوں پیچھے چلی جائیگی اس رائے تک پہنچنے تک میں کمیونزم کا مطالعہ ختم کر کے کمیونسٹ سیاست کا بڑی گہری نظر سے مطالعہ کرتا رہا - مختلف موضوعات اور معاملات پر ان کی APPROACH کو سمجھا - ان کے پروپیگنڈے کے عناصر کو جاننے کی کوشش کی اور پھر اسلام کا پر زیادہ مستعدی سے مطالعہ شروع کر دیا - یہ تو تمہیں معلوم ہے کہ میں بمبئی کے قیام کے دوران میں لکھنے لکھانے لگا تھا لیکن اسلام کو جس طرح پھر میں نے سمجھا --- اور اس پر جو کچھ میں کہنا چاہتا تھا - ہندوستان کی زمین اس کے لئے مجھے تنگ نظر آئی تو میں نے پھر پاکستان آنے کی کوشش کی کیونکہ اسلام کے نام پر ایک تحریک یہاں چل کر کافی آگے بڑھ چکی تھی تو میں بیتاب ہو گیا کہ جلدی سے میں اس آگ میں کود پڑوں اور اسلام کو پاکستان میں برسر اقتدار لا کر اس آدمی کو پرکھوں جسے اسلام پیش کرنا چاہتا ہے -

اس ذہنی کشمکش نے مجھے پاکستان بھاگنے پر مجبور کیا اور ظہیرہ کو چھوڑ کر اس لڑائی میں شریک ہونے کے لئے چلا آیا - اور آج بھی انھیں صفوں میں شامل ہوں -

منظور! آج مجھے ان انسان دوستوں میں تقریباً ڈھائی سال رہتے ہوئے ہو گئے - اپنے مزاج اور افتادِ طبع کے اعتبار سے میں وہیں ہوں جہاں تم نے مجھے آج سے چار سال پہلے آگرے میں دیکھا تھا - لیکن میرے اس ظاہری جمود تو زیادہ نوٹس میں نہیں لاتے -

ابھی تک میرے وحشیوں کے سے بکھرے ہوئے سوکھے بال ہوا میں اڑا کرتے ہیں - اور تو اور میں نے اب کوٹ پتلون پہننا شروع کر دیا ہے - بلکہ کلین شیو رہتا ہوں - لیکن وہ نقطۂ نظر جو اسلام نے دیا ہے وہ یہاں آ کر پتھر کی چٹان بن گیا ہے - اور آج زندگی میں جس کسی چیز کو دیکھنے کی کوشش کرتا ہوں اسلام کے دیئے ہوئے زاویئے سے باہر دیکھ ہی نہیں سکتا - کمیونسٹ پارٹی میں رہ کر جو میں عوام اور ان کے دکھوں کے قریب ہوا تھا اور اس

تعلق سے جو اشتراکی حقیقت پسندی مجھ میں ابھر رہی تھی اسلام نے اس کے رُخ کو بدل دیا! وہ حقیقت نگاری میرے آرٹ میں کل کی طرح آج بھی ہے۔ لیکن اسلام نے حقیقت کے تصور کو بدل کر مجھے یہ بتایا۔ حقیقت دراصل ہے کیا! اس نے مادی دنیا کو حقیقت بتایا اور انسان کی داخلی دنیا کو ایک خود مختار حقیقت بتایا حقیقت کے ان دونوں رخوں کو آج تم میری تحریروں میں دیکھو انسان کے بناؤ اور بگاڑ میں ان دونوں کا حصہ ہے۔

اس کے بعد اسلامی تحریک کے کارکنوں کے قریب رہ کر مذہب کا جو مزا میں نے چکھا ہے واللہ اس کا اثر خون میں گھل مل گیا ہے ان خدا پرستوں نے مجھے خدا سے روشناس کرایا جو رحمان و رحیم ہے مذہب کے اس مزے کو میں بیان نہیں کر سکتا صرف اتنا بتاؤں کہ جی یہ چاہتا ہے کہ اس راہ میں آگے بڑھتا ہی جاؤں —— لیکن میرے قدم تیزی سے نہیں بڑھ رہے کیونکہ راستے میں مزاج اور خواہشات اور عادات کے بہت سے روڑے پڑے ہوتے ہیں۔ یہ زمانہ میری سخت کشمکش کا زمانہ ہے۔ آج میرے اندر کی پرانی جاہلی دنیا لوٹ رہی ہے۔ اور میری زندگی کے افق سے نئی اسلامی دنیا جھلک رہی ہے ——

ان خدا پرستوں میں رہ کر میں عجیب عجیب حرکتیں کرتا ہوں جب ناراض ہو جاتا ہوں تو ان سے لڑ بیٹھتا ہوں اور دنیا بھر کی سناڈالتا ہوں لیکن یہ ظالم مسکرا مسکرا کر مجھے اسی طرح دیکھتے رہتے ہیں جیسے ماں باپ اپنے چہیتے بچوں کے مچلنے کو دیکھ رہے ہوں جب شیطنیت مجھ پر سے دور ہو جاتی ہے تو پھر میں اپنے رویے پر غور کرنے لگتا ہوں اور میرا دل کہتا ہے کہ تو نے ان لوگوں پر بڑا ظلم کیا! پھر میں ان کے پاس جا کر معافی مانگ لیتا ہوں تو وہ مجھے اپنے سینے سے لگا لیتے ہیں! آج کل میں معاشی بحران سے گذر رہا ہوں تنگ دست رہتا ہوں اس لئے میرا بڑا خیال رکھتے ہیں! اپنا بستر اب ان میں سے ایک رفیق کے گھر لا کر ڈال دیا ہے۔

یہاں کی دنیا ہی عجیب ہے ذرا یہ بھی سنو۔

آج کل جن صاحب کے ہاں میں رہتا ہوں وہ پاکستان کے اہم لوگوں میں سے ہیں ان کا گھر مجھ جیسے خانماں بربادوں کا اڈا بنا ہوا رہا کرتا ہے ان کی کمائی کا ایک اہم حصہ دین کے لئے خرچ ہوتا ہے۔ تمہارے والد صاحب کے بعد یہ دوسری شخصیت ہے جہاں میرے لئے محبت اور احترام ہے۔ ظلم، کینہ پروری۔ پست ہمتی نہیں تم جانتے ہو کہ میرے والد نے میری انسانیت اور صلاحیت کو ہمیشہ کچلنے کی کوشش کی لیکن وہ سخت جان نہ مر سکی اور وہی آج قلم تھام کر اس غیر انسانی سلوک کے خلاف آواز بلند کر رہی ہے

ان صاحب کی پوری انفرادی اور خانگی زندگی میری نظر میں ہے۔ اگر وقت ملا تو اس گھرانے پر ایک ناول لکھوں گا۔ پھر تم دیکھنا کہ اسلام کے خادم کس اخلاق کے لوگ ہیں۔ اور ان میں رہ کر میری آتما کیوں شانت پا گئی۔ یہ یوپی کے ایک مہاجر ہیں ان کے رکھ رکھاؤ میں اسلام یوپیت کے کینوس میں ملتا ہے۔ جس سے طبیعت اور خوش ہوتی ہے کیونکہ وہاں میرا گھر ہے۔

ان کا ایک نوکر ہے وہ ابھی ابھی آیا ہے۔ میں نے اس کا وہ وقت بھی دیکھا ہے جب وہ شروع شروع یہاں آیا تھا اور اس وقت اس کی رگ رگ سے غلامی اور چاکری ٹپک رہی تھی جب گھر کا کوئی بڑا فرد آتا تو وہ سنتری کی طرح کھڑا ہو جاتا لیکن اس نے جلدی ہی اس گھر کے آداب سیکھ لئے اور اب بھی اس کے بھولے بھالے چہرے پر ہر وقت مسکراہٹ اور بشاشت کھیلتی دیکھتا ہوں۔ گھر کا کام کاج کر کے گھر کے بچوں سے کھیلا کرتا ہے اور بچے اس سے ہل گئے ہیں بڑی محبت سے اس کا نام لے کر پکارتے ہیں اور اس میں بھی اب وہی بے تکلفی آگئی ہے جو آپس کے دوستوں میں یا بھائیوں کے درمیان ہوتی ہے اور دھیرے دھیرے اس میں خود اعتمادی پیدا ہو رہی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس ملازمت کو کر کے وہ اس گھر میں اب کوئی احساس کمتری محسوس نہیں کرتا بلکہ دوسرے لوگوں کی طرح ایک فریضہ سمجھ کر ادا کرتا ہے —— اور کبھی کبھی اسے دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ انسان اس میں اب بیدار ہو رہا ہے۔ جسے زمانے کی بے اعتنائی اور ظلم و زیادتی نے دبا رکھا تھا —— کیونکہ یہاں ہوا صاف ہے! مطلب میرا یہ ہے کہ اب دھیرے دھیرے اس کا وہ کردار ابھر رہا ہے جسے لیکر وہ پیدا ہوا تھا ——

اسی مکان کے احاطے میں ایک دوسرے صاحب رہتے ہیں جو طبعاً قدرے صوفی منش آدمی ہیں اور چہرہ بھی ویسا ہی پایا ہے۔ چھوٹی سی ڈاڑھی رکھ لی ہے شاید جس کی ہر ہفتے کانٹ چھانٹ باغبان کی طرح کرتے رہتے ہیں بولتے کم ہیں اور سنتے زیادہ اور جب بولتے ہیں تو مسکرا کر گفتگو کرتے ہیں جیسے پھول جھڑ رہے ہوں جیسا کہ ان کے متعلق میں نے ابھی کہا کہ آدمی صوفی منش ہیں اس لئے صلاح پسندی کا خمیر ان کی فطرت میں زیادہ ہے دماغ بھی ذرا کچھ ٹھس پایا ہے اس لئے اس ٹھسی دماغی اور بھولے پن کے متزاج نے ان میں احتیاط پیدا کر دی ہے اسلام سے عقیدت ہے اس لئے اس تحریک میں شریک ہو گئے ہیں۔ اسلام کے وہ تمام اصول جو فرد کی درستگی کے لئے ہیں ان کا تقریباً بدرجۂ اتم اہتمام ان کے یہاں ملتا ہے۔ لیکن اسلام کے جہاں اجتماعی مطالبات ہیں ان کی جھلک اور احساس ان میں کم نظر آتا ہے۔ ایثار پر اسلام کے احکامات بڑے غور سے سنتے ہیں لیکن ایثار ابھی نیا دہ پیدا نہیں ہوا اس کی وجہ مجھے یہ نظر آتی ہے کہ بیچارے کلرک ہیں تھوڑی تنخواہ ملتی ہے خاندان میں کئی افراد ہیں! اس لئے ان کا خیال ان کو زیادہ لگا رہتا ہے۔ ابھی وہ خصوصیت پیدا نہیں ہوئی جو ایک تحریک کے رفیق کی ہوا کرتی ہے۔ ان حضرت کے بہت قریب رہتا ہوں۔ بعض غلطیاں ان سے ایسی سرزد ہوتی ہیں جن سے میرا دل اسی طرح دکھا جس طرح کا مریڈ حضرات سے طبیعت کافی مکدر رہی۔ عرصے تک ان سے نہ ملا۔ جب طبیعت کا تلاطم ختم ہوا تو ان سے پھر ملنا شروع کر دیا۔

اس کے برخلاف اس آستانے میں مجھ جیسے ایک اور خانماں برباد رہتے ہیں یہ تو میرے ہمسفر پنجاب کے ایک دیہات کے رہنے والے سائنس کے اسٹوڈنٹ لیکن مزاج اور حرکتیں ساری فوجیوں کی پائی ہیں اس لئے اس کا اظہار اکثر ہوتا رہتا ہے جب خوش ہوتے ہیں تو دوستوں کی مرمت کرتے ہیں یعنی اپنی رفاقت کا اظہار — یہ انداز محبت بالکل اسی طرح کا ہے جیسے ابتدائی عہد کی جنگجو قومیں ہنسی مذاق میں بھی اپنی طاقت کا اظہار کیا کرتی تھیں میری طرح بے گھر ہیں اور آج کل آستانے کے مستقل ممبر ہیں زمانے نے بہت ستایا ہے۔ سستی کے عادی ہیں شاید مصیبت کے دنوں میں انہیں یہ ملی نہیں۔ اب کچھ ٹیوشن مل گئی ہے۔ اس لئے صبح اٹھتے ہی نماز پڑھتے ہیں۔ اس کے بعد گولڈ فلیک سگریٹ مٹھی میں تھام کر دیہاتیوں کے انداز میں کش لگاتے ہیں اور لسی پینے چلے جاتے ہیں کبھی کبھی میں بھی ساتھ چلا جاتا ہوں لیکن لسی مجھے نہیں پلاتے اس قسم کی خود غرضی ان کے اور افعال میں ملتی ہے مثلاً جب سونے جائیں گے تو ایسی جگہ پر سوئیں گے جو آرام دہ ہو۔ جہاں تکلیف ہو گی چھوڑ دیں گے۔ جس چیز سے پہلے انھیں خود آرام ملتا ہے اسے اختیار کرتے ہیں اور خود کو مقدم سمجھتے ہیں۔ نہیں کہہ سکتا کہ ان کی یہ حرکتیں جو شعوری خود غرضی پر مبنی ہیں یا اس خود غرضی پر جو سوسائٹی میں پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن ان میں ایک اچھائی ضرور ہے جب ان کی کمزوریوں پر تنقید کی جاتی ہے تو سر جھکا کر سنتے ہیں۔ ویسے اسلام کے انفرادی فرائض کا اہتمام ان کے یہاں بھی ملتا ہے۔ نماز کے پابند ہیں جھوٹ نہیں۔ وغیرہ لیکن جہاں تک میں ان کے قریب رہ کر ان کے ٹائپ کو پہچان سکا کہ وہ اس قسم کے آدمی ہیں جو عموماً دنیا دار ہوا کرتے ہیں یعنی پہلے خود کو دیکھنا جب اپنے سے بچے تو دوسروں کی طرف دیکھنا ایثار کی کی صلاحیت ان میں ابھی پیدا نہیں ہوئی چہرہ کافی اترا رہتا ہے آنکھیں غم ناک اور جھکیں ہوئی بھبوکوں کی طرح لوگوں کے دلوں میں جھانکنے کی کوشش کیا کرتی ہیں۔ یہ دونوں حضرات اسلامی جمعیت طلبا سے تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن انھیں دیگ کے چاول نہ سمجھنا۔ بلکہ ان کی تصویر کشی سے میرا مقصود یہ تھا کہ میرے ملک میں اب تحریک اسلامی اب ایک عوامی تحریک بن گئی ہے۔ طرح طرح کے لوگ اس میں آرہے ہیں۔ اس تحریک میں ایسے بھی ہیں جنہوں نے اپنا سب کچھ اسلام کے لئے لٹا دیا اور ایسے بھی ہیں۔ جن میں ابھی صرف اسلام کا انفرادی شعور جاگا ہے لیکن امید ہے تحریک جب اپنے لئے مراحل طے کرے گی تو ایسے افراد اسلام کے سماجی تصور سے بھی واقف ہو جائیں گے۔ لیکن ان سب میں ایک خاص بات ہے کہ یہ سب مخلص اور انسان دوست ہیں۔ قوم پرست نہیں۔ ہاں تو میں بات جمعیت طلبا کے متعلق کر رہا تھا۔ یہ جمعیت ہمارے ملک کے مغربی حصہ میں طالب علموں کی سب سے مضبوط اور منظم تحریک ہے اس میں ہمارے ملک کے کالجوں کے وہ طالب علم شامل ہیں جنھیں قوم کا کمن قرار دیا جا سکتا ہے۔ بس یوں سمجھو کہ کالجوں میں اس تحریک کو ایسے نوجوان مل رہے ہیں جیسے مصر میں اخوان المسلمین کو۔

آرٹس Subjects سے زیادہ سائنس، انجینیرنگ، ڈاکٹری اور اسی قسم کے دوسرے ٹیکنیکل Subjects کے طالبعلم اس میں زیادہ ہیں۔ اور ویسے بھی پاکستان کے کالجوں میں اب لڑکے سائنس اور ٹیکنیکل Subjects کی طرف زیادہ جارہے ہیں، اور ملک کو ضرورت بھی اسی کی ہے آرٹس (ARTS) کی طرف کم رجحان ہے منظور! انھیں دیکھ کر ہمیں اپنے ملک کے شاندار مستقبل کا یقین ہو جاتا ہے کہ انشاءاللہ ہم پھر دنیا کو زندگی کا ایک نیا سبق دینگے۔ جس نشاۃ ثانیہ کو ہم پاکستان میں لانا چاہتے ہیں وہ صرف مسلمانوں کے لئے نہیں ہوگی بلکہ سارے دکھی انسانوں کے لئے ہوگی۔ لیکن کچھ معاملات اور خصوصاً فلم، ڈرامے اور مختلف ARTS کے معاملے میں یہ لوگ "جامد ملائیت" کا ثبوت دیتے ہیں ان مسئلوں پر جب ان سے گفتگو کرتے ہیں تو کہتے کہ ان کی باری بعد میں آئے گی جب ان سے کہا جاتا ہے کہ نہیں تمہاری موجودہ جدوجہد میں بھی یہ ARTS ممد و معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔ تو موجودہ مغربی قوموں کا آرٹ میرے سامنے پیش کر کے کہتے ہیں کیا ایسا آرٹ تو میں ان سے کہتا ہوں کہ نہیں۔ ایک آئیڈیل اسلامی معاشرے میں ARTS اس طرح بہک کر نہیں جا سکتے مختلف ARTS کو اس طرح کی کھلی چھٹی تو سرمایہ داری ہی میں دی جا سکتی ہے۔ کیونکہ اسے انسان سے زیادہ اپنے منافع سے غرض ہے۔ لیکن ایک ایسا تصور حیات — جس کی بنیادوں پر استوار کیا ہوا سماج فرد کی نشوونما کو پہلے اہمیت دیگا — اور یہی صورت حال اسلامی معاشرے کے ساتھ مخصوص ہے۔ اسلامی معاشرے کے فرد کو مسلمان ہونے کے لئے عالم وجود میں آئے گا اس لئے مختلف علوم وفنون سے وہی کام لے گا کہ وہ فرد کی نشوونما میں ممد و معاون ثابت ہوں۔ فرد علوم وفنون کے لئے نہیں بلکہ علوم وفنون فرد کے لئے ہیں۔ میں انھیں یہ بھی بتاتا ہوں کہ ہمارے ARTS کا کمال بلند خیالی سے زیادہ انسان کے اعلیٰ اخلاق کی نمائندگی ہوگی۔ — وہ اعلیٰ اخلاق جو قرآن مقرر کرتا ہے اس سے ہمارے ARTS انسان کی ان اخلاقی احساسات کو جس فنی پختگی سے پیش کرینگے ہمارے نقطۂ نظر سے وہ اتنے ہی بلند ہوں گے۔ اسی طرح تمدن کا معاملہ ہے ہم تمدن کی بلندی کے لئے خاص قسم کی صنعت اور دستکاری کے لاکھوں نمونوں کو کمال تصور نہیں کرتے بلکہ ہمارا تمدن کا معیار یہ ہے کہ پوری نوع انسانی مساوات، آزادی، اور خوش حالی کے ساتھ پستی سے بلندی کی طرف بڑھ رہی ہے یا نہیں۔ یہ ہے حاد فاضل مغرب (اور ان کی مقلد قوموں کے) اور ہمارے نزدیک اس پوری تحریک اسلامی تحریک سے متعلق ایک بات اور سنو! اسی نظریاتی اختلاف کی وجہ سے اس تحریک کی لیڈرشپ اور دوسری RANK کے آدمی مغرب سے لین دین میں کافی محتاط ہیں اور اس احتیاط میں سختی اس نسل کو دیکھ کر ان میں اور پیدا ہو گئی ہے۔ جسے لارڈ میکالے نے اپنے دفتروں کے لئے تیار کرایا تھا۔ اور آج وہی ملک کو سمجھتیا کر اپنے عیش و آرام کے لئے ملک و ملت کو دہشت زدہ کیے ہوئے ہے۔ لیکن مغرب کی مادی ترقی کا احترام ان کے دل میں ہے اور اسے برتنے کی یہ کوشش کرتے ہیں۔ اگر تم کبھی پاکستان آؤ تو ان دو نسلوں کو تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا۔ ایک طرف یہ ہوں گے جو سرتاپا مغربی۔ اور قوم ملک اور انسانیت کے مستقبل سے بے فکر — اگر فکر ہے تو صرف اپنے عیش و آرام کی اور دوسری طرف وہ نسل ملے گی جیسے قصیدے میں نثر میں شاعری کی ہے۔ بے تکلفی ان دونوں نسلوں میں مشترک ہے۔ لیکن مغرب پرستوں کی بے تکلفی میں توہین، تضحیک اور غیر سنجیدگی اور اس نئی مذہبی نسل کی بے تکلفی میں بڑوں کا احترام، ماضی کا شعور، برابر والوں کی رفاقت موجود ہے۔ اپنے ادیبوں، شاعروں اور دانشوروں کو جب دیکھتے ہیں تو لپٹ جاتے ہیں۔ ویسے بحیثیت مجموعی ہر معاملے میں یہ وسیع النظر اور ترقی پسند ہیں — ترقی پسند کو تم کمیونسٹ ترقی پسند تصور نہ کرنا۔ بلکہ ترقی اپنے لفظی معنوں میں لینا۔

ان لوگوں میں آکر میں ایک عجیب تجربہ کر رہا ہوں اور وہ یہ کہ مذہب کا تصور حیات فرد میں کیا شے پیدا کرتا ہے۔ اگر فرد میں کمی ہے تو اسے دور کیسے کرتا ہے۔ غلط رجحانات کو کس طرف موڑتا ہے — اور جو طبعاً شریف ہیں ان کی فطرت پر کیا جلا کرتا ہے۔ اپنے ان ساتھیوں میں مجھے تقریباً ساڑھے تین سال ہو گئے ہیں سینکڑوں لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہوا تو ایک بات سب میں مشترک پائی یہ مخلص ہیں رفاقت کا جذبہ بہت ہی زیادہ ہے یکجہتی ہے۔ آئیڈیل سے بے پناہ عشق ہے اسلام کے اجتماعی تقاضوں سے زیادہ انفرادی اصلاح کی فکر ہے۔ ایک چیز ان کے یہاں بہت ہی نمایاں ہے۔ جو کام مرڈ دل میں نہیں۔ یہ ڈبل لائف نہیں گذارتے اور ان کی زندگی میں منافقت نہیں۔ خوف خدا حد سے زیادہ ان میں ہے اور اپنے معاملات کو اسی جذبے کے تحت لے

پوری کرتے ہیں اور پاکستان میں ان کے اسی کردار کے اثر سے یہ تحریک بڑھ رہی ہے ـــ لیکن میں پھر وہی بات کہوں گا کہ ابھی ان میں وہ کردار پیدا ہوئے ہیں
جیسے قرآن رسولؐ اور اسوۂ صحابہ نے پیش کیا۔ اس مقام پر خود اپنے رویئے پر بھی کچھ کہنا چاہتا ہوں کہ میں بھی کبھی کبھی کچھ انتہا پسند نظریاتی اور جذباتی آدمی بن جاتا
ہوں ـ خلاف توقع بات دیکھ کر فوراً ابھر کر اٹھتا ہوں ـ اور اس تجزیے کے بعد کبھی کبھی میرے ذہن میں یہ بھی خیال گذرتا ہے کہ قرآن و سنت کا آدمی اسی
وقت پیدا ہوگا جب ایسا ماحول ہوگا۔ لیکن اس کے بعد پھر یہ خیال بھی آتا ہے کہ کردار کی پختگی تو اسی نظام میں دیکھی جائے گی اچھے نظام میں اچھا بننا کوئی بڑی
بات نہیں کیونکہ اس وقت اچھائی کا چاروں طرف راج ہوگا۔ بڑائی تو آج ہے کہ ناموافق حالات میں اپنے کردار کی پختگی کا مظاہرہ کرے ـ لیکن امید
ہے کہ ایک بلند مقام تک انشاء اللہ یہ پہنچ جائیں گے کیونکہ ان کے یہاں خوف خدا ہے ـ اور ان میں وہ آثار نظر آرہے ہیں جو کسی تخلیقی تمدن کے معماروں میں
ہوا کرتے ہیں۔ لیکن برخلاف اس کے اس تحریک کی لیڈرشپ جنکے ہاتھ میں ہے منظور! وہ ایسے ہیں کہ جب میں انھیں دیکھتا ہوں تو مجھے اپنی پستی پر شرم
آتی ہے ـ اسلام کے اجتماعی اور انفرادی مطالبات کا ان میں حد درجہ اہتمام ہے اور جب بولتے ہیں تو انسانیت ہمدردی مروت اور غمگساری ایک ایک
بول سے اس طرح ٹپکی پڑتی ہے جب کبھی جماعت کے دفتر میں پہونچ جاتا ہوں تو محبت کی سیج بچھا دیتے ہیں یہ سلوک میرے ہی ساتھ نہیں بلکہ
جو بھی پہونچ جائے اس کا احترام کرتے ہیں اس کے ساتھ اسی انداز میں محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ سوچو میری آتما انھیں دیکھ کر کیوں نہ شانتی پائے ـ اور
جو آج کل توانائی اور رجائیت میرے آرٹ میں نظر آتی ہے ـ وہ در اصل ان کی انسانیت کی توانائی ہے اور میرے فن میں جتنا سوز و گداز تم پاؤگے
سمجھ لینا کہ وہ ان کے دل کی دھڑکن ہے۔ بات ان کی چھڑ گئی ہے۔ واللہ صفحے کے صفحے سیاہ کرنے کو جی چاہتا ہے۔ میرے ایک رفیق اور ہیں ان سے میں اکثر
لڑتا رہتا ہوں ـــ انھیں اکثر الٹی سیدھی سنایا کرتا ہوں۔ لیکن جب پیسے پاس نہیں ہوتے تو ان کے گھر چلا جاتا ہوں اور کھانا منگا کر کھانا شروع کر دیتا ہوں
وہ سب کچھ بھول کر میرے لیئے کھانا نکال کرلے آتے ہیں میں کھانا شروع کر دیتا ہوں اور وہ مسکرا مسکرا کر کوئی بات چھیڑ دیتے ہیں جیسے کوئی ہلکے ہلکے ستار
میں محبت کا نغمہ چھیڑ رہا ہے ـ ایک دن کھانا کھا کر وہیں چارپائی پر لیٹ گیا نہ جانے کون سی بات شروع ہوئی تھی میں نے فوراً اچیر لکھا فلم کا یہ شعر
پڑھ دیا جسطرح مجھے یاد تھا "بھگوان تو بنے، انسان بنو تو جانیں" تو میں نے دیکھا کہ اس شعر کو سن کر ان کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا گئیں انھیں آنکھوں
سے مجھے انھوں نے دیکھا لرز گیا اور خاموش ہو گیا۔ اس دن کے بعد پھر نہ جانے کیا بات ہوئی" تو انھوں نے مجھ سے کہا۔

"خطیب تم [illegible] جھگڑنے کی باتوں سے ہمیں اپنی بہت سی کمیوں کا احساس ہوتا ہے"

یہ حضر[illegible] کے رکن ہیں اور انھیں سرکاری نوکری سے ابھی ابھی علیحدہ کر دیا گیا ہے جو انہوں نے بخوشی قبول کر لیا ہے اور اس
جھوٹ کو نہیں لکھ [illegible] ت چاہتی تھی کہ تم لکھ دو کہ میں جماعت اسلامی کا رکن نہیں انھوں نے کہا میں یہ کیسے لکھدوں۔ میں تو اسکا ممبر ہوں
ان کے [illegible] نے خانہ پری کر دو۔
انھوں [illegible] ے خلاف کیسے کر سکتا ہوں۔ آخر کار انھوں نے گیارہ سال کی مستقل سرکاری نوکری پر ٹھوکر ماردی۔ سوا دو سو
روپے چھوڑ دیئے [illegible] ی تلاش میں ادھر ادھر گھومتے پھرا کرتے ہیں۔ کبھی کبھی میں پھر ان کے گھر چلا جاتا ہوں تو ان کے بچے اور آپکی بیوی اسی ہمدردی
سے مجھ سے پیش [illegible] اٹھتا ہوں تو حسب دستور ناشتہ بھجواتے ہیں اس وقت میرا جی نہیں چاہتا کہ میں اب ان کا کھانا کھاؤں۔ لیکن نہیں
کہہ سکتا۔ ایک [illegible] نہیں مانتے۔ بھری دیگ میں سے میں نے یہ ایک چاول دکھایا ہے ایمان اور اصول کے معاملے میں یہ سب
لوہے کی دیوار [illegible] ایک ناول "مستقبل کو مذہبی نسل کا سلام" لکھ رہا ہوں۔ اس میں تم ان کرداروں کی توانائی کو دیکھنا۔
اس خ [illegible] ہو گئے ہوگے کہ میں کیا لے بیٹھا لیکن عزیزم یہ موقعہ پھر کب آئیگا آج اس تصویر کے سارے خون
کو تمہارے [illegible] آج میری منزل ہے تاکہ میرے دل کی دھڑکنوں کو سننے کے ساتھ ہی ساتھ ان لوگوں کو بھی دیکھ سکو ـــ اور بتاؤ
کیا یہ آسکتا ک [illegible] میں اپنی منزل کے چراغ نہ سمجھوں؟ تم شاید مجھ سے پھر کہو کہ میں خطابت اور ڈرامائیت سے کام لے رہا ہوں لیکن بتاؤ اس

زندگی کا اظہار میں کس طرح کروں ---- یا پھر اس موقعہ پر اس آدمی کا تصور کرو۔ - اس گم کردہ راہ کا جو اپنی منزل کو پاکر بے اختیار چلا اٹھتا ہے -

آخری بات اس آشیانے کے متعلق اور سن لو - اس آشیانے کے مکین ایک بزرگ ہیں جنکا ہلکا سا تعارف پہلے کرا چکا ہوں - خلوص اور ہمدردی ان کے اٹھلائے نہیں اٹھتی - ان کے صاحبزادے سے بھی تمہارا تعارف کرا تا چلوں یہ حضرت بڑے خوش طبع ہیں سمزاج میں مزاح کا عنصر موجود ہے اگرچہ دیکھنے میں بڑے معصوم طبیعت میں شرارت اسی طرح پوشیدہ ہے جیسے راکھ میں چنگاریاں جب بات کرتے ہیں تو یہ چنگاریاں دھکنے لگتی ہیں - سرتاپا خلوص ہیں جب کسی سے ملتے ہیں تو لپٹ جاتے ہیں - مصافحہ کرتے وقت محبت کی ساری حرارت دوسرے میں منتقل کر دیتے ہیں - گذشتہ سال اقتصادیات میں ایم - اے کیا ہے اور اب کراچی کے ایک مشہور کالج میں پروفیسر بھی ہیں قد لمبا ہے آنکھیں کٹورہ جیسی جس میں معصومیت انکی شرارت کی طرح جھلکتی نظر آتی ہے اسلام کا عشق ہے سیاسی سمجھ بوجھ وراثت میں ملی ہے اس لئے ملکی اور غیر ملکی حالات کا تجزیہ اچھی نظر سے کرتے ہیں - اپنے رفیقوں کا ، خیال رکھنے کی بہت کوشش کرتے ہیں - لیکن رکھ نہیں سکتے کیونکہ پروفیسر صاحب پر علمی اور سیاسی مصروفیت اور مقصد کا عشق اتنا غالب ہوتا ہے کہ ان چیزوں سے نظر ہٹا کر وہ وہ دیکھ ہی نہیں سکتے اور یہ بے نیازی صرف دوسروں کے ساتھ ہی نہیں بلکہ وہ اپنے ساتھ بھی اکثر برتتے رہتے ہیں - مزاج میں اس بے نیازی کے ساتھ کچھ تلون بھی ہے اس لئے ایک کام جب کرتے ہیں تو کرتے رہتے ہیں جب طبیعت کی شدت ختم ہو جاتی ہے تو کہیں اور لے کر جاتے ہیں تبلیغ کے معاملے میں بھی بڑے بے صبرے واقع ہوئے ہیں - کوشش کرتے ہیں کہ جلد دعوت دوسروں تک پہونچا دیں - اس چھوٹے سے قد پر ایک گھنی داڑھی ہے - جو کبھی کبھی موضوع بحث بن جاتی ہے - لیکن اس خدا کے بندے میں کبھی احساس کمتری پیدا نہیں ہوتا - اپنے والد بزرگوار کی طرح سب کا احترام کرتے ہیں اور اس کی وقت ان کی عجیب حالت ہوتی ہے - جب ان کے والد صاحب سے ملنے والے گھر پر آجاتے ہیں تو پروفیسر صاحب اٹھ کر فوراً کھڑے ہو جاتے ہیں مشرقی بچوں کے آداب کے تاثر چہرے پر چھا جاتے ہیں آنکھیں نیچی کر لیتے ہیں اور جب بات کرتے ہیں تو بالکل چھوٹے بنکر!

کبھی آوارہ گردی کی طرح کافی ہاؤس کا ٹائم ختم کرکے وہاں پہونچتا ہوں سالن ختم ہو جاتا ہے تو گھی شکر لاکر کھلاتے ہیں کھانا ختم ہو جاتا ہے تو پیسے دیدیتے ہیں اور میں کسی اجڑے بھٹیار خانے میں چلا جاتا ہوں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ میں کھانے کو کہتا ہوں تو جو کھانا وہ اس وقت کھا رہے ہوتے ہیں اسے لیکر میرے سامنے آجاتے ہیں اور گھل مل کر کھاتے ہیں بہت معصوم قسم کے آدمی ہیں اپنی پروفیسری کا بالکل خیال نہیں کرتے اس لئے کبھی کبھی ان کے بھولے پن سے میں بھی کھیل لیا کرتا ہوں تو وہ بھیگی بلی کی طرح خاموش رہتے ہیں اور کبھی کبھی جب موڈ میں ہوتے ہیں تو اپنی "چنگاریوں" سے کام لیکر پوری انجمن پر بشاشت کی چادر ڈال دیتے ہیں -

میری مستقبل کی دنیا کے یہ لوگ ہیں! میں ان میں رہتا ہوں اور آج میں اپنی اس خوش نصیبی پر خدا کے بزرگ کے حضور میں اپنا جذبہ شکر سے جھکاتا ہوا پاتا ہوں کہ میرا انسان صرف میرے ذہن کے گوشوں ہی میں نہیں بلکہ وہ دھرتی پر کلوں کی طرح پھوٹ پڑ رہا ہے - تصور تو کرو - ذرا اس کسان کی خوشی کا جس کے کھیت فصل کی تیاری سے پہلے سبز چادر اوڑھے کھڑے ہوں -

آج میری کیفیت بھی بالکل ایسی ہی ہے -

تمہارا

محمد حسنی !

حسن البنّاؒ

ایک انقلابی شخصیت !

ادہر کچھ عرصہ سے اخوان المسلمین کے بانی و مرشد حسن البنا کے متعلق کچھ نہ کچھ لکھا جاتا رہا، اس سلسلہ میں وقتاً فوقتاً مختلف رسالوں میں ان کے متعلق مضامین شائع ہوئے خود ان کے کئی مضامین اور تقریروں کا ترجمہ شائع کیا گیا اور اس طرح یہ ملک ذرا تفصیل سے اس مردِ مجاہدؒ کی دعوت سے آشنا ہوا، لیکن ابھی تک اس سلسلہ میں جتنا کچھ لکھا گیا ہے وہ سب اگر یکجا کر دیا جائے تب بھی حسن البنا کی صحیح حیثیت سامنے نہیں آسکتی، اور یہ موضوع بدستور تشنہ رہتا ہے، اس سلسلہ میں جو عرض کیا جائے گا وہ ان کی دعوت کی تاریخ نہیں ہوگی اور نہ یہ اوراق اس کے متحمل ہو سکتے ہیں لیکن ان کا ایک اجمالی، صاف اور صحیح تعارف ہوگا اور بعض مفید چیزیں سامنے آجائیں گی!

محمد حسنی

عالم اسلام پر صلیبی حملوں کا سدِ باب ہو چکا تھا۔ اور مغرب کو صلاح الدین کے شوقِ جہاد اور عزیمت کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑے تھے۔ لیکن صلیبی خون ابھی رگوں میں دوڑ رہا تھا اور ساحرِ مغرب کسی نئے راستہ کی تلاش میں تھا، صلاح الدین کے بعد دنیائے اسلام میں بہت سی نامور تجدیدی اور اصلاحی شخصیتوں نے اپنے اپنے وقت میں اصلاح کا کام انجام دیا لیکن آخری زمانہ میں حالات بہت بدل گئے تھے، یہ زمانہ یورپ کے لئے جتنے عروج کا تھا مشرق اور خاص طور پر مشرق اسلامی کے لئے تنزل و جمود کا، پوری عرب دنیا انگریزوں کے اشاروں پر مختلف ریاستوں اور صوبوں میں بٹ گئی تھی اور ان کے پاس جتنی کچھ بھی طاقت تھی وہ تقسیم ہو گئی تھی، کوئی ملک ایسا نہیں تھا جو خارجی حملوں کی تاب لاسکے، بادشاہ، امراء، وزراء سب عیش و عشرت میں مگن تھے، کسی کو ملک کا خیال، اور قوم کی زبوں حالی کا احساس نہیں تھا، معاشی ناہمواریاں، اور دولت کی غیر منصفانہ تقسیم نقطہ عروج پر تھی، دینی حالت بیحد خراب ہو گئی تھی، انگریزوں کی کمپنیاں، ہوائی اڈے، فوجی مراکز جگہ جگہ قائم ہو رہے تھے، امریکی عقائد و خیالات و افکار کی نئی نئی مصنوعات اجتماعی زندگی کے لئے مستقل خطرہ بنی ہوئی تھیں، مصر ترکی اور

حجاز، شرق اردن سے، عراق شام سے برسرپیکار رہتے، شریف السنوسی، کا مجاہدانہ اقدام اور جمال الدین افغانی کی تحریک کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا تھا اور اس کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہوا تھا، مہدی سوڈانی بھی اپنے مقاصد میں ناکام رہے تھے، ایسا کوئی نہ تھا جس کو مغرب کے اس افسوں کا بھی احساس ہو جو پورے عرب کے لئے زہر قاتل تھا، شیخ عبدہ، محمد فرید، عرابی، مصطفیٰ کامل جیسے مصلحین اور علماء بھی تھے، لیکن کوئی ایسی بلند قامت شخصیت نہیں تھی جو فقہی مباحث اور عارضی اور وقتی مسائل سے ہٹکر اور وطنیت اور قوم پرستی کے جراثیم سے بچ کر اس سیلاب کو روکنے کی کوشش کرے، اور مسلمانوں کے دینی احساس کو بیدار کرے، جس کے پاس علم کے ذخیرہ کے ساتھ ساتھ "چشم نمناک" اور "آہ سحرگاہی" بھی ہو، جو مسلمانوں کے امراض پر عمومی اور غائر نظر ڈالے، اور پھر مرض کی تشخیص کرے جس کی تجدید اور اصلاح کا دائرہ چند ظاہری، اور جزوی مسائل تک محدود نہ ہو جس کی نظر وسیع، قلب بیدار، اور ضمیر روشن ہو، جو مسلمانوں کو ان کا اصلی منصب یاد دلائے، اور دنیا کی امامت و قیادت کا سبق پڑھائے، جس کے سامنے انسانیت کے عالمگیر انقلاب کا نقشہ ہو اور اس کے جگر میں سارے جہاں کا درد ہو۔

اس زمانے میں جو شخصیت ہمارے سامنے آتی ہے وہ حسن البنا کی شخصیت ہے، اس وقت مصر کی حالت خاص طور پر بد سے بدتر ہو گئی تھی۔ اگر کچھ تھا تو وہ ایک وطن پرستی کا بھوت تھا سعد زغلول کا مشہور فقرہ "الدین الادیان والوطن للجمیع" ہر شخص کی زبان پر تھا ——— دین کی بے حرمتی معمولی بات تھی۔ لوگوں کو ڈاڑھیاں رکھنے میں اپنی توہین معلوم ہوتی، اور نمازوں سے شرماتے، قمار خانے آباد اور مسجدیں ویران ہو رہی تھیں، ایک طرف مغربی تہذیب کی چمک دمک، نظریں خیرہ کر رہی تھی۔ دوسری طرف جہالت کی رسوم عروج پر تھیں، کسانوں اور مزدوروں پر ظلم کی داستانیں، جنکا راز اب فاروق کی برطرفی کے بعد فاش ہو رہا ہے، حیرت میں ڈال دیتی ہیں، ایسے مایوس کن اور ہمت شکن حالات میں کوئی ایسا مرد میدان میں نہ تھا جو تیر و سناں کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہو جائے۔

قاہرہ کے دارالعلوم کے اس فارغ التحصیل نوجوان نے آج سے کوئی ۲۰-۲۵ برس پہلے مصر کی ایک انگریزی چھاؤنی "اسماعیلیہ" میں اس کام کی بنیاد ڈالی، عہد طفولیت ہی سے ان کی جبین سے سعادت کے آثار نمایاں تھے اور نظر آ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو ان سے کچھ کام لینا منظور ہے، انکی بچپن کی زندگی کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت بھی ان میں جہاد کا شوق، تبلیغ کا جذبہ، دین کی قدر، اور غیرت و ہمت کس درجہ کی تھی، تعلیم سے فراغت حاصل کرنیکے بعد وہ ۱۹۲۸ء میں اسماعیلیہ کے ایک اسکول میں مدرس ہو گئے، اور یہاں سے ان کی زندگی کا نیا دور شروع ہوا، اور راتوں کی شب بیداری، مسلمانوں کی حالت پر قلق، اور سوز، اور مستقل گھٹن اور تڑپ نے اپنا رنگ دکھایا تھا تو وہ مدرس ہی، لیکن حقیقت میں وہ چند طالب علموں کا نہیں، بلکہ قوموں کا مدرس تھا، اِس میں دنیا کو سبق دینے کی صلاحیت تھی۔

اس نے اپنی مدرسی کے دوران میں اسلام کی دعوت دینی شروع کی، اس کی آواز میں بلا کی تاثیر اور اس کی تقریر میں غضب کا جادو تھا۔ اس کے منہ کا ہر بول سیدھا دل کے اندر اترجاتا تھا اور پھر کبھی نکلنے کا نام نہیں لیتا تھا، اس کی دلفریب اور جاذب نظر شخصیت میں سارے جہاں کی دلکشی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، اس کے دلوں کی تپش اور اس کی شبوں کا گداز دیکھنے کے قابل تھا جو شخص اس سے ملتا تھا وہ متاثر ہوئے بغیر نہیں آ سکتا تھا، حسن البنا کی روح سے زیادہ پاکیزہ، حباب سے زیادہ نازک اور برق سے زیادہ سیماب وش تھی، اور یہی ان کی کامیابی کا سب سے بڑا راز تھا جو کسبی نہیں سراسر موہوبی چیز تھی،

اس ماحول میں حسن البنا نے دعوت حق کا علم بلند کیا، اس سلسلہ میں ان کے قریبی عزیزوں اور رشتہ داروں نے ان کی بڑی مدد کی اور ان کے رفیق کار رہے اس کے بعد، تحریک تیزی کے ساتھ پھیلنا شروع ہوئی اور دیکھتے دیکھتے پورے مصر میں پھیل گئی اور اس کے اثرات باہر پہونچنا شروع ہو گئے مصر والوں نے حسن البنا میں بالکل نئی بات محسوس کی انکو ابھی تک ایسے عالموں سے سابقہ پڑا تھا جو علم میں تو ممتاز تھے، لیکن ان میں وہ زندگی، وہ روح، وہ حرارت، وہ صداقت ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی تھی، جس سے حسن البنا کا رواں رواں بول رہا تھا، حسن البنا مصریوں کے لئے تعارف ہونے کے باوجود

بالکل نئے تھے، ایسا آدمی اُنھوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ جس کے دل میں ساری انسانیت کا درد چٹکیاں لیتا ہو، لیکن اس کی شگفتگی اسی طرح قائم رہتی ہو دن رات کام کرے، اور مستقل سفروں کے باوجود اس کی پیشانی پر شکنیں نہ پڑی ہوں، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ مایوسی کے نام ہی سے واقف نہیں یا کوئی اندرونی طاقت کوئی غیر مرئی سکون اس کو سہارا دے رہا ہو، انھوں نے کتنے پرجوش اور آتش بیان مقرروں کی تقریریں سنی تھیں، لیکن حسن البنا کی تقریروں میں جو کیف اور ایمان انکو محسوس ہوتا وہ کسی اور کی تقریر میں بالکل ناپید تھا۔ لوگ مجبور ہوگئے کہ حسن البنا کا ساتھ دیں اس بارہ میں کوئی بھونڈی تاویل نہیں کرسکتے۔ اس وقت وہاں کی دنیا کو جس چیز کی تلاش تھی وہ حسن البنا کے پاس تھی، اور جس چیز کی پیاس تھی وہ صرف حسن البنا سے بجھ سکتی تھی، حسن البنا کی ایک اہم خصوصیت جس کا لوگوں کو زیادہ علم نہیں وہ حسن البنا کی جامعیت ہے، مختلف اوصاف، کمالات کے چشمے حسن البنا کی شخصیت میں اس طرح آکر مل جاتے ہیں جس طرح مختلف ندیاں نالے اور چشمے آکر ایک جگہ آبشار کی صورت اختیار کرلیتے ہیں۔ عالم عربی کے اس وسیع و عریض رقبہ کے لئے ایسی ہی موثر اور جامع شخصیت کی ضرورت تھی، وہ صرف سحر بیاں خطیب ہی نہیں، ایک بے پناہ انتظامی صلاحیتوں کے مالک، ایک صحیح قائد، ایک باخدا اور عارف انسان تھے۔ ان کی طبیعت میں یہ مذاق عارفانہ پہلے ہی سے موجود تھا۔ چنانچہ وہ نوجوانی کے آغاز ہی سے مصر کے ایک سلسلہ "صافیہ" سے منسلک ہوگئے تھے، اور اس میں بہت منہمک اور مستغرق رہتے تھے، اور ان کے دل و دماغ پر اسکا بڑا اثر تھا اور وہ ان کی آئندہ زندگی کے لئے بہت مفید ثابت ہوا (۱) اپنے رفقاء کو ذکر کی خاص طور پر تعلیم دیتے، خود اس سلسلہ میں بڑا اہتمام کرتے اور تزکیہ نفس کو بڑی اہمیت دیتے۔

عوام سے تعلق پر بڑا زور دیا کرتے، انکو اپنے رفقاء اور کارکنوں کے نہ صرف نام ہی یاد تھے بلکہ ان کے مشاغل اور پرائیویٹ معاملات سے بھی بڑی حد تک واقف رہتے، حسن البنا نے لوگوں کے سامنے جو یہ سمجھنے لگے تھے کہ اسلام قدامت پرستی کا دوسرا نام ہے، ہر چند عبادات و ریاضات و رسوم کا بے جان مجموعہ، اسلام کا ہمہ گیر اور صحیح تخیل پیش کیا۔ وہ اسلام جو خدا تک پہونچنے کا راستہ بتلاتا ہے۔ سیاسی قوانین متعین کرتا ہے، جس کا تعلق انسان کے ظاہری اعمال سے ویسا ہی ہے جیسا اس کے قلب و ضمیر سے، جس میں انسانی صلاحیتوں کو بیکار نہیں چھوڑا گیا، بلکہ اس کو فکر و عمل کی دعوت دی گئی ہے، اور خدا کے ان گرانقدر عطیوں سے کام نہ لینا اس کی بڑی ناقدری اور ناشکری بتلایا گیا ہے، حسن البنا نے کہا کہ اسلام دین بھی ہے حکومت بھی قرآن بھی ہے تلوار بھی، عبادت بھی ہے قانون بھی، اسلام کا یہ تخیل کوئی نئی ایجاد نہیں تھی۔ لیکن ان لوگوں کے لئے بالکل نئی چیز تھی جو اسلام کے مستقبل سے مایوس ہو چکے تھے، جو اپنی جہالت یا مرعوبیت کی وجہ سے یہ سمجھنے لگے تھے کہ اسلامی حکومت کے قیام کے بعد ریلوں اور موٹروں کو ترک کرکے، ریڈیو، ٹیلیفون، تار برقی اور تمام مفید وسائل سے دستبردار ہونا پڑے گا، اور جو یہ سمجھتے تھے، کہ تیرہ سو برس کے بعد اب اسلام کی واپسی مشکل ہے، یہ اسلام انھیں لوگوں پر فٹ تھا، جنکے زمانہ میں زندگی اتنی پر پیچ اور دنیا اتنی ترقی یافتہ نہیں تھی، حسن البنا نے اس شکست خوردہ اور مسحور ذہنیت پر کاری ضرب لگائی، انھوں نے مسلمانوں کی غیرت و حمیت کو چھیڑا، ان کو بتایا، کہ دنیا در اصل مومن کی میراث ہے اور یہ لوگ جنکے ہاتھ میں آج دنیا کی زمام قیادت ہے، وہ اسپر ناجائز قابض ہیں گویا اقبال کے الفاظ میں

ہے حقیقت جس کے دیں کی احتساب کائنات

انھوں نے کہا مسلمانوں کو اپنی نگاہ اور عزائم بلند رکھنے چاہئیں۔ اور اس سے کم درجہ کی چیز پر راضی نہ ہونا چاہئے، ان کی تقریروں، تحریروں، اور نجی گفتگوؤں میں اس کا بار بار اشارہ کیا گیا ہے، ان کو اس کا شدید احساس تھا کہ اس وقت ایک بڑا مرض جو بحران کی طرح مشرق و مغرب میں چھایا ہوا ہے وہ "احساس کمتری" ہے، اور جب تک اس سنگ گراں کو راستہ سے نہ ہٹایا جائیگا کوئی کوشش کارگر، دیرپا اور قابل امید نہیں ہوسکتی۔

حسن البنا نے جب اپنی دعوت شروع کی، تو ان کے سامنے اس کا پورا نقشہ تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ انسانی ڈھانچوں کے اس سیلاب کو آتشیں اور شعلہ بار تقریروں سے منتقل کرکے کسی راستہ پر ڈال دیا جائے یا کسی وقتی و سیاسی مسئلہ کے لئے ان کی ذہنی صلاحیتوں سے بری طرح کھیلا جائے

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مذکرات الدعوۃ والداعیۃ" بقلم حسن البنا، ۱۲

کہ وہ کسی کام کے نہ رہیں۔ بلکہ ان کے سامنے ان انسانوں کے لئے ایک منظم تربیتی پروگرام تھا۔ جہاں ان کے لئے ذہنی اور فکری نشو و نما کا سامان ہوتا اور ان کو روحانی غذا ملتی، اور آدمی "حسن سے بلند تر عشق سے بھی لطیف تر" شے سے آشنا ہوتا، اس کے علاوہ انھیں یہ بھی تفصیل سے بتایا جاتا کہ اسلام زندگی کے مسائل کو کس طرح حل کرتا ہے، وہ کائنات، طاقت، قدرت کو کس نظر سے دیکھتا ہے اسلام کو کس قسم کی سوسائٹی اور کس قسم کا فرد مطلوب ہے، یہ سب کچھ ایک وسیع منظم اور سوچے سمجھے پروگرام کے ماتحت ہوتی، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ لوگوں میں مذہبی جنون اور بے مصرف اشتعال پیدا ہونے کے بجائے جہاد کا صحیح جذبہ، اسلام کی فہم اور دعوت حق کا جذبہ پیدا ہوتا، یہ لوگ تربیت یافتہ ہوتے ان کا دینی شعور بیدار اور پختہ ہوتا، اس طرح ایک نئی معتدبہ جماعت پیدا ہوگئی جو ٹریننگ تھی، اور اسلام کی تعمیر نو کی تصویر تھی، انھوں نے فلسطین میں جہاد کیا تاکہ طاغوتی طاقتوں کا سر نیچا ہو اور اللہ کا کلمہ بلند ہو۔ جہاد کے نشہ میں سرشار ہو کر بھی وہ ہوشیار تھے، جب تک یہ جہاد کرتے رہے جہاد کرتے رہے جب نقراشی پاشا کی ظالم حکومت نے انھیں قید کر دیا تو وہ عبادت تلاوت اور درس و تدریس میں نظر آنے لگے اس کے بعد یہودیوں کی نئی شورش کی وجہ سے دوبارہ جنگ کا خطرہ پیدا ہوا تو حکومت نے ان سے استفسار کیا کہ اگر آپ کو چھوڑ دیا جائے تو کیا آپ ہمارے ساتھ جنگ کریں گے تو انھوں نے نہایت خندہ پیشانی سے جواب دیا کہ ہم اب بھی لڑنے کے لئے تیار ہیں۔ آپ کے گرفتار کرنے سے بدل نہیں گئے۔ ہمارا مقصد فلسطین کو یہودیوں کے وجود سے پاک کرنا ہے ہم اس کے لئے اپنے خون کا آخری قطرہ بہا سکتے ہیں۔ ان مجاہدوں نے فلسطین میں جو جانبازی دکھائی معمولی ہتھیاروں سے جس طرح ٹینکوں اور توپوں کا مقابلہ کیا وہ اخوان کی تاریخ کا ایک اہم باب ہے۔ جس کے بغیر انکے ایمان و یقین، ذوق و شوق کا اندازہ کرنا مشکل ہے:

کامل اسماعیل الشریف جو فلسطین کی جنگ میں خود شریک ہوئے تھے، اپنی کتاب "الاخوان فی فلسطین" میں لکھتے ہیں۔

لوگوں نے بیان کیا کہ دستہ کے سپہ سالار سید محمد منصور جب زخمی ہوگئے اور ان کے جانبر ہونے کی کوئی امید باقی نہیں رہی تو ان کو اٹھا کر پچھلی صفوں میں لایا گیا۔ جب انکو ہوش آیا تو انھوں نے پوچھا کہ "سید! کے جنگ کا کیا حال ہے لوگوں نے ان کو اطمینان دلایا اس پر وہ مسکرائے اور کہا اور ان کی زبان پر یہ کلمات جاری ہوگئے اور یہ کہتے ہی روح عالم بالا کو پرواز کر گئی"۔

یہی مصنف دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

"ہمارے دوسرے مجاہد عمر عبد الرؤف کا بھی ایسا ہی حال ہوا اچانک ایک گولی ان کے سینے میں آکر لگی، مسکراہٹ ان کے لبوں پر رقص کرنے لگی اور بے ساختہ ان کی زبان سے یہ کلمات نکلے، جو میں دیکھ رہا ہوں وہ تم بھی دیکھ رہے ہو، پھر ایک لمبی سانس لیکر کہنے لگے۔ کہ دیکھو جنت میں اس کو دیکھ رہا ہوں اور اس کی خوشبو میری ناک میں آرہی ہے اس کے بعد ان کا انتقال ہوگیا۔

ایک دوسرے مجاہد کی یہ حالت تھی، کہ جب ان سے میدان جنگ سے مصلحتاً ہٹ جانے کے لئے کہا گیا تو وہ اس پر کسی طرح راضی نہ ہوتے اور کہنے لگے کہ جب تک دشمن موجود ہے ہم نہیں ہٹ سکتے اور یہ آیت دہرانے لگے ایک سنسناتی ہوئی گولی آئی اور انکے سر میں پیوست ہوگئی اور شہدا کی فہرست میں ایک نئے نام کا اضافہ ہوگیا۔

مصر کے نوجوان طبقہ اور کالج کے طلبہ میں جس تیزی کے ساتھ اور حیرت انگیز طور پر جہاد کا جذبہ پیدا ہوگیا تھا اس کا کچھ اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ حکومت کی ناجائز پابندیوں اور اخوان پر نئے نئے مظالم کے باوجود متعدد نوجوان جن کی عمریں ۱۶ سال سے زیادہ نہیں تھیں اور یہ سب طالب علم تھے، جنکا کوئی امر مستقبل میں اگر وزیر ہونے کا خواب دیکھتا تو بیجا نہ تھا لیکن انھوں نے ابدی اور دائمی مستقبل کو ترجیح دی، اور مصر سے پیدل فلسطین روانہ ہوگئے۔ لوگوں نے ان سے حیرت سے پوچھا کہ آپ یہاں کس لئے آئے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ ہم امتحانات میں کامیاب ہو چکے ہیں اور فریضہ جہاد ادا کرنے آئے ہیں۔

یہ وہی ایمانی طاقت تھی جو خواد دس دس پانچ پانچ آدمیوں کو ہزاروں اور لاکھوں کے سامنے لا کھڑا کرتی تھی۔ جیسے سمندر میں گھوڑے

ڈلوادیتے تھے۔ یہی ایمانی طاقت تھی جس نے سعد بن معاذ سے یہ کہلوایا تھا کہ رسول اللہ ہم آپ پر ایمان لا چکے ہیں اور آپ کی دعوت کو سچ مان چکے ہیں، اگر آپ سمندر میں بھی کود جائیں گے تو ہم آپکے ساتھ ہونگے ہمارا کوئی فرد پیچھے نہ رہیگا۔ یہی ایمانی طاقت تھی جس نے صلاح الدین کے رگ و ریشہ میں ایمان کی حرارت بھر دی تھی۔ جس نے سنوسی کو اٹلی کے لئے بلائے بے درماں بنا دیا تھا، جس نے سید احمد شہیدؒ اور انکے رفقاء سے صحابہ کرام کا سا کام لیا تھا اور یہی ایمانی طاقت ہے جو آج بھی حق پرستوں کو جابروں اور سرکشوں کے سامنے حق گوئی دیباکی کے نتیجہ میں مصیبتیں جھیلنے، قید و بند کی تکلیفیں برداشت کرنے اور تختہ دار پر چڑھنے کے لئے آمادہ کرتی ہے۔–

ان کا کارنامہ اتنا ہی نہیں تھا کہ انھوں نے عالم اسلامی میں دینی بیداری اور حمیت ایمانی کی ایک لہر پیدا کر دی ہے۔ بلکہ انھوں نے ایک ایسی تربیت یافتہ جماعت کو بھی تیار کیا جو عالم اسلام کے اس سرے سے اس سرے تک پھیل جاتے، جس کا ایک ایک فرد خود، داعی، مبلغ، اور مجاہد ہو اور ہدایت و تبلیغ کا کام انجام دے۔

ایک چیز جو دعوت کے پھیلنے میں بہت مددگار ثابت ہوئی وہ حسن البنا کا ذاتی طور پر اور جماعتی طور پر دوسرے دینی اداروں اور جماعتوں سے مصالحانہ رویہ تھا، اور اختلافی و نزاعی مسائل سے علیحدگی تھی، جب اسماعیلیہ میں اس تحریک کی بنیاد رکھی گئی تو اس وقت وہاں دو گروہوں میں کسی فقہی مسئلہ پر نزاعی کیفیت قائم تھی۔ حسن البنا نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی، اور اس کے بجائے کہ وہ دونوں میں سے کسی ایک فریق کی حمایت کرتے انھوں نے دونوں میں مصالحت کرانا چاہا جسکا لوگوں پر اچھا اثر پڑا اور ان کے لئے نفضا سازگار ہوگئی، اور آخر تک انکا اور ان کے افقاو کا دوسرے دینی اداروں اور شخصیتوں کے ساتھ مصالحانہ رویہ رہا، اور وہ خداداد مناظرانہ اور خطیبانہ صلاحیتوں کے باوجود ان چیزوں سے ہمیشہ کنارہ کش رہے۔

انھوں نے صرف روحانی و ذہنی تربیت پر اکتفا نہیں کی۔ بلکہ ان لوگوں کے لئے جسمانی تربیت کا انتظام کیا۔ اس کے لئے اسپورٹس کلب قائم کئے گئے۔ فوجی تربیت کے لئے ماہرین کی خدمات حاصل کی گئیں۔ اس میں ان کو بڑی کامیابی ہوئی، اخوان نے اس میں بڑے ذوق و شوق سے شرکت کی۔ اور وہی لوگ جو مسجدوں میں وعظ کہتے نظر آتے تھے، ہاکی اور فٹبال میں بھی حصہ لیتے۔ اخوان کے جمع شدہ سرمایہ سے کمپنیاں اور مشترکہ کارخانے قائم کئے گئے۔ ہسپتال بنائے گئے۔ اور نشر و اشاعت کا کام بھی وسیع پیمانہ پر ہونے لگا۔ اور یہ چیزیں جماعتی حیثیت سے بہت مفید ثابت ہوئیں۔ اور یہ قافلہ اچانک بہت آگے بڑھ گیا۔

حسن البنا کو یورپین ممالک میں کس نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ اور استعمار پسند طاقتوں کو ان سے کیا خطرہ پیدا ہوگیا۔ یہ خود ایک دلچسپ اور مستقل موضوع ہے۔ جو بہت تفصیل طلب ہے ذیل کے اس ایک واقعہ سے اس کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔

اخوان کے ایک فاضل جو حسن البنا کی شہادت کے وقت پیرس میں تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک ہوٹل میں بیٹھا ہوا تھا کہ بڑی تعداد میں میرے سامنے بیٹھے ہوئے فرانسیسی دفعتاً اٹھ کھڑے ہوئے اور ناچنے لگے ان کے چہروں سے مسرت اور کامیابی کے آثار نمایاں تھے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ کوئی بڑا دشمن مغلوب ہوگیا ہو یا کوئی نیا ملک فتح ہوا ہو۔ ایک لمحہ میں ایک ہوٹل کا اس طرح رقص دوسروں کی محفل میں تبدیل ہو جانا حیرت انگیز بات تھی آخر کار جب مجھ سے نہ رہا گیا تو میں نے منیجر سے دریافت کیا کہ معاملہ کیا ہے۔ اس اچانک خوشی کا کیا سبب ہے اسنے میرے کان میں چپکے سے کہا کہ آج مصر کے لیڈر حسن البنا قتل کر دیئے گئے ~

حسن البنا نے عالم عربی میں ایمانی شوق جہاد اور بیداری کی ایک لہر پیدا کر دی جو خوش آئند اور روشن مستقبل کی خبر دے رہی ہے اور تاریخ میں ایک نئے دور کا اضافہ کیا جو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

مسلہ الدعوۃ کے ایک مضمون سے

ہاجرہ زریں

نیجیریا اور وہاں کے مسلمان!

افریقہ میں بعض جگہیں ایسی ہیں جہاں موجودہ تمدن نے اپنا اثر نہیں ڈالا ہے وہاں کے لوگ سیدھے سادھے اور ان تمام گندگیوں سے پاک ہیں جو تمدن کے ساتھ ساتھ کسی قوم میں آیا کرتی ہیں۔ اگرچہ دنیا میں کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں لوگوں کو متمدن بننے کا شوق نہ پیدا ہو چکا ہو لیکن اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ دنیا میں ہر جگہ جدید تمدن پوری تابانی کے ساتھ جلوہ فشاں نہیں۔ انہیں علاقوں میں نیجیریا بھی ہے جو براعظم افریقہ کے مغربی حصہ میں واقع ہے۔ اس کی مسافت ۷، ۴۰ ہزار مربع میل ہے۔ اس جگہ گھنی آبادی پائی جاتی ہے۔ طول و عرض کے اعتبار سے یہ قطعہ زمین انگلینڈ اور فرانس سے کچھ کم نہیں اور اپنی پیداوار اور خوشنما مناظر و ہر سبزی کے لحاظ سے ان ملکوں سے کہیں آگے ہے۔ اس علاقے میں ایک بہت بڑا دریا موجود ہے جس کو "نیجر" کہتے ہیں۔ اس کی شاخیں ملک کے مختلف حصوں میں پھیل کر زمین کو سیراب کرتی ہیں اور چھوٹے چھوٹے بہت سے دریا بھی اس میں آکے گرتے ہیں۔

جب سے انگریز ہندوستان چھوڑ کر گیا ہے اس کے مملوکہ علاقوں میں نیجیریا سب سے بڑا علاقہ ہے جس کو اب بھی پاکر یہ سمجھتا ہے کہ اگر ہمارے ہاتھ سے ایک سونے کی چڑیا اڑ گئی تو دوسری ابھی تک باقی ہے۔ نیجیریا کے بسنے والے افریقہ کے جغرافیہ میں بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ افریقہ میں دوسری جگہوں پر مثلاً مصر، سوڈان، ٹونس اور الجزائر ان تمام علاقوں سے نیجیریا کی آبادی اور خوشحالی بہت زیادہ ہے۔ تقریباً تین کروڑ سے کچھ زائد اب تک شمار کا اوسط ہے۔

نیجیریا میں تین بڑے قبائل آباد ہیں جو موجودہ تمام چھوٹے چھوٹے قبیلوں کی جڑ ہیں اور ہر گھرانا انھیں قبیلوں میں کسی نہ کسی کی فرع سمجھا جاتا ہے جو اپنے تمدن اور واضح نشانات سے پہچانا جاتا ہے کہ یہ قبیلہ فلاں کی شاخ یا فلاں سے نسبت رکھتا ہے۔ ان تینوں قبیلوں میں ایک کا نام "ہوسہ" دوسرے کا نام "یوربا" اور تیسرے کا نام "آئبو" ہے۔ ان تینوں قبیلوں کی وجہ سے نیجیریا تین حصوں میں منقسم ہے۔ ایک کو شمالی نیجیریا کہتے ہیں اس میں قبیلہ "ہوسہ" کی شاخیں ہیں۔ آبادی کی تعداد ڈھائی کروڑ سے کچھ اوپر ہے جس میں دو کروڑ چالیس ہزار مسلمان ہیں

مغربی نیجیریا میں ۶۰ ہزار کی آبادی ہے جس میں ۴۰ ہزار مسلمان ہیں اور باقی عیسائی اور غیر قومیں ہیں۔

مشرقی نیجیریا میں قبیلہ "آئبو" آباد ہے۔ اس کی آبادی ۸۰ ہزار ہے۔ پورے افریقہ کے علاقوں میں صرف اسی جگہ عیسائی کثرت سے پائے جاتے ہیں اور کچھ وحشی قومیں بھی آباد ہیں۔ مسلمان یہاں نسبتاً بہت کم ہیں۔ بہرحال مسلمان مجموعی لحاظ سے نیجیریا کے پورے علاقے میں ۹۰ فیصدی سے زیادہ ہیں جن کی بڑی تعداد شمالی اور مغربی علاقہ میں پائی جاتی ہے۔ اس علاقہ میں چونکہ مسلمانوں کی کثرت ہے اس وجہ سے اس کو اسلامی علاقہ کہا جاتا ہے۔

معاشی و اقتصادی حالت

نیجیریا میں ضروریات زندگی اور عام مال امریکہ کے بعد سارے ملکوں سے زیادہ پایا جاتا ہے۔ فی الحقیقت اگر وہ اپنی معاشی اور اقتصادی تنظیم کرنا چاہے تو دوسرے ممالک کی پیداوار سے کسی قدر مستغنی ہو سکتے ہیں اس لیے کہ ان کی ضروریات زندگی کے لیے خود ان کا ملک ہی سب کچھ فراہم کر دیتا ہے۔ نیجیریا ایک زراعتی ملک اور شاداب جگہ ہے جہاں روٹی، چاول، گیہوں، مکئی اور فول کثرت سے پیدا ہوتا ہے۔ فول ایک طرح کا بیج ہے جو سیم کے بیج کے برابر ہوتا ہے اور عالم اسلامی کے قومی کھانے میں اسکا شمار ہے جسے ہر چھوٹا بڑا اپنے دسترخوان پر ضرور رکھتا ہے اور صبح کے وقت اس کا استعمال کثرت سے ہوتا ہے۔

نیجیریا کے پھلوں میں کیلا، اناناس، خربوزہ، تربوز اور موسمی زیادہ مشہور ہے معدنیات میں زیادہ تر سونا، چاندی، تانبا، پیتل، سیسہ، لوہا مقناطیس، چقماق اس کے علاوہ کوئلہ، پٹرول اور پتھروں میں یاقوت، زمرد اور دیگر قسم کے قیمتی پتھر بکثرت پائے جاتے ہیں وہاں سے دوسرے ملکوں کو بہترین قسم کی لکڑیاں اور جانوروں کی کھالیں اور روئی، تیل، ربڑ اور نول اور بعض دوسری ضروریات زندگی بھیجی جاتی ہیں گذشتہ سال نیجیریا کی حکومت نے انھیں چیزوں کو دوسرے ملکوں میں بھیج کر تقریباً ا کروڑ پونڈ کا نفع حاصل کیا ہے

انگریزوں نے جس طرح بہت دنوں تک ہندوستان کی صنعت کو فروغ نہیں ہونے دیا اسی طرح نیجیریا میں صنعتی ترقی اب تک محدود کر رکھی ہے جس کی وجہ سے بہت سی چیزیں لازماً دوسرے ملکوں سے منگانی پڑتی ہیں گذشتہ سال تقریباً ۸ کروڑ پونڈ غیر ملکی چیزوں کے منگانے پر خرچ ہوئے یہ چیزیں زیادہ تر انگلینڈ کے بازار سے لائی گئی ہیں۔

نیجیریا میں اسلام

اسلام نیجیریا میں آٹھویں صدی ہجری میں آیا، شمال افریقہ کے تاجر قافلوں نے اپنی تجارت کے ساتھ ساتھ یہ ضرورت بھی محسوس کی تھی کہ جہاں ہم اپنے تجارتی سامان ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتے ہیں وہاں ہمارے ذمہ یہ بھی ہے کہ مذہبی خیالات اور اپنی دینی فکر کو پوری دیانت و امانت کے ساتھ شمال سے جنوب تک اور دوسری طرف مشرق تک پھیلائیں جبتک ان لوگوں میں دعوتی روح باقی رہی اسی وقت تک وہ اپنا کام بڑے جوش و خروش سے کرتے رہے یہاں تک کہ مغربی اور شمالی حصہ انکی تحریک و دعوت اسلام کا نام لیوا ہوگیا مشرق میں بھی ان کی آواز پہونچی لیکن مسافت کے بعد اور ریتیلے میدان کے درمیان میں حائل ہو جانے کے سبب وہ اپنا اس علاقے میں اتنے اثرات قائم نہ کر سکے جتنے کہ مغربی اور شمالی علاقہ میں ہے، جن جگہوں میں اسلام کا دور دورہ تھا اس کو دجنیہ کہتے ہیں اور دوسرا مرکز "تمبکتو" Tem Bakto ہے یہ اس وقت بھی ملک کے اہم علاقوں میں سمجھا جاتا ہے اور دریائے نیجر کے سرچشمہ سے قریب ہے اور فرانسیسی قبضہ کے اندر ہے وہاں سے کشتیوں پر اسلامی مبلغین ملک کے مختلف حصوں میں جایا کرتے تھے اور تجارت کے ساتھ ساتھ اپنا دین بھی پھیلایا کرتے تھے۔

شمالی نیجیریا کے مسلمان بہت دنوں تک انگریزوں کے خلاف جنگ آزمائی کرتے رہے اور اپنے ملک کو غلامی کی لعنت سے بچاتے رہے انگریز فوجیں ایک طویل مدت تک مسلمانوں کا ملک ان کے ہاتھ سے نہ لے سکے اس لئے کہ وہ نہایت بے جگری اور ثابت قدمی کے ساتھ لڑتے رہے مگر جب کہ بہت دنوں تک انگریزوں کے حالات کا مطالعہ کیا اور اصل کمزوری کو سمجھ لیا تو آہستہ آہستہ اپنے مکر و فن سے ملک میں داخل ہونے لگے اور وہ ساری چالیں چلے جس کو ہندوستان میں مسلمان بادشاہوں اور مسلم ریاستوں کے خلاف استعمال کر چکے تھے نیجریا میں مسلم امیروں کی کثرت کے باوجود رفتہ رفتہ انگریزوں کا محاذ طاقت ور ہوگیا، ور ایک ایک امیر دیکھتے ہی دیکھتے اپنا سارا جبر و اختیار کھو بیٹھا اور امیروں کو انگریزوں نے آپس میں لڑا کر تکے بوٹی کر ڈالا اور مسلم ریاست اور وسیع حکومت بالآخر غلامی کے پھندے میں پھنس کر رہ گئی، انگریزوں کے سکھانے سے مسلمان امراء اور بادشاہوں نے اسلام کا نام لے کر پوری مسلم قوم پر ایسا ظلم ڈھانا شروع کیا تھا جسے کوئی غیرت مند شخص برداشت نہیں کر سکتا جو کچھ انھوں نے اسلام کے نام پر کیا تھا۔ اسلام اس سے بری ہے مسلمانوں پر ہر ملک میں اسی چیز کا رونا رویا جاتا ہے اسی وجہ سے انگریزوں کو یہ مواقع مل سکے کہ مسلمانوں کی صفوں میں پھوٹ ڈالیں اور ایک کو دوسرے سے لڑا کر رہی سہی قوت اور شان و شوکت اور اقتدار کو خاک میں ملا دیں مسلم ملکوں میں انھوں نے کبھی آتے ہی خود اپنی حکومت کا اعلان نہیں کیا بلکہ بعض امراء کو ملا کر دوسرے امراء سے لڑایا اور جو غم و غصہ انگریزوں کے خلاف کہیں پایا جاتا تھا اسے خود مسلمانوں کے مقابلہ میں استعمال کرالیا اور ہمیشہ عادل حاکم کی طرح قوم و ملک کا جھگڑا چکانے میدان میں آکھڑے ہوئے تاکہ وہ کسی نہ کسی فریق کے محبوب بن جائیں نیجیریا میں جہاں بھی انگریز دشمن باقی ہے وہاں ابتک مسلمان حکام ہی کو واسطہ بنا کر مسلمانوں کو تباہ کیا جا رہا ہے اور جو کچھ انگریز چاہتا ہے وہی ہو رہا ہے۔

جب تک نیجیریا میں مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کی سیاسی تقسیم نہیں ہوئی تھی اس وقت تک وہاں کے باشندوں میں علمی اور دینی تحریکات اور تمدن کا شعور کافی حد تک پایا جاتا تھا لیکن انگریزوں کے آتے ہی ساری ترقی پر رک پڑ گئی اور نیجیریا جس منزل تک ترقی کر چکا تھا اس سے بھی پیچھے ہٹنا پڑا۔ اسلام نے لکھنا پڑھنا اور تہذیب سکھائی تھی انگریزوں نے اسے بھی چھیننے کی کوشش کی اور یہ چاہا کہ یہ لوگ دنیا کو نہ جاننے پائیں اور نہ ہی دنیا انھیں جانے تمدنی طور پر یہ سب سے کٹ کر زندگی بسر کریں لہٰذا جو مدارس وہاں قائم تھے اس میں تعلیم کا ایسا نصاب جاری کیا جس میں ابتدائی اور ثانوی تعلیم میں مسیحیت کے چند اصولوں کی تشریح کے علاوہ کچھ بھی نہ تھا۔ نہ اسلام کی پہلی سی تعلیم نہ یورپ ہی کی جدید تعلیم۔ اخیر دور میں بعض طبقے کے اصرار پر ایک بڑا کالج قائم کیا گیا جس میں مدرسین کچھ تو سوڈان سے طلب کیے گئے تھے اور باقی مصر کی وزارت تعلیم سے مانگے گئے تھے انھیں سب کے سب انگریز اور فرانسیسی یا مصر کے اقباط تھے جو اسلام کے بظاہر دوست و بباطن بڑے دشمن تھے۔ یہ کالج خاص طور پر سلاطین کی اولاد کی تربیت و تعلیم کے لئے قائم کیا گیا تھا جس میں غریبوں اور نادار لوگوں کا داخل ہونا مشکل تھا جن بچوں کی اس میں تعلیم ہوتی تھی وہی آگے چل کر اونچے اونچے عہدے پر بٹھائے جاتے تھے اس کے علاوہ ان کی تربیت و تعلیم میں اس بات کا خاص طور پر لحاظ رکھا جاتا تھا کہ اسلام کی تعلیم اور دین کے اصولوں سے لوگوں کو بیزار کیا جائے یہاں تک صحابہ کرام اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی سے سارے طالب علموں کو کسی طرح ناواقف رکھا جائے بلکہ اگر کسی طرح ممکن ہو تو ان پاک شخصیتوں سے ان طالبعلموں کو متنفر کیا جائے دوسری طرف ان میں یہ احساس پیدا کیا جاتا تھا کہ اگر عوام میں تعلیم پھیل گئی تو شاہی خاندان میں حکومت باقی نہیں رہ سکتی یہی وجہ تھی کہ جیسے جیسے وہ کالج ترقی کرتا گیا اور اس کے پڑھے لکھے لوگ برسر اقتدار آتے گئے تو نیجیریا کے وہ غریب طلبہ جو تعلیم حاصل کرنے کے لئے مصر کی مشہور و معروف یونیورسٹی یعنی جامعہ ازہر میں آجایا کرتے تھے ان کا بھی آنا بند کر دیا گیا اور مصری حکومت سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ ازہر میں نیجیریا کے جو طالب علم موجود ہیں ان کو نیجیریا واپس کر دیا جائے اس کے علاوہ نیجیریا کے وہ لوگ جو کسی مقصد سے مصر یا سوڈان یا کسی اور ملک جایا کرتے تھے تو انگریزی حکومت کے جاسوس ان کی سخت نگرانی کیا کرتے تھے۔

حاصل کلام یہ کہ انگریزوں کی ساری کوشش یہ تھی کہ نیجیریا کے باشندے دنیا سے ناواقف ہیں خاص طور پر عالم اسلامی سے الگ تھلگ زندگی بسر کریں۔

کچھ دنوں بعد انگریزی تمدن آہستہ آہستہ مغربی علاقے میں اپنی جڑیں پھیلانے لگا تھوڑے ہی دنوں میں وہاں مذہبیت زیادہ ترقی کر گئی، یہاں پر انگریزی تمدن کے رواج پانے کے بظاہر دو سبب ہیں ایک یہ کہ برطانیہ بلا واسطہ اس علاقے کا حاکم ہو گیا تھا اور دوسرا سبب یہ تھا کہ ان کے ہم وطن عیسائی انگریزوں کی مدد سے تیزی سے ترقی کر گئے تھے اور ان کی امداد پشت پناہی ایک طاقتور عیسائی مشن کر رہا تھا۔ اسے دیکھ کر مسلمانوں کی سرگرمیوں میں اضافہ ہوا اور ان کی دینی غیرت ایک انگڑائی لیکر بیدار ہو گئی۔ سنہ ۱۹۲۶ء میں مسلمانوں نے ایک نئی تحریک کی بنیاد ڈالی جس کا نام جمعیۃ انصار الدین رکھا گیا اس کا مقصد عوام میں اسلامی زندگی پھیلانا تھا اور ایسی تعلیم دینا جو کہ اس زمانے کا ساتھ دے سکے۔ اس جماعت کے پیش نظر ملک کے ہر خطے میں مدارس کی کثرت سے تنظیم تھی بلاشبہہ یہ تحریک تھوڑے ہی دنوں میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئی۔

اولاً سنہ ۱۹۲۲ء میں ثانوی تعلیم کے لئے ایک مدرسہ قائم کیا گیا اور اس وقت تحریک نیجیریا کی زیر نگرانی تقریباً ۶۰ سے زائد بڑے بڑے مدرسے چل رہے ہیں جنکی کفالت خود تحریک کے ذمہ ہے ایک بڑا کالج ہے جس میں اعلیٰ تعلیم تمام مسلمان بچوں کے لئے مفت ہے اسی کالج سے جمعیت کے خرچ سے ہر سال دس استعداد طالب علم دوسرے ملکوں میں بھیجے جاتے ہیں تاکہ وہ تعلیمی تجربات حاصل کر کے ملک میں لوٹیں

اور اپنے ملک کی خدمت کر سکیں اس طرح ممکن ہے کہ یہ تحریک خارجی اساتذہ کے منتدب کئے بغیر اپنی تعلیمی ضروریات اور تدریس کی مہم کو طے کر سکیں۔

اس جماعت کے علاوہ دوسری اسلامی جماعتیں بھی ہیں جو کسی نہ کسی درجہ میں اسلام کی خدمت کر رہی ہیں بعض تعمیری تحریکات میں عورتوں کا بھی اچھا خاصہ حصہ ہے۔

نیجیریا میں انگریز کے قدم

سنہ ۱۸۵۱ء میں انگریزی حکومت قبضہ کر چکی تھی اور سنہ ۱۸۵۵ء میں برلین کانفرنس کے موقعہ پر اس نے سب نمائندوں کے درمیان نیجیریا پر اپنا قبضہ تسلیم کرالیا حالانکہ اس وقت نیجیریا کے ساحلی علاقوں سے انگریز واقف تک نہ تھے اور یہ ناواقفیت تقریباً سنہ ۱۹۲۲ء تک باقی رہی نیجیریا کے اس غیر متعارف علاقوں میں اسپین اور پرتگال کے واقف کار تاجر بہت زمانہ سے اپنی تجارتی مہم میں مشغول تھے اور اسپین کی بہت سی پیداوار کو نیجیریا کے ساحلی علاقوں میں پہونچایا کرتے تھے جس کی وجہ سے اسپین اور نیجیریا کی تجارت میں بڑا فروغ ہوا اور ایک براعظم کی پیداوار اور دوسرے براعظم میں جانے لگی انھیں چیزوں کو دیکھ کر برطانیہ کے منہ میں پانی بھر آیا اور لالچ کے قدم ان علاقوں کی طرف بڑھ چلے آخر کار داخلی جنگ شروع ہو گئی جسکی وجہ سے مغربی افریقہ کی تجارت پر بہت برا اثر پڑا۔ جو لوگ انگریزوں کے ساتھ آمادۂ پیکار تھے ان کا ٹھکانا "لاغوس" جو اس زمانہ میں نیجیریا کا دار السلطنت ہے ایک طویل جنگ کے بعد لاغوس انگریزوں کے ہاتھ میں آچکا تھا اور وہاں کا بادشاہ جو انگریزوں کا جانی دشمن تھا اور انگریزوں کے خلاف جو تحریکات پائی جاتی تھیں ان سب کا روح رواں قرار پا چکا تھا اسے انگریزوں نے باغی قرار دے کر جلا وطن کر دیا اور اس کی جگہ خود اس کے چچا زاد بھائی کو تخت پر بٹھایا جس نے انگریزوں کے لئے ملک میں زمین ہموار کی تھی اور اپنے بھائی کے خلاف انگریزوں کی مدد کی تھی، بعد میں انگریزوں نے اس کے ساتھ ایک تجارتی معاہدہ کیا جس میں یہ بات منوالی کہ انگریز تاجر اور عیسائی مشن ملک کے ہر خطہ میں جہاں بھی چاہے اپنی ملکیت قائم کر سکتے ہیں اور اپنی تجارت کو فروغ دے سکتے ہیں۔

حکومت برطانیہ لاغوس میں اپنا سکہ جما ہی چکی تھی لیکن ابھی تک قانونی طور پر اسے اپنے مقبوضہ علاقہ میں شامل نہیں کیا تھا۔ وہاں پر بالواسطہ حکمرانی تھی، ہندوستان کی طرح انگریزی حکومت کی طرف سے یہ مشہور تھا کہ ملک بادشاہ کا ہے اور حکم سرکار برطانیہ کا ہے سنہ ۱۸۶۱ء میں اس نام نہاد بادشاہ کو بھی نکال باہر کر دیا اور ملک اور حکم دونوں سرکار برطانیہ کا ہو گیا اس کے بعد برطانیہ کے آدمی ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئے اور سابق بادشاہ کے زیر اثر جتنے چھوٹے چھوٹے قصبے اور دیہات تھے اس میں سرکاری احکام جاری کئے گئے اور مکمل طور پر انکو اپنا تابع بنا لیا گیا سنہ ۱۹۰۶ء میں شمالی نیجیریا کا حاکم جنوبی نیجیریا کا بھی حاکم قرار دے دیا گیا اس کا مطلب یہ تھا کہ ملک میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک برطانیہ ہی مطلق العنان ہے۔

سیاسی حالات

نیجیریا کی حکومت ان دنوں ایک دستوری حکومت بن چکی ہے پہلے انگریزی دستور رائج تھا جس میں تبدیلی کا حق صرف انگلینڈ کی پارلیمنٹ کو تھا مگر جب سے سیاسی شعور بیدار ہوا اس وقت سے نیجیریا والوں نے یہ مطالبہ شروع کیا وطن کے دستور کو اہل وطن جس طرح چاہیں اپنے حالات کے مطابق بدل سکتے ہیں لہذا ان کے مطالبے پر گذشتہ دستور میں بہت سی تبدیلی کی گئی یہاں تک کہ یہ بات کہنا خلاف حقیقت نہیں کہ موجودہ دستور حکومت کل تو کل نہیں تو بیشتر حصہ ضرور نیجیریا والوں کے ہی دماغ کی اپج ہے یہ دستور لڑ جھگڑ کر اور بڑی جد و جہد کے بعد وجود میں آیا۔

نیجیریا میں تین سیاسی تحریکات پائی جاتی ہیں "حزب مجلس نیجر" "حزب اپنار شمال" اور "حزب العمل" ان تینوں پارٹیوں میں سب سے زیادہ مضبوط "حزب مجلس نیجیریا" ہے، جس کی قیادت آج کل ڈاکٹر ازکوی کو حاصل ہے، وہ ایک مشہور سیاسی مبصر

ہیں جنکو یورپ اور امریکہ کے سیاسی حلقہ میں بڑا تعارف حاصل ہے اور افریقہ میں اسی طرح محبوب ہیں جیسے کہ ہندوستان میں گاندھی جی تھے اور یہ سب سے پہلے شخص ہیں جو کینیا کی تحریکات کی طرف سے دفاعی مہم پر بھیجے گئے۔ غذیا میں تینوں تحریکات متحد ہو کر حکومت کے داخلی امور کو چلا رہی ہیں۔ ۱۹۴۷ء میں جبکہ نجیریا والوں نے برطانیہ کے دستور بدل ڈالا تو نجیریا کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا اور ہر حصہ میں الگ الگ مقامی حکومت قائم کر دی اور تینوں حکومتوں کا ایک مرکز بنا دیا جو ملک کے خارجی امور میں پورے ملک کا ذمہ دار قرار پایا۔ داخلی امور میں بھی بہت سی چیزوں کی ذمہ داری و نگرانی اس کے حوالہ کر دی گئی اور مغربی اور شمالی علاقے میں قبائل کے امراء کی ایک کمیٹی بنا دی گئی۔ مرکزی حکومت کو دیگر امور کے ساتھ ساتھ پورے ملک کے لئے قانون بنانے کا بھی حق دے دیا گیا، اس لئے مجلس تشریع کے نام سے ملک کے مختلف حصوں سے فاضل قانون داں اور علماء جمع کئے گئے۔ مشرقی نجیریا میں حزب مجلس نجیریا کے علاوہ دوسری پارٹیوں کے اثرات بہت کم ہیں اور یہ گروہ پورے ملک میں ان تینوں حصوں کو ملا کر صرف ایک حکومت بنانا چاہتی ہے۔

شمالی نجیریا میں "حزب انبار شمال" کی حکومت ہے جو یہ چاہتی ہے کہ مرکزی حکومت کے ماتحت تینوں صوبوں کی حکومت اپنا الگ الگ داخلی دستور اور قانون بنائیں اور مغربی حصہ میں حزب العمل زیادہ منظم ہے جو شروع ہی سے حزب مجلس نجیریا کی شدید مخالف ہے،

برطانیہ نے شروع ہی سے آپس میں اتحاد کی مخالفت اور تقسیم کی تائید کی ہے اور جنوبی علاقہ کو شمالی علاقہ سے الگ کرنے میں اس کا بہت ہاتھ رہا ہے اور مسلمانوں کے بعض امراء اور سلاطین کو اپنا کر طرح طرح کے مطالبے ملک کے مفاد کے خلاف کرائے حالانکہ شمال میں تعداد کے اعتبار سے امراء اور سلاطین بہت کم تھے پھر بھی انھوں نے مرکزی پالیمنٹ میں ۳۲۲ سیٹوں میں نصف خود حاصل کرنے کا مطالبہ کیا اور دوسروں نے صرف یہ سوچ کر کہ اگر ان کی بات نہ مانی گئی تو انگریز ان کو سکھا پڑھا کر ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا اور فسادی عناصر انھیں امراء کے ذریعہ سر اٹھائیں گے اور ملک میں تخریب پیدا کریں گے۔ ملک میں ایک بڑے خطرے کے روک تھام کے لئے امراء کے سارے مطالبات منظور کر لیے اور آنے والے بڑے خطرات سے جو ملک کی تقسیم کے بعد پیدا ہوتے اور پھر ملک میں مزید الجھنیں اور پریشانیاں پیدا ہوتیں اس وجہ سے مرکزی حکومت میں انکی نصف نشستیں منظور کر لی گئیں اور انگریز کا منصوبہ خاک میں مل گیا۔

تعلیم

نجیریا کے مغربی علاقہ میں تعلیم کا اوسط ۴۵ فیصدی ہے مشرقی علاقہ میں ۲۵ فی صدی اور شمالی علاقہ میں ۲۰ فی صدی۔ کل نجیریا میں ۹ ہزار ابتدائی مدارس قائم ہیں اور ۳۲۷ ثانوی اور ۱۲۳ ٹیچرس ٹریننگ کالج ہیں اور دو سال پہلے ایک بڑی یونیورسٹی کی تاسیس ہو چکی ہے جسکا تعلق ابھی تک اکسفورڈ یونیورسٹی سے ہے ان تمام مدارس اور اسکولوں پر حکومت خود خرچ کرتی ہے اس کے علاوہ عیسائی مشن کے ابتدائی اور ثانوی مدرسے جا بجا ہیں اور بعض بعض جگہوں پر شخصی مدرسے بھی ہیں جنکی صحیح تعداد اب تک شمار میں نہیں ان میں سے بعض مدرسے چند اسلامی تحریکوں کے زیر اثر چل رہے ہیں۔

عیسائی مشن اور ان کی سرگرمیاں

دنیا میں جہاں جہاں عیسائی مشن کام کر رہا ہے ان میں سب سے زیادہ کامیاب اور سرگرم نجیریا کا مشن سمجھا جاتا ہے اس کے فعّال اور سرگرم ہونے کی سب سے بڑی دلیل عیسائی مدارس کی کثرت اور ملک بھر میں پھیلے ہوئے مرکزوں کا وجود ہے جس کی وجہ سے وہ رائے عامہ پر بہت کافی اثر انداز ہوتے رہتے ہیں

نجیریا کا جدید دستور جس میں نجیریا کو ۱۹۵۶ء میں آزاد کرنے اور انگریزوں کے ملک سے نکل جانے کا مطالبہ ہے۔ اس کے نفاذ سے قبل ہی مشن یہ کام کر لینا چاہتا ہے کہ زیادہ تر آدمیوں کو اپنا بنا لے اور مغربی تمدن کا لوگوں کو عادی بنا دے تاکہ یورپ کی مصنوعات کے لئے نجیریا عریض منڈی کے طور پر استعمال کیا جا سکے۔ انھیں چیزوں کے پیش نظر نجیریا کے مسلمانوں کو برائے تعلیم یورپ بھیجنا شروع کر دیا گیا۔ تقریباً

آٹھ سو افراد انگلینڈ روانہ کئے گئے ہیں جس میں دو سو عورتیں ہیں یہ سب اعلیٰ تعلیم کے لئے بھیجے گئے ہیں اور امریکہ میں ۶۰ طلبہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں جن میں ۲۵ لڑکیاں ہیں یہ سب کے سب عیسائی مشن کے بھیجے ہوئے ہیں اب تک کا تجربہ یہ ہے کہ جو لوگ یورپ سے پڑھ کر واپس ہوئے ہیں انھوں نے ملک میں آکر انگریزوں کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا اور اسلامی ملکوں کے آپس میں ملنے میں وسیع خلیج بن گئے مغربی تہذیب کے اثرات کے باوجود بعض دینی جماعتوں نے پبلک کو اپنی طرف متوجہ کرنا شروع کر دیا ہے مصر کی مشہور دینی اور سیاسی پارٹی " اخوان المسلمین " نے اپنے مراکز یہاں قائم کرنا شروع کر دیئے ہیں جس سے امید ہے کہ یورپین حکومتوں کی غلامی سے ملک ذہنی طور پر آزاد ہو جائے گا اور آزادی کا شعور ہر شعبہ زندگی میں پیدا ہو جائے گا اور نیجیریا میں اسلام کے زندگی بخش اصولوں پر ایک صحت مند انقلاب برپا ہو سکے گا۔

لا الٰہ الا اللہ

فضا ابن یحییٰ اعظمی

ضیائے حسنِ قدم لا الٰہ الا اللہ　　　ورائے ہست و عدم لا الٰہ الا اللہ

سوادِ دیدۂ مومن میں ہے نظر بن کر　　　کتابِ دل پہ رقم لا الٰہ الا اللہ

اسی سے گرم ہے روحِ عصائے دستِ کلیم　　　یقیں کی تیغِ دودم لا الٰہ الا اللہ

سرور و آرزو و جستجو و سوز و ثبات　　　سرودِ لوح و قلم لا الٰہ الا اللہ

نہ میکدہ نہ صنم خانہ، دیر و در نہ کنشت　　　جہاں تمام حرم لا الٰہ الا اللہ

یقیں کی منزلِ محمود و مستقیم و بلند　　　نہ اس سے بیش نہ کم لا الٰہ الا اللہ

پکار اٹھے، ہو اللہ واحدٌ صمدٌ　　　صنم رہے نہ صنم لا الٰہ الا اللہ

اسی سے آتشِ نمرود بن گئی گلزار　　　بہارِ حسنِ قدم لا الٰہ الا اللہ

اسی نے غنچہ آذر کو خندہ ریز کیا　　　نسیمِ صبحِ کرم لا الٰہ الا اللہ

اس آبجو سے ہی یہ کشتِ دو جہاں سیراب　　　حریفِ موجۂ یم لا الٰہ الا اللہ

اسی کے نور سے روشن جہاں کا آئینہ

فروغِ صبحِ حرم لا الٰہ الا اللہ

کوثر نیازی

رسولِ عربی

قیصر و کسریٰ و خاقان، رسولِ عربی
تیرے دربانوں کے دربان، رسولِ عربی

رات سجدے میں گزاری ہو تو دن غزوے میں
اللہ اللہ تری شان، رسولِ عربی

گالیاں کھا کے دعاؤں سے نوازا تو نے
تیری رحمت کے میں قربان رسولِ عربی

آدمیت کو تو ہم سے چھڑایا تو نے!
آدمیت کے دل و جان، رسولِ عربی

جن کے سینوں میں محبت تھی تو چہروں پہ جلال
اب کہاں ہیں وہ مسلمان، رسولِ عربی

دیدنی ہے یہ تماشا کہ صنم خانوں کے
دین والے ہیں نگہبان، رسولِ عربی

آج اسلام ہو اپنوں کی نوازش کا شکار
آج مظلوم ہے قرآن، رسولِ عربی

ایک اک کر کے فراموش کئے ہیں ہم نے
حق سے باندھے ہوئے پیمان، رسولِ عربی

اب غریبوں کو نہیں پوچھنے والا کوئی!
اے غریبوں کے نگہبان، رسولِ عربی

آج بھی طائف و احزاب ہیں اسیر شاہد
حق پہ چلنا نہیں آسان، رسولِ عربی

تنگ و دو ایک زمانے سے کئے جاتے ہیں
تیرے کچھ بے سر و سامان، رسولِ عربی

تخت پر "کذب" کو سینے سے لگا یتوا لے
قید میں تیرے ثنا خوان، رسولِ عربی

حق سے تو اسکی ہدایت کی سفارش کر دے
کہ مری قوم ہے نادان، رسولِ عربی

سننے والا نہیں کوئی بھی مگر گاتا ہوں
نغمۂ کہنۂ فاران، رسولِ عربی

•

محسن اعظم گڑھی

"آدمیت ناز کرتی ہے"

فرشتے سرنگوں ہیں حق کی رحمت ناز کرتی ہو
زمیں والے فلک کی تجھ پہ رفعت ناز کرتی ہے

بڑھا جاتا ہے کیوں یہ خود بخود معیار انسانی
یہ کون آیا یہ کس پر ـــ آدمیت ناز کرتی ہے

جناب آمنہ کو ناز تھا کل اپنی قسمت پر
جناب آمنہ پر آج ـــ قسمت ناز کرتی ہے

یہ در وہ در ہے جس در کی ملک کرتے ہیں دربانی
یہ گھر وہ گھر ہے جس گھر پر شرافت ناز کرتی ہے

خدا یکتا نبیؐ بے مثل قرآں منفرد محسن
دکھا کر شانِ یکتائی مشیت ناز کرتی ہے

عارف حسین

دو غزلیں

جو جانتا نہیں آہ و فغاں کے افسانے — وہ داستانِ گل و عندلیب کیا جانے

یہ پستیوں کے مکیں ظلمتوں کے دیوانے — چلے ہیں قوم کو راہِ نجات دکھلانے

الجھ چکے ہیں جو خود پیچ و خم میں زلفوں کے — چلے ہیں کاکلِ گیتی کو آج سلجھانے

جو موج و بحر و تلاطم کو کھیل کہتے تھے — لگے ہیں خود ہی کناروں سے آج گھبرانے

یہ بزم سرخ ہے تھوڑی سی دیر کی عارف
جلیں گے سرخ چراغوں سے سرخ پروانے

افتخار اعظمی

صبا کی طرح ذرا بھی کوئی مقام نہیں
ترا چمن، چمنِ کابل و ہرات نہیں

فغانِ نیم شبی میں کہاں سے آئے اثر
دل و جگر میں اگر گرمیٔ حیات نہیں

ازل سے جن کا نشیمن ہیں بحر کی موجیں
انہیں پسند کبھی "راوی و فرات" نہیں

کوئی نہیں ہے جو رہبر تو نا اُمید ہو کیوں
تری نگاہ میں آخر خدا کی ذات نہیں

"بتانِ ہند" کے جلوے مری نظر میں کہاں
حریمِ قلب مرا یعنی "سومنات" نہیں

اجاڑتی ہے خزاں تو اجاڑ لے گلشن!
یہ جان لے کہ اُسے بھی یہاں ثبات نہیں

جو پائیدار ہو نظامِ جہاں تو بات بنے
نہیں تو اور کوئی راہِ نجات نہیں

روحِ انتخاب

مسلمانوں کا نصب العین کیا ہونا چاہیئے

پالٹیکس جس کی طرف اب مدتوں کی غفلت کے بعد مسلمانوں نے شیفتگی کی نظر اٹھائی ہے، قومی زندگی کے اعمال کا ایک سب سے بڑا شعبہ ہے۔ لیکن ہم اسے مسلمانوں کے لیئے کوئی اصلی اور بنیادی شے نہیں سمجھتے۔ اور قوموں کے لیئے اگر سیاست ان کے تمام اعمال کی بنیاد ہے تو اس لیئے کہ زندگی کی حرارت پیدا کرنے کے لیے وہ سیاسی جذبات سے ایک گرم انگیٹھی کا کام لیتے ہیں۔ لیکن جس قوم کے پاس ایک شعلہ فشاں آتشکدہ موجود ہو اُسے انگیٹھی کی کیا ضرورت ہے؟ جب تنور گرم ہو جاتا ہے تو بہت سی انگیٹھیاں اس سے گرم کر لی جاسکتی ہیں۔ لیکن انگیٹھی تنور کا کام نہیں دے سکتی۔ اس وقت برسوں کے جمود نے کروٹ لی ہے اور گویا انقلاب و تغیر کا ایک اچھا موسم مسلمانوں پر گذر رہا ہے۔ اس وقت جس چیز کی تخم ریزی کر دی جائے گی، آگے چل کر اسی کے پھل کو اپنے دامن میں دیکھ سکیں گے پس اس بارے میں میری دعوت کا لب لباب یہ ہے کہ مسلمان محض پالٹیکس ہی کو اپنا مقصودِ حقیقی نہ بنائیں اور اس طرح ایک عمدہ موسم کو، جس میں وہ شاید ایک پورا باغ لگا سکتے ہیں، صرف ایک درخت ہی کے بونے میں ضائع نہ کر دیں۔ دوسری قوموں کی نظروں پر نظر رکھنا ان کے لئے کچھ سودمند نہیں ہو سکتا۔ ان کو صرف اپنے اوپر نظر رکھنی چاہیئے۔ کیونکہ ان کے پاس ایک شے ہے جو اوروں کے پاس نہیں ہے اور جس کو اپنا مقصود بنا کر وہ ان تمام چیزوں کو بھی بوجہ احسن و اکمل پا سکتے ہیں، جو اور قومیں حاصل کر رہی ہیں۔ ان کو چاہیئے کہ ہر طرف سے آنکھیں بند کر کے اس شے کو اپنا اصل مقصود اور نصب العین بنائیں۔ جس کی تلاش میں انہیں گھر سے نکلنے کی ضرورت نہیں، بلکہ ہمیشہ سے وہ خود ان کے گھر کے اندر موجود ہے یعنی صرف اتباعِ دینِ مبین اور اعتصام بحبل اللہ المتین۔ ان کے لیئے ان کے خدا کی طرف سے ایک دائمی مقرر کردہ نصب العین ہے۔ اور ایک مسلم ہستی کے لئے اس کے سوا کوئی مقصودِ حقیقی نہیں ہو سکتا۔ نہ پالٹیکس، نہ تعلیم نہ اخلاق نہ معاشرت، کیونکہ زمین پر جس قدر "کمال" اور "جمال" ہے، وہ سب اس سے ہے یہ چیز کسی چیز سے نہیں۔ دنیا میں جس قدر خوبیاں اور محاسن ہیں سب اس کے نیچے ہیں۔ کیونکہ اس کے اوپر الوہیت کے درجے کے سوا اور کوئی درجہ نہیں۔ دنیا میں جس وقت سے انسانی ہدایت و شقاوت کا سلسلہ شروع ہوا ہے، صرف یہی ایک صراطِ مستقیم اور ملتِ قویمہ تمام انسانی فلاح و اصلاح کا وحدہٗ لاشریک وسیلہ رہی ہے

هُوْدًا اَوْ نَصَارٰی تَهْتَدُوْا قُلْ بَلْ مِلَّةَ
اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ
قُوْلُوْا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَا
اُنْزِلَ اِلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ
وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَا اُوْتِيَ مُوْسٰی وَعِيْسٰی

اور یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہودی یا عیسائی بن جاؤ تو ہدایت پاؤ گے (یعنی اسلام کے سوا اور طریقے اختیار کرو) اے پیغمبرؐ کہہ دے کہ کبھی نہیں ہمارے لئے تو صرف ابراہیمؑ کی ملت کا طریقہ، ہدایت ہے اور اے مسلمانو! تم بھی کہہ دو کہ ہمارا طریق یہی ہے کہ اللہ پر ایمان لائے ہیں اور قرآن پر جو ہم پر اُترا، اور اس تعلیم پر جو ابراہیمؑ، اسمٰعیل، اسحٰق، یعقوب اور اولادِ یعقوب پر اُتری اور موسیٰ و عیسیٰ کو جو تعلیم دی گئی اور

وَمَآ اُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ

انھیں پر موقوف نہیں بلکہ در اصل اور تمام پیغمبروں اور رسولو کو ان کے پروردگار کی طرف سے جو تعلیم دی گئی ان سب کی تعلیم ایک ہی طریق اسلام کی تھی پس ہم ان میں کوئی تفریق اور امتیاز نہیں کرتے کیونکہ ہم مسلمان ہیں -

ترجوا النجات ولم تسلک مسالکہا
ان السفینۃ لا تجری علی الیبس

اگر مسلمانوں نے اپنے لیے ایک نہایت آزادانہ پولیٹیکل پالیسی تیار کر لی، کانگریس سے بہتر ایک پروگرام اُن کے ہاتھ میں ہوا، آئرلینڈ کے حکومت طلبوں سے بھی بڑھ کر جوش، اور سرگرمی پیدا کر لی، پالٹکس میں وہ از سرتاپا غرق ہو گئے، ان کا ہر فرد گیٹارہسٹون اور مارلے ہو گیا، لیکن ساتھ ہی اگر انہوں نے اپنے معتقدات اور اعمال کے اندر اسلام کی عملی روح پیدا نہ کی، اپنے تئیں دین الٰہی کی سلطنت کے ماتحت داخل نہ کیا، اور خشیت الٰہی اور زاد تقویٰ سے محروم رہے، تو میں اس یقین کی لازوال طاقت کے ساتھ جس کے لئے کبھی موت اور شکست نہیں، اس بصیرت الٰہی کے ساتھ جس میں کبھی تزلزل اور تذبذب نہیں، از سرتاپا صدائے ربانی بن کر کہتا ہوں کہ اگر آگ جلاتی، اور پانی ڈباتا ہے، اگر آفتاب مشرق سے نمودار ہوتا، مگر مغرب کی جانب غروب ہوتا ہے - اگر مچھلی خشکی میں، اور پرند دریا میں زندہ نہیں رہ سکتا، اگر قوانین فطریہ اور نوامیس طبعیہ میں تبدیلی نہیں ہو سکتی، اور اگر یہ سچ ہے کہ دو اور دو پانچ نہیں بلکہ ہمیشہ چار ہوتے ہیں، تو یہ بھی کبھی نہ مٹنے والی صداقت، اور صفحۂ کائنات پر نقش سنگی ہے کہ مسلمانوں کو یہ تمام نری سیاسی ہنگامہ آرائیاں تعلیم و تربیت کا غوغائے محشر خیز، اور پولیٹیکل پالیسی کے تغیر و تبدل کا ہیجان اور طوفان ایک لمحہ، ایک دقیقہ، ایک عشرۂ دقیقہ تک کے لیے بھی کچھ نفع نہیں پہنچا سکے گا - ان کی تمام جد و جہد بے کار ہو جائے گی - تغیر کا ابر ان پر سے بغیر ایک قطرہ بارش کے گذر جائے گا - ان کی امیدوں کی خشک سالی بدستور باقی رہے گی، وہ جس قدر سعی رہائی کریں گے اتنا ہی چاروں طرف کی لپٹی ہوئی زنجیروں کی بندش سخت تر ہو جائے گی گمراہی و ضلالت کا شیطان کبھی اُن سے الگ نہ ہوگا - اُن کے گلوں میں جو طوق مذلت، اور پاؤں میں جو زنجیر ادبار و تسفل پڑی ہوئی ہے، وہ قیامت تک نہ ٹوٹے گی - جہالت و ضلالت: اسیر و غلامی، ذلت و خواری کی صفوں میں ہمیشہ محصور رہیں گے اور دنیا میں ایک لمحہ کے لئے بھی اُن کو قومی عزت کا چہرہ دیکھنا نصیب نہ ہوگا خَسِرَ الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃَ ط ذٰلِکَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ

اِنَّ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى یَلِجَ الْجَمَلُ فِیْ سَمِّ الْخِیَاطِ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُجْرِمِیْنَ

جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور جھکنے کی جگہ غرور سے اکڑ بیٹھے تو یاد رکھو کہ ان کے لئے نہ تو آسمانوں کے دروازے کھلیں گے اور نہ بہشت کی زندگی انھیں نصیب ہوگی ہاں اگر ایسا ہو سکتا ہے کہ سوئی کے ناکے میں سے اونٹ گذر جائے تو یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ہماری آیات کو جھٹلا کر پھر فلاح و برکت بھی حاصل کر سکیں اور مجرموں کی یہی سزا ہے -

---

میں نے کہا کہ "اگر آگ جلاتی اور پانی ڈباتا ہے" نہیں بلکہ میں کہتا ہوں کہ یہ تو ممکن ہے کہ آگ نہ جلائے اور پانی نہ ڈبائے مگر یہ تو کسی طرح ممکن نہیں کہ خدا کا وہ قانون شقاوت و ہدایت بدل جائے ——— جس کے لئے ابتدائے خلقت بنی آدم سے آج تک تاریخ میں کوئی مستثنیٰ شہادت موجود نہیں - یہ میں لکھ رہا ہوں اور میرے اندر

یقین اور اعتقاد کی ایک آواز بے چین و مضطرب ہے۔ مگر افسوس کہ اس کی ترجمانی کے لئے مجھے الفاظ نہیں ملتے، حیران ہوں کہ کیونکر، اور کن لفظوں میں اپنا دلی یقین آپ کے دلوں میں بھی پیدا کر دوں؟ تاہم میں یہ کہنے سے کبھی نہ تھکوں گا کہ جن احکام اسلام کو آپ نہایت بے پروائی سے ایک مذہبی بندش کہہ کر گذر جاتے ہیں: وہ بندش تو ضرور ہے۔ مگر ایک ایسے قانون کی بندش ہے، جس کی سلطنت تمام قوانین مادیہ کے نظام حکومت سے بالاتر اور وراء الوریٰ ہے۔ اور نظام کائنات کے تمام اجزاء اسی بندش سے بندھ کر مرتب اور منتظم ہوئے ہیں۔ یہی بندش ہے کہ لسان الٰہی نے اس کو کہیں "حدود اللہ" کے لفظ سے یاد کیا ہے، کہیں "سنۃ اللہ" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، کہیں "فطرۃ اللہ" اس کا نام رکھا ہے۔ کہیں "صراط مستقیم" کہا ہے، اور کبھی "دین قیم" کے خطاب سے یاد کیا ہے، وہ فی الحقیقت ایک ربانی حکومت کا انتظام ہے، اور جب کوئی فرد یا قوم اس کے تحت و تسلط سے نکلنا چاہتی ہے تو وہ گویا خدا کے ساتھ اعلان جنگ کر دیتی ہے پھر اس کی زندگی اور زندگی کے تمام اعمال یکسر بغاوت اور سرکشی ہو جاتے ہیں، اور وہ رحمانی سلطنت سے نکل کر شیطانی حکومت میں داخل ہو جاتی ہے۔

یَا أَیُّھَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّکَ بِرَبِّکَ الْکَرِیْمِ ۝ (۸۲: ۶)

خدا کہتا ہے کہ "اے انسان حقیر! بتلا کہ کس چیز نے تجھ کو اس پر آمادہ کر دیا کہ اپنے ربّ کریم سے بغاوت کر دے"؟ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک باغی انسان کو کوئی گورنمنٹ پناہ نہیں دے سکتی اسی طرح رب السماوات والارض کی بغاوت اور قانون شکنی کے بعد بھی کائنات کا ہر دروازہ اس پر بند ہو جاتا ہے کسی سعی میں وہ کامیاب نہیں ہوتا اور کوئی کوشش اس کی فلاح یاب نہیں ہوتی

وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ
وَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ

جو شخص اسلام کے سوا کسی دوسری تعلیم کو تلاش کرے گا اس کی سعی و تلاش کبھی مقبول نہ ہوگی اور اس کے تمام کاموں کا آخری نتیجہ ناکامی و نامرادی ہی ہے۔

قرآن مجید نے امم سابقہ و اقوام پیش کا تذکرہ بار بار کیا ہے۔ یہ صرف اس لئے ہے کہ اس "قانون ہدایت و شقاوت" کے نتائج پر انسان کو توجہ دلائی جائے۔ جا بجا ان اقوام متمدنہ منظمہ کی طرف اشارہ کیا ہے جو آنے والی اقوام سے زیادہ قوی اور مستحکم تمدن رکھتی تھیں۔ لیکن جب انہوں نے احکام الٰہیہ کو پس پشت ڈال دیا، اور خدا کی حکومت میں رہ کر اس سے بغاوت اور سرکشی شروع کر دی، تو کوئی انسانی سعی و تلاش فلاح ان کو ہلاکت و بربادی سے نہ بچا سکی۔ یہاں تک کہ آج ان کے آثار و اطلال بھی دنیا میں باقی نہیں۔

اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ
عَاقِبَۃُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ کَانُوْٓا اَشَدَّ
مِنْھُمْ قُوَّۃً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْھَآ
اَکْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْھَا وَجَآءَتْھُمْ رُسُلُھُمْ
بِالْبَیِّنٰتِ ط فَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیَظْلِمَھُمْ وَلٰکِنْ
کَانُوْٓا اَنْفُسَھُمْ یَظْلِمُوْنَ ۝ (۳۰: ۸)

کیا یہ لوگ زمین پر چلتے پھرتے نہیں؟ اگر پھرتے تو دیکھتے کہ جو قومیں ان سے پہلے ہو گذری ہیں ان کا کیا انجام ہوا؟ یہ وہ قومیں تھیں، جو ان سے تمدن و ترقیات اور قوائے جسمانی میں کہیں قوی تھیں، انھوں نے زمین پر اپنے کاموں کے نشان چھوڑے ہیں اور جس قدر تم نے اس کو متمدن بنایا ہے اس سے کہیں زیادہ انہوں نے تمدن پھیلایا، لیکن جب ہمارے رسول ان میں بھیجے گئے اور ہماری نشانیاں اُن کو دکھلائی گئیں تو انہوں نے سرکشی اور بغاوت سے جھٹلا دیا اور برباد و فنا ہو گئے خدا ظلم کرنے والا نہ تھا۔ لیکن خود انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا۔ (از اذکار آزاد)

ہماری نظر میں

منتخب نظمیں

مرتبہ : کوثر نیازی
ضخامت : ۱۲۴ صفحات، رنگین گردپوش
قیمت : ایک روپیہ آٹھ آنے
ملنے کا پتہ : مکتبہ چراغ راہ کراچی

نظموں اور غزلوں کے مجموعے پاکستان اور ہندوستان میں ہمیشہ شائع ہوتے رہتے ہیں مگر جناب کوثر نیازی نے نظموں کا جو مجموعہ مرتب فرمایا ہے وہ اپنی جامع خصوصیات کے اعتبار سے منفرد ہے۔

اس مجموعہ کا ایک مصرعہ بھی بے مقصد نہیں ہے اور نہ اس میں کوئی ایسی نظم شامل ہے جو محض تفریح طبع کی خاطر کہی گئی ہو، آغاز سے لیکر اختتام تک تمام نظمیں اسلامی انقلاب کی داعی اور اخلاق و پاکیزگی کی ترجمان ہیں، ان نظموں میں جوش ہے، ولولہ ہے، اور سب سے بڑھکر یہ کہ صداقت اور خلوص ہے۔

نعیم صدیقی، عاصی کرنالی، ملک نصر اللہ خاں عزیز، قابل اجمیری، شمیم جاوید، ضیاء محمد ضیاء، اعظم ادیب، محمد یعقوب طاہر، کوثر نیازی، مسعود جاوید، آباد شاہپوری، عاصی ضیائی، ارشد کاظمی، طالب حجازی اور ماہر القادری ...... جیسے فنکاروں کے شاہکار اس مجموعہ "منتخب نظمیں" کی زینت ہیں، ان میں پختہ کار، نومشق اور وہ شعراء جن کے افکار پختگی کی سرحدوں کو چھونے لگے ہیں، دوش بدوش نظر آتے ہیں، اس لئے قدرتی طور پر بلندیوں کے ساتھ کہیں کہیں پستیاں اور پختہ مشقی کے ساتھ خامیاں بھی پائی جاتی ہیں۔ جہاں نام نہاد "ترقی پسند شاعری" کی نقل اتارنے کی کوشش کی گئی ہے، وہ حصے وجدان کو بہت زیادہ کھٹکتے ہیں۔

مجموعی طور پر "منتخب نظمیں" ایک مفید ادبی و شعری پیش کش ہے۔ جہاں تک کتاب کے ۲۲ - ۱۸ کا تعلق ہے۔ "عروس جمیل اور لباس حریر" کی ضرب المثل اس پر صادق آتی ہے، کتابت، طباعت، کاغذ، غرض ہر چیز دیدہ زیب اور نظر افروز ہے اور سرورق تو اس قدر حسین ہے کہ بس دیکھتے ہی رہیئے۔

جناب خالد احمد صدیقی (پرنٹر اور پبلشر) نے اس مجموعہ کو چھاپ کر نفاست ذوق کا ثبوت دیا ہے، ہم ان سے توقع رکھتے ہیں کہ اسی انداز پر منتخب افسانے اور علمی و تنقیدی مضامین بھی شائع فرما کر شعر و افسانہ اور تنقید و ادب کی فضا کو پاک و مطہر بنا دیں۔

پہلی بار ——— ! نقش اوّل، نظموں اور "ہماری نظر میں" کے علاوہ اس شمارہ کے دوسرے مضامین کا انتخاب، ترتیب و تصحیح جناب ماہر القادری صاحب مدیر "فاران" کی علالت کے زمانہ میں "فاران" کے قلمی معاونین نے کی ہے، اور رجب سے "فاران" نکلنا شروع ہوا ہی یہ صورت پہلی بار پیش آئی ہے ——— !

مسرور حسین کارکن "فاران"

فاران

کراچی

پاکستان

ماہر القادری

جلد ۵ — نمبر ۱۱

ماہنامہ

فاران

فروری سنہ ۱۹۵۴ — ایڈیٹر:- ماہر القادری

چندہ سالانہ

۶ روپیہ (پاکستانی) — فی پرچہ ۸/

۸ روپیہ (ہندستانی) — فی پرچہ ۱۱/

مقام اشاعت — دفتر فاران کیمبل اسٹریٹ کراچی نمبر ۱

نظم و ترتیب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ اوّل!

انسانی تاریخ کے آغاز سے لیکر آج تک کوئی دَور ایسا نہیں گزرا، جس میں حق اور باطل کے درمیان کسی نہ کسی عنوان سے آویزش نہ رہی ہو، ہر زمانہ میں "شرارِ بولہبی" "چراغِ مصطفویؐ" سے ستیزہ کار رہا ہے، حزب اللہ کے مقابلہ میں حزب الشیطان کے وجود سے بھی دُنیا کبھی خالی نہیں رہی، سچائی کو جھوٹ اور دغا نے ایک لمحہ کے لئے بھی چین سے نہیں بیٹھنے دیا، اور گمراہی نے ہمیشہ ہدایت کا مُنہ چڑانے کی کوشش کی ہے!

حق و باطل کی اس مسلسل کشمکش میں اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی مصلحت اور حکمت پوشیدہ ہے! اگر یہ کشمکش نہ ہو تو حق شناسوں اور باطل پرستوں میں امتیاز کسی طرح ہو، حق و باطل کا یہ تصادم و نزاع حقیقت میں قدرت کی طرف سے امتحان اور آزمایش ہے کہ جماعتیں اور افراد ان دونوں میں سے کس کا ساتھ دیتے ہیں! یہ انسانوں کے فکر و نظر کی، فہم و شعور کی، یقین و ایمان کی، ایثار و تقویٰ کی اور جذبات و داعیات کی آزمایش ہے، اس کسوٹی پر کھوٹے کھرے کی تمیز ہوتی ہے اور اس امتحان میں اہلِ نفاق اور صاحبانِ اخلاص الگ الگ ہو جاتے ہیں اور اُن کے درمیان کسی قسم کا التباس یا اشتباہ باقی نہیں رہتا۔

تاریخ ہمیں یہ بھی بتاتی ہے کہ دُنیا میں جب بھی فتنہ و فساد کے شعلے بھڑکے ہیں تو مُفسدین اور اشرار نام نہاد "مصلحین" کا رُوپ دھار کر منظرِ عام پر آئے ہیں، ظالموں نے سدا عدل و انصاف کے نام پر ظلم کیا ہے اور غارت گروں نے تعمیر کا نام لیکر شہروں کو لوٹا اور بستیوں کو اُجاڑا ہے! کتنے بھیڑیے ہیں جو گوسفندوں کی کھالیں اوڑھ کر نمودار ہوئے ہیں اور کتنے لٹیرے ہیں جنھوں نے

لوگوں کو پاسبانی اور حفاظت کا یقین دلا کر شب خوں مارے ہیں۔

پاکستان میں آج اسی قسم کا ایک فتنہ اُبھر رہا ہے، جس کی روک تھام اگر بروقت نہ ہوئی اور مسلمانوں کے دین و ایمان کو اس فساد سے بچانے کی تدبیر اختیار نہ کی گئیں تو اندیشہ ہے کہ اس "شجر خبیث" کی جڑیں مضبوط ہو جائیں گی اور یہ آگ پھیلتی چلی جائے گی اور اس کی لپیٹ میں جو مسلمان بھی آ جائے گا، اُس کے پاس یقین و ایمان کی خاکستر کے سوا اور کچھ نہ رہے گا۔

اب سے تقریباً ساٹھ سال قبل پنجاب میں چکڑالہ کے عبداللہ نامی ایک نیم مغلوج شخص نے حفاظتِ قرآن کے نام پر "انکارِ حدیث" کا فتنہ کھڑا کیا تھا، اُس کے زمانہ میں یہ فتنہ اُبھرنے نہیں پایا، کسی نے جانا کسی نے نہ جانا، یہاں تک کہ چالیس سال تک یہ فتنہ دبا رہا، اتنی مدت کے بعد تاریخ الامت کے مصنف اسلم صاحب جیراج پُوری نے اس دبے ہوئے فتنہ کو پھر سے اُبھارا اور وہ اپنے مضامین کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس احادیث کو مسلمانوں کی نظر میں بے اعتبار ٹھہرانے کی جدوجہد کرتے رہے!

حافظ محمد اسلم صاحب جیراج پوری دلّی میں رہتے تھے (اور اب بھی رہتے ہیں) اور جامعہ ملیہ میں اُستاد تھے اُسی زمانہ میں مسٹر غلام احمد پرویز گورنمنٹ آف انڈیا کے کسی دفتر میں کلرک تھے، پرویز صاحب کو مضمون نگاری کا شوق تھا، اور اُن کے مضامین بعض رسالوں میں چھپا بھی کرتے تھے، دلّی میں جیراج پُوری صاحب کے ساتھ اُن کی صحبتیں رہیں اور اُن کا رنگ چڑھنا شروع ہوا، پرویز صاحب کا دینی مطالعہ اتنا کم تھا کہ نہ ہونے کے برابر تھا، عربی نہ جاننے کے سبب قرآن و حدیث کے علوم سے وہ براہِ راست استفادہ بھی نہ کر سکتے تھے اُن کے پاس اگر کوئی چیز تھی تو لے دے کے اُن کا افسانوی اندازِ تحریر تھا، اس کم علمی اور دینی علوم سے بے خبری کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلم صاحب جیراج پوری نے احادیثِ نبویؐ کے بارے میں اپنے جن گمراہ کن نظریوں کی تلقین کی پرویز صاحب اُن پر ایمان لے آئے۔ اور اُنھوں نے پھر اپنے مضامین کے ذریعہ احادیث کی مخالفت شروع کر دی۔

تقسیم ہند کے بعد پاکستانی حکومت کے اسسٹنٹ سکریٹری مسٹر پرویز کو سرکاری حلقوں کے کچھ مغرب زدہ حاشیہ نشین جو ہاتھ لگے تو یہ "نَے" اور زیادہ بڑھ گئی اور حضور خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی احادیث کی مخالفت کا جذبہ جنون کی حد تک پہونچ گیا۔

• اب مسٹر پرویز نے احادیثِ رسولؐ کے خلاف باقاعدہ ایک محاذ قائم کر لیا ہے، "تحریک مخالفِ حدیث" "Anti Hadith Movement" کے یہ حضرت خود ہی سربراہ کار بلکہ قاید ہیں، قیادت کی تمنا پرویز صاحب مدتوں سے دل میں لئے بیٹھے ہیں اور اب چند سفہا اور حمقا، کی بے دانشی مغرب زدگی اور دین سے بے خبری کی بدولت اُن کی یہ دیرینہ تمنا پروان چڑھ رہی ہے۔

"فتنۂ انکارِ حدیث" پہلے رسالہ طلوعِ اسلام کے صفحات اور چند کتابوں تک محدود تھا اب اس فتنہ نے ایک مستقل ادارے بلکہ تحریک کی صورت اختیار کر لی ہے، "حفاظتِ قرآن" کا فریب دے کر ہندوستان اور پاکستان میں "منکرینِ حدیث" کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر اس ادارے کا رکن بنایا جا رہا ہے، بہت بڑے سرمایہ سے ایک روزنامے کے اجرا کی اسکیم بھی پیشِ نظر ہے، اس سلسلہ میں نشر و اشاعت کے تمام ذرائع اختیار کئے جا رہے ہیں۔

"فتنۂ انکارِ حدیث" اپنے دور رس نتائج کے اعتبار سے "الحاد و دہریت" سے کسی طرح بھی کم خطرناک اور ضرر رساں نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا انکار حقیقت میں منصب رسالت کا انکار ہے! اس لئے اس فتنہ کو حقیر جان کر اس سے صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا!

دورِ حاضر کی مادہ پرست فطرت نے عام طور پر لوگوں کو آخرت فراموش اور ہوا و ہوس کا پرستار بنا دیا ہے، لوگ دین کی تکلیفات، شریعت کی پابندیوں اور مذہب کے بندھنوں سے چھٹکارا چاہتے ہیں، اور اگر کوئی شخص "دین" (؟) کا ایسا تصور پیش کر دے کہ جس میں نہ نماز کو کوئی اہمیت حاصل ہو اور نہ روزے کی پابندی ضروری ہو، اسی طرح شریعت کی تمام پابندیوں کو "دینِ ملا" کہہ کر ایک جھٹکے میں توڑ دے اور دین سے اس کھلی ہوئی بغاوت پر خدا پرستی اور قرآنی نظام کی تجدید و احیاء کا لیبل لگا دے، تو ایسے "مفسرِ قرآن" (؟) اور "مبلغِ دین متین" (؟) کو اُن لوگوں میں یقیناً مقبولیت حاصل ہوگی جن کی نفسانی خواہشوں کی راہ میں دین کی پابندیاں سب سے بڑی رکاوٹ بنی ہوئی ہیں ——— جناب پرویز نے ٹھیک یہی طریقہ اختیار کیا ہے، اور اُن کی تحریروں کا زیادہ تر وہی افراد اثر قبول کرتے ہیں، جن کی فطرت دین سے بغاوت پر آمادہ ہے اور جن کے فکر و نظر پر مغرب زدگی اور مادہ پرستی کا غلبہ ہے!

پرویز صاحب نے مسلمانوں کو ایک دھوکا یہ بھی دیا ہے کہ رسالہ "طلوعِ اسلام" کے سرورق پر برسوں علامہ اقبال کی تصویر شائع کی ہے اور خود کو شاعرِ مشرق کا بہت بڑا عقیدت مند اور اُن کے کلام کا شارح بنا کر پیش کیا ہے! بعض لوگ اس دھوکے سے کا ہیکو بچ سکے ہوں گے کہ پرویز صاحب طلوعِ اسلام کے ذریعہ جن نظریوں کی تبلیغ کرتے اور احادیثِ رسول کو بے اعتبار ٹھیراتے ہیں ——— علامہ اقبال کے بھی یہی معتقدات اور نظریے ہوں گے! حالانکہ اقبال کے شاگرد، ہم نشین، اُن کے دوست اور دیکھنے والے آج بھی موجود ہیں اور وہ اس پر گواہ ہیں کہ اقبال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور افعال کو دین میں حجت سمجھتے تھے اور وہ اگر آج زندہ ہوتے اور پرویز صاحب اُن کے سامنے حدیث کی مخالفت میں لب کشائی فرماتے تو علامہ اقبال ان کو اپنی محفل سے اُٹھوا دیتے، اقبال کی دینی غیرت منصبِ رسالت کی اس توہین کو گوارا نہیں کر سکتی تھی۔

منصبِ رسالت اور اس کی ذمہ داریاں

وہ حضرات جن کو صلح و آشتی کا وہم ہو جاتا ہے، اُن کی طرف سے یہ اعتراض وارد کیا جا سکتا ہے کہ "انکارِ حدیث" کو "انکارِ منصبِ رسالت" کہنا ایک درشت آمیز طنز ہے! حالانکہ نہ یہ طنز ہے اور نہ اس میں درشتی و خشونت پائی جاتی ہے، یہ واقعیت کی ہو بہو ترجمانی اور حقیقت کی صحیح عکاسی ہے، خود قرآنِ پاک جس نے "جدالِ احسن" کا حکم دیا ہے، کافروں، مشرکوں، منافقوں، ریاکاروں، فاسقوں اور شیطان کی پیروی کرنے والوں کو انھی القاب اور ناموں سے یاد کرتا ہے جن کے وہ مستحق تھے اور ہیں!

جو لوگ حدیث کی مخالفت میں گمراہی کی اس حد تک پہونچ جائیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بس حضور ہی کی زندگی ہی تک تھی، آپ کی وفات کے بعد یہ اطاعت ختم ہو گئی ——— تو اس قسم کا عقیدہ رکھنے والے منصبِ رسالت کے منکر نہیں تو اور کیا ہیں؟

"منکرینِ حدیث" کو قرآن فہمی کا بڑا زعم ہے اور اپنی تحریروں اور تقریروں میں اللہ کی کتاب کا اس انداز سے ذکر فرماتے ہیں جیسے وہ قرآن سے والہانہ عقیدت رکھتے ہیں ——— مگر اس ہٹ دھرمی اور بے بصری کو کیا کیجئے کہ قرآنِ پاک جس ذاتِ گرامی پر نازل ہوا تھا، اور اُس کا جو منصب قرآن میں بتایا گیا ہے، اُس سے یہ لوگ جان بوجھ کر صرفِ نظر کر جاتے ہیں! قرآن سے یہ عشق اور ہبطِ قرآن اور حاملِ کتاب سے اس قدر بیزاری! اس تضاد اور شتر گربگی کو "نفاق" نہ کہیں تو اور کیا کہیں!

اللہ تعالےٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو فرائض سپرد فرمائے ہیں ——— وہ (۱) قرآنِ کریم کی تلاوت

(۲) قرآن کی تعلیم کے ساتھ حکمت کی تعلیم، اور (۳) تزکیہ نفس ——— ہیں! اور یہ ہم اپنی طرف سے نہیں کہہ رہے ہیں اور نہ کسی آیت سے استنباط کر کے کوئی مفہوم اخذ کیا گیا ہے اور نہ یہ "حدیث" ہے جس پر جرح و تعدیل ہو سکتی ہے، بلکہ یہ قرآنِ پاک کی محکم آیت ہے :-

لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولاً من انفسھم یتلوا علیھم ایٰتہ و یزکیھم و یعلمھم الکتاب والحکمۃ،
(آل عمران)

اہلِ ایمان پر اللہ نے احسان کیا ہے کہ اُن کے درمیان خود انھی میں ایک ایسے رسول کو مبعوث فرمایا، جو اُس کی آیتیں انھیں سُناتا ہے، اُن کا تزکیہ کرتا ہے اور اُن کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے،

ہم ان "نظامِ ربوبیت" کے علمبرداروں اور قرآنِ کریم کی حفاظت و تبلیغ کے نام نہاد دعوے داروں سے قرآنِ پاک ہی کو درمیان میں لاکر پوچھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس اسلوب پر صحابہ کرام کی زندگیوں کا تزکیہ فرماتے تھے، اُس کی اور تعلیمِ کتاب و حکمت کی تفصیل کہاں ملتی ہے؟ جواب دیا جا سکتا ہے کہ یہ تفصیل قرآنِ پاک ہی میں موجود ہے، اگر یہ تفصیل قرآنِ کریم ہی میں پائی جاتی ہے تو پھر "یتلوا علیھم آیتہ" ہی کہہ دینا کافی تھا، یہ "ویزکیھم و یعلمھم الکتاب والحکمۃ" کس لئے فرمایا گیا، پرویز صاحب اور اُن کے ہم نواؤں کے نقطہ نگاہ کے اعتبار سے تو یہ الفاظ (معاذ اللہ ..... خاک بدہن گستاخ) اللہ تعالےٰ نے یوں ہی زاید فرما دیئے ہیں!

اگر اللہ تعالیٰ صرف "یعلمھم الکتاب" ہی فرماتا تو بھی اللہ تعالیٰ کے حکم ہی کی بنا پر جو اہلِ ایمان "اطاعتِ رسول" کو قیامت تک کے لئے منصوص سمجھتے ہیں ان لفظوں کا وہی مفہوم لیتے جو اس وقت لیتے ہیں ——— مگر "منکرینِ حدیث" کو تاویل و استنباط کا ایک بہانہ مل جاتا اور وہ کہتے کہ "تعلیمِ کتاب" سے صرف "تلاوتِ کتاب" مراد ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ کے قربان جایئے کہ اُس نے اس بعید از قیاس تاویل کے لئے بھی کوئی گنجائش نہیں رہنے دی، اُس نے "تلاوتِ آیات" کا پہلے ذکر کیا اور پھر فرمایا کہ یہ رسولؐ تزکیہ اور تعلیمِ کتاب و حکمت کا فرض بھی انجام دیتے ہیں۔

معمولی سے معمولی سمجھ کا آدمی بھی اس بات کو جانتا ہے کہ جب کوئی "معلم" کسی کتاب کی "تعلیم" دیتا ہے تو وہ کتاب کی اصل عبارت کی قرآت پر ہی قناعت نہیں کرتا، بلکہ جہاں وہ خود ضرورت محسوس کرتا ہے متن کی شرح بھی کرتا جاتا ہے اور اُس کے شاگرد جب کسی مشکل مقام کے بارے میں استفسار کرتے ہیں تو وہ شرح و بیان کے ذریعہ شاگردوں کے استفسار کا جواب بھی دیتا جاتا ہے، "تعلیم" میں کتاب کی اصل عبارت کی تلاوت اور قرآت کے علاوہ اُس کا پڑھانا اور سکھانا بھی لازمات سے ہے۔

کیا عقل کسی طرح اس بات کو باور کر سکتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً تیئیس سال تک صحابہ کرامؓ کے سامنے قرآنِ پاک کی صرف تلاوت فرماتے رہے اور آپؐ نے کسی آیت کی شرح و تفسیر نہیں فرمائی، اور نہ صحابہ میں سے کسی ایک صحابی نے بھی حضورؐ سے کسی آیت کے بارے میں کوئی بات دریافت کی! اگر کوئی ایسا خیال کرتا ہے تو وہ عقل کا، مشاہدہ کا، تجربہ کا، اور خود اصولِ تعلیم و تربیت کا مذاق اُڑاتا ہے!

یہ واقعہ ہے اور ایسا واقعہ ہے جس میں ذرا سا بھی شبہ نہیں کیا جا سکتا، یہ حقیقت ہے اور ایسی حقیقت ہے جو درایت اور روایت کے اعتبار سے ثابت اور مسلّم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآنی آیات کی شرح و تفسیر بھی فرماتے تھے اور صحابہ

کرام قرآن کے سلسلہ میں اپنی مشکلات بھی حضورؐ کے سامنے پیش کرتے تھے اور حضورؐ کی تعلیم و تبئین سے صحابہ کرام کی مشکلات دور ہوتی تھیں!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیاس کالجوں کے پروفیسروں اور مکتبوں کے معلموں پر نہیں کرنا چاہیئے کہ جو تعلیم کا کام اُجرت پر کرتے ہیں اور جن کا کام کتابیں پڑھانے کے بعد ختم ہو جاتا ہے، حضورؐ معلم کتاب و حکمت ہونے کے علاوہ مُزکّی اور مُربی بھی تھے، اللہ تعالےٰ نے اہلِ ایمان کی تربیت اور اُن کی زندگیوں کے سنوارنے (تزکیہ) کا فرض بھی آپؐ سے متعلق کیا تھا اور اس فرض کو سرکارؐ آخر دم تک انجام دیتے رہے۔

اللہ تعالےٰ کے احکام کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف زبانی طور پر ہی شرح نہیں فرمائی بلکہ اُن کو برت کر دکھایا کتاب اللہ کے الفاظ حضورؐ کی زندگی میں عملی نمونہ بن جاتے تھے بلکہ وہ بولنے چالنے اور حرکت کرنے لگتے تھے، اسی لئے اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خُلق سراپا قرآن تھا۔

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے کتاب و حکمت کی جو تعلیم دی تھی اور جس اسلوب و نہج پر صحابہ کرام کی زندگیوں کا تزکیہ فرمایا تھا، کیا اُس کو صحابہ کرام نے بُھلا دیا، اور اپنے شاگردوں سے، اپنی اولاد سے، اپنے احباب سے اور دوسرے مسلمانوں سے اُس کا ذکر تک کرنا گوارا نہ کیا ——— کیا ایسا ہونا ممکن ہے؟ کیا عقل عمومی اس کو باور کر سکتی ہے؟ کیا یہ بات انسانی فطرت اور تجربہ و مشاہدہ کے خلاف نہیں ہے؟

عام قاعدہ ہے کہ اصاغر اپنے اکابر کی زندگیوں کے واقعات اور اُن کے اقوال و ارشادات کا آپس میں تذکرہ کرتے رہتے ہیں اور ایک نسل سے دوسری نسل تک یہ تذکرے پہونچتے رہتے ہیں ——— صحابہ کرام کو "محمد ابن عبد اللہ" سے غیر معمولی عقیدت تھی، اس لئے کہ وہ اللہ کے سچے رسولؐ تھے، سراج منیر تھے، رحمۃ للعالمین تھے، اللہ نے آپؐ کے ذکر کو بلند فرمایا تھا، اور آپؐ کی محفل میں بات چیت کرنے کے آداب تک صحابہ کو سکھائے تھے اور یہاں تک تنبیہ کر دی تھی کہ تم اگر رسول اللہ کی محفل میں اُن کی آواز پر آواز بلند کروگے تو اس سوءِ ادب کی پاداش میں تمہارے اعمال حبط ہو جائیں گے، اللہ تعالےٰ نے حضورؐ کے "اسوۂ حسنہ" کو انسانیت کے لئے معیار قرار دیا تھا، اور فرمایا تھا:-

من یطع الرّسول فقد اطاع اللہ

(جس نے رسول کی اطاعت کی اُس نے در اصل خدا کی اطاعت کی)۔

تو اتنے عظیم المرتبت انسان، واجب الاطاعت پیشوا اور کائنات کی سب سے زیادہ محترم شخصیت کے احوال، افعال اور اقوال کو زیادہ سے زیادہ یاد رکھنا اور اُن کا تذکرہ کرتے رہنا صحابہ کرام کی عقیدت، محبت اور ایمان کا عین تقاضا ہونا چاہیئے تھا اور تھا۔

پس اللہ تعالےٰ کے دیئے ہوئے منصب کی بنا پر رسول اللہؐ نے کتاب و حکمت کی جو تعلیم دی تھی اور تزکیہ نفس کے جو اصول بتائے تھے، اُسی کا نام "سنت" اور "حدیث" ہے! دوسرے لفظوں میں یوں سمجھے کہ قرآن متن ہے "حدیث" اُس کی شرح و تفسیر ہے، قرآن "اصل" ہے "حدیث" فرع ہے!

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم

اے نبیؐ لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو، اللہ تم

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ٥ قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْکٰفِرِیْنَ ٥

سے محبت کریگا اور تمھاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا، اور اللہ بڑا معاف کرنے والا ہے، اُن سے کہو کہ "اللہ اور رسول کی اطاعت قبول کر لو" پھر اگر وہ اللہ اور رسول کی اطاعت قبول نہ کریں تو اللہ کافروں سے ہرگز محبت نہیں کرتا۔

یہ آیت دو ٹوک انداز میں بتا رہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی "اطاعت" اللہ تعالیٰ کی محبت کا عین تقاضا ہے، جو شخص حضور کی اطاعت سے روگردانی کرتا ہے وہ دراصل اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے، اور حضور کی اطاعت سے انحراف کرنے والے کا اللہ تعالےٰ کے ساتھ محبت کا دعویٰ باطل اور بے اصل ہے۔

اور قرآنِ پاک میں یہ بھی ارشاد فرمایا گیا ہے:-

فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ٥

اے محمدؐ! تمھارے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اُس پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ سر بسر تسلیم کر لیں!

"منکرینِ حدیث" سے ہم دریافت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو فیصلے فرمایا کرتے تھے، وہ کہاں محفوظ ہیں؟ اگر وہ محفوظ نہیں ہیں، تو ایسے فیصلے جن کے قبول کرنے میں کوئی اپنے اندر تنگی اور بھچاوٹ محسوس کرے تو اُس کے ایمان تک پر حرف آجائے ــــــــ کیا صحابہ کرام اور اُن کے شاگردوں نے بالکل بھلا دیئے؟

ہم کہتے ہیں بلکہ پوری ذمہ داری کے ساتھ دعویٰ کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا "اسوۂ حسنہ" آپؐ کی دی ہوئی کتاب و حکمت اور تزکیہ کی تعلیم اور آپؐ کے کئے ہوئے فیصلے احادیث کی کتابوں میں محفوظ ہیں، اور چونکہ اللہ تعالےٰ نے آپؐ کی اطاعت کا حکم دیا ہے، اس لئے آپؐ کی "سنت" قیامت تک کے لئے دین میں حجت ہے اور جو کوئی آپؐ کی سنت کو دین میں حجت نہیں سمجھتا، وہ حقیقت میں منصبِ رسالت کی نفی اور انکار کرتا ہے۔ حضورؐ کی اطاعت کو صرف آپؐ کی حیاتِ مقدسہ تک محدود سمجھنا، خود کتاب اللہ کے منشاء اور مفہوم کے ساتھ ایک طرح کا مذاق ہے! یہ تو دہریوں، ملحدوں اور خدا و رسولؐ کے دشمنوں کے سوچنے کا انداز ہے، وہ "منکرینِ حدیث" سے ایک قدم آگے بڑھ کر یہی تو کہتے ہیں کہ قرآنِ کریم بے شک الہامی کتاب ہے مگر وہ جس دور کے لئے بھیجی گئی تھی وہ دور ختم ہو گیا، یہ ہمارا دور ایمان بالغیب کا نہیں تجربہ و شہود کا دور ہے، اس دور کے تقاضوں کا قرآنی تعلیمات ساتھ نہیں دے سکتیں (معاذ اللہ! اس تصور سے سو بار خدا کی پناہ)

اللہ تعالےٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ اُس نے کتاب کے ساتھ معلمِ کتاب کو بھی بھیجا، اور وہ اس لئے بھیجا کہ اللہ تعالےٰ بندوں کے سامنے محسوس اور مشہود ہو کر نہیں آتا، اس نے "اقامتِ صلوٰۃ" کا حکم دیا اور رسول اللہؐ نے نماز پڑھ کر دکھا دی کہ "اقامتِ صلوٰۃ" کی تعمیل اور تکمیل اس طرح ہونی چاہیئے، اللہ تعالےٰ نے "آتوا الزکوٰۃ" ارشاد فرمایا اور حضورؐ نے زکوٰۃ کی شرح کی تعیین فرما دی، پھر زکوٰۃ جمع کرائی اور اُسے مستحقین میں تقسیم کر کے بتا دیا، اللہ تعالےٰ نے جہاد فرض کیا، اور حضورؐ نے غزوات میں خود شریک ہو کر صحابہ کو دکھا دیا کہ جہاد میں یہ اللہ کے حدود ہیں اور اُن کی اس

طرح حفاظت کی جاتی ہے! غرض وضو، غسل، طہارت، نکاح، طلاق، بیع، رہن، تجارت، زراعت، حکومت، سفر، حضر، خلوت، جلوت، صلح وجنگ، تبلیغ وتذکیر، نشست وبرخاست، اکل وشرب کے وہ پہلو جو ہدایت، اخلاق، اقامت دین اور زندگی سنورنے (تزکیہ) سے تعلق رکھتے ہیں، اُن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی نہ کوئی حدیث (قولی وفعلی) ضرور ملتی ہے، اور جس طرح اللہ تعالیٰ مکڑی اور مچھر کی مثال دینے سے نہیں شرماتا اسی طرح رسول اللہ بھی استنجے کے ڈھیلوں کی تعداد بتانے میں عار محسوس نہیں فرماتے

اگر دینی معاملات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اور فعل، سند، حجت، نظیر اور مثالی نمونہ نہیں ہے، اور آپ کی تعلیمات کو قابلِ اتباع نہیں سمجھا سکتا ——— تو پھر اسلم صاحب جیراج پوری اور مسٹر پرویز دین، اسلام اور قرآن کے بارے میں جو کچھ بتاتے ہیں کیا اُس کو قابلِ اعتبار اور لائقِ اتباع سمجھا جائے؟ اور وہ کونسی سند اور " authority " ہے جس کی بنا پر یہ لوگ قرآن کی تفسیر کرتے ہیں اور دینی مسائل پر بولتے ہیں۔

حدیث، تاریخ سے بلند ہے!

مسٹر پرویز احادیث کو "تاریخ" کہتے ہیں، اور اُن کا یہ کہنا ایک طرف تو "حدیث دشمنی" کے جذبہ کا ثبوت ہے اور دوسری طرف اُن کی "جاہلانہ اُپج" بھی اس سے ظاہر ہوتی ہے! احادیث کو "تاریخ" کہہ کر وہ علم حدیث کو بے وقار ٹھیرانا چاہتے ہیں! حالانکہ دُنیا جانتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو جس حزم واحتیاط، ذمہ داری اور خدا ترسی کے ساتھ جمع کیا گیا ہے فنِ تاریخ کو روایت ودرایت کی وہ بلندیاں کہاں نصیب ہیں!

جن حدیثوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز پڑھنے کی تفصیل بیان کی گئی ہے کیا وہ محض تاریخی واقعات ہیں، اُن میں مسلمانوں کے لئے کوئی نمونہ نہیں ہے؟ اگر پرویز صاحب دین وقرآن کو اسی انداز پر سوچتے ہیں تو پھر اُن کے غور وفکر کے نتائج سے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔

جن احادیث میں حضورؐ کسی کام کے کرنے کا حکم دیتے ہیں، اور کسی کام کے کرنے سے روکتے ہیں ——— کیا یہ اوامر ونواہی بکرماجیت، سکندر، قسطنطین، ہارون الرشید، بابر اور اکبر کے احکام کی طرح ہیں جو وہ اپنی رعایا، یا ماتحت حاکموں کو دیا کرتے تھے، ان میں کیا کسی قسم کا کوئی فرق نہیں ہے؟

کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تاریخ کے صرف ایک "ہیرو" تھے؟ اور منصبِ رسالت کی جن ذمہ داریوں کو آپ نے پورا کیا تھا اور جو کتبِ احادیث کے اوراق پر آج تک ثبت ہیں ——— کیا آپ کی وفات کے بعد وہ معاذ اللہ ——— " OUT OF DATE " ہو کر رہ گئیں!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام سے بڑھ کر قرآن کا جاننے والا اور کون ہو سکتا ہے کہ ان نفوسِ قدسیہ براہِ راست مہبطِ وحی سے تعلیم پائی تھی اور اُسی کی تربیت نے ان کی زندگیوں کو سنوارا تھا ——— تو کیا احادیث اور سیر وتاریخ میں ایک دو نہیں ہزاروں ایسے واقعات نہیں ملتے کہ صحابہ کرام نے دینی معاملات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت (احادیث) کو حجت سمجھ کر اس کا اتباع کیا ہے!

احادیث کے پرکھنے اور جانچنے کے لئے رجال واسانید کا جو فن مدوّن ہوا ہے، وہ خالص علمی اور تحقیقی نقطۂ نگاہ سے مسلمانوں کا اتنا بڑا کارنامہ ہے کہ دُنیا کی کوئی قوم آج تک اُس کا جواب پیش نہیں کر سکی، اور اس فن میں محدثین اپنا کوئی حریف نہیں

رکھتے ——— پرویز صاحب اور اُن کے حواریین مسلمانوں کے اس قابلِ فخر کارناموں کو مشکوک، مشتبہ اور بے اعتبار ٹھیرانے کے لئے جان توڑ کوشش کر رہے ہیں۔

تاریخ دنیا کے کسی پیشوا، لیڈر اور بڑے آدمی کا پتا نہیں دیتی کہ جس کی زندگی کو حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی سیرتِ مقدسہ کی طرح محفوظ کیا گیا ہو، انسان جتنی امکانی کوششیں کر سکتا ہے اور جس قدر احتیاط اور دیانت برت سکتا ہے، وہ پوری ذمہ داری کے ساتھ احادیث کی جمع و ترتیب اور تدوین میں صرف کی گئیں ——— اللہ تعالیٰ کی اس میں بڑی حکمت پنہاں ہے کہ قرآن کی حفاظت اُس نے اپنے ذمہ لی اور مہبطِ قرآن کے اقوال و افعال (احادیث) کی حفاظت کی ذمہ داری اہلِ ایمان پر ڈال دی، اور اللہ کا شکر ہے کہ صحابہ کرام نے، تابعین نے اور محدثین نے اس ذمہ داری کو جس احتیاط، اخلاص جوش اور محبت کے ساتھ پورا کیا ہے اس کی نظیر کسی نبی اور رسول کی اُمت میں نہیں ملتی ——— حقیقت میں "خاتم النبیین" کی سنت اس کی مستحق تھی کہ اُسے پوری تفصیل اور تمام جزئیات کے ساتھ محفوظ کر لیا جائے!

نقد و احتساب

مگر پرویز صاحب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس احادیث کی مخالفت میں اُس گراوٹ تک پہونچ چکے ہیں، جہاں ضمیر بے حس، قلب مردہ، بصیرت زائل اور عقل مخبوط ہو جاتی ہے ——— اس تلخ نوائی کے لئے افسوس ہے کہ ہم معذور ہیں، اور وہ اس لئے کہ مسٹر پرویز نے احادیث کے جمع و تدوین کی کوششوں کو قرآن کے خلاف "عجمی سازش" سے تعبیر کیا ہے، اور ان کے اس شرمناک الزام کی زد اُن نفوسِ قدسیہ پر جا کر پڑتی ہے جو نہ صرف محدثین تھے بلکہ حاملینِ قرآن بھی تھے، اور جن کے خدا اور بندوں کے ساتھ معاملات عدل و اخلاص اور خشیت و تقویٰ پر مبنی تھے!

خلفاء راشدین کے عہد سے لیکر اس ہمارے زمانہ تک اسلام کی تاریخ میں ایک لمحہ بھی ایسا نہیں گزرا کہ علماء، صلحاء اور خواص و عوام نے رسول اللہ کی سنت کو دین میں قابلِ حجت نہ سمجھا ہو ——— مگر پرویز صاحب کے نقطۂ نگاہ سے ساڑھے تیرہ سو سال سے پوری اُمت قرآن کے خلاف "عجمی سازش" میں دانستہ یا نادانستہ شریک و مبتلا رہی ہے!

قرآن کے خلاف سازش کرنے کے بعد مسلمان، مسلمان ہی کب رہتا ہے یہ تو کھلا ہوا کفر ہے ——— تو پرویز صاحب کے کہنے سے کیا ہم تمام محدثین کو معاذ اللہ بے دین اور قرآن کے خلاف سازش کرنے والا سمجھ لیں! اور تفسیر، حدیث، فقہ اور اسلامی تاریخ کی تمام کتابوں کو آگ لگا کر اور تمام متقدم اور متاخر اکابرِ دین کو چھوڑ کر، پرویز صاحب کو اہلِ ذکر، راسخ فی العلم اور مصلح و مجدد مان لیں!

یہ خود پرویز صاحب (علیہ ما علیہ) کے دل کا چور ہے جو اس طرح ظاہر ہو رہا ہے، قرآن کے نام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو بے اعتبار ٹھیرانا حقیقت میں دین کے خلاف سازش ہے، جن بزرگوں نے بستی بستی پھر کر رسول اللہ کی احادیث کو جمع کیا ہے، سماعِ حدیث کے لئے سیکڑوں میل کے سفر کئے ہیں، پھر احادیث کے پرکھنے اور جانچنے کے لئے درایت و روایت کے معیار و اصول مقرر فرمائے ہیں، اُن سے بڑھ کر دین کا خیر خواہ اور کون ہو سکتا ہے، پوری اُمتِ مسلمہ پر اُن کی کوششوں کا احسان ہے ——— مگر پرویز کی نگاہِ بد بیں میں اتنی عظیم الشان خدمتِ دین "عجمی سازش" نظر آتی ہے!

اس موقعہ پر کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں میں بعض ایسے بدبخت بھی گزرے ہیں جو کذاب اور وضاع تھے، اور جھوٹی حدیثیں بیان کیا کرتے تھے ——— یہ بات یقیناً صحیح ہے کہ حدیثیں وضع بھی کی گئی ہیں، مگر یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ چند جھوٹوں کو دیکھ کر

سیکڑوں "سچوں" کو بھی ہم انھی "جھوٹوں" کا بھائی بند سمجھ لیں!
ایک مثال:— کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے اور ہوتا رہتا ہے کہ بعض لوگ دواؤں میں زہر ملا دیتے ہیں جس کے اثر سے موت تک واقع ہو جاتی ہے — تو ان چند ظالموں اور جعل سازوں کی اس حرکت کی وجہ سے یہ سمجھ لیا جائے کہ "فنِ طب" انسانی جانوں کے خلاف ایک سازش ہے، اور جتنے دوا خانے، ہسپتال، لیبارٹریز اور دواؤں کی دکانیں ہیں اُن کو آگ لگا دی جائے! اور تمام ڈاکٹروں اور طبیبوں کے بارے میں یہ رائے قایم کر لی جائے کہ یہ سب کے سب قاتل، ظالم اور سازشی ہیں!

احادیث پر بھی اس مثال کا انطباق ہوتا ہے، اور یہ مثال بہت سے شکوک اور شبہات کا ازالہ کر سکتی ہے، مگر وہ لوگ جو:-

"فی قلوبهم مرض فزادهم الله مرضا"

کے مصداق ہیں، اُن پر کوئی نصیحت اور موعظت کارگر نہیں ہو سکتی!

پرویز صاحب اور ڈاکٹر جیلانی برق جیسے کم سواد اہلِ قلم بعض احادیث کی کمزوریاں دکھا کر، لوگوں پر یہ دھونس جمانا چاہتے ہیں جیسے یہ سب اُن کی تحقیق اور ریسرچ کے علمی نتائج ہیں، حالانکہ خود محدثین نے متعدد احادیث کی علتوں اور کمزوریوں کو ظاہر کیا ہے اور اس پر اُن کی کتابیں موجود ہیں — زرکشی، ابن جوزی، صنعانی، عسقلانی، سخاوی، ذہبی، ابنِ تیمیہ، ملا علی قاری (رحمہم اللہ تعالیٰ) یہ وہ چند ناقدینِ حدیث ہیں جنھوں نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر کے رکھ دیا ہے۔

محدثین پر اللہ کی رحمت ہو کہ انھوں نے احادیث کے پرکھنے میں انتہائی دیانت اور ذمہ داری کا ثبوت دیا ہے اور جس حدیث میں جو کمزوری اور سُقم اُنھیں نظر آیا ہے اُسے اُنھوں نے بلا تامل ظاہر کر دیا ہے، اگر وہ اس معاملہ میں معاذ اللہ بدنیت ہوتے تو وہ ان عیوب سے صرفِ نظر بھی کر سکتے تھے — مثلاً

"حسناتُ الابرارِ سیئاتُ المقربین"

"حدیث" مشہور ہو گئی — اس قول میں کوئی ایسی بات بھی نہیں ہے جس پر گرفت کی جاسکے، لیکن محدثین نے پتا لگایا کہ یہ حدیث نہیں ہے بلکہ حضرت ابو سعید خزار رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے! موضوعاتِ کبیر اور تذکرۃ الموضوعات میں متفق طور پر یہی لکھا ہوا ملتا ہے۔

صحابہ کرام کے بعد تابعین کا درجہ ہے، مگر جن تابعین نے اسرائیلی روایتیں بیان کی ہیں، اُن کی بھی محدثین نے نشاندہی کر دی ہے! اسلامی لٹریچر میں جرح و تعدیل کا فن، تحقیق، فکر و تعمق اور عدل و دیانت کے اعتبار سے اپنی آپ مثال ہے۔

کسی بھی محدث، فقیہ اور عالم نے یہ نہیں کہا کہ احادیث کے جتنے مجموعے پائے جاتے ہیں اُن کا ایک ایک لفظ صحیح ہے، اور اُن کی ہر روایت دین میں حجت ہے! احادیث کی کتابوں کے بھی درجات ہیں، سب ایک برابر نہیں ہیں اور نہ تمام احادیث ایک درجہ کی ہیں! قرآن اور حدیث میں امتیازی فرق یہ ہے کہ قرآن کی کسی آیت پر جرح نہیں کی جا سکتی مگر حدیث پر جرح کی جا سکتی ہے! امام مالک اور بخاری و مسلم (رحمہم اللہ تعالیٰ) کو بھی ہم معصوم نہیں سمجھتے اور اُن کی جمع کی ہوئی حدیثوں میں سے کوئی حدیث اگر آج بھی درایت، روایت اور قرآنی معیار پر پوری نہ اُترے تو اُسے چھوڑا جا سکتا ہے، مگر جو حدیث

اس کسوٹی پر کھری ثابت ہو وہ یقیناً دین میں حجت ہے، اور حضور سید الاولین والآخرین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ثابت شدہ قول کو اہلِ نفاق اور اہلِ ضلالت ہی رد کر سکتے ہیں، کوئی مسلمان جس کے دل میں ایمان کی رمق بھی پائی جاتی ہے، ایسی جرات کر کے اپنے دین اور ایمان کو برباد نہیں کر سکتا۔

"منکرینِ حدیث" مسلمانوں کو ایک دھوکا یہ بھی دیتے ہیں کہ احادیث قرآن پر اضافہ ہیں اور اس طرح قرآن کی جامعیت اور شانِ تکمیل پر حرف آتا ہے ——— یہ بہت بڑی جاہلانہ بات ہے، اس لئے کہ کسی متن کی شرح متن پر اضافہ نہیں ہوا کرتی، ہم (بلا تشبیہ) عرض کرتے ہیں کہ دیوانِ غالب کی شرحیں کیا غالب کی شاعری پر اضافہ ہیں؟

"منکرینِ حدیث" کی طبعِ نازک پر احادیث رسولؐ گراں گزرتی ہیں تو وہ اس کا شکوہ اللہ تعالےٰ سے کریں کہ اس نے کتاب کے ساتھ مُعلّم کتاب کو کیوں بھیجا، اور تنزیل قرآن کے سلسلہ میں ایک انسان کو مخصوص کرنے کی کیا ضرورت تھی، وحی کو عام ہونا چاہیئے تھا، اور پھر اللہ تعالےٰ نے آخر یہ کیا کیا کہ جس پر وحی بھیجی اُس کی اطاعت کو اپنی اطاعت کی طرح لازم قرار دیا، اور اُس کے اُسوہ حسنہ کو معیارِ انسانیت ٹھیرایا۔ ۔ ۔ ۔ ۔

قرآنِ پاک کہتا ہے کہ یہ رسولؐ تزکیہ نفس کرتے ہیں اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں ——— اور یہ بھی ارشاد ہوتا ہے:-

"وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ"

تو جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو تزکیہ نفس اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہوتے تھے تو آپؐ کے نُطق سے "وحی یوحیٰ" کی صفت کیا علیحدہ اور جُدا کر لی جاتی تھی ——— تھوڑی دیر کے لئے فرض کر لیا جائے کہ حضورؐ کتاب و حکمت کی تعلیم اپنی سمجھ اور اپنی رائے سے دیتے تھے، اور وحی الٰہی کو اس میں دخل نہ ہوتا تھا، تو پھر ہم عرض کرتے ہیں کہ رسول اللہ کی فہم و بصیرت سے زیادہ صحیح اور حضورؐ کی رائے سے بڑھ کر رائے اور کس کی ہو سکتی ہے؟

تفسیر بالرّائے

دین میں، قرآن میں، اللہ کی آیات میں اور مظاہر قدرت میں ہر شخص کو تدبّر کرنے کی اجازت ہے اور قرآنِ پاک میں تو تدبّر و تفکر کی بار بار دعوت دی گئی ہے، مگر اس تدبّر و تفکر کی بھی کچھ حدود ہیں! اللہ تعالےٰ نے غور و فکر کی دعوت دے کر لوگوں کو اس بات کی چھٹی نہیں دی کہ وہ کتاب اللہ میں غور و فکر کرنے کے بعد جس نتیجہ پر جا ہیں پہونچ جائیں اور جو کچھ اُن کی عقل کا فیصلہ ہو، اُسی کو قرآن کا صحیح مفہوم اور اللہ تعالےٰ کا عین منشا سمجھ لیں! مثلاً ایک شخص قرآن میں غور و فکر کرنے کے بعد نیک نیتی کے ساتھ اس نتیجہ پر پہونچتا ہے کہ ملائکہ اور اجنہ بھاپ اور روشنی کی طرح قوتوں کے نام ہیں، یہ کوئی مستقل مخلوق نہیں ہیں! اس نتیجہ میں بظاہر چاہے کتنی ہی تنویرِ فکر پائی جاتی ہو مگر یہ نتیجہ کتاب و سُنت کے منشاء کے مطابق نہیں ہے اس لئے غلط اور گمراہ کن ہے، اور اسی کو "تفسیر بالرائے" کہتے ہیں!

مسٹر پرویز نے قرآن کی شرح و تفسیر میں "تفسیر بالرائے" کا ریکارڈ قائم کر دیا ہے! قرآنِ کریم کی مظلومیت کی انتہا ہے کہ اس کے "مفسرین" میں پرویز جیسے لوگ بھی شامل ہیں، جنھوں نے کتاب اللہ کی تفسیر ناول اور افسانہ کے رنگ میں کی ہے اور دین کو بازیچۂ اطفال بنا دیا ہے۔ ایک شخص کے ہاتھ میں قلم ہے اور لکھنے لکھانے کی مشق بھی ہے، اسی کے زور پر جو جی میں آتا ہے لکھے چلے جاتا ہے اور اپنی ان "ہفوات" کو قرآن کے معارف و غوامض سے تعبیر کرتا ہے!

قرآنِ پاک میں جگہ جگہ "آخرت" کا لفظ ملتا ہے اور اس لفظ سے تقویٰ، خشیتِ الٰہی، روزِ حساب کی جوابدہی اور اسی قسم کے تمام پاکیزہ معتقدات کا سلسلہ وابستہ ہے، "آخرت" کا نام سُنکر گناہ گار سے گناہ گار مسلمان کا بھی دل ہل جاتا ہے ———

——— مگر پرویز صاحب نے "آخرت" کی اس اہمیت کو غارت کرنے کے لئے اس کا ترجمہ "مستقبل" کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی کتاب کے معلم تھے، اور صحابہ کرام کو حضورؐ نے کتاب اللہ کی تعلیم دی تھی، انھی واسطوں اور ذریعوں سے ہم قرآن کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں، جب یہ واسطے ہی درمیان سے اٹھا دیئے جائیں اور ایک شخص قرآن فہمی کے زعم میں اپنی عقل و بصیرت کو معیار سمجھ لے، تو اس کی تفسیر گمراہ کن افکار، غلط نتایج اور خود ساختہ نظریوں کا طومار نہ ہوگی تو اور کیا ہوگی؟

قرآنِ پاک میں "اقیموا الصلوٰۃ" جگہ جگہ آیا ہے، اور یہ بات مسلمان تو مسلمان کسی کافر اور ملحد کے نزدیک بھی مشتبہ نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تھے، نماز پڑھاتے تھے، اور حضورؐ کی بعثت سے لیکر آج تک مسلمان نماز پڑھتے چلے آئے ہیں ——— مگر پرویز صاحب نماز کے بارے میں یہ رائے رکھتے ہیں:-

"اقامتِ صلوٰۃ کو مسلمانوں نے نماز میں تبدیل کر دیا ۔ ۔ ۔"

اس طنز کی زد عام مسلمانوں پر ہی نہیں بلکہ خود ذاتِ رسالت مآب پر جاکر پڑتی ہے، اس لئے کہ اللہ تعالےٰ نے "اقامتِ صلوٰۃ" کا جو حکم دیا تھا اس کی تعمیل میں حضورؐ نماز ادا فرمایا کرتے تھے، اگر نماز پڑھنا "اقامتِ صلوٰۃ" کی بدلی ہوئی شکل ہے، تو اس کا الزام (خاک بدہن گستاخ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آتا ہے، نہ آپ نماز پڑھتے، اور نہ صحابہ کرام اس کا اتباع کرتے اور نہ مسلمانوں میں یہ طریقِ عبادت عام ہوتا۔

یہ ہے اس "مفسرِ قرآن" اور "نظامِ ربوبیت" کے داعی کا اندازِ فکر، نہجِ تدبّر اور پروگرام بھی! پرویز صاحب کے افکار اگر مسلمانوں میں خدانخواستہ مقبول ہوگئے تو دین کی عمارت کا کوئی ستون بھی سلامت رہ سکے گا؟ یہ دین نہیں بے دینی ہے، یہ قرآن کے ساتھ مذاق ہے، یہ اللہ کی آیتوں کا مضحکہ اور منصبِ رسالتؐ کا کھلا ہوا انکار ہے۔

باطل کی حمایت

مغرب زدہ اشخاص کا جس طرح خاصہ ہے کہ وہ جب دین کے کسی رکن یا نظریہ کو قبول کرنا نہیں چاہتے تو اس پر "دینِ ملّا" کی پھبتی چست کر دیتے ہیں، ان پرویز صاحب نے بھی یہی انداز اختیار کیا ہے اور وہ "ملّا ازم" کی طنز کی آڑ میں اسلام کا مذاق اڑاتے رہتے ہیں!

نگار کے ایڈیٹر نیاز فتحپوری نے شروع میں "مولوی" کا مذاق اڑایا تھا، ان حضرت کو تمام دنیا کی برائیاں "مولوی" میں نظر آتی تھیں اور اس میں علماءِ سوء اور علماءِ حق کی کوئی تفریق نہیں تھی ——— پھر انھوں نے فقہ کو باطل ٹھیرایا، اس کے بعد احادیث پر ہاتھ صاف کیا، یہاں تک کہ قرآنِ کریم بھی اس شخص کی تنقید سے محفوظ نہ رہ سکا ——— پرویز صاحب بھی انھی لائنوں پر دین کی تخریب کر رہے ہیں اور دین پر طنز و تنقید کے سلسلہ میں انھوں نے نیاز فتحپوری کا انداز اڑا لیا ہے۔

نیاز نے "مولوی" پر طنز کی آڑ میں جنت کا، جنت کی نہروں کا، حوروں کا اور وہاں کی نعمتوں کا دل کھول کر مذاق اڑایا ———

——— اور پرویز نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کے سلسلہ میں جو تفصیلات احادیث میں ملتی ہیں ان پر پھبتیاں کسیں اور ان احادیث کے پیش کرنے والے ایک بہت بڑے اسلامی مفکر کو "ماڈرن ملّا" کا خطاب دیا ——— ضلالت کے یہ دونوں راستے شاید ایک ہی دوراہہ سے پھٹتے ہیں۔

پرویز صاحب کو متاثرین اور ADMIRERS کی ایک ٹولی جو مل گئی ہے، تو اس نے ان کو اس غلط اندیشی میں مبتلا کر دیا ہے کہ میں تجدید و احیاءِ دین کے منصب پر فائز ہوں اور قرآنی علوم پر میری ذات سند ہے

اور مجھ سے بہتر قرآن کا جاننے والا آج تک پیدا نہیں ہوا ـــــــ پرویز صاحب اس بُھلاوے میں نہ رہیں کہ یہ جو اُن کو چند ہم خیال ہاتھ آگئے ہیں، تو یہ کوئی حق کی فتح و نصرت کی دلیل ہے، دُنیا میں حق ہی کو نہیں باطل کو بھی ہمیشہ مویدین ملتے رہے ہیں، مسیلمہ کذاب کی جھوٹی نبوت نے کتنے سرفروش اور جاں باز ارادت مندوں کو اپنے گرد جمع کر لیا تھا، خود پاکستان میں ڈیڑھ دو لاکھ کے قریب ایسے حمقا موجود ہیں جو قادیان کے خود ساختہ اور کاذب نبی غلام احمد کی خانہ ساز نبوت پر ایمان رکھتے ہیں،

اور آجکل تو لوگوں کو جدت پسندی کا ہیضہ ہو گیا ہے، اس حماقت اور سفاہت کی کوئی انتہا ہے کہ ننگوں اور جھوٹوں کے کلب قائم ہیں اور لوگ اُن کے رُکن بننے میں ذرہ برابر شرم محسوس نہیں کرتے۔

کیا کرنا چاہیئے؟

ہم سے لوگوں نے زبانی بھی کہا ہے اور باہر سے خطوط بھی آتے رہتے ہیں کہ "فتنۂ انکارِ حدیث" کو اہلِ ایمان دین کے لئے بہت بڑا خطرہ سمجھتے ہیں اور خاص طور سے رسالہ "طلوعِ اسلام" میں مسٹر پرویز کے جو مضامین چھپتے ہیں، اُن سے مسلمانوں کو بہت دُکھ پہونچتا ہے ـــــــ یہ خطرہ پاکستان میں اس لئے اور زیادہ محسوس کیا جارہا ہے کہ اس مملکت کی دستور سازی کتاب و سنت کی بُنیاد پر ہو رہی ہے، لہٰذا سُنتِ رسول اللہ کی مخالفت پاکستان کے دستور اور اس مملکت کے اساسی مقصد کی مخالفت ہے۔

اس فتنہ کی روک تھام کے لئے شگفتہ قلم اہلِ علم کا میدانِ عمل میں آنا ضروری ہے، وہ حضرات جن کو لکھنے کی مشق نہیں ہے، یا اُن کی تحریر میں شگفتگی نہیں پائی جاتی اُن کو چاہیئے کہ خود مضامین لکھنے کے بجائے اچھے لکھنے والوں کی اپنی معلومات اور علم و فضل سے مدد کریں!

احادیث کے دینی حُجت ہونے کے ثبوت میں مشاہیر علماء اور انشاپردازوں کے بڑے موثر مضامین اُردو میں موجود ہیں اسلام پسند ناشرین کا یہ فرض ہے کہ اس قسم کے مضامین کا انتخاب کتابت و طباعت کی تمام خوبیوں کے ساتھ چھاپ کر شائع کریں ـــــــ مشہور محدثین کے حالاتِ زندگی اس انداز پر مُرتب کئے جائیں کہ لوگ ان بزرگوں کے علم و فضل، خشیتِ الٰہی اور زہد و تقویٰ کے علاوہ اُن کی اُن محنتوں، کوششوں اور مشقتوں سے واقف ہو سکیں جو اُنھوں نے علم حدیث کی تحصیل و تدوین کے سلسلہ میں برداشت کی ہیں!

خوش تقریر واعظین اور شیریں بیان مقررین دینی اجتماعوں میں سُنتِ رسول اللہ کی اہمیت عقلی اور نقلی دلائل کے ساتھ واضح کرتے رہیں اور اس سلسلہ میں عربی کتابوں سے براہِ راست استفادہ کرنے والے حضرات تک جناب مولانا بدر عالم صاحب کی کتاب "ترجمان السنہ" سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں!

"فتنۂ انکارِ حدیث" کا سب سے زیادہ موثر جواب کامیاب توڑ اور اس کے روکنے کے لئے ایجابی کوشش "**اتباعِ سُنت**" ہے!

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ اُو نہ رسیدی تمام بولہبی است

ماہر القادری
۲۵ر جنوری ۵۲ء

مجیب اللہ ندوی
(رفیق دار المصنفین اعظم گڑھ)

تبصرے پر تبصرہ

۱۱ ستمبر سنہ ۵۳ء کے "صدق جدید" میں مولانا مسعود عالم ندوی کی نئی عربی کتاب "نظرۃ اجمالیۃ فی الدعوۃ الاسلامیۃ فی الھند والباکستان" پر جناب عبد اللہ عباس کا تبصرہ شائع ہوا ہے۔ اس تبصرہ کے بارے میں یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ تبصرہ نگار نے کتاب کی رُوح کو سمجھ کر تبصرہ نہیں کیا ہے اس لئے کہ یہ دار العلوم ندوۃ العلماءؒ کے ادیب ہیں اور تبلیغی جماعت کے وفد کے ساتھ گہوارۂ عربیت یعنی حجاز وغیرہ کا بھی گشت کر آئے ہیں۔ اس بنا پر یہ کہنا پڑتا ہے کہ اس تبصرہ میں کسی کا ایما بھی شریک کار معلوم ہوتا ہے۔ یہ سوئے ظن میں اس لئے قائم کر رہا ہوں کہ انھوں نے اپنی خوردی کا لحاظ کئے بغیر مولانا مسعود عالم صاحب کے بارے میں ایسی خلافِ واقعہ باتیں لکھی ہیں جن کو کوئی مرتبہ شناس اور آزاد تبصرہ نگار نہیں لکھ سکتا تھا غالباً مولانا عبد الماجد دریابادی کی نگاہ اس پر نہیں پڑی ورنہ وہ اس پر کوئی نوٹ ضرور لکھتے۔ اس تبصرہ میں جو طرزِ نگارش اختیار کیا گیا ہے یہ منصب ایڈیٹر "صدقِ جدید" کا ضرور تھا مگر عبد اللہ عباس صاحب کا نہیں تھا۔

تبصرہ نگار نے سب سے پہلے یہ لکھ کر کتاب کی اہمیت گھٹائی ہے کہ عرب دنیا کو ہند و پاک کی اسلامی تحریکات سے واقف کرانے کی یہ دوسری کوشش ہے۔ پہلی کوشش مولانا ابو الحسن علی صاحب کی ایک تقریر ہے جو انھوں نے مصر میں فرمائی تھی اور جسے ادارہ شبان المسلمین نے قلمبند کر کے شائع کر دیا تھا۔ تبصرہ نگار کو یہ تو ضرور ہی معلوم ہوگا کہ مولانا علی میاں کے سفرِ مصر سے ڈیڑھ دو سال پہلے مولانا مسعود عالم صاحب ندوی نے دیارِ عرب کا ایک سفر کیا تھا جس کی روداد "دیارِ عرب میں چند ماہ" کے نام سے کئی برس پہلے شائع ہو چکی ہے۔ اس سفر میں انھوں نے عرب دنیا کے سینکڑوں ممتاز اشخاص متعدد اداروں کے ذمہ دار افراد کو زبانی اور ہزاروں آدمیوں کو اپنے مضامین کے ذریعہ ہند و پاک کی اسلامی تحریکات سے روشناس کرایا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اسلامی سیاست و معیشت کی متعدد اُردو کتابوں کے عربی تراجم وہاں کے دینی و سیاسی حلقوں میں ہاتھوں ہاتھ لئے گئے، یہی نہیں بلکہ عرب دُنیا کا سب سے زیادہ با اثر دینی ادارہ مترجم سے اجازت لیکر ان کتابوں کو خود اپنے خرچ سے آج تک چھپوا چھپوا کر فروخت کر رہا ہے اس سے میری مُراد ادارۂ اخوان المسلمون ہے۔

مذکورہ بالا کتاب کے بارے میں دوسری خلافِ واقعہ بات تبصرہ نگار نے یہ لکھی ہے کہ "اس رسالہ (یعنی مولانا علی میاں کی طبع شدہ تقریر) کے چند ماہ بعد پیشِ نظر کتاب ترتیب دی گئی ہے۔ اگر حُسن ظن سے کام لیا جائے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ تبصرہ نگار کے قلم سے یہ لغزش ہو گئی ہے اور وہ "چند ماہ بعد طبع ہوئی ہے" کے بجائے "چند ماہ بعد ترتیب دی گئی ہے" لکھ گئے ہیں لیکن اگر یہ لغزش نہیں بلکہ انھوں نے قصداً ایسا لکھا ہے تو پھر میں نہیں کہہ سکتا کہ تبصرہ نگار کے پاس وہ کونسا ایسا موثق ذریعۂ معلومات تھا جس سے انھوں نے ہندوستان میں بیٹھے ہوئے پاکستان میں ترتیب دی جانے والی کتاب کے بارے میں یہ تک معلوم کر لیا کہ اس کتاب کی تاریخ ترتیب فلاں ہے جبکہ بہت سے قریبی لوگوں کو بھی اس کا علم نہیں ہے۔

تبصرہ نگار نے غالباً کتاب کا مقدمہ غور سے نہیں پڑھا یا پھر وہ قصداً اس کو نظر انداز کر گئے ورنہ وہ بات نہ لکھتے۔ مقدمہ میں مولانا نے واضح طور پر لکھ دیا ہے کہ "ہندوستان میں "دعوت اسلامی" کے موضوع پر عربی زبان میں وہ ایک ضخیم کتاب لکھ چکے ہیں جو عنقریب شائع بھی ہونے والی ہے یہ رسالہ گویا اسی کا خلاصہ ہے مولانا نے اپنی جس ضخیم کتاب کی طرف اشارہ کیا ہے اس سے ندوہ کا حلقہ مرحوم "الضیاء" کے زمانہ سے واقف ہے" خیر یہ تو پرانی بات ہے اس کتاب کا تذکرہ مولانا نے حال میں اپنے سفرنامہ "دیار عرب میں چند ماہ" میں بھی کیا ہے۔ تبصرہ نگار نے غالباً اس کو پڑھا بھی ہوگا مگر شاید وہ یہ لکھنے پر مجبور تھے۔

اس کتاب کی اہمیت کم کرنے کے سلسلہ میں تیسری بات تبصرہ نگار نے یہ لکھی ہے کہ محب الدین الخطیب جنھوں نے اس کتاب پر مقدمہ لکھا ہے، ان کا مصر میں کوئی علمی وادبی مقام نہیں ہے[1] یہ مولانا مسعود عالم کے پرانے دوست ہیں ان کو ہندو پاک کی دینی تحریکات کا علم انہیں کے ذریعہ ہوا ہے، مقدمہ انھوں نے محبت و دوستی کے انداز میں لکھا ہے وغیرہ وغیرہ۔ محب الدین الخطیب کے بارے میں اور بھی بہت سے انکشافات کئے ہیں۔ حالانکہ اس تبصرہ میں اس کی کوئی خاص ضرورت نہیں تھی۔ تبصرہ نگار کو ان کے بارے میں جو کچھ معلومات ہیں وہ محض سماعی ہیں مگر انھوں نے جو بزرگانہ انداز اختیار کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان کے ساتھ یا مصر کے ادبی و علمی حلقوں میں برسوں رہے ہیں۔ تبصرہ نگار نے ان کے بارے میں جتنی بھی باتیں لکھی ہیں ان میں بعض بالکل ہی خلاف واقعہ ہیں۔ اور بعض باتوں کو ان کی طرف منسوب کرنے میں مبالغہ سے کام لیا ہے اور یہ تو کوئی لکھنے کی بات ہی نہیں تھی کہ "مقدمہ محبت و دوستی کے انداز میں لکھا گیا ہے" کتابوں پر مقدمے تو محبت و دوستی کے انداز میں لکھے ہی جاتے ہیں۔ خود تبصرہ نگار بھی دو ایک رسالوں کے مصنف ہیں اور ان رسالوں پر مقدمے بھی ہیں مگر ع

اس کنا ہیست کہ در شہر شما نیز کنند

اس کے بعد انھوں نے بہت سے طنزیہ اور تعریضی جملے کتاب اور اس کے مصنف کے بارے میں لکھے ہیں؛ مثلاً "کتاب کا نصف سے زیادہ حصہ جماعت اسلامی کی روداد سے لبریز ہے"۔ "مؤلف نے عقیدت و وابستگی کا پورا پورا حق ادا کیا ہے کہیں کہیں قلم جوش عقیدت میں واقعہ نگاری کی سرحد کو پار کر گیا ہے"۔

مولانا مسعود عالم ندوی کی افتاد طبیعت اور ان کے اکل کھرے پن سے جو لوگ واقف ہیں وہ اس بات کی بالکل تصدیق نہیں کر سکتے کہ وہ جوش عقیدت یا مداہنت کی بنا پر کوئی بات خلاف واقعہ کہہ دیا یا لکھ دیا کرتے ہیں، پھر مولانا مسعود عالم صاحب ندوی کوئی غیر معروف مصنف نہیں ہیں ان کی متعدد تصانیف منصۂ شہود پر آ کر مقبول ہو چکی ہیں۔ ان کی کسی تصنیف کے بارے میں مخالفین تک نے بھی یہ نہیں لکھا ہے کہ انھوں نے کسی کتاب میں تصنیفی بددیانتی سے کام لیا ہے۔ یا کوئی بات خلاف واقعہ لکھی ہے۔ تبصرے کے طویل ہو جانے کا اندیشہ ہے ورنہ ان باتوں کی میں پوری تفصیل کرتا جن کو تبصرہ نگار نے "محض عقیدت و وابستگی کا نتیجہ

---

[1] مولوی عبدالرشید صاحب ندوی جو مصر کے سفر میں جناب علی میاں کے رفیق تھے، انھوں نے بتایا کہ علی میاں کی جس تقریر کا حوالہ تبصرہ نگار نے دیا ہے اس پر بھی پیش لفظ محب الدین الخطیب ہی کا لکھا ہوا ہے

کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا !

"مصر میں ان کا کوئی علمی وادبی مقام تو نہیں ہے" مگر احمد حسن زیات کے معزول ہونے کے بعد مصر کے ممتاز رسالے مجلۃ الازہر کے ایڈیٹر آجکل یہی محب الدین ہیں یہ روایت بھی مولوی عبدالرشید ہی کی ہے۔

قرار دیا ہے" خود تبصرہ نگار نے بھی ان کی متعدد تصانیف پڑھی ہوں گی اور ان کے بارے میں غالباً ان کی رائے بھی ہم سے کچھ مختلف نہ ہوگی مگر افسوس ہے کہ کچھ دنوں سے ندوی ذہن و فکر کی روشنی آہستہ آہستہ مدھم پڑتی جارہی ہے اور بعض اچھے خاصے سمجھدار فرزندان ندوہ اپنی اعتدال پسندانہ روش کو چھوڑتے اور اس جمود و تعطل، تاریکی اور تنگ نظری کا شکار ہوتے جارہے ہیں جن کے مٹانے کے لئے یہ ادارہ معرضِ وجود میں آیا تھا اللہ تعالےٰ اس کے حال پر اپنا رحم کرے۔

آگے چل کر تبصرہ نگار نے ایک سنگین الزام یہ لگایا ہے کہ مصنف نے واقعہ نگاری اور روایت میں دیانتداری سے کام نہیں لیا ہے۔ اور اس الزام تراشی کے ثبوت میں انھوں نے تین باتیں لکھی ہیں

(۱) کتاب صوفیا کی دینی جدوجہد سے یکسر خالی ہے (۲) اس میں تبلیغی جماعت کا تذکرہ نہیں ہے (۳) دیوبند کے تذکرہ میں صرف اس پہلو کا تذکرہ کیا ہے جو "قابلِ انتقاد" تھا۔

نہ جانے ندوہ کے ادیب نے اس کتاب کو کس نظر سے پڑھا تھا کہ ان کو اس کتاب کا کوئی روشن پہلو نظر ہی نہ آیا۔ میں ان کے تمام الزامات کا جواب کتاب ہی کی عبارتوں سے پیش کرتا ہوں۔

مولانا نے کتاب کے شروع ہی میں لکھا ہے کہ ہندوستان میں اسلام کی روشنی تین راستوں سے آئی سب سے پہلے ساحلی علاقوں میں عرب تاجروں کے ذریعہ یہ روشنی پہونچی پھر محمد بن قاسم کے حملے کے بعد سندھ کی سرزمین اس سے منور ہوئی اور سب کے بعد شمالی ہندوستان میں اس کی شعاعیں پھیلیں اور اس علاقہ میں سب سے پہلا فاتح جو داخل ہوا وہ محمود غزنوی تھا۔

کتاب کے ابتدائی تین صفحات میں مصنف نے صرف یہ بتانے کی کوشش کی ہے۔ ہندوستان میں اسلام کی آمد کی تاریخی ترتیب کیا ہے یہاں یہ بیان کرنا ان کا مقصود نہیں ہے کہ ہندوستان کے باشندوں نے اسلام کو کس طرح اور کن کن ذرائع سے قبول کیا اس کا ذکر انہوں نے چند ہی سطروں کے بعد آگے کیا ہے۔ اور یہ بالکل تاریخی حقیقت ہے کہ ہندوستان میں سب سے پہلے اسلام کا قدم جس سرزمین پر آیا وہ ساحلی علاقے، مالابار، کالی کٹ، اور سراندیپ وغیرہ ہیں۔ اس کے بعد یہ سندھ میں پھر شمالی ہند میں داخل ہوا۔ اور یہ بھی ایک واقعہ ہے کہ ساحلی علاقوں میں عرب تاجروں، سندھ میں محمد بن قاسم اور شمالی ہند میں محمود غزنوی کی آمد سے پہلے اسلام کا قدم جما نہیں تھا۔ یہ ممکن ہے کچھ علمار و صوفیار یہاں اس سے پہلے آئے ہوں مگر اس کا کوئی تاریخی ثبوت ملنا بہت مشکل ہے۔ رہا یہ الزام کہ مولف نے عرب تاجروں اور سلاطین کا تذکرہ تو کیا ہے مگر علماء و مشائخ کی دینی جدوجہد کے ذکر سے کتاب یکسر خالی ہے، تو یہ ایک تراشا ہوا الزام ہے!

تبصرہ نگار نے کتاب کے اسی حصہ کو جس میں اسلام کی آمد کے راستوں اور تاریخی ترتیب کا ذکر ہے پڑھ کر یہ الزام جڑ دیا اگر چند سطریں اور آگے نظر ڈال لیتے تو شاید وہ یہ نہ لکھتے۔ مولف نے بڑے واضح اور کھلے الفاظ میں یہ اعتراف کیا ہے کہ

والذی نراہ الیوم من اسم الاسلام فی ھذہ البلاد و ارتفاع کلمۃ فی بعض اقطارھا فالفضل فیہ یرجع الی العلماء والمشائخ الذین ھاجروا اوطانھم فی بلدان الاسلام ودخلوا لھند دعاۃ مرشدین وخالطوا اھلھا وعاشروھم فتاثر سکان البلاد باخلاقھم الزکیۃ وسجایاھم العالیۃ واختاروا الاسلام

اس وقت ہم ہندوستان میں اسلام کا نام اور بعض حصوں میں اس کو جو بلند دیکھ رہے ہیں تو یہ ان علماء و مشائخ کا فیض ہے جو اپنے اسلامی وطن کو چھوڑ کر ہندوستان میں صرف تبلیغ و اشاعت اور اصلاح و دعوت کی خاطر آئے اور پھر یہاں کے باشندوں میں گھل مل گئے ان کے میل جول اور ان کے سیرت و کردار اور پاکیزہ اخلاق سے یہاں کے باشندے متاثر ہوئے اور بطیب خاطر اور پورے

دینا هم عن طیب نفس وانشراح صدر[۱۵] شرح صدر کے ساتھ انھوں نے اسلام کو اختیار کیا۔

کتاب کی اس عبارت کے بعد تبصرہ نگار کے اس الزام کی کیا حقیقت رہ جاتی ہے کہ کتاب صوفیاء کے تذکرے سے یکسر خالی ہے۔

رہا تبلیغی جماعت کا تذکرہ تو اس بارے میں [illegible] عرض ہے کہ مؤلف کے پیش نظر ان انقلابی شخصیتوں اور تحریکوں کا تذکرہ و تعارف تھا جن کے ذریعے فکر و نظر اور ساتھ ہی ساتھ عمل میں بھی کوئی انقلاب آیا ہے یا پھر انھوں نے اسلامی نظام کے قیام کے لئے جدو جہد کی ہے۔

اور یہ واقعہ ہے کہ تبلیغی جماعت کوئی ہمہ گیر انقلابی جماعت نہیں ہے۔ بلکہ وہ ایک اصلاحی جماعت ہے، جو اسلامی انقلاب کا پروگرام لیکر نہیں اُٹھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا دائرۂ عمل اتنی مدت گزر جانے کے بعد بھی امر بالمعروف کے چند اجزاء (کلمہ، نماز اور اکرامِ مومن) سے آگے نہیں بڑھ سکا ہے، نہ تو اب تک اس نے وسیع طور پر امر بالمعروف ہی کو اپنایا ہے اور نہ نہی عن المنکر کو ہاتھ لگایا ہے۔

اس سے انکار نہیں کہ مسجدوں کی آبادی اور مسلمانوں کے کلمہ کی تصحیح کے سلسلہ میں اچھا خاصہ کام کیا ہے۔ مگر اس طرح تو ہندوستان کی دوسری مسلمان[۵] جماعتیں بھی ہیں جنھوں نے کچھ نہ کچھ اسلام اور مسلمانوں کا کام کیا ہے تو پھر اس رسالہ میں مؤلف کن کن جماعتوں کا تذکرہ کرتے جبکہ یہ مقصود بھی نہیں تھا۔

---

[۵] مسلمانوں کی دوسری جماعتیں جو اصلاح و تبلیغ کا کام کرتی ہیں اُن کے مقابلہ میں تبلیغی جماعت یقیناً ممتاز حیثیت رکھتی ہے اور مولانا مسعود عالم صاحب ندوی اپنی کتاب میں اگر اس جماعت کی تبلیغی خدمات کا ذکر فرما دیتے تو یہ تذکرہ خارج از موضوع نہ سمجھا جاتا —— مگر اس تذکرے کے چھوٹ جانے پر جو لوگ مولانا موصوف پر گروہی عصبیت کا الزام لگاتے ہیں، وہ بھی زیادتی کرتے ہیں۔
نماز دین کا بہت بڑا رکن ہے —— اتنا بڑا کہ جس نے نماز کو چھوڑا اُس نے گویا دین کی عمارت کو ڈھا دیا، تبلیغی جماعت نے "اقامتِ صلوٰۃ" کے سلسلہ میں جو خدمات انجام دی ہیں، وہ یقیناً قابلِ قدر ہیں! میوات کے علاقہ میں مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کے رفقاء کی تبلیغی کوششوں کی بدولت جو دین کی روشنی پھیلی اور نام کے مسلمان کام کے مسلمان بن گئے، اُس کا سب سے پہلے تعارف مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے آج سے تقریباً سولہ سترہ سال قبل "ترجمان القرآن" میں کرایا تھا۔
حضرت مولانا محمد الیاس صاحب قدس سرہٗ العزیز نے اُس وقت وفات پائی جبکہ اُن کا کام آغاز کی منزل میں تھا، مگر اس فہم و دانش کو کیا کہئے کہ مولانا رح کے عقیدت مندوں اور اُن کے جانشینوں نے اس "آغاز" ہی کو "انتہا" سمجھ لیا، اور وہ "اقامتِ دین" کے ایک جُز یا چند اجزا پر قناعت کئے بیٹھے ہیں! حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے بڑھ کر عبادت گزار اور کون ہو سکتا ہے مگر حضورؐ کی سیرتِ مقدسہ میں یہ بھی ملتا ہے کہ بدر و احد میں سرکار فوجیں بھی لڑا رہے ہیں، حدیبیہ میں دشمنوں سے صلح بھی کر رہے ہیں، بادشاہوں اور فرماں رواؤں کو دین کی دعوت بھی دے رہے ہیں، مجرموں پر حد بھی جاری فرما رہے ہیں، قبائل کے وفود سے مل بھی رہے ہیں، اگر دین کی دعوت صرف نماز روزے تک محدود ہو کر رہ جاتی تو عرب میں کفر و جاہلیت کا زور کس طرح ٹوٹتا، اور اللہ کے دین کو غلبہ کس طرح حاصل ہوتا؟ قیصر و مدائن کے دروازوں کو اُن مسلمانوں نے کھولا ہے جو رات کے راہب اور دن کے شہسوار تھے! اسلام کی تاریخ میں صرف "صفہ" کو یاد رکھنا اور بدر و حنین سے صرف نظر کر جانا تاریخ کا ادھورا مطالعہ ہے!

(بقیہ صفحہ "۲۷" پر)

تبصرہ نگار نے یہ بھی ایک الزام لگایا ہے کہ دیوبند کی دینی خدمات کا مؤلف نے تذکرہ نہیں کیا۔ حالانکہ ۱۸۵۷ء کے بعد کے حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے انھوں نے چند مدارس فکر کا تذکرہ کیا ہے ان میں "دیوبند" کو مخصوص طور سے شامل ہی نہیں کیا ہے بلکہ اس کو "ام المدارس العربیہ" قرار دیا ہے، لکھتے ہیں

"انگریزی حکومت کے قیام کے بعد کچھ لوگ تو ان کی پیروی و تقلید میں لگ گئے۔ یہ سرسید احمد خاں اور ان کا گروہ تھا۔ مگر علماء و مشائخ پر اس حادثۂ غدر کے بعد ایک دوسرا اثر پڑا۔ کچھ علماء نے تو غدر کے ہنگامہ میں شرکت کا فتویٰ دیا اور کچھ مجاہدین نے یہ محسوس کیا کہ انگریزی حکومت اور اس کی تہذیب اور عیسائی مشنریوں کی ریشہ دوانیوں سے مسلمانوں کو بچانے کے لئے ایک ہی شکل ہے کہ ایسے آزاد دینی مدارس کھولے جائیں جن میں حکومت کا کوئی عمل دخل یا مدد شامل نہ ہو، چنانچہ قریب قریب ہر بستی اور ہر شہر میں ایسے مدارس کھولے گئے۔ اسی پروگرام کے ماتحت ۱۸۸۳ء[1] میں دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا۔ اس کی ابتدا تو بہت معمولی طریقے سے ہوئی مگر آہستہ آہستہ اسی نے اتنی ترقی کی کہ ہندوستان کا سب سے بڑا دینی مدرسہ ہوگیا۔" صفحہ ۶۰

دو صفحے کے بعد لکھتے ہیں

ولکن الک مدرسة دیوبند اضحت فی مابعد ام المدارس الدینیة ومرکزها الرئیسه صفحہ ۶۲	بعد میں مدرسہ دیوبند ہندوستان کا سب سے بڑا دینی مدرسہ اور دینی مدارس کا سب سے بڑا مرکز ہوگیا!

اس تبصرہ کو پڑھ کر ہر لکھا پڑھا آدمی اس نتیجہ پر پہونچے گا کہ تبصرہ نگار نے مولانا مسعود عالم ندوی کی کتاب کی اہمیت اور عظمت کو گھٹانے کی کوشش کی ہے اور یہ نقد و تبصرہ کے فن پر ایک طرح کا ظلم ہے!

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۶) پاکستان میں چھ سال تک یہ کشمکش جاری رہی کہ یہاں کس طرز کی حکومت قائم کی جائے! اسلامی حکومت جس کی بنیاد کتاب و سنت پر ہو یا لادینی حکومت ——— مگر تبلیغی جماعت نے "اقامتِ دین" کے اتنے بڑے کام کو دنیا داری کا کام سمجھ کر اسے لائقِ اعتنا ہی نہیں سمجھا۔ ان حضرات نے نماز پڑھوانے کے لئے سفر کرنے ہی کو "اللہ کی راہ" سمجھ رکھا ہے، اور "اقامتِ دین" کی دوسری کوششوں کو وہ "دنیا کی راہ" سمجھتے ہیں!

نماز روزے کی اس انداز پر تبلیغ کہ طاقت کے زور سے "منکر" کو بدلنے کی اسپرٹ مسلمانوں میں دب کر رہ جائے، اللہ کے دین کو دنیا کی غالب قوت کا ہیکو بننے دے گی! تقویٰ کا لازمی نتیجہ "عزیمت" ہونا چاہئے جہاں عزیمت نہیں وہاں تقویٰ رہبانیت سے قریب تر ہو جاتا ہے! اسلام کو ایسے "فقر" کی ضرورت ہے جس سے "بوئے گوسفندی" نہیں "بوئے اسداللہی" آتی ہو ——! (ماہر القادری)

[1] غالباً یہ تسامح ہوگیا ہے۔ صحیح ۱۸۸۳ء نہیں بلکہ ۱۲۸۳ھ ہے!

اسعد گیلانی

آگے کا مرحلہ

چھ سال کے طویل اور پُر صعوبت سفر کے بعد ہمارے دستور کی گاڑی جس جگہ آکر رُکی ہے۔ اس مرحلہ پر مناسب ہے کہ ہم اس ساری آئینی جنگ کا جائزہ لیں تاکہ اس کی روشنی میں اپنی طے کردہ مسافت اور آگے کے سفر کا نقشہ وضاحت کے ساتھ سامنے رکھ سکیں۔ اس جدوجہد میں ہماری قومی حکومت، ہمارے عوام اور اسلام پسند طبقے نے جو جو حصہ ادا کیا ہے اسے نگاہ میں رکھنا انتہائی ضروری ہے اور یہ بھی، کہ اب وہ کونسی راہ ہے جس پر یہ قافلہ آگے بڑھ سکتا ہے۔

ملک کی تقسیم کے وقت تین قسم کے گروہ تھے جو تین علٰحدہ علٰحدہ قسم کے تصورات اپنے نئے ملک کے بارے میں رکھتے تھے۔

تین گروہ

پہلا گروہ اُن لوگوں کا تھا جو تحریک پاکستان کے آگے آگے چلنے والے لوگوں کے اخلاق اور سیرتوں سے اسلامی اخلاق و سیرت کے معیار کی روشنی میں مطمئن نہ تھا۔ وہ ان کے وعدوں کو ان کے عمومی کردار کے منافی سمجھتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ جب یہ حضرات پاکستان میں اسلامی نظامِ حیات ہی قائم کرنے کے مدعی ہیں تو اس دعوے کی جھلک انکی زندگیوں میں کیوں نظر نہیں آتی۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ اسلامی نظام کے بارے میں یہ خود کسی غلط فہمی میں مبتلا ہوں۔ یا اسے مصلحتاً استعمال کر رہے ہیں دونوں صورتوں میں اسلامی نظام کے دعوے کا مستقبل محفوظ نہ تھا۔ ان کے خیال میں ایسے معجزات رونما ہونے کا یہ دور نہیں تھا کہ ببول کا درخت بڑھتے بڑھتے اچانک انجیر کا درخت بن جائے۔ اس گروہ کا نقطۂ نگاہ یہ تھا کہ اس اخلاق اور سیرت کے لوگوں کی رہنمائی میں جو نظامِ سلطنت قائم ہو وہ زیادہ سے زیادہ ایک قومی اسٹیٹ بن سکتا تھا اور ایک غیر اصولی مسلم قومی اسٹیٹ میں اسلامی نظام جیسا اصولی اسٹیٹ وجود میں لانا فرہاد کے جوئے شیر لانے سے کسی صورت کم مشکل نہ تھا۔ بلکہ ایسی ایک قومی حکومت مسلمانوں اور اسلام کی اصطلاحوں سے غلط فائدہ اُٹھا کر عوام کو زیادہ سہولت سے دھوکے میں رکھ سکتی تھی اور اسلام ہی کے نام پر مثالی اسلامی نظام کا نام لینے والوں کو قید و بند تو کیا سزائے موت تک کا حکم سنا سکتی تھی۔ چنانچہ اس طرزِ فکر کے سب سے بڑے مفکر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اپنے مقالے "اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے" میں تحریر فرمایا:۔

"یہ سمجھنا قطعی غلط ہے کہ قومی حکومت کسی معنی میں بھی اسلامی انقلاب لانے میں مددگار ہو سکتی ہے۔ وہ قومی حکومت جس پر اسلام کا نمائشی لیبل ہوگا انقلاب کا راستہ روکنے میں اس سے بھی زیادہ جری اور بے باک ہوگی جتنی غیر مسلم حکومت ہوتی ہے۔ غیر مسلم حکومت جن کاموں پر قید کی سزا دیتی ہے وہ مسلم قومی حکومت ان کی سزا پھانسی اور جلاوطنی کی صورت میں دے گی اور پھر بھی اس حکومت کے لیڈر جیتے جی غازی اور مرنے پر رحمۃ اللہ علیہ ہی رہیں گے۔" چنانچہ ان اندیشوں کے پیشِ نظر اس گروہ نے ایسے افراد کی تربیت کا فوری کام شروع کر دیا تھا جو پاکستان بننے پر اگر یہاں اسلامی نظام قائم ہو تو اس کے دست و بازو بنیں۔ اس کے خادم بنیں۔ اور اس کی خدمت کو عبادت سمجھ کر بجا لائیں اور اگر یہاں غیر اسلامی نظام قائم ہونے کے امکانات اُبھرنے لگیں تو پھر آگے بڑھکر ایسے کسی اقدام کی مزاحمت کریں۔ اس کے لیڈروں کو ان کے وعدے یاد دلائیں۔ مسلمان عوام کو منظم کریں۔ اور کفر کی تعمیر کرنے والے

ہاتھوں کو پکڑیں اور روکیں تاکہ مسلم قوم کی دُنیا کے ساتھ اس کا دین بھی برباد ہونے سے بچ سکے۔

دوسرا گروہ ان عوام کا تھا جو ہر چمکتی چیز کو سونا سمجھا کرتا ہے اور جب دھوکوں کی کثرت ہو تو پھر سونے کو بھی مٹی سمجھ کر پھینک دیتا ہے۔ جس کا شعور پُوری طرح بیدار نہیں ہوتا۔ جس کا اجتماعی ذہن دور اندیشی نہیں جانتا۔ صرف نعروں کی بلند آہنگی سے متاثر ہوتا ہے۔ یہ گروہ تقسیم ملک میں اپنی دیرینہ اُمیدوں کی کامیابی دیکھ رہا تھا کہ ایک نئے ملک میں اسلامی نظام بروئے کار آئے گا اور ان کو اس دور کی سعادت نصیب ہوگی جو اللہ اور اس کے رسولؐ کو محبوب ہے، اور جو ان کے ایمان کا تقاضا ہے۔ چونکہ اخلاقی کمزوریوں کی کثرت کی وجہ سے مسلمان عوام کے پاس بھی اسلامی سیرت کا کوئی واضح تصور موجود نہ رہا تھا۔ اور پیہم انحطاط نے ان کو اسلام کے تقاضوں سے بے خبر کر کے صرف جذباتی محبت تک لا ڈالا تھا اس لئے ان کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ اپنی قیادت کی سیرت اور اس کے اخلاقی پہلوؤں پر غور کریں اور اس کا اِس روشنی میں جائزہ لیں۔ چنانچہ انگریز کے دیئے ہوئے دین و دنیا کی تقسیم کے تصور کے مطابق اُنہوں نے مُروجہ سیاست کی پہلوانی سب سے پہلی اور اوّل صفت اپنی قیادت کے لئے قرار دی اور اس کو دلیل قیادت سمجھا اور اس اُمید پر کہ ملک کے بنتے ہی اسلامی نظام قائم ہوگا اور اس کے تقاضوں کے مطابق یہ حضرات اپنے آپکو ڈھال لیں گے اپنا مستقبل ان کے ہاتھوں میں پوری طرح محفوظ سمجھ کر دے دیا۔

تیسرا گروہ معدودے چند مخلص افراد کے سوا بہت سے کائیاں موقعہ شناس مفاد پرست چالباز اور کچھ سرکاری ملازمت پیشہ افراد پر مشتمل تھا۔ ان کے ارادے نیک نہ تھے۔ اُنکی نیتیں فاسد تھیں۔ ان کے نزدیک جنگ پاکستان "اسلامی نظام حیات اور مسلمان قوم کی علیحدہ تہذیبی۔ تمدنی۔ اخلاقی۔ سیاسی۔ معاشرتی اور معاشی اقدار کی جنگ نہ تھی بلکہ عہدوں۔ کرسیوں اور وزارتوں کی جنگ تھی۔ سیٹوں اور تنخواہوں کی جنگ تھی۔ ٹھیکوں اور کاروبار کی جنگ تھی۔ ان میں بیشتر حضرات پاکستان کو ایک ایسی چراگاہ سمجھتے تھے جس پر وہ بھوکے بھینسوں کی طرح اپنے سارے لاؤ لشکر کے ساتھ ٹوٹ پڑنے والے تھے۔ ان کے نزدیک یہ ایسے یتیم کا مال تھا جس کے لئے اپنے مال کی حفاظت ممکن نہ تھی اور جسے اُڑا لینا عین ڈپلومیسی کا تقاضا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ جب ہم جنگِ پاکستان جیت کر پاکستان میں بطور فاتح داخل ہوں گے تو اس نئے ملک کی تاریخ ہم ہی بنانے والے ہوں گے۔ ہم ہی اس کے ہیرو ہوں گے۔ ہمارے ہی اشاروں پر قوم اُٹھے گی اور بیٹھے گی اور پھر ہم اس موم کی ناک کو جو شکل دینا چاہیں گے دے لیں گے۔ فاتح کے سامنے کس کی ہمت ہو سکتی ہے کہ وعدے کے ایفا کا محاسبہ کر سکے یا فرض کی ادائیگی کا احساس دلا سکے۔ ان کا خیال تھا کہ جب سارے ذرائع و وسائل ہمارے ہاتھ میں ہوں گے۔ پولیس اور فوجیں ہمارے حکم پر حرکت کریں گی۔ ریڈیو ہمارے حکم سے نشر و اشاعت کا فریضہ انجام دیں گے۔ اخبارات اور جرائد ہمارے اشاروں پر خبریں اور مضامین شائع کریں گے تو پھر جو "معروف" ہم مقرر کریں گے وہی "معروف" ہوگا۔ جسے ہم منکر کہیں گے وہی "منکر" ہو جائے گا اور کسی کو مجال دم زدن نہ ہوگی۔ اور چونکہ اس گروہ نے اسلام پسند عنصر کو قیادت کے منصب سے معزول کر کے اسے اچھی طرح بدنام بھی کر لیا تھا اس لئے یہ خطرہ بھی نہ تھا کہ مُلا کسی مزاحمت کا باعث ہوگا۔ اپنے خیال میں مُلا کی قبر وہ اگر پار ہی کھود آئے تھے۔

(۲)

تقسیم کے بعد پہلا گروہ منتظر تھا کہ ملک دستوری لحاظ سے صحیح سمت اختیار کرے۔ اس کی دُعا تھی کہ مسلمان کی دیرینہ آرزوئیں بر آئیں۔ اور پاکستان دُنیا کو وہ راہ دکھا دے جس کے بغیر دنیا عالمگیر جنگوں کی بھٹی میں جل رہی تھی۔ اس کی تمنا تھی کہ یہاں وہ نظام حق قائم ہو جس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضورؐ کے ساتھیوں نے جدوجہد کی تھی۔ اس گروہ منظم ہو کر سوشل

سرحد کے کام پر زیادہ توجہ دی۔ مہاجرین کی امداد و اعانت اور ان کے مقامی باشندوں سے بہتر تعلقات کے قیام کی کوششیں، انصار اور مہاجرین کے مثالی کردار اور طرزِ عمل سے قوم کو آگاہ کر کے ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے فراخی اور الفت پیدا کرنے کی جدوجہد، تاکہ حکومت کے لئے سکون سے کام کرنے کا ماحول پیدا ہو۔ اور مستقبل کے پاکستان کے بارے میں اس کے ارادے صاف طور پر سامنے آجائیں۔

دوسرا گروہ یعنی عوام، زخم خوردہ لُٹا پٹا نئے مسائل کے بوجھ سے دبا ہوا، حکومت کی طرف اُمید بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اور دن رات اسلامی نظام کے قیام کی خبر اور اس کی برکات سے متمتع ہونے کا اُمیدوار تھا۔ اس کے آثار جگہ جگہ پائے جا رہے، چنانچہ کچھ بھی اسلامی نظام کا تصور ان میں موجود تھا اس کے مظاہر خود بخود اُبھر رہے تھے۔ لوگوں کی بات چیت۔ دین کی طرف رجحان، فواحش سے اجتناب، عام سرکاری ملازموں کی رشوت سے پہلو تہی اور اس کے علاوہ دوسری اخلاقی علامات جن سے محسوس ہوتا تھا کہ یہ قوم ایک نئے ماحول، نئے قانون اور نئی قسم کی ذمہ داریوں کے لئے اپنے آپ کو تیار کر رہی ہے۔

تیسرا گروہ اب ایک نئے نشے میں سرشار تھا۔ ایک طرف سے نصف قوم لُٹ پٹ کر ملک میں داخل ہو رہی تھی اور دوسری طرف اس کے لئے جشنِ آزادی منانا ضروری ہو گیا تھا۔ اب اس کے نزدیک عددوں کے کھلونوں کو زیادہ دن قائم رہنے دینا بھی خلافِ مصلحت تھا۔ اب وہ نئی طاقت پا کر اپنے عزائم کا اظہار کرنے پر پوری طرح تیار تھا۔ چنانچہ تقسیم کے بعد "سیکولرازم" کے دستور کی بولیاں بھی سننے میں آئیں اور تقسیم ہند سے پہلے "اسلام" کا نام لیکر جس انداز پر اُبھارا جا رہا تھا، پاکستان بننے کے بعد وہ طوفان نہ جانے کیوں تھم سا گیا! شاید سیاست کی دھوپ جتنی ولولہ انگیز ہوتی ہے، اُس کی چھاؤں اتنی ہی خاموش بلکہ بے جان ہوتی ہے ——!

ے انقلابات ہیں زمانے کے !

(۳)

پاکستان کے وجود میں آنے کے نو دس ماہ تک اسلام پسند گروہ اس بات کا منتظر رہا کہ اسلامی نظام کی صبح کے نمودار ہونے کے آثار پیدا ہوں، کہیں سے اُمید کی کوئی کرن پھوٹے۔ تاکہ یہ قوم جتنی کچھ عظیم قربانی کر چکی ہے اس کا اسے بدل مل سکے اور اسے کسی نئی کشمکش سے دوچار نہ ہونا پڑے لیکن طلوعِ صبح کی بجائے چمگادڑوں کی خوفناک اُڑانوں نے یہ بتانا شروع کیا کہ ان کے نزدیک شب کا آغاز تو اب ہو رہا ہے۔ چنانچہ بھانت بھانت کی بولیوں کے ساتھ ساتھ دستور سازی کی طرف مکمل بے پروائی اور بے اعتنائی برت کر انھوں نے ثابت کر دیا کہ جس چیز سے انھیں دلچسپی تھی وہ انھیں حاصل ہو چکی۔ اور اب وہ نئی منزل پر پہونچ چکے تھے اب ان کے سامنے دوسری کوئی منزل باقی نہ تھی یا اگر تھی تو اس کے لئے پہلے وہ اپنے اثر و رسوخ سے فضا ہموار کر لینا زیادہ ضروری سمجھتے تھے۔ اس صورتِ حال میں قوم کے ہوش مند اور اسلام پسند طبقے نے خطرہ محسوس کیا اور حالات کو ایک مناسب رُخ کی طرف موڑ دینے اور ملک کے آئین کی سمت متعین کرنے کے لئے اُنھوں نے ایک چار نکاتی مطالبہ پیش کیا، یہ مطالبہ ایسا تھا کہ ہمارے اربابِ اقتدار اگر سہواً دستور کے اہم مسئلے کو نظر انداز کر گئے تھے تو فوراً اسے منظور کر کے اپنی غلطی کا ازالہ کر دیتے اور ملک کی فضا میں پیدا ہونے والے شکوک و شبہات کا قلع قمع ہو جاتا۔ پھر یہ مطالبہ چونکہ ملک کے آئندہ دستور کا رُخ متعین کرنے کے لئے تھا اس لئے بھی اسے منظور کر لینے کے معنی یہ تھے کہ قوم سے کئے ہوئے وعدوں کے ایفا کی طرف قدم اُٹھایا گیا۔ لیکن بدقسمتی سے برسرِ اقتدار گروہ نے اس مطالبہ میں اپنے لئے خطرہ محسوس کیا۔ اس مطالبہ کے ساتھ ہی اس ملک میں ایک آئینی اور دستوری جنگ کا اعلان ہو گیا۔ بلکہ یوں کہا جا سکتا ہے کہ ایک فریق کی طرف سے آئینی اور دوسرے فریق کی طرف سے اپنی طاقت کے زعم میں ایک ایسی جنگ کا اعلان تھا جس میں ہر بے اصولی اور بے آئینی کو

روا رکھا جا سکتا تھا!

(۴)

یہ آئینی اور دستوری جنگ اُس دن سے آج تک اس ملک میں برپا ہے۔ اپریل ۱۹۴۸ء سے نومبر ۵۳ء تک یہ کشمکش بڑے بڑے سخت مراحل سے گزری ہے۔ پانچ سال سات ماہ کا یہ عرصہ ایک طویل آئینی جدوجہد کا میدانِ کارزار ہے جسے ہم چار مراحل میں تقسیم کر سکتے ہیں۔۔۔!

پہلا مرحلہ یہ ۱۲ ماہ کی مدت پر مشتمل ہے۔ اپریل ۱۹۴۸ء میں چار نکاتی مطالبہ شروع ہوا اور ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء کو قرارداد مقاصد منظور ہونے پر ختم ہو گیا۔ اس دوران میں مخالفِ اسلام گروہ کی طرف سے بہت کچھ ہتھکنڈے۔ دھاندلیاں اور زیادتیاں عمل میں لائی گئیں۔ جہاد کشمیر کی بحث، غیر ممالک سے ساز باز اور امداد کے گھناؤنے بہتان، اخبارات و جرائد کی بندش، سیفٹی ایکٹ کا استعمال، کرایہ کے "دین بازوں" اور اخباروں کا پروپیگنڈا۔ لیکن پھر بھی عوامی جدوجہد کے سامنے چراغ جل نہ سکا اور بالآخر مطالبے کے متعین خطوط پر قرارداد مقاصد منظور کرنی ہی پڑی یہ اسلام پسند گروہ کی پہلی فتح تھی۔

دوسرا مرحلہ یہ مرحلہ مارچ ۱۹۴۹ء سے ستمبر ۵۰ء تک ۱۹ ماہ پر مشتمل ہے، قرارداد مقاصد کے بعد اسلام پسند گروہ کے لئے ایک سیدھی اور واضح راہِ عمل متعین ہو گئی تھی مگر مغرب زدہ عناصر چور دروازوں کے ذریعے اپنے مقاصد کی تکمیل اور اپنے نظریوں کی تشکیل چاہتے تھے، ۱۹ ماہ تک ٹال مٹول اور فضا کو قرارداد مقاصد کے تقاضوں کے خلاف تیار کرنے کے بعد ستمبر ۱۹۵۰ء میں پہلی بار دستوری تجاویز پیش کی گئیں جن میں نہ اسلام تھا نہ جمہوریت تھی۔ کافرانہ تصورات تھے اور ملوکیت تھی، ان تجاویز نے اربابِ اقتدار کے ذہن کو پوری طرح بے نقاب اور ان کی نیتوں کو واشگاف کر دیا، ان تجاویز اور دستوری سفارشات کو قوم نے متفقہ طور پر رد کر دیا بلکہ ٹھکرا دیا۔

تیسرا مرحلہ یہ مرحلہ اکتوبر ۵۰ء سے نومبر ۵۳ء تک ۳۶ ماہ کی کشمکش پر مشتمل ہے۔ اس دوران میں اسلام پسند گروہ نے یہ دیکھنے کے بعد کہ یہ حضرات اسلامی دستور کا شعور تک نہیں رکھتے اور اگر دیانتداری سے کچھ کرنا بھی چاہیں تو کم علمی کی وجہ سے معذور ہیں قرارداد مقاصد کی طرح علما کی ایک مجلس نے ۲۲ نکات پر مشتمل ایک دستوری خاکہ مرتب کیا جس کا خلاصہ جماعتِ اسلامی نے نو نکات کی شکل میں مرتب کر کے اسے عوامی مطالبہ بنایا، یہ مرحلہ بڑا ہی سخت مرحلہ تھا، یہ گویا دست بدست آئینی جنگ تھی، اس مرحلہ میں تاریخ کے ورق پر یہ یادگار اور شاندار نقش بھی ثبت ہو گیا کہ ملک کے ہر مکتبۂ فکر کے علماء نے اسلام کے خلاف اس خطرے کو محسوس کیا اور یکجا بیٹھ کر چند دنوں میں ہی ایک دستوری خاکہ مرتب کر دیا! اس مرحلے میں اربابِ قیادت نے اُن لوگوں کو اپنے اندر سے چھانٹ کر الگ کر دیا جو کتاب و سُنت کی بنیاد پر پاکستان کی دستور سازی سے کسی نہ کسی حد تک دلچسپی رکھتے تھے اور اُن لوگوں کو آگے لایا گیا جن کی پالیسی اور افکار و نظریات کو وہ اپنے خیالات سے ہم آہنگ پاتے تھے اور جن پر وہ بھروسہ کرتے تھے اور اُمید رکھتے تھے کہ وہ اُن کے پروگرام اور عزائم کا ساتھ دیں گے اور پاکستان میں مُلّاؤں کی حکومت قائم نہ ہونے دیں گے۔

اس مرحلہ میں قادیانی مسئلہ نے ایک فتنہ کی صورت اختیار کر لی، ہزاروں لوگ کسی نہ کسی عنوان سے اس کا شکار ہوئے، یہاں تک کہ پھانسی اور قید و بند کی طویل سزائیں بھی تجویز ہوئیں ۔۔۔۔۔ اسلام پسند عناصر کے لئے یہ حالات بڑے دل شکن تھے مگر اللہ کے فضل سے وہ ہمت نہیں ہارے اور انہوں نے اسلامی دستور سازی کی مہم کو نہ صرف یہ کہ

جاری رکھا بلکہ اسے اور تیز کردیا، بالآخر وہ دستوری تجاویز جو عوامی مطالبہ کے سامنے جھک کر دسمبر ۱۹۵۲ء میں پیش کی گئی تھیں اور جنھیں اسلام پسند طبقہ کی بڑی حد تک تائید حاصل ہو گئی تھی عارضی دستور کے اسٹنٹ (STUNT) کے باوجود اسمبلی میں لاکر اُس کے ایک بڑے حصّہ کو منظور کرنا پڑا!

دستور سازی کے سلسلہ میں بعض اہلِ نفاق اپنی تدبیروں اور چالوں سے غافل نہیں ہیں مگر توقع کی جاتی ہے کہ اسلامی دستور سازی کے ان مخالفین کی ڈپلومیسی چل نہ سکے گی اور حکومت انصاف، دیانت بلکہ فراست سے کام لیکر علماء کی ترمیمات کے مطابق دستوری سفارشات کو منظور کرے گی اور اس طرح ملک کو ایک تیسری کشمکش سے بچالے گی۔

چوتھا مرحلہ یہ اس جدوجہد کا آخری لیکن سخت ترین مرحلہ ہے جو اَب نئے سال (۱۹۵۴ء) کے آغاز کے ساتھ ہی شروع ہو رہا ہے ———— اسلامی دستور سازی کے بعد حکومت کی باگ ڈور لازماً ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں ہونی چاہیئے جو اپنے افکار و تصورات ہی نہیں بلکہ سیرت و کردار کے اعتبار سے بھی صالح، حق شناس اور خدا سے ڈرنے والے ہوں اور جن کو اقتدار اور جاہ و منصب کی ذرا سی بھی ہوس نہ ہو اور جو حضرت عمرؓ بن عبد العزیزؒ کی طرح بُرائیوں کو مٹانے اور عدل و خیر قائم کرنے کی ہمت رکھتے ہوں، اور یہ بات عقل و دانش کے اعتبار سے سو فی صدی ٹھیک ہے کہ کسی نظام کو وہی لوگ صحیح طور پر چلا سکتے ہیں، جو خود اس نظام کی افادیت اور اہمیت پر ایمان رکھتے ہوں اور جن کی زندگیاں اُس نظام کی اسپرٹ کی مظہر ہوں، اور جو اپنی خواہشوں پر اللہ کی مرضی، اور دین کے تقاضوں کو ترجیح دیتے ہوں۔

اس مرحلے میں آکر ہمارے ملک میں مختلف طرز فکر کے لوگ پائے جاتے ہیں جو مختلف تدابیر کو اپنے طریقۂ کار اور پروگرام میں مفید سمجھتے ہیں، جن میں تین تدبیریں بہت نمایاں ہیں! پہلی تدبیر قوت کے استعمال اور غیر آئینی ذرائع کی ہے! یہ اُن تحریکات کا کام ہے جو زیر زمین ( ) اور خفیہ طریق کار پر یقین رکھتی ہیں اور جو نہ اخلاقی حدود کی پابند ہیں اور انسانی جان کا احترام کرنا جانتی ہیں، ایسی تحریکیں بدامنی اور فساد کو دعوت دیتی ہیں اور اسلام کے مزاج سے ان کے مزاج کو کوئی مناسبت نہیں ہے! جن لوگوں کے سامنے یہ طریق کار ہو، اُن کا اور ہمارا نہ صرف یہ کہ دوسرا راستہ ہے بلکہ کسی نہ کسی مرحلہ میں اُن سے ہمارا تصادم ناگزیر ہے۔

دوسری تدبیر طبعی طور پر حالات پر بھروسہ کر کے بیٹھنے اور حالات کو مناسب صورت میں ڈھلنے کا موقعہ دینے کی ہے! یہ بات خوش خیالی سے زیادہ وزن نہیں رکھتی! نہ اب تک یہاں حالات اپنے آپ اس ڈھب پر آئے ہیں اور نہ آئندہ توقع کی جاسکتی ہے کہ حالات آپ ہی آپ اسلام کے تقاضوں کے مطابق ڈھل جائیں، پھر یہ مزاج تحریکوں کے مزاج سے بھی ناواقفیت کی دلیل ہے، تحریکیں اُسی وقت زندہ رہتی ہیں جب تک غیر مطلوب حالات کو بدلنے کے لئے مطلوب حالات لانے کی جدوجہد کی جاتی ہے! پھر جدوجہد اور سعی و عمل کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ آزمائشیں لاتی ہے، اور آزمائش کا یہ کام ہوتا ہے کہ وہ منافقوں کو چھانٹ دیتی ہے اور آنے والے انقلاب اور تغیر کے لئے مخلص بے غرض، ایثار پسند اور منجھے ہوئے کارکن فراہم کرتی ہے! وہ لوگ جو تماشائیوں کی طرح حالات کو دیکھتے رہتے ہیں اور یہ توقع رکھتے ہیں کہ حالات خود ہی بدل جائیں گے، حقیقت میں کمزور اور بزدل ہیں، اور بزدلوں کے لئے رزمگاہِ ہستی میں عزت کا کوئی مقام نہیں ہے،" ایسے لوگوں کے لئے ذلتیں مقدر کر دی گئی ہیں! اور وہ راستہ کے ایک تنکے کو بھی اِدھر سے اُدھر نہیں کر سکتے!

تیسری تدبیر آئینی جدوجہد کی ہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ یہی اصل تدبیر ہے۔ اسی میں ملک و قوم کی بہتری ہے۔ اسی میں قوم

[illegible] قوم کے لئے سوچنے سمجھنے والے
کی اخلاقی اور سیاسی تربیت کا سامان ہے۔ اسی میں کھرے کھوٹے کو پہچاننے کا موقعہ ہے۔ اور ان [illegible]
اور بہی خواہ عناصر کو چھانٹ کر اوپر لانے کا امکان ہے۔ اگرچہ اس تدبیر کے خلاف ہمارے ارباب اقتدار نے مسلسل سیفٹی قوانین استعمال
کرکے، اور خود بے آئینی کو کام میں لا کر اس کی طرف سے لوگوں کو بہت کچھ مایوس کر دیا ہے۔ اگرچہ ارباب اقتدار نے اب تک جو زمین یہاں
ہموار کی ہے وہ عمل سے بھی اور طریق کار سے بھی لاقانونی کو ہی دعوت دیتی ہے لیکن ان کا یہ منصب نہیں ہے کہ اُن کی پیروی میں
کوئی شخص ملک کی بہتری اور قومی فلاح کو نقصان پہونچائے۔ دوسری بات یہ بھی ہے کہ اس ملک کے عوام نے اس آئینی جدوجہد
کو آزمایا ہے اور اس کے ذریعے کئی معرکے سر کئے ہیں۔ اس کے ذریعے عوام نے اپنا اسلامی نظام کا مطالبہ منظور کرایا۔ قرارداد مقاصد
پاس کرائی۔ اس کے ذریعے ۱۹۵۰ء کی دستوری سفارشات کو ردّی کی ٹوکری میں پھنکوایا، اس کے ذریعے ۱۹۵۳ء کے اندر اندر دستور
پیش کرا کے چھوڑا، اسی کے ذریعے اس دستور کو خالص ملحدانہ دستور کی بجائے اَسّی فی صدی اسلامی بنوایا۔ اسی کے ذریعے ارباب اقتدار
نے عارضی دستور کا اسٹنٹ ملتوی کر دیا، اسی کے ذریعے رپورٹ کا ایک بڑا حصہ منظور ہوا اور خدا کی حاکمیت اور قرآن و سنت دستور
کی بنیاد قرار پائے۔ پھر اس طریق کار نے عوام میں دین کا فہم، اسلامی دستور کے خدوخال، خدا کی حاکمیت اور قرآن و سنت کے قانون
کی ضرورت کا احساس دلایا۔ اسی طریق کار نے لوگوں میں جمہوری حقوق کا شعور اور سیاسی فہم پیدا کی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ سیاست
کو دین سے باغی ایک شعبہ زندگی بتا دین کے تحت ہونے کا شعور دیا۔ اسی طریق کار نے مسلمانوں کے اندر سے سیاسی پہلوانوں کی
تلاش کا جذبہ ختم کر کے مرد صالح کی تلاش کا جذبہ ابھارا، یعنی جوڑ توڑ اور بے اصولی کو چھوڑ کر دیانت، امانت، شرافت اور خشیتِ الٰہی کو
بہتر صفات قرار دیا۔ اس لئے ہمارے لئے ہمارے مستقبل کی جدوجہد کا یہی طریق کار ہے اور اسلامی انقلاب کا چوتھا مرحلہ اسی کے
ذریعے طے کیا جا سکتا ہے۔

(۵)

لیکن یہ جدوجہد اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک یہ ضروری ساز و سامان اپنے ساتھ نہ رکھتی ہو۔ اس طریق کار
اور جدوجہد کو کامیابی کی منزل تک پہونچنے کے لئے چار چیزوں کی ضرورت ہے:۔

۱ : غیر اسلامی حالات سے بے اطمینانی اور معاشرے کی اصلاح!
۲ : عوام میں صالح نصب العین کے حصول کی عشق اور ولولہ
۳ : جمہوریت کی بحالی اور شہری آزادیاں
۴ : جمہوری انتخابات

یہ وہ ضروری تدابیر ہیں جو اس مرحلے کا ضروری زاد سفر ہیں۔

معاشرے کی اصلاح

معاشرے کی اصلاح کی مختلف صورتیں ہیں جو مقامی حالات کے مطابق ہر جگہ ملک گیر پیمانے پر اختیار کی جا سکتی ہیں۔

(۱) **پاکیزہ ادب کی راہ سے افکار کی تطہیر**:۔ اس کے لئے اصلاحی، اخلاقی اور اسلامی جرائد جاری بھی
کئے جا سکتے ہیں اور جو جاری ہیں اُن سے کام بھی لیا جا سکتا ہے۔ یہ صالح ادب کے حامی ادیبوں کا کام ہے کہ وہ اپنے طاقتور دلائل
اور دل نشین انداز فکر کے ملک کے ادب اور پریس اور صحافت کو متاثر کریں اور لوگوں میں فحاشی کے بجائے شرافت اور پاکیزگی کی

(۲) **خدمتِ خلق**:۔ اس کے ذریعے لوگوں سے رابطہ عام پیدا کیا جائے اور عوام کو بتایا جائے کہ خدمتِ خلق

اس کا نام ہے۔ ۹ جو اپنے آپ کو حاکم نہیں بلکہ خادم اور اتالیق بلکہ غلام سمجھے اور غلام بھی انسانوں کا نہیں بلکہ خدا کا! خدمت خدا ترسی کے بغیر ممکن نہیں، جس کا دل جس قدر خدا کے خوف سے معمور ہوگا اُسی قدر خلوص اور بے غرضی کے ساتھ وہ مخلوق کی خدمت کا حق ادا کر سکے گا۔

(۳) **تعلیمی اداروں کے ذریعے** جو افکار ہماری آئندہ نسل کو پہونچ رہے ہیں، اُن کو اسلام کے منشاء کے مطابق بنایا جائے یا کم از کم اسلام کے مخالف ہونے سے بچایا جائے۔ آئندہ نسل اگر اسلام کے اثرات سے عاری پیدا ہوئی تو اسلام پسند عناصر کی جدوجہد کے لئے کمک بند ہو جائے گی۔

(۴) **مسجد کمیٹیاں** :- جو مسجدوں کو اسلام کی نشر و اشاعت کا ذریعہ بنائیں اور جاہلی رسوم سے معاشرے کو پاک کریں۔

(۵) **دیہی پنچائتیں** :- جو دیہاتوں کے صالح عناصر کو ابھاریں اور غیر صالح عناصر کی چودھراہٹ ختم کریں اور دیہی تنازعوں کا سدِ باب کریں تاکہ غنڈوں کے بجائے شرفاء کو سربراہ کار بنایا جانے لگے اور نیکی منظم ہو!

(۶) **کسانوں کی تنظیم** اخلاقی اور امداد باہمی کے اصولوں پر۔

(۷) **طلباء کی تنظیم** :- تعلیمی اداروں سے غیر اسلامی عناصر کو بے دخل کرنے، اسلامی نظام تعلیم کے قیام - غریب طلباء کی اعانت تعلیم ارزاں اور تعلیمی اداروں کو مخلوط تعلیم کی بُرائی سے بچانے کے مقاصد کے لئے!

(۸) **مزدوروں کی تنظیم** :- طبقہ وارانہ منافرت کو کم کرنے - افہام و تفہیم کے ذریعے، اجیر کے پورے پورے حقوق دلوانے کے اصولوں پر!

(۹) **خواتین کے حلقے** :- گھروں کی تطہیر اور اسلام کے اخلاقی اصولوں کو گھروں میں رائج کرنے اور پاکیزہ ماحول بنانے کے لئے۔

(۱۰) **ریڈنگ روم اور دار المطالعے** :- جن کے ذریعے عوام میں دینی اخلاق، حقوق اور ذمّہ داریوں کا شعور پیدا ہو

(۱۱) **خطبات جمعہ کے ذریعے** :- ہر ہفتہ ملک کے دیندار طبقے کو اسلام اور اس کے تقاضوں سے آگاہ کرنے کی تدابیر اور ملک کے اہم مسائل پر محتاط انداز میں نقد و احتساب۔

غرض یہ کہ اس قوم میں سے اخلاقی قحط کو دور کیا جائے، آج آٹا کمیابی کے باوجود ہر گھر میں مل سکتا ہے، لیکن اخلاق خال خال نظر آتا ہے۔ آج یہ قوم اخلاق کی سب سے زیادہ بھوکی ہے۔ آج اسے اخلاق کی سب سے زیادہ ضرورت ہے!

۲- غیر اسلامی حالات سے بے اطمینانی

یہ ایک منفی کام ہے۔ لیکن اس کے بغیر چارہ بھی نہیں ہے! بقول اقبالؔ :-

> ہے وہی تیرے زمانے کا امامِ برحق　　جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے

واقعہ یہ ہے کہ غیر اسلامی ماحول میں حاضر و موجود سے بیزاری ضمیر کی زندگی کا دوسرا نام ہے۔ جس سینے میں دلِ مردہ نہیں ہوتا وہی حاضر و موجود سے بیزار ہونے کی ہمت کرتا ہے ورنہ دل کی زندگی سے تہی دست انسان اپنی آج کی روٹی کو ہمیشہ آسمان کی بادشاہت پر ترجیح دیتے چلے آئے ہیں۔ حاضر و موجود سے بیزاری گویا وہ زرخیز زمین ہے جس میں کسی انقلابی دعوت کا بیج بویا جا سکتا ہے۔ اس لئے اعتدال کے ساتھ یہ کام کرنا انتہائی ناگزیر ہے۔ اس کا بہترین ذریعہ بے لاگ تنقید اور ارباب اقتدار کے افعال و کردار کا محاسبہ ہے۔ محاسبے سے انسان ایمان کے تیسرے درجے سے اُٹھ کر دوسرے درجے پر آجاتا ہے۔ سلطانِ جائر کے سامنے کلمۂ حق ادا کرنا جہاد میں داخل ہے، یہ کام انسان سے شخصیت پرستی کا مرض دور کرتا ہے، غیر الٰہی خوف و دبدبہ مٹاتا ہے اور صرف اللہ پر توکل بھروسہ سکھاتا ہے۔ یہ کام مضامین، تقاریر اور گفتگوؤں کے ذریعے کیا جا سکتا ہے۔ یہ کام عوام کے جمود کو توڑے گا

اور انہیں اسلامی معاشرے کے لئے تیار کرے گا جہاں امیر المومنین بھی بھرے جلسوں میں محاسبے کے لئے پیش ہوتا ہے۔ تنقید و احتساب... میں کوئی غلط بات قلم اور زبان سے نہ نکلنی چاہئے اس کام میں جرأت و بے خوفی کے ساتھ عدل و دیانت کی ضرورت ہے منصفانہ تنقید ہی اصلاح کی بنیاد ہے۔

۳۔ عوام میں صالح نصب العین کے حصول کا عشق اور ولولہ

جب تک کسی کام کی لگن نہ ہو انسان بیگار کا کام زیادہ دن نہیں کرسکتا اور اونگھنے والا ہمیشہ ٹھیلنے والے کا سہارا ڈھونڈا کرتا ہے یہ ضروری ہے کہ قوم کے ایک بڑے طبقہ میں اسلامی نظام کے لئے اس طرح تڑپ ہو جس طرح اُن میں اپنے ذاتی کاموں کے لئے تڑپ اور بیقراری ہوتی ہے اور یہ ناممکن نہیں ہے، ابھی حال ہی میں یہ قوم پاکستان کے لئے ایسی ہی لگن اور تڑپ کا اظہار کرچکی ہے اور اس لگن کے نتیجے میں انتہائی معمولی مدّت میں ایک اتنا بڑا ملک حاصل کرچکی ہے۔ اب اس ملک کے دستور کا مسئلہ ہے جو اس ملک کے شہریوں کے دین اور ایمان کا مسئلہ ہے ان کے خدا اور رسولؐ کے احکام کا مسئلہ ہے، ان کے قرآن اور نظام حیات کا مسئلہ ہے اور یہ قوم اتنی بے حس اور بے ضمیر نہیں ہے کہ وہ اس کام کو بے سہارا چھوڑ دے، صرف احساس دلانے کی ضرورت ہے اس کے لئے مارکیٹ میں دین اور اخلاقی لٹریچر، جلسوں میں سیرت رسولؐ پر تقاریر اور حضورؐ کے ساتھیوں کا دین کے لئے جوش و ولولہ کو پیش کیا جانا چاہئے، پھر ان اجتماعات میں انھیں نظام اسلامی کی آمد کے لئے تیاری پر اکسایا جائے، اللہ کا خوف جو اس نظام کی قوتِ محرکہ اور اساس ہے، آخرت کے احساس کے ساتھ بیدار کیا جائے۔ اسلامی ریاست کے شہریوں کے حقوق، ان کی ذمہ داریاں، ان کی صفات، ان کے اخلاق کی مثالیں، وہاں تنقید کا معیار، وہاں کے حاکم اور رعایا کی صفات، وہاں کے عمّال اور اُمراء، وہاں کی عدالتیں اور پولیس، وہاں کی فوج، وہاں کا ماحول، شہر اور دیہات غرض اسلامی نظام کے خدوخال کی تفصیلات اس طرح بیان کی جائیں جن میں موزوں ہونے کے لئے عوام میں از خود اصلاحِ حال کا جذبہ اُبھرے اور اس نظام کو جلد تر لانے کا داعیہ زور کرے!

۴۔ جمہوریت کی بحالی اور شہری آزادیاں

یہ وہ اہم کام ہے جس کے بغیر برسر اقتدار گروہ آتی ہوئی تبدیلی کو ذہناً قبول نہ کرنے کی وجہ سے اس راہ میں بہت سی رکاوٹیں ڈال سکتے ہیں اور طرح طرح کی پیچیدگیاں پیدا کرسکتے ہیں، شہری آزادیوں کی بحالی، اس وقت ملک کا ایک بہت اہم مسئلہ ہے۔ جو لوگ یہاں دستوری اور آئینی ذرائع سے تبدیلی لانا چاہتے ہیں ان کو آزادی ہونی چاہیئے کہ وہ ضبط و آئین کے حدود میں رہ کر کام کرسکیں، پھر عوام جس کا ساتھ دیں وہی ملک کا سربراہ کار ہو، اس طریق جمہوریت کو چھوڑ کر جبراً مُسلّط رہنے کی پالیسی ملک میں انارکی اور لاقانونیت کا سبب بن جاتی ہے، اور جب آئینی حدود میں رہنے والے لوگ مطلوبہ تبدیلی لانے سے جبراً روک دیئے جاتے ہیں تو پھر عنانِ انقلاب آئین پسند لوگوں کے بجائے خفیہ طریق کار کے حامیوں کے ہاتھوں میں چلی جاتی ہے، اور تبدیلی کا لاوا راہیں نہ پاکر، بے آئینی کی سرنگوں سے پھوٹنے لگتا ہے، اس لئے ملک کے ہر بہی خواہ کا خالص قومی، ملّی اور اجتماعی نقطۂ نگاہ سے یہ فرض ہو جاتا ہے کہ وہ شہری آزادیوں کو بحال کرنے میں اجتماعی جدوجہد کا ساتھ دے۔

۵۔ جمہوری انتخابات

آئینی اور دستوری انقلاب کا یہی آخری زینہ ہے۔ لیکن اس کی عصمت پر جس قدر بیدردی سے چھاپے مارے گئے ہیں وہ ہماری قومی تاریخ کا ایک دردناک باب ہے، یہی وہ مقام ہے جہاں مفاد پرست، موقعہ شناس اور قسمت آزما لوگ دھن، دھونس، دھوکا، دھاندلی اور دُشنام تک سے دریغ نہیں کرتے بلکہ ان آلات کو اس مورچہ کے اہم ترین اور کارگر اسلحہ سمجھتے ہیں، ووٹوں کی خرید و فروخت، حکام کی دراندازیاں، الاٹمنٹ منسوخ اور مستقل کرنے کے اعلانات اور عہدوں کی تقسیم کے حربے کام میں لائے جاتے ہیں۔ اور یہ کام اتنا ناپاک بنا کر رکھ دیا گیا ہے

کہ کوئی شریف آدمی پگڑی بچا کر اس کوچے سے نہیں گزر سکتا، یہ سب سے زیادہ دشوار گزار مرحلہ ہے، اس لئے کہ قیادت حاکمہ کی شہ رگ پر ہاتھ پڑتا ہے۔ اس لئے کہ اس مقام پر پہونچ کر مفاد پرستوں کے اقتدار کا تخت ہلتا اور اُن کے جاہ و منصب کی کرسی سرکتی ہے، یہ وہ مقام ہے جہاں آئین و جمہوریت کی اتنی سخت چوٹ آکر پڑتی ہے کہ جاہ و اقتدار کی چٹان کسی عنوان بھی ثابت نہیں رہ سکتی، یہیں سے سنگین قلعہ کا آہنی پھاٹک کھلتا ہے، یہیں سے فتح باب ہوتا ہے۔ پس ضروری ہے کہ لوگوں کو ان کے ووٹ کی قدر و قیمت اور اس کے صحیح و غلط استعمال کے نتائج سے آگاہ کیا جائے۔ انھیں اپنی بستیوں کے شرفاء اور نیک سیرت لوگوں کو سامنے لانے اور غنڈوں اور مفاد پرستوں کو آئینی طور پر پیچھے ڈھکیلنے پر تیار کیا جائے، انھیں بتایا جائے کہ جو محلہ میں نیک ہوگا وہی اسمبلی میں نیک ہوگا، انھیں بتایا جائے کہ اسلام کے قانون کے نفاذ کے لئے وہ لوگ موزوں نہیں ہو سکتے جو اپنے کردار اور سیرت سے اسلامی احکام کی نفی کرتے ہیں اور جو اپنی جبلت سے مفاد پرست واقع ہوئے ہیں، !

یہ مرحلہ طویل ہو سکتا ہے، تھکا سکتا ہے۔ لیکن عوام کی تربیت اور اسلامی نظام کے لئے مضبوط بنیاد اس سے فراہم ہو سکتی ہے۔ جب تک پوری قوت اور ہمت کے ساتھ قوم نیکوں کو آگے نہ لائے اور بدوں کو پیچھے نہ ہٹائے اور از خود یہ کام نہ کرے اس کا اچھائی برائی کا معیار قابلِ اطمینان قرار نہیں دیا جا سکتا۔ یہ مرحلہ تدریج سے طے ہوگا۔ لیکن اس تدریج سے وہ معاشرہ وجود میں آئے گا۔ جو اسلامی نظام کے لئے اور دنیا میں اسلام کی دعوت پیش کرنے کے لئے پورے خلوص، دیانت اور قوت سے سامنے آئے گا، اور اس معاشرے میں سے وہ لوگ پیدا ہوں گے جو قیصر و کسریٰ کا تاج بھی اس لئے چھپا کر اپنے سردار کے سامنے پیش کریں گے کہ ان کی دیانت پر ریاکاری کا شبہ نہ کیا جائے۔ اس مرحلے کا کامیابی اور صبر و استقلال کے ساتھ گزر جانا ہی آزمائش کی وہ بھٹی ہے، جس میں سے مستقبل کے اس نظام کے کارکن تپ کر اور ڈھل کر نکلیں گے۔

(۶)

اس تدریج کو نباہ لے جانا۔ صبر کرنا اور صبر سکھانا، حالات کا اپنے عزم کی قوت سے مقابلہ کر کے ان کو اپنے اللہ کی مرضی کے مطابق ڈھالنا، وہ انھیں لوگوں کا کام ہو سکتا ہے جو بہر حال اس کام کو اپنے تمام کاموں پر ترجیح دیتے ہوں جنھوں نے اسے اپنی زندگی کا عنوان بنا رکھا ہو، جن کی مصروفیتیں اس ایک مصروفیت کے تابع اور محکوم ہوں۔ اور جن کو اپنے پروردگار کی یہ تنبیہ صبح و شام یاد ہو کر :-

قل ان کان اٰباؤکم وابناؤکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموال ن اقترفتموھا وتجارۃ تخشون کسادھا ومسٰکن ترضونھا احب الیکم من اللہ ورسولہ وجھاد فی سبیلہ فتربصوا حتیٰ یاتی اللہ بامرہ ط واللہ لا یھدی القوم الفسقین ۝

(توبہ)

"اے محمدؐ! کہہ دیجئے اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے۔ تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں، تمہارا کنبہ اور تمہارا قبیلہ اور مال جو تم نے کمائے ہیں اور کاروبار جن کے مندے پڑنے کا تمھیں خوف رہتا ہے اور گھر جو تمھیں بہت پسند ہیں — اللہ اور اُس کے رسولؐ اور اللہ کی راہ میں جہاد سے عزیز ہیں تو اللہ کے فیصلے کا انتظار کرو — اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں کرتا —

(سورہ توبہ)

ماہر القادری

یادِ رفتگان

علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم

بدو شعور ہی سے جن اہلِ قلم اور اربابِ علم کا میں نے نام سُنا ہے، اور جن کی تصانیف اور مضامین کا میں نے اثر قبول کیا ہے، سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ بھی اُنھی میں شامل ہیں۔ ——— اب سے کوئی اٹھارہ بیس سال پہلے کی بات ہے جب میرا کلام رسالہ "معارف" میں چھپا کرتا تھا، سید صاحب مرحوم اُس کے چونکہ مُدیر تھے اس لئے میں اپنا کلام انھی کی خدمت میں بھیجتا تھا، اور وہ کارڈ پر دو چار سطروں میں خط کی رسید روانہ فرما دیا کرتے تھے، اتنے بڑے آدمی کے قلم کی چند سطریں بھی میرے لئے بہت کچھ تھیں، اور میں حضرت سید صاحب کے مکتوب گرامی کو بار بار پڑھا کرتا تھا۔

ایک بار ایسا ہوا کہ میری ایک غزل مجلہ "معارف" میں اس طرح چھپی کہ اُس کے چند مصرعے بدلے ہوئے تھے، میں نے سید صاحب مرحوم کی خدمت میں عریضہ بھیجا اور بڑے ادب کے ساتھ عرض کیا کہ میں اپنی شاعری کو اصلاح سے بے نیاز نہیں سمجھتا بلکہ میں تو اربابِ ذوق کے مفید مشورے شکریہ کے ساتھ قبول کر لیا کرتا ہوں، لیکن آپ کے رسالہ میں جو میری غزل شائع ہوئی ہے اور اُس کے جن مصرعوں پر اصلاح دی گئی ہے، تو اُس "اصلاح" نے میرے اصل شعروں کے تھوڑے بہت حُسن کو بھی غارت کر دیا ہے ——— سید صاحب نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ ...... صاحب اس حک و اصلاح کے ذمہ دار ہیں، میں نے انھیں تاکید کر دی ہے، اب ایسا نہ ہوگا۔

ایک بار حضرت سید صاحب (نور اللہ مرقدہٗ) نے مجھے "سید ماہر القادری" لکھا، میں نے جواب میں عرض کیا کہ میں "سید" نہیں بلکہ "ساداتِ کرام" کا نیاز مند اور غاشیہ بردار ہوں، مگر آپ بھی معذور ہیں۔ ... کیوں کہ "المرء یقیس علیٰ نفسہٖ" ...... !

غالباً اسی میرے معروضہ کے جواب میں سید صاحب مرحوم نے تحریر فرمایا کہ جن احباب سے اشتیاق کے باوجود ملاقات نہ ہو سکی اُن میں آپ بھی شامل ہیں ... مگر روزِ ازل کی ملاقات تو ثابت ہے ——— میں نے جواب دیا کہ آپ نے مجھ ہیچمدان کے بارے میں اپنے کرم سے جو کچھ ارقام فرمایا ہے اُس نے میری آبرو بڑھائی ہے ......

؎ کلاہِ گوشۂ دہقاں بہ آفتاب رسید

اب رہی "روزِ ازل" کی ملاقات تو افسوس ہے کہ اُس کی یاد ذہنوں میں محفوظ نہیں رہی۔

حافظہ پر بہت کچھ زور ڈالنے کے بعد بھی سنہ کا ٹھیک طور پر تعین نہیں کر سکتا ... غالباً سنہ ۱۹۳۷ء میں حکومت حیدرآباد

دکن کی طرف سے ایک علمی اور تاریخی کانفرنس منعقد ہوئی تھی، بلدہ حیدر آباد کے "باغِ عام" کا ہال جہاں اب وہاں کی اسمبلی کا اجلاس ہوتا ہے، کانفرنس مذکور کے لئے مخصوص تھا، اور ہندستان کے ہر صوبے کے نمایندے اس میں شریک ہوئے تھے، میں جب "باغِ عام" پہونچا تو سید صاحب مرحوم کانفرنس ہال سے نکل کر مسجد کی طرف آ رہے تھے اور بہت سے اہلِ علم اُن کے ساتھ ساتھ تھے، سید صاحب کے پہچاننے میں مجھے ذرا سی بھی دشواری نہیں ہوئی اُن کے عمامے کے پیچ، اُن کا نورانی چہرہ، اور اُن کی باوقار رفتار بتا رہی تھی کہ "سیرۃ النبی" کا مصنّف یہی ہے، عصر کی نماز سید صاحب مرحوم کے ساتھ ہی ادا کی، مگر تعارف اور ملاقات کا وہاں کوئی موقعہ ہی نہ تھا، بہت سے مشتاق اور عقیدت مند سید صاحب کے ارد گرد تھے! مجھے اس کی مسرّت تھی کہ جس کے لکھے ہوئے ہزاروں صفحے میں پڑھ چکا ہوں اُس عظیم شخصیت کو آج دیکھ بھی لیا۔

اس واقعہ کے کوئی چار سال بعد حیدر آباد دکن کی مشہور علمی درس گاہ "نظام کالج" کے شعبۂ فارسی کی طرف سے ایک ادبی جلسہ کا انتظام کیا گیا، نواب ظہیر یار جنگ بہادر (صدر المہام) جلسہ کے صدر تھے، مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم ان دنوں حیدر آباد تشریف لائے ہوئے تھے، اُن کی تشریف آوری سے "نظام کالج" والوں نے بر وقت فائدہ اُٹھایا اور سید صاحب مرحوم کو جلسہ میں شرکت کے لئے راضی کر لیا، سید صاحب مرحوم نے عمر خیام کی زندگی اور شاعری پر ایک بسیط تقریر فرمائی، میں نے اسی جلسہ میں ایک فارسی غزل سنائی! زمانہ بڑا گریز پا واقع ہوا ہے، بس ذرا پلک جھپکی اور جگ بیت گئے —— میں ۱۹۴۲ء میں حیدر آباد چھوڑ کر دلّی چلا آیا، یہ دَور ہندستان میں بڑی سیاسی معرکہ آرائیوں کا دور تھا، یہاں تک کہ ہندستان تقسیم ہو گیا اور اُس کے بعد جو خونریز ہنگامے ہوئے وہ تاریخ کے اوراق پر ہی نہیں بلکہ مادرِ گیتی کی پیشانی پر اپنا خونیں نقش چھوڑ گئے، ہندستان کے مسلمان آگ اور خون کے جس خوفناک طوفان سے گزرے ہیں، وہ داستان بڑی ہی دردناک ہے،۔

وطن میں جب حالات انتہائی خطرناک ہو گئے تو مجھے بھی پاکستان آنا پڑا اور یہاں آئے ہوئے بھی چھ سال ہو گئے، اپریل ۴۹ء میں "فاران" کا پہلا پرچہ نکلا، اُس زمانہ میں علامہ سید سلیمان ندوی علیہ الرحمۃ کا قیام بھوپال میں تھا، میں نے مضمون کی درخواست کی، سید صاحب مرحوم نے پیرانہ سالی کی معذرت کے ساتھ محبت آمیز جواب دیا، پھر اُس کے تقریباً تین سال بعد اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ خود سیّد صاحب کراچی چلے آئے، اور چلے کیا آئے یہاں آکر بس گئے!

اب تک سیّد صاحب مرحوم سے خط و کتابت کے ذریعہ شناسائی تھی یا ایک دو بار بہت ہی مختصر سی ملاقات ہوئی تھی، حصولِ نیاز کی سعادت حقیقت میں یہاں کراچی میں حاصل ہوئی، "دار منزل" (سید صاحب کی قیام گاہ) عموماً میں عصر کے وقت جایا کرتا تھا، سید صاحب مرحوم جب کراچی تشریف لائے ہیں، اور میں پہلی بار حاضر ہوا ہوں تو بڑے تپاک اور انتہائی شفقت کے ساتھ ملے، اُس کے بعد غالباً تیسری ملاقات میں ایک چھوٹی سی کاپی نکالی، یہ اُن کی بیاض تھی! بیاض کھول کر اپنی دو تین غزلیں مجھے سنائیں!

سید صاحب قدس سرہٗ کی خدمت میں میری حاضری فیض و استفادہ کی غرض سے ہوتی تھی، ایک بار میں نے دریافت کیا کہ میں صُبح کو نمازِ فجر کے بعد قرآن شریف پڑھ کر حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی رُوحِ مقدس اور دوسرے بزرگوں اور اپنے عزیزوں کی ارواح کو ثواب پہونچایا کرتا ہوں، کیا سنّتِ نبوی یا آثارِ صحابہ میں اس کے لئے کوئی نظیر ملتی ہے؟ اس پر سید صاحب مرحوم نے مسکرا کر فرمایا کہ میں بھی یہی کرتا ہوں مگر اس کے لئے کوئی سند مجھے نہیں ملی، یوں سمجھو کہ یہ ثواب "بینک" میں جمع ہوتا رہتا ہے۔

"جماعتِ اسلامی" کے سلسلہ میں دو تین بار کافی طویل بحث چھڑ گئی، اور میں نے سخت گفتگو کی، میں مدافعتِ حق کے جوش میں یہ تک بھول گیا کہ کتنی بڑی شخصیت سے ہم کلام ہوں، مگر سیّد صاحب مرحوم نے میری کڑی تنقید کا بُرا نہیں مانا، یہ اُن کی وسعتِ

ظرف، عالی حوصلگی اور اپنے خوردوں اور نیاز مندوں کے ساتھ عفو و درگزر کی دلیل تھی۔

ایک بار "وحدۃ الوجود" پر وہ مجھے بعض بنیادی نکات سمجھانے لگے، میں خاموشی کے ساتھ سنتا رہا، مگر پھر ایسے لطائف درمیان میں آگئے کہ مجھ سے خاموش نہ رہا گیا، میں نے کئی بار اعتراض کیا اس پر سید صاحب مرحوم بولے:۔

"تم نے کہیں عشق بھی کیا ہے ۔ ۔ ۔ ۔؟"

میں شرما کر چپ ہوگیا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ حالانکہ :۔

کس زبانِ چشمِ خوباں را نہ می داند چو من

روزگارے ایں غزالاں را شبانی کردہ ام

سید صاحب مرحوم اپنے زہد و ورع اور علمی جلالت کے باوجود شگفتہ مزاج بھی تھے، اسلامیہ کالج (کراچی) میں ایک ادبی اجتماع تھا، اور عصرانہ کا بھی انتظام تھا، چائے پینے کے لئے جب ہال میں پہونچے تو وہاں کالج کی طالبات بھی تھیں، سید صاحب مرحوم نے یہ رنگ دیکھکر مجھ سے فرمایا:۔

"اس زمانہ میں عورت کسی جگہ پیچھا نہیں چھوڑتی"

سید صاحب نے اپنی کتاب "حیات امام مالکؒ" غالباً سب سے پہلے "فاران" میں تبصرے کے لئے مجھے عطا فرمائی تھی، میں نے اُس پر تبصرہ کیا اور دو تین لفظوں پر گرفت بھی کی ——— اس کے بعد انھوں نے اپنی دوسری تصنیف عنایت فرماتے ہوئے کہا :۔

"اس پر بھی تبصرہ کرو، اور زبان کی غلطیاں نکالو ۔ ۔ ۔"

ایک بار حضرت سید صاحب کے چھوٹے صاحبزادے سید سلمان سلمہٗ نے میری تنقید پر اعتراض کیا تو سید صاحب نے انھیں ٹوکا اور مجھ بے علم کی حمایت فرمائی۔

حکیم نصیر الدین صاحب ندوی کے یہاں دوپہر کی دعوت تھی، نظامی دواخانہ کے ایک کمرے میں مہمانوں کی نشست کا انتظام تھا، سید صاحب، حکومتِ سعودیہ کے سفیر کے قریب بیٹھے تھے اور سفیر موصوف سے باتیں کر رہے تھے، اسی دوران میں میری طرف اشارہ کرکے فرمایا:۔

"یہ شاعر ہی نہیں ناقد بھی ہیں اور ان کی تنقید اکثر صائب ہوتی ہے"!

میں "فاران" لیکر حاضر ہوتا، تو رسالہ میرے ہاتھ سے لیتے ہی پڑھنا شروع کردیتے، مطالعہ کی رفتار بہت تیز تھی، مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی نواب صدر یار جنگ مرحوم کی وفات پر میرا مضمون پڑھتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

"میرے بعد تم میرے اس رنگ (وفیات) کو قائم رکھو گے ۔ ۔ ۔"

اپنے خوردوں اور نیاز مندوں کی حوصلہ افزائی کے لئے سید صاحب مرحوم کے قلب کو اللہ تعالیٰ نے کس قدر وسعت عطا فرمائی تھی!

سید صاحب مرحوم جن دنوں صاحبِ فراش تھے، میں بھی اُسی زمانہ میں بیمار تھا، اُن کے داماد سید ابو عاصم صاحب ایڈوکیٹ جب مجھے دیکھنے کے لئے آئے تو میں نے اُن سے کہا کہ سید صاحب کی خدمت میں میرا سلام عرض کردیجئے، مجھ میں ذرا بھی طاقت ہوتی تو ضرور حاضر ہوتا، چند دن کے بعد سید صاحب اللہ کو پیارے ہوگئے، میں اپنی شدید علالت

اور نقاہت کے سبب سید صاحب مرحوم کے جنازے میں شرکت کی سعادت سے محروم رہا ـــــــ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا سید سلیمان ندوی کے قلم نے دس بیس سال نہیں، پچاس سال تک دین اور علم و ادب کی گرانقدر خدمت انجام دی ہے، علامہ شبلی نعمانی کے سجادۂ علم و فضل کو اُنھی نے سنبھالا اور اپنے اُستاد کی جانشینی کا حق ادا کر دیا، شبلی نعمانی نے لائق شاگرد کو مرتے دم وصیت کی تھی کہ سیرۃ النبیؐ کے کام کو پورا کرنا، اور سید صاحب مرحوم نے اس عظیم الشان کام کو اس خوبی کے ساتھ انجام دیا کہ وہ دین و اخلاق اور تاریخ و ادب کا قابلِ فخر کارنامہ بن گیا، اور اس طرح اُستاد اور شاگرد دونوں نے اپنی آخرت کے لئے نیکی اور ثواب کا ذخیرہ فراہم کر لیا (رحمہما اللہ تعالیٰ وجزاہما اللہ خیر الجزاء)

سیرۃ النبیؐ کے مجلدات کے علاوہ ارض القرآن" "سیرتِ عائشہؓ" اور خطباتِ مدراس سید صاحب مرحوم کی معرکہ آرا تصانیف ہیں، دوسری چھوٹی چھوٹی کتابیں اور علمی اور تاریخی مضامین بھی بڑے کام کی چیزیں ہیں! کمیونزم کے بارے میں سید صاحب مرحوم کا یہ جملہ یقیناً ضرب المثل بن کر رہے گا ـــــــ کہ یہ (کمیونزم) وقتِ واحد میں بادشاہ کو تخت سے اور خدا کو عرش سے اُتار دینا چاہتا ہے۔

سید صاحب مرحوم کو اپنے اُستاد سے شعر و سخن کا جو ذوق ورثہ میں ملا تھا، اُسی ذوق نے "عمر خیام" پر اُن سے کتاب لکھوا دی، اس قدر تحقیق اور تفصیل کے ساتھ کسی ایرانی ادیب اور تنقید نگار نے بھی خیام پر غالباً کوئی کتاب نہیں لکھی۔ مجلّہ "معارف" کو جو قائم رتبت اور وسیع علمی حلقوں میں قبولیت حاصل ہوئی، وہ سب کچھ سید صاحب مرحوم کی کامیاب ادارت کا ظہور تھا۔ حیاتِ شبلی بھی سید صاحبؒ کی بلند پایہ تصنیف ہے اور فنِ سیرت نگاری (بیوگرافی) پر معیاری کتاب ہے۔

سید صاحب قدس سرہٗ عربی زبان کے بڑے اچھے انشا پرداز تھے، انگریزی بھی بقدرِ ضرورت اُن کو آتی تھی! ارض القرآن کی تصنیف کے سلسلہ میں تھوڑی سی عبرانی بھی سیکھ لی تھی، اور فارسی دانی کا یہ عالم تھا کہ علامہ اقبال کے فارسی کلام کی غلطیوں پر گرفت کی اور اُن کے بعض مشوروں کو اقبال نے قبول کر لیا، علامہ اقبال نے سید صاحب مرحوم کو ایک بار لکھا تھا کہ میری مثنوی پر نیکلسن کی رائے آچکی ہے مگر میں آپ کی رائے کا منتظر ہوں!

سید صاحبؒ نے اپنے فاضل تلامذہ کی جو جماعت چھوڑی ہے اُن میں سے بعض شاگرد اپنی جگہ خود زندہ دبستان ہیں اور علمی دُنیا میں بڑی شہرت رکھتے ہیں! سید صاحب کا ہمارے درمیان سے اُٹھ جانا ایک علمی حادثہ ہی نہیں دینی سانحہ بھی ہے۔

رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر خلافت کے جس وفد کو لیکر انگلستان گئے تھے، سید صاحب بھی اُس کے ایک رکن تھے اس سلسلہ میں اُنھیں یورپ کی سیاحت کا بھی موقعہ مل گیا، ایک ادیب، مورخ اور محقق کے لئے اس قسم کا سیر و سفر بہت ہی مفید ثابت ہوتا ہے اور فکر و نظر میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔

آخر زمانہ میں یعنی وفات سے چند سال قبل حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ ارادت میں سید صاحب مرحوم داخل ہو گئے تھے "ندویت" اور "خانقاہیت" کا یہ امتزاج بھی دیدنی تھا!!

یہ شہرت، یہ فضل و کمال، اس قدر علمی وقار، ہر طرح کی آسودگی نصیب اور عزت و آرام کی زندگی میسر! مگر موت آئی تو ایک لمحہ کی بھی مہلت نہ مل سکی! ہم جو زندہ ہیں ہمیں بھی ایک نہ ایک دن اسی منزل ـــــ لئے دُعا کریں کہ بار الٰہا! ایمان پر خاتمہ نصیب ہو اور رسول اللہؐ کی شفاعت اور تیری رحمت و مغفرت کی اُمید لیکر تیرے حضور حاضر ہوں تو اس اُمید کی لاج رکھ لیجیو!

الٰہ العالمین! اپنے بندے اور اسلام کے مخلص خدمت گزار "سلیمان ندوی" کو اپنی رحمت کا قرب اور اپنے فضل و کرم کا جوار عطا فرما، اُن کی قبر پر تیری رحمت کے سدا پھول برستے رہیں اور آخرت میں بلند درجے ملیں! (آمین)

خدا کو حاضر و ناظر جان کر پوری ذمّہ داری کے ساتھ سوچئے

کہ اسلام کیلئے آپ نے ابتک کیا کیا؟ کیا کر رہے ہیں اور کیا کرنے کا ارادہ ہے؟

اُسوۂ حسنہ کی چند جھلکیاں

تہذیب و شرافت کی معراج

خطاب و کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا زیادہ وقت خاموش رہ کر گزارتے تھے ـــــ آپ اُسی وقت گفتگو فرماتے تھے جب بولنے کی ضرورت ہوتی تھی ـــــ آپ کی آواز بلند تھی اور اچھی طرح سُنی جا سکتی تھی ـــــ آپ کی گفتگو شیریں اور دل کش ہوتی تھی ـــــ آپ گفتگو اس طرح ٹھہر ٹھہر کر فرماتے تھے کہ ہر جملہ دوسرے جملہ سے علیحدہ ہوتا تھا تاکہ سُننے والے اُسے سمجھ سکیں اور آسانی کے ساتھ یاد رکھ سکیں ـــــ آپ جس بات پر زور دینا چاہتے تھے اُسے دُہراتے تھے ـــــ نہ تو آپ ضرورت سے زیادہ طویل گفتگو فرماتے تھے، اور نہ اتنی مختصر کہ پُوری طرح سمجھ میں نہ آسکے، آپ کی گفتگو بالکل جچی تُلی اور متوازن ہوتی تھی ـــــ آپ کسی کی بات بیچ میں سے کاٹتے نہ تھے! اگر کسی کی کوئی بات دین کے خلاف ہوتی تو آپ اسے یا تو روک دیتے یا پھر وہاں سے اُٹھ جاتے ـــــ آپ کی زبان سے کوئی بے معنی اور غیر متعلق بات نہ نکلتی تھی ـــــ اگر خطبہ دیتے وقت سامعین کی کثرت ہوتی تو آپ کسی ایک سمت یا ایک آدمی کی طرف مخاطب نہ ہوتے تھے بلکہ آپ باری باری سے ہر طرف رُخِ مبارک کو گھماتے تھے ـــــ آپ کو چلانے اور شور کرنے کی عادت نہ تھی ـــــ آپ کی گفتگو ہمیشہ افادیت سے لبریز ہوتی تھی۔

راست گفتاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر راست گفتار تھے کہ مزاح کے وقت بھی آپ کے الفاظ سچے ہوتے تھے اور آپ کی زبانِ مبارک سے کوئی غلط بات نہ نکلتی تھی ـــــ آپ کے دُشمنوں اور مخالفوں نے آپ کو "شاعر"، "دیوانہ" اور "سحرزدہ" تک کہا مگر اُن میں سے کسی کو آپ پر جھوٹ کی تہمت لگانے کی جرأت نہیں ہوئی ـــــ ابوجہل آپ کا بہت بڑا دشمن تھا، وہ کہا کرتا تھا:-

> "محمد! میں تم کو جھوٹا نہیں کہتا ـــــ ہاں! تم جو باتیں بیان کرتے ہو اُن کو ٹھیک نہیں سمجھتا"

ایک موقع پر بہت سے لوگوں نے متفقہ طور پر اعتراف کیا:-

> "اے محمد! آپ جو کچھ بھی کہیں گے، ہم اُس پر یقین لے آئیں گے اس لئے کہ ہم نے آپ کی زبان سے کبھی کوئی جھوٹی بات نہیں سُنی"

غیرت و حیا آپ کنواری لڑکیوں سے زیادہ شرمیلے تھے ـــــ جب آپ بازاروں سے گزرتے تھے تو

خاموشی اور وقار کے ساتھ گزرتے تھے ـــــــ آپؐ کے لبوں پر اکثر تبسم رہتا تھا مگر آپؐ نے کبھی زور سے قہقہہ نہیں لگایا ـــــــ

صفائی اور پاکیزگی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفائی، ستھرائی اور پاکیزگی کا انتہائی خیال رکھتے تھے، ایک شخص میلے کپڑے پہن کر آپؐ کے پاس آیا تو آپؐ نے فرمایا:-

"کیا یہ آدمی اپنے کپڑے دھونے کی تکلیف بھی برداشت نہیں کر سکتا؟"

ایک خوش حال شخص آپؐ کی خدمت میں گھٹیا درجہ کے کپڑے پہن کر حاضر ہوا، آپؐ نے اس پر ارشاد فرمایا:-

"اللہ تعالیٰ نے تم کو مال و دولت دی ہے، اس کا اظہار تمھاری ظاہری حالت سے بھی ہونا چاہیئے"

اگر آپؐ مسجد کی دیواروں پر تھوک وغیرہ کا نشان دیکھتے تو اُسے خود چھڑی سے کُھرچ دیتے ـــــــ کبھی کبھی آپؐ صحابہ کرام کو نصیحت کرتے کہ خوشبو کے لئے لوبان اور کافور سلگایا کرو ـــــــ اکثر موقعوں پر آپؐ خود بھی مشک لگایا کرتے تھے- ـــــــ آپؐ لوگوں کو محض کاہلی کی وجہ سے برتن میں پیشاب کرنے سے منع فرماتے تھے ـــــــ

سادگی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی سادہ زندگی گزارتے تھے اور اپنے گھر والوں کے لئے بھی سادہ زندگی پسند فرماتے تھے ـــــــ آپؐ فرطِ تواضع سے سادہ کپڑے پہنتے تھے ـــــــ آپؐ موٹا جھوٹا لباس زیب تن فرماتے تھے، آپؐ نے جب وصال فرمایا ہے تو آپؐ کے بدن پر بھیڑ کے بالوں کا بنا ہوا لباس تھا ـــــــ اُس وقت جب کہ یمن سے لیکر شام تک اسلام کی سیادت کا پرچم لہرا رہا تھا، پیغمبر اسلامؐ کے گھر میں صرف ایک معمولی سا پلنگ اور چمڑے کی ایک چھاگل تھی ـــــــ آپؐ کی وفات کے وقت آپؐ کے گھر میں تھوڑے سے جو کے علاوہ، کھانے پینے کی کوئی اور چیز نہ تھی-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر کا زیادہ تر کاروبار خود اپنے ہاتھ سے کر لیا کرتے تھے ـــــــ اپنی بکریوں کو آپؐ خود دوہتے تھے ـــــــ کبھی کبھی آپؐ اپنے کپڑے بھی دھو لیتے تھے ـــــــ آپؐ گھر کے کام کاج میں ازواجِ مطہرات کا ہاتھ بٹاتے تھے ـــــــ اپنے ٹوٹے ہوئے جوتے اپنے ہاتھ سے گانٹھتے، اونٹ خود ہی باندھتے اور اپنے ہاتھ سے اُس کے آگے چارہ ڈالتے ـــــــ

جود و عطا

سخاوت اور داد و دہش آپؐ کا پیدائشی وصف تھا، آپؐ نے اپنی پوری زندگی میں کسی حاجت مند کے مانگنے پر "نہیں" کہا ہی نہیں ـــــــ آپؐ کے پاس جو چیز بھی ہوتی سائل کو دیدیتے یا نرمی کے ساتھ غمخواری کے لہجہ میں اُس کی تسلّی کر دیتے، یا پھر اُس سے وعدہ فرمادیتے کہ آئندہ کسی موقعہ پر آنا ـــــــ آپؐ تنہا خوری کے عادی نہ تھے، جب کوئی چیز کھاتے پیتے تو دوسروں کو بھی اُس میں شریک فرمالیتے ـــــــ ایک مرتبہ آپؐ نے فرمایا کہ اگر کوہِ اُحد میری خاطر سونے کا ہو جائے تو بھی میں یہ پسند نہ کروں گا کہ تین رات گزرنے تک میرے پاس ایک دینار بھی بچ رہے ـــــــ جب تک گھر میں رکھی ہوئی رقم پوری کی پوری خیرات نہ فرمادیتے آپؐ کو چین نہ آتا تھا-

خدمتِ خلق

حضرت خباب رضی اللہ عنہ ایک جنگی مہم پر گئے ہوئے تھے، اُن کے گھر میں کوئی مرد نہ تھا اور عورتیں دودھ دینے والے جانوروں کو دوہنا نہیں جانتی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ خبابؓ کے گھر جا کر جانوروں کو دوہتے تھے ـــــــ آپؐ بیواؤں اور اپاہجوں کی مدد کرنے میں نہ تو عار محسوس فرماتے تھے اور نہ اس

کو زحمت سمجھتے تھے ـــــــ ایک بار ایک پاگل لڑکی آپؐ کے پاس آئی اور حضورؐ کا ہاتھ تھام لیا، آپؐ نے اُس سے فرمایا:-

"بی بی! تم مدینہ کی جس گلی میں چاہو جاکر بیٹھ جاؤ، میں تمہارا کام ضرور کر دوں گا۔"

چنانچہ آپؐ نے اُس کے بتائے ہوئے کام کو پورا کر دیا ـــــــ ایک دن آپؐ نماز پڑھ رہے تھے، اسی حالت میں ایک بدوی نے آکر آپؐ کے دامن کو تھام لیا اور کہنے لگا:-

"میرا تھوڑا سا کام رہ گیا ہے، پہلے تم اُسے پورا کر دو، اس لئے کہ کہیں تم بھول نہ جاؤ..."

آپؐ بدوی کے ساتھ مسجد نبوی سے باہر نکلے اور اُس کا کام کرنے کے بعد نماز کو پورا کیا ـــــــ

انکسار اور تواضع

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ نظریں نیچی رکھتے تھے ـــــــ جب آپؐ دوسروں کے ساتھ چلتے تھے تو خود پیچھے چلتے اور دوسروں کو آگے کر دیتے ـــــــ آپؐ ہر کسی سے سلام کرنے میں سبقت فرماتے ـــــــ آپ انتہائی تواضع کے ساتھ بیٹھتے اور آپؐ کے اندازِ نشست میں مغرور اور اترانے والوں کے انداز کی ذرا سی جھلک بھی نہیں پائی جاتی تھی ـــــــ کھانا کھاتے وقت آپؐ مالداروں اور خوش حالوں کی طرح نہیں، بلکہ غریبوں کی طرح بیٹھتے تھے ـــــــ آپؐ سیر ہو کر کبھی کھانا نہیں کھاتے تھے ـــــــ آپؐ کے دسترخوان پر قسم قسم کے کھانے نہیں ہوتے تھے ـــــــ آپؐ فرمایا کرتے تھے میں تو اللہ تعالےٰ کا فرمانبردار بندہ ہوں اور اللہ کے بندوں اور اُس کے غلاموں کی طرح کھانا کھاتا ہوں ـــــــ جب کسی مجمع میں آپ پہونچتے تو بیٹھے ہوئے لوگوں کے سروں کو پھلانگتے ہوئے نہیں گزرتے تھے، ایسی صورت میں سب سے پیچھے کی صف میں جہاں جگہ ملتی بیٹھ جاتے ـــــــ جب آپؐ کو آتا دیکھ کر صحابہ کرام تعظیماً کھڑے ہو جاتے تو آپؐ فرماتے:-

"میری تعظیم کے لئے کھڑے ہو کر، عجمیوں کی نقل نہ کرو"

جب حضورؐ مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے ہیں تو آپؐ نے ازراہِ تواضع سر مبارک کو اس قدر جھکا لیا تھا کہ آپؐ کا سر اونٹ کے کجاوے سے لگ گیا تھا ـــــــ آپؐ لباس میں شان و شوکت اور دکھاوے کو ناپسند فرماتے تھے ـــــــ ایک شخص آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور آپ کی جلالت آمیز اور باوقار شخصیت کو دیکھ کر کانپنے لگا، آپؐ اُس کے قریب تشریف لے گئے اور فرمایا:-

"گھبراؤ نہیں! میں تو اُس غریب قریشی عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت پکا کر کھاتی تھی۔"

میزبانی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہمانوں کا بہت خیال کرتے تھے اور اس کام کے لئے آپؐ نے حضرتِ بلال رضی اللہ عنہ کو خاص طور سے مقرر فرمایا تھا تاکہ کوئی مہمان خوب اچھی طرح میزبانی اور خاطرداری کے بغیر نہ چلا جائے ـــــــ جب باہر سے وفود آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے تو آپؐ بہ نفسِ نفیس اُن کی خاطر مدارات اور دیکھ بھال فرماتے تھے، یہاں تک کہ اُن کی مالی ضرورت بھی پوری کرتے تھے ـــــــ آپؐ کی شرافت اور دریا دلی کافر اور مُسلم میں کوئی امتیاز نہ کرتی تھی، کوئی غیر مسلم بھی آپؐ کے یہاں آجاتا تو اُسے بھی شرفِ میزبانی سے مسلمان مہمانوں کی طرح نوازتے ـــــــ اکثر ایسا ہوتا رہتا کہ گھر میں کھانے پینے کا جو سامان ہوتا وہ مہمانوں کے کام آجاتا اور آپؐ کے اہلِ بیت فاقہ سے رہتے

—— آپؐ راتوں کو سوتے سے اُٹھ اُٹھ کر مہمانوں کی خبر گیری فرماتے۔

ٹھاٹ باٹ سے اجتناب

ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ارشاد فرمایا:۔ "یہ بات ایک نبیؐ کے منصب کے خلاف ہے کہ وہ کسی زیب وزینت اور آرائش کئے ہوئے مکان میں داخل ہو" —— آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ یہ بالکل کافی ہے کہ مکان میں ایک بستر اپنے لئے ہو، ایک بیوی کے لئے اور تیسرا مہمان کے لئے، چوتھا بستر شیطان کے لئے ہوتا ہے —— آپؐ نے ایک بار فرمایا:۔ ضرورت سے زیادہ ہر عمارت آدمی کے لئے ایک آفت ہے" —— آپؐ نے اپنی بیٹی حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گلے میں سونے کا ہار دیکھ کر فرمایا:۔

"بیٹی! کیا یہ بات تمہیں بری نہ لگے گی، جب لوگ یہ کہیں گے
پیغمبر کی بیٹی کے گلے میں آگ کا ہار ہے"

ایک بار آپؐ کی زوجہ محترمہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے بستر کی چار تہیں موڑ کر بچھا دیں تاکہ آپؐ کو سونے میں آرام اور نرمی محسوس ہو، صبح کو حضورؐ بستر سے سو کر اُٹھے تو اس بات کو ناپسند فرمایا —— آپؐ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ آدمی کے لئے بس اس قدر سامان کافی ہے، جتنا ایک مسافر کے لئے ضروری ہے۔

قناعت وخودداری کی تعلیم

سوائے اس صورت کے کہ جب کسی کی ضرورت اُسے سوال کرنے پر بالکل مجبور کردے، آپؐ سوال کرنے اور بھیک مانگنے کو بہت زیادہ ناپسند فرماتے تھے —— آپؐ کا ارشاد ہے کہ ایک شخص اپنی پیٹھ پر جلانے کی لکڑیوں کا گٹھا لاد کر لائے اور اُسے بیچ کر اپنے وقار کو محفوظ رکھے، تو یہ اس سے بہت زیادہ اچھا ہے کہ وہ مانگتا پھرے —— آپؐ نے فرمایا جو کوئی اللہ سے دُعا کرے کہ اُسے سوال کرنے کی ذلت سے بچایا جائے تو اللہ تعالیٰ (اس ذلت سے) اُسے بچا دیتا ہے، اگر کوئی ایسی دولت کی جستجو کرے کہ اُس کی ضروریات پوری ہوجائیں تو بھی اللہ تعالیٰ اُسے یہ نعمت عطا فرما دیتا ہے، اور جو کوئی قناعت کی عادت ڈالنے کی خواہش کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اُسے قناعت کا خوگر بنا دیتا ہے —— اور کسی کو قناعت سے بہتر اور زیادہ بڑی دولت نہیں دی گئی۔

مساوات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک غریب و امیر، چھوٹی اور بڑی عمر والے اور غلام و آقا سب برابر تھے —— آپؐ تمام لوگوں سے یکساں سلوک فرماتے تھے —— آپؐ جب لوگوں کے مجمع میں ہوتے اور کوئی چیز وہاں لائی جاتی تو آپؐ غریبوں اور امیروں میں کسی قسم کا امتیاز کئے بغیر، دائیں جانب سے اُس کو بانٹنا شروع فرما دیتے —— آپؐ اپنے لئے کسی قسم کا امتیاز پسند نہ فرماتے تھے آپؐ ہمیشہ عام آدمیوں میں مل جُل کر رہتے تھے —— آپؐ کو یہ بات پسند نہ تھی کہ دوسروں سے علٰحدہ آپؐ کے لئے کوئی جگہ مخصوص کی جائے —— آپؐ عام مسلمانوں کے ساتھ مل کر کام کرتے تھے۔

غریبوں کے ساتھ!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غریبوں سے اس قدر تعلق خاطر تھا کہ آپؐ دُعا فرمایا کرتے تھے "یا اللہ! مجھے ایک غریب آدمی کی طرح زندہ رکھ، غریب دُنیا سے اُٹھا اور غریبوں کے ساتھ میرا حشر فرما" —— آپؐ کا ارشاد ہے، "میں نے جنت کے دروازے پر کھڑے ہو کر یہ دیکھا کہ جو لوگ اس میں داخل ہو رہے ہیں وہ زیادہ تر غریب اور نادار ہیں" —— آپؐ نے غریبوں کو امیروں کا ڈھائی فی صدی حصہ دار بنا دیا ——

آپ نے فرمایا "اگر کوئی غریب مسلمان قرضہ چھوڑ کر مرجائے تو مجھے اُس کی خبر دو، میں اُس کا قرض چکادوں گا، اور جو مال وجائداد وہ چھوڑے گا وہ اُس کے وارثوں کو دی جائے گی، مجھے اُس سے کوئی سروکار نہ ہوگا ـــــ جب آپ اپنے مفلس اور نادار صحابہ کے ساتھ کعبہ میں نماز پڑھنے کے لئے جایا کرتے تھے تو قریش کے دولت مند لوگ صحابہ کرام کی حالت پر ہنسا کرتے تھے'

شرافتِ مزاج

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج اور برتاؤ میں کسی طرح کی خشونت اور سختی نہ تھی ـــــ اگر آپ کسی شخص سے خفا ہوجاتے تو بس اتنا کرتے کہ اُس کی طرف سے مُنھ پھیر لیتے مگر اُس کو بُرا بھلا نہ کہتے ـــــ مریض چاہے غریب ہو یا امیر، اُس کی عیادت کیلئے آپ تشریف لیجاتے ـــــ آپ مسلمانوں کے جنازوں میں شرکت فرماتے ـــــ آپ ایک معمولی سے معمولی آدمی کی دعوت قبول فرمالیتے چاہے وہ جو کی روٹی کیلئے کیوں نہ آپ کو دعوت دیتا ـــــ آپ اپنے دُشمنوں اور زیادتی کرنے والوں کی حرکتوں سے درگزر فرماتے اور اُن سے کشادہ پیشانی کے ساتھ ملتے ـــــ آپ کو کسی کی غلطی یا بُری بات کا علم ہوتا تو مجمع میں اُس کا نام لیکر نہ ٹوکتے، بلکہ اس طرح فرماتے کہ "بعض لوگ ایسا کرتے ہیں۔ ۔ ۔ ۔" ـــــ آپ نے اپنے کسی غلام کو اپنے ہاتھ سے کبھی نہیں مارا، اور نہ کسی ملازم اور عورت کو مارنے کی سزا دی، سوائے اس کے کہ قانونِ شریعت کی رو سے وہ کسی سزا کے مستحق ہوں ـــــ آپ دوسروں کے عیبوں کی پردہ دری سے گریز فرماتے تھے ـــــ اگر کوئی اجنبی یا آفاقی آپ سے بات چیت کرتے میں بے باکی اور سختی پر اُتر آتا تو آپ اُسے نظر انداز کردیتے ـــــ اگر کوئی شخص آپ کی شان میں کوئی نازیبا بات کہتا تو درگزر فرمادیتے مگر دین کی ذراسی بھی توہین کرتا تو آپ غضبناک ہوجاتے ـــــ

دشمنوں سے حُسنِ سلوک

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں دُنیا کے لئے زحمت نہیں بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں ـــــ اُحد کے موقعہ پر جب آپ کی پیشانی خون آلود تھی، آپ کی زبان پر دُشمنوں کیلئے یہ دُعا جاری تھی :-

"اے اللہ! ان کو معاف کردے، یہ لوگ جانتے نہیں ہیں"

فتح مکہ کے دن آپ کے خون کے پیاسے اور آپ کے صحابہ کو شدید ایذا دینے والے دُشمن آپ کے سامنے حاضر ہوئے، آپ نے ہر طرح کی قدرت رکھنے کے باوجود فرمایا :-

"آج تم سے کوئی باز پرس نہیں ہے جاؤ! تم سب آزاد ہو"

عبادت وخشیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر وقت خشیتِ الٰہی طاری رہتی تھی ـــــ آپ اُٹھتے بیٹھتے خدا کو یاد کرتے اور کسی وقت بھی اپنے پروردگار کی یاد سے غافل نہ رہتے ـــــ ماہ رمضان میں آپ کا عبادتِ خداوندی میں انہماک اور زیادہ بڑھ جاتا ـــــ آپ روزانہ قرآن کی تلاوت فرماتے ـــــ جب آپ قرآن پڑھتے ہوتے یا کسی دوسرے کی زبان سے سُنتے تو خشیت اور اللہ کی محبت کے سبب آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے ـــــ فرض نمازوں کے علاوہ آپ اس کثرت سے نوافل پڑھتے کہ کھڑے ہونے کی تکلیف سے پائے مبارک سُوجھ جاتے ـــــ آپ رات میں سوتے سے اُٹھ اُٹھ کر اللہ کی عبادت کرتے ـــــ آپ ماہ رمضان کے روزوں کے علاوہ بھی روزہ رکھتے ـــــ آپ اپنے گھر میں جاکر کوئی چیز کھانے کے لئے طلب فرماتے اور جواب ملتا کہ گھر میں کوئی چیز نہیں ہے تو آپ کہتے کہ "آج ہمارا روزہ رہے گا" ـــــ اُٹھتے، بیٹھتے، کھاتے پیتے، سواری پر سوار

ہوتے، سفر کرتے، سفر سے واپس آتے، مسجد یا گھر میں داخل ہوتے ہوئے، غرض ہر وقت آپ اللہ تعالیٰ کو یاد رکھتے۔

کیا چھوڑا؟ اوّل تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دُنیوی مال و متاع تھا ہی نہیں، اور کوئی چیز تھی بھی تو آپؐ نے اپنی وفات سے پہلے اعلان فرمایا کہ "ہم نبیوں کا کوئی وارث نہیں ہوتا، ہم جو کچھ بھی چھوڑتے ہیں وہ اُمت کی جائز ملکیت ہوتی ہے"——— آپؐ کے صحابی حضرت عمر بن حارث اور ام المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضورؐ نے اس دُنیا سے تشریف لے جاتے وقت درہم، دینار، غلام یا کنیز کوئی چیز نہیں چھوڑی، سوائے ایک سفید خچر، چند ہتھیاروں اور تھوڑی سی زمین کے ——— وہ بھی آپؐ نے عام مسلمانوں کو عطا فرمادی تھی ——— وفات کے وقت آپؐ کی زرہ ایک یہودی کے یہاں جَو کے غلّہ کے عوض رکھی ہوئی تھی، اور جن کپڑوں میں آپؐ نے وفات پائی اُن میں پیوند لگے تھے، اور یہ وہ زمانہ تھا جب کہ پُورا عرب شام کی سرحدوں سے لیکر عدن تک فتح ہو چکا تھا اور مدینہ میں درہم و دینار کے ڈھیر لگے تھے۔

یہی وہ ذاتِ گرامی ہے جس کے اتباع میں انسانوں کی فلاح ہے اور جس کا اسوۂ حسنہ انسانیت کیلئے آخری معیار ہے

جائیں تو کہاں جائیں کہ جو کچھ ہے یہیں ہے
باہر ترے گھر کے تو نہ دنیا ہے نہ دیں ہے

(تلخیص و ترجمہ:- ادارۂ "فاران")

حضرتِ مسیحؑ کی بشارت انجیل یوحنا باب ۱۴ آیت ۱۵-۱۷ میں جناب مسیح علیہ السلام نے اپنی قوم کو مخاطب کرکے فرمایا:- اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا فارقلیط بخشے گا کہ ابد تک تمھارے ساتھ رہے یعنی سچائی کی رُوح جسے دُنیا حاصل نہیں کر سکتی کیونکہ نہ اسے دیکھتی اور نہ جانتی ہے۔"

(لفظ فارقلیط عبرانی یا سریانی زبان کا ہے جس کے لفظی معنیٰ ٹھیک محمدؐ اور احمدؐ کے ہیں یعنی بہت تعریف کیا گیا- جب انجیل یونانی زبان میں ترجمہ کی گئی تو اس لفظ کا ترجمہ پیری کلوطاس کیا گیا تھا جو بالکل فارقلیط اور احمدؐ کا ہم معنیٰ ہے!)

(سیرتِ کبریٰ)

"اخوان المسلمون زندہ باد"

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

تجھ کو یقیں نہیں ہے تو کشتی ڈبو کے دیکھ
اک تو ہی ناخدا نہیں ظالم، خدا بھی ہے

"اخوان المسلمون" پر حکومتِ مصر کے عتاب نے ابن ہبیرہ اور حجاج ابن یوسف کے ظالمانہ کارناموں کو زندہ کردیا ہے، مصر کے عاقبت نااندیش اربابِ اقتدار نے روسی حکومت کی طرح، آہنی پردہ ڈال کر ان جابرانہ کارروائیوں کو چھپانے کی پوری کوشش کی، کئی دن تک مصر کا ریڈیو خاموش رہا اور وہاں کے اخباروں میں بھی ان خبروں کو نہیں آنے دیا گیا، اور اب بھی خبروں پر شدید سنسر قائم ہے، حکومت کے احتساب کی چھلنی سے چھن چھنا کر جو خبریں دُنیا تک پہونچ رہی ہیں، اُن میں شدتِ حالات کو "نرم وسادہ" بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔

اب سے تقریباً اٹھائیس سال قبل "اخوان المسلمون" کی بنا مصر کے ایک صاحبِ فکر عالم اور مردِ مجاہد حسن البناؒ نے ڈالی تھی، حضرت حسن البنا، شہید رحمۃ اللہ علیہ میں اخلاص، جوش، بلند ہمتی اور دینی بصیرت کے ساتھ خشیتِ الٰہی اور تقویٰ بھی پایا جاتا تھا، اور ان اوصاف نے مل جُل کر اُن کی شخصیت کو مقناطیس کی طرح پُرکشش بنا دیا تھا، حسن البنا، مرحوم کی تعلیم وتربیت نے ہزاروں نوجوانوں کی زندگیوں کو سنوار اور اُن میں "اقامتِ دین" کا ولولہ پیدا کردیا، یہی ولولہ اور جوش جہادِ فلسطین میں جُرأت وسرفروشی بن کر ظاہر ہوا، اور شرقِ اردن کی فوجیں جن مورچوں کو چھوڑ کر بھاگ کھڑی ہوئی تھیں، "اخوان" نے اُنھیں سنبھالا، اور یہودیوں کے مقابلہ میں ایک اہم مورچہ پر صرف نو "اخوان" کئی دن تک جمے رہے۔

شاہِ فاروق انتہائی بدکار، آوارہ اور ظالم فرماں روا تھا، اُس کا مزاج اُس جماعت کی ترقی اور مقبولیت کو بھلا کس طرح برداشت کرسکتا تھا، جس کا پروگرام "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" ہے، چنانچہ "اخوان" عتابِ شاہانہ کی زد میں آگئے، اور اُن پر مصر کے جیل خانوں میں انتہائی دردناک مظالم کئے گئے، مگر خدا کے ان وفادار بندوں اور رسول اللہؐ کے جاں نثار غلاموں نے ہر ظلم کو استقامت کے ساتھ برداشت کیا اور اپنے وجود سے، کردار سے، خشیت وعزیمت سے اور کتاب وسنت کے تذکروں سے جیل خانوں کو اسلامی یونیورسٹیوں میں تبدیل کردیا، اُن کو لوہے کی سلاخوں سے پیٹا جاتا تھا، مگر وہ بدن کے زخموں کو لئے ہوئے تہجد کی نماز ادا کرتے تھے، اس آتشیں امتحان میں اُن کا ایک ایک فرد اللہ کے

فضل سے کامیاب ثابت ہوا۔

حضرت حسن البنار کا واقعہ شہادت بھی اسی بدکردار شاہِ فاروق اور اُس کے مغرب زدہ مشیروں کی سازش کے سبب ظہور میں آیا، سفاکی اور کمینگی کی انتہا ہے کہ کسی مسلمان کو دُنیائے اسلام کے اتنے عظیم الشان قاید اور مصر کے بطلِ جلیل کے جنازے کی نماز پڑھنے تک کی اجازت نہیں دی گئی!

اقتدار اس بُھلاوے میں تھا کہ "اخوان المسلمون" کے مرشدِ عام کے قتل کے بعد، "اخوان" ہمت ہار جائیں گے اور یہ تحریک دب کر رہ جائے گی ــــــــ مگر "اخوان" کے جوش و استقامت نے بادشاہ اور مصر کے مغرب زدہ اربابِ کار کی ان توقعات کو ناکام بنا دیا اور "اخوان" پہلے سے اور زیادہ مضبوط اور منظم ہو گئے۔

شاہِ فاروق کو بھی اپنے جور و ستم اور بداعمالیوں کی تھوڑی بہت سزا اسی دُنیا میں مل گئی، فوجی انقلاب نے راتوں رات ملوکیت کی جمی ہوئی بساط ہی اُلٹ دی، یہاں تک کہ شاہِ فاروق کو مصر چھوڑ دینا پڑا!

بہت کم لوگ اس بات کو جانتے ہیں کہ مصر کے فوجی انقلاب کا بہت کچھ پلان جمال عبد الناصر کا تیار کیا ہوا ہے، اور جنرل نجیب کی شخصیت کے پیچھے زیادہ تر اسی جمال ناصر کا دماغ کام کرتا ہے۔

جنرل نجیب کی حکومت نے مصر کی تمام سیاسی جماعتوں کو ختم کر دیا بس ایک "اخوان المسلمون" ہی ایک ایسی جماعت باقی رہ گئی جس پر مصلحتاً ہاتھ نہیں ڈالا گیا ــــــــ مصر کی یہ فوجی حکومت ملک کی ترقی اور خوش حالی کا جذبہ لیکر تو بے شک نمودار ہوگئی، مگر اُس کے سامنے اسلامی خطوط پر ملک کی تربیت، ترقی اور اصلاح کا کوئی پروگرام نہیں ہے اور ــــــــ "اخوان المسلمون" کا بنیادی مقصد خالص اسلامی حکومت کا قیام ہے، اس لئے "اخوان" اور مصر کی فوجی حکومت کے درمیان نظریوں کا تصادم ناگزیر تھا، دونوں طرف سے دل کی باتیں زبان تک آنے لگیں، یہاں تک کہ حکومتِ مصر کا لادینی دستور کی جانب رجحان ظاہر ہونے لگا اور اس کے بعد "اخوان" اور حکومت میں اختلاف اور بڑھ گیا۔

کسی ملک میں بھی اقتدار کی زمام چاہے نمازیوں اور حاجیوں ہی کے ہاتھوں میں کیوں نہ ہو، "اسلامی حکومت" کے قیام کی کوششوں کو اربابِ اقتدار برداشت نہیں کر سکتے اور وہ اس لئے کہ اسلامی حکومت میں اُن کو اپنے اقتدار کی موت نظر آتی ہے! وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اسلامی حکومت کے چلانے والے ملت کے مخدوم نہیں خادم ہوتے ہیں اور اُن کو عوام کی اس سطح تک اُتر کر آنا پڑتا ہے جہاں ایک بدوی خلیفہ کا گریبان تھام کر اپنا حق طلب کر سکتا ہے۔

جنرل نجیب سے بہت زیادہ جمال عبد الناصر کو اپنے اقتدار کی فکر رہتی ہے، یہ شخص دیکھ رہا تھا کہ "اخوان" روز بروز زور پکڑتے جا رہے ہیں، ان کا حلقۂ اثر عراق، شام اور سوڈان تک وسیع ہو چکا ہے اور ترکی اور انڈونیشیا میں بھی "اخوان" کا پیغام پہونچ رہا ہے اور دلوں میں گھر کرتا جا رہا ہے، عرب ممالک کی یہ سب سے بڑی دینی جماعت ہے اور جس کی سرگرمیاں مسجدوں اور مدرسوں تک ہی محدود نہیں ہیں ارضِ فلسطین پر بھی یہ لوگ اپنی جرأت و حوصلہ مندی کے نقش ثبت کر چکے ہیں، پھر ان کو خریدا بھی نہیں جا سکتا اور کسی عنوان اپنی منزل سے یہ لوگ ایک انچ بھی اِدھر اُدھر نہیں ہو سکتے۔

اقتدار جب واقعی طور پر خطرہ محسوس کر لیتا ہے تو وہ اوچھی باتوں پر اُتر آتا ہے، چنانچہ مصر کی فوجی حکومت نے "اخوان المسلمون" پر یہ تہمت دھر کر اپنی دانست میں انتہائی کاری اور ختم کر دینے والی ضرب لگائی ہے کہ اس جماعت کے ارکان

انگریزوں سے مل کر حکومتِ مصر کا تختہ اُلٹ دینا چاہتے ہیں۔

"اخوان" کی پوری تاریخ اس کی گواہ ہے کہ ان حق پرستوں اور مجاہدوں نے مصر میں انگریزی اقتدار کی ہمیشہ مخالفت کی ہے، اسی لئے انگریز "اخوان" کو اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھتے ہیں، اگر شکر اپنی خاصیت کے اعتبار سے ہمیشہ شکر ہی رہتی ہے اور نمک نہیں بن سکتی ——— تو "اخوان" بھی انگریزوں کے دشمن ہی رہے ہیں اور رہیں گے اور اُن کے دوست نہیں ہو سکتے۔ یہ حقیقت ہے کہ انگریزوں نے "اخوان" کو ہمیشہ اپنے لئے خطرہ سمجھا ہے، چنانچہ شاہ فاروق نے "اخوان المسلمون" کو ختم کرنے کے لئے جو جابرانہ اقدام کیا تھا اُس میں برطانیہ کا اشارہ اور مشورت شریک کار تھی! "اخوان" نے اس سلسلہ میں تحریری دستاویزیں تک اخباروں میں شائع کر دیں جن سے اس معاملہ میں شاہ فاروق اور برطانیہ کے اشتراکِ عمل کی سازش کا راز فاش ہوتا ہے اور شاہ فاروق کی حکومت اس کی تردید نہ کر سکی ——— برطانیہ کے اخباروں سے معلوم ہوتا ہے کہ "اخوان" پر حکومتِ مصر نے جو ظلم کیا ہے اُس پر انگلستان میں خوشیاں منائی گئیں اور وہاں کے اونچے سیاسی حلقوں میں یہ کہا جا رہا ہے کہ "اخوان" ہی ہماری راہ میں رُکاوٹ بنے ہوئے تھے اور اب سوئز کا مسئلہ سہولت کے ساتھ طے ہو جائے گا۔

"اخوان" کی بے نفسی، خلوص اور اپنے اصول پر استقامت کے ساتھ جمے رہنے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ جنرل نجیب کی حکومت نے حکومتِ مصر میں "اخوان" کے چار وزیر شامل کرنے کی پیشکش کی مگر "اخوان" نے اس کو قبول نہیں کیا، "اخوان" کا یہ رنگ دیکھ کر حکومت نے اُن کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے کی کوشش کی، جس میں اُسے تھوڑی سی کامیابی بھی ہو گئی ——— حکومت نے "اخوان" کے مقابلہ میں ایک قومی جماعت، ہیئت تحریر (Liberation Rally) کے نام سے بنائی، اور ملک میں اس طرح فساد و افتراق کا بیج بو دیا،

پاکستان بننے سے پہلے اور پاکستان بننے کے بعد "اخوان" نے ہر مسئلہ میں پاکستان کی پُرزور حمایت کی! کشمیر، حیدرآباد دکن اور جوناگڑھ کے مسائل میں "اخوان المسلمون" کی طرف سے پاکستان کی تائید میں جو آواز بلند ہوئی اس کی صدائے باز گشت مغربی ممالک میں دُور دُور تک سُنی گئی ———

"اخوان" اللہ کے دین کی سربلندی کے سوا اور کچھ نہیں چاہتے، یہی اُن کا پروگرام، یہی اُن کی منزل اور یہی اُن کی کوششوں کا مرکزی نقطہ ہے!

گرفتار شدہ "اخوان" پر مصر کی عدالتوں میں مقدمہ چلایا جائے گا ——— مگر جس ملک میں اربابِ اقتدار سوچ سمجھ کر کسی فرد یا جماعت کو کُچل دینا ضروری سمجھتے ہوں، وہاں "انصاف" آزاد نہیں رہ سکتا۔

ع آپ آتے تھے مگر کوئی عناں گیر بھی تھا

"اخوان" اپنی جانیں اللہ تعالےٰ کے ہاتھ بیچ چکے ہیں، انھیں کوئی طاقت مرعوب نہیں کر سکتی اور نہ کوئی لالچ اُنھیں رام کر سکتا ہے، حسن البنا، شہید کے نفسِ گرم اور سوزِ ایمان نے جس چراغ کو روشن کیا تھا، وہ ظلم و جور کی پھونکوں سے بجھ نہیں سکتا، حق و باطل کی یہ جنگ انشاء اللہ حق کی فتح پر ہی ختم ہوگی۔

ہم اس ظلم کے خلاف شدید احتجاج کرتے ہیں، اور اپنے دینی بھائیوں (اخوان) کو یقین دلاتے ہیں کہ دُنیا کے تمام اسلام پسند طبقوں کی ہمدردیاں، دُعائیں اور نیک تمنّائیں اُن کے ساتھ ہیں!

"اخوان المسلمون زندہ باد"

(ادارہ فاران)

ماہر القادری

محسوسات

رضائے دوست جہاں لازمی نہیں ہوتی　　کچھ اور چیز ہے وہ بندگی نہیں ہوتی

تسلیوں سے بھی غم میں کمی نہیں ہوتی　　یہ بات وہ ہے کہ جو گفتنی نہیں ہوتی

لطافتِ نگہِ ملتفت کا کیا کہنا　　کبھی کبھی تو یہ محسوس بھی نہیں ہوتی

دلوں کے واسطے نورِ یقیں ضروری ہے　　فروغِ مہر سے تابندگی نہیں ہوتی

نگاہِ حسن کی یہ ہمتیں ارے توبہ!　　اب اُن کی شوق سے تردید بھی نہیں ہوتی

یہ بزمِ عیش و ہوس یہ جہانِ سود و زیاں　　بڑے بڑوں سے یہاں عاشقی نہیں ہوتی

یہ لازمی ہے کہ دل بھی شریک ہو ماہر
دماغ ہی سے فقط شاعری نہیں ہوتی

بجلی گرائیے نہ قیامت اُٹھائیے　　دو چار گام چل کے ذرا مسکرائیے

وہ آئیں یا نہ آئیں مگر بر سبیلِ شوق　　دل فرشِ راہ کیجیے آنکھیں بچھائیے

اللہ! اس غرورِ محبت کی خیر ہو　　میں اُن سے کہہ رہا ہوں مجھے بھول جائیے

اے دل وہی گھڑی ہے تری امتحان کی　　جب عقل کہہ رہی ہو کہ دھوکا نہ کھائیے

بجلی کی تاک جھانک یہ آندھی کا زور شور　　خود کو سنبھالیے کہ نشیمن بچائیے

وہ میرے عرضِ حال پہ اُس شوخ کا جواب　　یہ داستان اور کسی کو سنائیے

آپ اور بزمِ بادہ و شاہد جنابِ شیخ!　　"یادش بخیر" آئیے تشریف لائیے

توبہ کے بعد دل کا یہ اصرار ہائے ہائے
ماہر پھر اُن سے ربطِ محبت بڑھائیے

کوثر نیازی

واردات

باعثِ عزت۔ مال۔ نہ زر
لاکھ سکندر ایک خضر

ذرّے بھی ہوں شمس و قمر
اللہ اللہ ان کی نظر

دینِ فرنگی کی توقیر
دینِ محمدؐ۔ ملک بدر

یوں بھی آپ نہیں کچھ کم
میری نظر۔ پھر میری نظر

اہلِ وفا پھر کھیلے ہیں
دار و رسن سے اے کوثر

آہ! یہ انتظار کے لمحے
ہائے! یہ ساعتیں جدائی کی

تیرے ایفائے عہد تک نہ جیئے
عمر نے ہم سے بے وفائی کی

دوستو! دیکھ بھال کر چلنا
سخت منزل ہے آشنائی کی

زہرِ اجل ہے۔ چشمۂ حیواں ترے بغیر
صبحِ وطن ہے۔ شامِ غریباں ترے بغیر

کٹتے نہیں کسی طرح لمحاتِ زندگی
رُک سی گئی ہے گردشِ دوراں ترے بغیر

کیا اب حیات و موت کی قدریں بدل گئیں؟
کچھ لوگ زندہ ہیں غمِ جاناں ترے بغیر

تو بھی عجیب چیز ہے اے ابتلائے دہر!
پختہ نہ ہو سکا کوئی انساں ترے بغیر

(سنٹرل جیل لاہور ــــ ۳۱ر جولائی سنہ ۵۳ء)

عبدالمجید حیرت

آئینۂ حیرت

تعلق ہے جن کو مواخات سے
انھیں کیا غرض اختلافات سے

جہاں فکرِ تن پروری آ گئی
گیا مقصدِ زندگی ہات سے

عزیزو، نئی زندگی پاؤ گے
نکل کر تو دیکھو خرابات سے

ذرا سی بغاوت بھی جائز نہیں
وفا کی مقدّس روایات سے

کسی کو کوئی فیض پہنچا بھی ہے؟
فقط خیر خواہی کے جذبات سے

نہ معلوم کیوں اس قدر بغض ہے
کسی کو ہمارے خیالات سے

تعلق ہی جیسے ہمیں کچھ نہیں
نہ سردی نہ گرمی، نہ برسات سے

الم کے سوا، رنج و غم کے سوا
ملا کیا کسی کی ملاقات سے

اُفق پر وہی تیرگی سی رہی
یہاں تک کہ دن مل گیا رات سے

ضروری نہیں ہے کہ پوری بھی ہو
توقع کوئی آپ کی ذات سے

منائیں تو کیسے منائیں اُنھیں
خفا ہیں وہ حیرت کی ہر بات سے

روحِ انتخاب

قرآن کے متعلق یہ بات بھی ایک عام ناظر کے کان میں پڑی ہوئی ہوتی ہے کہ یہ ایک مفصّل ہدایت نامہ اور ایک کتاب آئین ہے مگر وہ جب اسے پڑھتا ہے تو اس میں معاشرت اور تمدّن اور سیاست و معیشت وغیرہ کے تفصیلی احکام و ضوابط اُس کو نہیں ملتے بلکہ وہ دیکھتا ہے کہ نماز اور زکوٰۃ جیسے فرائض کے متعلق بھی جن پر قرآن بار بار اس قدر زور دیتا ہے اُس نے کوئی ایسا ضابطہ تجویز نہیں کیا ہے، جس میں تمام ضروری احکام کی تفصیل درج ہو، یہ چیز بھی آدمی کے ذہن میں خلجان پیدا کرتی ہے کہ آخر یہ کس معنیٰ میں ہدایت نامہ ہے،

اس معاملے میں ساری اُلجھن صرف اس لئے پیدا ہوتی ہے کہ آدمی کی نگاہ سے حقیقت کا ایک پہلو بالکل اوجھل رہ جاتا ہے یعنی یہ کہ خدا نے صرف کتاب ہی نازل نہیں کی تھی بلکہ ایک پیغمبرؐ کو بھی مبعوث فرمایا تھا، اگر اصل اسکیم یہ ہو کہ بس ایک نقشۂ تعمیر لوگوں کو دیدیا جائے اور لوگ اس کے مطابق خود عمارت بنالیں تو اس صورت میں بلاشبہ تعمیر کے ایک ایک جز کی تفصیل ہم کو ملنی چاہیئے لیکن جب تعمیری ہدایت کے ساتھ ایک انجنیر بھی سرکاری طور پر مقرر کر دیا جائے اور وہ اُن ہدایات کے مطابق ایک عمارت بنا کر کھڑی کر دے تو پھر انجنیر اور اُس کی بنائی ہوئی عمارت کو نظر انداز کر کے صرف نقشے ہی میں تمام جزئیات کی تفصیل تلاش کرنا اور پھر اُسے نہ پاکر نقشے کی ناتمامی کا شکوہ کرنا غلط ہے، قرآن جزئیات کی کتاب نہیں ہے بلکہ اصول اور کلیات کی کتاب ہے، اُس کا اصل کام یہ ہے کہ نظامِ اسلامی کی فکری اور اخلاقی بنیادوں کو پوری وضاحت کے ساتھ نہ صرف پیش کرے بلکہ عقلی استدلال اور جذباتی اپیل، دونوں کے ذریعے سے خوب مستحکم بھی کر دے، اب رہی اسلامی زندگی کی عملی صورت تو اس معاملے میں وہ انسان کی رہنمائی اس طریقے سے نہیں کرتا کہ زندگی کے ایک ایک پہلو کے متعلق تفصیلی ضابطے اور قوانین بتلائے بلکہ وہ ہر شعبۂ زندگی کے حدودِ اربعہ بتا دیتا ہے اور نمایاں طور پر چند گوشوں میں سنگِ نشان کھڑے کر دیتا ہے جو اس بات کا تعین کر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ان شعبوں کی تشکیل و تعمیر کن خطوط پر ہونی چاہیئے" ان ہدایات کے مطابق عملاً اسلامی زندگی کی صورت گری کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تھا، اُنھیں مامور ہی اس لئے کیا گیا تھا کہ دُنیا کو اس انفرادی سیرت و کردار اور اُس معاشرے اور اُس ریاست کا نمونہ دکھادیں، جو قرآن کے دیئے ہوئے اصولوں کی عملی تعبیر و تفسیر ہو!

(مقدمہ "تفہیم القرآن"
از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی)

ہماری نظر میں

اہلِ کتاب صحابہ و تابعین

"اہل کتاب صحابہ وتابعین" ——— از :— حافظ مجیب اللہ ندوی، ضخامت ۲۷۳ صفحات (غیر مجلد) قیمت درج نہیں، ملنے کا پتہ :——

دار المصنفین اعظم گڑھ (یو-پی)

دارالمصنفین (اعظم گڑھ) نے دین و اخلاق اور علم و ادب کی جو قلمی خدمات انجام دی ہیں، وہ کسی کی تحسین اور تعارف کی محتاج نہیں ہیں، زیر تنقید کتاب سلسلۂ دار المصنفین کی سترویں کتاب ہے، جو اپنے تاریخی موضوع کی نوعیت کے اعتبار سے ایک اچھوتی دینی اور علمی پیشکش ہے۔

اس کتاب کا پیش لفظ مولانا عبد الماجد دریا بادی نے لکھا ہے، جس کے اس جملہ میں :— "یہ سعادت چودھویں صدی ہجری کے وسط کے عہد کے ایک فرزند ندوہ کے لئے اُٹھ رہی تھی" بہت ہی قریب قریب تین بار "کے" آجانے سے جھول پیدا ہوگیا ہے اور "اُٹھ رہی تھی" بھی وجدان کو کھٹکتا ہے، "یہ سعادت ..... فرزند ندوہ کے لئے مخصوص کردی گئی تھی" یا کسی دوسرے مناسب انداز پر اس مفہوم کو ادا کرنا تھا۔

جناب مولانا حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی (رفیق دار المصنفین) نے بڑی محنت، کاوش و تحقیق اور ساتھ ہی عقیدت کے ساتھ اس کتاب کو مرتب فرمایا ہے! کتاب کا پہلا حصہ تاریخی اعتبار سے بہت اہم ہے جس میں عرب سے یہود و نصاریٰ کے تعلقات اور اہل عرب پر اُن کے ثقافتی، تمدنی اور مذہبی اثرات بڑی تفصیل اور تحقیق کے ساتھ دکھائے گئے ہیں، فاضل مصنف نے یہ نہیں کیا کہ مورخین کے بیانات جوں کے توں نقل کردیئے ہوں بلکہ انھوں نے بڑی چھان بین کی ہے اور بعض مقامات پر تو مورخانہ نقد و نظر کا حق ادا کردیا ہے۔

کتاب کے دوسرے حصہ میں جو طویل تاریخی مقدمہ کے بعد شروع ہوتا ہے، اُن صحابہ، صحابیات، تابعین اور تابعات (رضی اللہ عنہم) کے حالاتِ زندگی درج ہیں، جو اسلام قبول کرنے سے پہلے اہلِ کتاب (یہودی یا نصرانی) تھے۔ ان حالات کے تفحص، اور جمع و ترتیب میں لائق مصنف کو نہ جانے کتنے علمی اور تاریخی دفتر کھنگالنے پڑے ہیں!

صاحبِ تصنیف کا اندازِ بیان موثر اور باوقار ہے اور زبان[1] منجھی ہوئی ہے، پھر خلوصِ عقیدت نے تحریر

---

[1] اسی لئے حضرت رفاعہؓ نے طلاق دے دیا" (صفحہ ۱۳۰) "طلاق" تو بالاتفاق مؤنث ہے!

میں اور سوز پیدا کردیا ہے! مولانا مجیب اللہ ندوی نے اس کتاب کو ترتیب دے کر علمی اور اسلامی دنیا پر احسان کیا ہے!

اُردو کی ابتدائی نشوونما میں صُوفیائے کرام کا کام

"اُردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام" ــــ از:- ڈاکٹر مولوی عبدالحق، ضخامت ۱۴۸ صفحات، قیمت ایک روپیہ چودہ آنے، ملنے کا پتہ:- انجمن ترقی اُردو پاکستان، اُردو روڈ، کراچی۔

بابائے اُردو مولوی عبدالحق صاحب کی یہ کتاب معمولی لکھے پڑھوں سے لیکر اُردو کے ریسرچ اسکالروں تک کے پڑھنے اور استفادہ کرنے کی چیز ہے! اس میں صوفیائے کرام (اللہ کی اُن پر رحمت ہو) کے اقوال، ملفوظات، ابیات اور نظموں کے وہ نمونے پیش کئے ہیں جن کو اُردو زبان کے ایوان کی خشتِ اوّل کہہ سکتے ہیں! آج ہمارے لئے ان میں سے بعض باتوں کا شرح و بیان کے بغیر سمجھنا بہت دشوار ہے، کیونکہ وہ اندازِ بیان اور زبان ہی ہمارے لئے نامانوس اور اجنبی سی ہے مگر صدیوں پہلے کے ان "ہندی" اور "ریختی" کے "نمونوں" سے اُردو زبان جھانکتی ہوئی نظر آتی ہے ــــ ان بزرگوں کو چاہے اُردو زبان کا معمار نہ کہا جائے مگر یہ حقیقت ہے کہ اُردو زبان کی عمارت جس نقشہ کے مطابق بننے والی تھی اُس کے تھوڑے بہت خطوط صوفیائے کرام نے مدتوں قبل کھینچ دیئے تھے۔

صفحہ (۶) پر "دلوں کا ہاتھ میں لانا" نظر سے گزرا، ہمارے حُسنِ ظن نے اس کی یہ تاویل کی کہ شاید یہ کتابت کی غلطی ہے مگر صفحہ (۸) پر پھر یہ عبارت ملی:-

"لیکن دلوں کو ہاتھ میں لانے کے لئے سب سے پہلے ہمزبانی لازم ہے"

صحیح محاورہ "دلوں کا ہاتھ میں لانا نہیں ــــ "دل یا دلوں کا ہاتھ میں لینا ہے"

اسی صفحہ (۶) پر مولوی عبدالحق صاحب تحریر فرماتے ہیں:-

"بعض اوقات وہ (یعنی صوفی) شریعت سے تجاوز کرنے یا بعض ارکان واصول ترک کرنے میں بھی مضائقہ[1] نہیں کرتا، اس کی نظر انجام پر رہتی ہے، وہ مولوی کی طرح لفظ کا بندہ نہیں بلکہ معنیٰ کو دیکھتا ہے۔۔۔۔"

جو "صوفی" شریعت سے تجاوز کرتا اور دین کے ارکان و اُصول تک کو چھوڑ دیتا ہے ــــ وہ اسلام کے نقطۂ نگاہ سے شدید معصیت کا ارتکاب کرتا ہے، اور اُس کی اس غلطی کو کسی طرح بھی سراہا نہیں جاسکتا۔ صحابہ کرام سے بڑھ کر "معنیٰ" سے باخبر اور "انجام" پر نگاہ رکھنے والا اور کون ہوسکتا ہے، مگر یہ نفوسِ قدسیہ دین کے ایک ایک رُکن کو پُورے التزام کے ساتھ بجالاتے تھے۔

صفحہ (۷) پر پیر اُستاد ہری کا یہ قول نقل کیا گیا ہے:-

"نماز گزاردن کار بیوہ زنان است، روزہ داشتن صرفۂ نان است، حج کردن کارِ بیکاران است ولے دریاب کہ کارِ آنست"

[1] "مضائقہ کرنا" بھی محلِ غور ہے (م-ق)

اگر کسی شخص کا واقعی یہ عقیدہ ہو تو پھر اُس کے ایمان اور اسلام کی بُنیاد ہی کہاں باقی رہتی ہے، اہلِ تصوف کے یہی وہ اقوال اور شطحیات ہیں، جن کے سبب "تصوف" بدنام ہے! ان عقاید، نظریات اور کشف وجذبات سے سو بار خدا کی پناہ!

صفحہ (۳۱) " آپ (حضرت سید محمد جون پوری) کی ولادت سنہ ۸۴۷ھ اور وفات ۹۱۰ ہجری میں بہ مقام "فراح" (بلوچستان) واقع ہوئی، وہیں مدفون ہوئے"——

اس مقام کا صحیح املا "فراہ" ہے اور یہ افغانستان میں واقع ہے۔

جناب مولوی عبد الحق صاحب کے اندازِ نگارش میں جو سادگی، پُرکاری اور بے تکلفی پائی جاتی ہے وہ اس کتاب میں بھی اپنی بہار دکھا رہی ہے، یہ تذکرہ حقیقت میں اُردو زبان کی تاریخ میں ایک قیمتی اضافہ ہے!

لال کتاب

"لال کتاب" مترجم:- ضیاء الحسن موسوی، حجم ۱۱۲ صفحات، مجلّد رنگین گردپوش کے ساتھ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے، ملنے کا پتہ:- مرکزِ ادب، مشن روڈ، کراچی۔

مصر، عراق، شام، لبنان اور سوڈان کے افسانہ نگاروں کے نَو عربی افسانوں کو جناب ضیاء الحسن موسوی نے اُردو میں منتقل کیا ہے، ترجمہ بہت شُستہ اور رواں ہے اور زبان ٹکسالی استعمال کی ہے، بعض مقامات پر تو ترجمہ میں اس قدر اوریجنلٹی پیدا ہو گئی ہے، جیسے افسانے اُردو ہی میں لکھے گئے ہیں!

یہ افسانے تفریحی، اور رومانی ہیں، اور بعض میں سماج پر طنز و تنقید بھی ہے —— مگر ہم عربی زبان کے ادیبوں اور افسانہ نگاروں سے اخلاقی، اصلاحی اور اسلامی افسانوں کی توقع رکھتے تھے!

(صفحہ ۱۶) " وہ میرا بچہ ہے ..." امیرہ نے اکرم سے تشریح کی ... مسکراتے ہوئے"

(صفحہ ۱۷) "جس نے سالم کے دل میں ایک تیزابی اثر دکھایا ..." "تشریح کی" اور "دل میں تیزابی اثر دکھایا ..." ان دونوں جملوں میں غالباً لفظی ترجمہ کی پابندی کی گئی ہے، جس نے عبارت میں جھول پیدا کر دیا ہے —— (صفحہ ۳۴) "اب تو اس دلدر سے چھوٹ جائے گی" —— "دلدر سے چھوٹ جانا" مانوس اندازِ بیان نہیں ہے —— "اب تیرے دلدر دور ہو جائیں گے" لکھتے تو زبان کا لُطف باقی رہتا اور مفہوم بھی ادا ہو جاتا —— (صفحہ ۴۶) "ایک دفعہ تو میں نے تمھاری ضد میں "حامی" بھر لی" —— ڈپٹی نذیر احمد کی کتابوں میں اس لفظ کا املا "ہامی" ملتا ہے!

(صفحہ ۸۴) " مولوی رشید نے سُرمیلی آنکھوں کو نیم باز کرتے ہوئے فرمایا —— جس چیز کی رنگت "سُرمہ" جیسی ہوتی ہے اُسے "سرمئی" کہتے ہیں اور جن آنکھوں میں سُرمہ لگا ہوتا ہے اُن کو "سرگیں" بولتے ہیں "سُرمیلی" کی ترکیب پہلی بار ہماری نگاہ سے گزری!

ایک آنسو ایک یتیم

"ایک آنسو ایک یتیم" —— از:- شفیع عقیل، حجم ۱۲۸ صفحات (مجلّد، رنگین گردپوش) قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے، ملنے کا پتہ:- مرکزِ ادب، مشن روڈ، کراچی۔

یہ جناب شفیع عقیل کے مزاحیہ اور طنزیہ مضامین کا دلچسپ مجموعہ ہے، کتاب کا پیش لفظ جناب ابراہیم جلیس نے اپنے مخصوص انداز میں لکھا ہے! شفیع عقیل نوجوان بلکہ نوخیز ادیب ہیں لیکن اُن کی تحریر میں مشاق

انشاپردازوں جیسی پختگی پائی جاتی ہے! اور اُن کے طنز و مزاح میں "فلسفیانہ معنویت" بھی ملتی ہے! شفیع عقیل کے ادبی مستقبل سے اُردو ادب اچھی توقع رکھتا ہے!

"اکسیر وزارت" اور "جدید پاکٹ ڈکشنری" جیسے مضامین کو اگر انتخاب میں چھانٹ دیا جاتا تو اس کتاب میں بھرتی کی کوئی چیز نہ پائی جاتی ——— طنز نگاروں اور مزاح نویسوں کی یہ کمزوری ہے کہ جب وہ طنز کرنے پر آتے ہیں تو پھر کسی کو نہیں بخشتے اور ظرافت و مزاح کی اس چکی میں گھن کے ساتھ گیہوں بھی پس جاتے ہیں ——— مصنّف نے دوسری پارٹیوں اور اداروں پر جہاں طنز کی ہے وہاں "جماعتِ اسلامی" کو بھی اس لپیٹ میں لے لیا ہے، کاش! وہ "جماعتِ اسلامی" کے لٹریچر اور اُس کے کارکنوں کے طریقِ کار اور زندگیوں کا مطالعہ کرنے کے بعد قلم اُٹھاتے!

"اسلام پسند شاعر" پر جو طنز مصنّف نے کی ہے، وہ بھی واقعیت کے ساتھ ایک طرح کا مذاق ہے! مزاح نگار کا قلم جب "اندھے کی لاٹھی" بن جاتا ہے تو پھر اُس کی شوخی سنجیدہ لوگوں پر گراں گزرتی ہے۔

صفحہ "۴۵" پر "پگار"[1] کو "پگھار" لکھا ہے ——— صفحہ (۶۵) "پاکستان بننے پر کئی ایماندار لوگوں نے ہندوؤں کے چھوڑے ہوئے مکانات پر ہاتھ صاف کئے ہیں۔۔۔" یہاں "کئی" کی جگہ "بعض، یا متعدد" کا محل تھا ——— (صفحہ ۸۷) "شاعر بیچاروں کی جیبیں غزلوں اور نظموں سے اٹی پڑی ہیں" "اٹنا" تو گرد و غبار کے لئے بولتے ہیں ——— مثلاً "اُس کا جسم مٹی میں اٹ گیا" ایسے موقعوں پر "پٹی پڑی" یا "بھری پڑی" بولتے ہیں ——— یہ غلطی عام ہوتی جارہی ہے، اور نئے شاعروں اور انشاپردازوں کو "اٹنے" کے معنی اور اس کا صحیح استعمال ہی معلوم نہیں ہے ——— ابھی وقت ہے کہ اس غلطی کی اصلاح ہوسکتی ہے!

تجلیات

"تجلیات" از:- ضیاء احمد بدایونی ایم-اے ——— مُرتبہ:- ظہیر احمد صدیقی ایم-اے
ضخامت ۴۶ صفحے، (قیمت درج نہیں) ملنے کا پتہ:-
آزاد کتاب گھر، کلاں محل دہلی ۶ (بھارت)

مولوی ضیاء احمد بدایونی (ایم-اے) مُسلم یونیورسٹی میں شعبہ فارسی کے اُستاد ہیں، اور اپنے سنجیدہ اور باوقار علمی اور تنقیدی مضامین کے سبب علم و ادب کے بلند حلقوں میں متعارف ہیں، صاحبِ موصوف بدایوں کے ایک علمی گھرانے کے ممتاز فرد ہیں اور شعر و ادب کا ذوق تو اُن کے یہاں کے بچّوں کی گھٹّی میں پڑا ہوتا ہے، پروفیسر ضیاء احمد کے والد جناب عالی مرحوم کو حضرتِ امیر مینائی سے شرفِ تلمذ حاصل تھا اور اُن کے چھوٹے بھائی جناب آفتاب احمد جوہر اتنی پاکیزہ اور صاف ستھری غزل کہتے ہیں کہ بعض مشہور شعراء بھی تغزل میں ان کی برابری نہیں کرسکتے!

مولوی ضیاء احمد بدایونی نے غزل گوئی کی روشِ عام چھوڑ کر تاریخی واقعات کو نظم کرنے کی راہ اختیار کی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اُنھوں نے علامہ شبلی نعمانی کی کامیاب تقلید کا حق ادا کردیا ہے ——— "تجلیات" میں اسلامی تاریخ کے بعض اصلاحی، عبرت انگیز اور نصیحت آموز واقعات پر پاکیزہ نظمیں ملتی ہیں!

---

[1] غالباً گجراتی زبان میں "تنخواہ" کو کہتے ہیں،

سب سے پہلی نظم "خلقِ عظیم" ہے، جسے پڑھ کر ناظرین وقارئینِ "فاران" "تجلیات" کی دوسری نظموں کا اندازہ کرسکتے ہیں :—

اک یہودی سے کہ تھا عالمِ علمِ توریت — چند دینار لئے سرورِ عالم نے اُدھار
آکے مسجد میں کیا اُس نے تقاضا اک دن — اور تقاضے میں کیا حد سے زیادہ اصرار
مالِ دنیا سے تھی ازبسکہ کراہت شہؐ کو — جو کچھ آتا تھا وہ کرتے تھے رہِ حق میں نثار
گھر میں تھا مال کے بدلے فقط "اللہ" کا نام — عُذر کرنے لگے سلطانِ دو عالمؐ ناچار
اُس یہودی نے کیا عُذر نہ مانوں گا کبھی — چھوڑنے کا نہیں جب تک نہ ملیں گے دینار
اُس کی گستاخ زبانی پہ نہ کچھ فرمایا — ہو کے چُپ بیٹھ گئے سرورِ دیں آخرکار
ظہر سے تا بہ عشا، وقتِ عشا سے تا فجر — وہیں مشغولِ عبادت رہے شاہِ ابرار
بسکہ تھا ملّتِ اسلام کی عُسرت کا وہ دَور — تنگدستی سے تھے یارانِ پیمبرؐ ناچار
پاکے اُس شخص کو ناواقفِ آئینِ ادب — زجر و تہدید پہ مائل ہوئے اصحابِ کبارؓ
دفعتہً رحمتِ عالمؐ نے یہ ارشاد کیا — دیکھو دیکھو نہ ستائے کوئی اس کو زنہار
ظلم پھر وہ بھی معاہد پہ ہے انصاف سے دُور — بخدا ملّتِ بیضا کا نہیں ہے یہ شعار
دیکھ کر حلمِ پیمبرؐ وہ یہودی بولا — اشہدُ انک والله رسولؐ مختار
مال کیا چیز ہے موجود ہے یہ جانِ عزیز — ہے جو کچھ ایک تری جنبشِ ابرو پہ نثار
ہیں رقم ختمِ رسالتؐ کے جو توریت میں وصف — ذاتِ اقدسؐ میں وہ سب جمع ہیں اے صدرِ کبار

زیر دستوں سے تواضع ہے ضعیفوں پہ کرم
تیرے اخلاق کے صدقے تری رحمت کے نثار

مولوی ضیاء احمد بدایونی نے یہ نظمیں کہہ کر حقیقت میں اپنی ذات کو شفاعت و مغفرت کی سند کا مستحق بنا لیا ہے، جوشِ ایمان اور خلوصِ عقیدت ایک ایک مصرعہ سے فوارے کی طرح اُبل رہا ہے ——— پھر لطف یہ ہے کہ زبان، اندازِ بیان اور نظموں کا دروبست بھی خوب ہے!"

لہ ایک نظم علامہ اقبال مرحوم پر بھی ہے، جس کا ایک شعر ہے :-

آں مصلح و مجدد قوم و مجاہدے
آں فیلسوف وشاعرِ شیریں کلام ما

اس شعر میں "مجدد" کی یہ تاویل کی جاسکتی ہے کہ اس سے "مجددِ شعر و سخن" مُراد ہے مگر "مجاہد" کی کیا تاویل کی جائیگی، بجز اس کے کہ اسے کہنے والے کی مبالغہ آمیز عقیدت سے تعبیر کیا جائے۔

لہ صفحہ "۵۷" پر ایک شعر ہے :- آفات کا سیلاب جو آتا ہے تو آئے ٭ مُسلم سخنِ حق سے پشیماں نہیں ہوتا
یہاں "پشیماں" کا نہیں "گریزاں" کا محل تھا۔ (م - ق)

"صبح نو"

"صبحِ نو" مرتبہ:- طالب حجازی، ضخامت ۳۲ صفحات، قیمت چار آنے، ملنے کا پتہ:- فتح آباد کتاب گھر حافظ آباد۔

اس کتابچہ میں سب سے پہلے "حدیثِ یاراں" کے عنوان سے حلقۂ ادب اسلامی حافظ آباد کے فن کاروں کا تعارف ہمیں ملتا ہے، اُس کے بعد، اسلامی تغزل پر جناب اسرار احمد سہاروی (ایم-اے) کا مقالہ ہے جو خاصہ دلچسپ ہے اور فنِ تنقید کے نقطۂ نگاہ سے وزنی اور باوقار ہے!

"صبحِ نو" حسب ذیل شاعروں کے قطعات، غزلوں اور نظموں سے تابناک ہے:-

محمد صدیق غفران، ارشد بیابانی، حیرت جلال پوری، صابر بی-اے، ناشر حجازی، فیروز فتح آبادی، طالب حجازی، محمد اقبال جاوید، ضیغم البھاکری اور ہدایت اللہ اختر چشتی۔

"صبحِ نو" کی نظمیں اسلامی فکر کی ترجمان ہیں، کاش! اس فکر کی ترجمانی کا یہ انداز نہ ہوتا:-

الٰہی وہ دن اور صدقے میں جاؤں
تیاری ہو جب سوئے کوئے پیمبرؐ

"تیاری" کی "ی" مُشدّد ہے ——— یوں بھی ان مصرعوں میں شعریت نہیں پائی جاتی! اس مجموعہ میں جہاں جہاں یہ رنگ قایم ہے:-

ع میں قفس میں ہوں گلستاں میں مری آواز ہے

وہاں وجدان شگفتگی محسوس کرتا ہے!

حلقہ ادب اسلامی حافظ آباد پاکستان کا فعّال حلقہ ہے اور اُس کے ارکان بڑی سرگرمی سے اسلامی ادب کی خدمت کر رہے ہیں۔ اس حلقہ سے ہم اچھی توقعات رکھتے ہیں!

آتش و آب

"آتش و آب" ناشر:- مکتبہ قصرِ اُردو بغداد الجدید، ضخامت ۳۶ صفحات، قیمت ۸/ اس کتابچہ میں ادیب واثقی، امجد قرشی، معین الدین حاوی اور علی احمد رفعت کے منظوم افکار سچ مچ آب و آتش کے امتزاج کی کیفیت پیدا کر رہے ہیں! رفعت کا یہ شعر کس قدر اثر انگیز ہے:-

داستانِ حُسن جب پھیلی تو لامحدود تھی
اور جب سمٹی تو تیرا نام ہو کر رہ گئی

مکتبہ قصرِ اُردو (بغداد الجدید) کی غالباً یہ پہلی کتاب منظرِ عام پر آئی ہے، دوسری کتابیں زیرِ طبع ہیں، یقین ہے کہ "نقشِ ثانی" نقشِ اول سے بہتر ہوں گے!

SEERAT WA SOO RAT

"سیرت و صورت" (انگریزی) مرتبہ، قاری سیّد وددالحیٰ ندوی، ضخامت ۳۰ صفحات، مجلّد گرد پوش کے ساتھ (قیمت درج نہیں) ملنے کا پتہ:-

مجلس سیرت بمبئی، ۱۰۲ تا ناپورہ اسٹریٹ، بمبئی ۹

جناب مولانا قاری سید وددالحیٰ ندوی نے "سیرت و صورت" کے نام سے رسول اللہؐ

ع اسی شمارہ میں "اسوۂ حسنہ کی چند جھلکیاں" جس مضمون کا عنوان ہے، وہ اسی کتاب سے ماخوذ اور مقتبس ہے! (م-ق)

صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مقدس اور شمائل مبارک کو آسان اور سلیس انگریزی میں مُدون فرمایا ہے، انگریزی کیا اُردو زبان میں بھی اس ترتیب وانداز کے ساتھ "سیرت" پر پہلی کتاب دیکھنے میں آئی اور اُس کے مؤلف اور مُرتب کے لئے دل سے دُعائیں نکلیں۔

مجلس سیرت بمبئی جس نہج پر دینی خدمت انجام دے رہی ہے، اُس پر ہم ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس مجلس اور اُس کے کارکنوں کو اپنے حفظ و اماں میں رکھے!

تاریخ مسلمانانِ پاکستان و بھارت

"تاریخ مسلمانانِ پاکستان و بھارت" (جلد دوم) از:- سید ہاشمی فرید آبادی، حجم ۶۵۵ صفحات، پائدار خوبصورت جلد، کاغذ، کتابت اور طباعت ہر چیز دیدہ زیب، قیمت آٹھ روپے آٹھ آنہ، ملنے کا پتہ:- انجمن ترقی اُردو، پاکستان، اُردو روڈ، کراچی۔

جناب سید ہاشمی فرید آبادی اُردو دُنیا کے علمی طبقوں میں خاصے معروف ہیں، حیدر آباد دکن کے دار الترجمہ میں دہ برسوں مترجم رہے ہیں، اُس کے بعد وہاں کے ہوم ڈپارٹمنٹ میں اسسٹنٹ سکریٹری ہو گئے، انھوں نے تاریخ و ادب کی تحقیق کے سلسلہ میں یورپ کا بھی سفر کیا ہے، دکن اور دلی میں بھی بابائے اُردو مولوی عبدالحق صاحب کے وہ دست و بازو تھے اور ہجرت کے بعد یہاں پاکستان میں بھی ہاشمی صاحب مولوی صاحب موصوف کے رفیقِ کار بلکہ انجمن ترقی اُردو پاکستان کی روحِ رواں ہیں! بابائے اُردو اُن پر اعتماد کرتے ہیں، اور ہاشمی صاحب ان کے مزاج شناس ہیں اس لئے برسوں کی رفاقت اب تک نبھ رہی ہے۔

سید ہاشمی فرید آبادی کا خاندان لوہارو سے نسبی تعلق ہے، وہ شاعر بھی ہیں مگر لوگ اُن کو "مورخ" کی حیثیت سے جانتے ہیں، اور اس دشت کی سیاحی میں اُن کی عُمر گزری ہے —— "مسلمانانِ پاکستان و بھارت" کی پہلی جلد پر "فاران" میں تبصرہ کیا جا چکا ہے، اب یہ دوسری جلد جس میں ۱۷۰۷ء سے ۱۹۵۲ء تک کے تاریخی واقعات درج ہیں، منظرِ عام پر آئی ہے، لائق مورخ نے ڈھائی سو سال کی تاریخ کو بڑے سلیقے کے ساتھ مُدون کیا ہے، اور صرف واقعات ہی جمع نہیں کر دیئے بلکہ واقعات کے اسباب و علل پر بھی بحث کی ہے، بعض مقامات اظہار و بیان کے اعتبار سے بھی اثر انگیز ہیں! کتاب کی جامعیت کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مضامین کی فہرست اٹھائیس صفحوں میں آئی ہے۔

سید ہاشمی فرید آبادی نے دلی کی ٹکسالی زبان اور اُس کے محاوروں سے بہت کچھ کام لیا ہے، مگر کہیں کہیں یہ رنگ بھی آگیا ہے:-

"اگرچہ یہ زمانہ پورے ایک سال تک بھی ممتد نہیں ہوا" (صفحہ ۱۰) "مایوسانہ جاں بازی سے ہٹ ہٹ کر ڈٹتے اور گر گر کر سنبھلتے رہے" (صفحہ ۱۱) —— "زیادہ ترخستہ و زخم دار پکڑے گئے" (صفحہ ۲۴) —— "ان حرص کے دعاوی کو مغلیہ دربار کی بدنامی تحریک دیتی تھی" (صفحہ ۴۶) —— "والد کے انتقال اور قلعہ کی یافتیں موقوف ہونے کے بعد" .. (صفحہ ۴۶) —— "تقسیمات کی قرار داد اصولاً طے ہو گئیں" (صفحہ ۶۱۴) —— "قدیم سے ان کے سنہرے مندر برما کی زردستی اور زرداری کے معلن رہے" (صفحہ ۲۴۴) —— "عہدِ لانظمی کی یادگار پنجاب کی سکھا شاہی تھی (صفحہ ۲۴۵) —— "یہی بڑھتے بڑھتے آتشِ قتال بن گئی" (صفحہ ۲۵۰) —— "اسی بزرگ ترین عبادت کی تمرین اور تنظیم کی مصلحت مرکوز ہو (صفحہ ۲۸۶) —— خط کشیدہ الفاظ سے عبارت میں بڑا تکلف اور جھول سا پیدا ہو گیا ہے ——

(صفحہ ۵۶) "انگریزی کی دوسری درسی تاریخوں میں اسی قسم کی شیخیاں ہانکی گئی ہیں" —— "شیخی" کے لئے "بگھارنا" اور "گپ" کے لئے "ہانکنا" بولتے ہیں —— (صفحہ ۶۲) "جھانسی تک جاٹوں کی ٹیٹی مرہٹوں کے راستے میں اڑی پڑی تھی" —— "اڑی پڑی تھی" صوتی اعتبار سے وجدان کے لئے تکلیف دہ ہے، مصنف نے "حائل" کے معنیٰ میں یہ نامانوس اندازِ بیان

اختیار کیا ہے ــــ (صفحہ ۲۲۱) " بیگمات کی ساری جمع جتھا اگوالی " ــــ عام طور پر " جمع پونجی " بولا جاتا ہے ــــ (صفحہ ۲۹۰) " طیلسانیوں کی تعداد میں سال بہ سال بیشی ہوئی " " طیلسانیوں " کے بعد قوسین میں " گریجویٹ " ضرور لکھنا چاہیئے تھا کہ یہ لفظ حیدر آباد دکن میں تو مستعمل تھا مگر پاکستان کے علمی حلقوں تک میں نہیں بولا جاتا ــــ (صفحہ ۵۸۱) " لندن میں سیاست کا پہلا چسکا دادا بھائی نوروجی کی صحبت میں پایا ــــ " چسکا پانا " محلِ غور ہے ،

مولف نے جگہ جگہ " تحریک اُٹھانا " " ذمہ اُٹھانا " اور " بحث اُٹھانا " استعمال کیا ہے " اُٹھانا " ان ترکیبوں اور لفظوں کے ساتھ محلِ غور ہے ، اسی طرح " شجرہ " کے معنی ہیں " کرسی نامہ " پڑھ کر بھی سوچنا پڑا ــــ اس انداز کے جملے :-

ــــ " مگر دم توڑتی دہلی کی وزارت مردہ سانپ کی طرح گلے میں لٹک گئی کہ اس کی طمع کے بل مرتے دم نہ نکل سکے " (صفحہ ۱۱۱)

ــــ " کسی طرح انھیں بھی ہندستان کے کسی علاقے میں ہاتھ مارنے ، کوئی بوٹی توڑے جانے کا موقعہ مل جائے " (صفحہ ۲۰۹)

ــــ " دربار دکن میں موسیو بوسے کے دانت گڑ گئے تھے " (صفحہ ۲۰۷)

جہاں جہاں آگئے ہیں ، وہاں مورخانہ طرزِ بیان مجروح ہوگیا ہے !

" ڈ " اُردو کا حرف تہجی ہے مگر اس کتاب کے مولف نے " ڈنرک " کو عربی کے تتبع میں " دنرک " لکھاہے " جرمنی " کو " جرمانیہ " لکھنا تکلف آمیز جدت ہے ــــ اور " جارج " (GEORGE) کو " جورج " اور آسٹریلیا کو " اوس ترے لیہ " لکھنا اُردو رسم الخط میں ترمیم کی ایک عجیب سی کوشش ہے !

ہم مانتے ہیں کہ ہر مورخ کو ابن خلدون جیسی فلسفیانہ فکر اور شبلی نعمانی کی شوخیِ تحریر اور شگفتہ نگاری میسر نہیں آتی ــــ مگر جناب سید ہاشمی فرید آبادی جیسے مشاق مورخ کو ہم بعض مقامات پر " وقائع نگار " سے بلند تر دیکھنا چاہتے تھے ــــ مثلاً :- (۱) مسلم لیگ نے جس پاکستان کے لئے جد وجہد کی تھی اور قوم کے سامنے مسلم لیگی لیڈروں نے ارضِ پاکستان کا جو نقشہ پیش کیا تھا ، اُسے تقسیم کی قینچی نے اِدھر اُدھر سے کاٹ دیا ، پنجاب اور بنگال کے ٹکڑے کردیئے گئے ــــ لائق مولف کو بتانا چاہیئے تھا کہ پاکستان کی اس غیر متوقع تقسیم کو کیوں قبول کیا گیا ؟ اُس کے کیا اسباب تھے ؟ انگریز نے ہندستان کو آزادی دینے اور ملک کو تقسیم کرنے میں جو عجلت کی اُس کے کیا نتائج بر آمد ہوئے ؟

(۲) باؤنڈری کمیشن میں ریڈ کلف کو آخری حَکم ماننا پاکستان کے حق میں کس قدر مضرت رساں ثابت ہوا ؟ پنجاب اور بنگال کی تقسیم نے انگریز کی ذہنیت کو بے نقاب کر دیا تھا کہ اُس کی ہمدردیاں بھارت کے ساتھ ہیں ، اُس کے بعد ریڈ کلف کے ہاتھ میں پاکستان کی سرحدوں کی قسمت کیوں دیدی گئی ؟

(۳) مسلم لیگی قیادت نے اس بات کو کیوں نہیں سوچا کہ پاکستان کو سیراب کرنے والے دریا کشمیر سے نکلتے ہیں ، پنجاب اور بنگال کی تقسیم کے وقت اس مسئلہ کی اہمیت پیش نظر رہنی ضروری تھی ۔

صاحبِ تالیف نے حیدر آباد دکن ، بہار ، یو۔پی ، دہلی اور مشرقی پنجاب میں مسلمانوں پر ہندوؤں اور سکھوں کے جن درد انگیز مظالم اور قتل ، غارت گری اور عصمت دری کے واقعات کا ذکر کیا ہے وہ یقیناً درست ہیں ۔ ۔ ۔ اور

؎ آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں

مگر مغربی پنجاب کے فساد اور واقعات سے وہ نظریں بچا کر گزر گئے ہیں ۔ مغربی پنجاب میں مسلمانوں نے صرف مدافعت پر ہی قناعت نہیں کی اُن کے حملے جارحانہ بھی تھے ، انھوں نے غیر مسلموں پر جو زیادتیاں کی ہیں اور غیر اسلامی حرکتیں اُن سے سرزد

ہوئی ہیں، قیامت کے دن اُن کی جوابدہی سے وہ شاید بری نہیں ہو سکتے۔ بھول چوک کس سے نہیں ہوتی، جناب سید ہاشمی فرید آبادی کی کوشش بہرحال قابلِ داد اور مستحقِ تبریک ہے، اور "تاریخ مسلمانانِ پاکستان و بھارت" کی تاریخی اہمیت اپنی جگہ مسلّم ہے، صحتِ کتابت کا خاص اہتمام کیا گیا ہے، اس کتاب سے طلبا، اور اساتذہ عوام اور خواص استفادہ کر سکتے ہیں!

ماہنامہ "چاند"

ماہنامہ "چاند" ایڈیٹر:- فیض انصاری، چندہ سالانہ تین روپیہ آٹھ آنہ، ملنے کا پتہ:- دفتر "چاند" محمد علی روڈ، ناگپور، ——— اور پاکستان میں:- دفتر چاند فاطمہ منزل کراچی اور (۲) ملک دین محمد اینڈ سنز بک سیلر بل روڈ، لاہور۔

ناگپور نے اُردو زبان کی حمایت میں تقسیم ہند سے قبل جو خدمات انجام دی ہیں، وہ فراموش نہیں کی جا سکتیں اور تقسیم کے بعد بھی پُر آشوب حالات کے باوجود اس شہر کے "اُردو دوست" باشندے اُردو کی اشاعت و تحفظ کے لئے سب کچھ کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ اُن کے عزائم میں استقامت عطا فرمائے۔

ناگپور کے ادبی اجتماع، مشاعرے اور قومی جلسے بھی نہیں بھلائے جا سکتے اور سُنا ہے کہ اب تک یہ لے نہیں ٹوٹی ——— اسی شہر کے ممتاز ادیب جناب فیض انصاری کی ادارت میں بچّوں کا ماہنامہ "چاند" نکلتا ہے بلکہ طلوع ہوتا ہے! "چاند" میں بچّوں کے لئے ہلکی پھلکی نظمیں، سبق آموز کہانیاں اور دلچسپ کارٹون ہوتے ہیں، فیض صاحب بڑے سلیقہ کے ساتھ اس رسالہ کو مُرتب کرتے ہیں، "چاند" میں زبان کی چاشنی اور ادب کی روشنی ہوتی ہے! جیسا نام، ویسا کام! ——— دین و اخلاق کی حدی خوانی کو تیز تر کر دیا جائے تو ماہنامہ "چاند" کی افادیت میں چار چاند لگ جائیں گے، اس ہواؤ ہوس اور سینما اور تھیٹر کے دور میں بچّوں کو زیادہ سے زیادہ اخلاقی تربیت دینے کی ضرورت ہے، اخلاق کے بغیر علم، ادب اور شعر و نغمہ ایک "عیاشانہ تفریح" سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے ——— تصویروں اور بے مقصد کہانیوں سے بھی اجتناب کی ضرورت ہے ———

ماہنامہ "چاند" کا سالنامہ اسی مہینہ بڑے طمطراق کے ساتھ شائع ہوا ہے، یقین ہے کہ اسے پسند کیا جائے گا!

تصحیح

جنوری ۵۷ء میں جناب ابو الخطیب کے مضمون (کمیونسٹ پارٹی سے مجھے کیا نہ ملا) میں کتابت کی بعض غلطیاں رہ گئی ہیں ——— اُن میں سے اس افسوس ناک غلطی کی تصحیح ضروری ہے۔

صفحہ ۳۳ ——— سطر ۱۷ "میرے والد نے میری انسانیت اور صلاحیت کو ہمیشہ کچلنے کی کوشش کی" ——— اس جملہ میں "میرے" کی جگہ "تمہارے" بنا لیا جائے!

ایک ادبی اپیل

میں آجکل مشاہیر اُردو (قدیم و جدید) کے خود نوشت سوانح ترتیب دے رہا ہوں لیکن جیسا کہ آپ جانتے ہیں یہ کام کتنا دشوار ہے اور ظاہر ہے کہ ادب دوست افراد کی مدد کے بغیر اس کا انجام پانا بہت مشکل ہے، اس لئے میں چاہتا ہوں کہ آپ کے توسط سے اہلِ علم سے ہاتھ بٹانے کی درخواست کروں۔

اس تذکرہ کی اجمالی ترتیب یہ ہوگی۔ شعرا، ناقدین، فسانہ نگار، ڈرامہ نگار، ناول نگار، مترجمین، مفسرین، ماہرین تعلیم اور مدیرانِ اخبارات و رسائل۔

اس سلسلہ میں امداد طلب امر یہ ہے کہ جن کتب و رسائل میں ان اصناف میں سے کسی صنف سے تعلق رکھنے والی کسی مشہور ہستی کے حالات خود نوشت یا تصویر ملتی ہو اس کے مکمل حوالے سے مجھے مطلع کیا جائے۔

ساتھ ہی ساتھ یہ بھی خیال رہے کہ جن لوگوں کے حالات اس میں شامل کئے جائیں گے ان میں سے ہر ایک کے متعلق اس کے کسی معاصر یا اگر معاصر کا نہ مل سکے تو اس کے کسی قریب ترین دور کے شخص کا تبصرہ بھی شامل کیا جائے گا۔ اس لئے اس قسم کے حوالے بھی میرے لئے مفید ہوں گے۔

مشاہیر اُردو کا یہ تذکرہ با تصویر ہوگا، اکثر اہلِ ذوق کو تصاویر جمع کرنے کا شوق ہوتا ہے اس لئے اگر اس بارے میں بھی میری رہنمائی کی جائے تو بہتر ہوگا۔

مصنفین اُردو کا البم بڑا سائز طبع اول ۱۹۳۹ء اور اُردو شاعروں کا البم طبع اول ۱۹۴۵ء مرتبہ سید زوار حسین زیدی ناشر حالی پبلشنگ ہاؤس دہلی۔ سالنامہ نگار لکھنؤ جنوری ۱۹۴۱ء۔ تنقیدی اشارے از آل احمد سرور طبع دوم ۱۹۴۶ء۔ ناشر کتابی دنیا لمیٹڈ دہلی۔ ماہِ نو کی پہلی جلد کے پہلے چھ شمارے یعنی اپریل ۱۹۴۸ء تا ستمبر ۱۹۴۸ء۔ اور نئے پرانے چراغ' از آل احمد سرور طبع اول ۱۹۴۶ء ناشر حالی پبلشنگ ہاؤس دہلی میرے لئے مفید ثابت ہوں گی اگر کسی صاحب کے پاس ان میں سے کوئی ایک بھی ہو تو وہ مجھے قیمتاً یا مستعاراً مرحمت فرما کر شکریہ کا موقعہ دیں۔

اُمید ہے کہ علم و ادب سے دلچسپی رکھنے والی ہستیاں ایسے تذکرہ کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے میری معاونت کرنے میں دریغ نہ فرمائیں گی!

آپکا :- اکبر علی خاں
معرفت جناب امتیاز علی خاں عرشی محلہ پھلواڑ
رام پور (یو۔پی)

فاران

کراچی

پاکستان

ماہر القادری

اللہ

جلد ۵ — نمبر ۱۲

ماہنامہ

فاران

مارچ ۱۹۵۴ء ایڈیٹر:- ماہر القادری

چندہ سالانہ

۶ روپیہ (پاکستانی) فی پرچہ ۸/
۸ روپیہ (ہندستانی) فی پرچہ ۱۱/

مقام اشاعت

دفتر فاران کیمبل اسٹریٹ، کراچی نمبر ۱

نظم و ترتیب

حصۂ نظم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ اوّل

"فاران" کا پہلا شمارہ اب سے پانچ سال پہلے نکلا تھا، مارچ ۱۹۵۴ء میں اُس کی عمر پانچ برس کی ہوگئی، اس مدت میں کاغذ کی انتہائی گرانی بلکہ کمیابی بھی رہی، میں خود تین مہینہ تک بیمار رہا، بعض دوسری دشواریوں کا بھی سامنا کرنا پڑا مگر "فاران" کی ایک اشاعت بھی ناغہ نہیں ہوئی، پانچ سال کے ساٹھ مہینہ ہوتے ہیں اور ہم پورے ساٹھ شمارے "فاران" کے قدردانوں کی خدمت میں پیش کرچکے ہیں۔

اس مدت میں نہ جانے کتنے رسالے اور اخبار نکلے اور بند ہوگئے اور جو نکل رہے ہیں، اُن میں بعض کا تسلسلِ اشاعت قائم نہ رہ سکا! دشواریوں اور مجبوریوں کے مقابلہ میں بڑے بڑوں کو سپر انداختہ ہوجانا پڑتا ہے اور ہر طرح کے وسائل اور ذرائع دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں ——— مگر "فاران" باقاعدہ پابندی اور پورے تسلسل کے ساتھ شائع ہوتا رہا، اور جس مہینہ اس کا "ایڈیٹر" بیماری کے ہاتھوں موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا تھا، اُس مہینہ کا پرچہ بھی ناغہ نہیں ہوا، اور ادارہ فاران کو اس خصوص میں کسی قسم کی معذرت پیش کرنے کی نوبت نہیں آئی۔

خریداری، ایجنسی، کتابت، طباعت، جلد بندی اور دوسرے متعلقہ کاموں کے سلسلہ میں "فاران" کی معاملت اس قدر صاف اور کھری رہی کہ کسی اہلِ معاملہ کے آگے ہماری آنکھیں نیچی نہیں ہوسکتیں ——— یہ تو رسالہ کی کاروباری حالت کی مختصر سی رُوداد ہے، اور جہاں تک "فاران" کی پالیسی کا تعلق ہے، اس کا ایک ایک ورق گواہ ہے کہ "فاران" نے اظہارِ حق میں کسی خطرے کی پروا نہیں کی، جس بات کو ہم نے حق اور مُلک و ملّت کے لئے مفید سمجھا، اُسے پوری بے باکی کے ساتھ ڈنکے کی چوٹ کہا۔

ہمیں نہیں معلوم کہ سرکاری حلقوں میں "فاران" کے احتساب و تنقید کا کیا ردِّ عمل رہا، اور جبینِ اقتدار پر کتنی سلوٹیں اُبھریں، ہم اس کی ٹوہ میں نہیں رہے، اور وہ اس لئے کہ ہم نہ تو کسی پر الزام دھرتے اور تہمتیں تراشتے ہیں اور نہ تنقید سے ہماری غرض کسی کی بدنامی، سُبکی اور رُسوائی ہوتی ہے، ہم نے اربابِ اقتدار کو انھی باتوں پر ٹوکا ہے، جن پر ہم نہ ٹوکتے اور صرفِ نظر کر جاتے تو کتمانِ حق کرتے جو اپنی جگہ مُجرمانہ غفلت بھی ہے، کوتاہیٔ فرض بھی ہے اور ساتھ ہی زمانہ سازی اور بُزدلی بھی ہے۔

یہ جو کچھ ہوا، کیا اُس کے لئے ہم خود اپنی ذات کو مُبارکباد دیں اور یہ کہہ کر خوش ہولیں کہ واہ! کیا عزم ہے! سُبحان اللہ! کیا استقامت ہے، جزاک اللہ! کیسی صاف گوئی اور حق پرستی ہے ——— اگر ہم ایسا کریں اور اس قسم کی غلط اندیشی اور خودستائی میں مُبتلا ہو جائیں، تو ہم سے بڑا ناشکرا اور کفرانِ نعمت کرنے والا اور کوئی نہ ہوگا! اگر خاک کے حقیر ذرے اپنی تھوڑی سی نمود اور ذرا سی چمک دمک پر اترانے لگیں اور آفتابِ جہاں تاب کے فیض و کرم گستری کو بھول جائیں تو یہ کتنی بڑی احسان ناشناسی بے دانشی اور اوچھے پن کی بات ہے۔

تمام تعریفیں اور حمد و سپاس اُس قادر و برتر کی ذات و صفات کو زیبا ہے جس کے حکم کے بغیر پانی کا ایک قطرہ، خاک کا ایک ذرہ اور گھانس کا ایک تنکا بھی جنبش نہیں کر سکتا، کونین کی یہ ہنگامہ آرائی اور رونق و زیبائی سب کچھ اُسی کی مشیت کا ظہور ہے، وہ چاہتا ہے تو پتھر کی چٹانوں سے پانی کی موجیں اُبلنے لگتی ہیں، وہ نہیں چاہتا تو بہتے ہوئے دریا خشک ہو جاتے ہیں، موت و حیات کا خالق بھی وُہی ہے اور سپید و سیاہ کی مالک بھی اُسی کی ذات ہے، کائنات کی ہر چیز پر اُسی کا حکم چلتا ہے اور کس کی مجال ہے جو اُس کے حکم سے سرتابی کر سکے، کوئی جاہل انسان اپنی غفلت اور حماقت کے سبب اللہ تعالیٰ کا منکر ہو جائے تو ہو جائے مگر زمین، آسمان، کوہ و دریا اور کواکب و نجوم زبانِ حال سے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کرتے ہیں اور اپنے خالق کو پہچانتے ہیں، دُنیا کی ہر چیز غیر معتبر اور فناپذیر ہے، اجسام و اجساد اور اعراض و جواہر ان میں سے کوئی چیز بھی سدا رہنے والی نہیں ہے، خدا کی ذات کے سوا، ہر وجود اور ہر ذات آنی اور فانی ہے!

۵ وہ بھی نہ رہیں گے جو رہے ہیں

غریب "فاران" کیا اور اُس کا بیچارہ "ایڈیٹر" کیا؟ یہ جو کچھ بھی ہوا، وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا سارا ظہور ہے، اُسی نے اسباب جمع کئے اور اُنھیں پروان بھی چڑھایا، اُسی نے اظہارِ حق کی توفیق بخشی، اور اُسی نے مُشکلوں، دشواریوں اور پریشانیوں پر قابو پانے کی ہمت دی، اگر مجھ بندۂ عاجز و گنہگار کا ہر بُن مُو زبان بن جائے تو بھی اللہ تبارک و تعالیٰ کے اس احسان کا شمّہ برابر حق ادا نہیں ہو سکتا کہ اِس تاریک ماحول میں حق کی راہ دکھائی بھی اور اُس پر چلایا بھی! ٹھوکریں ضرور لگیں مگر اللہ تعالےٰ نے راہ سے بے راہ نہیں ہونے دیا۔

ایک وہ شخص جس کی عمر کا بہت بڑا حصّہ لااُبالی پن میں گزرا ہو، جس کے نامۂ اعمال میں لغزشیں ہی لغزشیں ہوں اور جس میں اب بھی اگلے چٹخاروں کی خُو بو پائی جاتی ہو ——— اُس کو ذمہ داری کے ساتھ جم کر کام کرنے کی توفیق کس نے دی؟ ایک بے علم کو علمی موضوع اور تحقیقی مسائل پر گفتگو کرنے کی استعداد کس نے بخشی؟ ایک گنہگار اور غلط کار کو نیکوکاری اور تقوے کی دعوت دینے کا جذبہ کس نے عطا فرمایا؟ وہ کہ جن کے قبضہ میں پُولس ہے، فوج ہے، قید خانے، حوالاتیں اور پھانسی کے تختے ہیں، اُن کو ٹوکنے کا حوصلہ کس نے دیا؟ اُس نے اور صرف اُس نے جو خالق ارض و سمٰوات ہے، جو عالم ماکان و مایکون ہے، جو ٹوٹے دلوں کی اُمید اور بے سہاروں کا سہارا ہے، گمراہی اور ہدایت اُسی کے ہاتھ میں ہیں، اور ذلتیں اور عزتیں اُسی کے در سے ملتی ہیں، ہمہ شما کا کیا ذکر انبیاء کرام تک تمام شرف و اجتبا اور تقدیس و عصمت کے باوجود اللہ تعالےٰ کے حضور عاجز و سرفگندہ ہیں، بندہ چاہے عرش

تک پہونچ جائے، پھر بھی بندہ ہی رہتا ہے اور اپنے رب، خالق اور معبود کی دستگیری، امداد و نصرت اور فضل و کرم سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔

کسی درخت، جانور، دریا، پتھر، گنبد اور قبر میں حاجت روائی کی طاقت نہیں ہے، اور نہ کوئی رُوح کسی کی مدد کرتی ہے، فریادرس، حاجت روا، مشکل کشا، بندہ پرور، اور غریب نواز صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، پس! "فاران" کا ہیچمدان اور ناکارہ ایڈیٹر بھی اپنے معبود کے حضور اپنا فقر و احتیاج اور عجز و بندگی پیش کرتا ہے!

اے پناہ و من دپناہ ہمہ

پاکستان میں کیا ہوا؟

گزشتہ ایک سال کی سخت عظیم الشان واقعات کے ظہور کے اعتبار سے، پاکستان کی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتی ہے! پاکستان کا سب سے زیادہ سنگین حادثہ یہ ہے کہ دُنیائے اسلام کے سب سے بڑے مفکر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کو صرف ایک پمفلٹ (قادیانی مسئلہ) لکھنے کے جرم میں موت کی سزا سنائی گئی اور پھر اُس سزا کو چودہ سال کی قید بامشقت میں تبدیل کر دیا! اِس پر ستم ظریفی یہ کی گئی کہ فوجی عدالت کے فیصلہ کے خلاف اپیل کی تمام قانونی راہیں مسدود کر دی گئیں، صرف رحم کی درخواست کی راہ کھلی رہی ——— اور رحم کی درخواستیں مُجرم کیا کرتے ہیں، وہ کہ جن کے ضمیر پاک ہوں اور "بے گناہی" جن کا جُرم ہو، وہ پھانسی کے تختہ پر چڑھ سکتے ہیں مگر اس ذلت کو گوارا نہیں کر سکتے، اور مقام فخر و مسرت ہے کہ سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اُسی عزیمت اور استقامت کا ثبوت دیا، جو ایک مردِ مومن کے شایانِ شان ہو!

اُس کے بعد "انڈمنٹی ایکٹ" کے ذریعہ کورٹ مارشل کے فیصلوں کے خلاف چارہ جوئی کی جو صورت پیدا کی گئی ہے، اُس پر مولانا مودودی نے تبصرہ فرما کر، اس ایکٹ کی اعجوبگی اور طرفگی کو بے نقاب کر دیا ہے:۔

> "ہم یہ اصول ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ ایک عدالتی فیصلہ کی (اگر واقعی کورٹ مارشل کا فیصلہ عدالتی فیصلہ تھا، جیسا کہ انڈمنٹی ایکٹ میں کہا گیا ہے) اپیل عدالتِ عالیہ کے بجائے حکومت کے پاس بھیجی جائے اور اس خاص عدالتی معاملہ میں فیصلہ کے اختیارات حکومت کو حاصل ہوں اور عدلیہ کی حیثیت محض مُشیر کی ہو، یہ انصاف کے نام پر بے انصافی کی ایک بدترین نظیر ہے جو اس ملک میں قائم کی جا رہی ہے، اس بے انصافی کو جائز تسلیم کرنے کے بجائے ہم جیل میں مر جانا زیادہ بہتر سمجھتے ہیں، ہمارے لئے آزادی کا سوال اتنی اہمیت نہیں رکھتا کہ اس کی خاطر ہم معاملے کے اس پہلو کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں کہ یہاں کس طرح انصاف کی مٹی پلید ہو رہی ہے ..."

یہ عجیب و غریب آئینِ حکمرانی اور طرزِ دادرسی ہے کہ حکومت کے حکم سے فوجی عدالت قائم ہوتی ہے، اور وہ عدالت جو فیصلہ صادر کرتی ہو اُس کے خلاف ہائیکورٹ میں براہِ راست اپیل کرنیکی اجازت نہیں دیجاتی، اور اس سلسلہ میں انصاف رسانی، دادرسی اور قانونی چارہ کیلئے جو قانون بنایا جاتا ہے اسمیں عدالتِ عالیہ "حکم" (Judge) ہونے کے بجائے، ایک قانونی مشیر (Legal — Adviser)، بن کر رہ جاتی ہے، ہم نہیں کہہ سکتے کہ ہائی کورٹ کے فاضل جج جن کا منصب مقدمات میں فیصلہ دینے کا ہے، وہ "مشورہ دینے" کی سطح تک اُتر بھی آئیں گے؟

کھلی عدالتوں میں "ملزموں" کے خلاف مقدمہ کی چارہ جوئی سے آخر ہمارے اربابِ اقتدار کتراتے کیوں ہیں؟ اور قانون و اختیار کی یہ آنکھ مچولی کس لئے کھیلی جاتی ہے؟ ——— ملزموں کو عدل و انصاف کی رُو سے اس کا حق ہے کہ وہ ماتحت عدالتوں

کے فیصلوں کے خلاف عدالتِ بالا میں براہِ راست اپیل کر سکیں، اس "حق" کو چھیننا، عدالتِ عالیہ اور ملزموں کی دادرسی کے درمیان حکومت کا کھڑا ہو جانا یا ملزم کے اس "حق" کی ظاہری حیثیت باقی رکھ کر، قانونی حیلوں کے ذریعہ اُس کی رُوح کو معطل اور مفلوج کر دینا، عدل پروری اور انصاف گستری کی عجیب و غریب مثال ہے!

عدالتِ عالیہ میں فوجی عدالت کے فیصلوں کے خلاف اپیلوں کی سماعت سے، حکومت کو آخر کن "اسرار" کے فاش ہو جانے کا خطرہ ہے! حکومت کی اس "پردگیٔ راز" اور سیاسی مصلحتوں کی قربان گاہ پر آخر بیچارے ملزموں کا حقِ دادرسی کیوں بھینٹ چڑھا دیا جائے!

——— دُہائی ——— فریاد!

؎ صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں

پاکستان کے اربابِ اقتدار کا یہ "اندازِ دلبری" اب حافظ شیرازی کے اس شعر کی معنویت تک پہونچ چکا ہے

صید از حرم کشد خم جعدِ بلندِ تو
فریاد! از تطاولِ مشکیں کمندِ تو

تحریکِ ختمِ نبوت کے سلسلہ میں، مارشل لا کے ذریعہ لاہور میں امن قائم رکھنے اور فساد و نزاع کو دبانے کی کوشش کی گئی، وہ بھی پچھلے سال کا نہایت اہم واقعہ ہے، دو چار دن اور ہفتہ دو ہفتہ نہیں، دو مہینہ تک لاہور کی شہری زندگی پر فوج کا قبضہ رہا، مارشل لا کے دوران میں لاہور کے شہریوں کو جن حالات سے گزرنا پڑا ہے، اور وہاں کے جو احوال و کوائف ہمارے کان تک پہونچے ہیں اگر اُن کا دسواں بیسواں حصہ بھی واقعی صحیح ہے، تو پھر لوگوں کو فوجی حکومت سے پناہ مانگنی چاہیے۔

تحریکِ ختمِ نبوت کے سلسلہ میں مسلمانوں نے کتنی قربانیاں دی ہیں اور کیسی کیسی سختیوں کو برداشت کیا ہے، دو مہینہ تک شاید پُورے پنجاب کی زمین اس شور سے دہلتی رہی ہے، خود کراچی میں سیکڑوں عاشقانِ رسولؐ نے اپنے کو گرفتاری کے لئے پیش کیا ہے! سوال یہ ہے کہ جس مطالبہ کو منوانے کے لئے یہ سب کچھ ہوا، کیا اُسے حکومت نے مان لیا، یا حکومت اُس پر غور کر رہی ہے! دلوں کا حال تو خدا جانتا ہے، بہ ظاہر تو ایسا نظر آتا ہے کہ مارشل لا کے ذریعہ "ڈائرکٹ ایکشن" کو دبا دینے کے بعد حکومت شاید مطمئن ہے کہ اُس نے اصل مطالبہ ہی کو دبا دیا اور یہ جذبہ ہی فنا ہو گیا، اگر حکومت کے کرتا دھرتا واقعی یہی سمجھتے ہیں تو وہ بڑے اندھیرے میں ہیں اور اُن کی یہ بے خبری افسوس ناک ہے، ایک شخص جب تک مُسلمان ہے تو وہ اس عقیدے سے دست بردار نہیں ہو سکتا ——— کہ حضرت سید الاولین والآخرین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، خدا کے آخری نبی اور رسولؐ ہیں، اللہ تعالےٰ نے حضورؐ کی ذات پر نبوت اور رسالت کو ختم کر دیا، حضورؐ کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی اور رسول نہیں آئے گا، اور جو کوئی اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کرے گا، اُسے جھوٹا اور دغاباز سمجھا جائے گا، چاہے وہ مسیلمہ کذاب ہو یا غلام احمد قادیانی! ——— حضور خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے بعد نبوت کے تمام دعویدار ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں، اور ایسے جھوٹے، جعلی اور بناوٹی نبی پر جو کوئی مسلمان ایمان لاتا ہے، وہ ملتِ اسلامیہ سے خارج ہو کر مرتد اور کافر ہو جاتا ہے!

تحریکِ ختمِ نبوت کے سلسلہ میں جو "ڈائرکٹ ایکشن" منظرِ عام پر آیا تھا ہم اُس کے موید اور حامی نہیں تھے، خود کراچی کے آرام باغ کے جلسوں میں جو تقریریں ہوئی ہیں وہ صاف بتا رہی تھیں کہ ان سرگرمیوں کا سلسلہ کہاں جا کر پہونچتا ہے، مگر چند لوگوں کی غلطی اور بے دانشی کے سبب اصل مطالبہ تو نہیں چھوڑا جا سکتا، یہ تو ہر مسلمان کے ایمان کا جز ہے! مرزا غلام احمد نبی کاذب کی نبوت پر ایمان لانے والے، حضور خاتم النبیین سیدنا محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی اُمت میں شمار نہیں کئے جا سکتے! اگر کسی کو اس کے ماننے میں تامل ہو تو ہم عقل و نقل اور درایت و روایت کی رُو سے اُس کو مطمئن کر سکتے ہیں،

قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے مسئلہ پر حکومتِ پاکستان کو سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا چاہیئے، اُس کو اگر اس سلسلہ میں کچھ شکوک و شبہات ہوں تو پاکستان میں اللہ کے فضل سے ایسے اہلِ علم موجود ہیں، جو مسئلہ کی اصل حقیقت کو سمجھا سکتے ہیں، مطالبوں کو قانون شکنی اور بے آئینی کے ذریعہ منوانے کے ہم خود موافق نہیں ہیں، آئین و قانون کی حدود میں رہ کر جدوجہد ہونی چاہیئے، اربابِ اقتدار اگر اپنی طاقت کے زعم کو دل سے نکال کر، عوام کے نمایندوں سے شکایتوں اور مطالبوں کے سلسلہ میں افہام و تفہیم اور تبادلۂ خیال کا ربط قائم کر سکیں تو بہت سی اُلجھنیں دُور ہو سکتی ہیں اور تلخیاں شیرینی سے بدل سکتی ہیں۔

"ناظم الدین وزارت" کی برطرفی بھی پاکستان کا نہایت اہم واقعہ ہے، اتنا اہم کہ اُسے ہم "انقلاب" سے تعبیر کر سکتے ہیں، گورنر جنرل بہادر مسٹر غلام محمد بالقابہ نے ایک جنبشِ زبان و قلم میں خواجہ صاحب کی وزارت کو ٹھکانے لگا دیا، اور اس وزارت کو اس الزام کے ساتھ برطرف کیا گیا کہ ملک کی غذائی حالات کو درست بنانے میں یہ وزارت ناکام رہی! خواجہ صاحب موصوف بہت کچھ جھنجلائے اور جھنجلانے اور بگڑنے کی بات ہی تھی کہ اُن کی "بادشاہت" چھین لی گئی، مگر کمزور آدمی بس جھنجلا کر، بگڑ کر اور زیادہ سے زیادہ بُرا بھلا کہہ کر ہی رہ جاتا ہے، گورنر جنرل بہادر نے جو چاہا وہی ہوا ——— اس انقلابِ وزارت کی سب سے زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ پیرزادہ عبدالستار صاحب جو "ناظم الدین وزارت" میں محکمۂ غذا کے وزیر تھے اور جن پر اس الزام کی براہِ راست زد پڑتی تھی، آج صُوبہ سندھ کے خیر سے وزیر اعظم ہیں ——— یہ ہیں سیاست کی وہ بھول بھلیاں جن میں بڑے بڑے بھٹکتے پھرتے ہیں!

پاکستانی وزارت کے اس انقلاب میں سردار عبدالرب نشتر جیسے ہردلعزیز وزیر کو علیحدہ ہو جانا پڑا اور چوہدری سر ظفر اللہ خاں جیسے نامقبول اور غیر ہردلعزیز وزیر کو "محمد علی وزارت" میں پھر شامل کر لیا گیا، حالانکہ مسٹر غلام محمد گورنر جنرل پاکستان جانتے ہیں اور خود سر ظفر اللہ خاں بھی اس سے باخبر ہیں کہ پاکستان کی اکثریت اُن پر اعتماد نہیں رکھتی، پاکستان اور ہندستان کی سرحد کے معاملہ میں انھوں نے پاکستان کی وکالت کی، اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پاکستان کو شدید نقصان اُٹھانا پڑا، اسی طرح فلسطین اور کشمیر کے مسائل میں اُنھوں نے ہاتھ ڈالا اور ناکامی ہوئی، یہ وہ تجربے اور مشاہدے ہیں جن کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، وہ سادہ لوح اور بلید الذہن ہے جو ان واقعات کے پس منظر پر غور نہیں کرتا۔

ابھی چند ماہ پیشتر پاکستان کے وزیر خارجہ چوہدری سر ظفر اللہ خاں امریکہ سے جو چلے ہیں تو شرق اردن، شام، مصر، عراق، ایران کا دورہ فرما آئے ہیں اور وہاں کے اکابر، عمائد اور فرمانرواؤں سے ملے ہیں، تو کیا اُن کا یہ دورہ محض ایک تفریحی سفر تھا؟ ہمیں نہیں معلوم کہ انھوں نے یہ زحمت کس لئے برداشت فرمائی تھی، لیکن یہ ہم کہے دیتے ہیں کہ سر ظفر اللہ خاں جس مسئلہ کو بھی ہاتھ میں لیں گے، اُس میں امریکنوں، انگریزوں اور دوسرے لوگوں کو فائدہ پہونچ سکتا ہے مگر مسلمان حکومتوں اور اُمتِ مُسلمہ کو ہرگز فائدہ نہیں پہونچ سکتا۔

اہم واقعات

دُنیا کے اہم واقعات بہت سے ہو سکتے ہیں، یہ اپنے اپنے ذوق اور فہم و وجدان کی بات ہے، بعض لوگ ملکۂ انگلستان کی تاج پوشی کو اہمیت دیتے ہیں اور بعض حضرات ایورسٹ پر لوگوں کے چڑھ جانے کو گزشتہ سال کا بہت بڑا تاریخی واقعہ سمجھتے ہیں، ہماری نگاہ میں ایسی باتوں کی خاص اہمیت نہیں ہے۔

رُوس میں بیریا اور اُس کے ساتھیوں کی سزائے موت پچھلے سال کا نہایت اہم واقعہ ہے! مُجرموں کو گولی سے اُڑایا جا سکتا ہے، اُن کو پھانسی دی جا سکتی ہے، خطا کاروں کو جیل میں ڈال سکتے ہیں اور اُن کے تازیانے بھی لگا سکتے ہیں، یہ تمام سزائیں اگر حق و انصاف کی رُو سے دی جائیں، تو سوسائٹی کے لئے باعثِ رحمت ہیں اور معاشرے کی اس طرح تطہیر ہوتی ہے ——— مگر ساری دُنیا جانتی ہے کہ سوویٹ رُوس ہی دُنیا میں وہ مُستبد اور غیر جمہوری حکومت ہے، جہاں حزبِ مخالف کا سرے سے وجود ہی نہیں ہے، اور اربابِ حکومت کی ذرا سی مخالفت کو بھی برداشت نہیں کیا جا سکتا، حکومت کے کسی فعل پر وہاں تنقید کرنا جُرم ہے ——— پھر کمیونسٹوں کی نگاہ میں انسانی جان کی کوئی

قدر و قیمت نہیں، وہ کسی جگہ انتشار اور " P A N I C " پھیلانے کے لئے ایک چلتی ہوئی سواری گاڑی کو پٹری سے گرا سکتے ہیں اور ایک تماشائیوں سے بھرے ہوئے سینما ہاؤس کو بم سے اُڑا سکتے ہیں اُن کے مسلک اور مذہب میں حصولِ مقصد کی خاطر ہر قسم کی بے ایمانی، جعلسازی اور قتل و غارتگری اختیار کی جاسکتی ہے، روس کی تاریخ گواہ ہے کہ وہاں کے کسانوں نے حکومت کے استبداد انگیز زرعی قوانین کے خلاف جو احتجاج کیا تھا تو اُس کی پاداش میں لاکھوں کاشتکاروں کو بطخوں اور خرگوشوں کی طرح گولی سے ہلاک کر دیا گیا۔

خود اسٹالن (آنجہانی) نے اپنے کسی مخالف کو برداشت نہیں کیا، اسٹالن کی پالیسی سے ناموافقت اور اُس کی رائے سے اختلاف ایک ناقابلِ معافی جرم تھا جس کی سزا "موت" ہوتی تھی ——— مالنخوف نے بھی اپنے پیش رو مارشل اسٹالن کی قائم کی ہوئی روایت پر عمل کیا، اور روس کے اُن مشاہیر کو جو اُس کی رائے اور پالیسی سے اختلاف رکھتے تھے، موت کے گھاٹ اُتار دیا۔

بیریا اور اُس کے ساتھیوں کی موت نے کمیونزم کی خونیں تاریخ کو اور زیادہ "سُرخ" بنادیا، یہ سانحہ اور المیہ اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ سوویٹ روس جسے کمیونسٹ "جنتِ ارضی" بتاتے ہیں، حقیقت میں جہنم ہے۔

دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا

اور یہ بھی کہ اسٹالن نے جس آہنی قفس کو خوب کس کر رکھا تھا، اُس کے جوڑ بند اب رفتہ رفتہ ڈھیلے ہوتے جارہے ہیں۔

ایران کے انقلابی حالات بھی دُنیا کی سیاست میں غیر معمولی اہمیت کے حامل ہیں، اور یہ واقعہ تو اپنی نوعیت میں منفرد ہے کہ شاہِ ایران تاج و تخت چھوڑنے کے بعد ایک ہفتہ کے اندر پھر طہران واپس آگئے حالانکہ اُن کے باپ نے جلاوطنی کے عالم میں آخری سانس لی تھی اور گلگشتِ مصلا اور آبِ رکناباد کے مالک کو وادئ غربت میں موت آئی تھی۔

ڈاکٹر مصدق کوئی شک نہیں کہ وطن دوست ہیں، اور ایران کے تیل کے چشموں پر انگریزوں کی سیادت کسی قیمت پر پسند نہیں کرتے، مگر مشکل یہ آپڑی کہ وہ ملوکیت اور کمیونزم دونوں سے ربط و دوستی بیک وقت بنا رہنا چاہتے ہیں، اور یہی اُن کی دوعملی پالیسی اُن کے زوال کا باعث ثابت ہوئی کہ ایک طرف وہ کمیونسٹوں سے ربط رکھتے ہیں اور دوسری طرف شاہِ ایران کی تاج و تخت سے محرومی بھی انھیں گوارا نہیں۔

ڈاکٹر مصدق اپنے ملک کے بہت بڑے آدمی ہیں، مگر عدالت میں اُن کا بات بات پر رو دینا، چیخنا، چلانا، اور متضاد بیانات دینا، اس بات کا ثبوت ہے کہ یا تو وہ جان کر ایکٹنگ کرتے ہیں یا پھر اُن کا دماغ حادثہ کے برداشت کرنے کی تاب نہیں لاسکتا اور غیر متوازن ہو جاتا ہے۔

ایران میں کمیونسٹوں کا زور ابھی تک نہیں ٹوٹا اور عالم یہ ہے کہ شاہِ ایران کا طہران میں آزادی کے ساتھ کھلے بندوں نکلنا خطرے سے خالی نہیں ہے، ایران کو کمیونزم کی لعنت سے صرف "اسلام" ہی بچا سکتا ہے مگر "اقامتِ دین" کا پروگرام لیکر وہاں کوئی جماعت نہیں اُٹھی، "فدائیانِ اسلام" کی سرگرمیوں کی تھوڑی بہت کیفیت کبھی کبھار اخباروں میں آجاتی ہے، لیکن اُس سے یہ اندازہ نہیں ہوسکتا کہ یہ لوگ ایران کی سیاست میں جزدی تبدیلی چاہتے ہیں یا اسلامی انقلاب کی دعوت دیتے ہیں۔

جنرل نجیب کی حکومت نے "اخوان المسلمون" پر جو وار کیا ہے، اُس کو دُنیائے اسلام میں بہت زیادہ محسوس کیا جارہا ہے! افسوس ہے کہ مصر کے حالات کسی ذریعے بھی ہم تک نہیں پہونچ رہے ہیں، اور نیوز ایجنسیاں سنسر کی زد میں ہیں، وہاں سے کوئی خیر خبر ہی نہیں آرہی ہے کہ "اخوان" کس حال میں ہیں؟ ہمارا وجدان کہتا ہے کہ "اخوان" کی اندھا دھند گرفتاری اور "اخوان المسلمون" کو غیر قانونی قرار دینے پر مصر میں یقیناً شدید بے چینی ہوگی، لیکن ہم تک اس قسم کی اطلاعیں پہونچنے نہیں دی جاتیں، مگر یہ آہنی پردہ بہت دن تک پڑا نہیں رہ سکتا، وہ وقت ضرور آکر رہے گا کہ واقعات منظرِ عام پر آئیں گے اور "اخوان" کی عزت اور ہردلعزیزی کو چار چاند لگ جائیں گے۔

حرفِ آخر

کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مشیتِ تکوینی کے مقابلہ میں آدمی بے بس اور عاجز ہو جاتا ہے اور جن حوادث و انقلابات کا ظہور میں ہونا مقدر ہو چکا ہے اُن کو کسی تدبیر سے رد کیا نہیں جا سکتا ——— مگر قیامت کے دن انسانوں سے یہ سوال نہیں کیا جائے گا کہ تم نے حالات کو بدل کیوں نہیں دیا، باز پرس اس کی ہوگی کہ تم نے بُرے ماحول کو بدلنے کے لئے کیا کیا؟

اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ شروع ہی سے "فاران" نے غیر اسلامی ماحول کو بدلنے کے لئے کلمۂ حق بلند کیا ہے اور اُس نے اِس فرض کے ادا کرنے میں کسی کی خوشی اور ناخوشی کی پروا نہیں کی، جب تک ہمارے اندر زندگی کی ایک رمق بھی باقی ہے اور ایک سانس لینے کی مُہلت بھی ہمیں ملے گی، اس خدمت کو ہم انجام دیتے رہیں گے!

دلوں کا حال جاننے والا خدا گواہ ہے کہ ہمیں کسی ذاتی مفاد اور شخصی غرض کے سبب پاکستان عزیز نہیں ہے، پاکستان سے ہمارا رابطہ، واسطہ اور تعلق اسلام کی بنا پر ہے، یہ ملک چونکہ اسلام کے نام پر وجود میں آیا ہے اس لئے یہاں اسلام کی سربلندی کے آثار ہمیں نظر آتے ہیں! ——— مگر اسلام صرف کہنے اور باتیں بنانے سے سربلند نہیں ہوگا، اس کے لئے جد و جہد کرنی ہوگی۔

ہمیں اچھی طرح اس کا اندازہ ہے کہ یہاں پاکستان میں مفاد پرستوں اور مغرب زدوں نے اسلام کی راہ میں کتنی رکاوٹیں پیدا کر رکھی ہیں، اور اسلام پسند طبقہ کے لئے قدم قدم پر کس قدر مشکلات اور دشواریاں ہیں ——— مگر جب ہم "اقامتِ دین" کا عزم لیکر نکلے ہیں تو ہر سختی کو سہنا اور ہر مصیبت کو برداشت کرنا پڑے گا، حق کے راستہ میں پھول نہیں کانٹے ہی بچھے ہوتے ہیں، سچائی کا راستہ طائف و مکہ کی مظلومیت، شعب ابی طالب کی سختیوں اور بدر و حنین کی سرفروشیوں سے ہو کر گزرتا ہے۔

کوئی شک نہیں کہ پاکستان میں اسلامی حکومت کی بُنیاد پڑ چکی ہے مگر اصل کام تو اب شروع ہونے والا ہے، اس بُنیاد پر ہمیں عمارت بنانی ہے، اور یہ عمارت کتاب و سنت کے خطوط پر بنے گی۔

"فاران" خدا کے اُن نیک بندوں کا ہمنوا ہے جو پاکستان میں اسلامی انقلاب کے نقیب ہیں، اور جو یہاں کی حکومت، معاشرت، تجارت، اقتصادیات غرض زندگی کے ہر شعبہ کو جاہلیت کے گرد و غبار سے پاک کر کے خالص اسلامی بنا دینا چاہتے ہیں ——— ہم غیب داں نہیں ہیں، ہمیں نہیں معلوم کہ یہ کام کتنی مدت میں پورا ہوگا، اور اس راستہ میں کیسی کیسی دُشواریاں آئیں گی، ہمارا فرض تو جد و جہد کئے جانا ہے۔

ہم سے قلم کی، زبان کی، اور عمل کی لغزشیں بھی سرزد ہوئی ہیں مگر ان تمام کوتاہیوں کے باوجود دل کو "اقامتِ دین" کی کوششوں سے یک گونہ ربط رہا ہے، ہم ابھی تک ساحل پر کھڑے ہوئے موج و طوفاں سے نبرد آزما ہونے والوں کی جد و جہد کا منظر دیکھ رہے ہیں یا زیادہ سے زیادہ یہ کہ اعترافِ خدمت کے پُرجوش نعروں سے اُن کی ہمت بڑھا رہے ہیں لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ طوفان کے چھینٹوں اور موجوں کے ہلکوروں سے ہمارا دامن بھی محفوظ نہیں ہے۔

> کم کوش سہی لیکن بے ذوق نہیں راہی

آنے والے مہینہ سے "فاران" کی زندگی کا چھٹا سال شروع ہو رہا ہے، ہم دُعا کرتے ہیں کہ:-

بارالہا! ہماری کوتاہیوں اور خطاؤں سے درگزر فرما کر، ہمیں حق گوئی، حق کوشی اور حق پر جمے رہنے کی توفیق عطا فرما! ہمارے اعمال کی سیاہی کو آبِ رحمت سے دھو کر نامۂ اعمال کو روشن اور پُر نور بنا دے، اپنے خوف کے سوا ہر خوف دل سے نکال دے، یا اللہ! قلم اور زبان قلب و ضمیر کے رفیق بن جائیں، قول و عمل کا یہ تضاد جاتا رہے! معبود! یہ ہاتھ جو تیرے حضور دُعا کیلئے اُٹھ رہے

ہیں، تیرے سوا کسی دوسرے کے آگے نہ پھیلیں، قلب کو قناعت و استغنا کی دولت عطا فرما، دوسروں کی خوشحالی کو دیکھ کر رشک نہ ہو اور اپنی تہی دستی پر ایک حرفِ شکایت بھی زبان سے نہ نکلے۔

الٰہ العالمین! ہمیں اپنا شکر گزار بندہ بنا، راحت و آسودگی میں، پریشانیوں اور مصیبتوں میں تیری رحمت کی آس اور تیرے قہر کا خوف دل میں جاگزیں رہے ——

اسلام پر زندہ رکھ اور اسلام ہی پر موت دے، نزع، قبر، برزخ اور یومِ حساب کی منزلوں کو ہمارے لئے آسان فرما، جب قیامت میں میزانِ عدالت کے سامنے جانا ہو تو تیری رحمت و مغفرت اور تیرے حبیبؐ اور ہمارے آقا و مولا حضور شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ہم گنہگاروں کو اپنے دامن میں چھپا لے، ہمارا حشر تیرے اُن بندوں کے ساتھ ہو جن پر تو نے اپنا کرم فرمایا ہے!

اے قادر و برتر! جو آنکھیں کفر و جاہلیت کے غلبہ کو اب تک دیکھتی رہی ہیں، اُنھیں ایک بار دینِ حق کے غلبہ کا سماں بھی دکھا دے!

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

ماہر القادری

۱۵ فروری ۱۹۵۴ء

ترجمہ:
سید محمد حسنی

"ظہرآن میں — چند دن"

ظہران نجد کے علاقہ کا وہ مقام ہے جہاں پیٹرول کا عظیم الشان ذخیرہ برآمد ہوا ہے اور کلیفورنیا کی مشہور کمپنی "آرامکو" ایک معاہدہ کے مطابق اس سے فائدہ اٹھا رہی ہے اس وقت وہ جزیرۃ العرب کی ایک ترقی یافتہ نوآبادی اور ریت کے سمندر کے اندر ایک سرسبز و شاداب امریکی جزیرہ ہے جو پورے جزیرہ نمائے عرب سے اپنے تمدن و شہریت میں بالکل ممتاز ہے آمد و رفت کی پابندیوں کی وجہ سے بیرونی دنیا بالخصوص عالم اسلام کو اس کے متعلق بہت کم معلوم ہے مصر کے حزب اشتراکی (سوشلسٹ پارٹی) کے مسلمان لیڈر استاد احمد حسین نے حکومت کی اجازت خاص اور ظہران کے ماہرین فن کی رہنمائی میں اس کی سیر کی اور اس کو تفصیل کے ساتھ دیکھا انھوں نے اپنے سفرنامہ "مشاہداتی فی جزیرۃ العرب" میں اپنے مشاہدات و تاثرات کو تفصیل کے ساتھ پیش کیا ہے یہ ظہران کے متعلق ایک عرب مسلمان سیاح کی پہلی چشم دید روداد ہے، دلچسپ و مستند معلومات اور مستقبل کے خطرات کے علاوہ ظہرآن کے تیل کی داستان اہل مغرب کی قوت ارادی، عزم و استقلال و جانفشانی کی ایک حیرت انگیز داستان ہے جو اہل شرق اور اسلامی ممالک کیلئے بڑی عبرت کا سامان رکھتی ہے، اور بڑی سبق آموز ہے، ظہرآن کے متعلق کتاب کے ایک حصہ کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے، اس کتاب کے حصول کے لئے ہم مولانا مسعود عالم صاحب ندوی کے شکر گزار ہیں ٭

محمد حسنی

رات ہم نے "خرج" میں گزاری، صبح کو ہوائی جہاز کے ذریعہ ظہرآن جانا تھا، ظہرآن جانے والے ہوائی جہاز "خرج" میں نہیں اُترے لیکن ولی عہد امیر سعود کے خصوصی حکم کی بنا پر جہاز ہمارے لئے وہیں روک لیا گیا، پروگرام یہ تھا کہ ظہر سے دو گھنٹہ قبل ہم جہاز پر سوار ہوں گے اور ظہر تک ظہرآن پہونچ جائیں گے جہاں یہ بقیہ دن اور دوشنبہ، سہ شنبہ وہاں رہ کر جہاز کے ذریعہ ہی واپس ہوں گے۔

جہاز ٹھیک وقت پر پہونچ گیا اور ہم لوگ جلدی سے سوار ہو گئے چند منٹ کے بعد جہاز فضا کے دوش پر اُڑ رہا تھا، جس میں صرف ہم تین مسافر تھے میں اور غندور اور ایک اور رفیق، پہلے میرا ارادہ یہ تھا کہ سفر موٹر پر کریں گے لیکن لوگوں نے کہا کہ ریتیلے میدانوں کی وجہ سے سفر میں بڑی دشواری ہوگی اور تکلیف اُٹھانی پڑے گی۔ چنانچہ یہی آخری صورت اختیار کی گئی۔ جاڑے میں سفر کرنے اور گرمی میں سفر کرنے میں بڑا فرق ہوتا ہے، اسی طرح مصر و حجاز کا ہوائی سفر یورپ و امریکہ کے ہوائی سفروں سے بالکل مختلف ہے، جاڑے میں پورا آسمان بادل اور گرد و غبار سے ڈھک جاتا ہے، امریکہ میں یہ کثافت شدید تر ہوتی ہے اور ہوا کے تیز جھکڑ اور پہاڑوں کی چوٹیاں مستقل خطرہ ہوتی ہیں، جس کی وجہ سے جہاز کو ۳۰ ہزار فٹ کی بلندی پر رکھنا پڑتا ہے اور اتنی بلندی سے چاہے آسمان بالکل صاف اور فضا بالکل پُرسکون ہو دوربین کے بغیر کوئی چیز نظر نہیں آتی، اس کے برعکس حجاز، مصر، سوڈان اور دوسرے گرم منطقوں میں آسمان پر ابر کا ایک ٹکڑا نظر نہیں آتا، چونکہ یہاں پہاڑ بھی نہیں ہوتے، اس لئے

جہاز کو بلندی پر پرواز کرنے کی ضرورت نہیں رہتی، مناظر صاف نظر آتے ہیں۔ اور یہ سفر کار کے سفر سے زیادہ دلچسپ ہوتا ہے اس لئے کہ کار سے شہر یا
گاؤں کا صرف ایک پہلو اور ایک حصہ نظر آتا ہے لیکن جہاز پر سے پورے کا پورا ملک نظر آتا ہے اور بالکل جس طرح آدمی کسی نقشہ کو دیکھ رہا ہوا سی
طرح عملی طور پر ہر چیز بے پردہ ہو کر نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے، جہاز میں یکایک ایک اضطراب پیدا ہوا اور ہمارے ساتھیوں نے کہا کہ ہم
ظہران پہونچ گئے ہیں۔ ہم اس یکایک تزلزل کا سبب معلوم نہیں کر سکے، اور سطح زمین سے ایک آگ بھڑکتی ہوئی نظر آرہی تھی ایسا معلوم
ہوتا تھا کہ جیسے آتش فشاں انگارے اُگل رہا ہو پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ الوقیق پیٹرول کی آگ ہے، اس آگ کے اوپر گیس کے جو بادل پیدا
ہوتے ہیں، ان سے ہوا کثیف ہوجاتی ہے، اور فضا میں تموج برپا ہوجاتا ہے، جس کا اثر جہاز پر پڑتا ہے، ہم نے نظر اٹھا کر دیکھا خلیج فارس
کی لہریں ریت کے کناروں سے کھیل رہی تھیں، اہل عراق قومی تعصب کے ماتحت الخلیج الفارسی کو الخلیج العربی کہتے ہیں اور واقعہ بھی
یہ ہے کہ اس کے دونوں کناروں پر عربی ممالک واقع ہیں لیکن یہ نام اس وقت کا ہے جب فارس کی حکومت تھی، اور اب تک چلا آرہا ہے،
جہاز کچھ دیر تک خلیج فارس کے ساحل پر منڈلاتا رہا پھر اترنے لگا اور زمین پر آرہا، سب سے پہلے آپ کی نظر ہوائی اڈہ پر پڑے گی اس ہوائی اڈہ پر
بڑے بڑے وزنی جہاز اُترتے ہیں، اور امریکنوں کے مفاد کے لئے استعمال ہوتا ہے، ہم ہوائی اڈہ کے منیجر اور ناظم اُمور مالیات سے ملے، اس کے
بعد آرامگاہ میں گئے، نظر اُٹھا کر دیکھئے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب چشم زدن میں کسی عربی ملک سے اُڑ کر نئی دنیا میں پہونچ گئے ہیں سامنے امریکن
لڑکی قہوہ وغیرہ لئے کھڑی ہے، اور مسافروں کی ضیافت کر رہی ہے جس طرح کتاب کے عنوان سے کتاب کا پورا مفہوم ذہن میں آجاتا ہے اسی
طرح اس ہوائی اڈہ سے ہم کو یہ اندازہ ہوگیا کہ آگے کیا حال ہوگا اور ہمارا خیال صحیح نکلا البتہ عرب مزدور یا ناظم امور مالیات رومال و عقال باندھے
نظر آتے تو معلوم ہوتا کہ ہاں ہم لوگ عرب ہی کی سرزمین میں ہیں، ترقی کا یہ چکر کہاں جا کر رُکے گا؟ اور اس نئے تجربہ کا انجام کیا ہوگا؟ اس کا فیصلہ
تو آنے والی نسلیں کریں گی، لیکن یہ حقیقت ہے کہ جزیرۃ العرب کا قافلہ اب زیادہ عرصہ تک جہل و تاریکی کے پردہ میں نہیں رہ سکتا، جبکہ اس کے زیر
قدم تیل کے چشمے بہتے ہوں اور کائنات کا بے پایاں اور سب سے اہم ذخیرہ اس کے قبضہ میں ہو،

امریکی گھر میں

اب ہم لوگ کار پر امریکن آئیل کمپنی کے زیر انتظام ایک مکان میں پہونچے جو مہمانوں کے لئے مخصوص تھا، کار ہوائی
اڈہ سے خاص ظہران تک جس راستہ پر گئی تھی وہ بہت آرام دہ اور اچھا تھا، اب ہم ظہران کے امریکی گاؤں میں
تھے یہ گاؤں اپنے دلفریب مناظر اور ترقی کے لحاظ سے امریکہ کے کسی پیٹرول کے گاؤں یا ٹکساس" کے شہر سے کم نہیں تھا، تمام مکانات امریکن
طرز تعمیر پر بنائے گئے تھے یا یوں کہئے کہ امریکہ ہی سے لائے گئے تھے، ایسے ہی ایک مکان میں مجھے ٹھیرایا گیا، اور میں نے محسوس کیا کہ میں فضا
میں سانس لے رہا ہوں جس فضا میں میں نے اپنے سفر امریکہ کے چھ ماہ گزارے تھے، مکان کا فرش "بارکیہ" کی لکڑی کا تھا، اور ہوا صاف کرنے
والے آلہ کی وجہ سے جسم میں چستی پیدا ہوگئی تھی، جس کمرہ میں ہم تھے اس کا تمام فرنیچر امریکہ سے منگایا گیا تھا، خاص طور پر حمام اور نل میں جتنی
صفائی دیکھی وہ امریکہ کے کسی بڑے سے بڑے ہوٹل میں بھی نہ دیکھی تھی جب ہم باورچی خانہ گئے تو وہاں باورچی خانہ کی جگہ کسی سینما کا منظر نظر آیا، بجلی کا
چولھا، ریفریجریٹر (REFRIGERATOR) اور ہر چیز مشین سے چلنے والی!
کھانے کے لئے جس میز پر ہم بیٹھے تھے اس کی کھڑکی کے اردگرد چینی کا ایک حلقہ تھا جو روشنی حاصل کرنے کے لئے بنایا گیا تھا، جس سے کمرہ کے اندر
فضا تازہ اور خوشگوار رہتی تھی، کھانے میں صرف تین چیزیں تھیں، گوشت، ترکاری، پھل اور میوہ جات سب چیزیں ایسی تھیں کہ رفتہ رفتہ ہمارے ذہن
سے یہ بات محو ہوتی جارہی تھی کہ ہم کسی عرب خطہ ارض پر مقیم ہیں، کھانا کھلانے والا بھی عربی سے ناواقف تھا اور اس سے بھی انگریزی میں گفتگو ہو رہی تھی
کمپنی کا نمائندہ آیا، اس کے سپرد یہ کام تھا کہ ہم جو کچھ دیکھنا چاہیں، اس میں ہماری مدد کرے، اس کے ساتھ ہم لوگ جنرل منیجر سے ملنے گئے، وہ
بہت تپاک سے ملا اور عربی اخلاق کا مظاہرہ کیا، غالباً اُس نے یہ سمجھ لیا تھا، کہ کم از کم اس معاملہ میں اس کو عربی معاشرت اختیار کرنا چاہیئے،

اُس نے سگریٹ پیش کی، قہوہ اور دوسرے مشروبات منگوائے، کمرہ ایسا ہی تھا جیسا ایک امریکن منیجر کا ہونا چاہیئے، رسمی خیر مقدم کے بعد خطیبانہ انداز میں کہنے لگا، کہ "آپ لوگ عبد العزیز بن سعود کے مہمان ہیں اور ہم لوگ ان کی رعیت" لہذا آپ کو حکم کرنے کا حق ہے اور ہم پر فرماں برداری واجب ہے فرمائیے آپ کیا دیکھنا چاہتے ہیں اور کیا جاننا چاہتے ہیں، ہر چیز آپ کی خدمت کے لئے موجود ہے اور آپ کے حکم کی منتظر ہے۔" میں نے کہا کہ میں ہر چیز جاننا چاہتا ہوں اور ہر چیز دیکھنا چاہتا ہوں، میں فنی آدمی نہیں لیکن معلومات حاصل کرنے کے ہر موقع سے فائدہ اُٹھانا چاہتا ہوں، میں پیٹرول کے اسپیشلسٹ ماہرین کے پاس بیٹھکر دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہ کس بنیاد پر زمین کی کھدائی کرتے ہیں، طبیعاتی ماہرین کے پاس بیٹھکر دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہ کس خطۂ زمین کا انتخاب کرتے ہیں، کھدائی کی ابتدا کیسے ہوتی ہے؟ ان کنوؤں کو دیکھنا چاہتا ہوں جن کی تکمیل ہو چکی ہے اور ان سے تیل نکالا جا رہا ہے، تیل کی صفائی کس طرح ہوتی ہے؟ وہ کن کن مراحل سے گزرتا ہے، اور سب سے پہلے میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اس منطقہ میں پیٹرول کا انکشاف کیسے ہوا؟ اس کی تاریخ کیا ہے؟ جو پیٹرول اس وقت نکالا جا رہا ہے اس کی مقدار کیا ہے؟ مستقبل میں کتنے اضافہ کی اُمید ہے؟ اس تیل کا دوسرے تیل کے ذخیروں سے کیا تناسب ہے؟ جنرل منیجر نے مُسکراتے ہوئے کہا! تو آپ ہر چیز جاننا چاہتے ہیں مگر اس کے لئے آپ کے پاس وقت ہے؟ میں نے کہا کہ میرے پاس صرف دو دن ہیں، صبح سویرے ہی سے کام شروع ہو جائے اور واپسی کے روز نصف دن تک! اس نے کہا کہ وقت بہت تھوڑا ہے اور جو کچھ آپ دیکھنا چاہتے ہیں وہ ایک جگہ پر نہیں ہے بہت وسیع رقبہ پر پھیلا ہوا ہے، اگر اس کے لئے کار کی جائے تو ایک ہفتہ سے کم کسی طرح نہ لگے گا، اگر آپ پسند کریں تو ہوائی جہاز زیادہ مفید ثابت ہو سکتا ہے، میں نے کہا کہ بہر حال جو بھی صورت ہمارے لئے مفید ہو ہم اس پر راضی ہیں، اس کے بعد اس نے اپنے کسی اسسٹنٹ کو بلایا اور اُس سے کہا کہ کل وہ ہم کو لیجائے اور ہر جگہ کی سیر کرائے، اور اس دورہ سے پہلے ہم کو ایک معلوماتی مقالہ پڑھ کر سُنایا جائے تاکہ ہم کو سمجھنے میں آسانی ہو، میں نے کہا کہ مجھے ولی عہد معظم سے معلوم ہوا ہے کہ آپ نے ریلوے لائن بنانی شروع کی ہے، وہ اب تک کتنے کیلو میٹر بن چکی ہے اُس نے کہا اس کا بہترین جواب یہ ہے کہ آپ خود ریل پر سوار ہو کر دیکھ لیں پھر اپنے ایک اسسٹنٹ کو بلایا اور کہا کہ ہمارے مہمان ریلوے لائن دیکھنا چاہتے ہیں اس کے لئے ہدایات جاری کر دی جائیں تاکہ ریل تیار رہے اور یہ جس وقت بھی چاہیں سوار ہو سکیں اس کے بعد اس نے مجھ کو چند پمفلٹ اور رسالے دیئے جن میں تیل کے متعلق معلومات تصاویر اور اس منطقہ کی تاریخ اور موجودہ حالت کے متعلق تفصیلات درج تھیں، اس کے بعد ایک مختصر مقالہ بھی پڑھ کر سُنایا، اس نے کہا

"اگر کوئی شخص ایسا ہو سکتا ہے جس کے سر پیٹرول کے انکشاف کا سہرا ہو اور جس کی وجہ سے یہ خطہ ارض دنیا کے دولت مند ترین حصّوں میں شمار ہوتا ہے تو وہ شاہ عبد العزیز ابن سعود کی ذات ہے، جن کی وجہ سے کیلفورنیا آئل کمپنی ۱۹۳۳ء کو یہ فخر حاصل ہوا کہ یہاں کھدائی اور تحقیق کا کام شروع کرے، ہم کو وہ موانع اور رکاوٹیں معلوم ہیں جو اس راہ میں حائل ہو رہی تھیں صدیوں سے اس سرزمین پر کسی غیر مسلم کو قدم رکھنے کی اجازت نہیں تھی اور اس کو کفر و ارتداد کے مرادف سمجھا جاتا تھا، ابن سعود ہی وہ شخص ہیں جنھوں نے اس رسم کو توڑا، ہم کو یہاں آنے اور رہنے کی اجازت دی، اور ہمارے لئے ایسا سکون و امن مہیا کر دیا جیسا ہمارے گھروں میں بھی نہ ہوگا، عربوں کو حق ہے کہ مغربی ممالک کے ساتھ سوءِ ظن قائم کریں، اس لئے کہ اُس نے اُن کے ایک بڑے حصّہ کو نو آبادی بنا لیا ہے، ابن سعود نے اگر ہم کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھا تو اس میں ان کا کوئی قصور نہیں تھا، لیکن بعد میں انہوں نے محسوس کر لیا کہ ہمارا کام صرف اتنا ہے کہ ہم پیٹرول سے فائدہ حاصل کریں گے، اور جس ملک سے ہم کو اتنا فائدہ ہوا اس کو نفع پہونچائیں گے، ہماری مصلحت اسی میں ہے کہ یہ سوسائٹی ہمیشہ آزاد رہے اور اس کا وجود باقی رہے، ان حقائق کو ابن سعود نے اچھی طرح سمجھ کر ہم کو یہ فخر اور سعادت حاصل کرنے کا موقع دیا، ہم کو اس عظیم کام کی اہمیت کا پورا اندازہ ہے اور ہم نے عہد کیا ہے کہ ہماری پالیسی ایسی رہے گی کہ ابن سعود اور ان کے جانشینوں کو کبھی افسوس اور ندامت کا موقع نہ آئے، ہم اُن کی اخلاص کے ساتھ خدمت کرتے ہیں اور اپنے کو اُن کی رعایا سمجھتے ہیں، اور ان کے احسان کا بدلہ دینے کی کوشش کرتے ہیں، یہ پیٹرول ان کو دُنیا کا سب سے مالدار بادشاہ بنا دے گا، اور عرب کے اس حصہ کو روئے زمین کے متموّل ترین

حصّوں میں تبدیل کر دیگا"

پیٹرول کی تاریخ

دوسری تفصیلات میں نے ان کتابوں سے معلوم کیں جو مجھکو ہدیۃً ملی تھیں اور جن کو میں نے سونے سے پہلے ختم کر دیا تھا تاکہ صبح کو مشینوں اور کارخانوں کے سمجھنے میں دقت نہ ہو،

کمپنی نے تلاش اور کھدائی کا کام سنہ ۱۹۳۳ء میں شروع کیا وہ امریکن جو سب سے پہلے اس سرزمین پر اُترے تھے ان کو مجبوراً عربوں کا لباس اختیار کرنا پڑا اور ڈاڑھیاں رکھنی پڑیں، اُن کے ساتھ ابن سعود کا فوجی دستہ رہتا تھا جو ان کی حفاظت کرتا تھا، یہ ابتدا سخت تکلیف دہ اور ہمت شکن تھی، اُن کو ہر چیز امریکہ سے منگوانا پڑتی تھی جس میں مشینیں، اوزار اور مزدور ہوتے تھے، یہاں تک کہ غذا، صابون، کاغذ، آلپین وغیرہ بھی دس ہزار میل کے فاصلہ سے منگوانا پڑتا تھا، ان کے سامنے سب سے پہلے تین سوال آئے، ایک تو اس لامتناہی صحرا میں پیٹرول کی تلاش، جس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی آدمی صحرائے افریقہ میں یا سمندر میں سُوئی تلاش کرے، دوسرے عرب کی بدوی وخشک وبے مزہ زندگی اور تکلیف دہ ماحول پر صبر اور اپنے کو ان چیزوں کا عادی بنانا، تیسرے اور یہ سب سے زیادہ اہم سوال تھا۔ ان پڑدسیوں سے تعلقات قائم کرنا اور اُن بدوؤں کی دوستی و اعتماد حاصل کرنا جن کے سینوں میں غیظ وغضب کی آگ بھڑک رہی ہو،

امریکنوں نے ان سب چیزوں کو بہت پامردی اور استقامت سے برداشت کیا اور ایسے مایوس کن حالات میں کُھدائی شروع ہوگئی، کثیر مصارف سخت ترین جدوجہد مہینوں کی کوشش کے بعد نتیجہ صفر سے زیادہ نہ تھا، اب دوسرا کنواں کھودا گیا لیکن وہ پہلے سے زیادہ منحوس نکلا، مگر جو لوگ عزم کرکے آئے تھے ان کی ہمت نہ ٹوٹی اور تیسرے کنویں کی کُھدائی شروع ہوگئی اور نئے سرے سے اُمیدیں قائم ہوگئیں، ہزاروں اور لاکھوں ڈالر خرچ ہورہے تھے اور مہینے پر مہینے گزرتے جارہے تھے، جُھلسا دینے والی گرمی جس کا بچاؤ صرف خیمہ تھے جن کے بجائے بعد میں جھونپڑیاں کھڑی کرلی گئیں، اور جو آج آثار قدیمہ اور پُرانی یادگاروں کے طور پر محفوظ ہیں، آخرکار اس کنویں کی کھدائی بھی پایۂ تکمیل کو پہونچ گئی، لیکن تیل کا ایک قطرہ نہ نکلا، مگر یہ اندازہ ہوگیا کہ تیل ہے ضرور! ان کے ارادوں میں کمزوری کے آثار پیدا ہونا شروع ہوگئے مگر ابھی صبر و استقامت اور عزم کی ایک طاقت تھی جو دامن پکڑے رہی، کئی سال گزر جانے کی وجہ سے وہ وہاں کی فضا سے کسی حد تک مانوس ہوگئے تھے، ان کے قدم جمنے لگے تھے، قیام و طعام کی دشواریاں آسان ہوگئیں تھیں، اب کی بار چوتھا کنواں ذرا فاصلہ پر کھودا گیا، کئی مہینہ کی صبر آزما کوششوں کے بعد جس کا اندازہ بغیر دیکھے نہیں ہوسکتا، یہ حقیقت تیزی کے ساتھ ان کے سامنے اُبھرنے لگی کہ اُنھوں نے جگہ کے انتخاب میں غلطی کی ہے اور یہ خطّہ تیل سے بالکل خالی ہے، اب صرف یہی صورت باقی رہ گئی ہے کہ کمپنی دیوالیہ ہونے کا اعلان کردے، اور اتنی کوششوں، بے پایاں مصارف کے بعد کام چھوڑ دے، امریکہ میں کمپنی کے حصہ دار جمع ہوئے، بحث ومباحثہ ہوا، حساب کیا گیا تو معلوم ہوا کہ نقصان تو تیس لاکھ ڈالر کا ہوا ہے اور فائدہ ایک پیسہ کا بھی نہیں! ان سے یہ سب کوششیں رائگاں ہوتے نہ دیکھی گئیں، روپیہ پھر سے جمع کیا گیا اور نئے ماہرین بھیجے گئے، مزدوروں کو ہمت افزائی کے لئے انعامات دیئے گئے، پانچواں کنواں کھودا گیا اور اس پر ساری معلومات، تجربات اور علوم صرف کردیئے گئے، لیکن نتیجہ پہلے نتائج سے زیادہ مختلف نہ تھا جو تیل نکلا وہ مصارف کے مقابلہ میں ایک فی صدی بھی نہیں تھا، اب رائے یہ ہوئی کہ ایک آخری کوشش کے بعد افسوس و ندامت کے احساس کے بغیر صحیح سلامت واپس جانا چاہیئے، اور کمپنی کو جتنا بچایا جاسکتا ہو اس کے لئے ہر ممکن کوشش کرنا چاہیئے،

اس مرتبہ دو کنویں ایک ساتھ کھودے گئے، یعنی چھٹا اور ساتواں، منیجر اور کمپنی کے حصہ دار ہر لمحہ اور ہر ساعت پر خبریں معلوم کررہے تھے، اور پھر چھٹا کنواں بھی پایۂ تکمیل کو پہونچ گیا لیکن ایک مہیب ناکامی، اور تاریک مستقبل کے سوا آگے کچھ نہیں تھا، اُمید کی آخری شمع بھی گل ہونے کے لئے پر تول رہی تھی، آرزوؤں کے قلعے جو امریکنوں نے تعمیر کئے تھے، ایک ایک کرکے گرچکے تھے، ادھر امریکہ میں کمپنی کے متعلق تجاویز پاس ہو رہی تھیں اور ادھر یہ لوگ مگن تھے کہ آج اس سخت جان اور تکلیف دہ سرزمین سے نجات ملیگی، ظہران اور کلیفورنیا کو ملانے والے برقی

تاروں میں جنبش ہوئی اور کہا گیا، کہ معاملہ انتہائی حد تک پہونچ گیا اب صرف واپسی کا انتظار ہے، لیکن ؟

لیکن لیکن واپسی کے احکامات کے بجائے ظہران اور کیلیفورنیا کو ملانے والے برقی تار پھر ہلے اور یہ آوازیں سُنی گئیں، جنرل منیجر آرہے ہیں۔ . . . . . . تمہارے پاس گنیتوں سے بھرا ہوا جہاز ابھی پہونچتا ہے ہم نے دس ہزار ٹن تیل جہاز میں بھرنے کا حکم دیدیا ہے . . . . . . مشینیں اور آلات جلد از جلد پہونچیں گے، نرسیں اور ڈاکٹر بھی آرہے ہیں، ہم سب خوشی سے رقص کر رہے ہیں،

ساتواں کنواں تقدیر نے صفحۂ قسمت پر نیا خط کھینچ دیا، کنواں مکمل ہوتے ہی زمین کا جگر پھٹ گیا اور تیل کے فوارے اس طرح چلنے لگے کہ امریکنوں نے کبھی ایسا نہیں دیکھا تھا، یہ مارچ سنہ ۱۹۳۸ء کا واقعہ ہے یعنی تلاش و جستجو کے پانچ سال بعد اور پیہم مایوسیوں اور مسلسل ناکامیوں کے سائے میں! یہ کنواں صرف کنواں نہیں تھا ایک طوفان تھا معلوم ہوتا تھا کہ ایک غضبناک اور متلاطم سمندر ہے، اور تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوگیا صرف کیلیفورنیا کمپنی اور پیٹرول کی تاریخ میں نہیں بلکہ عرب اور پورے مشرقِ وسطیٰ کی تاریخ میں بھی، ساری دُنیا کی نظریں اس کا طواف کرتی نظر آتی ہیں اور اس کی حیثیت بالکل دل کی سی ہوگئی ہے، اگر اس کو صدمہ پہونچ جائے تو پورا جسم ہمیشہ کے لئے سوجائے،

یہ کنواں آج بھی موجود ہے، کمپنی کے ذمہ دار اور مزدور وہاں جاتے ہیں اور اس کو ایک انقلابی خط اور نقطہ تبدیلی کی حیثیت سے دیکھتے ہیں جس نے کمپنی اور جزیرۃ العرب کی قسمت بدل دی، اس کنویں کی اہمیت کا اندازہ اس کے بغیر نہیں ہوسکتا کہ ہم سنہ ۳۳ء سے لیکر سنہ ۳۸ء کے نمبروں کو معلوم کریں اور یہ وہ سال ہے جس میں ساتواں کنواں کھودا گیا، مجموعی طور پر اس مدت میں جتنا تیل نکالا گیا وہ پانچ لاکھ اسّی ہزار پیپے تھا اور اس میں زیادہ حصہ ساتویں کنویں کا تھا، سنہ ۳۹ء میں جب یہ کنواں پُوری طرح تیل نکالنے لگا تو یہ مقدار ۳۹ لاکھ، ۳۷ ہزار تک پہونچ گئی یعنی پانچ سال میں چھ کنووں سے مجموعی طور پر جتنا تیل نکالا گیا اس کا سات گنا!

پھر اس کے بعد تیل کی برآمد برابر بڑھتی رہی، یہاں تک کہ سنہ ۴۰ء میں یہ مقدار پچاس لاکھ پچھتر ہزار تک پہونچ گئی، لیکن جنگ چھڑ جانے کی وجہ سے حکومت امریکہ نے ضروری آلات اور مشینوں کی درآمد بند کردی جس سے کمپنی کو اپنے کام کا دائرہ وسیع کرنے کا موقع نہ مل سکا، سنہ ۴۳ء میں تیل کی اہمیت اور جنگی افادیت کے پیشِ نظر یہ قانون منسوخ کردیا گیا اور کام وسیع پیمانہ پر شروع ہوگیا، سنہ ۴۵ء میں تیل کی مقدار دو کروڑ تیرہ لاکھ گیارہ ہزار تھی اس مقدار میں ایک سال کے اندر تین بار اضافہ ہوا، اور آپ کی حیرت ابھی ختم نہ ہوئی ہوگی کہ آپ اچانک یہ سُنیں گے کہ سنہ ۴۶ء میں یہ مقدار پانچ کروڑ ننانوے لاکھ چوالیس ہزار تھی اور سنہ ۴۵ء میں یہ مقدار آٹھ کروڑ، اٹھانوے لاکھ باون ہزار تھی، منیجر نے یہ بھی کہا کہ سنہ ۴۹ء میں دس کروڑ پیپے (بریل) نکالنے کی توقع ہے، پھر میں نے کمپنی کے موجودہ سال کی رپورٹ دیکھی جس سے اندازہ ہوا کہ اس سال کتنی ترقی ہوئی ہے، یہ دنیا کی پہلی جگہ ہے جہاں اتنے بڑے پیمانہ پر تیل نکالا جارہا ہے، اس لئے کہ پیٹرول کے دوسرے چشمے اوّل تو اتنی مقدار میں تیل نہیں پیدا کرتے پھر ان کا سرمایہ بہت جلد ختم ہونے لگتا ہے اور سوتے خشک ہوجاتے ہیں، اسی وجہ سے ہر ملک میں پیٹرول نکالنے کے لئے گورنمنٹ کی طرف سے ایک خاص مقدار مقرر ہوتی ہے جس سے زیادہ تیل نکالنا قانوناً جرم سمجھا جاتا ہے لیکن آرامکو کمپنی کو چونکہ اپنے مفاد سے غرض ہے اس لئے وہ ہر ممکن طور پر زیادہ سے زیادہ برآمد کرنے کی کوشش کرتی ہے جبکہ امریکہ کی پالیسی یہ ہے کہ تیل نکالنے میں ہاتھ روکا جائے اور احتیاط برتی جائے، کیونکہ مستقبل میں فتح و شکست کا سارا دارومدار مشرقِ وسطیٰ کے تیل کے اسی ذخیرہ پر ہے، چنانچہ دورانِ جنگ میں آخر تک لڑائی کا سارا بار صرف سودی عرب نے اُٹھایا، میں ابنِ سعود کو اس کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ وہ تیل نکالنے کی ایک مقدار مقرر کردیں اور شکم زمین میں اتنا ذخیرہ باقی رہے جو بوقت ضرورت کام آئے، اور اس

طرح صدی ڈیڑھ صدی کے لئے ہم مطمئن ہو جائیں گے، اس وقت جس حیرت انگیز اور خطرناک تیز رفتاری کے ساتھ تیل نکالا جا رہا ہے اس سے یہ اندیشہ بالکل بجا ہے کہ آخر کار سارا تیل عرب کے زیرزمین ہونے کے بجائے امریکہ کی ٹنکیوں اور گوداموں میں ہوگا، اور یہ سرزمین کل کی طرح بے آب و گیاہ مفلس اور چٹیل میدان کا سماں پیش کر رہی ہوگی،

عمرانیات عروج پر

پیٹرول کی وجہ سے شہریت اور تمدن کو بہت ترقی ہوئی ہے اور یہ ظہران جس میں کل تک جھونپڑے اور پھٹے پرانے خیمے ملتے تھے آج زندگی کی رنگینیوں سے بھرپور امریکی شہر کو آئینہ دکھا رہا ہے۔

ظہر کے بعد آج ہم شہر کی سیر کرنے گئے، صاف شفاف مسطح سڑکیں، خوبصورت مکانات، خاص طور پر کرایہ کی کاریں (Taxi) جو قطار در قطار کھڑی تھیں بہت دلفریب سماں پیش کر رہی تھیں، پھر ہم نے ایک عظیم الشان ورکشاپ دیکھا، نئے نئے آلات دیو ہیکل مشینیں، اور سائنٹفک حیثیت سے مصر بھر میں ایسا کوئی ورکشاپ نہیں، ایک مسرت بخش بات یہ تھی کہ اس میں عرب مزدور نہایت مہارت کے ساتھ کام کرتے نظر آ رہے تھے، ان میں سے ہر ایک کی روزانہ آمدنی ۵۰-۶۰ اور کبھی کبھی ۸۰-۱۰۰ قرش تک ہو جاتی ہے، مفت جائے قیام اور کھانا تیار کرنے کے لئے آگ اور حرارت اس کے علاوہ ہے، ہر دو ہفتہ کے بعد ان کو غذا فراہم کی جاتی ہے جو بہت سستے داموں پر ملتی ہے، ان عرب مزدوروں کی تعداد بیس ہزار ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ جزیرہ عرب کی تاریخ میں نئے باب کا اضافہ کر رہے ہیں اور ایک نئے دور کی تعمیر میں مشغول ہیں اس لئے کہ ان کو زندگی میں پہلی بار اس کام سے سابقہ پڑا ہے، اس اہم انقلاب اور جنگ کے آنے والے خطرات کے متعلق کچھ بھی کہا جائے، بہرحال میرا ان کو مبارکباد دینے کو جی چاہتا ہے، میں ان مدارس میں بھی گیا جو بدوؤں کی تعلیم کے لئے بنائے گئے ہیں اور وہاں ان کی میکینک کی تعلیم ہوتی ہے اور مختلف صنعتوں سے روشناس کرایا جاتا ہے، جب میں اس ہسپتال میں گیا جس کا افتتاح تو ابھی نہیں ہوا تھا لیکن تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں تو میں نے محسوس کیا کہ یہ نئی دنیا ہے اور عربوں کے لئے ضروری تھا کہ وہ اس میں داخل ہوں، ہسپتال امریکہ کے اسپتالوں میں سب سے جدید طرز پر بنایا گیا ہے اور اتنے وسیع اور سائنٹفک پیمانہ پر بنایا گیا ہے کہ مصر کے بڑے بڑے اسپتال اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے اس لئے کہ اس کا سب سامان اسی سال امریکہ سے آیا ہے، یعنی دنیا کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ (DEVELOPED) اور آخری (ماڈل)، اور وہ خاص طور پر عرب اور امریکی مزدوروں کے لئے ہے، میں اپنی حیرت کو چھپانے کے باوجود نہیں چھپا سکا، جو ترقی کے ان مظاہر کو دیکھ کر بڑھتی جا رہی تھی، اس کے ساتھ تھوڑا سا خوف بھی ملا ہوا تھا جو امریکہ کے استعماری ارادوں سے ہمیشہ مجھ کو رہتا ہے۔

ہم تیل کے چشموں کے قریب پہونچ گئے، جہاں عملی طور پر تیل نکالا جا رہا تھا اس کا منظر بھی عجیب تھا، ایک پتلا نل زمین کی سطح سے لیکر چھت تک چلا گیا تھا، اس کے گرد ایک چھوٹا سا احاطہ یا گھیرا تھا، جس سے معلوم ہو رہا تھا یہ کنواں ہے، اس نل سے دوسرے نل ملے ہوئے تھے جو سطح زمین پر پھیل گئے تھے، پیٹرول اسی مرکزی نل سے تیزی کے ساتھ نکلتا ہوا دوسرے نلوں کے ذریعہ صاف کرنے کے کارخانہ تک پہونچ جاتا ہے، ایک امریکن نے بتایا کہ امریکہ میں کہیں کہیں اس قسم کے پیٹرول کے نل باغوں، پارکوں اور گھروں میں بھی مل جاتے ہیں، ہماری نظر اس بھڑکتی ہوئی آگ پر پڑی جو ہمارے جہاز کے اترتے وقت نظر آئی تھی، میں نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ زمین سے جو تیل نکلتا ہے اس میں بہت سی زہریلی گیسیں ملی ہوتی ہیں اگر اس کو اسی طرح چھوڑ دیا جائے تو بہت نقصانات کا اندیشہ ہے، اس لئے اس کو ان مشینوں کے ذریعہ صاف کیا جاتا ہے اور جب یہ گیسیں پیٹرول سے علیحدہ ہو جاتی ہیں تو ان میں آگ لگا دی جاتی ہے، یہ ہے اس غیر منقطع آگ کا راز! اچانک میں نے سوال کیا، کیا ان گیسوں سے کسی صورت میں کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا اس نے کہا کہ ہم اس آگ سے تولید حرارت کا کام لیتے ہیں کھانا پکانے کمرہ گرم کرنے، اور اس طرح کے دوسرے کاموں کے علاوہ اس کا اور کوئی فائدہ نہیں، میں نے کہا کہ یہ حیرت انگیز طور پر طاقتور آگ، بھڑکتی ہوئی دوزخ

اور یہ مہیب قوت اسی طرح فضا میں ضائع ہوتی رہتی ہے، اس نے کہا کہ ہم بھی اکثر یہی سوال کرتے ہیں، لیکن ابھی تک ہم کو اس کا جواب نہیں مل سکا، اور چونکہ ہمارا دائرۂ عمل صرف تیل کی حد تک محدود ہے اس لئے ہم اس کی طرف توجہ نہیں دے سکتے، اس کے لئے علٰحدہ سے ماہرین تحقیق کریں تو ممکن ہے کہ اس کا کوئی مصرف معلوم ہو جائے ہم سب خاموش ہو گئے، اور آگ کو گھورنے لگے، اس کو دیکھ کر ہمارے جسموں میں سرسراہٹ سی پیدا ہو گئی تھی، ایسی مہیب اور خوفناک آگ ہم نے کبھی نہیں دیکھی تھی، میں نے آخری سوال کیا، اس آگ سے پیٹرول کو کوئی خطرہ نہیں ؟ ہمارے لئے تو یہ بھی ممنوع تھا کہ ایسی جگہوں پر دیا سلائی جلائیں اُس نے کہا کوئی خطرہ نہیں اور وہ اس لئے کہ ان نلوں سے گیس بہت تیزی اور قوت کے ساتھ پہونچ رہی ہے اور آگ کے لئے یہ ممکن نہیں کہ نلوں کے اندر پہونچ جائے کیونکہ ان نلوں میں ضروری آکسیجن بھی نہیں ہوتی جو آگ پکڑ سکے صرف گیس جلتی رہتی ہے اور پیٹرول پوری طرح محفوظ رہتا ہے !

ہم نے دیکھا کہ ریت کا ایک بہت بڑا ٹیلہ ہے اور اس کے سامنے کھدائی کے دیو پیکر اوزار و آلات رکھے ہیں، میں نے پوچھا کہ ان آلات سے کیا کام لیا جائے گا، اس نے کہا کہ ہمارا ارادہ ہے کہ اس ٹیلہ کو یہاں سے ہٹا دیں اور شہر کی وسعت میں اضافہ ہو، ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ شخص کوڑے کرکٹ کے ایک ڈھیر کے متعلق بات کر رہا ہے، جس کو ایک لڑکی اپنی چھوٹی سی جھاڑو سے صاف کر سکتی ہے، ہمارے یہاں قاہرہ میں وسط شہر میں مٹی اور کوڑے کرکٹ کے ٹیلے ہیں جو آنے جانے والوں کو تکلیف دیتے ہیں ان سے گندگیاں پھیلتی ہیں اور امراض پیدا ہوتے ہیں، لیکن ہم اُن کو کسی طرح ہمالیہ پہاڑ سے کم نہیں سمجھتے اور ان کے ہٹانے کے بارے میں کوئی بات ناممکن الوقوع اور الف لیلیٰ کی کہانی سمجھی جاتی ہے، اس کے برعکس یہ لوگ ایسے ٹیلوں کو اس آسانی سادگی اور بغیر کسی اہتمام کے ہٹا دیتے ہیں جیسے ہمارے یہاں گلیاں صاف کی جاتی ہیں۔

اس درمیان میں ہم دیکھتے رہے، حسین و جمیل موٹریں ادھر سے اُدھر آ جا رہی ہیں جس میں ہر ایک کے ساتھ گاڑیوں کا ایک سلسلہ تھا جس کو وہ اپنے ساتھ گھسیٹتی تھیں ان موٹروں سے ہر چیز کی بار برداری کا کام لیا جاتا ہے، یہاں تک کہ مکانات بھی ! اور یہ اس طرح کہ مکانات کے نیچے پہیے لگا دیئے جاتے ہیں اور موٹر ان کو کھینچ لے جاتی ہے۔

میں نے ابھی ظہران میں چند گھنٹوں سے زیادہ نہیں گزارے تھے ایسا محسوس ہوا کہ اتنی چیزیں دیکھنے، سننے اور سمجھنے کی وجہ سے سر میں چکر آ رہا ہے، اگرچہ جو میں نے دیکھا تھا وہ کچھ نہیں تھا اور جو پروگرام بنایا گیا تھا وہ گویا ابھی شروع ہی نہیں ہوا تھا، اب ہم واپس ہونے لگے، شام ہو چکی تھی، ظہران بجلی کے قمقموں اور برقی لیمپوں سے جگمگا رہا تھا ! جب ہم اپنی قیام گاہ میں چائے نوشی کے لئے گئے، تو ہم سمجھ رہے تھے کہ آج کا کام ختم ہو چکا ! لیکن امیر ظہران کے سکرٹری محسن بن جلوی سے معلوم ہوا کہ امیر ہمارے منتظر ہیں، ہم نے جلدی سے کھانا کھایا اور امیر کے پاس روانہ ہو گئے،

امیر ظہران کی خدمت میں

امیر نے ہم کو لانے کے لئے لنکولن ماڈل کی کار بھیجی تھی یہ ۱۹۵۳ء ہے لیکن معلوم ہوتا تھا کہ کار ۱۹۵۴ء کی ہے، پورے مصر میں کوئی موٹر اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی، آپ کہیں گے کہ کاروں کے معاملہ میں آپ مصر کو نمونہ کیوں قرار دے رہے ہیں، میں عرض کرونگا، لندن، پیرس اور ماسکو میں کاروں کے اتنے نمونے آپ کو نظر نہ آئیں گے، جتنے قاہرہ میں، قاہرہ اس معاملہ میں سب کا امام ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ ان ملکوں میں صرف اپنے یہاں کی ملکی کاریں استعمال کرنے کی اجازت ہے دوسرے ممالک سے کاروں کی برآمد قطعاً ممنوع ہے، اس کے برخلاف قاہرہ میں ہر ملک کے ماڈل ملیں گے، پھر مصر کے امراء و رؤسا، اپنے لئے ہر سال امریکہ سے نیا ماڈل منگواتے ہیں، ہم روانہ ہو گئے، ہر طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی، لیکن ہم کو اندازہ ہو جاتا تھا کہ ہم کس گاؤں سے گزر رہے ہیں، یہ "الخبر" کا عربی شہر ہے پہلے یہاں جھونپڑے اور جھونپڑیاں نظر آتی تھیں لیکن اب بہت تیزی کے ساتھ ترقی کر رہا ہے، یہاں کمپنی کی

طرف سے ایک بندرگاہ بنائی جا رہی ہے جو خلیج فارس کی سب سے بڑی بندرگاہ ہوگی، ایک منصوبہ بنایا گیا ہے جس کے ماتحت خوبصورت شہر تعمیر کئے جائیں گے اور اس خطہ کا نقشہ بدل جائے گا، میں نے پوچھا کہ امیر ظہران جس شہر میں رہتے ہیں اُس کا کیا نام ہے، اس نے جواب دیا دمام، مجھے فوراً یاد آیا کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں کنواں نمبر ۷ ہے اور جو پیٹرول کا نقطۂ عروج سمجھا جاتا ہے۔

ہم دمام پہونچ چکے تھے، یہ شہر بھی الخبر کی طرح نئے سرے سے تعمیر ہو رہا ہے اور تیزی کے ساتھ عمارتیں بن رہی ہیں، آپ نے جدہ میں اِدھر اُدھر بنتے ہوئے دو ایک مکان دیکھے ہوں گے لیکن سینکڑوں مکانات کو ایک ساتھ بنتے ہوئے نہ دیکھا ہوگا، ڈالروں کا یہ سیلاب جو امریکہ سے ظہران کی طرف بہہ رہا ہے یہ اسی کی کرامت ہے، ساحل پر رہنے والے مزدور پیشہ یا متوسط طبقہ کے لوگ جنکی زندگی کا دارومدار مچھلی کے شکار یا زیادہ سے زیادہ موتیوں کی تجارت پر تھا جو ان کے لئے ناکافی تھی، اب ان کا معیارِ زندگی بلند ہو گیا ہے، ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی جب ہم نے دیکھا کہ وہ توقع کے خلاف بالکل سادہ اور دولت و اسراف کے مظاہرہ سے بالکل پاک تھا، یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ اس امیر کا گھر تھا جس کو شب و روز کمپنی کے منیجر سے سابقہ رہتا ہے اگر وہ چاہتے تو امریکی ساز و سامان سے مزین ایک عظیم الشان محل تیار کر لیتے اور شاید یہ کہنا نامناسب نہ ہو کہ ان کو ایسا کرنا بھی چاہئے تھا، کتنے تعجب کی بات ہے کہ ان اسباب کی فراوانی کے باوجود وہ ابھی تک وہی بدویانہ زندگی گزار رہے ہیں جس طرح ان کے باپ دادا زندگی گزارتے تھے، جب میں امیر کے پاس گیا تو میرے دماغ میں اسی قسم کے خیالات موج زن تھے۔ تین ملاقاتوں کے بعد بھی میں حیران تھا کہ مجھے اس کی تائید کرنا چاہئے اور اس پر خوش ہونا چاہئے یا تنقید اور اعتراض کرنا چاہئے، میں دیکھ رہا تھا کہ بدویت پوری شدت کے ساتھ جلوہ ریز تھی جب کہ ملک کے دوسرے حصے متمدن ہو چکے تھے۔ لیکن میں اپنے خیال کو بدل رہا تھا اور اپنے دل میں اس عربیت وطن دوستی، وضعداری، اور اسلاف کی پیروی کی قدر کر رہا تھا جس کو امریکہ کے ڈالر کی ہوا بھی نہیں لگی، اور وہ اسی سمندر میں رہ کر بھی تر دامن نہ ہوئی۔

محسن بن جلوی

محسن بن جلوی سے مل کر ابتدا میں کوئی آدمی خوش نہیں ہو سکتا، وہ اتنے کم سخن اور سنجیدہ رُو واقع ہوئے ہیں کہ ملنے والا پریشان ہو جائے، میں نے انتہائی شوق اور دلچسپی کے ساتھ گفتگو کرنا چاہی، لیکن وہ شروع سے آخر تک بس میری صورت دیکھتے رہے، میں نے یہ خیال کیا کہ شاید یہ موضوع ان کے لئے ناخوشگوار ہے اس لئے میں نے موضوع سخن بدل دیا، لیکن مجھے مایوسی ہوئی، اگرچہ یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ گفتگو کے ہر پہلو کو وہ اچھی طرح سمجھ رہے ہیں لیکن اتنی بات ناکافی تھی اور جب ہم رخصت ہوئے تو ہم سمجھ رہے تھے کہ ہم ان کو خوش نہیں کر سکے، ابھی میں راستہ میں تھا کہ امیر کے سکریٹری واپس آئے، اور کہنے لگے، کہ امیر نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ شام کے کھانے کی دعوت آپ کو دوں، یہ دعوت بالکل اچانک تھی، ہم نے دعوت قبول کر لی اس دعوت میں بہت سے امریکی افسر بھی مدعو تھے، وہ شب گزاری کے قیمتی کپڑے پہنے ہوئے آئے اور ادب کے ساتھ بیٹھ گئے جب ہم پہونچے تو امیر نے مسکراتے ہوئے ہمارا استقبال کیا اور ہم کو اپنے پاس بٹھایا، کچھ باتیں ہوئیں، پھر ہم کو دسترخوان پر بلایا گیا، دوسرے امریکن بھی بیٹھ گئے، لیکن انھوں نے ان کی طرف کوئی توجہ نہیں کی، میرے سامنے اس پورے سفر میں پہلی بار کھانا آیا، چاول کے ڈھیر لگے ہوئے تھے اور اس کے پاس "اوزاری" رکھی ہوئی تھی، کلیفورنیا کمپنی کا منیجر آستین چڑھاتا تھا اور چاول میں ہاتھ ڈال دیتا اور مٹھی بھر کے دباتا جس سے گھی ٹپکنے لگتا پھر بدوؤں کی طرح عجب انداز میں کھانے لگتا، میں نے چاروں طرف نظر دوڑائی سب امریکن اسی طرح کھانا کھا رہے تھے، میں حیران تھا کہ کیا کروں؟ پہلے تو میں نے چاہا کہ عربی طریقہ پر کھاؤں، چنانچہ میں نے انگلیاں پھیلا دیں اور ایک مٹھی چاول لیکر اسی طریقہ پر کھانے کی کوشش کی، لیکن دو ایک بار کی کوشش کے بعد مجھ سے یہ محنت نہ ہو سکی، میں نے کہا کہ نیک کام میں شرم کی کیا بات، سچ بات یہ ہے کہ میں اس طرح کھا نہیں سکتا، وہاں مختلف قسم کے کھانے، مختلف برتنوں میں رکھے ہوئے تھے، میں نے ایک طبق اٹھالیا

اور آخر تک اسی میں مشغول رہا، امیر اپنی عادت کے مطابق بہت کم گفتگو کر رہے تھے، میں منیجر سے اپنے مشاہدات اور تاثرات بیان کرتا تو وہ ترجمان سے کہتا کہ ترجمہ کر کے امیر کو بتائے اور جب میں امیر سے عربی میں گفتگو کرتا تو منیجر ترجمان سے کہتا کہ اس کا انگریزی میں ترجمہ کرے، کھانے سے فراغت کے بعد سب امریکی ہاتھ دھو کر نہایت ادب سے شاگردوں اور طالب علموں کی طرح اُٹھ کر چلے گئے۔

اس بات کا میرے اوپر اچھا خاصا اثر تھا، امیر نے امریکنوں کے ساتھ جس بے اعتنائی اور بے التفاتی کا مظاہرہ کیا اور میرے ساتھ جس اخلاق تپاک اور گرمجوشی سے پیش آئے اس سے میرے جذبۂ خودداری کو تسکین ہوئی اور میں ان غیر ملکیوں کے سامنے بلند اور ممتاز ہو گیا تھا، میں نے محسوس کیا کہ امیر میں خودشناسی اور عزتِ نفس انتہا درجہ کی ہے، اگر قدرت نے گفتگو کی روانی اور زبان کی طاقت سلب کی ہے تو اس کے بدلے میں نفس خوددار اور ممتاز عقل و بصیرت عطا کی ہے جس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ وہ ایسے ماحول میں رہ کر بھی اتنی بے تکلفی اور سادگی کی زندگی گزار رہے ہیں جو دوسرے رؤسا، و امراء کے مقابلہ میں فقر سے قریب تر ہے، ان کا خیال ہے کہ عرب استغنا اور تعفف ہی کے ذریعہ امریکنوں کی نگاہوں میں بلند مقام حاصل کر سکتے ہیں، چنانچہ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ اتنی سادگی کے باوجود ان کی کتنی عظمت کی جاتی ہے ان کو یہ بھی خوب معلوم ہے کہ عربوں نے اگر یورپینوں کی تقلید کی تو اس کی مثال اس بندر کی سی ہوگی جو ہرنی کی نقل اُتارنے کی کوشش کرے یا کوا ہنس کی چال چلے اور اس کا نتیجہ بے وقعتی تمسخر اور اہانت کے سوا کچھ نہیں آدمی کو اپنی قومی روایات پر قائم رہنا چاہیئے، یہ لوگ آخر اس کی عزت پر مجبور ہوں گے اور ان کو اس کی عزتِ نفس کے سامنے سر جھکانا پڑے گا، یہی حال امیر محسن کا ہے، ایک ایک امریکن ان کا احترام کرتا ہے، ان کے متعلق اتنا لکھنا کافی ہے کہ وہ پورے عرب میں ایک شخص ہے جس کو امریکہ کے مال و دولت اور تہذیب کی مصنوعی چمک دمک مرعوب نہیں کر سکی اور آج بھی وہ سو فی صدی عرب ہے۔

امیر محسن کے پہلو میں اگر نفس خوددار بھی ہے تو اس کے ساتھ عقل و فہم بھی ہے اس کا انکشاف مجھ پر اس وقت ہوا جب وہ رات کو دیر تک مختلف معاملات پر گفتگو کرتے رہے اور میری رائے معلوم کرتے رہے، اثناء گفتگو میں جب وہ اپنی رائے کا اظہار کرتے اور مختصر و جامع تبصرہ فرماتے تو ان کی وسعتِ نظر کا اندازہ ہوتا، موضوعِ سخن کتاب[1] کی طرف پھر گیا، ایک صاحب نے جو وہاں کے ڈائرکٹر تعلیمات تھے، کتاب کی طرف سے مدافعت کرنا شروع کی، یہ پہلا موقع تھا جہاں میں نے اس ملحدانہ کتاب کی تعریف سُنی، جب میں نے امیر کی رائے دریافت کی تو اُنھوں نے کہا کہ مؤلف کتاب عبداللہ القصیمی کتاب کے بعض ابواب میں جادہ اعتدال سے منحرف ہو گئے ہیں، ایسے موزوں، مناسب اور مطابق حال تبصرہ سے میں پھڑک اُٹھا، اُنھوں نے نہ کفر کہا نہ الحاد کا نام لیا بلکہ "انحراف" کہا جو اصل حقیقت کو خوب ادا کرتا ہے اور جو خود میری بھی رائے تھی، دورانِ گفتگو میں جب وہ اپنی رائے ظاہر کرتے تو ان کی دقتِ فکر کا اندازہ ہوتا،

انتظامی معاملات میں ان کا بڑا حصہ ہے ان کی وجہ سے یہاں امن و امان قائم ہو گیا ہے، مال و اسباب کھلا ہوا میدانوں میں پڑا رہتا ہے اور مجال نہیں کہ کوئی ہاتھ لگائے،

"فاران":- یورپ اور امریکہ کے باشندوں نے بجلی اور بھاپ کے ذریعہ جو کارنامے انجام دیئے ہیں اُن کی اہمیت اور افادیت اپنی جگہ مسلّم ہے، ان لوگوں کا صبر، استقلال اور جفاکشی بھی قابلِ داد ہے، اور یہ بھی درست ہے کہ یہ چلتے پُرزے جہاں پہونچتے ہیں، وہاں کے

---

[1] یہ ایک زہر آلود کتاب ہے جس میں مادہ پرستی کی کھلی دعوت دی گئی ہے، عنایت اللہ مشرقی کا "تذکرہ" اور جیلانی برق کی "دو قرآن" اس خوب ذہنیت کا ایک نمونہ ہے، ہمیں صاحب مضمون کی رائے سے پورا اتفاق نہیں، کتاب انحراف سے آگے بڑھ کر تحریف کی حد تک پہونچ گئی ہے اور الحاد کی سرحد میں داخل ہو جاتی ہے

زمین و آسمان بدل کر رکھ دیتے ہیں! دشت دجبل کو انھوں نے باغوں اور پُر رونق بستیوں میں تبدیل کر دیا ہے۔

مگر ان گوروں اور فرنگیوں سے صنعت و تجارت کا اتحاد و اشتراک اُسی حالت میں مفید ہے کہ اُن کے خدا ناشناس تمدن و تہذیب کا اثر قبول نہ کیا جائے، یہ لوگ اپنی مشینوں، کل پُرزوں اور برقی ایجادوں کے ساتھ خدا فراموشی، آخرت سے بیزاری، اور عیش سامانی اور ہوس پرستی بھی لیکر آتے ہیں، اور پھر آدمی دن کے وقت مشین کا پُرزہ اور رات کے وقت کلب گھر کا جام شراب بنکر رہ جاتا ہے۔

کوئی شک نہیں کہ کیلیفورنیا کی اس کمپنی (آرامکو) کی کوششوں کے طفیل سعودی حکومت کی آمدنی میں کروڑوں روپیہ کا اضافہ ہوگیا، ہزاروں بدوی روزگار سے لگ گئے، اور ریتیلے میدان میں پُر رونق نوآبادی قائم ہوگئی —— مگر یہ بھی واقعہ ہے کہ عرب کی سادگی میں تکلف پیدا ہو چلا ہے اور جدہ، طائف، ریاض اور مکہ، مدینہ کا خوشحال طبقہ کافی تیزی کے ساتھ "مغرب زدگی" کی طرف بڑھ رہا ہے —— خاص حدودِ حرم کے بازاروں اور وہاں کی معاشرت کی جو تفصیلات ہم تک پہونچی ہیں، اُن کو سُنکر دل خُون ہو ہو کر رہ گیا ہے! امریکہ کے تمدن اور اُس کے ڈالروں کا یہ اثر تھا کہ سلطان ابن سعود مرحوم نے خلافتِ راشدہ کے بجائے شاہانِ عجم کا نمونہ اپنے وارثوں کے لئے چھوڑا ہے —— اللہ تعالیٰ مسلمان حکومتوں اور اُن کے باشندوں کو اس کی توفیق عطا، فرمائے کہ وہ سائنس کی ایجادات سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھائیں، اور دُنیوی ترقی میں کسی قوم اور ملک سے پیچھے نہ رہیں، مگر کسی کی تہذیب سے مغلوب نہ ہوں بلکہ اپنے اسلامی افکار اور دینی تصورات سے دوسروں کو متاثر کر دیں!

فاروقِ اعظمؓ کے ارشادات

• دوسروں کی رہنمائی کرنے سے پہلے، اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے احکام کو سیکھ لو۔ • راست باز بن جاؤ، چاہے سچائی کی خاطر تمہیں نقصان ہی کیوں نہ اُٹھانا پڑے۔ • طمع، افلاس اور ناداری ہے اور قناعت تونگری ہے۔ • غلط کاروں کی صحبت اختیار کرنے سے یہ بہتر ہے کہ تم بالکل اکیلے رہو۔ • جو لوگ اپنے وعدے اور اپنی بات کا پاس، لحاظ نہیں کرتے، اُن سے خبردار اور ہوشیار رہو ـــــ اس لئے کہ جو کوئی خدا سے ڈرتا ہے، وہی اپنے وعدے کا پاس کرتا ہے۔ • اُس آدمی کے اندر یقیناً بُرائی موجود ہے، جو دوسروں کے عیبوں پر تو نظر رکھتا ہے مگر اپنے عیب اُسے دکھائی نہیں دیتے۔ • جو شخص لوگوں سے ہمیشہ ہنسی مذاق کی باتیں کرتا رہتا ہے، وہ اپنا وقار کھو دیتا ہے۔
• جب تم کوئی کام شروع کرنے لگو، تو اُس کے انجام کو سوچ لو۔ • سچائی سے بہتر کوئی تقریر اور وعظ نہیں ہے۔ • لوگوں سے خیرات مانگنے سے بہتر یہ ہے کہ محنت مزدوری کرکے آدمی اپنی ضرورت پوری کرے۔ • نہ تو دُنیا کے لئے آخرت کو چھوڑ دو اور نہ آخرت کے لئے دُنیا سے کنارہ کشی اختیار کرو، دونوں کو حصہ رسدی حاصل کرو۔ • ضرورت مندوں کو اگر تم زیادہ نہیں دے سکتے تو تھوڑے ہی سے اُن کی مدد کرو، اور اگر کچھ بھی دینے کے لئے نہ ہو تو کم سے کم ایک تسلّی آمیز بات ہی کہہ دو۔ • سعی و محنت کے بغیر خوش نصیبی اور مرفہ الحالی نہیں مل سکتی کیونکہ آسمان سے سونے چاندی کا مینہہ نہیں برسا کرتا۔ • خدا کے غضب سے ہمیشہ ڈرتے رہو مگر ساتھ ہی لوگوں کی ناخوشی کا بھی خیال رکھو۔ • اپنے معاملات میں اُن لوگوں سے مشورہ کر لیا کرو جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔

• کاہلی سے بچتے رہو کہ یہ شراب خوری سے زیادہ مضرت رساں ہے۔

• جس شخص کے خیال و فکر پاکیزہ نہیں ہیں وہ اپنی نگاہ سے بھی کسی چیز میں پاکیزگی کا مشاہدہ نہیں کر سکتا۔

• اپنے کسی دوست کو بے وقوف بنانے کی کوشش نہ کرو، کیونکہ اس کا امکان ہے کہ تمہارے ساتھ نیکی کرتے وقت، اُس سے تمہیں کوئی نقصان پہونچ جائے۔ • نیک آدمی جو کمزور ہیں، اور فاسق و فاجر جو طاقت ور ہیں ـــــ انسانی معاشرے کے جسم کے بدترین ناسور ہیں۔ • ایک مسلمان میں ان خوبیوں کا ہونا ضروری ہے :۔

۱۔ جاہلوں اور نہ جاننے والوں کی بے باکی پر صبر و تحمل ـــــ ۲۔ تنہائی میں اللہ کے خوف کے سبب بُرے کام کرنے سے باز رہنا۔ ـــــ ۳۔ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اچھے تعلقات قایم رکھنا۔

جو شخص دُنیا کے کاروبار میں بہت زیادہ گھرا رہتا ہے، اُسے چار چیزیں ستاتی ہیں :۔

۱۔ ضرورت جو کبھی آسودہ نہیں ہوتی ـــــ ۲۔ فکر اور غم جسے کبھی سکون نہیں ملتا ـــــ ۳۔ کام جو کبھی ختم نہیں ہو پاتا ـــــ اور ـــــ ۴۔ آرزو جو کبھی پوری نہیں ہوتی۔

• وہ شخص عقلمند نہیں ہے، جو صرف اچھائی اور بُرائی میں فرق کر سکتا ہے بلکہ عقلمند وہ ہے جو دو بُرائیوں میں ۔ کمتر بُرائی ـــــ (اہون البلیتین) کی تمیز کر سکے !

(انگریزی سے ترجمہ)

از :- سیدہ نعمۃ
(اہلیہ محترمہ ڈاکٹر محمد رضا
قاہرہ - مصر)

مُسلمان عورت

ترجمہ :- سید یحیٰی ندوی
(صدر شعبۂ دینیات سندھ مسلم کالج کراچی)

کہاں جارہی ہے ؟

یہ گراں قدر مقالہ مصر کی ایک غیرت مند خاتون سیدہ نعمۃ کے فکر و نظر کا شاہکار ہے، یہ مقالہ سب سے پہلے مجلہ الھدیٰ النبوی (قاہرہ) میں چھپا تھا، اس کے بعد جمعیۃ الہدایۃ الاسلامیہ بغداد نے بھی اس کو شائع کیا اور اب جناب مولانا یحیٰی ندوی نے، اسے اُردو کا قالب عطا کیا ہے !

یہ مقالہ عورتوں کی بے پردگی، بے باکی، مغرب زدگی، اظہار حُسن وجمال، نمود آرائش وزیبائی — یعنی جاہلانہ تبرّج کے خلاف صدائے احتجاج ہے ! یہ ایک چیخ ہے جو دردمند اور حساس دل سے نکلی ہے اور ایک فریاد ہے جو ضمیر پاکباز سے بلند ہوئی ہے۔

یہ مقالہ کسی "مُلّا" کا لکھا ہوا نہیں ہے جس پر تنگ نظری قدامت پرستی اور تہذیب حاضر کے تقاضوں سے بے خبری کی طنز کی جاسکے، یہ مضمون قاہرہ کی ایک متمدّن و مہذب خاتون کے قلم کا شہ پارہ ہے ! سیدہ نعمۃ عربی زبان کی مشہور انشاپرداز ہیں اور ادب و انشا میں بلند مقام رکھتی ہیں !

مغرب زدہ تمدّن کے جس فتنہ نے قاہرہ کی معاشرت کو تباہ کیا ہے، وہی فتنہ پاکستان میں بھی پر پُرزے نکال رہا ہے ! یہاں بھی بے پردگی عام ہوتی چلی جارہی ہے اور مسلمان عورتوں میں تبرج کا شوق بڑھ رہا ہے، ابھی وقت ہے کہ اس فتنہ کی روک تھام ہوسکتی ہے !

کاش ! سیدہ نعمۃ کا یہ پیغام پاکستان میں "اپوا" (A. P. W. A.) کی "بیگمات" تک بھی پہونچ سکے، اور انھیں معلوم ہوسکے کہ یہ کنواری لڑکیوں کے ذریعہ مردوں سے چندہ حاصل کرنے کی رسم، یہ مینا بازاروں کا جماؤ، یہ مردوزن کے مخلوط جلسے، یہ رقص و موسیقی کے مظاہرے اور یہ جسموں کی زیب و زینت کا اظہار، اسلام کی نگاہ میں کھلی ہوئی بے حیائی اور بہت بڑا گناہ ہے ! — پاکستان کی حکومت صحیح معنیٰ میں "اسلامی حکومت" اسی وقت بنے گی، جب یہاں اسلامی دستور و قانون کے ساتھ ساتھ اسلامی معاشرہ بھی ہوگا، اور اسلامی سوسائٹی میں مردوزن کے حدود مقرر ہیں، اور اس معاشرہ کی بنیاد پاکبازی، نیکوکاری اور عصمت و اخلاق پر رکھی ہوئی ہے، جس کی حفاظت پاکستان کی حکومت اور یہاں کے عوام کا فرض ہے !

(م - ق)

"تبرج" کے معنی

یں عورت کا اپنی زینت کے اظہار اور اپنی خوبصورتی کی نمود اور اپنے حُسن و جمال کی نمائش میں انتہائی تکلف مبالغہ اور اہتمام سے کام لینا اپنے بناؤ سنگار کا بے محابا اظہار کرنا، اپنے چہرے، چہرے کے نکھار اور خد و خال کی خوبیوں کا اشتہار دینا۔ اپنے جسم کے فتنہ خیز ابھار اور اپنے کپڑے اور زیور اور زیب و زینت کی جگہوں کو غیر محرم مردوں کے سامنے ظاہر کرنا اور ہر اُس چیز کو چھپانے کی کوشش کرنا جس کو وہ معیوب اور قبیح سمجھتی ہو اور جو مردوں کی آنکھوں کو ناگوار معلوم ہوتی ہو۔

تبرج کا لفظ اصل میں بُرج سے ماخوذ ہے۔ بُرج اونچی عمارتوں، بلند محلوں، رفیع قلعوں کی چوٹیوں اور بلند اور نمایاں ترین کنگروں کو کہتے ہیں۔ ——— ایک متبرّجہ یعنی بے پردہ اور بے حجاب اور خود نمائی کی دلدادہ عورت، ہر امکانی تصنع اور تکلف کو کام میں لاتی ہے اپنے حُسن و جمال کے ایک ایک خد و خال کو ہر گھورنے والے مرد کے سامنے پیش کرتی ہو اور ہر نظارہ کرنے والے کی نگاہ کو اپنے اعلانِ حُسن کے ذریعہ جذب کرلینا چاہتی ہے۔ وہ اپنے حُسنِ عُریاں اور جمال نمایاں سے لذت اندوز ہونے والی نگاہوں کو دعوتِ نظارہ دیتی اور ہر ناظر کو اپنی جانب لُطف اندوزی کے لئے اسی طرح کھینچ لینا چاہتی ہے جس طرح ایک بُرج اپنی رفعتِ شان کا اعلان کرتا ہوا ہر دیکھنے والے کی نگاہ کو اپنی جانب ملتفت کرلیتا ہے۔

بلاشبہ تبرج، عورت کے جوہر شرم و حیا سے عاری ہونے کی نمایاں دلیل ہے۔ کیونکہ شرم و حیا کا پاس اور عفت و عصمت کا لحاظ ہی وہ آہنی دیواریں ہیں جو عورت کی عزت و آبرو کی سب سے بڑی محافظ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کی پاکیزہ عورتوں کی تعریف و توصیف ان الفاظ میں فرمائی ہے :-

مقصورات فی الخیام وقاصرات الطرف

"تبرج" یعنی عورت کا بے پردہ ہو کر نکلنا اور اجنبی اور غیر محرم مردوں کے سامنے اپنے حُسن و جمال کی نمائش کرنا اور اپنے زیب و زینت اور بناؤ سنگھار کے فتنہ خیز مقامات کو برملا مردوں کے سامنے کھولنا اور پیش کرنا۔ عورت کی بے حیائی اور بے شرمی، کی سب سے بڑی نشانی ہے، یہ عصمت و عفت کی طرف سے اس کی بے پروائی کی روشن شہادت ہے۔ یہ تبرج اور بے حجابی اللہ تعالیٰ کی شریعت اور اسکے دین کی کھلی توہین ہے۔ اور شریعت اسلامی کے استخفاف کی نمایاں دلیل ہو۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے عتاب و غضب کو کبر و نخوت کے سبب خاطر میں نہ لانے کی بہت بڑی علامت ہے۔

ایک بدکردار اور فاحشہ عورت کے لئے حُسن و جمال کو چھپانا بڑا دشوار ہوتا ہے۔ جب ایسی عورت کو اپنے حُسن و جمال اور ناز و انداز سے مردوں کو گرویدہ کرنے کا موقع نہیں ملتا تو اس کے دل کو اس بات سے بڑا دُکھ پہونچتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی نمائش جمال اور نمودِ حُسن کی راہ شوق میں اپنی عزت و آبرو کی حفاظت کی طرف سے بھی بے نیاز ہو جاتی ہے اور اپنی شرافت نفس اور عزت و خودداری کی بھی پروا نہیں کرتی بلکہ اللہ کے عذاب تک سے نڈر اور بے خوف ہو کر احکام الٰہی کی عمداً مخالفت شروع کر دیتی ہے۔ اور بالآخر اپنی خواہش نفسانی کی بندی بن جاتی اور اپنے ہوا و ہوس کی پیروی اور پوجا شروع کر دیتی ہے۔

ومن اضل ممن اتبع ھواہ بغیر ھدی من اللہ

ان اللہ لا یھدی القوم الظالمین۔

اس بدبخت متبرجہ اور اپنی ذات پر ظلم کرنے والی بے پردہ عورت، اُس کے عزم و یقین پر اُس کے خواہشات نفسانی غالب آجاتے ہیں

ور اُس کے جذبات کی "لذتیت"، خدا ترسی، تقویٰ و طہارت کے تمام پاکیزہ داعیات کے خلاف علمِ بغاوت بلند کردیتی ہو ــــــ اس کے دل کے اندر ناپاک خواہشات اس بُری طرح نفوذ کرجاتی ہیں کہ ایمان، تقویٰ، خدا ترسی اور پاکیزگی کے تمام جوہر دب کر رہ جاتے ہیں پھر وہ پُوری قوت سے اپنے خدا سے بھی بغاوت پر آمادہ ہوجاتی ہو اور اس کے حکموں کو جان بُوجھ کر ٹھکرانے لگتی ہے، یہ بدنصیب عورت، فساق و فجار کی خوشنودی کے حصول کی طرف لپکتی ہے اور ان بدمعاشوں کی رضاجوئی کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی پر ترجیح دینے لگتی ہے، یہ بدبخت عورت فاسقوں اور فاجروں کی طنز و تعریض سے تو مرعوب ہوجاتی ہے اور اُن کے ہنسی اُڑانے سے سہم جاتی ہے مگر اللہ تعالیٰ کے غضب اور اُس کے دردناک عذاب سے نہیں ڈرتی۔

يستخفون من الناس ولا يستخفون من الله وهو معهم

وہ انسانوں سے تو ڈرتے ہیں مگر اللہ سے نہیں ڈرتے، حالانکہ وہ ہر وقت اُن کے ساتھ ہے۔

جو لوگ، اللہ کی ناراضی کے مقابلے میں انسانوں کی رضاجوئی کے طالب ہیں تو اللہ بھی اُن سے ناراض ہوجاتا ہے اور بالآخر تمام انسان بھی اس سے ناخوش ہوجاتے ہیں۔

یہ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ یہ بیچاری مُسلمان بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کی آیتیں بھی سُنتی ہے، اللہ تعالیٰ کے ان تاکیدی حکموں کو بھی سمجھتی ہے جن میں سر اور سینہ کو اوڑھنی سے ڈھانکنے کی شدید تاکید ہے۔ لیکن بایں ہمہ اسے عملاً اپنی بے پردگی پر، اپنے تبرج پر اور اپنے بناؤ سنگھار کی نمود و نمایش پر اور خودنمائی پر اصرار بھی ہے۔ اس طرح یہ اپنے مخالفانہ عمل سے اللہ کا اس کے دین کا اور اُس کے احکام کا مذاق اُڑاتی ہے۔ اور سب سُنی اَن سُنی کردیتی ہے۔ ــــــ ایسے ہی آدمی کے لئے اللہ تعالیٰ کے دردناک عذاب کی وعید آئی ہو۔

ويل لكل افاك اثيم يسمع آيات الله تتلى عليه ثم يصر مستكبراً كان لم يسمعها فبشره بعذاب اليم

یہ جاہلہ، کیا یہ سمجھتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی بیوقوفی و حماقت کو، اس کی نادانی و جہالت کو، اس کی ضد اور ہٹ دھرمی کو کھلی چھٹی دے دی ہے کہ وہ اللہ کی شریعت کو توڑ مروڑ کر جس طرح چاہے اپنی خواہش نفسانی کے مطابق ڈھال لے، وہ خدا کے جس حکم پر چاہے عمل کرے، اور اُس کے جس حکم کو چاہے رد کرے اور نافرمانی اور خلاف ورزی کرے، گویا یہ اسلامی شریعت نہیں ہے بلکہ کپڑوں اور کھانوں کی کوئی دکان ہے یا بازار ہے کہ جو چیز اس کی اپنی پسند کے مطابق ہو اسے اختیار کرے اور جو چیز اس کی اپنی پسند اور طبع نازک کے خلاف ہو اُسے رد کردے۔ کیا اس عورت کے کانوں تک اللہ تعالیٰ کی تہدید اور اس کی وعید نہیں پہونچی؟ اور کیا اللہ تعالیٰ نے ایسے بدنصیبوں کو جو سرزنش فرمائی ہو اس کی خبر اس کو نہیں ملی؟

افتؤمنون ببعض الكتاب وتكفرون ببعض۔ فما جزاء من يفعل ذالك منكم الا خزى فى الحياة الدنيا ويوم القيامة يردون الى اشد العذاب وما الله بغافل عما تعملون

کیا تم کتاب کے بعض حصہ کو تو مانتے ہو اور بعض حصہ سے انکار کرتے ہو۔ پس تم میں سے جو کوئی ایسا کرتا ہے، اس کی سزا کیا ہے بجز دُنیا کی زندگی میں رسوائی کے اور قیامت کے دن تو یہ سخت ترین عذاب میں بھی ڈالے جائیں گے اور اللہ ان تمام اعمال سے جو وہ کرتے ہیں بے خبر نہیں ہے؟

اللہ تعالیٰ نے اپنی شریعت کو اور اپنے قوانین کو ان بدبخت لوگوں کی خواہش نفس کے تابع ہرگز نہیں کیا ہے۔

ولو اتبع الحق اهواءهم لفسدت السموات والارض ومن فيهن

اگر حق ان کے خواہش نفس کا اتباع کرنے لگے تو بلاشبہ یہ آسمان و زمین اور جو کچھ ان میں ہیں سب تباہ و برباد ہوجائیں۔

اللہ تعالیٰ نے مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے، اپنے رسولؐ، اپنی کتاب، اپنی شریعت اور خود اپنی ربوبیت پر ایمان و یقین کی

علامت ہی یہ قرار دی ہے کہ انسان اپنی شخصی خواہش اور ذاتی پسند کے مقابلہ میں ترجیح نہ دے اگر وہ ایسا کرے گا تو سخت گنہگار ہوگا۔ اور کھلی ہوئی گمراہی میں جا پڑے گا۔

وما کان لمومن ولا مومنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ
امراً ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم ومن
یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالاً مبیناً ط
(احزاب ۳۵ - ۳۹)

کسی مومن اور کسی مومنہ کے لئے جائز نہیں کہ جس معاملہ کے متعلق اللہ اور اللہ کا رسول فیصلہ کر دیں، اس میں وہ اپنے اختیار کو استعمال کریں۔ اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تو وہ کھلی ہوئی گمراہی میں جا پڑا۔

خواتینِ اسلام وزاعماتِ اسلام! (مسلمان بی بیو! اور مسلمان لیڈرانیو!) تم نے پردہ کی بابت، اور عورتوں کے وقار و حشمت اور حجاب کے متعلق اللہ تعالیٰ کی آیتیں سُن لیں؟ اگر نہیں سُنی ہیں یا سُن تو لی ہیں مگر انھیں سمجھیں نہیں، کیونکہ تم اُن سے بے پروائی اور غفلت برتتی رہی ہو، تو آؤ میں اس وقت وہ آیات تمھارے سامنے تلاوت کرتی ہوں، اگر ایک مسلمان خاتون کی طرح اس دُنیا میں زندگی بسر کرنا چاہتی ہو تو ان آیتوں کو دل کے کانوں سے سُنو!

وقل للمومنات یغضضن من ابصارھن ویحفظن
فروجھن ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا
ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن ولا یبدین زینتھن
الا ما ظھر منھا ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن و
لا یبدین زینتھن الا لبعولتھن و آبائھن
او آباء بعولتھن او اخوانھن او بنی اخوانھن
او بنی اخواتھن او نسائھن او ما ملکت ایمانھن
او التابعین غیر اولی الاربۃ من الرجال
او الطفل الذین لم یظھروا علی عورات النساء
ولا یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین من
زینتھن وتوبوا الی اللہ جمیعا ایھا المومنون
لعلکم تفلحون
(۳۰ - ۳۱ - نور)

اور ایمان والیوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنے اندیشہ کی جگہوں کی حفاظت کریں، اور اپنی زینت کا اظہار نہ کریں مگر جو ناگزیر طور پر ظاہر ہو جائے اور اپنی اوڑھنیوں کے اپنے گریبانوں پر بکل مار لیا کریں اور نہ ظاہر کریں اپنی زینت مگر اپنے شوہروں کے سامنے یا اپنے باپوں کے سامنے یا اپنے شوہروں کے باپوں کے سامنے یا اپنے بیٹوں کے سامنے۔ یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے سامنے یا اپنے بھائیوں کے سامنے۔ یا اپنے بھتیجوں کے سامنے۔ یا اپنے بھانجوں کے سامنے۔ یا اپنے میل جول کی عورتوں کے سامنے (یعنی جو بدراہ نہ ہوں) یا اپنے ہاتھ کے مال کے سامنے (یعنی غلاموں کے سامنے) یا اپنے ملازموں کے سامنے جو عورت کی ضرورت کے حدود سے گزر چکے ہوں یا ان لڑکوں کے سامنے جو ہنوز عورتوں کے بھیدوں سے آشنا نہ ہوئے ہوں اور اپنے پاؤں زمین پر مار کر نہ چلیں کہ اُن کی چھپی ہوئی زینت ظاہر ہو، اور تم سب ملکر (عورت مرد) اے ایمان والو توبہ کرو (اللہ کی طرف متوجہ ہو) تاکہ تم فلاح پاؤ!

اے بی بیو! خبردار ہو جاؤ اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ولا یبدین زینتھن پر اچھی طرح غور کرو! اللہ تعالیٰ نے عورت کی زینت کو عورت کے اعضا میں سے کسی ایک عضو کے ساتھ مخصوص و متعین نہیں فرمایا ہے اور نہ اس نے اس سلسلے میں اس کے لباس اور کپڑوں میں سے ہی کسی ایک قسم کے کپڑے کے ساتھ کوئی قید نہ شکل و تعیّن فرمائی ہے کیوں؟ اس لئے کہ یہ بات تم پر بخوبی واضح ہو جائے کہ عورت کا ہر عضو زینت کا حامل ہے جس کا ہر عضو ایک "جہان فتنہ" سمیٹے ہوئے ہے۔ بنابریں ایک باعصمت مسلم خاتون اور عفیفہ اور حیادار مومنہ وہی ہے جو شرم و حیا اور دین کی پابندی کو کماحقہ پورا کرے اور عفت و عصمت کے

تمام لوازم کا اچھی طرح خیال رکھے اور اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی ہدایتوں کی تعمیل کرے اور اُس کے غضب و عتاب سے ڈرے۔

اے مسلمان بی بی! ذرا اللہ کے اس حکم پر غائر نگاہ ڈالنا:- ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن ولا یبدین زینتھن ——— ہاں دیکھنا! اللہ کا علم ہر چیز کو محیط ہے اللہ تعالیٰ اس بات سے بھی خوب باخبر تھا کہ آخر زمانۂ بیحیائی میں مسلمان عورتیں اپنے دوپٹے اس طرح بل دیکر اوڑھیں گی کہ اس کا ایک حصہ شانہ کے دائیں جانب لٹکا ہوگا اور اس کا دوسرا حصہ بائیں جانب پڑا ہوگا۔ اور وہ اپنے دوپٹہ کو کسی خوشنما زیور (کلپ) سے آراستہ کرکے دیدہ زیب بنائیں گی۔ اپنے گیسوئے تابدار کی لٹوں کو چمکتی ہوئی لوح جبیں پر بکھیر کر (چشمۂ خورشید میں نہیں بلکہ) مردوں کے کلیجہ پر سانپ لہرائیں گی۔ اپنے دوپٹوں کو دائرہ کی شکل دیکر اپنے چہرۂ روشن کے گرد ہالہ ڈالیں گی، اور اس طرح اپنے دوپٹے سے بھی (جو پردہ پوشی اور زینت کو چھپانے کے لئے تھا) اپنے چہروں کے حسن وجمال کو چار چاند لگائیں گی اور ان ہی دوپٹوں سے دیکھنے والوں کے جذبات کے خوابیدہ فتنے جگائیں گی۔ اس طرح ان کا دوپٹہ بھی ناظرین کے لئے مستقل فتنہ بن جائے گا۔ اور بجائے اس کے کہ وہ ان کی زینت کو چھپائے اور پردہ پوشی کے کام آئے، اس سے اس کے برعکس خود فتنہ کو دعوت دینے کی غرض پوری کی جائے گی۔ اور طرفہ تماشا یہ ہے کہ اس کے باوجود یہ مسلمان عورت اس خوش گمانی میں مبتلا رہے گی کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کرلی۔ اور اوڑھنی اوڑھنے کے متعلق اللہ تعالیٰ کے فرمان کی تعمیل کردی!

اے خاتونِ اسلام! تو اچھی طرح ذہن نشین کرلے کہ جو بات تیرے دل کی گہرائیوں میں پوشیدہ ہے اللہ کو اس کا خوب علم ہے یہ ذوق خود نمائی اور یہ حسن وجمال کی نمود ونمائش کا شوق، اور تبرج وبے حجابی اور بے شرمی وبے حیائی کا روگ جو تیرے دل کو لگ گیا ہو اللہ کو اس کی پوری پوری واقفیت ہے۔ تیرے دل کا چور اور تیرے نفس کا حیلہ درفریب اللہ سے چھپا ہوا نہیں ہے، تیری یہ ناپاک خواہش کہ غیر مردوں کی حریص نگاہوں کے سامنے تو بن سنور کر آئے اور حسین وجمیل ظاہر ہو۔ اور تیری یہ ناپاک کوشش کہ ہر گھورنے والے مرد کی نگاہ ہوس میں تو کھب جائے اور اپنے ناز وادا اور عشوہ وغمزہ سے مردوں کے دلوں پر فتح پائے خواہ یہ تیرے دوپٹہ کے خوش ادائی کے ساتھ اوڑھنے سے ہی کیوں نہ حاصل ہو تو خوب سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں ہے۔

اے خاتون! تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ تیرا یہ فتنہ پرور ادا اور دلکش انداز سے دوپٹہ اوڑھنا بھی تبرج ہے، اور بے حجابی اور بے حیائی ہی میں داخل ہے اس گناہ پر اللہ تعالیٰ تجھ سے آخرت میں یقیناً مواخذہ فرمائے گا اور تجھے سخت سزا دے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قول لیضربن بخمرھن علی جیوبھن ——— کے فوراً بعد ہی لا یبدین زینتھن ——— کی قید لگادی ہے اور صاف وضاحت فرمادی ہے کہ صرف دوپٹہ یا اوڑھنی ایک ایسی بے حیا اور آزاد مزاج آوارہ خاتون کے لئے کافی نہیں جو اپنے زیب وزینت، آرائش وزیبائش، بناؤ سنگھار اور حسن وجمال کی نمود ونمائش کی حریص ہو۔ اور ہاں اے بی بی! ذرا اللہ کے اس قول پر بھی نظر رہے کہ لا یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن ——— معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام دواعی اور محرکات سے منع فرمایا ہے جو غیر مردوں کی نگاہوں کو عورت کی زینت مستور اور چھپے ہوئے سنگھار کی طرف مائل کرنے والی ہوں اور یہ صرف زمین پر پاؤں مار کر چلنے پر منحصر نہیں ہے بلکہ اس ممانعت کے اندر عورت کا تیز خوشبو لگا کر باہر نکلنا اور اسی قسم کی تمام وہ دوسری باتیں بھی شامل ہیں جن سے عورت کی خود نمائی، نمود حسن اور ظہور جمال کا اضافہ ہوتا ہے۔ اور ہاں ذرا اللہ کے اس قول یخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبہ مرض (تم بات میں لوچ اور لگاوٹ کا انداز نہ پیدا ہونے دو کہ جس کے دل میں کچھ روگ ہے وہ کوئی غلط قسم کی اُمید اور طمع باندھ بیٹھے) پر بھی غور کرنا اور نگاہ تدبر سے کام لینا۔ بی بیو! خبردار رہنا کہ تبرج، خود نمائی اور بے حجابی کا تعلق صرف لباس ہی سے نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق عورت کی آواز سے

بھی ہے۔ کسی شریف مسلمان بی بی کو اپنی آواز اور لہجہ میں لوچ اور نزاکت، گفتگو میں لگاوٹ اور گھلاوٹ اپنے کلام میں شیرینی موسیقیت وجاذبیت اور دلکشی نہ پیدا کرنی چاہیئے۔ اور میٹھے رسیلے بول منھ سے اس طرح نکالنے چاہئیں کہ دل کے چور کا شبہ ہو، جو مرد کے دل کے روگ کو بڑھائے اور اس کے نفس میں کوئی غلط قسم کی خواہش یا طمع پیدا کرے، تمہارا لب ولہجہ تمہارے نفس کی کسی ناجائز خواہش یا بُری نیت کا غماز نہ ہو۔ کیونکہ زبان دل کی ترجمان ہے اور کلام مضمونِ قلب کا عنوان ہے۔

اے بی بیو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد پیشِ نگاہ رہے۔ اذا خرجت المرأۃ متعطرۃ فانھا زانیۃ،

(جب عورت عطر میں بسی ہوئی گھر سے باہر نکلتی ہے تو بلاشبہ وہ زانیہ ہوتی ہے۔)

اے عقل والیو! سوچو! اور اللہ کی آیات اور اس کے رسولؐ کے ارشادات پر غور کرو۔ اور ان کے اندر اسلامی آداب کی، حکمت وموعظت کی اور تزکیہ نفس اور پاکیزگیٔ اخلاق کی جو تعلیمات ہیں اور گناہوں اور اخلاقی گندگیوں سے پاک وصاف رہنے کی جو ہدایات ہیں اُن پر نگاہ تدبّر ڈالو اور ان شدید احتیاط کو اور اُن تاکیدی کلمات کو ملحوظ خاطر رکھو جو تمہارے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائے ہیں، اور ہر اس بات سے دُور رہنے کی تاکید کی ہے جو تمہارے قدموں میں لغزش پیدا کرنے کی موجب ہو۔ یا اسلامی نظامِ اخلاق و معاشرت کو درہم برہم اور متزلزل کرنے کی دعوت دیتی ہو۔ اس حرص وطمع سے بڑھ کر اور کونسی حرص وطمع ہو سکتی ہے جس کے متعلق خود اللہ تعالیٰ مسلمان عورت کو یہ حکم دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ نہ تو کوئی بوالہوس مرد کسی پاکدامن عورت کے آرائشِ جمال سے اپنی حریص آنکھ سینکنے پائے اور نہ کسی عفیفہ کی رسیلی، مترنم اور شیریں آواز کسی غیر محرم مرد کے لئے "فردوس گوش" بننے پائے اور کسی اجنبی مرد کے مشامِ جاں کو عفیفہ عورت کے گیسوئے عنبریں کی عطر بیز لپٹیں معطّر کر کے اسے از خود رفتہ بنانے پائیں اور نہ کسی پاکدامن کی مخفی زینتوں اور اس کے زیوروں سے مُرصّع مستور جسم کا تصوّر تک کسی غیر محرم کے حاشیۂ خیال میں آنے پائے۔ یہ تمام احتیاطی تدابیر اسلام نے اس لئے خاص طور سے ملحوظ رکھیں کہ وہ ہر شریف عورت کی عفت وعصمت کو اپنے نظام اخلاق کے مضبوط قلعہ میں اور عفیفہ عورت کے ناموس کو اپنے نظام معاشرت کی مستحکم پناہ گاہ میں بالکل محفوظ ومامون کر دے اور فساق وفجار کی نگاہوں سے دور رکھے یعنی ان کی نظر کے تیروں کی آماجگاہ نہ بننے دے۔

اگر لوگ اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے اس نظام اخلاق اور صراطِ مستقیم پر پھر سے جادہ پیما ہو جائیں تو یقیناً اس منزلِ حقیقت تک اُنکی رسائی ہو جائے گی، کہ اللہ تعالیٰ نے جس جس چیز کو حرام اور ممنوع قرار دیا ہے بلاشبہ اس میں مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے سخت مضرتیں ہیں، شدید نقصانات ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جس کام کے کرنے کا حکم دیا ہے اس میں افراد اور جماعت (سوسائٹی) دونوں کے لیے فوائد بھلائیاں اور خیر و فلاح مضمر ہیں اللہ علیم وخبیر ہے اس لئے اس نے چاہا کہ ہمیں تمام ضرر رساں چیزوں سے محفوظ رکھے، اور اپنی آیات کریمہ اور نصائح حکیمہ سے ہماری سیرت واخلاق کی تربیت وتعمیر کرتا رہے۔ اور ہمارے لئے پاکیزہ زندگی اور حیاتِ طیبہ کے اسباب مہیا فرمائے اور ہمیں ایک ایسی خوشگوار اور صاف ستھری زندگی عطا فرمائے جس میں ہر قسم کی دنیوی بدنصیبی اور اُخروی بدبختی کا فور ہو جو عسرت وتنگدستی کی زحمت سے دُور ہو۔ اور جو دنیا وآخرت کی تمام کامرانیوں اور کمال خوش بختیوں سے معمور ہو! بیشک اللہ بڑا شفقت والا اور بڑا رحم والا ہے —
وَاللّٰہُ رَءُوْفٌ الرَّحِیْمٌ ؕ

عورت کا بناؤ سنگھار کر کے اپنی نمائش کرتے پھرنا اس کا زیب وزینت کے ساتھ آراستہ پیراستہ ہو کر بے محابا مردوں کے سامنے آنا اور اپنی آرائشِ جمال اور زیبائشِ حُسن کی غیر مردوں کے سامنے نمود ونمائش کرنا، بڑی ہی شر انگیز بدی اور انتہائی فتنہ خیز بُرائی ہے یہی مردوں کے نفوس کے اندر حیوانی شہوات کے فتنہ خوابیدہ کو جگاتی ہے، اُن کی خواہشِ نفس کی چھپی ہوئی چھوٹی سی چنگاری کو ہوا دے کر اُسے

شعلۂ جوالہ بنا دیتی ہے۔ عورت کے حسنِ عریاں اور اس کے جمالِ آشکار کی مثال اُن لذیذ، خوش ذائقہ، خوشبودار اور خوش رنگ کھانوں کے کھلے ہوئے دلکش خوانوں کی سی ہے جو بھوکے آدمیوں کے سامنے پیش کر دیئے جائیں۔ ظاہر ہے کہ ان کی رنگینی دیکھ کر ان کی خوشبو کو سونگھ کر انسان کی سوئی ہوئی بھوک بھی جاگ اُٹھے گی اور کھانے کی خواہش بھی بھڑک اُٹھے گی۔ بُری نگاہ نفسانی جذبات کی آگ پر تیل کا کام کرتی ہے، آنکھیں اور دوسرے حواسِ خمسہ، ہمارے نفس کے سامنے جن چیزوں کو خوشنما اور دلکش بنا کر پیش کرتے ہیں ہمارا نفس بھی ان ہی چیزوں کا خواہش مند ہوتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے پہلے مسلمان مردوں کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔ اس کے بعد اپنا یہ حکم ارشاد فرمایا "یَحْفَظُوْنَ فُرُوْجَهُمْ" یعنی اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے رہیں۔ اسی طرح مسلمان عورتوں کو پہلے یہ حکم دیا کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔ اور اسی کے فوراً بعد یہ حکم دیا کہ "یَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ" یعنی اپنے اندیشہ کی جگہوں کی حفاظت کریں اور اپنے حدودِ ستر کی نگہداشت کا پورا پورا اہتمام رکھیں۔ اس معنیٰ یہ ہوئے کہ انسان کی نگاہ ہی بدکاری کی پہل کرتی ہے۔ اسی لئے مسلمان مردوں اور عورتوں کی نظر کو آزاد چھوڑنے اور نگاہ کی چوری سے بچنے کی تاکید فرمائی گئی ہے اور آنکھوں کو بے محابا آزاد چھوڑنا اور نگاہوں کو شترِ بے مہار کی طرح بیباک رکھنا جرم اور خیانت قرار دیا گیا ہے اور اس سے تاکیداً روکا گیا ہے کہ ان ہی باتوں سے مرد اور عورت دونوں کی نفسانی خواہشیں اثر پذیر ہوتی ہیں۔ اسی لئے ایک عفیف، پاکباز اور خدا ترس مسلمان مرد کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنی بیباک اشہبِ نگاہ میں شرم و حیا کی لگام ڈالے اور اپنے رہوارِ چشم کو عفت و پاکیزگی کی باگ ڈور پہنائے، تاکہ ان تمام محرکات و دواعی سے نجات حاصل کرے جو اس کے قدموں میں لغزش پیدا کرنے والی ہوں اور اس کے جذبات کو برانگیختہ کرنے والی ہوں۔ کیونکہ شہوت اسی وقت جاگتی ہے جب اسے جگایا جائے، اور جنسی بھوک اُسی وقت بھڑکتی ہے جب اُسے دعوتِ نظارہ دے کر بھڑکایا جائے۔

ایک بے شرم اور بے حجاب عورت یعنی متبرّجہ کی مثال اُس دہکتے ہوئے انگارے کی سی ہے جو سُوکھی لکڑی کے لئے پیغامِ ہلاکت ہے، یہ مجسمۂ فتنہ بدوش، یہ سیہ کارِ گناہ بآغوش وہ آتش پرکالہ ہے جو اپنے حسنِ جہاں سوز سے بندگانِ خدا کے دین و دانش کو پھونکتی ہے، ان کے عقل و ہوش کو خاک و سیاہ کرتی ہے اور اپنے پُورے ماحول میں شر و فساد اور ذلت و نکبت کی آگ پھیلا دیتی ہے۔ ایسی عورت جو شاہراہوں میں گلیوں اور کوچوں میں بے پردہ نکلتی ہے، اور عام مجلسوں میں، مخلوط محفلوں میں، پبلک کانفرنسوں میں بے باکانہ شریک ہوتی ہے اور شمعِ انجمن اور زینتِ محفل بنتی ہے، اُسے یقیناً فساق و فجار، غنڈے اور شہدے (چاہے وہ ادھیڑ عمر کے ہوں یا نوجوان ہوں) حریصانہ نگاہوں کا ہدف بناتے ہیں۔ وہ بدنظر، نفس پرست اور خواہشوں کے رسیا اُس عورت کے جسم کے اُبھار اور بدن کے گداز کی پیشکش کے سہارے نجاست کی بھوکی مکھیوں کی مانند اپنی خائن آنکھوں سے اُس کی طرف جھپٹتے ہیں اور اپنی ناپاک رُوح کی تسکین کا اور حرص و ہوس کی آسودگی کا کام لیتے ہیں ——— حقیقت میں یہ بے پردگی اور تبرّج وہ خوفناک کلہاڑی ہے جس سے اُمّتِ مُسلمہ کے ٹکڑے کئے جاتے ہیں اور یہ وہ دُودھاری تلوار ہے جس سے پاکیزہ اخلاق کا خون ہوتا ہے۔

ہر وہ عورت جو دلہن کی طرح بن سنور کر پردہ سے بے باکانہ باہر نکل آتی ہے وہ زبانِ حال سے یہ اعلان کرتی ہے:۔
کوئی شوقین ہے جو میرے اس حسن و جمال کی داد دے! کوئی وصال کا طالب ہے جو شربتِ وصل پئے اور پلائے؟ ایسی عورت اپنے حسن و جمال کی آرائش اور اپنی سج دھج کے کمال کو مردوں کے سامنے اس طرح نکھار کر پیش کرتی ہے جس طرح کوئی تاجر اپنا مالِ تجارت خریدار کے سامنے خوب سجا کر پیش کرتا ہے یا جس طرح کوئی حلوہ فروش اپنی مٹھائیاں خوشنما رنگوں سے رنگ کر چاندی کے تابناک ورق لپیٹ کر، چمکیلے تھالوں میں سجا کر اپنی دوکان میں آنے جانے والے ہر گاہک کے لئے پیش کرتا ہے۔ تاکہ للچائی ہوئی نگاہیں اس کی طرف لپکیں اور دیکھنے والوں کے منہ میں پانی بھر آئے۔ دلوں میں شوق کی آگ بھڑکے اور خریداروں کی تعداد میں دن دونی رات

چوگنی ترقی ہو!

اے سبحان اللہ! عورتوں کی اعجوبہ طرازیوں اور کرشمہ سازیوں کے بھی کیا کہنے ہیں! سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر ایک شریف خاتون ایک پاکدامن بی بی، ایک عفیفہ عورت کی غیرت وحمیت اسے کس طرح قبول کرسکتی ہے کہ وہ کسی غیر محرم مرد کی نگاہ توجہ کو اپنی جانب منعطف کرے اور زبانِ حال سے یہ کہے :-

جب آپ التفات ذرا بھی نہ کیجئے
پھر کہئے کس اُمید پہ ہم زندگی کریں

ایک غیور عورت کی خودی اور خودداری اسے کس طرح گوارا کرسکتی ہے کہ وہ اجنبی مرد کو اپنی خوبصورتی، آرائش وزیبائش اور نمائش کے ذریعے دعوتِ نظارہ دے۔ محبت کی پینگیں بڑھائے اور اپنی تمنّا اور آرزو کرنے کا موقع بخشے۔ ایک شریف اور پارسا خاتون جسے اپنی عفت ہر قیمت پر محبوب ہے، اور جو اپنی عزت وناموس کو دولتِ بیش بہا سمجھتی ہے، اُس کا چہرہ تو اس طرح کی بات کے تصور ہی سے مارے شرم کے سُرخ ہو جائے گا اور وہ اپنی زینت کو چھپانے میں بڑے شدید احتیاط سے کام لے گی۔

میں نے خود اپنے کانوں سے ایک بدکار مرد کو یہ کہتے سُنا (اور افسوس ہے کہ آج کل ہماری سوسائٹی میں ایسے ہی شہدوں کی کثرت ہے) وہ مرد ایک نوجوان خوبصورت بنی سنوری عورت کو دیکھ کر ایک دوسرے مرد سے یہ کہہ رہا تھا "اے کاش یہ نوجوان حسینہ یہ مستِ شباب عورت میری آغوشِ اُلفت میں ایک رات ہی رہتی"! اور وہ اس حسینہ کی طرف گرم گرم نگاہوں سے گھور رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے سیہ کاری وفحاشی کے شعلے نکل رہے تھے، نگاہوں سے فسق وفجور اور گنہگاری کے شرارے اُڑ رہے تھے پھر میرے قریب ہی ایک دوسرا مرد ایک نیم بے حجاب عورت کو دیکھ کر یہ کہہ رہا تھا۔" ان شامت زدہ عورتوں کے سایہ سے بھی بھاگو۔ آخر ہم گوشت اور خون سے بنے ہوئے انسان ہیں کوئی پتھر کے گونگے بہرے بُت نہیں ہیں"!

افسوس وحسرت ہے اُن عورتوں پر جو شرم وحیا، عفت وعصمت کے سارے حدود توڑ کر باہر نکل آئیں، اگر عورت اپنے احتشام واحترام اور وقار وتمکنت کا پاس ولحاظ رکھتی۔ اگر وہ اس بے راہ آزادی اور فوضویت (انارکی) سے دور رہتی۔ اور اپنی رفتار وگفتار لباس وپوشاک میں اسلام کے مقرر کردہ حدود سے انحراف اور اسلامی نظام معاشرہ سے بغاوت نہ کرتی تو آج ہماری سوسائٹی میں یہ تباہ کن اخلاقی بگاڑ ہرگز رونما نہ ہوتا یہ معاشرتی شر وفساد اس بُری طرح نہ پھیلتا۔ آج پوری کی پوری قوم کا شیرازۂ اخلاق بکھر چکا ہے۔ آج ملّتِ اسلامیہ اپنی عزت وشوکت کے تمام اسباب کھو کر دنیا کی تمام اقوام میں سب سے زیادہ ذلیل وخوار ہو چکی ہے۔ اور ہم مسلمان دُنیا کی دوسری قوموں کے لئے محض ایک سامانِ تمسخر واستہزا بن کر رہ گئے ہیں۔

ایک عورت کے لئے شرم وحیا، تمکنت ووقار اور اپنی نظریں نیچی رکھنا وہ اعلیٰ خوبیاں ہیں اور بیش بہا سلاح ہیں اور مضبوط ترین سپر اور زرہ بکتر ہیں جو عورت کی عزت وناموس کی حفاظت وصیانت میں بہت بڑا دخل رکھتی ہیں۔ ان ہی اخلاقی اسلحہ سے پورے نظامِ خاندان کی حفاظت ہوتی ہے، کتنی گنہگار نگاہیں ہیں جو درحقیقت ہمارے معاشرہ میں فتنہ وفساد کا موجب ہوتی ہیں، خون خرابہ اور نفاق وشقاق اصلی سبب بنتی ہیں اور زن وشو کے درمیان افتراق کا باعث ہوتی ہیں۔ یہی نگاہیں اولاد کے اندر باہمی نفرت وعداوت اور شقاوتِ قلب کا بیج بوتی ہیں۔ یہ نگاہ بد وہ بُری بلا ہے جس کے متعلق ایک عربی شاعر کہتا ہے :-

نظرۃ فابتسامۃ فسلام
فکلام فموعد فلقاء

اُف! نگاہ! ارے! یہی تو سب کچھ ہے۔ اس کا آغاز محض ایک معصوم تبسم سے ہوتا ہے۔ پھر یہ سلامِ شوق کے پیکر میں جلوہ گر ہوتی ہے، اس کے بعد پیامِ محبت کا روپ بھرتی ہے۔ ۔ ۔ اور پھر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ !

دوسرا شاعر کہتا ہے :-

کل الحوادث مبداھا من النظر	ومعظم النار من مستصغر الشرر
تمام حادثوں اور فتنوں کی ابتدا نگاہ سے ہی ہوتی ہے۔	آگ کے بڑے بڑے الاؤ ایک چھوٹی سی چنگاری کا نتیجہ ہوتے ہیں
کم نظرۃ فتکت فی قلب صاحبھا	فتک السھام بلا قوس ولا وتر
کتنی فتنہ خیز نگاہیں ہیں جو بے تیر کمان کے اپنے ساتھی کے قلب و	جگر میں اتر جاتی ہیں اور تیر کے مانند انھیں چھید ڈالتی ہیں۔
یسر مقلتہ ما ضر مھجتہ	لا مرحبا بسرور رجاء بالضرر

اس کی نگاہِ ناز نے اس مشکل کو آسان کر دیا جس کو خونِ دل نے بھی دشوار تر کر دیا تھا، کوئی شخص اس مسرت و خوشی کا خیر مقدم نہیں کیا کرتا جو مضرتوں اور کلفتوں کو بھی اپنے جلو میں ساتھ لائے۔

ہوش جاتا رہا نگاہ کے ساتھ	صبر رخصت ہوا ایک آہ کے ساتھ

یہ انسان کی نگاہ ہی ہے جو انواع اقسام کے مرغوب لذیذ اور خوش رنگ کھانوں کو دیکھ کر لذّت اندوز ہوتی ہے۔ عمدہ عمدہ خوشنما رنگ برنگ کے پھلوں کو دیکھ نگاہ وہ وہ مزے لیتی اور وہ لذّت حاصل کرتی ہے کہ خود انسان کے کام و دہن بھی اُن سے وہ لذّت مزے حاصل نہیں کر سکتے۔

جب انسان دنیا کی اور دوسری خوشنما چیزوں اور حسین مناظر کو دیکھ کر لطف اندوز ہو سکتا ہے تو پھر وہ حُسن و جمال کی جیتی جاگتی انسانی تصویروں کو خوبی و زیبائی کی ان چلتی پھرتی مورتوں کو اور ان دلکش اور نظر فریب صورتوں کو، گوشت و پوست سے بنے ہوئے لذّت و لطف کے مجسموں کو اور ناز و ادا اور عشوہ و غمزہ کے پیکروں کو دیکھ کر کیوں لذّت و سرور نہ حاصل کرے گا؟ اور نگاہ کے سارے مزے کیوں نہ لوٹے گا۔

اسی لئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :-

العین تزنی وزناھا النظر	آنکھیں بھی زنا کرتی ہیں اور اُن کا زنا نگاہِ بد ہے۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے :-

کل من ینظر الی امرأۃ لیشتھیھا فقد زنی بھا فی قلبھا

جو مرد کسی اجنبی عورت کی جانب نگاہ شہوت سے دیکھتا ہے تو گویا وہ واقعی اس کے ساتھ زنا کا مرتکب ہوتا ہے

مطلب یہ ہے کہ نگاہ کے ذریعہ سے کسی غیر محرم عورت سے متمتع ہونا بھی زنا کی ایک قسم ہے۔ کیونکہ اس میں لذّت اندوزی کا ایک وافر حصّہ موجود ہے۔ اور عورت سے متمتع ہونے کا ایک اہم جز اس نگاہ کے اندر بھی موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مرد عام طور پر خوبصورت عورت کی طرف مائل ہوتا ہے۔ لیکن بدصورت عورت کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے، حالانکہ نسائیت اور عورت ہونے میں دونوں برابر ہیں!

مختصر یہ کہ نگاہ کی لذت بھی ایک بہت بڑی لذّت ہے، لوگ اپنی گراں قدر دولت کی کس قدر مقدار محض اپنی نگاہوں کی تسکین کی خاطر اور صرف نظر کے لُطف و مزہ کے لئے پھونک ڈالتے ہیں۔ مثلاً اپنے گھروں کو دلکش طریقے سے سجاتے ہیں۔ دیواروں اور چھتوں کو خوشنما پردوں اور چاندنیوں سے مزیّن کرتے ہیں۔ چمن لگاتے ہیں۔ پھلواریاں اُگاتے ہیں اور طرح طرح کے رنگین اور جاذب نگاہ بیل بوٹے کھلاتے ہیں اور سرسبز درخت نصب کرتے ہیں اور رنگ برنگ کے خوشنما پھول کھلاتے ہیں، بیش قیمت فرنیچر اور شاندار

قالینوں سے بنگلوں کو سجاتے ہیں اور کمروں کو آراستہ کرتے ہیں، اور یہ تمام نظر فریب سازوسامان اور یہ تمام مناظر جنت نگاہ محض نگاہوں کو آسودگی بخشنے اور آنکھوں کے لئے لذّت و سرور فراہم کرنے ہی کے لئے تو ہیں۔ اور یہ نگاہ کی لذّت اندوزی تو ہر قسم کی لذّت و مسرّت میں شریک غالب رہتی ہے۔ یہاں تک کہ کھانے کے مزے لوٹنے میں بھی یہ سب سے زیادہ حصّہ لیتی ہے چنانچہ یہ مثل زبان زد خاص و عام ہے:۔ العین تاکل اکثر من الفم آنکھ کام و دہن سے بھی زیادہ کھاتی ہے۔ نگاہ کی بھوک پیٹ کی بھوک سے بھی بڑھ کر ہوتی ہے۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔

ثلاثۃ اعین لا تمسہا النار۔ عین عصمت عن محارم اللہ، وعین حرست فی سبیل۔ وعین بکت من خشیۃ اللہ

تین قسم کی آنکھیں ہیں جنہیں دوزخ کی آگ نہیں چھو سکتی:۔ ایک وہ آنکھ جو اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے محرمات سے اپنی نگاہ بند رکھے۔ دوسری وہ آنکھ جو اللہ کے طریقہ اور اسکی بتائی ہوئی راہ کی نگہبانی میں کھلی رہے۔ تیسری وہ آنکھ جو اللہ کے خوف اور اسکی خشیت سے گریاں رہے۔

اے شریف مسلمان بی بی! اپنی عفیف روح کو، اپنے ظاہر جسم اور اپنے پاک بدن کو ان ناپاک آوارہ نگاہوں کی گندگیوں سے بچائے رکھنا، اے بی بی! شرم و حیا کی سپر اور غیرت و خودداری کے ہتھیاروں سے لیس ہو جا تاکہ ان چور نگاہوں کے تیروں سے تو محفوظ رہ سکے!

وہ عورت شریف، عفیفہ اور پاک دامن کبھی نہیں ہو سکتی جو زبان سے تو یہ ڈون کی لیتی رہتی ہے کہ وہ اپنی عزّت و آبرو کے معاملہ میں محتاط ہے مگر عملاً وہ کھلے بندوں اپنی بے حجابی کی صورت میں کتّوں اور مکھیوں کے ہجوم میں گوشت کے لوتھڑے سرراہ لئے پھرتی ہے اور ہر بوالہوس مرد کو دعوتِ نظارہ دیتی ہے ——— حقیقت میں شریف اور پاک دامن عورت تو وہ ہے جو اپنے جسم کے کسی نمایاں حصّہ پر بھی کسی نگاہِ بد کو پڑنے کا موقع نہ دے اور کسی چشم گنہگار کے لئے یہ گنجائش ہی پیدا نہ ہونے دے کہ اُس کی حوصلہ افزائی ہو اور طہارت و عفت کا دامن نظارہ بازی سے ملگجا اور داغ دار ہو جائے۔

حیا نہیں ہے زمانے کی آنکھ میں باقی خدا کرے کہ جوانی تری رہے بے داغ

بلاشبہ عفت و پاک دامنی کے بھی اسی طرح مدارج و مراتب ہیں جس طرح بدکاری، عصمت فروشی اور بے حجابی و رسوائی کے منازل اور بے آبروئی اور فحش کاری کے درجات ہیں۔

فاحشہ عورتوں کی ایک قسم تو وہ ہے جن کے عُریاں جسموں سے مرد کھیلتے ہیں، فاحشہ عورتوں کی دوسری قسم وہ ہے جن کے جسم نیم عُریاں سے مردوں کی نگاہیں کھیلتی ہیں اور جن کے نیم برہنہ بدن سے مردوں کی آنکھیں مزے لوٹتی ہیں۔ پاک دامن، شریف اور عفیفہ عورت تو وہ ہے جسے اس کی شرم و حیا گھورنے والی نگاہوں سے کوسوں دور رکھے۔ جب کوئی بُری نگاہ بے باکانہ اس عفیفہ پر پڑتی ہے تو اس کے احساس عفت کو انتہائی اذیت پہونچتی ہے وہ تلملا اُٹھتی ہے۔ اور سخت پریشان ہو جاتی ہے۔ اس پر انتہائی الم و کرب طاری ہو جاتا ہے۔ وہ بڑی سراسیمگی اور انتہائی بے چینی میں مبتلا ہو جاتی ہے اور وہ غیر ارادی اضطراری طور پر اپنے دوپٹے کے آنچل سے اپنے آپ کو پوری طرح ڈھانک لیتی ہے اور وہ شرافت و عزت کی چادر اور شرم و حیا کی رداؤں میں اپنے آپ کو چھپا لیتی ہے۔ وہ اس تصوّر سے بھی کانپ جاتی ہے کہ اسکی زینت و زیبائش کسی بوالہوس کی نگاہ حرص و آز کی آماجگاہ بنے۔ وہ اس سے سخت احتراز کرتی ہے کہ اُس کا حُسن و جمال غیر محرموں کے نگاہ و خیال کا ہدف ہو، اس کے برخلاف ایک فاحشہ عورت کا نفس تو نظارہ بازی سے لذّت اندوز ہوتا ہے وہ گھورنے والوں کی نگاہوں سے اور لطف حاصل کرتی ہے۔ بلکہ وہ تو غیر محرم مردوں کی لگاوٹ کی باتوں اور عشق و محبت کے اشاروں سے مسرّت و انبساط محسوس

کرتی ہے بلکہ وہ تو اس بات کی خواہش مند ہوتی ہے کہ کسی غیر مرد کی باہیں اس کی گردن میں حمائل ہو جائیں۔ غیر مرد کی نگاہیں اس کے گداز جسم سے چھیڑ چھاڑ کریں۔ وہ ان تمام باتوں سے بیحد مسرور اور خوش ہوتی ہے ہاں ایسی ہی عورت ناپاک نفوس کے جذبات، اور بُری نگاہوں کے لئے "سامانِ لذت" ہوتی ہے۔ وہ اپنے جسم نیم عُریاں کی آرائش و زیبائش میں اور اس کے نمود و نمائش میں مُبالغہ سے کام لیتی ہے حُسن و جمال کے فروغ میں انتہائی غلو برتتی ہے اور اس طرح بے شرمی، بے حجابی، آزادی اور انارکی کی آخری سرحد پر پہونچ جاتی ہے۔ وہ عورت ان پروانوں کے مانند ہوتی ہے، جسے آتش گناہ کی شعاعیں اپنی جانب کھینچتی ہیں آخر وہ اس گناہ کی آگ میں کود پڑتی ہے اور جل بھن کر خاک سیاہ ہو جاتی ہے۔ پھر وہ اپنے کئے پر پچھتاتی ہے، کہ افسوس صد افسوس! حرص و ہوس میں پھنس کر کتنا بڑا گناہ کر گزری۔ یہی وہ عورت ذات ہے جو متبرجہ کے مکروہ لقب اور قابلِ نفرت نام سے اسلامی ادب میں پکاری جاتی ہے۔ یہی وہ ہوسناک ہستی ہے جسے شرم و حیا کی چادر اور عزت و ناموس کا پردہ تار تار کرنے والی کہنا چاہیئے۔ اگرچہ وہ اپنی زبان سے تو یہ کہا کرتی ہے کہ میں بدچلن اور فاحشہ نہیں۔ لیکن کیا وہ شرم و حیا کے معیار پر شرافت و عفت کی کسوٹی پر ایک پاک دامن اور عفیفہ بی بی کی حیثیت سے پُوری اُتر سکتی ہے؟

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:-

یا ایھا النبی قل لازواجك وبناتك ونساء المومنین یدنین علیھن من جلا بیبھن ذلك ادنی ان یعرفن فلا یوذین۔

اے پیغمبر! اپنی بیویوں، اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہدیجئے کہ وہ جب کسی ضرورت سے گھروں سے باہر نکلیں تو وہ اپنے چہروں پر اپنی بڑی چادریں سے گھونگھٹ لٹکا لیا کریں۔ یہ اس بات کے قریب ہے کہ اُن کا شریف زادیاں ہونا واضح ہو جائے اور وہ ستائی نہ جائیں۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ — تمام مسلمانوں کی عورتوں کو اس بات کی تاکید فرماتا ہے کہ وہ اپنی عزت و خودداری کو اپنی عفت و شرافت کو حفاظتِ ناموس کے احاطہ میں لے لیں۔ اور اللہ تعالیٰ یہ تنبیہ کرتا ہے کہ مسلمان عورتوں کی عظمت اور بڑائی، ان کی عزت، تمکنت ان کی جلالتِ شان اور ان کی عفت و ناموس کا نشان ان کی اسی نگہداشتِ آبرو، اسی تطہیر اخلاق اور اسی شرافتِ نفس اور اسی عفتِ قلب اور پاکیٔ نگاہ میں پوشیدہ ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا کہ مسلمانوں کی بیویوں کے لئے یہ بات لازمی قرار دی جائے کہ وہ گھر سے باہر نکلنے کی صورت میں اپنے اوپر جلباب (بڑی چادر) ڈال لیا کریں (یعنی گھر سے باہر نکلتے وقت معمولی لباس کے اوپر) ایک لمبی چوڑی فراخ چادر ڈال لیں جو سر سے پاؤں تک ان کے پُورے جسم کو ڈھانک لے اور عورت کے لباس، اس کے جسم کے محاسن اور اس کی زینتوں کو پُوری طرح چھپالے۔ چادر کی لمبائی اور فراخی کی وجہ سے نہ ان کی رنگت معلوم ہو اور نہ شکل و صورت۔ جلباب اصل میں اس بہت بڑی لمبی چوڑی چادر کو کہتے ہیں جو ہر جانب سے عورت کے پُورے جسم کو گھیر لے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مومنہ عورتوں کو اس امر کی تاکید فرمائی ہے کہ وہ اپنے ایمان و تقویٰ، دینداری اور خدا ترسی، شرم و حیا، بدکلامیوں اور گستاخ زبانیوں سے محفوظ رہیں۔ ان کے پاکیزہ جذبات بوالہوس اور گستاخ نگاہوں سے مجروح نہ ہونے پائے، پاکیزگیٔ اخلاق کی یہ تعلیم کب اور کہاں دی جارہی ہے؟ — خود عہدِ سعادت نبویؐ میں اور مدینۂ رسولؐ کے اندر جو پاکیزگیٔ اخلاق کا مرکز اور طہارت نفس کا گہوارہ تھا۔ اور وہاں منافقین کے علاوہ کسی فرد واحد سے بھی اس قسم کی بیجا حرکتوں کا قطعی کوئی خدشہ لاحق نہ تھا — تو اب ہمارے اس زمانے کی بابت اور ہمارے ان شہروں کے متعلق کیا پوچھنا ہے، جب کہ پورا معاشرہ فتنہ و فساد سے مملو ہے اور ساری سوسائٹی اخلاقی بگاڑ سے بھری ہوئی ہے۔

خدارا، مجھے کوئی بتائے کہ مسلمان بی بیاں آج کل اپنی زینتوں کے چھپانے کا التزام اور اپنے بناؤ سنگھار کی پردہ پوشی کا اہتمام کیا اسی طرح کرتی ہیں جس طرح کہ اسلام نے انھیں حکم دیا ہے، جبکہ وہ بایں ہیئت کذائی سرِ راہ نکلتی ہیں کہ بازو عریاں، ننگی گوری پنڈلیاں

اور برہنہ بلوریں سینے نمایاں۔ "مقیاس الشباب" کے نمود میں خاص اہتمام، کمر کس کر بدن کے پچھلے حصہ کے نمایاں کرنے کا خاص التزام، چہرے غازہ اور پوڈر سے پتے ہوئے۔ ہونٹ "لپ اسٹک" کی سرخیوں میں ڈوبے ہوئے۔ آنکھوں میں سرمہ کا دنبالہ! عورت یا آفت کا پرکالہ؟ سر کھلے! بال بکھرے!! ــــ آخر بے حیائی، بے شرمی، اور بے حجابی کے فنون میں سے وہ کونسا فن ہے جو اس نام نہاد شریف زادی نے دنیا کی دوسری عورتوں کے لئے چھوڑ رکھا ہو۔ اور شرم و حیا، غیرت و حمیت اور وقار و تمکنت میں سے وہ کونسی اخلاقی دولت ہے جسے اس نے اپنی ذات کے لئے محفوظ کر لیا ہو ــــ

لوگو ذرا خدا لگتی کہنا! آج تم میں سے کون ہے جو ایک مسلمان شریف خاتون اور ایک مسیحی عورت یا یہودی عورت کے درمیان فرق کر سکے؟ ــــ آج کون ہے جو ایک بازاری عورت ایک فاحشہ اور فاجرہ عورت اور ایک عفیفہ، پاک دامن اور شریف بی بی کے درمیان خطِ امتیاز کھینچ سکے ــــ یہی وجہ ہے کہ آج فساق و فجار کو، غنڈوں اور شہدوں کو، جرأت ہو رہی ہے کہ وہ پاک دامن، پاکیزہ اخلاق اور باعصمت بی بیوں پر بھی اسی طرح بری نگاہ ڈالتے ہیں، جس طرح بازاری عورتوں پر! کیونکہ گندی روح والے یہ بداخلاق مرد انہیں بھی اسی طرح اپنا "شکار" سمجھتے ہیں ــــ آج شرافت کی آنکھ وہ سب کچھ دیکھتی ہے جو شریف عورتوں کی ذلت و رسوائی اور سر بازار ان کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کی صورت میں آئے دن رونما ہوتے رہتے ہیں، آج شرافت کے کان وہ سب کچھ سنتے ہیں، جو سرِ راہے شریف عورتوں پر گندے آوازے کسے جانے اور شریف زادیوں سے انتہائی فحش اور شرما دینے والے ہنسی مذاق کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔

ہائے صد حسرت و افسوس ان عورتوں پر!!

اے شریف مسلمان خاتون! تو نے اپنے سر سے جس گھڑی اپنا دوپٹہ سرکایا اسی دم تو نے اپنی عزت گنوائی اپنی آبرو پر پانی پھیر دیا اور اپنی عصمت و حیا، اپنے وقار و تمکنت اور اپنی نجابت و شرافت کو ہمیشہ کے لئے رخصت کر دیا، اے بی بی سن یہ دوپٹہ تیرے شانے سے سرک کر نہیں گرا۔ بلکہ تیری شرم و حیا، تیری عزت و آبرو کی عمارت گر پڑی، یہ تیری چادر تیرے سر سے نہیں اتری بلکہ تیرے ننگ و ناموس کی چادر تار تار ہو گئی۔ اور گویا اس دوپٹے کے عوض تو نے ذلت و خواری اور اہانت و رسوائی کی چادر اوڑھ لی۔ اس ردائے شرافت کے بدلے تو نے بے راہ روی، آزادی، اور انارکی کا رسوائے عالم لباس پہن لیا، ہر چشم بینا نے تیری طرف نگاہِ حقارت سے دیکھا کہ تو نے یہ کس قدر ذلت و شرم، کیسی فضیحت و رسوائی اور کتنے ننگ و عار کا کام کیا۔

اے خاتونِ اسلام! تیرا دوپٹہ دینِ اسلام کا شعار ہے، تیری چادر، تقویٰ اور خدا ترسی کی نشانی ہے۔ تیرا برقعہ شرم و حیا، تمکنت و وقار کا ایک مضبوط قلعہ ہے۔ تیری یہ ردائے پردہ دار، تیری جلالتِ شان کی آئینہ دار ہے، اور تیری عزت و احترام کے لئے ایک ناقابلِ شکست آہنی دیوار ہے ــــ اے اسلام کی بیٹی! تیرا یہ دوپٹہ صرف تیرے سر کی چادر نہیں بلکہ اصل میں یہ تیرا تاج حسن و جمال ہے۔ یہ چادر ہی حقیقت میں تیرے لئے سب سے بڑی دلیلِ فضیلت و شرافت اور سب سے روشن برہانِ ادب و کمال ہے۔

اے خاتونِ اسلام کہیں تو بھی عہد جدید کی ان کندہ ناتراش، جاہل، بددماغ، کند ذہن (مغرب زدہ) عورتوں کی طرح یہ نہ سمجھ لینا کہ تیری یہ چادر عورت کے زوال کی، اس کی جہالت و نادانی کی، اس کی رجعت پسندی کی، اس کے انحطاط اور پستی کی نشانی ہے اور عورت کی بے پردگی، اس کی بے باکی، اس کی خود نمائی اور اس کی نمود جمال و نمائش حسن اس کے علم و دانش کی اور اس کی ترقی و روشن خیالی کی دلیل ہے۔ یا عورت کی غیر محدود آزادی بے راہ روی، اور انارکی ہی اس کی تہذیب و تمدن کی، اس کی تمیز و شائستگی کی، اور اس کی وجاہت و امارت کی علامت ہے! ہرگز نہیں! ہرگز نہیں!!

حقیقت میں شریف بی بی، مہذب و متمدن عورت اور باوقار و معزز خاتون تو وہ ہے جو اپنے دین و مذہب سے پوری طرح واقف ہو جو

اپنے رب سے ڈرتی ہو —— کیونکہ دین کی معرفت اور اللہ کی خشیت ہی حقیقی علم ہے۔ یہی صحیح روشنی اور اصلی نور ہے۔ ایک کمینہ عورت ایک بے حجاب عورت، ایک بے پردہ اور فاحشہ عورت جو نہ شرم وحیا کو جانتی ہو نہ اپنے پروردگار کو پہچانتی ہو۔ بلکہ جو اپنے دین وملت کے علی الرغم اور اپنی شرافت وعزت کے خلاف علم بغاوت بلند کرتی ہو، جو اپنے خدا و رسول کے خلاف اعلانِ جنگ کرتی ہو اور جسے اپنے فسق وفجور، اپنے عصیان وطغیان، اپنی گنہگاری وسیہ کاری اور اپنی جہالت وناخداترسی پر اصرار بھی ہو، درحقیقت وہی عورت سب سے بڑی جاہلہ ہے، اور سب سے بڑی رذیلہ ہے۔ کیونکہ اپنے دین سے جاہل رہنا ہی سب سے بڑی جہالت ہے۔ اپنے رب کا خوف نہ ہونا ہی سب سے بڑی دنایت ہے، اور یہی سب سے بڑی رذالت، سب سے بڑی پستی اور سب سے بڑا زوال وانحطاط ہے۔ یہ وہ زوال ہے جو عورت کو انسانیت کے بلند مقام سے گرا کر جانوروں اور بہائم کی پست سطح پر لے آتا ہے۔

عورت کی قدروقیمت اس کے شاندار، زرق برق پوشاک سے نہیں، اس کے بیش قیمت نیم عُریاں لباس سے نہیں اور عورت کی خوبصورتی اور اس کا حُسن وجمال غازہ اور پوڈر کی مصنوعی صباحت سے نہیں، اس کے لبوں کی مستعار بازاری سُرخی سے نہیں، اس کے عارضِ گلگوں کی عارضی رنگت سے بھی نہیں اور بہرحال عورت کی رفعت ومنزلت اس کی عشوہ طرازیوں اور اس کی نازآفرینیوں سے بھی —— بلکہ عورت کی اصل قدروقیمت اور اس کی حقیقی دولت وثروت تو اس کی عقل ودانش ہے، اس کی عزت وشرافت ہے، اس کا وقار وتمکنت ہے —— ترقی وہ نہیں ہے جو مغرب زدہ جاہل، احمق، کندۂ ناتراش، وضع مغربی کی اندھی تقلید کرنے والی عورتیں جسے ترقی سمجھتی اور بتاتی ہیں۔ یعنی نیم عُریاں لباس کی نئی نئی وضع۔ رسوا کُن نیم برہنہ پوشاک کی نت نئی تراش وخراش اور جدید ترین وضع وقطع۔ طرح طرح کے نئے نئے فیشن۔ عام گذرگاہوں اور شاہراہوں میں آوارہ گھومنا پھرنا، نمائش گاہوں کی بے پردہ سیر کرنا، حیاسوز مخلوط مجلسوں میں بے باکانہ شریک ہونا، ترقی نہیں ہے —— اے خواتینِ اسلام! ہرگز ترقی نہیں ہے! بلکہ اصل ترقی تو علم وادب میں ترقی کرنا ہے۔ تہذیب واخلاق اور تمیز وشائستگی میں سبقت لے جانا ہے۔ علم وحکمت میں پیش قدمی کرنا ہے۔ کیونکہ عقل وخرد کو غذا بخشنے والی چیز حقیقت میں یہی علم وحکمت ہے یہی جوہرِ ایمان ہے جو قلب کو پاکیزگی بخشتا ہے۔ اسی سے قومیں زندہ رہتی ہیں۔ اسی کی بدولت مرد وعورت دونوں، عزت وحرمت اور آزادی واستقلال کا بلند مقام حاصل کرتے ہیں۔ اور اسی کی بدولت وہ زندگی کے تمام بوجھ اٹھانے کے قابل ہوتے اور ہر قسم کی قوت وتوانائی حاصل کرتے ہیں۔

شاعر کہتا ہے :-

اقبل علی النفس واستکمل خصائلھا   فانت بالنفس لا بالجسم انسان

ترجمہ :- تو قلب وروح کی جانب توجہ کر اور ان کے خصائل کو پایۂ تکمیل تک پہونچا کیونکہ حقیقت میں تو دل وجان کی بنا پر انسان ہے نہ کہ تن بدن کی بنا پر[1]! اور یہ کس قدر حکیمانہ قول ہے :- ایک سر برہنہ تو البتہ زیب وزینت کا محتاج ہوتا ہے، لیکن وہ سر جو علم وحکمت سے معمور ہوتا ہے زیب وزینت کا محتاج ہرگز نہیں۔ کیونکہ عقل وعلم، اس کی زینت اور زیبائش کا بجائے خود بہت بڑا سامان ہے اور حکمت ودانائی ہی اس کی سب سے اعلیٰ آرائش کی نشانی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولیٰ

---

[1] یعنی انسانیت جسم کی ظاہری آرائش اور شکم پروری کا نام نہیں ہے، انسانیت نام ہے فضائلِ اخلاق اور قلب وضمیر کی پاکیزگی کا —— گر یہ نہیں تو بابا!

یہ آیت نہایت واضح طریقہ پر اس امر پر روشنی ڈالتی ہے، کہ جہل و نادانی ہی دراصل تبرج و بے حیائی کی دعوت دیتی ہے اور جہل ہی کا لازمی نتیجہ تبرج ہے، عورت میں جہل (دین کی عدم معرفت) جس قدر ہوگا اسی قدر وہ تبرج، بناؤ سنگھار کے اظہار، اور حسن و جمال کی نمود و نمائش کی شایق اور دل دادہ ہوگی اور زمانہ جاہلیت کی مشرک عورتوں سے اتنی زیادہ مماثلت رکھے گی۔

وہی ہے راہ ترے عزم و شوق کی منزل

جہاں ہیں فاطمہؓ و عائشہؓ کے نقشِ قدم

تصحیح

فروری ۱۹۵۷ء کے "فاران" میں صفحہ ۴۳ پر —— "رسول اللہ صلی اللہ علیہ گھر کا کاروبار خود اپنے ہاتھ سے کرلیا کرتے تھے" اس جملہ میں "کاروبار" کی جگہ "کام کاج" پڑھا جائے! —— اسی ماہ کے شمارہ میں جناب شفیع عقیل کی کتاب پر تنقید کی گئی ہے! موصوف کی کتاب کا "ایک آنسو اور ایک تیم" نہیں "ایک آنسو اور ایک تبسم ہے"

خدا کے آخری نبیؐ ـــــ دُنیا کے سب سے بڑے انسان اور عالمِ انسانیت کی محترم ترین شخصیت نے فرمایا:۔

تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے بھائی کے لئے وہی بات پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے!
(بخاری ۲: ۶)

جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو اُسے چاہئے کہ بھلی بات کہے ورنہ خاموش رہے! (بخاری و مسلم)

جو تصویریں بناتے ہیں ان کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا۔ ان سے کہا جائے گا اسے زندہ کرو جو تم نے بنایا تھا!
(بخاری ۔ ۷۷ : ۸۹)

جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لائے وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ دے۔ اور جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لائے وہ اپنے مہمان کی عزت کرے!
(بخاری ۔ ۷۸ : ۳۱)

مسلمان کو گالی دینا فسق ہے، اور اُس سے جنگ کرنا کفر ہے!
(بخاری ۔ ۲ : ۳۵)

اطاعت صرف معروف میں ہے (یعنی اُن کاموں میں جو دین کے احکام کے خلاف نہ ہوں)
(بخاری ۔ ۶۴ : ۶۱)

وہ شخص ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور جو ہمارے بڑوں کی عزت نہ کرے! (مشکوٰۃ ۔ ۲۴ : ۱۵)

تم میں سے ہر ایک شخص حاکم ہے اور تم میں سے ہر ایک شخص سے اُس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا!
(بخاری ۔ ۱۱ ۔ ۱۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔ اپنے بھائی کی مدد کرو چاہے وہ ظلم کر رہا ہو یا اُس پر ظلم ہو رہا ہو" ــــ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ مظلوم ہونے کی حالت میں تو ہم اُس کی مدد کریں گے لیکن ظالم ہونے کی حالت میں کس طرح مدد کریں؟ فرمایا:۔ "اُس کا ہاتھ پکڑ لو، ظلم کرنے سے روک دو"
(بخاری ۔ ۴۶ : ۴)

منافق کی تین پہچانیں ہیں جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو اُس کے خلاف کرے، اور جب کوئی امانت سونپی جائے تو اُس میں خیانت کرے!
(بخاری ۔ ۲ : ۳۲)

جو شخص (میری صحبت میں) حاضر ہے اُسے چاہئے کہ وہ اس تک دین کا علم پہونچا دے جو یہاں موجود نہیں ہے!
(بخاری ۔ ۳ : ۳۷)

خدا اُس بندے کو آباد کرے جس نے میری باتوں کو سُنا اور دوسروں کو پہونچایا! (مسلم)

سچ نیکی کی طرف لے جاتا ہے اور نیکی جنت میں پہونچاتی ہے۔ انسان سچ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ صدیق ہو جاتا ہے!
(بخاری ۔ ۸۶ : ۷۷)

جھوٹ بدی کی طرف لے جاتا ہے اور بدی جہنم میں پہونچاتی ہے اور انسان برابر جھوٹ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے نزدیک وہ کذّاب لکھ دیا جاتا ہے! (بخاری - ۷۸ : ۸۶)

اللہ کی قسم، دُنیا آخرت کے مقابلے میں ایسی ہی ہے جیسے تم میں سے کوئی سمندر میں اپنی اُنگلی ڈالے اور اُس کے بعد یہ دیکھے کہ وہ کتنا پانی لے کر لوٹتی ہے! (مسلم)

جس شخص کو یہ اچھا لگتا ہو کہ لوگ اُس کے سامنے تصویر کی طرح کھڑے ہو جائیں تو اُسے سمجھنا چاہیئے کہ وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنا رہا ہے! (ابوداؤد و ترمذی)

مومنوں میں سے ایمان میں کامل ترین وہ ہیں جو خلق میں سب سے اچھے ہوں اور تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو اپنی عورتوں سے بہترین سلوک کرتے ہیں! (بخاری - ۱۰ : ۱۱)

جس نے نماز پڑھی دکھاوے کے لئے اس نے شرک کیا۔ جس نے روزہ رکھا دکھاوے کے لئے اُس نے شرک کیا۔ جس نے صدقہ دیا دکھاوے کے لئے اُس نے شرک کیا! (مسند امام احمدؒ)

اپنے بھائی کی مصیبت پر خوش نہ ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالٰی اُس پر تو رحم فرمائے اور تم کو اُس میں مبتلا کر دے! (ترمذی)

پانچ چیزوں سے پہلے پانچ چیزوں کو غنیمت جانو:- (۱) بڑھاپے سے پہلے جوانی کو۔ (۲) بیماری سے پہلے صحت کو۔ (۳) مُفلسی سے پہلے تونگری کو، (۴) مشغول ہونے سے پہلے فرصت کو، (۵) موت سے پہلے زندگی کو! (ترمذی)

انسان قیامت کے دن خدا کے حضور سے ہٹ نہیں سکتا جب تک کہ اُس سے پانچ باتوں کا جواب نہ لے لیا جائے:- (۱) اُس نے اپنی عمر کاہے میں گزاری؟ (۲) اپنی جوانی کیسے صرف کی؟ (۳) مال کہاں سے کمایا؟ (۴) جو کچھ کمایا کہاں صرف کیا؟ (۵) جو کچھ اُسے معلوم تھا اُس پر کتنا عمل کیا؟ (ترمذی)

اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے، ہر آدمی کو اُس کی نیت کے مطابق ہی اجر ملے گا! (بخاری - ۱:۱)

قبر جنت کی پھلواریوں میں سے ایک پھلواری ہے، یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا! (ترمذی)

تم میں سے بہترین وہ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں! (بخاری - ۶۱ : ۲۳)

اُن گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرو جن کو حقیر سمجھا جاتا ہے کیونکہ اللہ کی طرف سے اُن کی بھی باز پرس ہوگی! (ابن ماجہ)

اللہ تمھاری صورتوں کو اور دولت کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمھارے دل کو دیکھتا ہے! (مسلم)

لوگ جب کسی بُرائی کو دیکھیں اور اُسے مٹانے کی کوشش نہ کریں تو اس بات کا قوی امکان ہے کہ اللہ اُن سب کو اپنے عذاب میں مبتلا کر دے! (ترمذی)

بہترین جہاد اُس کا ہے جو ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہدے! (مشکوٰۃ - ۱۷)

تم میں سے کوئی شخص اُس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اُس کی نظر میں اُس کے ماں، باپ، اولاد اور تمام انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں! (بخاری و مسلم)

میں تمھارے اندر دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں جب تک تم اُنھیں مضبوطی سے پکڑے رہو گے کبھی گمراہ نہ ہوگے—

اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت! (موطا امام مالک)

جس شخص نے لوگوں کو ہدایت کی طرف دعوت دی تو اس کو اتنا ہی اجر ملے گا جتنا اجر اس کی پیروی کرنے والوں کو ملے گا اور اس سے پیروی کرنے والوں کے اجر میں کوئی کمی نہ ہوگی! (مسلم)

جو کوئی گمراہی کی طرف دعوت دیتا ہے تو اس پر اتنا ہی گناہ ہوتا ہے جتنا گناہ اس کی پیروی کرنے والوں پر ہوتا ہے اور اس سے ان پیروی کرنے والوں کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہوتی! (مسلم)

جب نماز باجماعت کھڑی ہو جائے تو سوائے فرض نماز کے کوئی نماز نہیں ہوتی! (مشکوٰۃ - ۴: ۲۳)

سعید ابن زیدؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- سب سے بڑا سود کسی مسلمان کی ناحق عزت لینا ہے! (ابو داؤد - کتاب الادب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عشاء سے پہلے سونا، اور اس کے بعد باتیں کرنا ناپسند فرماتے تھے! (بخاری - ۹: ۲۳)

جو کوئی مسلمان کے عیب کو چھپائے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے عیبوں کو چھپائے گا! (بخاری و مسلم)

جو کوئی مسلمان کی تکلیف کو دور کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی تکلیف دور کرے گا! (بخاری و مسلم)

جو کوئی اپنے مسلمان بھائی کی ضرورت پوری کرنے میں لگا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت پوری کرنے میں لگا ہوتا ہے! (بخاری و مسلم)

(ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ) لوگ مسجدوں کے بنانے پر تو فخر کریں گے، لیکن انھیں آباد نہیں کریں گے! (بخاری - ۸: ۶۲)

کھاؤ، پیو، پہنو اور صدقہ کرو، مگر اسراف اور تکبر سے بچو! (بخاری - ۷۷: ۱)

مسلم ایک مسلم کا بھائی ہوتا ہے نہ وہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ ظلم سہنے کے لئے اسے تنہا چھوڑ دیتا ہے! (بخاری و مسلم)

اللہ کے بہترین بندے وہ ہیں کہ جب انھیں دیکھا جائے تو اللہ یاد آ جائے، اور بدترین بندے وہ ہیں جو ادھر کی باتیں ادھر لگاتے پھرتے ہیں، دوستوں میں تفریق ڈلواتے ہیں، اور بے گناہوں پر الزام لگا کر انھیں مصیبت میں مبتلا کرتے ہیں! (احمد و بیہقی)

تم میں سے جو کوئی کسی ایسے کام کو دیکھے جو اللہ کی مرضی کے خلاف ہو (منکر) تو اسے اپنے ہاتھ سے روک دے (قوت سے) اگر یہ نہ کر سکے تو اپنی زبان سے روکنے کی کوشش کرے۔ اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو اس کا دل اس کے مٹا دینے کے لئے بے چین رہے۔ اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے! (مسلم)

سنو اور اطاعت کرو، اگرچہ ایک حبشی کو ہی حاکم بنایا گیا ہو! (بخاری - ۱۰: ۵۴)

اپنی نمازوں کا کچھ حصہ (فرض نمازوں کے علاوہ) گھروں میں بھی پڑھا کرو اور ان کو قبریں نہ بناؤ! (بخاری - ۸: ۵۲)

اللہ اس شخص پر رحم نہیں کرے گا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا! (مشکوٰۃ - ۲۴: ۱۵)

میرے لئے کل روئے زمین کو مسجد بنایا گیا ہے اور پاک کرنے والی - لہٰذا میری امت میں سے جس کسی کو نماز کا وقت آ جائے

(بخاری - ۷ : ۱)

تو وہ (جہاں چاہے) نماز پڑھ لے!

جو شخص اپنے ہاتھ سے کام کرکے کھانا کھاتا ہے اس کھانے سے بہتر کوئی کھانا نہیں اور اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت داؤد (علیہ السلام) اپنے ہاتھ سے محنت کرکے کھاتے تھے! (بخاری)

جب تم اذان کو سنو تو جیسے جیسے مؤذن کہے تم بھی کہو! (بخاری - ۱۰ : ۷)

(آدمی کو لازم ہے کہ) اپنے ہاتھ سے کام کرکے اپنے آپ کو فائدہ پہونچائے اور صدقہ دے! (بخاری)

جب تمہاری عورتیں تم سے رات کو مسجد جانے کے لئے اجازت چاہیں تو ان کو اجازت دے دو! (بخاری - ۱۰ : ۶۲)

(نفل کاموں میں سے) اتنے کام کرو جن کی تم طاقت رکھتے ہو، اللہ کی قسم اللہ نہیں تھکتا تم ہی تھک جاتے ہو اور اس کے نزدیک سب سے پسند یدہ وہ دین (دین کا کام) ہے جس پر اس کا کرنے والا ہمیشگی اختیار کرے!

(بخاری - ۲ : ۳۱)

اللہ کو ہر وقت یاد رکھو، وہ تم کو یاد رکھے گا اور حفاظت کرے گا! (ترمذی و احمد)

ایک شخص نے رسول اللہ سے کہا: "جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں" آپ نے فرمایا کیا تو نے مجھے اور اللہ تعالیٰ کو برابر کردیا؟ صرف یہ کہو کہ جو ایک اللہ چاہے! (امام احمد)

حضور نے فرمایا مجھے تمنا ہے کہ میں اپنے بھائیوں سے ملتا صحابہ نے عرض کیا، ہم بھی تو آپ کے بھائی ہیں۔ آپ نے فرمایا تم میرے صحابہ ہو، میرے بھائی وہ لوگ ہیں جو مجھے دیکھے بغیر ایمان لائے! (امام احمد)

رسول اللہ نے فرمایا:- جس شخص نے مجھے دیکھا اور ایمان لایا اس کو ایک بار مبارک باد اور جس نے مجھے نہیں دیکھا اور پھر ایمان لایا اس کو بار بار مبارک باد! (امام احمد)

تباہی کا راز "جب امانت ضائع ہو جائے تو قیامت کا انتظار کرو" کہا "یہ کب سے ہوگا؟ فرمایا" جب حکومت نا اہلوں کے سپرد کی جائے تو قیامت کا انتظار کرو! (بخاری)

جن باتوں کو شرع نے حرام کیا ہے اگر تو ان سے بچے گا تو تو گویا سب سے بڑا عبادت گزار ہوگا! (ترمذی)

انسان کہتا ہے میرا مال میرا مال" مگر اے انسان تیرا مال سوائے اس کے کونسا ہے جو تو نے کھایا اور ختم کیا۔ تو نے پہنا اور صرف کر ڈالا یا تو نے صدقہ کیا اور آخرت کے لئے ذخیرہ کیا! (مسلم و مسند احمد)

زیادہ ہنسنے سے پرہیز کرو۔ زیادہ ہنسی دل کو مردہ کردیتی ہے! (ترمذی)

کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ انسان اپنے ماں باپ کو گالی دے، کہا گیا یا رسول اللہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی اپنے ہی ماں باپ کو گالی دے؟ فرمایا ایک شخص دوسرے کے باپ کو گالی دیتا ہے اور وہ پلٹ کر اس کے ماں باپ کو گالی دیتا ہے!

(بخاری)

دو بھوکے بھیڑیئے اگر بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیئے جائیں تو وہ اتنی بربادی نہیں کرتے جس قدر مال اور جاہ کی حرص آدمی کو تباہ و برباد کردیتی ہے! (مسند احمد، ترمذی)

دنیا میں اس طرح رہ گویا کہ تو مسافر ہے، یا ایک راہی ہے اور اپنے کو قبر والوں میں شمار کر! (ترمذی)

اللہ نے جو کچھ تیرا حصہ مقرر کردیا ہے اگر تو اس پر راضی رہے گا تو گویا تو ہی سب سے زیادہ مالدار شخص ہوگا (ترمذی)

جس وقت فاسق کی تعریف کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ غضبناک ہو جاتا ہے اور عرش کانپ اُٹھتا ہے ! (بیہقی)

اپنے بھائی سے جھگڑا مت کرو، نہ ایسا مذاق کرو جس سے اُسے تکلیف ہو، اور نہ ایسا وعدہ کرو جسے ایفا نہ کر سکو ! (ترمذی)

کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کو بکری کا پایہ تک تحفہ دینے میں بھی شرم نہ کرے ! (بخاری)

حسد سے بچو اس لئے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا لیتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو جلا کر خاک کر دیتی ہے ! (ابوداؤد)

جب تم شوربا پکاؤ (اور اُس میں گنجایش نہ ہو) تو اُس میں پانی زیادہ ڈال دو اور اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھو ! (مسلم)

بیوہ اور محتاج کی امداد کے لئے کوشش کرنے والے کا مرتبہ اللہ کے نزدیک ایسا ہی ہے جیسا اللہ کی راہ میں جہاد کرنیوالے کا - یا اس شخص کا جو عبادت کے لئے رات کو جاگتا ہے - اور دن کو روزہ رکھتا ہے ! (بخاری - ۶۹ : ۱)

(اپنے اولوالامر کے احکام) سُننا اور اُن کی اطاعت کرنا تم پر فرض ہے اس وقت تک جب کہ تم کو اللہ کی، نافرمانی کا حکم نہ دیا جائے لیکن جب اللہ کی نافرمانی کا حکم دیا جائے تو نہ سُننا اور نہ فرماں برداری کرنا ! (بخاری - ۵۶ : ۱۰۸)

میری تعریف میں ایسی زیادتی مت کرو جیسا کہ نصاریٰ نے ابن مریمؑ کی تعریف میں زیادتی کی - میں تو بس اس کا بندہ ہوں لہذا یہی کہو " اللہ کا بندہ اور اُس کا رسول " (بخاری)

تم میں سے جو شخص صبح کو اس حال میں اُٹھے کہ وہ اپنے گھر میں امن کے ساتھ ہو اور وہ صحت مند ہو، اور اس کے گھر میں ایک دن کے کھانے کے لئے سامان بھی موجود ہو تو اُسے سمجھنا چاہیئے کہ گویا، اس کے پاس تمام دنیا (کی دولت) جمع کردی گئی ہے ! (بخاری)

مومن اپنے حُسنِ اخلاق کی بدولت شب بیدار اور روزے دار کا درجہ پاتا ہے ! (ابوداؤد)

گانا دل میں نفاق کو اس طرح اُگاتا ہے جس طرح پانی کھیتی کو ! (بیہقی)

اچھی بات سکھانا خاموش رہنے سے بہتر ہے اور خاموش رہنا بُری بات سکھانے سے بہتر ہے ! (بیہقی)

تنہائی بُرے ساتھی کے ساتھ بیٹھنے سے بہتر ہے اور نیک آدمی کے ساتھ بیٹھنا تنہائی سے بہتر ہے ! (بیہقی)

اُس کی ناک خاک آلودہ ہو، اس کی ناک خاک آلودہ ہو، اس کی ناک خاک آلودہ ہو، (یعنی وہ ذلیل و خوار ہو) جس نے اپنے ماں باپ میں سے دونوں کو یا کسی ایک کو بڑھاپے کی حالت میں پایا اور پھر بھی جنت میں داخل نہ ہوا (یعنی اُن کی خدمت نہ کی !) (مسلم)

جس وقت (منھ پر) تعریف کرنے والوں کو تعریف کرتے دیکھو تو اُن کے مُنھ میں مٹی جھونک دو ! (مسند احمد، بخاری)

حلال بھی کھلا ہوا ہے اور حرام بھی کھلا ہوا ہے اور ان دونوں کے درمیان ایسی مشتبہ باتیں ہیں جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے - لہذا جو مشتبہ باتوں سے بچا اُس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو بچا لیا اور جو شخص مشتبہ باتوں میں پڑا اس کی مثال اُس چرواہے کی ہے جو کسی (ممنوعہ) چراگاہ کی سرحدوں کے پاس چراتا ہے، اندیشہ ہے کہ کہیں اس کے جانور اُس کے اندر نہ گھس جائیں - سُنو! ہر بادشاہ کے لئے کوئی نہ کوئی (ممنوعہ) چراگاہ ہوتی ہے، اللہ کی زمین میں اُس کی حرام کی ہوئی باتیں اُس کی (ممنوعہ) چراگاہ کی مانند ہیں (ان کے قریب نہ جاؤ) ! (بخاری - ۲ : ۳۸)

غلطیاں!

- تلاطم کو طلاطم — غیظ کو غیض — تیار کو طیار — بے نیلِ مرام کو بے نیل و مرام ہرگز نہ لکھئے — "املا" کی یہ غلطیاں افسوسناک ہیں!
- "اَٹنا" اور "پٹنا" کے استعمال میں بعض لوگ فرق نہیں کرتے، "اَٹنا" مٹی اور گردوغبار کے لئے بولا جاتا ہے مثلاً "کنواں مٹی سے اَٹ گیا" — "اُس کا جسم گردوغبار سے اٹ گیا" — اور "پٹنا" "راستہ لاشوں سے پٹا پڑا ہے" (یہاں "اٹنا" نادرست ہے) — "یہ مکان کھپریل سے پٹا ہوا ہے" — "اُس کی دکان میں صندوقوں کے چھتے لگے ہیں اور پوری عمارت سامان سے پٹی پڑی ہے"
- "کئی" کا استعمال سوچ سمجھ کر کیجئے — "کئی آدمی آجکل سردی میں ٹھنڈے پانی سے نہاتے ہیں" — اس جملہ میں "کئی" "بعض" کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے جو غلط ہے!
- "خونی" اور "خونیں" — وہ آدمی جس نے کسی کا خون کیا ہو یا بہت ظالم اور سفاک ہو اُسے خونی کہتے ہیں — اور "خونیں" کا استعمال یہ ہے:۔ "چشمِ خونیں" "خونیں داستان" .... وغیرہ، یہاں "خونیں" سے مراد ہے خون یا شدتِ الم سے بھری ہوئی! یہ فرق بھی ملحوظ رکھئے کہ "خونی" اردو ہے اور "خونیں" فارسی ہے۔
- "جناب" مرد اور عورتوں دونوں کے لئے بولتے اور لکھتے ہیں، عورت کے نام کے ساتھ "جنابہ" کا استعمال درست نہیں، "جنابہ بیگم صاحبہ" غلط اور "جناب بیگم صاحبہ" درست ہے!
- جن لفظوں کی آپ کو پوری تحقیق نہ ہو اُن پر "اعراب" (زیر، زبر، پیش، جزم) ہرگز نہ لگایئے، مثلاً "مشاعرہ" "سید" اور "محبت" کو آپ اُسی طرح بولئے، جس طرح عوام بولتے ہیں اور اگر اُن پر اعراب لگانے ہیں تو صحیح لگایئے — "مُشاعَرہ" "مَحبت" "سیّد"
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "یثرب" کا نام بدل کر "طیبہ" (اور "طابہ" بھی) رکھ دیا تھا، اُس کو "مدینہ" بھی کہتے ہیں، مگر آپ اپنی تقریر، تحریر یا شاعری میں "یثرب" استعمال نہ کیجئے کہ حضورؐ کو یہ نام (یثرب) پسند نہ تھا۔
- "پس منظر" کا "س" ساکن ہے، مکسور (پسِ منظر) نہیں ہے — "بحمداللہ" کی "د" پر "پیش" (یعنی بحمدُاللہ) غلط ہے، "د" کے نیچے زیر ہے — "نَشأۃِ ثانیہ" کا "ش" ساکن ہے "مفتوح" نہیں ہے!
- "شمس" کے آخر میں (چھوٹا) سین ہے، "شمش" نہ بولئے اور نہ لکھئے!
- راستہ کے لئے "پھوٹنا" نہیں "پھٹنا" بولتے ہیں!

"مشاہدات"

ابوالبیان حماد

ناگ فتنوں کے یہ کالے کالے　　ڈس لئے ہیں اُسے جس نے پالے
دل پہ باطل نے پہرے بٹھائے　　اور زباں پر لگائے ہیں تالے
لیڈروں کے ہیں تیور انوکھے　　ڈھنگ اُن کے ہیں سارے نرالے
کیا ملا ہم کو آزاد ہو کر　　پڑ گئے اور جینے کے لالے
مست ہیں عیش و عشرت میں اُمرا　　اور غربا، خدا کے حوالے
اک طرف فاقہ مستی کا عالم　　اک طرف سیم و زر کے نوالے
اک طرف نعرہ ہائے مسرت　　اک طرف صرف دلدوز نالے
راہ زن کو سمجھتے ہیں رہبر　　راہ رو بھی ہیں کیا بھولے بھالے
عزم تعمیر نو لے کے اٹھے　　نوجواں سر پھرے اور جیالے
سر پہ اپنے کفن باندھ کر پھر　　چل پڑے چند اللہ والے
نوجوانوں بڑھو سوئے منزل　　عزم و ہمت کے لیکر اُجالے

لاج اسلام کی رکھ الٰہی
دین کی آبرو کو بچالے

جرأت و عزم

طالب حجازی (حافظ آباد)

ہم پیروئ اہلِ حرم کرتے رہیں گے　　سر اپنا ترے حکم پہ خم کرتے رہیں گے
ہے اپنا قلم دینِ پیمبر کی امانت　　ہم مدح و ثنا تیری رقم کرتے رہیں گے
کلفت ہو کہ راحت ہو یہ انعام ہے تیرا　　ہم شام و سحر ذکر کرم کرتے رہیں گے
ہاں اہلِ وفا باز نہ آئیں گے وفا سے　　مانا کہ ستم گار ستم کرتے رہیں گے
سر اپنا کبھی غیر کے در پر نہ جھکے گا　　کوشش تو بہت قیصر و جم کرتے رہیں گے
ہم ہیں تو رہِ عشق میں ہیں کرب و بلا اور　　خوں سے کے عیاں شانِ حرم کرتے رہیں گے
اک نقشِ وفا تو نے مٹایا تو ہوا کیا　　ہم ہیں تو نقوش اور رقم کرتے رہیں گے

"ماحول" کو جو بات گراں گزرے ہے طالب
اشعار میں ہم اُس کو رقم کرتے رہیں گے

تغیرات کے تیور بتا رہے ہیں مجھے　　ٹھہر نہ سکا نہ زمانہ کبھی کسی کے لئے

روحِ انتخاب

اسلام کا روحانی نظام

——— اسلام کا روحانی نظام کیا ہے ؟ اور زندگی کے پورے نظام سے اس کا کیا تعلق ہے ؟ ——— اس سوال کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے ہم اُس فرق کو اچھی طرح سمجھ لیں جو روحانیت کے اسلامی تصور اور دوسرے مذہبی اور فلسفیانہ نظاموں کے تصورات میں پایا جاتا ہے۔ یہ فرق ذہن نشین نہ ہونے کی وجہ سے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اسلام کے روحانی نظام پر گفتگو کرتے ہوئے آدمی کے دماغ میں بلا ارادہ بہت سے وہ تصورات گھومنے لگتے ہیں جو عموماً "روحانیت" کے لفظ سے وابستہ ہو کر رہ گئے ہیں۔ پھر اس اُلجھن میں پڑ کر آدمی کے لئے یہ سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے کہ آخر یہ کس قسم کا روحانی نظام ہے جو روح کے جانے پہچانے دائرے سے گزر کر مادہ و جسم کے دائرے میں دخل دیتا ہے اور صرف دخل ہی نہیں دیتا بلکہ اس پر حکمرانی کرنا چاہتا ہے۔

فلسفہ و مذہب کی دنیا میں عام طور پر جو تخیل کار فرما رہا ہے وہ یہ ہے کہ رُوح اور جسم ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ دونوں کا عالم جدا ہے۔ دونوں کے تقاضے الگ بلکہ باہم مخالف ہیں۔ ان دونوں کی ترقی ایک ساتھ ممکن نہیں ہے۔ روح کے لئے جسم اور مادّے کی دُنیا ایک قید خانہ ہے۔ دنیوی زندگی کے تعلقات اور دلچسپیاں وہ ہتھکڑیاں اور بیڑیاں ہیں جن میں رُوح جکڑی جاتی ہے۔ دنیا کے کاروبار اور معاملات وہ دلدل ہیں جس میں پھنس کر روح کی پرواز ختم ہو جاتی ہے۔ اس تخیل کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ روحانیت اور دنیا داری کے راستے ایک دوسرے سے بالکل الگ ہو گئے۔ جن لوگوں نے دنیا داری اختیار کی وہ اوّل ہی قدم پر مایوس ہو گئے کہ یہاں روحانیت ان کے ساتھ نہ چل سکے گی۔ اس چیز نے ان کو مادہ پرستی میں غرق کر دیا۔ معاشرت، تمدّن، سیاست، معیشت غرض دنیوی زندگی کے سارے شعبے روحانیت کے نور سے خالی ہو گئے اور بالآخر زمین ظلم سے بھر گئی۔ دوسری طرف جو لوگ روحانیت کے طلبگار ہوئے، اُنھوں نے اپنی رُوح کی ترقی کے لئے ایسے راستے تلاش کئے جو دنیا کے باہر ہی باہر نکل جاتے ہیں، کیونکہ ان کے نقطۂ نظر سے روحانی ترقی کا کوئی ایسا راستہ تو ممکن ہی نہ تھا جو دنیا کے اندر سے ہو کر گزرتا ہو۔ ان کے نزدیک رُوح کو پروان چڑھانے کے لئے جسم کو مضمحل کرنا ضروری تھا اس لئے اُنھوں نے ایسی ریاضتیں ایجاد کیں جو نفس کو مارنے والی اور جسم کو بے حس یا بیکار کر دینے والی ہوں۔ روحانی تربیت کے لئے جنگلوں، پہاڑوں اور عزلت کے گوشوں کو انھوں نے موزوں ترین مقامات سمجھا، تاکہ تمدّن کا ہنگامہ گیان دھیان کے مشغلوں میں خلل نہ ڈالنے پائے۔ روح کے نشوونما کی کوئی صورت انھیں اس کے سوا ممکن نظر نہ آئی کہ دنیا اور اس کے دھندوں سے دستکش ہو جائیں اور ان سارے رشتوں کو کاٹ پھینکیں جو اسے مادّیات کے عالم سے وابستہ رکھتے ہیں۔

پھر جسم و روح کے اس تضاد نے انسان کے لئے کمال کے بھی دو مختلف مفہوم اور نصب العین پیدا کر دیئے۔ ایک طرف دنیوی زندگی کا کمال جس کا مفہوم یہ قرار پایا کہ انسان صرف مادّی نعمتوں سے مالا مال ہو، اور اس کی انتہا یہ ٹھہری کہ آدمی ایک اچھا پرندہ، ایک بہترین مگرمچھ، ایک عمدہ گھوڑا اور ایک کامیاب بھیڑیا بن جائے۔ دوسری طرف روحانی زندگی کا کمال جس کا مفہوم یہ قرار پایا کہ انسان کچھ فوق الفطری طاقتوں کا مالک ہو جائے اور اس کی انتہا یہ ٹھہری کہ آدمی ایک اچھا ریڈیو سٹ، ایک طاقتور دوربین اور ایک نازک خوردبین بن جائے، یا اس کی نگاہ اور اس کے الفاظ ایک پورے دواخانے کا کام دینے لگیں۔

اسلام کا نقطۂ نظر اس معاملے میں دنیا کے تمام مذہبی اور فلسفیانہ نظاموں سے مختلف ہے۔ وہ کہتا ہے کہ انسانی روح کو خدا نے زمین پر اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے۔ کچھ اختیارات، کچھ فرائض اور کچھ ذمہ داریاں اس کے سپرد کی ہیں۔ اور انہیں ادا کرنے کے لئے ایک بہترین اور موزوں ترین ساخت کا جسم اسے عطا کیا ہے۔ یہ جسم اس کو عطا ہی اس لئے کیا گیا ہے کہ وہ اپنے اختیارات کے استعمال اور اپنی متعلقہ خدمات انجام دینے میں اس سے کام لے۔ لہٰذا یہ جسم اس روح کا قید خانہ نہیں بلکہ اس کا کارخانہ ہے۔ اور اس روح کے لئے کوئی ترقی اگر ممکن ہے تو اسی طرح ممکن ہے کہ وہ اس کارخانے کے آلات اور طاقتوں کو استعمال کرکے اپنی قابلیتوں کا اظہار کرے۔ پھر یہ دنیا کوئی دار العذاب نہیں ہے جس میں انسانی روح کسی طرح آکر پھنس گئی ہو، بلکہ یہ تو وہ کارگاہ ہے جس میں کام کرنے کے لئے خدا نے اسے بھیجا ہے۔ یہاں کی بیشمار چیزیں اس کے تصرف میں دی گئی ہیں۔ یہاں دوسرے بہت سے انسان اسی خلافت کے فرائض انجام دینے کے لئے اس کے ساتھ پیدا کئے گئے ہیں۔ یہاں فطرت کے تقاضوں سے تمدن، معاشرت، معیشت، سیاست اور دوسرے شعبہ ہائے زندگی اُس کے لئے وجود میں آئے ہیں۔ یہاں اگر کوئی روحانی ترقی ممکن ہے تو اس کی صورت یہ نہیں ہے کہ آدمی اس کارگاہ سے منہ موڑ کر کسی گوشے میں جا بیٹھے، بلکہ اس کی صورت صرف یہ ہے کہ وہ اس اندر کام کرکے اپنی قابلیت کا ثبوت دے۔ یہ اس کے لئے ایک امتحان گاہ ہے۔ زندگی کا ہر پہلو اور ہر شعبہ گویا امتحان کا ایک پرچہ ہے۔ گھر، محلہ، بازار، منڈی، دفتر، کارخانہ، مدرسہ، کچہری، تھانہ، چھاؤنی، پارلیمنٹ، صلح کانفرنس اور میدانِ جنگ، سب مختلف مضمونوں کے پرچے ہیں جو اسے کرنے کے لئے دیئے گئے ہیں۔ وہ اگر ان میں سے کوئی پرچہ بھی نہ کرے یا اکثر پرچوں کو سادہ ہی چھوڑ دے تو نتیجے میں آخر صفر کے سوا اور کیا پا سکتا ہے۔ کامیابی اور ترقی کا امکان اگر ہو سکتا ہے تو اسی طرح ہو سکتا ہے کہ وہ اپنا سارا وقت اور اپنی ساری توجہ امتحان دینے میں صرف کرے اور جتنے پرچے بھی اسے دیئے جائیں ان سب پر کچھ نہ کچھ کرکے دکھائے۔

اس طرح اسلام زندگی کے راہبانہ تصور کو رد کر دیتا ہے اور انسان کے لئے روحانی ترقی کا راستہ دنیا کے باہر سے نہیں بلکہ اس کے اندر سے نکالتا ہے۔ روح کے نشو و نما اور بالیدگی اور فلاح و کامرانی کی اصل جگہ اس کے نزدیک کارگاہِ حیات کے عین منجدھار میں واقع ہے نہ کہ اس کے کنارے پر۔ اب ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ وہ ہمارے سامنے روح کی ترقی اور تنزل کا معیار کیا پیش کرتا ہے۔ اس سوال کا جواب اسی خلافت کے تصور میں موجود ہے جس کا ابھی میں ذکر کر چکا ہوں۔ خلیفہ ہونے کی حیثیت سے انسان اپنے پورے کارنامۂ حیات کے لئے خدا کے سامنے جوابدہ ہے۔ اس کا فرض یہ ہے کہ زمین میں جو اختیارات اور ذرائع اسے دیئے گئے ہیں انہیں خدا کی مرضی کے مطابق استعمال کرے۔ جو قابلیتیں اور طاقتیں اسے بخشی گئی ہیں ان کو زیادہ سے زیادہ خدا کی رضا حاصل کرنے میں صرف کرے۔ جن مختلف قسم کے تعلقات میں دوسرے انسانوں کے ساتھ اسے وابستہ کیا گیا ہے ان میں ایسا رویہ اختیار کرے جو خدا کو پسند ہے اور فی الجملہ اپنی تمام کوششیں اور محنتیں اس راہ میں صرف کرے کہ زمین اور اس کی زندگی کا انتظام اتنا بہتر ہو جتنا اس کا خدا اسے بہتر دیکھنا چاہتا ہو۔ اس خدمت کو انسان جس قدر زیادہ احساسِ ذمہ داری، فرض شناسی، طاعت و فرمانبرداری اور مالک کی رضا جوئی کے ساتھ انجام دیگا اسی قدر زیادہ وہ خدا سے قریب ہوگا، اور خدا کا قرب ہی اسلام کی نگاہ میں روحانی ترقی ہے۔ اس کے برعکس وہ جتنا سست، کام چور، اور نا فرض شناس ہوگا، یا جس قدر سرکش، باغی اور نافرمان ہوگا اتنا ہی وہ خدا سے دور رہے گا، اور خدا سے دوری ہی کا نام اسلام کی زبان میں روحانی تنزل ہے۔

اس تشریح سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے دیندار اور دنیا دار دونوں کا دائرۂ عمل ایک ہی ہے۔ ایک ہی کارگاہ ہے جس میں دونوں کام کریں گے۔ بلکہ دیندار آدمی دنیا دار سے بھی زیادہ انہماک کے ساتھ مشغول ہوگا۔ گھر کی چار دیواری سے لیکر بین الاقوامی کانفرنس کے چوراہے تک جتنے بھی زندگی کے معاملات ہیں ان سب کی ذمہ داریاں دیندار بھی دنیا دار کے برابر بلکہ اس سے کچھ بڑھ کر ہی

اپنے ہاتھ میں لیگا۔ البتہ جو چیز ان دونوں کے راستے ایک دوسرے سے الگ کردے گی وہ خدا کے ساتھ ان کے تعلق کی نوعیت ہے۔ دیندار جو کچھ کرے گا اس احساس کے ساتھ کرے گا کہ وہ خدا کے سامنے ذمہ دار ہے، اس غرض سے کرے گا کہ اسے خدا کی خوشنودی حاصل ہو، اور اُس قانون کے مطابق کرے گا جو خدا نے اس کے لئے مقرر کر دیا ہے۔ اس کے برعکس دنیادار جو کچھ کرے گا غیر ذمہ دارانہ کرے گا، خدا سے بے نیاز ہو کر کرے گا، اور اپنے من مانے طریقوں سے کرے گا۔ یہی فرق دیندار کی پوری مادی زندگی کو سراسر روحانی زندگی بنا دیتا ہے اور دنیادار کی ساری زندگی کو روحانیت کے نور سے محروم کر دیتا ہے۔

اب میں مختصر طور پر آپ کو بتاؤں گا کہ اسلام دنیوی زندگی کے اس منجدھار میں انسان کے روحانی ارتقا کا راستہ کس طرح بناتا ہے۔

اس راستہ کا پہلا قدم ایمان ہے، یعنی آدمی کے دل و دماغ میں اس خیال کا بس جانا کہ خدا ہی اس کا مالک، حاکم اور معبود ہے، خدا ہی کی رضا اس کی تمام کوششوں کا مقصود ہے، اور خدا ہی کا حکم اس کی زندگی کا قانون ہے۔ یہ خیال جس قدر زیادہ پختہ اور راسخ ہوگا اتنی ہی زیادہ مکمل اسلامی ذہنیت بنے گی اور اسی قدر زیادہ ثابت قدمی کے ساتھ انسان روحانی ترقی کی راہ پر چل سکے گا۔

اس راہ کی دوسری منزل طاعت ہے، یعنی آدمی کا بالفعل اپنی خود مختاری سے دستبردار ہو جانا اور عملاً اس خدا کی بندگی اختیار کر لینا جسے وہ عقیدۃً اپنا خدا تسلیم کر چکا ہے۔ اسی طاعت کا نام قرآن کی اصطلاح میں اسلام ہے۔

تیسری منزل تقویٰ کی ہے جسے ہم عام فہم زبان میں فرض شناسی اور احساس ذمہ داری سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ تقویٰ یہ ہے کہ آدمی اپنی زندگی کے ہر پہلو میں یہ سمجھتے ہوئے کام کرے کہ اسے اپنے افکار، اقوال اور افعال کا خدا کو حساب دینا ہے، ہر اس کام سے رُک جائے جس سے خدا نے منع کیا ہے، ہر اس خدمت پر کمربستہ ہو جائے جس کا خدا نے حکم دیا ہے، اور پوری ہوشمندی کے ساتھ حلال و حرام صحیح و غلط، اور خیر و شر کے درمیان تمیز کرتا ہوا چلے۔

آخری اور سب سے اونچی منزل احسان کی ہے۔ احسان کے معنی یہ ہیں کہ بندے کی مرضی خدا کی مرضی کے ساتھ متحد ہو جائے۔ جو کچھ خدا کو پسند ہے، بندے کی اپنی پسند بھی وہی ہو، اور جو کچھ خدا کو ناپسند ہے، بندے کا اپنا دل بھی اسے ناپسند کرے۔ خدا جن بُرائیوں کو اپنی زمین میں دیکھنا نہیں چاہتا، بندہ صرف خود ہی ان سے نہ بچے بلکہ انھیں دنیا سے مٹا دینے کے لئے اپنی ساری قوتیں اور اپنے تمام ذرائع صرف کر دے۔ اور خدا جن بھلائیوں سے اپنی زمین کو آراستہ دیکھنا چاہتا ہے، بندہ صرف اپنی ہی زندگی کو ان سے مزیّن کرنے پر اکتفا نہ کرے بلکہ اپنی جان لڑا کر دنیا بھر میں انھیں پھیلانے اور قائم کرنے کی کوشش کرے۔ اس مقام پر پہنچکر بندے کو اپنے خدا کا انتہائی قرب نصیب ہوتا ہے اور اسی لئے یہ انسان کے روحانی ارتقا کی بلند ترین منزل ہے۔

روحانی ترقی کا یہ راستہ صرف افراد ہی کے لئے نہیں ہے بلکہ جماعتوں اور قوموں کے لئے بھی ہے۔ ایک فرد کی طرح ایک قوم بھی ایمان، اطاعت، اور تقویٰ کی منزلوں سے گزر کر احسان کی انتہائی منزل تک پہونچ سکتی ہے۔ اور ایک ریاست بھی اپنے پورے نظام کے ساتھ مومن، مسلم، متقی اور محسن بن سکتی ہے۔ بلکہ درحقیقت اسلام کا منشا مکمل طور پر تو پورا ہی اُس وقت ہوتا ہے جبکہ ایک پوری قوم کی قوم راہ پر گامزن ہو، اور دُنیا میں ایک متقی اور محسن ریاست قائم ہو جائے۔

اب روحانی تربیت کے اس نظام پر بھی ایک نگاہ ڈال لیجئے جو افراد اور سوسائٹی کو اس طرز پر تیار کرنے کے لئے اسلام نے تجویز کیا ہے۔ اس نظام کے چار ارکان ہیں:-

پہلا رُکن نماز ہے ——— یہ روزانہ پانچ وقت آدمی کے ذہن میں خدا کی یاد تازہ کرتی ہے، اُس کا خوف دلاتی ہے، اُس کی محبت پیدا کرتی ہے، اس کے احکام بار بار سامنے لاتی ہے، اور اس کی طاعت کی مشق کراتی ہے۔ یہ نماز محض انفرادی نہیں

ہے۔ بلکہ اسے جماعت کے ساتھ فرض کیا گیا ہے تاکہ پوری سوسائٹی مجموعی طور پر روحانی ترقی کی اس راہ پر سفر کرنے کے لئے تیار ہو۔
دوسرا رکن روزہ ہے ـــــــ جو ہر سال پورے ایک مہینے تک مسلمان افراد کو فرداً فرداً اور مسلم سوسائٹی کو بحیثیت مجموعی تقویٰ کی تربیت دیتا رہتا ہے۔

تیسرا رکن زکوٰۃ ہے ـــــــ جو مسلمان افراد میں مالی ایثار آپس کی ہمدردی اور تعاون کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ آج کل کے لوگ غلطی سے زکوٰۃ کو "ٹیکس" کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں حالانکہ زکوٰۃ کی روح ٹیکس کی اسپرٹ سے بالکل مختلف ہے۔ زکوٰۃ کے اصل معنی نشوونما اور پاکیزگی کے ہیں۔ اس لفظ سے اسلام یہ حقیقت آدمی کے ذہن نشین کرتا ہے کہ خدا کی محبت میں اپنے بھائیوں کی جو مالی امداد تم کرو گے اس سے تمہاری روح کو بالیدگی اور تمہارے اخلاق کو پاکیزگی نصیب ہوگی۔

چوتھا رکن حج ہے ـــــــ یہ خدا پرستی کے محور پر اہلِ ایمان کی عالمگیر برادری بناتا ہے اور ایک ایسی بین الاقوامی تحریک چلاتا ہے جو دنیا میں صدیوں سے دعوتِ حق پر لبیک کہہ رہی ہے اور انشاءاللہ ابد تک کہتی رہے گی! ۞

(مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی)

ہماری نظر میں

سیرتِ کبریٰ

(۱) سیرۃ کبریٰ (جلد اوّل) از:- مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری، ضخامت ۵۱۲ صفحات، قیمت چار روپیہ آٹھ آنہ
(۲) سیرۃ کبریٰ (جلد دوم) ضخامت ۵۱۱ صفحات، قیمت چار روپیہ آٹھ آنہ، ملنے کا پتہ:-
مکتبہ صدیقیہ بیرون بوہڑ دروازہ ملتان شہر!

اُردو زبان میں علامہ شبلی نعمانی اور مولانا سید سلیمان ندوی کی "سیرۃ النبی" اور قاضی محمد سلیمان منصور پوری کی "رحمۃ اللعلمین" حضور خاتم النبیینؐ کی سیرت مقدسہ پر بڑے معرکہ کی کتابیں ہیں جو مسلمانوں کے ہر طبقہ میں مقبول ہیں، ان کے بعد حضرت مولانا تھانوی کی "نشر الطیب فی ذکر الحبیبؐ" مولانا مناظر احسن گیلانی کی "النبی الخاتم" اور مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم کی "رحمت عالم" کافی مشہور رہیں۔

اب مولانا ابوالقاسم دلاوری نے حضور سید الاولین والآخرین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی مقدس سیرت کو دو ضخیم جلدوں میں مدون کیا ہے! پہلی چیز جس نے ہمیں سب سے زیادہ متاثر کیا وہ ذات رسالت مآب سے مولف کی پُرجوش عقیدت اور والہانہ محبت ہے، جو اس کتاب کی ایک ایک سطر سے نمایاں ہے، مولانا موصوف نے بڑی کاوش اور محنت کے ساتھ "سیرت کبریٰ" کو مرتب فرمایا ہے، قرآن کی آیتوں، رسُولُ اللہ کی حدیثوں اور سیرت و تاریخ کی مشہور کتابوں کے اقتباسات اور حوالوں نے اس کتاب کی اہمیت کو دوبالا کر دیا ہے، بعض واقعات جو سیرت کی دوسری کتابوں میں اختصار کے ساتھ ملتے ہیں، "سیرتِ کبریٰ" میں اُن کی تفصیل پائی جاتی ہے۔

فاضل مؤلف کو "معجزات" سے خاص شغف ہے اور وہ "معجزے" کو دلیل نبوت سمجھتے ہیں، اس لئے خرقِ عادات اور معجزات کو انھوں نے خوب پھیلا کر بیان کیا ہے۔

(صفحہ ۳۵) "دانۂ اناج" ——— "اناج" ہندی اور "دانہ" فارسی ہے اس لئے اضافت درست نہیں ———
(صفحہ ۱۷) "(اللہ تعالیٰ) بےمثل اور بے کیف ہے" ——— جہاں تک فارسی ترکیب اور اُس کے معنیٰ کا تعلق ہے "بے کیف" درست ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات "کیف و کم" سے منزہ ہے، مگر اُردو میں "بے کیف" "بے مزہ" کے معنیٰ میں بولا جاتا ہے اور اس میں کوئی خوبی نہیں پائی جاتی ——— (صفحہ ۷۹) "ایشیائی اور یورپی اقوام بُت پرستی کے ایک ہی رنگ میں رنگین تھیں" ——— "ایک ہی رنگ میں رنگی ہوئی تھیں" لکھنا چاہیئے تھا ——— (صفحہ ۱۸۵) "بہت سے کوہ صفت ہاتھی لیکر ———" "کوہ پیکر" کی ترکیب موزوں تر تھی ——— (صفحہ ۲۶۰) "اور باطن میں وطن کی محبت سُرسُرانے لگے" ——— "سُرسُرانے لگے" پر وجدان بے کیف ہو جاتا ہے ——— (صفحہ ۳۱۶) "خود پسندی سے باز رہنا، اور کسی کا حسد نہ کرنا" ——— "کا" کی جگہ "پر" لکھنا تھا یعنی کسی پر حسد نہ کرنا ——— (صفحہ ۵۱۵) "ایسی کاری ضرب لگی کہ سر پھوٹ گیا" "برتن کے لئے "پھوٹنا" بولتے ہیں، روزمرہ "سر پھٹنا" ہے! ——— (۷۸۳) "گو آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات سے کسی مومن کو مفر نہ تھا" ——— "مفر" کا اس جگہ استعمال ایک اعجوبہ سے کم نہیں جس نے لکھنے والے کے مفہوم ہی کو مبہم بنا دیا ——— (صفحہ ۹۰۴) "بلا کھٹکا و بلا کراہت" میں "واؤ عطف" وجدان پر کس قدر گراں گزرتا ہے ——— (۹۸۶) "آپ کو حضرتِ خدیجہ رضی

کی مصاحبت کا زمانہ یاد آگیا" "رفاقت" لکھنا چاہیئے تھا۔۔۔۔
(صفحہ ۳۸۸) لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ :- "(اے پیغمبرؐ) وحی کے جلد یاد کرنے کے لئے اپنی زبان نہ چلایا کیجئے"۔
۔۔۔۔ "زبان چلانا" میں ذم کا پہلو پایا جاتا ہے" "اپنی زبان کو حرکت یا جنبش نہ دیا کیجئے" لکھنا تھا۔
بعض عنوانات عجیب ہیں :۔۔۔۔ (صفحہ ۴۱۸) "خواجہ عالمؐ سے متنفر کرنے کی ابلیسی کوشش" ۔۔۔۔ (صفحہ ۴۱۹) "ہادیٔ انامؐ کی باتیں قعرِ دل میں" ۔۔۔۔ (۴۱۶) "دُنیوی کامیابیوں میں وحید العصر" ۔۔۔۔ (صفحہ ۴۴۴) "معجزات کو جادو سمجھنے کا گرداب تخیل" ۔۔۔۔ (صفحہ ۵۸۸) "مجلس ایذا رسانی کی جدید حشر انگیریاں"۔۔۔۔
(صفحہ ۳۵۰) "طوفان ہائے معاندت کا مقابلہ کیا" ۔۔۔۔ (صفحہ ۳۶۰) "جس نے انسانیت اور عدلِ الٰہی کا جسم پارہ پارہ کردیا" ۔۔۔۔ (صفحہ ۳۶۳) "جس کا دماغ نشہ باطل سے معطل اور جذبات ہیجانِ عصبیت سے مجنونانہ تھے" ۔۔۔۔ (صفحہ ۵۶۰) "اخفاء و تستر سے کام لیں" ۔۔۔۔ (صفحہ ۵۷۱) "خدانخواستہ اپنی جوعِ خونیں کو تسکین نہ دینی چاہی ہو" ۔۔۔۔ (صفحہ ۷۱۲) "ایک قریش نے تو بے پناہ نشریہ کرکے آپ کے خلاف ملک میں سخت جذبہ نفرت پھیلا رکھا تھا" ۔۔۔۔ (صفحہ ۷۶۵) "آپ نے روحانیت عظمیٰ کے پر اطمینان لہجہ میں فرمایا" ۔۔۔۔ (صفحہ ۸۴۴) "سعادتِ ایمانی سے مستسعد ہوچکے تھے" ۔۔۔۔ ان جملوں میں خط کشیدہ الفاظ کی ثقالت ادبی لطافت پر کس قدر گراں ہے۔ عرب جاہلیت کے مشہور بازار "عکاظ" کو ہر جگہ "عکاز" لکھا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ "سیرتِ کبریٰ" کے مطالعہ سے ایمان تازہ اور حضورؐ کی محبت میں اضافہ ہوتا ہے، کفار کے ہاتھوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی ایذا رسانی اور پھر ان نفوسِ قدسیہ کے صبر و استقامت کی تفصیل جو اس کتاب میں ملتی ہے وہ بہت پُراثر ہے، اُس کے پڑھنے سے دل ہل جاتا ہے اور پلکیں نمناک ہوجاتی ہیں!

مولانا ابوالقاسم دلاوری کو "سیرتِ کبریٰ" کی ترتیب و تالیف کا اجر انشاء اللہ دارین میں ملے گا اور اُن کی یہ دینی خدمت اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہوگی۔

فلسفۂ ملکیت

"فلسفۂ ملکیت" از :- نعیم صدیقی، ضخامت ۲۱۲ صفحے، خوبصورت رنگین سرورق کے ساتھ، قیمت دو روپے چار آنہ، ملنے کا پتہ :- مکتبۂ چراغِ راہ، لوٹیا بلڈنگ، آرام باغ روڈ، کراچی نمبر ۱

جناب نعیم صدیقی کو اللہ تعالیٰ نے بڑی صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں، وہ شاعر ہیں، ادیب ہیں، افسانہ نگار ہیں اور بڑے اچھے مقرر ہیں اور سب سے زیادہ خوشی کی بات یہ ہے کہ اُن کے ذہن و فکر کی تمام صلاحیتیں دین کے کام آرہی ہیں، اور جیل میں جاکر تو اُنھوں نے اپنی استقامت اور عزیمت کا بھی ثبوت دیدیا ہے۔ ۔۔۔۔ نعیم صدیقی دیکھنے میں بہت دُبلے پتلے نظر آتے ہیں مگر حقیقت میں وہ سرتا بقدم ذہانت ہی ذہانت ہیں، اور اُن کی ذات باطل کے خلاف کُھلا ہوا چیلنج ہے ۔۔۔۔ ان کی اس متنوع صلاحیت کا ایک ظہور یہ بھی ہے کہ شاعر، ادیب، اور افسانہ نگار ہوتے ہوئے "اقتصادیات و معیشت" کے مسائل میں وہ خاصہ درک رکھتے ہیں، "فلسفۂ ملکیت" اُن کی اس صلاحیت کا بولتا ہوا ثبوت ہے۔

اس کتاب کے چند عنوانات یہ ہیں، جن سے کتاب کی افادیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے :-
اسلام میں حقوقِ مالکانہ ۔۔۔۔ مالیات اجتماعی کے تقاضے ۔۔۔۔ کیا قومی ملکیت کا اصول نظامِ اسلامی میں اختیار کیا جاسکتا ہے؟ ۔۔۔۔ سرمایہ داری اور اسلام کے نظامِ ملکیت میں فرق ۔۔۔۔ اسلام کا اپنا معاشی حل ۔۔۔۔ قومی ملکیت کے مفاسد ۔۔۔۔ اسلام کے مزاج اور قومی ملکیت میں منافات ۔۔۔۔ انسان کہ معاشی حیوان ۔۔۔۔ قومی ملکیت کا اصول میزانِ عدل پر۔

وہ نادان لوگ جو "الارض للہ" اور "العفو" کے معنیٰ اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی زندگی کا جوڑ "اشتراکیت" سے ملایا کرتے ہیں اور قرآن کی آیات میں صریحاً معنوی تحریف کرتے ہیں، اس کتاب میں اُن کی خوب قلعی کھول گئی ہے، اور عقلی و نقلی استدلال کے ذریعہ ثابت کیا گیا ہے کہ اسلام اور اشتراکیت ایک دوسرے کی ضد ہیں اور جو ان دونوں کو گلے ملانا چاہتے ہیں، وہ اشتراکیت سے واقف ہوں تو ہوں مگر اسلام سے واقف نہیں ہیں۔

پوری کتاب اثر انگیز اندازِ بیان اور دلنشین دلائل سے لبریز ہے، اور سب سے بڑی خوبی کی بات یہ ہے کہ فقہی مسائل کو آسان اور سلیس زبان میں ادا کیا ہے، اس کتاب کی اشاعت پر مصنف اور ناشر دونوں قابلِ مبارکباد اور مستحقِ تحسین و ستائش ہیں۔

تمرین النحو

"تمرین النحو" از:۔ محمد مصطفیٰ ندوی، اضافہ و تکمیل:۔ عبدالماجد ندوی ضخامت ۱۳۶ صفحات، کتابت و طباعت دیدہ زیب، (قیمت درج نہیں) ملنے کا پتہ:۔ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

یہ عربی نحو کی ایک مشقی کتاب ہے، جو جدید ترین طرز پر جناب مولوی محمد مصطفیٰ ندوی نے لکھی ہے اور اُس پر اضافہ و تکمیل کی خدمت جناب مولوی عبدالماجد ندوی نے انجام دی ہے، کتاب کا مقدمہ مولانا ابوالحسن علی ندوی کا لکھا ہوا ہے، جو ہندستان کے علماء میں عربی ادب اور عربی زبان میں ممتاز اور منفرد حیثیت کے مالک ہیں!

ہمارے عربی مدارس میں جو نصاب پڑھایا جاتا ہے، اُس کے فاضل اور فارغ التحصیل طلباء عام طور پر نہ تو عربی ٹھیک طرح بول سکتے ہیں اور نہ لکھ سکتے ہیں، درسِ نظامی میں تبدیلی کے لئے غالباً سب سے پہلے علامہ شبلی نعمانی نے صدائے احتجاج بلند کی تھی مگر یہ آواز "صدا بصحرا" ثابت ہوئی، بلکہ بعض علماء نے تو شبلی نعمانی کی اس اصلاحی تجویز پر برہمی کا اظہار کیا، جیسے "درسِ نظامی" "صحابہ کرام کا بنایا ہوا نصاب ہے!" ——— مگر علامہ شبلی کا قایم کیا ہوا ندوہ برابر اپنا کام کرتا رہا۔

دار العلوم ندوہ نے کوئی شک نہیں کہ عربی زبان اور عربی ادب کے سلسلہ میں بڑی خدمت انجام دی ہے اور اس منزل میں وہ دیوبند سے کوسوں آگے ہے، اُس کے طلباء، ہندستان اور پاکستان کے عام عربی مدارس کے طلباء کے مقابلہ میں بہت زیادہ متنور الفکر بھی ہوتے ہیں!

یہ کتاب ندوہ کے دو فاضل اُستادوں کی مرتب کی ہوئی ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ اُردو زبان میں اتنی آسان، سہل، مفید اور جامع کتاب آج تک کسی نے نہیں لکھی، عربی زبان سے تھوڑی سی مناسبت اور لگاؤ ہو تو "تمرین النحو" ایک زندہ اُستاد کا کام دیگی، فاضل مرتبین نے مثال و مشق میں جگہ جگہ قرآنی آیات درج کرکے عربی گرامر کی کتاب میں دینی رنگ بھی پیدا کر دیا ہے، اللہ تعالیٰ اس کوشش اور نیت کا اجر عطاء فرمائے گا!

عالمی امن

"عالمی امن" مرتبہ:۔ ادارۂ معیار، ضخامت ۵۲ صفحات، رنگین گرد پوش کے ساتھ، قیمت آٹھ آنے ——— ملنے کا پتہ:۔ مکتبۂ معیار میرٹھ!

ماہنامہ "معیار" (میرٹھ) صالح ادب کا نقیب ہے اور اُس کا مکتبہ بھی اسی خدمت کو انجام دے رہا ہے، یہ کتاب "امن" کے موضوع پر تعمیری اور اصلاحی نظموں کا مجموعہ ہے، جسے ادارۂ معیار نے مُرتب کیا ہے۔

بعض نظمیں کافی جاندار اور شگفتہ ہیں، خاص طور سے جناب ابو المجاہد زاہد اور اسمٰعیل احمد زبیری کی نظمیں خوب ہیں، مگر جہاں یہ

لے (صفحہ ۶) "راستے پھوٹتے ہیں" ——— "راستے پھٹتے ہیں" درست ہے ——— (صفحہ ۷) "کسی ایک صحابی کے قابلِ تاویل قول کی ٹکر لڑا دیجئے" "ٹکر لڑانا" پہلی بار نظر سے گزرا!

رنگ پیدا ہو گیا ہے :-

وقت کی بوڑھی رگوں میں نہیں باقی وہ خروش
منجمد ہو گئی موجوں کی وہ یلغار عظیم
زیست آشفتہ ہے وحشت کے لہو زاروں میں

اُس جگہ وجدان تلملا تلملا کر رہ جاتا ہے، اس قسم کی نظمیں اور یہ اندازِ بیان نام نہاد "ترقی پسندوں" کو زیب دیتا ہے تعمیر پسند شعراء کے لئے تو یہ باعثِ ننگ و عار ہے۔

تعمیر، اصلاح، مقصدیت اور اسلامی انقلاب کے لئے ہمارے سامنے بہترین نمونہ علامہ اقبال کا کلام ہے، تقلید ہی جب کرنی ٹھہری تو ہم سرد یا بُریدہ شاعری کی جگہ حکیم مشرق کے اندازِ بیان کی تقلید کیوں نہ کریں !

اقبال کی کہانی

"اقبال کی کہانی کچھ میری اور کچھ اُن کی زبانی" از :- ڈاکٹر ظہیر الدین احمد الجامعی، ضخامت ۱۳۲ صفحات، کاغذ کتابت، طباعت ہر چیز دیدہ زیب، مجلد گرد پوش کے ساتھ، قیمت تین روپے !

ملنے کا پتہ :-

جناب ڈاکٹر ظہیر الدین احمد الجامعی نے علامہ اقبال کے کلام کی زبان سے خود اقبال کی کہانی سنوائی ہے، اس لئے وہ دلچسپ بھی ہے اور پُر تاثیر بھی ! —— بعض مقامات پر مصنف کے جذبات میں کافی شدت پیدا ہو گئی ہے، اور اقبال سے عقیدت تو ایک ایک سطر سے جھلکتی ہے۔

(صفحہ ۱) "موسیٰ سے خدا نے صرف اتنا پوچھا تھا کہ یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے ؟ جواب میں اتنا کہہ دینا کافی تھا" کہ عصا ہے" لیکن یار سے ہمکلامی بات کو بتنگڑ بنانا چاہتی ہے" —— "بتنگڑ" میں طنز کا پہلو پایا جاتا ہے، جس کا یہاں کوئی محل نہ تھا —— (صفحہ ۲) "زندگی کا ہر لمحہ اُس کی دلچسپی سے رطب اللساں رہے" —— "دلچسپی سے رطب اللساں رہنا" ایک مہمل سی بات ہے، "رطب اللساں" تو مدح و منقبت کے لئے بولا جاتا ہے —— (صفحہ ۶) "اور اس پاکباز پیر یزدانی کی نے نوازی ہی کا صدقہ تھا" —— "پیر یزدانی" نامانوس ترکیب ہے اور مفہوم کے اعتبار سے بھی عجیب ہے —— (صفحہ ۲۴) "ملتوں کے چڑھائے ہوئے سرمہ کو دور کر کے" —— سُرمہ کے لئے "چڑھانا نہیں" "لگانا" بولتے ہیں —— صفحہ ۳۳ پر تلاطم کی جگہ طلاطم لکھا ہوا ملتا ہے —— (صفحہ ۳۸) "مغرب آج اپنے آپ پر اور پوری انسانیت پر زندگی تلخ کئے دکھائی دیتا ہے" "پر" اور "تلخ کئے دکھائی دیتا ہے" نے پُورے جملے میں ذوشتوں کا سا انداز پیدا کر دیا —— (صفحہ ۴۶) "طبلہ کی چوٹ" —— روزمرہ "طبلہ کی تھاپ" ہے ——

اقبال کا ایک شعر صفحہ ۴۳ پر اس طرح لکھا ہوا ملتا ہے :-

نے بدست مالے کہ سلطانے برد　　نے دل بدل نُورے کہ شیطانے برد

پہلا مصرعہ تو اس صورت میں بحر ہی سے خارج ہے، غالباً "بدست" نہیں "بہ کف" ہوگا ! —— (صفحہ ۶۳) "اس طرح شریعت جس کا سرچشمہ وحی ہے، انسان پر تھپا ہوا کوئی اجنبی حکم نہیں" "حکم کا تھپنا" پہلی بار نظر سے گزرا —— (صفحہ ۱۳۱) "راہ کے موانعات" "راہ کے موانع" لکھنا تھا، جمع الجمع بنانے کی کیا ضرورت تھی !

مصطفےٰ کمال نے تجدد و اصلاح کے جوش میں مذہب کے ساتھ جو ناروا سلوک کیا، اُس پر مصنف نے جو تنقید کی ہے اُسے

پڑھ کر خوشی ہوئی کہ ڈاکٹر ظہیر الدین الہامی اللہ کے فضل سے مغربی تمدن سے مرعوب اور متاثر نہیں ہیں اور "ترقی" کی حدود کو پہچانتے ہیں۔

جھلکیاں

"جھلکیاں" از :- عروج زیدی بدایونی، ضخامت ۹۶، اصفحات (سائز بانگ درا) مجلد (مصنف کے فوٹو کے ساتھ) قیمت تین روپیہ ——— ملنے کا پتہ :- نظامی پریس بدایوں (یو۔پی)

بدایوں کی سرزمین بڑی مردم خیز واقع ہوئی ہے، بدایوں کے اُفق سے ایسے ایسے درخشاں ستارے بھی اُبھرے ہیں کہ جو بظاہر چھپ گئے اور آنکھوں سے اوجھل ہوگئے مگر اُن کی روشنی ماند نہیں پڑی ——— سلطان الاولیا حضرت نظام الدین اولیا، محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے مولد ومنشاء ہونے کا بدایوں کو فخر و شرف حاصل ہے، ملا عبدالقادر بدایونی جیسا حق گو مورخ بھی اسی سرزمین سے اُٹھا، اور فانی بدایونی سے صدیوں پہلے شہاب الدین مہمرہ جیسا قادر الکلام شاعر بدایوں میں پیدا ہوا، جس کے آگے اقلیم سخن کے شہنشاہ حضرت امیر خسرو نے زانوئے تلمذ تہ کیا ——— یہ مبالغہ نہیں امر واقعہ ہے کہ بدایوں میں شعر و ادب سبزہ کی طرح اُگتے ہیں۔

عروج زیدی بھی "بدایونی" ہیں، اس لئے شعریت اُن کے خمیر اور سرشت میں شامل ہے، عروج جتنے اچھے اور پاکیزہ شاعر ہیں اُس کے مقابلہ میں اُن کی شُہرت بہت کم ہے، بات یہ ہے کہ عروج کو پروپیگنڈے کا فن نہیں آتا، اور آج کل شہرت کے لئے ریڈیو، فلم اور بازاری رسالوں کے سہاروں کی ضرورت پڑتی ہے، اور یہ مرحلہ سر ہو جائے تو پھر کیا ہے چند دن میں ایک گمنام آدمی مشہور ہو جاتا ہے ——— مگر اس شہرت کو دوام نہیں!

اب سے بارہ سال قبل جناب عروج کے سو شعر کتابی شکل میں منظر عام پر آئے تھے، جن کو قدیم و جدید ہر طبقہ کے ارباب ذوق اور خاص طور سے شاعروں نے پسند کیا، اب اُن کے کلام کا پہلا مجموعہ شائع ہوا ہے، جس پر "اعتبار الملک" حضرت دل شاہجہاں پوری، "ناخدائے سخن" حضرت نوح ناروی اور "ابو الفصاحت" جناب لبھورام جوش ملسیانی کی گرانقدر آرا، "اشارات" "تبصرہ" اور "اظہارِ حقیقت" کے عنوان سے درج ہیں!

"جھلکیاں" شاعر کے جذبات اور واردات کی سچ مچ آئینہ دار ہیں، عروج کی شاعری میں محبت کا رچاؤ ملتا ہے، اسی لئے بعض اشعار تو چوٹ کھائے ہوئے دل کی "چیخ" بن کر رہ گئے ہیں، پھر لطف یہ ہے کہ اُن کے یہاں آج کل کے "ترقی زدہ" شاعروں کی طرح بے راہ روی نہیں پائی جاتی، عروج خیال کے اظہار کے لئے اُسی انداز کے الفاظ لاتے ہیں، جن کی ضرورت ہوتی ہے ——— اُن کے کلام میں شدید جذباتیت پائی جاتی ہے مگر ہوش وعقل کا دامن چھٹنے نہیں پاتا، ان شعروں سے عروج کی شاعری کے محاسن کا اندازہ کیا جا سکتا ہے :-

مجھ سے کیا پوچھتے ہو چوٹ کہاں کھائی ہے — نام لوں گا تو کہو گے مری رُسوائی ہے
میں کہاں اور کہاں جراَتِ عرضِ مطلب — اعتبارِ کرمِ دوست کی شہ پائی ہے

مصائب سے نہیں ڈرتا کہ ہمت ہے جواں میری — ہمیشہ برق سے کھیلی ہے شاخِ آشیاں میری

سچ تو یہ ہے کہ بندگی عینِ شہود کا ہے نام — یہ بھی کوئی نماز ہے، آپ نہ ہوں نماز ہو

نصیب ہی میں نہ تھی دولتِ قدم بوسی / تمہاری راہ میں آنکھیں بچھا کے دیکھ لیا
جوابِ عرضِ تمنا کہاں مقدر میں / یہی بہت ہے مجھے آنکھ اُٹھا کے دیکھ لیا

درِ جنت پہ میں پہونچا تو یہ غیبی پیام آیا / جہاں پہلے پہل کھائی تھی ٹھوکر وہ مقام آیا

نہ گھبرا اے ہجومِ رنج و کلفت دیکھنے والے / یہ عالم دیکھتے ہیں دورِ عشرت دیکھنے والے

مشق میں دل حسرتوں سے پاک فرما دیجیے / دُور یہ سارے خس و خاشاک فرما دیجیے
میری وحشت میرے ہاتھوں کی بھی کیوں ممنون ہو / آپ خود میرا گریباں چاک فرما دیجیے

اس دلبری کی شان کے قربان جائیے / اب دل دہی کو آئے ہیں جب دل نہیں رہا

غرق ہونا ہی مقدر ہے تو ٹل سکتا نہیں / دُور ہو ساحل سے کشتی یا ہو ساحل کے قریب

دیکھتے ہی آپ کو آئینہ حیراں ہو گیا / میری کیا ہے آپ بے جانوں کی حیرت دیکھئے

جنوں پہ مرے آپ ہنس رہے ہیں / کہیں خود تماشا نہ بن جائیے گا

ہستی بھی ہے فانی، غمِ ہستی بھی ہے فانی / یہ دھوپ تو کیا چیز ہے سایہ نہ رہے گا

آپ خود آواز دے کر رہنمائی کیجئے / کھو گئے ہیں درمیانِ کعبہ و بت خانہ ہم

پھونک دیتی گرمیٔ برقِ نظر سارا جہاں / وہ تو کہئے درمیاں میں طور حایل ہو گیا

نگاہِ شوق یہ رسمِ ادب کب تک نباہے گی / حریمِ ناز کے پردے رہیں گے درمیاں کب تک
یہ کچی آگ ہے اس سے دھواں اُٹھنا یقینی ہے / شروعِ عاشقی میں کوششِ ضبطِ فغاں کب تک

جستجو میں تیری کل تک میں غبارِ راہ تھا / آج میرِ کارواں ہوں تیرے مل جانے کے بعد

اپنے بھیگے ہوئے بالوں کو سکھاتا ہے کوئی اہلِ دُنیا جسے ساون کی گھٹا کہتے ہیں

خدا کے واسطے اب ناخدا بن کر چلے آؤ جھکولے کھا رہی ہے کشتیٔ عمرِ رواں میری

تنگ آ گئے ہیں کوششِ ضبطِ فغاں سے ہم ٹکرا نہ دیں زمیں کو کہیں آسماں سے ہم

نگاہِ لُطف اُن کی اور بھی بے چین کرتی ہے قیامت ہے دوا سے درد ہوتا ہے سوا میرا

غم کا جو محرم نہیں اسرار کی منزل نہیں ایسے دل کو دل کہے جاؤ مگر وہ دل نہیں

دیکھ کر کہتے ہیں وہ حالِ پریشانِ عروج
اب کوئی دن میں یہ دیوانہ بنا جاتا ہے

حریمِ ناز کے جلووں پر اک تنقید لکھنی ہے ہم اپنی خود فراموشی کو عنوانِ بیاں کرلیں

اور تنہا یہ مصرعہ :-

ع حُسن نے بھیجا ہے اک سادہ ورق میرے لئے

اپنی جگہ ایک مکمل نظم ہے !

دُوسرا رُخ :-

متاعِ دل کی قیمت ایک ہلکا سا تبسم ہو کوئی سودا جہاں میں اتنا ارزاں ہو نہیں سکتا (صفحہ ۳۳)

"اتنا" میں "الف" بُری طرح دب رہا ہے،

میں جورِ مستقل پہ رہا ہوں نیاز مند میری نہیں تو کس کی تمنا کریں گے آپ (صفحہ ۴۴)

مصرعۂ اولیٰ خوب ہے، کاش ! مصرعۂ ثانی اسی کے جوڑ کا ہوتا !

جب انھیں میری وفا کا اعتبار آ جائے گا گردشِ شام و سحر پر مجھکو پیار آ جائے گا (صفحہ ۴۶)

مطلع "دولخت" ہے ! شاعر کے ذہن میں جو مفہوم ہے وہ واضح نہیں ہو سکا۔

اک دردمندِ عشق سے کب تک یہ بے رُخی انسانیت کے نام کو رُسوا نہ کیجئے (صفحہ ۵۶)

محبوب سے یہ کہنا کہ تم بے رُخی کر کے انسانیت کے نام کو بٹہ لگا رہے ہو توہینِ حُسن ہے ! محبوب سے یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ تم کافر ہو، جلاد ہو، سفاک ہو، بیداد گر اور تغافل شعار ہو، مگر یہ نہیں کہہ سکتے اور نہ کہنا چاہئے کہ تم حیوان ہو، درندے

اور جانور ہو، اور تم میں انسانیت اور آدمیت نہیں پائی جاتی۔

نالوں سے ضد تو ہے تجھے اک بیقرار کے — رکھ دیں نہ یہ فلک کو زمیں پر اتار کے (صفحہ ۱۰۵)

مصرعہ اولیٰ میں ایسی تعقید پائی جاتی ہے جس کو وجدان مشکل ہی سے گوارا کر سکے گا۔

شاعرِ معصوم ہوں میں ایک ارفع ذات ہوں — مصدرِ الہام ہوں، پیغمبر جذبات ہوں (صفحہ ۱۱۱)

"ارفع ذات" نے شعریت کو مجروح کر دیا۔

اے دوست! تیری پچھلی دعاؤں کا شکریہ — دردِ دل و جگر کی دواؤں کا شکریہ (صفحہ ۱۱۸)

"دواؤں" پڑھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے شاعر جس دوست سے مخاطب ہے وہ سچ مچ کوئی طبیب، عطار یا کمپاؤنڈر ہے۔

تیری ہر کوشش ترقیٔ زباں میں کامیاب — اے دبستانِ علی گڑھ کے موقر تکرار

"موقر" کتنا ثقیل لفظ رکھ دیا ہے۔

اس انداز کے اشعار :—

آجایئے کہ سینہ میں کروٹ بدل سکے — مدت ہوئی ہے درد کو پلٹا لئے ہوئے

دل نہیں مانتا ضدی ہے مگر اس کا علاج — میں تو تیار ہوں وعدوں سے بہل جانے کو

کچھ کچھ اُتر چلا تھا خمارِ الست — پھر تازیانہ تیری نظر نے لگا دیا

جرم حق گوئی میں اس کو دار پر کھینچا گیا — یہ تدارک خود سبب ہے رفعتِ منصور کا

یہ کب خیال ہے تجھ کو مرا خیال نہیں — نصیب چشم مگر بادۂ جمال نہیں

روز اک محشر اُٹھاتا ہے نیا چرخ کہن — داغ دینے میں ہے ماہر اس کا دستِ پُرفتن

اگر انتخاب میں چھانٹ دیے جاتے تو بلندیوں کے ساتھ پستیاں نہ رہنے پاتیں۔

عروج کے اس مجموعہ کلام میں چند نظمیں بھی ہیں مگر غزلوں کے مقابلہ میں شگفتہ اور زیادہ جاندار نہیں ہیں ——— عروج صاحب نے "میں نہیں لکھتا" کے عنوان سے چند لفظوں کی فہرست دی ہے جو اُن کے "متروکات" میں داخل ہیں ——— "دھرنا" (رکھنا) "سدا" (ہمیشہ) "پر" (بمعنیٰ مگر) "سو" (بمعنیٰ پس) "ست" (حرفِ نفی) "گر" (بجائے اگر) (وغیرہ) ——— سمجھ میں نہیں آتا کہ ان لفظوں میں آخر کیا عیب اور ثقالت ہے، جن کے سبب عروج صاحب نے انھیں دیس نکالا دیدیا۔

غالب کا مشہور شعر ہے :—

بُوئے گُل، نالۂ دل، دودِ چراغِ محفل
جو تری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا

اس "سو" کے لطف اور معنویت کا بھلا کوئی ٹھکانہ ہے ——— جناب عروج نے متروکات کی یہ زنجیریں اپنی مرضی سے پہن لی ہیں!

بُھول چوک کس سے نہیں ہوتی، سہو و نسیان سے کوئی آدمی بھی محفوظ نہیں ہے ——— مجموعی طور پر جناب عروج کا مجموعۂ کلام (جھلکیاں) شگفتہ اور دلچسپ ہے، ان کے سو شعروں پر فراق گورکھپوری کی رائے ملاحظہ فرمائیے، اور اس سے عروج کی شاعری کی بلندیوں کا اندازہ لگائیے:-

"بہت سے اشعار نے مجھ پر بڑا اثر کیا، کیا کہنا! آپ کا مجموعہ جب نکلے گا
تو واقعی ایک چیز ہوگا"

اور عروج کا مجموعہ منظرِ عام پر آگیا!

روایت کی اہمیت

"روایت کی اہمیت" از:- ڈاکٹر عبادت بریلوی، ضخامت ۲۰۴ صفحات، کتابت، طباعت اور کاغذ ——— معیاری، قیمت سات روپے - ملنے کا پتہ:- انجمن ترقی اُردو، کراچی!

ڈاکٹر عبادت بریلوی (ایم اے، پی، ایچ ڈی) اُردو کے مشہور تنقید نگار ہیں، یہ کتاب اُن کے دس تحقیقی اور تنقیدی مقالات کا مجموعہ ہے! جن کے عنوانات یہ ہیں:- (۱) روایت کی اہمیت (۲) اُردو شاعری میں گل و بلبل کے اشارے (۳) دلی کا دبستان شاعری (۴) آب حیات اور آزاد (۵) غالب کی عشقیہ شاعری (۶) منظوماتِ حالی (۷) داغ کا تغزل اور اُس کے سماجی محرکات (۸) حسرت (۹) اُردو شاعری میں حبِ وطن کی روایت اور (۱۰) اُردو تنقید میں روایت اور تجربے!

ڈاکٹر عبادت بریلوی کا مطالعہ وسیع اور مشاہدہ عمیق ہے، اس لئے وہ شعر و ادب کے مسائل پر جو کچھ سوچتے ہیں اور اُسے جس انداز میں ظاہر کرتے ہیں اُس میں گہرائی کے ساتھ تنوع بھی ہوتا ہے ——— اس کتاب میں ایک دو مقالے تو ضرور سطحی ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے تنقید نگار نے بہت جلدی میں لکھے ہیں، باقی مقالے سب کے سب کافی جاندار ہیں، خاص طور سے "آب حیات اور آزاد" ——— "داغ کا تغزل اور اُس کے سماجی محرکات" اور "حسرت" جن مقالوں کے عنوانات ہیں وہ بہت زیادہ شگفتہ سلجھے ہوئے اور تنقیدی نقطۂ نگاہ سے سنجیدہ، مدلل اور باوقار ہیں! جہاں تک ہمارے محدود مطالعہ کا تعلق ہے "داغ کی شاعری" پر شاید اب تک اتنا اچھا مقالہ نہیں لکھا گیا!

ایک اقتباس:-

"حالی نے نظم میں عورت کو ماں، بہن اور بیٹی کہہ کر پکارا ہے، ورنہ اس سے قبل تو اُردو شاعری میں عورت صرف محبوب تھی، صرف تعیش کا ذریعہ تھی اور اکثر جگہ تو وہ طوائف نظر آتی ہے! حالی نے سب سے پہلے عورت کو معاشرہ میں ایک مرتبہ دیا مختلف زاویوں سے اس کی اہمیت ذہن نشین کرائی، اُنھوں نے عورت کو قوم کی عزت قرار دیا، اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی کہ عورت ماں، بہن اور بیٹی ہے اور زندگی اُس کے بغیر نامکمل ہے۔"

(صفحہ ۵) "جس کے اطراف و اکناف میں پُرکیفی و دل آویزی ہو" ———

"پُرکیفی" نامانوس ترکیب ہے ———

(صفحہ ۵) "جس کے آس پاس سرسبزی و شادابی کی مسکراہٹیں بسیرا[۱] لیتی ہوں" ——— سرسبزی اور شادابی کی مسکراہٹیں اس میں کس قدر تکلف اور آورد پائی جاتی ہے ——— (صفحہ ۴۱) "وہ گیرائی و گہرائی" اُردو اور فارسی لفظوں کے درمیان حرف عطف (و) لانا درست نہیں ——— (صفحہ ۶۷) "کیوں کہ وہ سطحیت کے ساتھ لکھے جاتے ہیں" ——— یہ لفظ سطحیت ——— یہاں اکھڑا اکھڑا سا لگتا ہے ——— (صفحہ ۲۱۱) "مشرقی زندگی کی مذمومات کو ختم کرنے کا علم اُن کے ہاتھوں بلند ہوتا ہے" ——— "مذمومات" "برائیوں اور غیر مستحسن باتوں" کے لئے استعمال کیا گیا ہے، جو ثقیل بھی ہے اور غریب بھی!

صفحہ ۳۵۶ پر حسرت موہانی کا یہ شعر درج ہے :-

مجھے فیضِ سخن پہونچا ہے حسرت ز روحِ پاک شمس الدین تبریزؒ

حیرت ہے کہ حسرت موہانی مرحوم کو یہ بات معلوم نہیں تھی کہ حضرت شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ شاعر نہیں تھے، اور وہ مولانا رومؒ کا دیوان ہے جس میں انہوں نے اپنے پیر سے غایت محبت کے سبب شمس تخلص اختیار کیا ہے۔

"روایت کی اہمیت ..." کوئی شک نہیں کہ اُردو زبان میں قابلِ قدر اضافہ ہے!

گلشنِ عشق

"گلشنِ عشق" از :- ملا نصرتی، مُرتبہ :- ڈاکٹر مولوی عبدالحق، ضخامت ۲۵۰ صفحات، خوشنما ٹائپ پر، قیمت چار روپے آٹھ آنہ، ملنے کا پتہ :- انجمن ترقی اُردو پاکستان کراچی!

ملا نصرتی عادل شاہی دربار کے ملک الشعراء تھے، اور اب سے تین سو سال پہلے اُنھوں نے یہ مثنوی (گلشنِ عشق) کہی تھی، جسے ہم اُردو شاعری کے آغاز سے تعبیر کر سکتے ہیں! ملا نصرتی بڑے پُرگو شاعر تھے، مثنوی، قصیدہ، غزل اور رباعی سبھی کچھ اُنھوں نے کہا ہے اور اُن کی شاعرانہ طبیعت کسی گھر بند نہیں ہے!

یہ مثنوی منوہر اور مدمالتی کے عشق کا افسانہ ہے، جس میں وہ سب کچھ پایا جاتا ہے جو ان منزلوں میں پیش آتا ہے یا آنا چاہیئے! نصرتی نے مناظر کو بڑے دلکش اور اثر انگیز انداز میں منظوم کیا ہے ——— مگر شرح و بیان کے بغیر اس مثنوی کے بہت سے اشعار سمجھ میں نہیں آسکتے ——— مثلاً :-

دیکھا یک لبد کا پیالہ سرنگ
کرے پل میں کئی ہوشیاراں کو دنگ

اگر کسی کو "لبد" (بمعنیٰ لب) اور "سرنگ" (بمعنیٰ سُرخ) کے معنیٰ معلوم نہ ہوں تو یہ شعر ایک چیستاں سے کم نہیں!

اس قسم کے صاف اور سلیس مصرعے بھی "گلشنِ عشق" میں پائے جاتے ہیں :-

ترے نور کا ہے عجب آب و تاب
مرے تن میں بیت الشرف ہے دماغ
تری شان سرتاج لولاک کا

اور

ترا خاتم اے خاتم الانبیا رسالت کے فرماں پہ سکہ کیا

---

[۱] "بسیرا" ——— یہ لفظ تنقید نگار کو بہت پسند ہے، مقالوں میں بار بار آیا ہے۔

اس کتاب کو مولوی عبدالحق صاحب نے مرتب فرمایا ہے جس پر معلومات آفریں مقدمہ لکھا ہے، مشکل لفظوں کی شرح کی ہے اور آخر میں مثنوی گلشنِ عشق کے مشکل الفاظ کی فرہنگ بھی لگا دی ہے، اس چیز نے کتاب کی افادیت کو دوبالا کر دیا ہے!

(صفحہ ۱) "اس کے بعد اگرچہ محمد عادل شاہ کے عہد (۱۰۳۷—۱۶۲۸ھ) میں ایک طرف شیواجی اور دوسری طرف شاہ جہاں کی للچائی ہوئی نظریں بیجاپور پر پڑ رہی تھیں تاہم اُس کے عہد میں بھی اُردو کے بعض اچھے شاعر گزرے ہیں۔۔۔۔۔"

اس جملہ میں "اگرچہ" اور "تاہم" کا محلِ استعمال سمجھ میں نہیں آیا، کیا کسی حملہ آور اور دشمن کا کسی ملک کو صرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنا، وہاں اچھے شاعر پیدا نہ ہونے کا سبب ہو سکتا ہے، جس پر یہاں فاضل مقدمہ نگار نے حیرت کا اظہار کیا ہے۔

سرودِ بقا

"سرودِ بقا" ترجمہ:- ڈاکٹر عشرت انور، پاکٹ سائز ضخامت ۶۵ صفحے، کاغذ، کتابت، طباعت ہر چیز اعلیٰ اور معیاری، قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے، ملنے کا پتہ:- ڈاکٹر عشرت حسن انور ۴ حالی روڈ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (بھارت)

انگلستان کے مشہور شاعر ورڈز ورتھ (WORDS WORTH) کی نظم "ODE TO IMMORTALITY" کا منظوم ترجمہ ڈاکٹر عشرت انور نے پیش کیا ہے! اس کتاب کے دو نام ہیں سرودِ بقا اور (یا) خوابِ طفلی! فاضل مترجم نے "سرودِ بقا" کو اپنے پیر و مرشد کے نام سے منتسب کیا ہے، اور اُن کے نام کے ساتھ "اس عصر کے مایہ ناز وحدت الوجودی" لکھا ہے!

اس کتابچہ میں ایک صفحہ پر اصل انگریزی نظم کے اشعار ہیں اور بالمقابل صفحہ پر اُن کا ترجمہ ہے، لائق مترجم نے اپنی استعداد اور ذوق کی حد تک بڑی محنت اور کاوش سے کام لیا ہے —— مگر نظم کا ترجمہ چاہے نثر میں ہو یا اشعار میں، اُس میں عمر خیام کی رباعیوں کے فٹز جیرالڈ والے ترجمہ کی جھلک پائی جانی چاہئیے!

مگر ڈھلنے لگا جب اپنا بچپن　　نہاں ہونے لگی وہ برقِ ایمن　　(صفحہ ۲۹)

"ڈھلنا" تو جوانی کے لئے بولا جاتا ہے، بچپن کے لئے نہیں بولا جاتا!

اُسی کی یادیں ہیں میرے نغمے　　کہ چھائے تھے نظریں جس کے جلوے　　(صفحہ ۵۱)

نظر یا آنکھوں کے ساتھ "چھانا" اندھیرے کے لئے بولتے ہیں —— "سمائے تھے نظریں جس کے جلوے" کہنا تھا!

وہی رنگِ رخِ شام و سحر تھے　　نظر کو سرمۂ نورِ بصر تھے　　(صفحہ ۵۱)

مصرعِ ثانی عجیب ہے —— یہ "سرمۂ نورِ بصر" آخر کیا بات ہوئی!

جس طرح یہ شعر ہے:-

ہم آہنگِ سروش آوازِ تیری　　فرازِ قدس میں پرواز تیری

اگر ترجمہ میں یہ رنگ قایم رہتا تو نظم تاثیر سے خالی نہ رہتی۔

الحسنات کا حدیث نمبر

پندرہ روزہ "الحسنات" کا حدیث نمبر مُرتبہ:- ابو سلیم محمد عبدالحی، ضخامت ۱۵۲ صفحے، حدیث نمبر کی قیمت ایک روپیہ چار آنہ —— سالانہ چندہ پانچ روپیہ آٹھ آنہ —— ملنے کا پتہ:- منیجر "الحسنات" رام پور (بھارت) اور پاکستان میں خریدار بننے کے لئے "دفترِ چراغِ راہ

لوٹیا بلڈنگ آرام باغ کراچی، کے یہاں چندہ بھیجا جاسکتا ہے !

" الحسنات " مشہور دینی رسالہ ہے، جو نہایت سلیس و آسان زبان اور دلکش انداز میں خالص اسلامی تعلیمات کو پیش کرتا ہے اور اس میں ذرا سی بھی جاہلیت کی آمیزش نہیں ہوتی ——— " الحسناتؔ " بہت سے معرکہ آرا " خاص نمبر " بھی پیش کرچکا ہے، اور اب " حدیث نمبر " منظرِ عام پر آیا ہے !

اس زمانہ میں جب کہ " انکارِ حدیث " کا فتنہ اُبھر رہا ہے، الحسنات کا " حدیث نمبر " وقت کے اِن " فرعونوں " کے لئے ضربِ کلیم بن کر نمودار ہوا ہے، شروع سے لیکر آخر تک ہر مضمون مفید بلکہ ایمان افروز ہے ! ہر لکھنے والے نے بڑی سنجیدگی اور وقار و متانت کے ساتھ اپنے مافی الضمیر اور مطلب کو ادا کیا ہے ! اس افادیت اور سعادت و برکت کی کوئی حد و انتہا ہے کہ " حدیث نمبر " کا قریب قریب ہر صفحہ حضورؐ کی حدیث سے مزین ہے، جن کو اس مہینہ کے " فاران " میں یکجا کر دیا گیا ہے۔

جناب ابوسلیم محمد عبدالحی صاحب کو اس کامیاب دینی پیشکش پر ہم مبارکباد دیتے ہیں، اور " فاران " پڑھنے والوں سے سفارش کرتے ہیں کہ وہ " حدیث نمبر " کو جس قیمت پر بھی ملے حاصل کرکے خود پڑھیں اور اپنے احباب اور عزیزوں کو مطالعہ کے لئے دیں !

لہ (صفحہ ۶۸، ۶۹) پر حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے شہد نہ کھانے کا جو عہد کیا تھا، اور اُس پر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو متنبہ فرمایا تھا ——— اس سلسلہ میں یہ جملہ " اس میں ایک پہلو خرابی کا نکلتا ہے " ——— تو اس میں " خرابی " کھٹکتا ہے کیونکہ ———

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا !